

الآن أولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ۝

النوار اصفا

دنیاۓ اسلام کے نوے صوفیائے کرام، اولیائے عظام اور
عارفان عالی مقام کے مکمل حالات و کوائف، انہیں کے ملفوظات
و تصنیفات اور مستند کتب توارخ کی روشنی میں!

مرتبہ

ادارہ تصنیف و تالیف

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز

لاہور ۝ حیدرآباد ۝ کراچی

الْآنَ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

اولیاءِ صفیاء

دنیا کے نئے اسلام کے نئے صوفیائے کرام، اولیائے عظام اور عارفانِ عالی مقام کے مکمل حالات و کوائف، انھیں کے ملفوظات و تصنیفات اور مستند کتب تالیف

کی روشنی میں

مکتبہ

ادارہ تصنیف و تالیف

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز

لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی



۲۹۷ ۹۹۳۳
۳۰۱۳۵
۹۵۵۱۲

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ

اس کتاب کے جملہ حقوق بحق شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز محفوظ ہیں۔ اس کتاب کا مکمل یا کوئی بھی حصہ کسی طرح بھی نقل نہیں کیا جاسکتا۔ اشاعت کی غرض سے مکمل یا جزوی طور پر اس کی فوٹو کاپی بھی نہیں کی جاسکتی۔ خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

ALL RIGHTS ARE RESERVED

No part of this book may be reproduced or utilized in any form or by any means, electronic or mechanical, including photocopying and recording or by any information storage and retrieval system, without the written permission of the publisher.

ادارہ تعمیر و تہذیب - صفحہ

طابع: شیخ نیاز احمد

مطبع: غلام علی پرنٹرز، اشرفیہ پارک

فیروز پور روڈ، لاہور



مقام اشاعت:

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز

199-سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور-54000

فہرس - ۱

(بہ لحاظ حروف تہجی)

صفحہ	نام	نمبر شمار	صفحہ	نام	نمبر شمار
۳۹۳	اشرف جہانگیر سمنانیؒ	۱۶	۳	نہرست بہ لحاظ حروف تہجی	۱
۲۳۸	امان پانی تہجیؒ	۱۷	۴	فہرس (بہ لحاظ زمانہ)	۱
۵۸۷	امداد اللہ جاجرگیؒ	۱۸	۱۱	معروضہ	ب
۲۲۳	امیر حسینیؒ	۱۹	۱۳	جن کتابوں سے مدد لی گئی۔	ج
۲۲۱	اوحید الدین کرمانیؒ	۲۰		پہلا حصہ	
۵۰	بایزید بسطامیؒ	۲۱	۵۸	احوال صفیریہ	
۳۶۳	برہان الدین غریبؒ	۲۲	۷۱	ابو اسیم بن ادہم	۱
۵۰۱	بلھے شاہؒ	۲۳	۹۷	ابو احمد ابدال حشتیؒ	۲
۲۶۵	بر علی قلندر پانی تہجی	۲۴	۲۵۶	ابو الحسن علیؒ (داتا گنج بخشؒ)	۳
۱۸۷	بہاء الدین زکریا سہروردیؒ	۲۵	۵۰۳	ابو المعالی قادری لاہوریؒ	۴
۴۱۵	بہاء الدین محمد نقشبندؒ	۲۶	۶۲	ابو سعید مجددیؒ	۵
۲۳۷	جلال الدین تبریزی سہروردیؒ	۲۷	۹۰	ابو علی رودباریؒ	۶
۴۱۱	جلال الدین جہانیاں جہاں گشتؒ	۲۸	۸۱	ابو عثمان سعید بن اسلام المغربی	۷
۲۷۲	جلال الدین رومیؒ	۲۹	۹۳	ابو سعید ابوالخیر مہنویؒ	۸
۳۷۹	جلال الدین کبیر الادلیاؒ	۳۰	۲۲۵	ابو القاسم گرگانیؒ	۹
۶۷	جنید بغدادیؒ	۳۱	۹۵	ابو الحسن شاذلیؒ	۱۰
۳۳	حبیب عجمیؒ	۳۲	۱۳۲	ابو یوسف حشتیؒ	۱۱
۴۵	حذیفہ زعشیؒ	۳۳	۵۶۱	ابو نجیب سہروردیؒ	۱۲
۱۷	حسن بصریؒ	۳۴	۱۳۲	احمد میردیؒ	۱۳
			۲۳۱	احمد بن ابوالحسن رفاعیؒ	۱۴
				احمد رود لویؒ	۱۵

تاریخ

۵۵۲

صفحہ	نام	نمبر شمار	صفحہ	نام	نمبر شمار
۲۳۲	عبید اللہ احرار	۵۹	۷۴	حسین بن منصور حلاج	۳۵
۲۵۲	علی احمد صابر کلیری	۶۰	۲۳۲	حمید الدین ناگوری	۳۶
۵۱۲	حسینی ولی	۶۱	۲۲۲	داؤد کرمانی	۳۷
۲۵۸	فخر الدین عراقی	۶۲	۲۲۰	درویش محمد	۳۸
۱۹۶	فرید الدین گنج شکر	۶۳	۲۳	ذوالنون مصری	۳۹
۵۱۶	فیض اللہ تیراہی	۶۴	۲۵	رابعہ عدویہ بصری	۴۰
۲۰۹	قطب الدین بختیار کاکہ	۶۵	۳۵۲	رکن الدین ابوالفتح	۴۱
۲۸۵	کاکا صاحب (شیخ رحمان)	۶۶	۵۲۳	سچل سرمست	۴۲
۲۲۱	گیسو دراز	۶۷	۳۷۶	سراج الدین عثمان	۴۳
۲۵۸	مجدد الف ثانی	۶۸	۳۸۳	شرف الدین احمد منیری	۴۴
۵۱۱	محمد جمال ملتانی	۶۹	۳۲۱	شمس الدین ترک	۴۵
۵۳۳	محمد سلیمان تونسوی	۷۰	۱۷۶	شمس الدین تبریزی سبزواری	۴۶
۲۹۲	محمد غوثی (شاہ) لاہوری قادری	۷۱	۱۷۱	شہاب الدین سہروردی	۴۷
۲۸۲	محمد معصوم قیوم ثانی	۷۲	۶۰۸	شیر محمد شرفیوری	۴۸
۱۸۳	محمی الدین امین عربی	۷۳	۳۱۲	صدر الدین عارف	۴۹
۲۹۲	محمد زبیر	۷۴	۳۵۹	ضیاء الدین نخشی	۵۰
۵۵۱	محمد علی خیر آبادی	۷۵	۳۸	عبدالواحد بن زید	۵۱
۱۲۷	معین الدین حشٹی اجیری	۷۶	۱۱۵	عبد القادر جیلانی	۵۲
۵۵	مشاد علودینوری	۷۷	۲۹۶	عبد اللطیف بھٹائی	۵۳
۱۱۲	مردود حشٹی	۷۸	۱۳۷	عبدالحق غجدانی	۵۴
۶۰۲	ہر علی شاہ گولڑی	۷۹	۲۲۲	عبدالقدوس گنگوہی	۵۵
۲۵۱	میان میر لاہوری قادری	۸۰	۱۲۱	عثمان ہروی	۵۶
۱۲۲	نجم الدین کبری	۸۱	۲۱۸	عزیزان علی رامینی	۵۷
۳۶۷	نصیر الدین چراغ دہلوی	۸۲	۲۲۹	علی لائق (امام)	۵۸

نمبر شمار	نام	صفحہ	نمبر شمار	صفحہ
۸۳	نظام الدین اولیاؒ	۳۲۴	۲	صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے
۸۴	نظام الدین اویس آبادیؒ	۲۸۹		چیدہ چیدہ اقوال -
۸۵	نور محمد ہارویؒ	۵۰۶	۳	شجرہ طریقت مشائخ سلسلہ چشتیہ -
۸۶	نعمت اللہ دہلویؒ	۲۰۲	۴	شجرہ طریقت مشائخ سلسلہ قادریہ -
۸۷	نور محمد تیرانیؒ	۵۱۹	۵	شجرہ طریقت مشائخ سلسلہ نقشبندیہ
۸۸	نیاز احمد بریلویؒ	۵۲۷	۶	مشائخ سلسلہ نقشبندیہ
۸۹	وارث علی شاہؒ	۵۶۸		(جامعین ہر سہ سلاسل)
۹۰	ہبیبہ بھریؒ	۴۸	۷	عرسہ ہائے بزرگان پاکستان (مقام عرس) ۴۴۰
	دوسرا حصہ متفرقات		۸	عرسہ ہائے بزرگان بھارت (مقام عرس) ۴۴۱
۱	صوفیائے کرام اور بزرگان دین کی حکایتیں	۴۱۳		

فہرست

(بہ لحاظ زمانہ)

جس سن یا مقام کے بارے میں علم نہیں آیا اس کی صحت میں شبہ ہے وہ درج ہی نہیں کیا گیا
تا کہ غلط فہمی نہ ہو۔

نمبر شمار	نام	ولادت (سن ہجری)	وفات (سن ہجری)	مقام ولادت	مقام وفات	صفحہ
۱	خواجہ خواجگان نرت خواجہ حسن بصریؒ	۲۱	۱	مدینہ منورہ	بصرہ	۱۷
۲	حضرت رابعہ عدویہ بصریؒ	۹۷	۱۸۵	بصرہ	بصرہ	۲۵
۳	حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ	-	۱۵۶	-	بصرہ	۳۳
۴	حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ	-	۱۷۶	-	بصرہ	۳۸
۵	حضرت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ	-	۲۰۲	-	-	۴۱
۶	حضرت ذوالنون مصریؒ	-	۲۲۵	-	مصر	۴۳
۷	حضرت خواجہ مہیرۃ البصریؒ	-	۲۸۷	-	بصرہ	۴۸
۸	حضرت بایزید بسطامیؒ	۱۲۸	۲۶۱	-	بسطام	۵۰
۹	حضرت خواجہ مشاد علود نیوریؒ	-	۲۹۹	دینور (کرمان مشرقی کوہستان)	-	۵۵
۱۰	حضرت ابراہیم بن ادھم	۱۷۹	۲۸۱	-	شام	۵۸
۱۱	حضرت خواجہ ابوعلی رودباریؒ	-	۳۲۱	-	مصر	۶۲
۱۲	حضرت جنید بغدادیؒ	-	۲۹۷	-	بغداد	۶۷
۱۳	حضرت خواجہ ابوالاحمد ابدال چشتیؒ	۲۶۰	۳۵۵	چشت (علاقہ ہرات)	چشت	۷۱
۱۴	حضرت حسین بن منصور علاحؒ	۲۲۲	۳۰۹	بیضا (فارس)	-	۷۲
۱۵	حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر ہنویؒ	۲۵۷	۴۲۰	غزنی	-	۸۱
۱۶	حضرت شیخ ابوعثمان سعید بن سلام المغربیؒ	-	۳۷۳	-	نیشاپور	۹۰
۱۷	حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ	-	۴۵۰	-	-	۹۳

نمبر شمار	نام	ولادت (سن ہجری)	وفات (سن ہجری)	مقام ولادت	مقام وفات	صفحہ
۱۸	حضرت خواجہ ابوالیوسف ہشتیؒ	۲۶۵	۲۵۹	ہشت	ہشت	۹۵
۱۹	حضرت ابوالحسن علی ہجویری داماد گنج بخشؒ	۲۰۰	۲۶۵	غزنی	لاہور	۹۷
۲۰	حضرت خواجہ مودود ہشتیؒ	۲۳۰	۵۲۷	-	ہشت	۱۱۲
۲۱	حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ	۲۷۰ ۲۷۱	۵۶۱	گیلان (ایران)	بغداد	۱۱۵
۲۲	حضرت شیخ ابونجیب سرودیؒ	۲۹۰	۵۶۳	سرور در زرخان	بندو	۱۳۲
۲۳	حضرت شیخ احمد بن ابوالحسن بفاعیؒ	-	۵۷۰	-	ام عبیدہ (رائلنگ) دریان ایک مقام ہے	۱۳۳
۲۴	حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ	-	۵۷۵	غجدوان (بخارا)	غجدوان	۱۳۷
۲۵	حضرت خواجہ عثمان ہرویؒ	-	۶۰۷	ہرون (خراسان)	مکہ معظمہ	۱۴۱
۲۶	حضرت شیخ نجم الدین کبریؒ	۵۰۲	۶۱۸	-	-	۱۴۲
۲۷	حضرت خواجہ معین الدین ہشتی اجمیریؒ	۵۲۶	۶۳۳	سیستان	اجمیر	۱۴۷
۲۸	حضرت شہاب الدین سرودیؒ	۵۲۹	-	سرور	-	۱۷۱
۲۹	حضرت خواجہ شمس الدین محمد بن زینی سبزواریؒ	۵۶۰	۶۳۵	سبزوار (عراق)	ملتان	۱۷۴
۳۰	حضرت محمدی الدین ابن عربیؒ	۵۶۰	۶۳۸	مریہ (اندلس)	دمشق	۱۸۳
۳۱	حضرت بہاء الدین زکریا سرودیؒ	۵۶۵	۶۶۶	علاقہ بلتان	ملتان	۱۸۷
۳۲	حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر مسعود اجد حنیؒ	۵۸۲	۶۶۶	-	پاک پٹن	۱۹۴
۳۳	حضرت خواجہ قلب الدین مختیار کاکلیؒ	۵۸۳	۶۳۳	اوش (ترکستان)	دہلی	۲۰۹
۳۴	حضرت خواجہ عزیزان علی درامیتیؒ	۵۹۱	۷۲۱	رامیتن (بخارا)	خوارزم	۲۱۸
۳۵	حضرت شیخ اودالدین کرمانیؒ	-	۶۳۵	-	بغداد	۲۲۱

نمبر شمار	نام	ولادت (سن ہجری)	وفات (سن ہجری)	مقام ولادت	مقام وفات	صفحہ
۳۶	حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ	۵۹۳	۴۵۲	تصبر عمان (شمالی افریقہ)	غینداب (افریقہ کا ایک جنگل)	۲۲۵
۳۷	حضرت شیخ حمید الدین ناگدیؒ	-	۴۲۲:۴۳۱	بخارا	دہلی	۲۳۲
۳۸	حضرت شیخ جلال الدین تبریزی ہمدانیؒ	-	۴۲۲	تبریز	بنگال	۲۳۷
۳۹	حضرت شیخ امیر حسینؒ	-	۷۱۸ یا ۷۱۹	علاقہ غور	روضہ ہری (ہرات)	۲۳۳
۴۰	حضرت امام علی لاجپورؒ	-	۴۸۶	-	سیالکوٹ	۲۲۹
۴۱	حضرت خواجہ علی احمد صابر کلیریؒ	۵۹۲	۴۹۰	-	کلیر شریف (ضلع بہار نپور)	۲۵۲
۴۲	حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ	۴۰۰	۴۸۸	نواح ہمدان	دمشق	۲۵۸
۴۳	حضرت شیخ ابو علی قلند پانی پتیؒ	۶۰۵	۷۲۲	پانی پت	کرناٹ	۴۶۵
۴۴	حضرت مولانا جلال الدین دہلویؒ	۴۰۴	۴۷۰	بلخ	قونید (ترکستان)	۲۷۲
۴۵	حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ	۴۱۲	۴۸۲	ملتان	ملتان	۳۱۲
۴۶	حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتیؒ	-	۷۱۵	-	پانی پت	۳۲۱
۴۷	حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیاءؒ	۴۳۶	۷۲۵	بدایوں	دہلی	۳۲۲
۴۸	حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدینؒ	۴۲۷	۷۳۵	ملتان	ملتان	۳۵۲
۴۹	حضرت مولانا ضیاء الدین پنجابیؒ	-	۷۵۱	-	-	۳۵۹
۵۰	حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ	۴۵۲	۷۳۸	ہائسی	دولت آباد (ضلع اورنگ آباد)	۳۶۳
۵۱	حضرت شیخ نصیر الدین محمود چرخ دہلویؒ	-	۷۵۷	اورنگ آباد	دہلی	۳۶۷
۵۲	حضرت شیخ سراج الدین عثمان (انجی سراج)	-	۷۵۸	-	لکھنؤتی (بنگالہ)	۳۷۶
۵۳	حضرت خواجہ محمد جلال الدین کبیر الاولیاءؒ	۵۹۵	۷۶۵	-	پانی پت	۳۷۹
۵۴	حضرت خواجہ شرف الدین احمد تیرہریؒ	۴۶۱	۷۸۲	میر (ضلع پٹنہ)	بہار	۳۸۳
۵۵	حضرت خواجہ سید اشرف جاگیر سمٹانیؒ	۴۸۸	۸۰۸	سمٹان (عراق)	کچھوچھو	۳۹۳
۵۶	حضرت شاہ نعمت اللہ دہلویؒ	-	۸۲۲	-	-	۴۰۲

نمبر شمار	نام	ولادت (سن ہجری)	وفات (سن ہجری)	مقام ولادت	مقام وفات	صفحہ
۵۷	حضرت سید جلال الدین ہمایوں جہاں گشتؒ	۷۰۷	۷۸۵	آچیر ریاست بہاول پور	آچیر	۴۱۱
۵۸	حضرت خواجہ بہاؤ الدین محمد نقشبندؒ	۷۱۸	۷۹۱	قصر خانان (بخارا)	قصر عارفان	۴۱۵
۵۹	حضرت خواجہ سید محمد گیسو درازؒ	۷۲۱	۸۲۵	دہلی	گلبرگ	۴۲۱
۶۰	حضرت خواجہ شیخ احمد رودویؒ	-	۸۳۷	-	رودلی (اردو)	۴۳۱
۶۱	حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ	۸۰۶	۸۹۵	باختان (تاشقند)	سمرقند	۴۳۴
۶۲	حضرت خواجہ امان اللہ پانی پتیؒ	-	۹۷۵	-	-	۴۳۸
۶۳	حضرت خواجہ مولانا درویش محمدؒ	-	۹۷۰	-	اسفہار (مادار النہر)	۴۴۰
۶۴	حضرت شیخ داؤد کرمانیؒ	-	۹۸۲	علاقہ ملتان	شیرگڑھ	۴۴۲
۶۵	حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ	۶۸۱	۹۲۵	-	گنگوہ	۴۴۴
۶۶	حضرت میاں میر لاہوری قادریؒ	۹۵۷	۱۰۲۵	سہوان (سندھ)	لاہور	۴۵۱
۶۷	حضرت شیخ ابوالعالی قادری لاہوریؒ	۹۶۰	۱۰۲۴	سنگرہ (شیرگڑھ)	لاہور	۴۵۶
۶۸	حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ	۹۷۱	۱۰۳۵	سرہند	سرہند	۴۵۸
۶۹	حضرت خواجہ قیوم ثانی محمد معصومؒ	۱۰۰۷	۱۰۷۹	سرہند	سرہند	۴۸۴
۷۰	حضرت شیخ رحیمکار (کاکا صاحب)ؒ	۹۸۳	۱۰۶۳	-	زیارت کاکا صاحب رضلع پشاور	۴۸۵
۷۱	حضرت نظام الدین ادنیٰ آبادیؒ	۱۰۶۰	۱۱۴۲	مگر ٹوان (تحصل کھنڈ)	اورنگ آباد (دکن)	۴۸۹
۷۲	حضرت خواجہ محمد زبیرؒ	۱۰۹۳	۱۱۵۲	-	دہلی	۴۹۲
۷۳	حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوریؒ	-	۱۱۵۲	-	لاہور	۴۹۴
۷۴	حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ	۱۱۰۲	۱۱۶۵	علاقہ حیدرآباد سندھ	بھٹ شاہ (سندھ)	۴۹۶
۷۵	حضرت علی شاہ قصوریؒ	-	۱۱۷۱	-	قصور	۵۰۱
۷۶	حضرت شاہ ابوسعید مجددیؒ	-	۱۲۰۵	رام پور	ریاست ٹونگ	۵۰۳
۷۷	حضرت خواجہ نور محمد ہارویؒ	۱۱۴۲	۱۲۰۵	بستی جٹال (ہار شریف)	ہار شریف	۵۰۶
۷۸	حضرت حافظ خواجہ محمد جمال ملتانیؒ	-	۱۲۲۶	-	ملتان	۵۱۱

نمبر شمار	نام	ولادت (سن ہجری)	وفات (سن ہجری)	مقام ولادت	مقام وفات	صفحہ
۷۹	حضرت خواجہ خواجگان شاہ عیسیٰ ولیؒ	-	۱۲۲۰	گنڈاپور (مضافات ملتان)	گنڈاپور	۵۱۴
۸۰	حضرت خواجہ بابا محمد فیض اللہ تیراہیؒ	-	۱۲۳۵	تیزنی (تیراہ)	تیزنی	۵۱۶
۸۱	حضرت خواجہ بابا نور محمد تیراہیؒ	۱۱۷۹	۱۲۶۸	"	چوہہ شریف (ٹنگ)	۵۱۹
۸۲	حضرت سچل سرمستؒ	۱۱۷۰	۱۲۲۲	درازن (علاقہ خیرپور میر)	درازن	۵۲۳
۸۳	حضرت شاہ نیا ناکہ بریلویؒ	۱۱۷۳	۱۲۵۰	جی سرہند	بریلی	۵۲۷
۸۴	حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ	۱۱۸۴	۱۲۶۷	گراگونجی نزد تونسہ	تونسہ شریف	۵۳۳
۸۵	حضرت حافظ سید محمد علی خیر آبادیؒ	۱۱۹۲	۱۲۶۶	-	خیر آباد	۵۵۱
۸۶	حضرت خواجہ احمد میرویؒ	۱۲۳۲	۱۳۳۰	علاقہ کوہستان (پنجاب)	میرا شریف (ضلع کیبل پور)	۵۶۱
۸۷	حضرت وارث علی شاہؒ	۱۲۳۲	-	دیوہ	دیوہ (ضلع بارہ بکی)	۵۶۸
۸۸	حضرت امداد اللہ صاحبؒ	۱۲۳۳	-	ٹانوتہ (ضلع بہارن پور)	-	۵۸۷
۸۹	حضرت خواجہ میر علی شاہ گولڑویؒ	۱۲۷۲	۱۳۵۶	-	گولڑہ	۶۰۲
۹۰	حضرت میاں شیر محمد شرقیویؒ	۱۲۸۴	۱۳۴۷	قصور	شرقی پور	۶۰۸

معروضہ

حقوق و فرائض کی ادائیگی، نواہی و مکروہات کا ترک اور کبائر سے اجتناب وہ صراطِ مستقیم ہے جس پر چل کر کوئی بھی انسان روحانی ترقی کی منزلیں طے کر کے معرفت کے بلند درجے تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ ارتقائے عظیم ذہن و قلب کو ان تجلیاتِ الہی سے منور کر سکتا ہے، جن کی روشنی میں راہِ سلوک کی تمام منزلیں نظر آنے لگتی ہیں۔ انوارِ الہی کا تدریجی نزول قدم بڑ قدم رہنمائی کرتا ہے، قوتِ نظریہ اور قوتِ عملیہ جیسے جیسے بڑھتی جاتی ہے، منزلیں اسی رفتار سے طے ہونے لگتی ہیں اور جب باطن اس حد تک منور ہو جاتا ہے کہ ماسواہی اللہ کے کسی دوسری چیز کی گنجائش نہ رہے تو بندہ اس مخصوص ولایت میں داخل ہو جاتا ہے جو عام انسانوں کے فکر و نظر اور ان کی دسترس سے باہر ہوتی ہے۔ ایسے ہی بندے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صلحاء میں شمار ہوتے ہیں:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ
وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ، وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا (النسارخ ۹)

اور ایسے ہی بندوں کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ میرے دوست ہیں اور انھیں کوئی اندیشہ اور ڈر نہ ہوگا:

أُولَٰئِكَ أَوْلِيَآءُ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (نور ۷)

اولیاءِ قطب، غوث، واصل بالحق، عارف، درویش وغیرہ اصطلاحات کا اطلاق ایسے ہی صالحین پر ہوتا ہے، یہی عابد و زاہد، متبعین شریعت و طریقت، حاملین علم باطن اور محرمان السرارِ حقیقت نام اصطلاح میں صوفیہ کہلاتے ہیں۔ ان پاک ہستیوں نے ذکر اسم ذات، مجاہدات اور تخریبِ بدن کے ذریعہ سے تلوثاتِ بشری اور محسوراتِ جسمانی کو فنا کر کے اللہ جل شانہ کے ساتھ معیت حاصل کی اور سلوک کے ان راستوں کو جن طریقوں سے طے کیا، وہی اپنے مریدوں اور دوسرے طالبانِ حق کے لیے تجویز کیے؛ چنانچہ مختلف اولیاءِ کرام، صوفیائے عظام اور مشائخِ عالی مقام نے اپنے اپنے زاویہ فکر کے مطابق رشد و ہدایت کے چراغ روشن کیے، جس سے جدا جدا مسلک ظہور میں آ گئے۔ تاہم بنیادی مقصد

۱۔ علامہ شبلی نعمانی نے "الغزالی" میں رسالہ امام قشیری، "کتاب الہند" از ابو یوسف بیرونی اور "کشف الظنون" سے جو اقتباسات پیش کیے ہیں ان سے مفہوم یہ نکلتا ہے کہ لفظ تصوف اصل میں "س" سے تھا اور یہ تانی زبان میں سونہ کے معنی حکمت ہیں۔ یہی لفظ تصوف کا مادہ ہے۔ عربی میں داخل ہونے پر لفظ عربی اصطلاح کی حیثیت حاصل کر گیا اور سنی "بمعنی حکیم راجح ہوا۔ پھر سنی سے "صوفی" ہو گیا۔

سب کا ایک ہی ہے، جس سے ان بزرگوں کے مقامات اور درجات میں فرق نہیں پڑتا۔

یہی وجہ ہے کہ اس تذکرے میں ہم نے ان تمام ہستیوں کو شامل کیا ہے جن کے حالات کتاب کے حدود میں سما سکتے، خواہ وہ کسی مسلک اور مشرب سے تعلق رکھتے ہیں، البتہ مسلک کی تخصیص کے لیے کتاب کے دوسرے حصہ میں مشہور سلسلوں کے بزرگانِ کرام کی علیحدہ فہرستیں دے دی گئی ہیں تاکہ یہ کمی بھی باقی نہ رہے۔

اس کتاب کے سلسلے میں چند باتیں ذہن نشین رکھ لینی چاہئیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ صوفیائے کرام کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے اور بیشتر کے حالات مختلف تذکروں میں بکھرے پڑے ہیں،

مگر اس تذکرے کا مقصد چونکہ ہر بزرگ کے حالات کو پوری تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنا ہے تاکہ

سیرت کا کوئی پہلو باقی نہ رہے، اس لیے ان سب حضرات کو ایک ہی کتاب میں اس طرح سے یکجا کر دینا

ممکن نہ تھا۔ صرف تیرے حضرات کے حالات اس میں آسکتے ہیں، جو پیش خدمت ہیں۔

۲۔ ادارے کے مصنفوں اور ایڈیٹروں نے اردو، عربی اور فارسی کی متعدد کتابیں کھنگالنے اور بہت تحقیق و تدقیق

اور عرق ریزی کے بعد یہ تذکرہ مرتب کیا ہے، تاہم بہ تقاضائے بشریت کسی سقم کا رہ جانا بعید از قیاس نہیں۔

۳۔ مرتبین نے جن کتابوں سے مدد لی ہے ان کے ناموں کی فہرست بھی کتاب میں دے دی گئی ہے۔ ان میں سے

جو اقتباسات لیے گئے ہیں ان کا اسی جگہ حوالہ دے دیا گیا ہے۔ بعض بیانات جنہیں طویل سمجھا گیا ان کو مختصر

کر دیا گیا ہے اور بعض کی وضاحت کر دی گئی ہے، تاکہ قارئین کو کسی قسم کی الجھن یا اشتباہ نہ ہو۔

۴۔ ادارے نے اس فرم کی شائع شدہ چند دوسری کتابوں یعنی انوار اولیاء و خواجہ غریب نواز، عرس اور میلے، اور

احسن الکلام سے بھی بعض بہترین چیزیں اخذ کر کے تذکرے میں شامل کر دی ہیں۔

۵۔ قارئین کی سہولت اور فوری حوالہ کا اہتمام فہرست میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ دو فہرستیں بنا دی گئی ہیں، ایک

حروف تہجی کے اعتبار سے اور دوسری زمانے کے لحاظ سے۔

امید ہے صوفیہ کرام کی سیرت پر یہ جامع اور بسوط تذکرہ شائقین کو اس موضوع پر رنگارنگ کتابوں کی تلاش اور مدق گوئی

سے بے نیاز کر دے گا۔

چیف ایڈیٹر

ادارہ تصنیف و تالیف

جن کتابوں سے مدد لی گئی

- ۱ - لطائف اشرفی مطبوعہ نصرت المطابع دہلی
- ۲ - خزینۃ الاصفیاء مرتبہ مفتی غلام سرور لاہوری
- ۳ - انوار اولیاء از رئیس احمد جعفری
- ۴ - عرس اور میلے از ارمان سرحدی
- ۵ - احسن الکلام از ارمان سرحدی
- ۶ - رود کوثر از شیخ محمد اکرام ایم اے
- ۷ - منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی
- ۸ - تذکرہ علمائے ہند از مولوی رحمان علی
- ۹ - سکینۃ الاولیاء از داراشکوہ
- ۱۰ - انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ
- ۱۱ - اخبار الاخیار از شیخ عبدالحق محدث دہلی
- ۱۲ - تذکرہ از خلیفہ محمد سعید و محمد صغیر
- ۱۳ - بزم صوفیہ از سید صباح الدین عبدالرحمن ایم اے
- ۱۴ - سیرت اشرف از سید ضمیر الدین احمد
- ۱۵ - تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی
- ۱۶ - اخبار الصالحین از نواب معشوق جنگ بہادر
- ۱۷ - تذکرہ اولیائے ہند از مرزا محمد اختر
- ۱۸ - حدیقۃ الاخیار ترجمہ گلشن ابرار از خواجہ امام بخش
- ۱۹ - تذکرہ شیخ رحیمکار از سید سیاح الدین کاکاخیل
- ۲۰ - فوائد القواد از امیر حسن علاء سجزی
- ۲۱ - سیر محمدی از مونیات محمد علی
- ۲۲ - خواجہ غریب نواز

- ۲۳ - اسرار الاولیاء بدراسحق
 ۲۴ - سیر الاقطاب از الہدیہ
 ۲۵ - سیر العارفین " جابر بن فضل اللہ جمالی
 ۲۶ - سیر المتاخرین " منشی غلام حسین خان طباطبائی
 ۲۷ - کنز الانساب " سید ہدایت علی شاہ
 ۲۸ - تاریخ مشائخ پیشت " خلیق احمد نظامی
 ۲۹ - مؤنس القلوب
 ۳۰ - نفحات الانس " عبدالرحمن جامی
 ۳۱ - سفینۃ الاولیاء " شہزادہ داراشکوہ
 ۳۲ - مناقب العارفین " افلاکی
 ۳۳ - سیر الاولیاء " مردود
 ۳۴ - اخبار الصالحین " معشوق یار جنگ
 ۳۵ - مرآة الاسرار " عبدالرحمن چشتی
 ۳۶ - مناقب فخریہ از نواب غازی الدین خان نظام
 ۳۷ - لطائف قدسی " شیخ رکن الدین
 ۳۸ - مناقب الاصفیاء " شیخ عبداللہ نو مسلم (اروایہ)
 ۳۹ - نافع السالکین " امام الدین
 ۴۰ - عجائب القصص
 ۴۱ - معجم البلدان " ماقوت بن عبداللہ حموی
 ۴۲ - روضۃ الاصفیاء " علامہ حسین واعظ کاشفی الہروی
 ۴۳ - تذکرۃ الاولیاء " فرید الدین عطار

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ
 أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ
 وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا ذَٰلِكَ الْفَضْلُ
 مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عِلْمًا

(النساء ۹۴)

اور جو شخص اللہ اور رسول کا کھنمان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان
 حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے،
 یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے
 رفیق ہیں۔ یہ فضل ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ کافی جاننے والا ہے۔

- ◆ ہر چیز کے لیے کان اور نخرج ہوتا ہے اور تقویٰ کی کان عارفین کے قلوب ہیں۔
- ◆ ہر چیز کے لیے صفائی اور چمک ہوتی ہے اور قلوب کا تصفیہ ذکر الہی سے ہوتا ہے۔
- ◆ علم باطن اللہ جل شانہ کے اسرار میں سے ایک سر ہے اور اللہ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کے سینے میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔
- ◆ جب بندہ اخلاص کامل سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں مصروف ہو جاتا ہے تو اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ عرشِ معلیٰ تک جا پہنچتا ہے بشرطیکہ وہ کباثر سے اجتناب کرتا ہو (ترکِ فرائض اور اختیارِ نواہی کا ترک نہ ہو)

(احادیثِ رسولؐ)

خواجہ خواجگان حضرت خواجہ حسن بصریؒ

ولادت ————— مدینہ منورہ ۱۱۰ھ

وفات ————— بصرہ ۱۶۰ھ

پروردہ ولایت و نبوت، بحر ورع و علم، امام المتقین حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ متقدمین صوفیہ میں سے ہیں۔ بڑے مستجاب الدعوات، صاحب کرامات و عالی مقامات اور ظاہری و باطنی علم میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ نے ایک سو بیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو دیکھا ہے۔ جن میں ستر اصحاب بدر تھے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کو بہت اچھا جانتی تھیں۔ آپ کے کلام میں بے حد تاثیر و قبولیت تھی چنانچہ ہزار ہا افراد نے آپ کی مجلس سے ہدایت پائی۔ آپ کا اسم گرامی حسن، کنیت ابو علی، ابو محمد، ابو سعید اور ابو نصر ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت ۱۱۰ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام موسیٰ راعی تھا، جو بصرہ اور واسط کے درمیان میلان نام ایک جگہ کے رہنے والے تھے اور زید بن ثابت انصاریؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انھوں نے ۱۲ھ میں حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی لونڈی تھیں۔ جب آپ پیدا ہوئے تو حضرت فاروق اعظمؓ کے حضور میں لائے گئے۔ بڑے خوش رو اور خوبصورت تھے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے انھیں دیکھ کر فرمایا سَمُوهُ حَسَنًا فَإِنَّ حَسَنَ الْوَجْدِ (اس کا نام حسن رکھو کیونکہ اس کا چہرہ حسین ہے) چنانچہ حسن نام رکھا گیا۔

ابتداء میں آپ جو اہرات بیجا کرتے تھے۔ چنانچہ حسن لولؤئی کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ اس پیشہ سے آپ نے بہت روپیہ کمایا پھر جب عشق الہی کا غلبہ ہوا تو آپ نے سارا مال و اسباب راہ خدا میں لٹا دیا اور لوگوں سے بالکل کنارہ کش ہو کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ دن رات یاد الہی میں مصروف رہتے۔ ہر وقت با وضو ہوتے۔ بالآخر درجہ کمال کو پہنچے اور لوگوں کو رشد و ہدایت کی تلقین فرمانے لگے۔ سنت نبوی اور متابعت مصطفویٰ کے سخت پابند تھے۔ خوف الہی سے ہر وقت روتے رہتے تھے، آپ کی آنکھیں کبھی خشک نہیں دیکھی گئیں، اور کثرت گمیرہ کے باعث آنکھوں میں گٹھے پڑ گئے تھے۔ نظر کمزور ہو گئی تھی۔ اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ بدن پر گوشت نظر

۱۔ تذکرہ اولیاء از خواجہ فرید الدین عطار ہے میں تعداد ایک سو تیس ہے (۱۶۰ھ) لے
۲۔ روضۃ الاحباب

نہ آتا تھا۔ مزاج میں فروتنی اور انکسار بہت تھا۔

تذکرۃ الاولیاء کے بیان کے بموجب حضرت علی علیہ السلام بصرہ تشریف لائے تو تمام واعظین اور ذاکرین کو منع کر دیا مگر آپ کا منبر باقی رہنے دیا۔ پھر ایک موقع پر حضرت علی آپ کی مجلس میں پوشیدہ طور پر آئے اور پوچھا تم عالم ہو یا متعلم۔ آپ نے فرمایا میں کچھ نہیں ہوں، جو کچھ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھ تک پہنچا ہے وہ لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ حضرت علی نے یسین کر فرمایا "یزجران شائستہ کلام ہے" حضرت حسن بصری نے اپنی فراست سے جان لیا کہ یہ حضرت علی ہیں۔ چنانچہ منبر پر سے اتر آئے اور ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ عرض کیا اے امیر المؤمنین! خدا کے لیے مجھے بھارت سکھائیے، حضرت علی نے غموری اور معنوی دونوں ظہارتوں کی تعلیم دی، پھر حضرت علی کی صحبت میں سے خواجہ حسن بصری نے بہت فیض حاصل کیا۔ آپ حضرت علی کے خلیفہ اور سیدنا امام حسن اور خواجہ کبیر بن زیاد کے صحبت یافتہ ہیں۔

آپ کے متعلق بہت سی حکایتیں مشہور ہیں جن سے آپ کے علم مرتبہ کا پتا چلتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ بصرہ میں قحط پڑا اور قریباً دو لاکھ آدمی نماز استسقاء پڑھنے کے لیے باہر میدان میں نکلے۔ خواجہ حسن بصری کو منبر پر کھڑا کیا کہ دعا فرمائیں۔ آپ نے کہا کہ پانی کی ضرورت ہے تو مجھے بصرہ سے نکال دو۔ یہ فرمانا تھا کہ پانی برسے لگا۔

حضرت رابعہ عدویہ بصری رحمۃ اللہ علیہا جنھوں نے زہد میں محبت کی آمیزش کے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے گلشن تصوف میں حب الہی کی نعمہ سرانی نثر اور نظم میں کی، اپنے وقت کی بہت بڑی ولیہ تھیں۔ خواجہ حسن بصری آپ کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ خواجہ حسن بصری کا معمول تھا کہ ہفتہ میں ایک بار مجمع عام میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت رابعہ بصری بھی اس موقع پر تشریف لایا کرتی تھیں۔ اگر خواجہ حسن بصری حضرت رابعہ بصری کو مجلس میں نہ دیکھتے تو خاموش رہتے۔ ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی محفل میں ایسے ایسے جید علماء و صلحاء آتے ہیں پھر اگر ایک ضعیفہ نہیں آتی تو کیا ہوا۔ آپ نے جواب دیا جو شربت ہاتھیوں کے حوصلہ کے مطابق تیار کیا گیا ہو وہ چیونٹیوں کے سینے میں کیونکر آسکتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مالک بن دینار نے پوچھا لوگوں کی خرابی کس بات میں ہے۔ فرمایا دل کے مرنے میں۔ پوچھا دل کا مرنے کیا ہوتا ہے فرمایا دنیا کی محبت!

آپ فرمایا کرتے تھے کہ معرفتیں اٹھ گئی ہیں اور برائیاں رہ گئیں اور مسلمانوں میں جو باقی رہ گیا ہے وہ مخموم و متفکر ہے۔

خواجہ کبیر بن زیاد کا طین روزگار میں سے تھے۔ سیدنا حضرت علی کے خلیفہ تھے۔ صاحب کمالات اور صاحب خوارق و کرامات تھے۔ آپ کے سلسلے میں بڑے بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد آپ خانہ نشین ہو گئے اور صرف ان مریوں کو تعلیم دیتے تھے جو اعتقاد صادق سے حاضر ہوتے اور ظلم کی طلب کرتے۔ آپ نے عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں ۸۲ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کے ہاتھوں شہادت پائی۔

فرمایا عاجزی کرنے والے کی شان یہ ہے کہ گھر سے باہر جائے تو جس کسی پر بھی اس کی نظر پڑے اُسے اپنے آپ سے بہتر جانے۔
سعید بن جبیر کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، تین کام کبھی نہ کرنا۔ ۱۔ بادشاہوں کی بساط پر قدم نہ رکھنا اگرچہ وہ شفقت کریں۔ ۲۔ کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ بیٹھنا خواہ وہ زابعدہ وقت ہو اور تو اسے کتاب اللہ کی تعلیم دیتا ہو۔ ۳۔ مزامیر نہ سننا اگرچہ تو مردانِ مرد کا درجہ رکھتا ہو، اس لیے کہ آفت سے خالی نہیں بالآخر اپنے زخم لگا دیتے ہیں؟
فرماتے ہیں جب بندہ گناہ کر کے توبہ کرتا ہے تو اس سے قرب الہی بڑھتا ہے اور اسی طرح بار بار توبہ کرنے سے قربت بڑھتی جاتی ہے۔

فرماتے ہیں ہزاروں آدمیوں کی دوستی بھی ایک شخص کی عداوت کے بدلے میں نہ خریدو۔ لالچ عالم کو بدنام کر دیتا ہے اور آدمی کا اعلانِ نیر اپنے نفس کو بُرا کہنا دراصل اس کی تعریف کرنا ہے۔ فرمایا تم میں سب سے زیادہ قابلِ عزت وہ ہے جو ہمیشہ تمہارا دوست رہے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے احباب سے فرمایا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے مانند ہو۔ وہ لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ آپ نے فرمایا صرف شکل میں ان کی مانند ہو کسی دوسری بات میں نہیں۔ اگر تم انہیں دیکھتے تو دیوانہ خیال کرنے لگتے۔ اور اگر وہ تمہارے حال کو جان لیتے تو تم میں سے ایک کو بھی مسلمان نہ کہتے۔ فرمایا بروں کی ہم نشینی آدمی کو نیکیوں سے بدگمان کر دیتی ہے۔

فرمایا جس نے خداے تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور فروتنی کے ساتھ صوف پہنا، اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں اور اس کے دل میں نور بڑھا دیتا ہے اور جو فخر کے لیے ایسا کرے وہ جہنم میں ڈالا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے کسی مسئلے کے بارے میں کہا کہ فقہایوں کہتے ہیں۔ آپ نے اس سے پوچھا تم نے کوئی فقیر دیکھا بھی ہے فقیر وہ ہے جو دنیا سے پرہیز کرے، اپنے گناہوں کو دیکھے اور اپنے رب کی عبادت کا پورا پابند ہو اور جس نے دولت کی عزت کی خدا نے اسے دولت دی۔ فرمایا دنیا تمہاری سواری ہے اگر تم اس پر سوار ہو گئے تو یہ تمہیں لیے چلے گی اور اگر تم پر سوار ہو گئی تو تمہیں ہلاک کر کے چھوڑے گی۔

فرمایا معرفت یہ ہے کہ آدمی اپنے میں ذمہ بھر خصوصیت نہ پائے۔ حیات جاودانی اس چند روزہ عمل سے نہیں ہے۔ نیت نیک سے ہے۔ فکرِ آئینہ ہے کہ تیری نیکیاں اور برائیاں تجھے دکھا دے۔ جو بات سرِ حکمت سے نہیں وہ آفت ہے۔ اور جو خاموشی ہر فکر سے نہیں وہ تمام موشہوت و غفلت ہے۔ اور جو نظر سرِ عبرت سے نہیں وہ بالکل بے ہودہ اور ذلت ہے۔ اہل عقل کو خاموشی اختیار کرنی چاہیے تاکہ ان کے دل گویا ہو سکیں۔ اور اس کا اثر زبان پر سرایت کرے۔ ظاہر و باطن کا ایک دوسرے کے برعکس ہونا نفاق ہے۔ کوئی مومن ایسا نہیں ہو اور نہ ہوگا جو اس خوف سے کانپتا نہ ہو کہ مبادا منافق ہو۔ مومن وہ ہے جو ہر حال میں یکساں ہو، اس کا ظاہر اور باطن ایک سما ہو۔ ایسا نہیں کہ جو چاہے کرے اور جو چاہے یکے۔

فرمایا اگر تم کسی سے دشمنی کرنا چاہو تو اگر وہ خدا کا فرمانبردار بندہ ہے تو اس سے دستبردار نہ ہو جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے تمہارے حوالے نہ کرنے گا۔ اور اگر وہ خدا کا نافرمان بندہ ہے تو تمہارا مطلب خود بہ خود نکل آئے گا کہ اپنے مطلب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے، پس ہر مسلمان تجھ سے محفوظ رہے گا۔

فرمایا عقلمند وہ ہے کہ دنیا کو خراب کر کے آخرت کو بنائے۔ جو بات کسی کو کہنی ہو لازم ہے کہ پہلے خود اس پر عمل کرے۔ میرے نزدیک دین کے بھائی بیوی بچوں سے زیادہ عزیز ہیں اس لیے کہ وہ دین کے یار ہیں اور بیوی بچے دنیا کے یار اور دین کے دشمن ہیں۔

فرماتے ہیں آدمی جو کچھ کہ اپنی ذات اور اپنے ماں باپ کے کھانے پینے میں خرچ کرتا ہے اس کا حساب دینا ہو گا مگر نہ ماں اور دوست کے کھانے کا حساب نہ ہو گا۔ ایک مرتبہ پوچھا گیا خشوع کیا ہے، فرمایا خشوع یہ ہے کہ خدا کا خوف ہر وقت دل میں موجود رہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے غافل نہ ہو۔

ایک دن آپ گھر میں رو رہے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا آپ بی بی زینب کا زندگی بسر کر رہے ہیں پھر کیوں روتے ہیں۔ فرمایا ممکن ہے بے قصد اور بے علم مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے اور میں نے ایسی جگہ قدم رکھا ہو جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو۔

حضرت حسن بصریؒ خوف اور خشیت الہی کے پیکر تھے۔ ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ صرف نفس کی ایذا رسانی پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تصفیہ قلب اور تزکیہ کردار کے بھی عامل تھے۔ وہ دل کی صفائی اور کردار کی درستگی صرف مجاہدہ اور ریاضت سے نہیں کرتے تھے بلکہ فکر و تامل کے ساتھ کرتے تھے۔ ان کا فکر و تامل ان کے زہرِ نقشب پر مستزاد تھا اور ان کی حیات کی یہی اصل اور اساس تھی۔ غرض آپ زاہدوں میں سب سے بڑے زاہد اور عابدوں میں سب سے بڑے عابد تھے۔

ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنی مجلس و عظ میں لوگوں کی کثرت دیکھ کر خوش ہوتے ہوں گے۔ فرمایا مجھے کثرت سے خوشی نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی درویش صاحب دل موجود ہو تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔

آپ سے پوچھا گیا کہ مسلمان کیا ہے؟ فرمایا "مسلمانی کتاب میں ہے اور مسلمان قبر میں۔" پھر پوچھا گیا دین کی اصل کیا ہے، فرمایا "پرہیزگاری۔" پوچھا گیا کون سی چیز پرہیزگاری کو تباہ کرتی ہے، فرمایا "طمع۔" پوچھا گیا جنت عدن کیا ہے، فرمایا "سونے سے تعمیر شدہ ایک محل ہے جس میں پیغمبروں، شہیدوں، صدیقوں اور عادل بادشاہوں کو داخل کیا جائے گا۔" پھر پوچھا گیا بیمار طبیب دوسروں کا علاج کیسے کرے، فرمایا "پہلے اپنا پھر مریض کا علاج کرے۔" فرمایا "لوگو! جو کچھ میں کہوں اسے سن لیا کرو، میرا علم تمہیں فائدہ دے گا اور میرا عمل تمہیں کوئی نقصان نہ دے گا۔"

ایک مرتبہ لوگوں نے کہا ہمارے دل سوئے ہوئے ہیں آپ کا کلام ہمارے دل پر اثر نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا میں کیا کروں تمہارے دل مردہ ہیں۔ سوئے ہوئے کو ہلانے سے جگایا جاسکتا ہے مگر مردہ کو کیسے جگایا جائے۔ کسی نے کہا بعض لوگ آپ کی باتوں کو صرف اس لیے یاد رکھتے ہیں کہ ان میں نقص نکالیں اور اعتراض کریں۔ آپ نے فرمایا مجھے لوگوں سے محفوظ رہنے کی خواہش نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی اور بہشت کی آرزو ہے۔ ان لوگوں کی زبان سے تو ان کا پیدا کرنے والا بھی محفوظ نہیں۔

ایک مرتبہ آپ دغظ فرما رہے تھے کہ حجاج بن یوسف اپنے لشکر سمیت تلواریں سونتے ہوئے آپ کی مجلس میں آگیا۔ حاضرین مجلس میں سے ایک نے کہا آج حسن کے امتحان کا دن ہے۔ حجاج مجلس میں آکر ایک جگہ خاموش بیٹھ گیا۔ حضرت حسن نے اس کی طرف ذرا التفات نہ کیا۔ تب وہ شخص بولا حسن واقعی حسن ہے۔ مجلس ختم ہونے پر حجاج نے آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور لوگوں سے کہا اگر کسی مرد حق کو دیکھنا چاہتے ہو تو اس (حسن) کی طرف دیکھو۔ ایک روز آپ قبرستان میں سے گزر رہے تھے کچھ لوگ ساتھ تھے۔ آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا اس قبرستان میں ایسے لوگ بھی دفن ہیں جنہوں نے اٹھ بہشتوں کی بھی کوئی پروا نہ کی، مگر پھر بھی اس قدر حسرت دل میں لے گئے کہ اگر اس کا ایک ذرہ اہل نفاق کو پیش کیا جائے تو وہ خوف کے مارے غرق ہو جائیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے ایک مرتبہ آپ کو کہلا بھیجا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ نے جواب دیا اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ہمراہ ہے تو پھر آپ کو کسی کی پروا نہیں اور اگر اللہ ہمراہ نہیں تو پھر کسی سے کیا امید رکھ سکتے ہیں۔ ایک اور موقع پر آپ نے خلیفہ کو کہا وہ دن سر پر سمجھیں جب کسی کا پس ماندہ مر جائے۔ خلیفہ نے جواب دیا وہ دن بھی آیا ہی سمجھیں جب دنیا ہی نہ ہوگی۔

روایت ہے کہ ایک غریب اور مفلس شخص کا گھوڑا علیسی ہو گیا، اس نے حضرت خواجہ حسن بصری سے عرض کیا۔ آپ نے قیمت دریافت کر کے چار سو دینار میں اسے خرید لیا۔ رات کو اس شخص نے خواب میں دیکھا کہ اس کا گھوڑا دوسرے گھوڑوں کے ساتھ بہشت کی چراگاہ میں چر رہا ہے۔ اس نے پوچھا یہ کس کے گھوڑے ہیں۔ بتایا گیا یہ تیرے تھے مگر اب ان کا مالک حسن بصری ہے۔ خواب سے بیدار ہونے پر وہ شخص حسن بصری کے پاس آیا اور کہا کہ میں کل والا سودا منسوخ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرے خواب سے میرے خدا نے مجھے پہلے ہی آگاہ کر دیا ہے۔ وہ واپس چلا گیا۔

اگلی رات خواجہ حسن بصری نے خواب میں دیکھا عالی شان محل اور نہ فریب منظر ہے۔ پوچھا اس محل کا مالک کون ہے جواب ملا جو شخص بیع منسوخ کرے یہ اس کا محل ہے۔ بیدار ہونے پر آپ نے اس آدمی کو بلایا اور بیع منسوخ کر دی۔

کسی نے آپ کا حال پوچھا آپ نے جواب میں فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو دریا میں ہوں، کشتی الٹ جائے اور ہر شخص ایک ایک تختہ پر رہ جائے۔ اس شخص نے کہا ان بیچاروں کا بہت بُرا حال ہو گا۔ آپ نے فرمایا میرا بھی یہی حال ہے۔

کسی نے آپ سے کہا کہ فلاں شخص نزع کی حالت میں ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کہو وہ تو ستر سال سے نزع کی حالت میں ہے۔ اب آزاد ہو جائے گا۔ فرمایا جن کا بوجھ ہلکا تھا وہ نجات پا گئے اور جن کا بوجھ بھاری تھا وہ ہلاک ہوئے۔ خدا اس قوم کو بخشے جس کے نزدیک دنیا امانت کے طور پر تھی اور اس امانت کو واپس کر کے وہ چلے گئے۔

ایک دفعہ عید کے دن آپ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو ہنس رہے تھے اور کھیل کود میں مصروف تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو ہنستے ہیں حالانکہ انھیں اپنے حال کی خبر نہیں۔
 آپ نے ایک شخص کو قبرستان میں روٹی کھاتے دیکھا فرمایا یہ منافق ہے۔ پوچھا گیا کیسے؟ فرمایا جسے مردوں کے سامنے خواہش پیدا ہو وہ قیامت اور موت کا معتقد نہیں اور یہی منافق کی علامت ہے۔
 خواجہ حسن بصری کی سیرت کی تصدیق کشی ابو نعیم احمد بن عبداللہ الصنفانی (متوفی ۳۴۰ھ) نے بہترین الفاظ میں کھینچی ہے۔ فرماتے ہیں:

”خواجہ حسن بصری کیا تھے؟ وہ خوف الہی کے حلیف تھے۔“

وہ حزن و الم کو دوست رکھتے تھے، وہ راتوں کو جاگتے اور عبادت کرتے تھے، وہ دن کو ریاضت اور مجاہدہ میں صرف کرتے تھے، وہ فقیر بھی تھے، اور زاہد بھی۔ وہ غابر بھی تھے اور دنیا سے بیزار بھی۔ وہ دنیا کو فضول سمجھتے تھے۔ وہ دنیا کی زینت کو ہیچ اور ناکارہ سمجھتے تھے۔ وہ نفس کی خواہشات سے بناوٹ کے خوگر تھے۔ وہ نفس کی تمناؤں سے نخوت کے ساتھ پیش آتے تھے!

ان کا زہد عبادت تھا حزن و الم سے ان کی آنکھیں ہر وقت پر نم رہتیں، ان کا دل ہر وقت اشکبار رہتا۔ ان کا خیال تھا کہ عمل صالح کی تربیت، نشوونما اور تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ آدمی ہنسے کم اور روئے زیادہ۔ دنیا کی الجھنوں سے اپنا دامن بچائے اور انجام و خواقب کے خوف سے لرزہ بر اندام رہے۔ سرور و نشاط کے دام میں اسیر نہ ہو۔ حزن و الم کو سرمایہ اختیار بنائے اور جان لے کہ ہنسی میں وہ لذت نہیں جو گریہ میں ہے۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ تقویٰ کے ارتقا اور تکمیل میں سب سے زیادہ جو چیز معین و مددگار ہوتی ہے، بلکہ بنیادی اور اساسی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے، وہ ہے صرف خوف خدا! خشیت الہی!!

شعرانی کا بیان ہے:

”حضرت حسن بصری پر خوف خدا اور خشیت الہی کی اتنی دہشت طاری رہتی تھی کہ گویا جہنم کی آگ صرف انہی کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔“

زندہ کے بارے میں ایک مرتبہ حضرت حسن بصری نے فرمایا:

”دنیا دارِ عمل ہے، جو اس میں اس طرح رہا کہ اس سے بغض اور نفرت رکھتا رہا، وہ خود بھی کامیاب ہوا اور اس نے

دنیا کو بھی سعادت عطا کی، جو دنیا میں اس طرح رہا کہ اس کی محبت میں مست اور بے خود ہو گیا، اس نے اپنے تئیں بھی نقصان پہنچایا اور دنیا کے کام بھی نہ آیا۔

ایک اور موقع پر حزن و الم کے بارے میں فرمایا:

”جو شخص یہ جانتا ہے کہ موت آکر رہے گی، جو یہ جانتا ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی، جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے

کہ اسے بہر حال ایک نہ ایک دن خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے

وہ شخص کس طرح خوش رہ سکتا ہے؟ اس کے حزن و الم کی کیفیت تو برابر بڑھتی ہی چلی جائے گی۔“

ایک اور موقع پر اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو فرمایا:

”دنیا میں آدمی جتنی طول و خمگین زندگی بسر کرے گا، اسی مناسبت سے اس کے عمل صالح کی آبیاری ہوگی؛

آپ کے بعض اقوال و ارشادات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے فرماتے ہیں:-

تفکر خیر اور عمل کی طرف دعوت دیتا ہے۔

جو خدا سے ڈرتا ہے، سب لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔

جو ہر شے کو دیکھنے میں اپنی آنکھ کو اُزا دیکھے رہتا ہے، اس کا غم بڑھ جاتا ہے اور جو ہر وہ بات کہہ دیتا ہے جو اس

کے جی میں آئے، وہ اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے۔

صبر دنیا کی سب نیکیوں کا بچوڑ ہے۔

خدا سے ڈرنے والے کو چاہیے کہ اس کے تصرفات میں کلام نہ کرے۔

دنیا کا عذاب یہ ہے کہ تیرا دل مر رہا ہو جائے۔

جو آج بے خوف ہے، کل اُسے ڈرایا جائے گا اور جو آج ڈرتا ہے، وہ کل بے خوف ہوگا۔

جو خدا سے شرم کرتا ہے، لوگ بھی اس سے شرم رکھتے ہیں، اور جو خدا کے سامنے گناہ کرنے میں دلیری کرتا ہے، لوگ

بھی اس پر دلیر ہو جاتے ہیں۔

جو بات حکمت سے خالی ہے، وہ آفت ہے، جو خاموشی حکمت سے خالی ہے، وہ غفلت ہے، جو نظر عبرت سے

خالی ہے، وہ ذلت ہے۔

خالی پیٹ شیطان کا قید خانہ ہے اور بھرا ہوا پیٹ اس کا اکھاڑہ۔

اگرچہ توبہ سے غیبت کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے مگر اس سے معافی مانگ جس کی تو نے غیبت کی

جنت کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی نعمت حقیر ہے اور دوزخ کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی مصیبت آسان

اور قابل برداشت ہے۔

نفس سے بڑھ کر دنیا میں منہ زور اور بد لگام جانور اور کوئی نہیں۔
 اگر یہ جاننا چاہتے ہو کہ تمہارے مرنے کے بعد دنیا کی کیا حالت ہوگی تو دیکھ لو کہ دوسروں کے مرنے کے بعد
 دنیا کی کیا حالت ہے۔

دولت وہی شخص طلب کرتا ہے جسے خدا ذلیل کرے۔

اس شخص کا دل کبھی درست نہیں ہو سکتا جس کی پیروی احمق لوگ کریں۔

جو دوسروں کی باتیں تم سے بیان کرتا ہے، وہ تمہاری باتیں دوسروں سے ضرور کہے گا۔

فکر تیرے لیے آئینہ ہے جو تجھ پر نیکی اور بدی ظاہر کرتا ہے۔

جس نے خدا کو پہچانا اس نے اسے دوست رکھا اور جس نے دنیا کو پہچانا اس نے خدا کو دشمن سمجھا۔

نومن کی شان یہ ہے کہ اس کی صبح ہوتی ہے تو وہ طول اور غمگین ہوتا ہے اور اس کی شام ہوتی ہے تو وہ طول اور غمگین

ہوتا ہے۔

اے انسان! اگر تیرے نفس نے نجات پائی تو تیرے بھی نجات پائی اور اگر تیرا نفس ہلاک ہو گیا تو تو بھی ہلاک ہو گیا اور

تیرے سوا جس نے نجات حاصل کی، وہ تجھے کوئی نفع نہ دے سکے گا۔

لا لہج آدمی کو بد نما بنا دیتا ہے۔

ہشام بن عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں غزہ رجب سنہ ۱۱۱ھ میں نوامی سال کی عمر میں وفات پائی۔ مزار پر انوار بصرہ

میں ہے۔

حضرت رابعہ عدویہ بصریؒ

ولادت _____ بصرہ ۹۷ھ

وفات _____ بصرہ ۱۸۵ھ

حضرت خواجہ حسن بصریؒ نہد کی بنیاد و اساس حزن و الم کو قرار دے چکے تھے اور ان کی حیات روحیہ کا تمام تر دار و مدار اسی اصول پر تھا۔ تصوف میں خوف و الم کا مسلک انھیں سے منسوب ہے، مگر ان کے بعد زہد میں محبت کی آمیزش کے اصول کو لے کر ایک نیا مکتب خیال ابھرا۔ تصوف میں اس عامل جدید کے اضافے کو دوسری صدی ہجری کی مشہور و معروف ہستی حضرت رابعہ عدویہ بصریؒ رحمۃ اللہ علیہا سے منسوب کیا جاتا ہے جو اپنے وقت کی بہت بڑی عارفہ اور ولیہ تھیں۔

حضرت رابعہ بصریؒ وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے تصوف کے گلشن میں حب الہی کی نغمہ سرائی نثر اور نظم میں کی۔ کتب تصوف میں حضرت رابعہؒ کے بہت سے اقوال و ارشادات اور ان کا منظوم کلام اس موضوع پر ملتا ہے۔

حضرت رابعہؒ ۹۷ھ میں شہر بصرہ میں ایک نہایت غریب گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ ابھی کمسن تھیں کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ایک دفعہ بصرہ میں قحط پڑا اور لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ ایسے موقع پر پیٹ بھرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ حضرت رابعہؒ کی بہنوں نے انھیں عقیق نام ایک دولت مند شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا، جو انھیں گھر لے گیا اور لوٹڈی کے طور پر گھر کا کام کاج کرانے لگا۔

ہوش سنبھالنے پر آپ کی طبیعت عبادت و ریاضت کی طرف مائل ہوئی۔ گھر کا کام کر چکتیں تو عبادت میں لگ جاتیں اور اکثر ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتیں۔

ایک دفعہ بہت رات گئے آقا کی آنکھ کھلی تو اُس نے حضرت رابعہؒ کو سجدے میں دیکھا۔ آپ گڑا گڑا کر دعا مانگ رہی تھیں۔ آقا نے کان لگا کر سنا، حضرت رابعہؒ فرما رہی تھیں "اے میرے اللہ! میں بہت مجبور اور بے بس ہوں۔ گھر کا کاج کرنے کی پابندی تیری عبادت کے راستے میں حائل ہے، تو میری معذرت قبول فرما اور میرے گناہ معاف

۱۔ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ بہنوں نے آپ کو فروخت نہیں کیا تھا بلکہ وہ قحط کے باعث شہر چھوڑ کر کہیں اور جا رہی تھیں۔

۲۔ حضرت رابعہؒ بھی ساتھ تھیں کسی نے حضرت رابعہؒ کو پکڑ لیا اور کنیز بنا کر کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

کر دے۔

آقا نے ایک کم عمر لڑکی کی پرہیزگاری کا یہ عالم دیکھا تو دل میں خدا کا خوف پیدا ہو گیا۔ اگلے ہی دن اس نے حضرت رابعہ کو آزاد کر دیا۔

اب آپ دن رات عبادت میں مصروف رہنے لگیں۔ پہلے کچھ عرصہ ویران جگہوں میں رہ کر گزارا پھر بصرہ شہر میں آکر رہنے لگیں۔ عبادت کا یہ عالم تھا کہ فرض اور سنت نمازوں کے علاوہ ایک ہزار نفل دن رات میں پڑھا کرتی تھیں! اس کے سوا اور کوئی شغل نہ تھا۔ جو کوئی ان کے پاس جانا اسے وعظ و نصیحت کرتیں۔ آپ نے قرآن حفظ کر رکھا تھا اور حدیث پر بھی پورا عبور حاصل کر لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے کے بعض اولیائے کرام اور بزرگان دین حضرت رابعہ کی مجلس میں آکر ان سے کئی باتیں سیکھا کرتے تھے۔ حضرت رابعہ نے کئی حج کیے اور متعدد مرتبہ خانہ کعبہ کی زیارت کی۔

آپ کھانے پینے کے لیے کسی سے کبھی کچھ نہ مانگتیں، کئی کئی دن قاقوں سے رہتیں، لیکن زبان پر کبھی شکایت یا سوال کا لفظ نہ آیا بلکہ اس کے برعکس کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کھانے کو کچھ آیا، آپ کو خود کھانے کی حاجت تھی مگر جو چیز آئی وہ اٹھا کر کسی سوالی کو دے دی اور خود بھوکے رہیں۔ تکلیف اور خوشی دونوں باتوں کا انھیں کبھی احساس تک نہ ہوتا تھا۔

آپ فرمایا کرتی تھیں اللہ کی عبادت کسی لالچ سے نہیں کرنی چاہیے، جیسے لوگ کہتے ہیں کہ اچھے کام کریں تو جنت ملے گی۔ آپ فرمایا کرتی تھیں خدا کی عبادت صرف خدا کی خوشنودی کے لیے کرنی چاہیے، جنت کے لالچ سے عبادت کرنا تجارت ہے عبادت ہرگز نہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک روز آپ ایک ہاتھ میں آگ اور دوسرے میں پانی سے بھرا ہوا لٹالے کر بڑے جوش میں چلی جا رہی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا؟ فرمایا پانی سے دوزخ کی آگ بجھانے چلی ہوں اور آگ لے جا رہی ہوں کہ جنت کو جلا کر پھونک دوں تاکہ وہ لوگ جو جنت کی لالچ سے خدا کی عبادت کرتے ہیں انھیں جنت ہاتھ نہ آئے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے آپ کے سامنے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے۔ ہمیشہ مرد کو ہی نبی یا رسول بنا کر بھیجا گیا۔ کسی عورت کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔ آپ بولیں یہ ٹھیک ہے لیکن یہ بھی سن لو کہ مردوں نے ہی خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ کسی عورت نے آج تک یہ نہیں کہا۔ آپ کا اشارہ مصر کے قدیم فرعون کی طرف تھا، جو رعیت کے حق میں خدا کا درجہ رکھتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ اپنے حسن بھری کو تین چیزیں، موم، سوئی، بال بھیج کر فرمایا کہ موم کی طرح خود جلو اور لوگوں کو روشنی دو سوئی کی طرح خود ننگے رہو اور لوگوں کے کام سناؤ و خوب یہ کہہ چکو تو پھر بال کی طرح ہو جاؤ تاکہ تمہارا کام باطل نہ ہو جائے۔

ایک دفعہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو سر پر پٹی باندھے چلا جا رہا تھا۔ آپ نے اس سے پٹی باندھنے کی وجہ پوچھی اور پوچھا تمہاری عمر کیا ہے۔ اس نے کہا میری عمر تیس سال کے قریب ہے۔ اور پٹی میں نے اس لیے باندھ رکھی ہے کہ سر میں درد ہو رہا ہے۔ آپ بولیں اتنی مدت تم بیمار رہے یا تندرست۔ اس نے کہا تندرست۔ آپ نے فرمایا اتنی مدت تک تندرستی کے شکرینے کی پٹی تو ایک دن بھی نہ باندھ سکے اور ایک دن بیمار ہوئے ہو تو فوراً شکایت کی پٹی باندھ لی ہے۔ وہ شخص یہ بات سن کر بہت شرمندہ ہوا۔

ایک اور مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت رابعہ کے ہاں اکٹھے دس مہمان آگئے۔ اس وقت گھر میں صرف ایک پٹی رکھی تھی۔ آپ نے خادمہ سے کہا وہ روٹی فقیر کو دے دو۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص نے دروازہ پر دستک دی۔ خادمہ باہر گئی اور واپس آ کر بتایا ایک شخص کھانا لایا ہے۔ آپ نے پوچھا کتنی روٹیاں ہیں؟ خادمہ نے کہا دو، آپ نے کہا اسے واپس کر دو، یہ ہمارا کھانا نہیں۔

تھوڑی دیر بعد خادمہ پھر آئی اور کہا "کوئی دوسرا شخص کھانا لے کر آیا ہے۔" آپ نے پوچھا "کتنی روٹیاں ہیں؟" خادمہ نے کہا "پانچ۔" آپ نے کہا "اسے بھی واپس کر دو۔ یہ ہمارا کھانا نہیں۔"

تیسری مرتبہ خادمہ پھر آئی اور کہا کہ "ایک اور شخص کھانا لایا ہے۔" آپ نے پوچھا "کتنی روٹیاں ہیں؟" خادمہ نے کہا "گیارہ۔" آپ نے فرمایا "لے آؤ۔ یہ ہمارا کھانا ہے۔" خادمہ کھانا اندر لے آئی۔ حضرت رابعہ نے دس روٹیاں دس مہمانوں کو کھلائیں اور گیارہ روٹی کا نصف خادمہ کو دیا اور نصف خود کھائی۔

خادمہ نے دریافت کیا کہ آپ نے کس طرح جانا کہ وہ کھانے ہمارے نہ تھے اور یہ کھانا ہمارا ہے۔ حضرت رابعہ نے فرمایا "خدا کہتا ہے دنیا میں ایک کے بدلے دس اور آخرت میں ستر دہائی گا۔ میں نے بھی ایک روٹی فقیر کو دے کر اس سے سودا کیا تھا۔ چونکہ اس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ لہذا جب پہلا شخص دو روٹیاں لایا تو میں نے جان لیا یہ غلط ہے۔ دوسرا شخص پانچ لایا تو وہ بھی غلط تھا۔ تیسری مرتبہ صلہ صحیح ملا۔ دس روٹیاں تیسری ایک روٹی کے عوض میں تھیں اور جو روٹی ہم نے فقیر کو دی تھی وہ بھی خدا نے واپس کر لی تھی۔"

ایک مرتبہ آپ نماز ادا کر رہی تھیں کہ کمزوری کے باعث نماز پڑھتے پڑھتے سو گئیں۔ اس اثنا میں ایک چور آیا اور آپ کی چادر اٹھا کر چل دیا۔ جب وہ دروازے سے باہر نکلنے لگا تو اسے دروازہ نظر نہ آیا۔ اس نے چادر رکھ دی تو دروازہ دیکھائی دینے لگا۔ دوبارہ چادر اٹھا کر چلا تو دروازہ پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس نے دوبارہ چادر رکھ دی تو دروازہ پھر نظر آنے لگا۔ تیسری مرتبہ چادر اٹھانے لگا تو آواز آئی اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالو۔ اس گھر کی مالکہ نے اپنے آپ کو ہماری نگہبانی اور دوستی میں دے رکھا ہے۔ یہاں تو کسی کی مجال نہیں کہ کچھ کر سکے۔ ایک دوست سوا ہوا ہے تو پھر کیا دوسرا دوست تو بیمار ہے۔

کہا جاتا ہے ایک دن خواجہ حسن بصریؒ آپ کے ہاں گئے اور پوچھا مجھے وہ باتیں بتاؤ جو تم نے علم و تعلیم سے حاصل کیں اور نہ کسی سے سنیں بلکہ مخلوق سے بلا واسطہ تجھے پہنچی ہوں۔ آپ نے فرمایا میں نے چند رسایاں لکھی ہیں کہ انھیں بیچ کر اپنی ضروریات خرید لوں۔ چنانچہ وہ دو درم میں فروخت کیں۔ ایک درم ایک ہاتھ میں لیا اور دوسرا دوسرے ہاتھ میں۔ کیونکہ مجھے ڈرتھا کہ مبادا ایک ہی ہاتھ میں دونوں درم لینے سے گمراہ ہو جاؤں۔ بس یہی آج کی حاصل شدہ بات ہے۔

ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے کہا اے رابعہؒ! خواجہ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اگر ایک دم کے لیے بھی میں دیدار الہی سے محروم ہوا تو اتنا روؤں گا کہ اہل بہشت کو میرے حال پر رحم آجائے گا۔ حضرت رابعہؒ نے فرمایا یہ درست ہے لیکن اگر دنیا میں بھی خدا کے ذکر سے غافل رہنے پر اس قدر گریہ ناری ہوتی کہ اہل دنیا کو ان کے حال پر قہر آجاتا تو یہاں بھی ایسا ہی ہوتا۔

لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نکاح کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا مجھے تین باتوں کا اندیشہ ہے اگر ان سے فارغ کرو تو مجھے نکاح کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ اول یہ کہ مرتے وقت ایمان سلامت لے جاؤں گی یا نہیں؟ لوگوں نے کہا معلوم نہیں۔

آپ نے فرمایا دوسرا یہ کہ میرا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں میں؟ لوگوں نے کہا ہمیں اس کا بھی علم نہیں۔ آپ نے فرمایا تیسرا یہ کہ قیامت کے دن ایک گروہ کو بہشت میں دائیں طرف سے لے جائیں گے اور دوسرے گروہ کو بائیں طرف سے دوزخ میں، تو میں کس جانب ہوں گی؟ لوگوں نے عرض کیا ہمیں علم نہیں۔ فرمایا تو پھر جسے اس قدر غم ہوں وہ عورت شوہر کی خواہش کیسے کر سکتی ہے۔

لوگوں نے آپ سے پوچھا آپ کہاں سے آئی ہیں۔ فرمایا اُس جہان سے۔ پوچھا کہاں جائیں گی، فرمایا اُسی جہان میں پھر پوچھا گیا جہان میں آپ کیا کرتی ہیں، بولیں افسوس۔ پوچھا گیا کیوں کر۔ فرمایا اِس جہان کی روٹی کھا کر اِس جہان کا کام کرتی ہوں۔ لوگوں نے کہا آپ کی زبان میں عجب مٹھا س ہے آپ مسافر خانہ کی محافظت کے لائق ہیں۔ فرمایا یہی کچھ تو کر رہی ہوں جو کچھ میرے اندر ہے اُسے باہر کرتی ہوں اور جو باہر ہے اُسے اندر نہیں آنے دیتی۔ چاہے کوئی آئے یا جائے مجھے کچھ غرض نہیں۔ میں دل کو محفوظ رکھتی ہوں نہ کہ مٹی (جسم) کو۔

آپ ہمیشہ روتی رہتی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیوں اتنا روتی ہیں۔ فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ محبت کی، ڈرتی ہوں کہ مرتے وقت کہیں یہ آواز نہ آجائے کہ ”تو ہمارے لائق نہیں۔“

آپ نے فرمایا صرف زبان سے توبہ کرنا جھوٹوں کا شیوہ ہے۔ اگر خود بخود توبہ کریں تو پھر دوسری توبہ کی حاجت نہیں رہتی۔ فرمایا اگر صابر ہوتا تو کریم ہوتا۔ اور معرفت کے مستحق ہیں خدا کی طرف دھیان رکھنا۔ عارف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے دل طلب کرے۔ جب اللہ تعالیٰ اسے دل دے دے تو وہ اسی کے قبضہ میں رہے تاکہ وہ محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ

ہی کے پردے میں لوگوں سے حجاب میں رہے۔

آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو روز و رات گھر رہا تھا ہائے غم ہائے افسوس! آپ نے سن کر فرمایا ایسا نہ کہو، بلکہ کہو ہائے بے غمی ہائے بے افسوسی۔ اس لیے کہ اگر تم اندوہ نگین اور متاسف ہوتے تو ایسا کہنے کی جرأت ہی نہ کرتے۔ کسی شخص کو آپ نے روپے دیے کہ جا کر کمبل خرید لاؤ۔ اس نے پوچھا سفید کمبل چاہیے کہ سیاہ۔ آپ نے کہا پیسے واپس دے دو۔ اور رقم واپس لے کر دریا میں پھینک دی۔ فرمایا کمبل ابھی خریدنا ہی نہیں اور سیاہ و سفید کا جھگڑا درپیش ہو گیا۔

بہار کا خوشگوار موسم تھا اگر آپ گھر کے اندر ہی رہا کرتی تھیں باہر نہ آتی تھیں ایک مرتبہ خادمہ نے عرض کیا کہ آپ باہر آ کر صنایع حقیقی کی قدرت تو ملاحظہ فرمائیں۔ آپ نے جواب دیا تو ایک مرتبہ اندر آ اور آ کر خود صنایع حقیقی کو دیکھ میرا کام صنایع کو دیکھنا ہے نہ کہ صنعت کو۔

ایک مرتبہ سات دن رات آپ نے فاقہ کیا، نیند بھی نہ کی۔ ساتویں دن بھوک نے بے حد غلبہ کیا اور آپ بے بس ہو گئیں۔ نفس نے فریاد کی کہ اے رابعہ تو کب تک مجھے تکلیف دے گی۔ اچانک کسی شخص نے آ کر کھانا پیش کیا۔ آپ نے کھانا لے لیا اور چراغ جلانے لگیں۔ اتنے میں بتی آئی اور اس نے کھانا الٹ دیا۔ آپ نے پانی کا کوزہ اٹھایا تاکہ پانی ہی پی کر روزہ کھول لیں کہ چراغ بجھ گیا۔ آپ نے اندھیرے ہی میں پانی پی کر روزہ افطار کرنا چاہا، مگر اتفاق سے کوزہ بھی گر کر ٹوٹ گیا اور پانی بہ گیا۔ آپ بہت افسردہ ہو گئیں اور مناجات کی کہ الہی یہ کیا بھید ہے؟ غیب سے آواز آئی اے رابعہ! اگر تو چاہتی ہے کہ دنیا کی نعمتیں تیرے لیے وقف کر دوں تو پھر میں تیرے دل سے اپنا غم واپس لے لوں گا۔ کیونکہ میرا غم اور دنیا کی نعمت ایک ہی دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اے رابعہ! تیری بھی ایک مراد ہے اور میری بھی ایک مراد ہے۔ دونوں مرادیں ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔

حضرت رابعہ فرماتی ہیں، جب میں نے یہ آواز سنی تو دنیا سے اپنے دل کو بالکل قطع کر لیا اور امیدیں چھوڑ دیں۔ نماز کو میں نے آخری نماز سمجھا، اور دنیا سے یوں غلطی اختیار کر لی کہ جب دن ہوتا ہے تو اس خوف سے کہ مبادا لوگ مجھے اپنے ساتھ مشغول کر لیں، دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے ہی فکر میں مشغول رکھے تاکہ تیرے خیال سے مجھے کوئی روک نہ سکے۔

ایک دفعہ آپ بیمار تھیں۔ حضرت حسن بصریؒ بیمار پرسی کے لیے آئے۔ دیکھا تو دروازہ پر ایک رئیس روپوں کی تھیلی پکڑے کھڑا ہے اور افسوس جاری ہیں۔ خواجہ حسن بصریؒ نے اس سے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ اس نے کہا میں اس یکتائے نماز (رابعہؒ) کے لیے ایک چیز لایا ہوں، لیکن اس خیال سے رو رہا ہوں کہ شاید وہ لینے سے انکار کر دیں۔ اگر آپ میری سفارش کر دیں تو شاید قبول فرمائیں۔

حضرت حسن بصریؒ اندر داخل ہوئے اور حضرت رابعہؒ کو اس ریش کا پیغام دیا۔ حضرت رابعہؒ نے سن کر فرمایا جو کوئی اللہ تعالیٰ کو برا کہتا ہے خدا اس کی روزی بند نہیں کرتا اور جس کی زندگی اسی کی محبت کے دم سے ہو اسے تو وہ بغیر رزق کے ہی زندہ رکھ سکتا ہے۔ جب سے میں نے اسے دیکھ لیا ہے تمام مخلوق سے منہ پھیر لیا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ جس شخص کو میں جانتی ہی نہیں اس کا مال میں کیسے لے لوں، کیا خبر وہ حلال ہے یا حرام۔

ایک مرتبہ سفیانؒ حضرت رابعہؒ کی بیمار پرسی کو گئے، لیکن حضرت رابعہؒ کی ہیبت کے باعث کوئی بات نہ کر سکے۔ حضرت رابعہؒ نے خود ہی پوچھا، فرمائیے۔ سفیان نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس تکلیف کو آپ سے ہٹا لے۔ حضرت رابعہؒ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں یہ بیماری اسی کے حکم سے ہے۔ سفیان نے کہا آپ ٹھیک فرماتی ہیں حضرت رابعہؒ نے فرمایا پھر میں دوست کی مرضی کے خلاف کیسے درخواست کر سکتی ہوں!

سفیان نے پھر پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ کس چیز کی خواہش ہے۔ فرمایا، سفیان! تم سمجھا رہے ہو کہ ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔ بارہ سال گزرے کہ مجھے تازہ خرما کھانے کی خواہش ہے اور تم جانتے ہی ہو کہ خرما یہاں کتنے سستے ہیں اور بے قدری سے بکتے ہیں، لیکن میں نے ابھی تک نہیں کھائے۔ کیوں کہ میں تو غلام ہوں اور غلام کو خواہش سے کیا مطلب؟ اگر میں کسی چیز کی آرزو کروں اور میرے خدا کو وہ پسند نہ ہو تو یہ کفر ہے۔ سفیان نے عرض کیا میں آپ کے کاموں میں دخل نہیں دے سکتا۔ آپ میرے متعلق کچھ فرمائیں۔ حضرت رابعہؒ نے فرمایا اگر تم دنیا کو دوست رکھتے تو نیک مرد ہوتے۔ سفیان نے پوچھا کیونکر؟ فرمایا آپ کی باتوں کے مطابق۔

یہ سن کر سفیان کو رونانا لگیا اور عرض کیا اے اللہ مجھ سے خوش ہو جا۔ حضرت رابعہؒ نے فرمایا تجھے شرم نہیں آتی کہ جس کی تو رضا چاہتا ہے تو خود ہی اس سے راضی نہیں۔

آپ بہت کم گفتگو کیا کرتی تھیں، بیشتر وقت نماز پڑھنے میں گزارتا۔ اگر کوئی بات کرنی بھی ہوتی تو قرآن کی آیات میں اپنا مطلب ادا کرتیں۔ لوگوں نے ایسا کرنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ انسان جو کچھ بولتا ہے فرشتے اسے لکھتے جاتے ہیں۔ میں قرآن کی آیتوں کے سوا کچھ نہیں بولتی۔ اس لیے کہ میرے منہ سے کوئی بڑی بات نہ نکلے، جسے وہ لکھ لیں۔ میں آیتیں پڑھتی ہوں اور فرشتے وہی لکھ لیتے ہیں۔

حضرت رابعہؒ کا دل خوف الہی سے معمور رہتا تھا اور عذاب جہنم کے خوف سے اکثر اشکبار رہتی تھیں۔ ساتھ ہی انھوں نے ایک نئے مسلک یعنی حب الہی کی بنیاد بھی رکھی۔ یعنی خوف جہنم اور طمع جنت سے بے نیاز ہو کر خدا کو صرف اس لیے یاد کیا جائے کہ وہ خدا ہے، اس کی ذات سے بے انتہا اور والہانہ محبت کی جائے۔ یہ محبت کسی دوسرے جذبہ کی تابع نہ ہو۔ صرف اللہ ہی کے لیے ہو، اللہ ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہو، اس کا مقصد صرف اللہ ہی کی خوشنودی حاصل کرنا ہو اور صرف اسی ذات باری کے جلوے کا دیدار مقصود ہو۔ ذات باری جب عقیدت اور محبت کا سرچشمہ

بن جائے تو پھر کوئی دوسری شے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔

الطبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ "حضرت رابعہ ہر وقت مغموم اور ملول رہا کرتی تھیں۔ ان کی آنکھیں افسکار رہتی تھیں۔ جب وہ عذاب دوزخ کا ذکر سنتی تھیں تو دیر تک اس کی دہشت سے بے ہوش رہتی تھیں۔ ہوش میں آنے پر لگاتار توبہ کرنے لگتیں۔ ان کی سجدہ گاہ ہمیشہ آنسوؤں سے تر رہتی تھی۔"

حضرت رابعہ کے حب اور حزن میں ربط دیتے ہوئے عبدالرزاق پاشا لکھتے ہیں: حضرت رابعہ میں حزن و الم کے جو گہرے نقوش پائے جاتے ہیں، اگر نگاہ تعمق سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ بھی تمام تر حب کا نتیجہ ہیں جو حضرت رابعہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے تھی۔ تصوف اسلامی کے مبطل میں جس ہستی نے سب سے پہلے حب الہی کو ایک مستقل اور محکم مسلک کی صورت میں پیش کیا وہ صرف حضرت رابعہ عدویہ ہیں۔ انھوں نے ایسے آثار و نقوش چھوڑے ہیں جو ان کے حزن و الم کی، محبت الہی کی صورت میں صحیح تعبیر اور تفسیر کا کام دیتے ہیں۔ سیدہ رابعہ عدویہ کا شمار اسلام کے عاشقین اور محزونین میں ہے۔ انھوں نے متصوفانہ ادب کا آغاز کیا اور نظم و نثر کے ایسے موتی بکھیرے جن کی آب و تاب اب تک قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی۔"

حضرت رابعہ کے دل پر حب الہی کی جو تجلیاں جلوہ فگن ہوئیں، انھیں حضرت رابعہ نے شعروں میں بیان کیا ہے ایک جگہ اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتی ہیں (ترجمہ):

"اے نفس! تو اللہ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے، حالانکہ تو اس کی نافرمانی بھی کرتا رہتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب بات ہو سکتی ہے؟

اگر تیری محبت سچی ہے تو اپنے اللہ کی فرمانبرداری کر، کیوں کہ محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے، اس کی فرمانبرداری اور اطاعت بھی ضرور کرتا ہے۔"

اپنے رب سے مخاطب ہو کر فرماتی ہیں:

"اے میرے اللہ! اگر میں تیری عبادت دوزخ سے ڈر کر کرتی ہوں تو مجھے جہنم میں ڈال دے اور اگر جنت کے لالچ میں ایسا کرتی ہوں تو تو مجھے جنت سے محروم رکھ۔ اور اگر میں تجھ سے تیری ذات سے اور صرف تیرے لیے محبت کرتی ہوں تو اے میرے پروردگار! مجھے اپنے جمال ازلی سے محروم نہ رکھو۔"

میں تجھ سے محبت کوئی ہوں دو طرح کی محبت، ایک محبت ہے آرزو اور تمنا کی اور دوسری ہے صرف تیری ذات کی۔ میری وہ محبت جو آرزو اور تمنا سے معمور ہے، وہ تو کوئی اہمیت نہیں رکھتی، لیکن وہ محبت جو صرف تیری ذات سے ہے تو اسی کا واسطہ، تو حجاب کو دور کر دے تاکہ آنکھیں تیرا جلوہ

دیکھ سکیں۔“

امام غزالی فرماتے ہیں:

” رابعہ عدویؒ نے اپنے اشعار میں غرض اور آرزو کی جس محبت کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد ہے اللہ کا احسان اور انعام جو وہ اپنے بندوں پر روا رکھتا ہے، اور جس حب ذات یعنی خالص حب الہی کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد ہے دیدار الہی اور جمال خداوندی کی محبت، جس کا نظارہ ان کے دل کی آنکھوں نے کیا اور یہی محبت سب سے بہتر اور برتر ہے۔ جمال ربوبیت کی لذت بجائے خود سب سے بڑی چیز ہے۔ اس کے بارے میں حضرت قدسیؒ میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے نیک اور صالح بندوں کو وہ چیز دیتا ہوں جسے نہ عام آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، نہ عام کان سن سکتے ہیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزر سکتا ہے۔“

حضرت رابعہؒ نے ۸۵ھ میں ۸۸ برس کی عمر میں وفات پائی۔ وفات سے تھوڑی دیر قبل بصرہ کے کچھ لوگ بیمار پڑوسی کے لیے آئے۔ وہ لوگ دروازہ کے پاس راستہ روک کر کھڑے تھے۔ حضرت رابعہؒ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا ” فرشتوں کے لیے راستہ چھوڑ دو۔“ وہ لوگ دروازہ سے باہر ہو گئے اور دروازہ بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھولا گیا تو حضرت رابعہؒ داعی اجل کو لبیک کہہ چکی تھیں۔

حضرت خواجہ حبیب مجیبی

وفات ————— بصرہ ۱۵۶ھ

مشائخ کبار میں حضرت خواجہ حبیب مجیبی ریاضات و کرامات کے لحاظ سے بہت اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ سن ولادت کا صحیح علم نہیں۔ سفینۃ الاولیاء کے بیان کے مطابق آپ کی وفات ۱۵۶ھ میں ہوئی مگر تذکرہ "میں محمد سعید لکھتے ہیں کہ آپ کی وفات ۹ رمضان ۱۲۸ھ کو بنی امیہ کے دسویں خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں ہوئی۔ مزار پڑانوار بصرہ میں ہے۔

اصل نام حبیب اور ابو محمد کنیت تھی۔ فادس کے رہنے والے تھے۔ شروع میں بہت دولت مند تھے۔ ساہوکار تھے، مال پر سود لیا کرتے تھے۔ ہر روز قرضداروں کے ہاں تقاضا کرنے جاتے اور جس سے جو لینا ہوتا جب تک مل نہ جاتا اسے نہ چھوڑتے۔ اپنی آمد و رفت کا خرچ بھی قرضدار ہی سے وصول کرتے۔ بالآخر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے دل میں آگ لگا دی اور زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔

واقعہ یوں ہوا کہ ایک روز آپ کسی مقروض کے ہاں تقاضا کرنے گئے۔ مقروض گھر پر نہ تھا صرف اس کی بیوی موجود تھی۔ اس نے کہا میرا خاوند گھر پر نہیں نہ ہی گھر میں کوئی روپیہ ہے جو ادا کر سکوں، ہاں ایک بکری ذبح کی تھی اس کی گردن موجود ہے، آپ چاہیں تو وہی لے جائیں۔ آپ نے کہا وہی دے دو۔ چنانچہ گردن لے کر گھر آئے اور بیوی سے کہا یہ سود میں ملی ہے اسے پکالو۔ بیوی بولی اٹا اور لکڑی ختم ہے۔ کہنے لگے اچھا میں ابھی جا کر یہ دونوں چیزیں بھی سود میں لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر دوسرے قرض داروں کے پاس گئے اور ان سے آٹا اور لکڑی سود میں لے آئے۔ بیوی نے گردن پکائی۔ جب کھانا تیار ہو گیا اور کھانے کے لیے بیٹھے تو باہر سے کسی سوالی نے آواز دی کہ بھوکا ہوں کچھ کھانے کو دیا جائے۔ آپ نے اندر ہی سے اسے جھڑک دیا۔ سائل چلا گیا۔

جب آپ کی بیوی نے سالن میں چمچہ ڈال کر نکالنا چاہا تو دیکھا کہ وہ خون ہی خون ہے۔ بیوی نے حیران ہو کر شوہر کی طرف دیکھا اور کہا کہ اپنی شوخی اور کجی کا نتیجہ دیکھ لو۔ خواجہ حبیب مجیبی نے ہنڈیا میں خون دیکھا تو حیران ہو کر رہ گئے۔ دل میں آگ لگ گئی۔ اسی وقت اپنی سابقہ زندگی سے توبہ کی۔ اگلے دن جمعہ تھا۔ آپ باہر نکلے تاکہ باری باری سے سب قرض داروں کے پاس جا کر انھیں سود معاف کر دیں۔ راستہ میں بچے کھیل رہے تھے۔ انھوں نے خواجہ صاحب کو دیکھ کر چلانا شروع کیا۔ ہٹ جاؤ حبیب سود خوار آ رہا ہے۔ ہم پر اس کی گرد پڑ گئی تو ہم بھی ایسے ہی ہو جائیں گے۔

یہ سن کر آپ کے دل پر زبردست چوٹ لگی اور اپنا ارادہ ترک کر کے سیدھے خواجہ حسن بصریؒ کی خدمت باہر گت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے انھیں نصیحتیں کیں اور توبہ کرائی۔ پھر آپ باہر تشریف لے گئے اور اعلان کر دیا کہ جس کسی کے ذمے میرا کچھ نکلتا ہو وہ آئے اور مجھ سے اپنی دستاویز لے جائے۔ چنانچہ قرضدار آئے اور آپ سے اپنی اپنی دستاویز لے گئے۔ سب مال و اسباب جو آپ کے پاس جمع تھا راہِ خدا میں لٹا دیا۔ اب یہ عالم تھا کہ دن میں خواجہ حسن بصریؒ کی مجلس میں تشریف لے جاتے ان سے علم سیکھتے اور معرفت الہی کے رموز سے آگے حاصل کرتے۔ رات کو علیحدگی میں بیٹھ کر عبادت الہی کرتے۔

اخبار الصالحین میں اس انقلابی واقعہ کی تفصیل مندرجہ بالا واقعہ سے قدرے مختلف بیان کی گئی ہے۔ لکھا ہے امام ذہبی فرماتے ہیں: جب بن محمد بن ابی سعید سوداگر تھے اور دراہم کا بیوپار کیا کرتے تھے۔ ایک دن چند لٹکوں کے پاس سے جو کھیل رہے تھے آپ کا گزر ہوا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ دیکھو یہ سود خوار آگیا۔ یہ سن کر آپ نے سر جھکا لیا اور کہا کہ اے رب بچوں تک پر تو نے میرا حال ظاہر کر دیا۔ جب گھر پہنچے تو ایک صوف کا کرتہ پہن لیا اور تمام مال و اسباب سامنے رکھ کر دعا کی کہ اے پروردگار میں اس مال کے عوض تجھ سے اپنا نفس خریدنا چاہتا ہوں مجھے آزاد فرما دے۔ جب دوسرا دن ہوا تو اپنا تمام مال راہِ خدا میں خیرات کر دیا اور عبادت الہی میں مصروف ہوئے اور صائم اللہ ہر اور قائم اللیل رہنے لگے اور ہر وقت ذکر الہی میں مشغول رہتے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ پھر ان لٹکوں کے پاس سے گزر ہوا تو لٹکوں نے آپس میں کہا خاموش رہو جب العابد جاتے ہیں۔ یہ سن کر آپ رونے لگے اور کہا اے اللہ یہ سب تیری طرف سے ہے۔ مرآة الاسرار میں بہ حوالہ تذکرۃ الاولیاء مذکور ہے کہ ابتداء سے زمانہ میں آپ بہت ہی مرفہ الحال تھے اور سود بھی لیا کرتے تھے۔ جب حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تمام منہیات سے توبہ کی، جو کچھ اندوختہ تھا سب راہِ خدا میں صرف کر دیا اور دریائے فرات کے کنارے ایک مکان بنا کر عبادت میں مشغول ہوئے۔ دن کو خواجہ حسن سے علم حاصل کرتے اور رات کو عبادت کرتے۔

جب اس طرح عبادت کرتے ایک مدت گزر گئی تو ایک دن بیوی نے شکایت کی کہ خرچ نہیں ہے ضروریات کیسے پوری کی جائیں۔ آپ نے فرمایا میں کام پر جاتا ہوں مزدوری سے جو ملے گا لے آؤں گا۔ چنانچہ آپ دن بھر گھر سے باہر رہ کر عبادت کرتے، شام کو واپس گھر جاتے۔ جب بیوی انہیں خالی ہاتھ دیکھتی تو کہتی یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ فرماتے میں کام کر رہا ہوں، جس کا کام کر رہا ہوں وہ بڑا سخی ہے، کتا ہے وقت آنے پر خود ہی اجرت دے دیا کروں گا، فکر نہ کرو۔ لہذا مجھے اس سے مانگتے شرم آتی ہے۔ وہ کتا ہے ہر دسویں روز میں مزدوری دیا کروں گا۔ چنانچہ بیوی نے دس دن تک صبر کیا۔

دسویں روز بھی شام کو جب خالی ہاتھ واپس آئے تو راستے میں سوچ رہے تھے اب بیوی کو کیا جواب دوں گا۔ بہر حال گھر پہنچے تو دیکھا کہ عمدہ عمدہ کھانے تیار رکھنے ہیں۔ بیوی آپ کو دیکھتے ہی بول اٹھیں یہ کس نیک بخت کا کام کر رہے ہو، جس نے دس دن کی اجرت اس قسم کی بھیجی اور تین ہزار درہم تقدیر بھی بھیجے ہیں یہ بھی کہلا بھیجا ہے کہ کام زیادہ محنت سے کرو گے تو

اجرت زیادہ دوں گا۔

یہ ماجرا دیکھ کر آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ خیال کیا کہ خداے پاک نے ایک گنہگار بندے کی دس روز کی عبادت کا یہ صلہ دیا، اگر زیادہ حضور قلب سے عبادت کروں تو نہ جانے کیا کچھ دے۔ یہ سوچ کر علائق دنیا سے بالکل الگ ہو گئے اور ایسی ہی عبادتیں اور ریاضتیں شروع کر دیں کہ اسرار الہی بے نقاب ہونے لگے۔ عنایات الہی کا نزول شروع ہو گیا اور مستجاب الدعوات کا درجہ مل گیا۔

ایک دن خواجہ حسن بصریؒ آپ کے مکان پر تشریف لائے، خواجہ حبیب چونکہ عجمی تھے اس لیے عربی صحیح طور پر نہ بول سکتے تھے اور نمازیں الحمد للہ تلفظ کر رہے تھے۔ خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا تمہارے پیچھے نماز پڑھنی درست نہیں اور الگ ہو کر نماز ادا کی۔ مرآة الاسرار میں لکھا ہے کہ رات کو خواجہ حسن بصریؒ نے خواب دیکھا اور پوچھا اے اللہ تیری رضا کیا ہے۔ جواب ملا اے حسن، میری رضا حبیب کے پیچھے نماز پڑھنے میں تھی، مگر تم نے نہیں پڑھی۔

جب حبیب عجمی کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تو آپ بہت روتے۔ کسی نے کہا تم سمجھتے تو ہو نہیں روتے کیوں ہو۔ فرمایا میری زبان گوجی ہے مگر دل عربی ہے۔

ایک روز خواجہ حسن بصریؒ حجاج کے آدمیوں سے چھپ کر آپ کے ہاں آگئے۔ وہ لوگ وہاں بھی پہنچ گئے اور مکان میں داخل ہو کر آپ کو تلاش کیا مگر آپ نہ ملے۔ جب وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے، تو حضرت حسن بصریؒ نے آپ سے پوچھا تم نے کیا کیا کہ ان لوگوں کی نظر مجھ پر نہ پڑی۔ آپ نے فرمایا میں نے دس بار آیت الکرسی، دس بار اٰمن الرسول اور دس بار قل هو اللہ احد پڑھ کر اللہ سے دعا کی تھی کہ میں نے حسن کو تیرے سپرد کیا اس کی حفاظت فرما۔

ایک روز حضرت امام حنبلؒ اور امام شافعیؒ بیٹھے تھے۔ حبیب عجمی وہاں سے گزرے۔ امام حنبلؒ نے کہا ہم آج ان سے ایک سوال کریں گے چنانچہ جب آپ قریب آئے تو انہوں نے پوچھا آپ ایسے شخص کے متعلق کیا کہتے ہیں جس کی پانچ نمازوں میں سے ایک نماز قضا ہو گئی ہو اور اسے یہ یاد نہ ہو کہ وہ کون سی نماز تھی، اسے کیا کرنا چاہیے۔

آپ نے فرمایا ایسے شخص کا دل خدا سے غافل ہے، اسے ادب کرنا چاہیے اور پانچوں وقت کی نمازیں قضا سمجھ کر ادا کرنی چاہئیں۔ امام حنبلؒ نے جواب سن کر حیران رہ گئے۔

آپ کی کرامات کا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت آئی، کہنے لگی میرا بیٹا عرصہ سے گم ہے میں اسے تلاش کرتے کرتے نڈھال ہو گئی ہوں، دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے بیٹے سے ملا دے۔ آپ نے پوچھا تیرے پاس کچھ ہے؟ اس نے دو درم پیش کیے کہ میرے پاس یہی کچھ ہے۔ آپ نے دونوں درم محتاجوں کو دے دیے اور فرمایا گھر واپس جا تیرا لڑکا تجھے مل جائے گا۔

وہ واپس گئی تو دیکھا لڑکا موجود تھا۔ پوچھا کیسے یہاں پہنچے۔ کہنے لگا میں کرمان میں تھا، استاد نے مجھے کچھ چیزیں خریدنے

کے لیے بازار بھیجا۔ میں سودا خرید کر واپس آ رہا تھا کہ ہوا کے جھونکے نے مجھے اونچا اڑا لیا۔ میں نے آواز سنی کوئی کہہ رہا تھا اسے ہوا سے گھر پہنچا دے۔

یہ حضرت حبیبؑ کی دعا اور دوزم کے صدقہ کا نتیجہ تھا۔

ایک مرتبہ سخت قحط پڑا۔ آپ نے بہت سا سامان خور و نوش قرض خرید کر لوگوں میں تقسیم کیا اور کپڑے کی ایک تھیلی سی کر سر ہانے رکھ لی، کوئی بھی قرض مانگنے آتا آپ تھیلی میں ہاتھ ڈالتے اور دام نکال کر اُسے دے دیتے۔ یہ غیبی مدد تھی۔ آپ کا گھر بصرہ شہر کے عین چوراہے پر تھا۔ آپ کے پاس صرف ایک ہی پوستین تھی جو پہنا کرتے تھے۔ ایک روز پوستین انا کر چوراہے میں ایک جگہ رکھ دی اور کچھ فاصلے پر وضو کرنے کے لیے چلے گئے۔ حضرت حسن بصریؒ کا گزرواں سے ہوا تو وہیں دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ حبیبؑ کی ہے، چنانچہ کھڑے ہو کر نگرانی کرنے لگے۔ جب حضرت حبیبؑ واپس آئے تو حسن بصریؒ نے ان سے پوچھا یہ پوستین یہاں کس کے بھروسے پر چھوڑ گئے تھے۔ آپ نے جواب دیا، جس نے آپ کو اس کی نگرانی کے لیے مقرر کیا، اسی کے بھروسے پر چھوڑ گیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ حسن بصریؒ آپ کے ہاں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ دروازے پر ایک سوالی آ گیا۔ حضرت حبیبؑ نے خواجہ حسنؒ کے سامنے سے سارا کھانا اٹھا کر سوالی کو دے دیا۔ حضرت حسنؒ نے فرمایا آپ بھی عجب آدمی ہیں جہاں کے آداب کا خیال نہیں کرتے۔ دینا ہی تھا تو کھانے سے کچھ اٹھا کر دے دیتے اور کچھ رہنے دیتے۔ آپ خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک شخص قسم قسم کے کھانے اور پانچ سو درم لے کر آ گیا۔ آپ نے درم اسی وقت محتاجوں میں تقسیم کر دیے اور کھانا حضرت حسنؒ کے سامنے رکھ دیا اور دونوں نے مل کر کھایا۔ پھر خواجہ حسنؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا علم کے ساتھ یقین بھی ضرور کا ہے، آپ کو یقین بھی ہوتا تو بہتر تھا۔

ایک مرتبہ آپ تنہائی میں کہہ رہے تھے "اے اللہ جو تجھ سے خوش نہیں اُسے خوشی نصیب نہ ہو اور جسے تجھ سے انس نہیں اُسے کسی سے بھی انس نہ ہو" لوگوں نے عرض کیا آپ دنیاوی معاملات سے الگ ننگ ہو کر گوشہ میں بیٹھ گئے ہیں، بتائیں رضا کس چیز میں ہے۔ فرمایا جس دل میں نفاق کا عیار نہ ہو رضا اسی دل میں ہے۔

ایک مرتبہ ایک قاتل کو پھانسی دی گئی۔ رات کو لوگوں نے اس شخص کو خواب میں دیکھا کہ پر تکلف لباس پہننے بہشت کے باغوں میں ٹہل رہا ہے۔ سوال کیا گیا تو قاتل تھا پھر یہاں کیسے پہنچا۔ اس نے جواب دیا جب مجھے پھانسی دی جا رہی تھی حضرت حبیبؑ عجمی کا ادھر سے گزر ہوا انھوں نے میری طرف توجہ کی اور دعا مانگی۔ یہ اسی کا اثر اقدار نتیجہ ہے۔

ایک مددیش نے آپ سے پوچھا کہ آپ تو عجمی ہیں اس پر سے درجہ کو کیوں نگرہ پہنچ گئے۔ غیب سے آواز آئی، ہاں عجمی

ہے مگر حبیب ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے ہاتھ سے سوئی گر پڑی، گھر میں اندھیرا تھا مگر خدا کی قدرت سے روشن ہو گیا۔ آپ نے فوراً آنکھیں بند کر لیں اور فرمایا نہیں نہیں میں چراغ کے بغیر سوئی کو نہیں ڈھونڈتا چاہتا۔

خواجہ خواجگان حضرت داؤد طائیؑ جن کا مزار پر انوار بغداد میں ہے۔ حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ انہوں نے ۱۶۲ھ میں تیسرے عباسی خلیفہ ہمدی بن منصور کے عہد میں وفات پائی۔ خواجہ داؤد طائیؑ بھی بہت بڑے دنیا دار تھے۔ ورع و پرہیزگاری میں درجہ کامل اور انواع علوم میں بہرہ وانی رکھتے تھے۔ امام اعظمؒ کی صحبت میں رہے۔ بیس سال تک ان کی شاگردی میں رہ کر علم فقہ میں کمال حاصل کیا اور ایسے درجہ کو پہنچے کہ امام صاحب کے اصحاب کرام میں کسی کو آپ پر تقدم حاصل نہ ہوا۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے زیر دیوار دفن کرنا تاکہ کوئی میرے منہ کے سامنے سے نہ گزرے چنانچہ آپ زیر دیوار مدفون ہوئے۔ اور آج تک آپ کی قبر مبارک اسی حالت میں ہے۔

آپ اکابرین طائفہ و غلامے اولیا و کبرائے فقہاء میں سے تھے۔ جب کبھی دوسرے بزرگان کرام کو کسی مسئلہ میں باہم اختلاف ہوتا تو وہ آپ ہی کو منصف مقرر کرتے تھے۔ آپ کا قول ہے کہ مرید کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے اسے کوئی لگاؤ نہ ہو اور اس کے جتنے دوست اشد دنیا کی طرف مائل ہوں ان سب کو ترک کر دے۔ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی بیماریا پرسی کے لیے بھی نہ جائے۔

حضرت خواجہ عبدالواحد بن بید

وفات بصرہ ۱۷۹ھ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدان اولیائے کرام میں سے ہیں جنہوں نے خواجہ حسن بصریؒ سے علوم باطنی میں کمال حاصل کیا اور انھیں سے فرقہ مغلطہ پایا۔ ریاضت و مجاہدہ اور ذوق عشق میں یکتائے زمانہ تھے۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے۔

آپ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ ابتدا میں بڑے صاحب ثروت تھے مگر اس زمانے میں بھی بزرگان دین اور مردانِ سما کی زیارت کا بہت شوق رکھتے تھے۔ اکثر دروازے کا سفر کر کے ان کی ملاقات کیا کرتے تھے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ آپ نے ترک و تخرید اختیار کر لیا۔ اس ضمن میں ایک واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے خدمت کے لیے ایک غلام خریدا۔ ایک رات آپ کو اس کی ضرورت پڑی تلاش کیا تو لڑکا گھر میں موجود نہ پایا۔ دروازے اندر سے بند تھے۔ آپ حیران تھے کہ لڑکا باہر کیسے چلا گیا۔ جب صبح ہوئی تو لڑکا خود بہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک دینار پیش کیا جس پر بادشاہی مہر کی بجائے سورۃ اخلاص نقش تھی۔ آپ نے پوچھا یہ سیکہ کہاں سے ملا۔ غلام نے جواب دیا اگر آپ رات کو مجھے تلاش نہ کیا کریں تو میں ہر صبح آپ کی خدمت میں اس طرح کا سکہ پیش کیا کروں گا۔ آپ نے منظور کر لیا اور اسی طرح کئی دن گزر گئے۔

ایک روز کچھ پڑوسی آپ کے پاس آئے اور کہا آپ کا یہ غلام مشتبہ اور مشکوک ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا میں اس بات کی تحقیق کروں گا۔ چنانچہ آپ اس کی نگرانی کرنے لگے۔ جب رات ہوئی تو وہ غلام اٹھا اور دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ دروازہ خود بہ خود کھل گیا، پھر اشارہ کیا تو وہ بند ہو گیا۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا۔ آخر ایک دن ایسے موقع پر آپ غلام کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔ چلتے چلتے غلام ایک صاف زمین پر پہنچا، وہاں پہنچ کر اس نے اپنے کپڑے اتار دیے اور بوریا پہن لیا، پھر صبح تک نماز پڑھتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے میرے بڑے مالک میرے چھوٹے مالک کی اجرت مجھے عطا کر۔ معاً ایک سکہ آسمان سے گرا اور اس نے اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا، پھر حضرت زیدؒ کی نظر سے غائب ہو گیا۔

آپ یہ معاملہ دیکھ کر سخت متحیر ہوئے اور غلام کے متعلق اپنی بدگمانی پر متاسف۔ چنانچہ آپ نے اسی جگہ دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ ابھی آپ اسی جگہ پر تھے کہ معاً ایک سوار فرس اشہب پر بیٹھا نظر آیا۔ سوار نے پوچھا

تم یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ آپ نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ سوار نے پوچھا تمہیں معلوم ہے اس مقام اور تمہارے گھر کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔ فرمایا مجھے علم نہیں۔ سوار نے کہا اس زمین اور تمہارے شہر کے درمیان نیز سوار کے لیے دو برس کا راستہ ہے۔ تم یہاں سے کہیں نہ جاؤ، رات کو تمہارا غلام آئے گا۔

جب کچھ رات گزر گئی تو غلام آگیا، اس کے پاس طرح طرح کے کھانے تھے۔ اس نے آپ کو کھلایا اور عرض کیا میرے سردار اٹھو آپ ایسا نہ کریں اس کے بعد اس نے نماز ادا کی اور صبح تک نماز پڑھتا رہا۔ صبح ہوئی تو آپ کا ہاتھ پکڑا، کچھ باتیں کہیں جو آپ نہ سمجھ سکے۔ پھر آپ کے ساتھ چند قدم گیا۔ دفعۃً آپ نے دیکھا کہ گھر کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ غلام نے کہا میرے سردار کیا آپ نے مجھے آزاد کرنے کی نیت نہیں کی۔ اب مجھے آزاد کر دیں۔ آپ نے اسی وقت اسے آزاد کر دیا۔ غلام نے ایک پتھر اٹھا کر آپ کو دیا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ آپ نے دیکھا تو وہ پتھر نہ تھا بلکہ سونے کی ڈلی تھی۔ چنانچہ اس واقعہ سے آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ منار سے دھندے چھوڑ کر تارک دنیا ہو گئے۔ خواجہ حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت کیمیا اثر سے مستفیض ہونے لگے۔ تمام مال و اسباب خدا کی راہ میں لٹا دیا اور تجرید و تفرید کے درجہ کمال کو پہنچے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ چالیس سال تک ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے اور اس سارے عرصہ میں فجر کی نماز عشا کے وقت سے ادا فرمائی۔ جب سے اپنا مال و دولت راہ خدا میں لٹایا تھا، کبھی اس مال کی طرف دوبارہ رغبت نہ ہوئی۔ آپ کا ارشاد تھا کہ درویش وہ ہے جو خالی جیب، خالی ہاتھ اور خالی پیٹ رہے۔ ایسا نہ ہو تو وہ درویش نہیں بلکہ کم ہمت شخص ہے۔ اہل دنیا کے ساتھ آپ نے بالکل قطع تعلق کر رکھا تھا، کسی کے ساتھ ٹھٹھے بیٹھتے نہ تھے، مگر آنے والے کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آنے۔ عجز و انکسار کا یہ حال تھا کہ اپنے آپ کو ہر کسی سے کمتر جانتے تھے۔ سلام میں ہمیشہ سبقت کرتے۔ اکثر وقت رونے میں بسر ہوتا اور ذکر الہی میں لگے رہتے۔ آپ دعا میں فرمایا کرتے تھے۔ الہی مجھے ایسے اعضاء دے جو تیری عبادت کے لیے بہت قوی ہوں اور ایسے جوارح چاہتا ہوں جو تیری اطاعت کی طرف مدد کریں اور مجھے ایسی ہمت دے جو تیری محبت سے متعلق ہو۔

آپ کے متعلق ایک حکایت بیان کی جاتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کسی جہاد کے لیے روانہ ہوئے۔ کچھ مرید ساتھ تھے۔ ان میں سے ایک نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی :-

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط

ایک پندرہ سالہ لڑکا بھی پاس کھڑا تھا اس نے یہ آیت سن کر کہا عبد الواحد کیا خدا کا یہ ارشاد صحیح ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں صحیح ہے۔ لڑکے نے کہا اچھا گواہ رہنا۔ میں اپنی ذات اور اپنا سب مال و اسباب جنت کے لیے فروخت کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ سے بیعت کی اور سارا مال راہ خدا میں دے دیا صرف ایک گھوڑا اور سلاح رکھ لیا اور جہاد کے لیے

روانہ ہوا۔ وہ دن کو روزہ رکھتا اور رات کو نماز میں پڑھتا۔ راستہ میں ایک جگہ اس نے خواب دیکھا اور چونک اٹھا۔ معلوم ہوا چونکہ اس کی نیت خالص تھی اس لیے اس کا سودا قبول ہو گیا اور اسے جنت کی بشارت مل گئی۔ لڑکے نے اپنا خواب بیان کرنے کے بعد جو نبی اسے ختم کیا، دشمن کی فوج سامنے نظر آئی۔ لڑکا ان سے جنگ کرنے لگا۔ نود شمنوں کو مار کر خود شہید ہو گیا۔

حضرت عبدالواحد فرماتے ہیں جب میں اس کی لاش پر پہنچا تو وہ تڑپ رہا تھا، مگر خوشی سے قہقہے لگا رہا تھا یہاں تک کہ اسی حالت میں اس کی روح تن سے نکل گئی۔

ایک روز آپ کہیں جا رہے تھے راستہ میں ایک بیمار بوڑھا نظر آیا جو دھوپ میں پڑا تھا اور ضعف و بیماری کے باعث مل جل نہ سکتا تھا۔ آپ کو اس پر رحم آیا۔ دعا کی، ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور بوڑھے کو اپنے سایے میں ڈھانپ لیا۔ بوڑھے نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو نہایت عاجزی سے عرض کیا آپ مشجبات الدعوات ہیں میرے لیے دعا کریں کہ اللہ مجھے شفا عنایت فرمائے۔ آپ نے دعا کی، بوڑھا اسی وقت تندرست ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

آخری عمر میں آپ بہت بیمار ہو گئے۔ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہ رہی۔ ایک دن نماز کا وقت آیا تو کوئی خادم موجود نہ تھا کہ وضو کرانا، آپ نے اپنے حق میں آپ دعا کی، فوراً صحت یاب ہو گئے، وضو کیا اور نماز ادا کی۔ قانع ہو کر جب بستر پر دروازہ ہوئے تو بیماری نے پہلے کی طرح پھر غلبہ پالیا۔ پھر اسی بیماری سے ۱۷۶۹ء میں وفات پائی۔ مزار پر انوار البصرہ میں ہے۔ آپ کے بعض ارشادات یہ ہیں:

مومن کی مثال اس بچہ کی سی ہے جو رحم میں ہوا اور وہ باہر نکلنا نہیں چاہتا، جب نکل آئے تو پھر واپس رحم میں نہیں جاسکتا۔ دنیا سے نکلنے وقت مومن کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں بندہ کی سب سے عمدہ حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ موافقت کرے اور راضی برضا رہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ اسے اطاعت کے لیے دنیا میں باقی رکھنا چاہے تو وہ اسی پر راضی رہے گا اور اگر دنیا سے اٹھائے تب بھی خوش رہے گا۔ فرماتے ہیں جس بندہ کو دنیا میں سے کچھ عطا ہو پھر وہ کسی اور چیز کی خواہش کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ کی خلوت کا لطف اس سے سلب کر لیتا ہے اور قرب کر دوری اور انس کو وحشت سے بدل دیتا ہے۔

حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی

وفات ————— ۲۰۲ھ

امام الفقراء، پیشوا، اولیاء حضرت خواجہ حذیفہ المرعشی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے واقف اسرار اور صاحب کمال تھے۔ زہد اور ورع و تجرید میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ خرقہ ارادت و خلافت خواجہ ابراہیم بن ادھم سے حاصل کیا تھا۔ اس عہد کے تمام بڑے بڑے بزرگ اور صاحب کمال آپ کی مجلس میں کسب فیض کے لیے آیا کرتے تھے۔

فوج شام میں مرعش نام ایک مقام کے رہنے والے تھے۔ آپ نے حضرت خواجہ فضیل بن عیاض اور خواجہ بازید بسطامی کو بھی دیکھا تھا۔ آپ کے مریدوں کا طریقہ محض تجرد ظاہر و باطن تھا۔ اور سفر و حضر میں ذکر جلی کیا کرتے تھے۔ بے طلب جو کچھ مل جاتا اسی پر اکتفا کر لیا کرتے تھے۔

سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ اور بہت عمدہ قرأت کرتے تھے۔ ایک دن رات میں قرآن ختم کر لیتے تھے۔ آپ نے حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم کی خدمت کیا اثر میں حاضر ہو کر قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ پیرو مرشد نے آپ کو گلے لگا کر فرمایا حذیفہ! اطمینان رکھو، تم عنقریب اپنے مقصد اور اونچے درجہ کو پہنچو گے۔ پھر پیرو مرشد نے آپ کو بیعت کیا۔

حضرت حذیفہ قریباً چھ ماہ تک پیرو مرشد کی خدمت میں رہے اور گوشہ نشین ہو کر عبادت الہی کیا کرتے تھے۔ پیرو مرشد آپ کی ریاضت شاقہ دیکھ کر فرماتے تھے، سلوک کے راستے کے لیے جس بات کی ضرورت ہے وہ تم میں موجود ہے۔ چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں آپ حضرت ابراہیم بن ادھم کی توجہ اور التفات سے کمالیت کے درجہ کو پہنچ گئے۔

اس کے بعد کئی سال تک سفر و حضر میں پیرو مرشد کا ساتھ دیا۔ کہا جاتا ہے جب حضرت ابراہیم بن ادھم کے آخری دن آئے، تو آپ نے حضرت حذیفہ کو بلا کر خرقہ خلافت عطا فرمایا اور اپنی جانشینی کا شرف بخشا، پھر ہدایت فرمائی کہ خلق ہذا کی رہنمائی میں لگ جاؤ۔

پیرو مرشد نے فرمایا اے حذیفہ! دنیا کی طرف ہرگز توجہ نہ دینا اور ہمیشہ اپنے پیران طریقت کے راستے پر چلنا۔ فرمایا یاد رکھنا دنیا درویشوں کی رہزن ہے۔

کہا جاتا ہے جب حضرت حذیفہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہوئے تو حضور نے انہیں اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔ حضرت حذیفہ نے رو کر عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ اللہ کے قبر کا نشاد نہ بن جائوں ارشاد ہوا، حذیفہ! ہمت نہ ہار۔ تو میرے ہمراہ جنت میں جائے گا۔ اور جو شخص تجھے اپنا رہبر بنائے گا وہ بھی جنت میں جائیگا۔ حضرت حذیفہ کو تنہائی پسند تھی۔ فراق کی دوستی بھی عزیز تھی۔ ان کی صحبت میں رہ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ اہل دنیا اور ان کی محبت سے اجتناب کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، صحبت اپنا اثر ضرور کرتی ہے خواہ ایک ساعت کی صحبت کیوں نہ ہو۔

آپ ہمیشہ با وضو رہا کرتے تھے اور ہمیشہ روزہ رکھتے۔ ٹاٹ کا لباس پہنتے اور ہر وقت آنکھیں اشکبار رہتیں۔ ایک دفعہ کسی نے پوچھا آپ ہمیشہ روتے رہتے ہیں آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک دوزخ میں) مجھے نہیں معلوم کہ میں کس گروہ میں ہوں۔

اس نے کہا اگر آپ کو یہ نہیں معلوم کہ آپ کس گروہ یا فرقہ سے ہیں تو پھر آپ لوگوں سے بیعت کیوں لیتے ہیں دوسروں کی راہ بھی مارتے ہیں۔ یہ سنتے ہی چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو غیبی آواز سنی کوئی کہہ رہا تھا "اے حذیفہ! میں تجھے دوست رکھتا ہوں اور میں نے تجھے برگزیدہ کیا ہے، تو میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں جائے گا۔ یہ آواز دوسرے لوگوں نے بھی سنی۔ کہا جاتا ہے کہ اس آواز کو سن کر تین سو کے قریب آدمی راجح الی الحق ہوئے۔"

آپ کا ارشاد ہے کہ اخلاص یہ ہے کہ آدمی کے ظاہر اور باطن کے افعال یکساں ہوں۔ فرمایا اگر تجھے اس کا خوف نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تیرے بہترین اعمال پر تجھے عذاب دے گا تو تو ہلاک ہونے والا ہے۔ یعنی جن اعمال کو تو بہترین سمجھتا ہے وہ حقیقت وہ ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ کرے تو تجھے ان پر سخت عذاب دیا جائے۔

آپ فرماتے ہیں کہ اچھے اعمال میں سے مجھے کوئی چیز گھریں بیٹھنے سے افضل معلوم نہیں ہوتی اور اگر میرے پاس کوئی تشہیر ایسی ہوتی کہ فرائض کے لیے باہر نکلنے کی ضرورت نہ ہوتی تو میں ضرور اس پر عمل کرتا۔

آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ اخبار الاصلحین میں لکھا ہے "مرآة الاسرار و سفینة الاولیاء میں آپ کے وفات کی تاریخ درج ہے مگر سن نہیں ہے۔ اور طبقات الکبریٰ میں سن درج ہے تاریخ نہیں ہے۔ ان دونوں کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات چودھویں شوال ۳۵ھ میں ہوئی۔ مؤلف ہذا کی نظر میں ایک کتاب میں ۲۵ شوال ۲۰۲ھ بھی گزری ہے، مگر اول الذکر زیادہ معتبر ہے۔"

حضرت ذوالنون مصریؒ

وفات _____ مصر ۲۴۵ھ

آپ کی ذات بابرکات پیشوائے اہل ہدایت تھی۔ درویش کامل اور ریاضات و کرامات کے عامل تھے۔ اہل مصر آپ کو زندگی کے لقب سے پکارتے تھے، مگر بعض لوگ آپ کی کرامات پر متحیر بھی ہوا کرتے تھے۔ چونکہ آپ نے اپنے آپ کو خلقت کے دور رکھنے میں سعی بلیغ سے کام لیا۔ اس لیے جب تک زندہ رہے لوگ آپ کے منکر رہے اور جب تک وفات نہ پا گئے کوئی شخص آپ کے حالات و واقف نہ ہو سکا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک لوگوں کو دعوت حق دی۔ مگر اس عرصہ میں بس ایک شخص جیسا کہ چاہیے ملا وہ ایک شہزادہ تھا، جو شان و شوکت کے ساتھ میری مسجد کے نزدیک سے گزرا۔ میں اس وقت یہ کہہ رہا تھا کہ اس کمزور آدمی سے بڑھ کر اور کون شخص احمق نہیں ہے جو ایک طاقتور کے ساتھ لڑتا ہے۔ یہ بات سن کر شہزادہ مسجد کے اندر آ گیا اور پوچھنے لگا۔

”اس کا مطلب کیا ہے؟“

میں نے کہا: ”افسانہ محض ایک کمزور ہستی ہے، جو خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ برسرِ جنگ ہے۔“ ان الفاظ کے سنتے ہی شہزادے کا رنگ فی ہو گیا اور مسجد سے نکل کر چلا گیا۔ دوسرے دن وہ پھر آیا اور مجھ سے خدا کا راستہ پوچھا۔ میں نے کہا: ”ایک راستہ لمبا ہے اور ایک چھوٹا۔ اگر چھوٹے راستے سے جانا چاہتے ہو تو دنیا ترک کر دو! گناہ چھوڑ دو اور خواہشات نفسانی کو ترک کر دو۔ اگر لمبے راستے سے خدا تک پہنچنا چاہتے ہو تو سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور سب کچھ ترک کر دو۔“ شہزادے نے کہا: ”لمبا اور طویل راستہ اختیار کرتا ہوں۔“

دوسرے دن وہ پیشینہ پہن کر آیا اور ریاضت میں مشغول ہو گیا اور آخر کار ابدال کے مرتبے کو پہنچا۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں مقروض ہوں اور میرے پاس کچھ نہیں کہ میں قرض ادا کر سکوں۔ آپ نے ایک پتھر اٹھا کر اس کو دے دیا۔ جس کو وہ آدمی بازار میں لے گیا۔ قدرتِ الہی سے وہ پتھر زمرِ مدین گیا تھا۔ جس کو چار سو درم کے عوض اُس نے فروخت کر کے اپنا قرض ادا کیا۔

روایت ہے کہ ایک نوجوان کو جو سو قیائے کرام کا منکر تھا۔ آپ نے ایک انگشتری دی اور فرمایا اسے ایک دینار کے عوض گورکھ کر کچھ کھانے پینے کو لے آ۔ نانباتی نے کہا: ”صرف ایک درم کے عوض اس کو رکھ سکتا ہوں۔“ نوجوان انگوٹھی واپس آپ کی

شہ سنیبتہ الاولیاء میں سن وفات ۲۴۵ھ بنایا گیا ہے۔ نجات الانس میں ۴۴۰ھ اور بعض تاریخوں میں ۲۴۰ھ لکھا ہے۔

خدمت میں لے آیا۔ آپ نے اس سے کہا: "اب تم یہ انگوٹھی کسی صراف کے پاس لے جا کر اس کی قیمت دریافت کرو۔ صراف نے اس کی قیمت ایک ہزار دینار بتائی۔ وہ نوجوان تعجب کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا۔

آپ نے فرمایا: "صوفیائے عظام کے متعلق تیرا علم صرف ناتجائی جتنا ہے!"

جب آپ کا مرتبہ درگاہ الہی میں بڑھ گیا تو کوئی شخص آپ کی طرف توجہ بھی نہ کرتا تھا۔ مصری لوگ آپ کو زندیق کہنے لگے اور سب بے متفق ہو کر خلیفہ وقت متوکل عباسی کو حالات سے مطلع کیا۔ خلیفہ نے آپ کو پابندِ نجیر دربارِ خلافت میں بلوایا۔ راہ میں ایک عورت نے آپ کو دیکھا اور کہا:

"خبردار! اس مردِ خلیفہ سے ہرگز نہ ڈرنا، وہ بھی تمہاری طرح ایک بندہ ہے، جب تک خدا کی طرف سے حکم نہ ہو، کوئی بندہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

جب خلیفہ کے سامنے پہنچے تو اس نے آپ کو زندان میں بھیج دیا۔ چالیس دن تک آپ قید رہے۔ اس اثنا میں حضرت بشرحانی کی ہمشیرہ آپ کو ہر روز ایک روٹی کھانے کے لیے پہنچا دیتیں۔ جب آپ کو زندان سے نکالا گیا تو وہ چالیس روٹیاں بدستور پڑی تھیں۔ ہمشیرہ حضرت بشرحانی نے کہا:

"آپ جانتے تھے کہ یہ روٹی حلال کمانی کی ہے، پھر بھی آپ نے نہیں کھائی؟"

آپ نے فرمایا: "ان روٹیوں میں داروغہ جیل کا ہاتھ لگ جایا کرتا تھا۔ اس لیے ان کی طہینت پاک نہ رہتی تھی۔" قید خانے سے باہر آنے کے بعد کمزوری کی وجہ سے آپ گر پڑے اور پیشانی پر زخم آیا اور خون بہنے لگا۔ پھر آپ کو خلیفہ کے سامنے لایا گیا۔ خلیفہ کے سوالات کا جواب آپ نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ دیا۔ تمام حاضرین رونے لگے۔ آخر خلیفہ نے معذرت کی اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ واپس مصر بھیج دیا۔

جب آپ نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تو کہتے: "اے الہی میں کن قدموں سے تیری درگاہ میں حاضر ہوں اور کن ہانگوں سے تیرے کعبہ کو دیکھوں! اور کس زبان سے تیرا ذکر کروں اور کس نعمت سے تیرا نام لوں! جب کہ محض بے مائیگی کا سرمایہ لے کر تیری درگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔"

آپ کے اقوال بے شمار ہیں

فرماتے ہیں: وہ ذاتِ اقدس پاک و برتر ہے جس نے حجابِ آخرت میں اپنے عارفوں کو چھپا لیا اور اصحابِ آخرت کو حجابِ دنیا سے پردہ پوش کیا۔

فرماتے ہیں: "بدترین حجاب نفس پسندی کا ہے۔"

فرماتے ہیں: "جو معہہ کھاتے سے بھرا ہوا ہے اس میں حکمت نہیں آسکتی۔"

فرماتے ہیں: "صحیح تھوڑا کھانے میں سے اور روح کی صحت تھوڑے گناہ کرنے میں۔"

فرماتے ہیں: "اگر کوئی شخص بلا میں مبتلا ہو اور صبر کرے تو تعجب کی بات نہیں بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بلا میں مبتلا ہو اور راضی ہو۔"

فرماتے ہیں: "جب تک آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے کام کے رہیں گے اور جب خوف خدا ان کے دل سے جاتا رہے گا گمراہ ہو جائیں گے۔"

فرماتے ہیں: "راہِ راست پر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ جب خوف دل سے نکل جائے گا گمراہ ہو گا۔" فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ بندہ اخلاق، افعال، بجا آوری اور سنّت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہر طرح حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تابع ہو۔"

فرماتے ہیں: "کہ صحبت نہ رکھو مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ موافقت میں۔ خلق کے ساتھ نصیحت لینے میں۔ نفس کے ساتھ مخالفت میں۔ دشمن کے ساتھ عداوت میں۔"

فرماتے ہیں: "کہ میں نے اس طبیب سے زیادہ جاہل کسی طبیب کو نہیں دیکھا، جو مستوں کا علاج ان کی مستی کے وقت کرتا ہے۔"

فرماتے ہیں: "صوفی وہ ہے کہ جب وہ باتیں کرے تو اس کی گفتگو اس کے حال کے مطابق ہو اور کوئی ایسی بات نہ کہ جو خود اس میں نہ ہو۔ اور خاموشی کی حالت میں اس کا معاملہ اس کے حال سے تعبیر ہو۔ تمام علانی و دنیوی کے قطع کرنے میں اس کا حال ناطق ہو۔"

فرماتے ہیں: "عارف الہی کا ہر گھڑی خوف زیادہ بڑھتا رہتا ہے، کیوں کہ ہر گھڑی وہ زیادہ نزدیک ہوتا جاتا ہے اور عارف وہ ہے جو مخلوق میں رہ کر مخلوق سے جدا رہتا ہے۔"

فرماتے ہیں: "عارف کو خائف ہونا چاہیے نہ کہ واصل۔ واصل کو عارف نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ عارف وہی ہوتا ہے جو خوف کھاتا ہے اور عارف کے لیے ایک حالت لازم نہیں ہوتی۔ ہر گھڑی عالم غیب سے اس پر نئی حالت طاری ہوتی رہتی ہے، تاکہ وہ صاحبِ حالات رہ سکے۔"

فرماتے ہیں: "معرفت تین قسم کی ہے"

اول۔ معرفت توحید کی جو کہ عام مومنین کو حاصل ہے۔

دوسری۔ معرفت صحبت و بیان کی، جو کہ حکماء اور علماء کے لیے مخصوص ہے۔

تیسری۔ معرفت صفات و حدانیت کی، جو کہ صرف اولیاء اللہ کو حاصل ہے، جو دیدہ باطن سے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسرار ان کو نظر آتے ہیں۔

فرماتے ہیں: "ہرگز ہرگز معرفت کا مدعی نہ بننا اور نہ جھوٹے قرار دیے جاؤ گے۔"

لوگوں نے پوچھا عارف کے کیا صفات ہوتے ہیں۔

فرمایا: عارف بغیر علم، چشم، مشاہدہ، کشف اور حجاب وغیرہ کے دیکھتا ہے، کیونکہ وہ قریب رہتا ہے بلکہ ذات حق تعالیٰ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کی گردش اللہ تعالیٰ کی گردش۔ اس کی باتیں اللہ تعالیٰ کی باتیں۔ اس کی نظر خدا کی نظر ہوتی ہے۔ حضور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی بند کو اپنا دوست بنانا ہوں تو اس کے کان، آنکھیں، زبان، ہاتھ، پاؤں ہو جاتا ہوں تاکہ وہ مجھ سے کچھ دیکھے، بولے اور چلے پھرے۔ فرمایا کہ زاہد لوگ آخرت کے بادشاہ ہیں، مگر عارف لوگ زاہدوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کی نشانی یہ ہے کہ ہر وہ چیز ترک کر دی جائے جو حق تعالیٰ سے ذرا بھی روکتی ہو۔ یہاں تک کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات رہ جائے اور اسی کا ذکر و شغل جاری و ساری ہو۔ فرماتے ہیں: کہ توکل کے معنی بہت سے خداؤں کی اطاعت سے نکل کر ایک خدا کی اطاعت میں آجائے کے ہیں اور تمام وسائل کو ترک کر کے حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جانے کا نام توکل ہے اور اپنے آپ کو اس کا بندہ حقیقی معنوں میں سمجھنا اول توکل ہے۔

فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھنے والوں کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اگر ان کو آگ میں بھی ڈال دیا جائے تو ان لوگوں کی ہمت میں ذرہ بھر کمی نہ ہو، کیوں کہ وہ حق تعالیٰ کے مونس ہیں۔

لوگوں نے دریافت کیا کہ دنیا کیا ہے؟

فرمایا: "جو چیز حق تعالیٰ سے غافل کر دے وہ دنیا ہے۔"

پھر پوچھا "کیسے انسان کون ہے؟"

فرمایا: "جو خدا تک پہنچنے کا راستہ نہ جانتا ہو اور نہ کسی سے راستہ پوچھے۔"

یوسف بن حسین نے دریافت کیا کہ میں کن لوگوں کی صحبت میں بیٹھا کروں؟

فرمایا: "نفس کی دشمنی میں خدا کا دوست بن جا۔ کسی کو اپنے سے حقیر نہ سمجھ، خواہ وہ کتنا ہی کمتر درجے کا کیوں نہ ہو۔ کیا معلوم اس کی عاقبت کیسی ہے۔"

ایک اور شخص نے عرض کیا "مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔"

فرمایا: "اپنے باطن کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کر اور ظاہر کو لوگوں کے ساتھ مشغول رکھ۔ حق تعالیٰ کا محبوب بن تاکہ تجھ کو سب سے بے نیاز کر دے۔"

کسی اور شخص نے آپ سے وصیت چاہی

فرمایا: "گذشتہ اور آئندہ کے خیالات میں اپنے آپ کو مت الجھاؤ اور نہ حال پر راضی رہو۔"

نقل ہے کہ مرض الموت میں آپ سے سوال کیا گیا " آپ کی خواہش کیا ہے ؟"
 فرمایا : " قبل اس کے مردوں، خواہ ایک ہی لمحہ کے لیے کیوں نہ ہو، مگر اس کو جان لوں۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا :

الخوف امر ضعیف والشوق امر قوی والمحبت احسن فی واللہ احیانی

جس کا مطلب یہ ہے کہ خوف نے مجھ کو بیمار بنا دیا اور شوق نے جلا دیا۔ محبت نے دُبللا کر دیا اور خدا نے زندہ کر دیا۔

شعر پڑھ کر آپ بے ہوش ہو گئے اور ایک دن بے ہوش رہے۔

جب ہوش میں آئے تو یوسف بن حسین نے وصیت چاہی

فرمایا : " اس وقت کسی دوسری طرف مجھ کو مشغول نہ کرو۔ میں اللہ تعالیٰ کے احسانات دیکھ کر متعجب ہو رہا ہوں۔ اس

کے بعد انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ۔

آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کی پیشانی پر بخط سبز لکھا ہوا دیکھا " یہ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور اس کی

محبت میں فوت ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور عشق الہی کی تلوار سے فوت ہوئے ہیں۔"

جب آپ کا جنازہ اٹھا تو سورج نہایت تیزی کے ساتھ چمک رہا تھا اسی وقت پرندوں کا ہجوم آگیا، جس نے

پروں سے پر ملا کر آپ کے جنازے پر سایہ کیا۔ راہ میں جب کہ آپ کا جنازہ لے جا رہے تھے مژدن کی اذان سُنانی دی اور کلمہ

شہادت پر آپ نے انگلی اٹھائی۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھ کر شور کیا کہ شاید آپ زندہ ہیں، چنانچہ جنازہ رکھ دیا گیا، لیکن آپ کی

انگلی اسی طرح تھی۔ پوری کوشش کی گئی کہ انگلی کو نیچے کیا جائے، مگر نہ ہوئی۔ چنانچہ آپ کو دفن کر دیا گیا۔ مصر کے لوگوں نے جب یہ

حالت دیکھی تو اپنی ان ناروا حرکات پر جو آپ کے ساتھ انھوں نے کی تھیں نہایت پشیمان ہوئے اور توبہ کی۔

حضرت خواجہ بہیرۃ البصریؒ

وفات ————— بصو ۲۸۷ھ

مقتدائے دیب و تاج العارفین حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بہیرۃ البصریؒ اکمل اولیائے وقت میں سے تھے حضرت خواجہ حذیفۃ المرعشیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اپنے زمانہ کے اولیاء و علما کے مقتدا تھے۔ مشائخ کبار میں بہت اونچا درجہ رکھتے تھے۔ آپ سترہ برس کی عمر میں ہی متبحر عالم بن چکے تھے۔ کلام پاک حفظ کر لیا تھا۔ پھر عبادت و ریاضت اور مجاہدہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ بڑی بڑی ریاضتیں کیں۔ پیرو مرشد کی ہدایت کے مطابق کثرت سے مجاہدے کیے اور چند دنوں کے اندر اندر دلی مقصود حاصل ہو گیا۔

پیرو مرشد کی خدمت میں ایک سال گزارنے کے بعد ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ خلافت عطا کرتے وقت پیرو مرشد نے فرمایا، اے بہیرہ! تو ہمیشہ پیران عظام کی پیروی و مطابعت کرنا۔ تاکہ مقصد جلد حاصل ہو۔ حضرت بہیرہ فرماتے ہیں جب میں نے خرقہ درویشی پہنا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور علما و مشائخ کی ارواح میرے نزدیک موجود تھیں۔ ہر ایک نے میرے حق میں دعا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا درجہ عطا کیا تھا کہ جو کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، وہ ضرور آپ سے بیعت کرتا اور آپ کی توجہ اور نظر کرم سے فیض یاب ہو کر فائز المرام ہوتا۔ آپ ہمیشہ حجرہ کے اندر رہتے تھے۔ خلوت اور گوشہ نشینی میں خاص کشش محسوس کرتے تھے۔ قناعت اور استغناء کے بہت علاوی تھے۔

ایک روز ایک شخص ایک ہزار درم لے کر حاضر ہوا اور خدمت میں پیش کیے۔ آپ دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ لوگوں نے چہرے پر پانی چھڑکا۔ ہوش میں آ گئے، مگر چہرے کا رنگ متغیر ہو چکا تھا اور جسم لڑھکا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا اس کا باعث کیا ہے۔ فرمایا، افسوس! جو بے چارہ طالب محبوب اور جو یائے مطلوب ہو وہ نامرغوب اور مانع چیزوں کو دیکھ کر اپنی ناکامی اور نا محرومی کے خیال سے کیوں نہ وہمشت زدہ ہو اور اس کے ہوش و حواس کیسے برقرار رہ سکتے ہیں۔

آپ ہمیشہ روزہ سے رہتے تھے۔ رزق حلال لیا کرتے تھے۔ کبھی کسی سے کچھ نہ لیتے تھے۔ شروع میں ذریعہ معاش کتابت تھا۔ رات کو اکثر جاگتے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ ہمیشہ با وضو رہتے۔ بہت سی کلمات آپ سے منسوب کی جاتی ہیں۔

مریدوں کی تربیت میں دست قوی اور قبولیت تمام رکھتے تھے اور صاحب خانوادہ تھے۔ آپ کے مریدوں کو

”ہمیں یہاں ”کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ آپ کا اور آپ کے مریدوں کا طریقہ یہ تھا کہ رات دن با وضو رہتے اور حضور دل سے نماز ادا کرتے۔ اپنی مجلس میں اللہ کے سوا کسی کا ذکر نہ کرتے تھے۔ حنائی باطن میں بہت کوشاں رہتے تھے۔ تین تین چار چار دن کا روزہ رکھتے اور سبزی یا جنگلی میوے سے روزہ افطار کرتے۔ ہمیشہ مراقبہ یا محاسبہ نفس میں مشغول رہتے۔ لوگوں کے ساتھ میل جول سے اجتناب کرتے اور ظاہر و باطن کو باہم جمع کر کے فنا و توحید کامل حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔
کشف و کرامات کی آپ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔

شوال ۱۲۸۶ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔ مزار پر انوار بھی وہیں ہے۔

حضرت بائزید بسطامی

ولادت _____ ۱۲۸ھ

وفات _____ بسطام ۲۶۱ھ

حضرت خواجہ بائزید بسطامی تجلیات الہیہ کے محرم اور اسرار حق کے مظہر تھے۔ ہمیشہ قرب الہی کے مقام پر رہا کرتے تھے۔ محبت الہی کی آگ میں سوختے اور بدن کو مشاہدہ میں مشغول رکھتے تھے۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق آپ کی روایات نہایت اعلیٰ تھیں۔ آپ سے پہلے جتنے بھی اولیا گزرے ہیں کسی کو بھی طریقت میں اس قدر ملکہ نہیں تھا، جتنا آپ کو تھا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ذات بابرکات ہم میں ایسی ہے جیسے جبرائیل علیہ السلام فرشتوں میں نیز تمام سالکان راہ توحید کی انتہا آپ کی ابتدا ہے۔ بعض لوگوں نے پوچھا "انسان کے لیے راہ طریقت میں کیا چیز بہتر ہے؟"

فرمایا: "مادر زاد دوست"

پوچھا: "اگر یہ حاصل نہ ہو؟"

فرمایا: "چشم بنیاب"

پوچھا: "اگر یہ بھی حاصل نہ ہو؟"

فرمایا: "پھر سننے والے کان"

عرض کیا: "اگر یہ بھی نہ ہوں؟"

فرمایا: "پھر مرگ مفاجات"

روایت ہے کہ ایک دن آپ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ حضرت امامؑ نے فرمایا:

"بائزید کتاب طاق سے اٹھا کر دے دو"

آپ نے فرمایا "کون سے طاق سے؟"

حضرت امامؑ نے فرمایا: "عصہ سے تم یہاں رہتے ہو اور ابھی تک تم کو طاق کا پتہ نہیں"

آپ نے عرض کیا: "مجھے اس سے کیا کام کہ آپ کی موجودگی میں سر اٹھاؤں"

حضرت امامؑ نے فرمایا: "اگر ایسا معاملہ ہے تو بسطام واپس جاؤ، تمہارا کام ختم ہو گیا ہے"

روایت ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے عرض کی کہ فلاں جگہ ایک بزرگ تشریف فرما ہیں۔ آپ زیارت کو تشریف لے گئے۔ اتفاقاً اُس نے قبلہ تشریف کی طرف منہ کر کے تھوکا۔ یہ حال دیکھ کر آپ فوراً واپس تشریف لے آئے اور فرمایا: "اگر یہ شخص ذرہ بھر بھی طریقت جانتا ہوتا تو شریعت کے خلاف عمل نہ کرتا۔"

فرماتے ہیں: "جس کام کو میں سب کاموں سے مؤخر جانتا تھا، وہ مقدم کام تھا، یعنی والدہ کی رضامندی۔" فرمایا: "جس چیز کو میں مجاہدات و ریاضات شاقہ میں تلاش کرتا پھرتا تھا، وہ میں نے گھر میں اُسانی سے حاصل کر لی۔ یعنی ایک رات والدہ نے پانی طلب کیا، میں کوزہ میں پانی لینے گیا، مگر نہ ملا۔ پھر صراحی کو دیکھا، مگر وہاں بھی نہ تھا۔ چنانچہ نہر پر جا کر پانی لایا، مگر میری واپسی تک والدہ سو گئی تھیں۔ میں اسی طرح کوزہ لیے کھڑا رہا۔ سخت سردی کے باعث کوزہ میں پانی جم گیا۔ جب والدہ بیدار ہوئیں تو انھوں نے مجھ کو یوں کھڑے دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ میں نے عرض کی کہ شاید آپ بیدار ہوں اور پانی طلب کریں لیکن میں حاضر نہ ہوں۔ اس ڈر کی وجہ سے کھڑا رہا۔ یہ سن کر والدہ نے پانی پیا اور میرے حق میں دعا کی۔"

آپ فرماتے ہیں، میں بارہ سال جنگلوں میں اپنے نفس کے حق میں لوہا بٹا رہا۔ اور نفس کو ریاضت کی بھٹی میں ڈال کر مجاہدہ کی آگ سے گرم کر کے ملامت کے ستھوڑے سے کوٹتا رہا۔ آخر کار میں نے اُسے اُٹینہ بتالیا۔ پانچ سال اُٹینہ بنانے میں صرف ہو گئے طرح طرح کی عبادات و ریاضات سے اس اُٹینے کو صیقل کیا، پھر ایک سال اس کو اغیار کی نظر سے دیکھا۔ پھر بھی اس کو غور اطاعت کے بھروسے اور عمل کی خود پسندی میں مبتلا دیکھا۔ پانچ سال اور کوشش کی پھر جب دیکھا تو مردہ تھا۔ چنانچہ چار تکبیریں جنازہ کی پڑھ کر قارغ ہوا۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ آپ کو عبادت میں کچھ لطف نہ آیا آپ نے خادم سے فرمایا:

"دیکھ گھر میں کیا چیز ہے؟"

اس نے دیکھا تو ایک انگور کا خوشہ نظر آیا۔ فرمایا: "یہ کسی کو دے دے کیوں کہ ہمارا گھر بنیے کی دکان نہیں۔" اس کے بعد آپ کو عبادت میں لطف آنے لگا۔

نقل ہے کہ آپ کا ایک آتش پرست ہمسایہ تھا، جس کا ایک شیرخوار بچہ تھا۔ تمام رات وہ تاریکی کی وجہ سے روتا رہتا تھا۔ آپ روز چرانغ اٹھا کر اُس کے گھر کی طرف لے جاتے۔ بچہ خاموش ہو جاتا۔ جب وہ آتش پرست اپنے سفر سے واپس آیا تو بچے کی ماں نے شیخ کی نسبت سارا حال عرض کیا۔

اس نے کہا: "انسوس ہے جب شیخ کی طرف سے روشنی پہنچ گئی تو پھر ہم اپنے آپ کو غفلت کی تاریکی میں کیوں رکھیں؟" اس کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے ایک آتش پرست سے کہا: "مسلمان ہو جا"

اس نے جواب دیا: "اگر مسلمان ہی ہے جو بائزید کی ہے تو مجھ میں مسلمان ہونے کی طاقت نہیں۔ اگر مسلمان وہ ہے"

جو تم لوگوں کی رہے تو فسوس میں اس کا یقین نہیں کر سکتا۔

شیخ احمد حضرت خضروہؒ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ سب لوگ مجھ سے کچھ طلب کرتے ہیں، لیکن بایزید مجھ سے مجھ ہی کو طلب کرتا ہے۔

روایت ہے: کہ ایک دفعہ آپ نے ایک امام کے پیچھے نماز ادا کی، نماز کے بعد امام نے پوچھا: آپ نہ تو کوئی کام کرتے ہیں، نہ کسی سے کچھ لیتے ہیں، پھر کھاتے کہاں سے ہیں؟ فرمایا: پہلے مجھے نماز کی قضا ادا کر لینے دو۔ ایسے شخص کی اقتدا میں نماز جائز نہیں جو روزی دینے والے کو نہیں جانتا۔ فرماتے ہیں: جیسے پہلی مرتبہ میں حج کو گیا، تو خانہ کعبہ دیکھا۔ دوسری بار گیا تو صاحب خانہ کو دیکھا۔ تیسری بار جب گیا تو خانہ کعبہ نظر آیا اور نہ صاحب خانہ۔ مطلب یہ کہ ذاتِ حق میں اس درجہ گم ہو گئے تھے کہ سوائے حق کے اور کچھ دکھائی ہی دیتا تھا ایک دفعہ کسی شخص نے آپ کے دولت خانہ پر جا کر آپ کو آواز دی۔ آپ نے پوچھا: کس کو بلاتے ہیں؟

اُس نے جواب دیا "بایزید کو"

فرمایا: "تیس سال ہونے کو آئے، میں خود بایزید کی تلاش میں ہوں مگر اُس کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ یہ بات کسی نے ذوالنون مصریؒ سے بیان کی۔ انھوں نے فرمایا:

"اللہ تبارک و تعالیٰ میرے بھائی بایزید کو بخشے۔ ایک جماعت ایسی ہے جو حق تعالیٰ کی ذات میں گم ہو گئی ہے اور وہ بھی انہی میں سے ایک ہیں۔"

لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص آپ کی خدمت میں آکر دعا کا سوال ہوتا تو آپ فرماتے: "الہی تو ان کا خالق ہے اور یہ تیری مخلوق۔ میں کون ہوں جہ تیرے اور تیری خلقت کے درمیان واسطہ بنوں" پھر اپنے آپ سے کہتے وہ واقعہ اسرار ہے، مجھ کو اس فضول بات سے کیا کام۔

ایک دفعہ آپ نے ایک شوریہ سر کر کہتے سنا "خداوند امیری طرف دیکھ"

آپ نے نہایت جوش سے کہا کہ تو بڑا اچھا منہ رکھتا ہے کہ وہ تیری طرف دیکھے؟

اُس نے کہا "اے شیخ امیری لیے تو کہہ رہا ہوں کہ وہ میری طرف دیکھے تاکہ میرا منہ عمدہ ہو جائے"

یہ بات آپ کو بہت پسند آئی اور کہا "تو سچ کہتا ہے"

فرماتے ہیں کہ میں نے تمام ہاتھوں سے اللہ کو ڈھونڈا، مگر جب تک مصیبت کے ہاتھ سے نہ ڈھونڈا نہ ملا۔ تمام قدموں

سے اس کی راہ میں گیا، مگر جب تک دل کے قدموں سے نہ گیا، منزل پر نہ پہنچ سکا۔

فرماتے ہیں "میں مت تک کعبہ کا طواف کرتا رہا، لیکن جب خدا تک پہنچ گیا تو خانہ کعبہ میرا طواف کرنے لگا"

فرماتے ہیں کہ مردودہ نہیں ہے کسی چیز کے پیچھے چلے، بلکہ مردودہ ہے جو جہاں کہیں بھی ہو چیزیں اس کے گرد دوڑیں اور جس چیز سے خطاب کرے اسی سے جواب سنے۔

فرماتے ہیں کہ سچا عابد اور سچا عامل وہ شخص ہے جو کوشش کی تلوار سے اپنی تمام مرادوں کو قتل کر دے اور تمام خواہشوں اور تمناؤں کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں تباہ کر دے اور خداوند کریم کی رضا پر راضی رہے۔ اور محض اس بات کی خواہش کرے، جس کا حق تعالیٰ شاہد ہو۔

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک ذرہ بہشت کے ہزار ہا تصور و محلات سے بدرجہا بہتر ہے۔

لوگوں نے عرض کیا: "کیا اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنی رضامندی سے بہشت میں نہیں لے جاتا؟"

فرمایا: "جب وہ کسی کو اپنی رضا دیتا ہے تو بہشت کو لے کر وہ کیا کرے گا۔" (اس کی رضا کے مقابلے میں بہشت بے معنی ہے)

فرماتے ہیں: "کوئی گناہ تم کو اس قدر نقصان نہیں پہنچا سکتا جس قدر کہ ایک مسلم بھائی کو بے عزت کرنا۔"

فرماتے ہیں: "دنیا اہل دنیا کے لیے غرورِ آخرت اہل آخرت کے لیے سرور اور اللہ تعالیٰ کی دوستی اہل معرفت کے لیے

سراسر نرد ہے۔"

فرماتے ہیں: "جب عارف چُپ ہو جاتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا سے بات کرے۔ جب آنکھوں کو بند کرتا ہے تو

مطلب یہ ہوتا ہے، دیدارِ حق کا جلوہ دیکھے اور سر بزا نہ ہونے کے وقت اس کی خواہش ہوتی ہے کہ صورت چھونکنے تک سر نہ اٹھائے۔"

فرماتے ہیں: "ایک بندے کے واسطے بجز اس کے کہ مسیح ہو (یعنی زہد، علم، عمل وغیرہ کا کوئی ضرور نہ ہو) اور کوئی بات

بہتر نہیں ہے۔ بے ہمہ ہر کہ باہمہ بن جائے گا۔"

فرماتے ہیں: "جس کسی کو اللہ تعالیٰ اپنا دوست بنا تا ہے، اُس کو اپنی تین خصلتیں عطا کر دیتا ہے۔ دریا جیسی سخاوت،

زمین جیسی عاجزی۔ اور آفتاب کی طرح شفقت عوام۔"

فرماتے ہیں: "جو دوزخ اس شخص کے لیے عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا اور خدا شناس لوگ دوزخ کے لیے

عذاب ہیں۔"

فرماتے ہیں: "عارف وصالِ الہی کے سوا اور کسی بات سے خوش نہیں ہوتا۔"

فرماتے ہیں: "یا تو تم اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرو جیسے کہ تم ہرگز اور یا ایسے بن جاؤ جیسا اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہو۔"

ایک دفعہ لوگوں نے سوال کیا: "فرض کیا ہے اور سنت کیا ہے؟"

فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی محبت فرض اور دنیا کا ترک کرنا سنت ہے۔"

نقل ہے کہ ایک دفعہ ایک مرید نے زخمتِ سفر باندھا اور وانگی کے وقت آپ سے وصیتِ تلمیح کی۔

فرمایا: "تین خصلتوں کا خیال رکھنا

اول: کسی بڑا خلاق سے واسطہ پڑے تو اس کی بد خلقی کو اپنی خوش خلقی میں تبدیل کر لینا۔
دوم: یہ کہ اگر کوئی احسان کرے تو اول خدا کا شکر ادا کرنا اور پھر محسن کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کے دل کو مہربان کیا ہے۔

سوم: یہ کہ اگر کوئی مصیبت پیش آجائے تو فوراً اپنی عاجزی کا اقرار کرنا۔

آپ سے سوال کیا گیا کہ بندہ اپنے کمال کو کس وقت پہنچتا ہے؟

فرمایا: وہ اپنے غیبوں کو پہچان لے اور مخلوقات سے کسی قسم کی طرح نہ رکھے۔

سوال کیا گیا: حق تک پہنچنے کی سبیل کیا ہے؟

فرمایا: گونگے، بہرے اور اندھے بن جاؤ۔

کسی نے عرض کیا: کچھ وصیت فرمائیے۔

فرمایا: آسمان کی طرف دیکھو۔ جب اُس نے اوپر نظر اٹھائی تو پوچھا: کیا تو جانتا ہے آسمان کو کس نے پیدا کیا؟
عرض کیا: جانتا ہوں۔

فرمایا: جس نے آسمان کو پیدا کیا ہے، وہ ہر جگہ تیرے حال سے واقف ہے۔ بس اس سے ڈر۔

سوال کیا گیا کہ متکبر کون ہوتا ہے؟

فرمایا: جس کو تمام کائنات میں اپنا نفس زیادہ اچھا نظر آئے۔

پھر پوچھا: آپ پانی پر چلتے ہیں؟

فرمایا: لکڑی کا ٹکڑا بھی پانی پر تیرتا ہے۔

پھر پوچھا: آپ ہوا میں اڑتے ہیں؟

فرمایا: پرندے بھی ہوا میں اڑتے ہیں۔

پھر پوچھا: آپ ایک رات میں کعبہ مکرّمہ جا پہنچتے ہیں؟

فرمایا: جادوگر بھی ایک رات میں ہند سے دہاوند پہنچ جاتا ہے۔

سوال کیا گیا: پھر مردوں کا آخر کون سا کام ہے؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے دل نہ لگائیں۔

حضرت خواجہ ممشاد علو دیوڑیؒ

ولادت ————— دیوڑ (کرمان شاہ کا مغربی کورستان)!

وفات ————— ۲۹۹ھ

غوثِ زمان، قطبِ دوران، مقتدا نے طریقت و عارفِ حقیقت حضرت خواجہ ممشاد علو دیوڑیؒ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے بڑے جلیل القدر بزرگ، غوث اور قطب تھے۔ اپنے زمانہ کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔

آپ کا وطن دیوڑ تھا، جو کرمان شاہ کے مغربی کورستان میں واقع ہے، مگر آپ کی پرورش بغداد میں ہوئی۔ اصل نام علو اور لقب کریم الدین تھا۔ ممشاد علو دیوڑی کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی، خواجہ محمد رویم اور خواجہ ابو الحسن بغدادی کے اقران میں سے تھے۔ خواجہ سمریؒ اور کئی دوسرے بزرگوں سے بھی فیض حاصل کیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابتدا میں آپ بہت دولت مند تھے۔ جب حُبِ الہی کا جذبہ اٹھا تو سب مال و اسبابِ اہِ خدا میں دے دیا، یہاں تک کہ اپنا روزہ افطار کرنے کے لیے بھی کچھ نہ رکھا۔

آپ مکہ معظمہ میں آکر عبادتِ الہی اور ذکر و فکر میں مشغول رہنے لگے۔ ارادت سے قبل بیس سال تک اسی طرح عبادت اور مجاہدے کرتے رہے۔ بعد ازاں حضرت ہبیرۃ البصری کی خدمت کی میاثر میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ نے آپ کو شرف بیعت سے مشرف فرمایا اور خلوت میں بیٹھا کر آپ کو تعلیم دی۔

مدت تک ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے، پھر ایک دن پیر و مرشد نے بلا کر کہا، تمہارا کام پورا ہو چکا، وضو کر کے میرے پاس آؤ۔ آپ وضو کر کے حاضر ہوئے۔ شیخ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اے اللہ! علو کو درویشی کے اعلیٰ درجے تک پہنچا۔

لے خواجہ سمری بن مغلّس سقظیؒ بڑے پایے کے بزرگ اور اہل بغداد کے استاد تھے۔ ابو الحسن آپ کی کنیت تھی۔ حضرت جنید بغدادی کی استادی کا بھی شرف حاصل تھا۔ امام قشیریؒ کے بیان کے مطابق آپ حضرت جنیدؒ کے ماموں اور بیری تھے۔ حضرت معروف کرخیؒ کی صحبت میں بھی رہے آپ پر اتنا مال بہت کم قیمت بڑھ چا کرتے تھے اس لیے آپ کو سقظی کہا جاتا ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ میں خواجہ سمری سقظی رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کو گیا (آپ بیمار تھے) اور نیکچا بھلنے لگا۔ آپ نے روک دیا، فرمایا: ہوا سے آگ اور بجترکتی ہے۔ پھر فرمایا جنید! حق تعالیٰ کو چھوڑ کر اسبابِ خلق میں مشغول نہ ہو جانے آپ نے ۲۵۱ھ اور بعض روایات کے مطابق ۲۵۲ھ کو، زمانہ خلافت ابراہیم بن محمد بن متوکل باللہ وفات پائی۔ مزار مبارک بغداد میں ہے۔

یہ سنتے ہی آپ بے ہوش ہو گئے۔ پھر جلد ہی ہوش آگیا، مگر پھر ہوش جاتے رہے۔ جب کئی بار ایسا ہوا تو پیر و مرشد نے اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں دیا اور آپ کو پورنی طرح ہوش آگیا۔

پیر و مرشد نے خرقة خلافت عطا فرمایا، اپنے سجادہ پر بٹھایا۔ چنانچہ آپ رشد و ہدایت میں ٹگ گئے۔ جب کوئی شخص مرید ہونے کو آتا تو آپ پہلے مراقبہ فرماتے، اجازت ملتی تو اسے مرید کرتے ورنہ رخصت کر دیتے۔

آپ اپنے پیران طریقت کے عرسوں کی مجلسیں منعقد کیا کرتے تھے اور اس میں جو لوگ شریک ہوتے انھیں وعظ و نصیحت فرماتے۔ کھانا کھلا۔ مگر خود فقرو فاقہ پی سے گزارتے۔ آپ بہت کم سوتے تھے۔ لباس بہت بوسیدہ اور بیوند لگا ہوتا تھا۔ ہمیشہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے یا عبادت میں مصروف رہتے۔ خدا کے خوف سے ہمیشہ روتے رہتے۔ بعض اوقات کثرت گریہ کے باعث بے ہوش ہو جاتے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا چالیس سال سے بہشت میرے سامنے پیش کی جا رہی ہے، مگر میں اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

کسی نے پوچھا آپ کے دل کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا: تیس برس ہو گئے میرا دل مجھ سے کھو گیا ہے اور اب تک اس کا پتا نہیں۔ چونکہ تمام صدیقیوں کا یہی حال ہے کہ ان کا دل کھو گیا ہے اور پھر انھیں نہیں ملا۔ اس لیے مجھے بھی کھویا ہوا دل کیسے مل سکتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں معرفت تمام تر صدق اور اللہ کے ساتھ متحق ہو جانا ہے۔ فرماتے ہیں جو کوئی اللہ جل شانہ کے دوستوں میں سے کسی ایک کے ساتھ نیکار سے پیش آئے گا، اس کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ جب تک تو بر نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے کوئی ایسی نعمت نہ دے گا جو اس نے اپنے دوستوں کو دے رکھی ہے۔

فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام کی روحیں کشف و مشاہدے کی حالت میں ہیں اور اولیاء اللہ کی روحیں قرب و اطلاع کی حالت میں۔

فرمایا ہمت سب کاموں کی پیشرو ہے، جس کی ہمت درست ہے اور جو اس میں سچا ہے اس کے باقی سب اعمال درست ہو گئے۔

کسی نے پوچھا درویش بھوکا ہو تو کیا کرے۔ فرمایا نمازیں پڑھے۔ اسی نے پوچھا اگر نماز نہ پڑھ سکے فرمایا سو رہے۔ پوچھا کیا اگر سو بھی نہ سکے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ فقیر کو تین حالتوں سے باہر نہ جانے دے گا: یا قوت بخشے گا یا غذا پہنچائے گا یا اسے اپنے پاس بلائے گا۔

فرمایا مرید کا ادب یہ ہے کہ مشائخ اور برادران طریقت کی عزت کرے۔ اسباب کے بیچ و خم سے باہر نکل آئے۔ اور بالکل مجرود ہو جائے۔ شرع کے آداب کو اس طرح نظر میں رکھے کہ اس میں سے ایک بھی فوت نہ ہو۔

آپ نے محرم ۲۹۹ھ میں وفات پائی۔ امام شعرانی نے سن وفات ۲۹۷ھ بتایا ہے مگر اول الذکر زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ مزار پر انوار کس جگہ پر ہے۔

حضرت خواجہ ابواسحق شامی حنفی آپ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کا لقب شریف الدین تھا۔ شام کے رہنے والے تھے۔ ۱۲۔ ربیع الاول ۳۲۹ھ میں وفات پائی اور شام میں عکہ کے مقام پر ان کا مزار ہے۔ علوم ظاہر و باطن کے سرچشمہ تھے۔ خوارق و کشف و کرامات میں بہت مشہور تھے۔ اکثر صہو میں بہتے تھے تاکہ عوام کو حال کی خبر نہ ہو۔ پیر و مرشد نے ان سے فرمایا تھا۔ اے ابواسحق! میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ تجھے کامل درویش کرے اور تیرے فرزندوں اور مریدوں کو بھی یہ نعمت عطا فرمائے۔

بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ ممشاد دینوری اور ممشاد غلودینوری دو الگ الگ ہستیاں تھیں اور بعض تذکرہ نگاروں نے انہیں ایک ہی شخصیت بتایا ہے۔ تذکرۃ الاصفیاء اور بعض شجرات مشائخ چشت کی رد سے شیخ غلودینوری اور شیخ ممشاد دینوری دونوں ایک ہی شخص ہیں۔ اخبار الصالحین میں نواب معشوق یار جنگ بہادر نے ان دو الگ الگ عنوانات کے تحت ہر دو کے حالات بیان کیے ہیں۔ موصوف اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

..... لیکن نفحات الانس سے معلوم ہوتا ہے کہ الگ الگ ہیں اور شیخ ممشاد دینوری

کا تعلق خاندان سہروردی سے ہے اور خواجہ غلودینوری کا چشتیہ سے۔ اسی خیال سے صاحب

مرآة الاسرار نے آپ کا نام صرف غلودینوری لکھا ہے اور حضرت ممشاد دینوری کا حال

الگ لکھا ہے اور صاحب سفینۃ الاولیاء نے بھی اس شک کو ظاہر کیا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم

ولادت ————— ۱۷۹ھ

وفات ————— (ملک شام) ۲۸۱ھ

دین و دنیا کے بادشاہ۔ وادی یقین کے شہباز، عالم انتہا کے ماہر اسرار۔ دولت و نیومی کے سرمایہ دار۔ عظیم الشان ملک کے بادشاہ یعنی حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ متقی اور صدیق تھے۔ آپ کو بہت سے بزرگان عظام سے شرف نیا حاصل تھا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ گروہ فقراء کے تمام علوم کی کنجی ابراہیم بن ادھم ہیں۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ امام اعظم کی مجلس میں حاضر ہوئے، لیکن امام صاحب کے دوستوں نے آپ کو چشم حجاب دیکھا۔ یہ صورت دیکھ کر امام صاحب نے آپ کو "سیدنا" کے لفظ سے مخاطب فرمایا۔ چنانچہ امام صاحب کے دوستوں نے شرمندہ ہو کر پوچھا کہ یہ سعادت ان کو کہاں سے حاصل ہوئی۔ امام صاحب نے فرمایا "یہ ہر وقت خدا کی اطاعت میں مصروف و مشغول رہتے ہیں، لیکن ہم دوسرے کا روبرو بھی کرتے ہیں۔"

ابتدا میں آپ بلخ کے بادشاہ تھے۔ بڑے کروڑوں اور شان و شوکت سے حکومت کرتے تھے۔ ایک رات اپنے محل میں بخواب تھے۔ اُدھی رات کے وقت آنکھ ایک اچانک واقعہ سے کھل گئی۔ معلوم ہوا کہ ایک آدمی چھت کے اوپر ٹھل رہا ہے پوچھا "تو کون ہے اور یہاں اس وقت کیا کر رہا ہے؟"

اُس نے کہا "آپ کا دوست ہوں، اور یہاں اپنا اونٹ تلاش کر رہا ہوں۔"

آپ نے فرمایا "بھلا یہ ممکن ہے کہ شاہی محلات کی چھتوں پر اونٹ آجائیں۔"

اُس آدمی نے جواب دیا "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چامٹا اطلس پہن کر عیش و عشرت میں خدا مل جائے؟"

یہ جواب سن کر آپ کے دل میں ایک خوف سا پیدا ہو گیا۔ دوسرے دن دربار عام میں جب آپ بصد شان و شوکت تخت پر تشریف فرما تھے، یکایک ایک بار عجب آدمی اندر داخل ہوا۔ امراء و وزراء اور غلام وغیرہ میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس طرح گستاخانہ طور پر اندر آنے کی وجہ پوچھے۔ چنانچہ وہ بے تحاشا آپ کے تخت تک پہنچ گیا۔ آپ نے نہایت تعجب سے پوچھا:

۱۔ سیرالقطاب میں وفات کی تاریخ جمعہ ۱۸ جمادی الاول ۲۸۱ھ بتائی گئی ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں ۲۶۱ یا ۲۶۳ھ لکھی ہے۔ بعض دوسری تاریخ

کتب میں ۲۶۵ اور ۲۶۷ھ بھی مذکور ہے۔

” تو کون ہے اور یہاں کس طرح آیا؟“

اس نے کہا ” میں اس سرائے میں ذرا ٹھہرنا چاہتا ہوں۔“

آپ نے فرمایا ” یہ سرائے نہیں شاہی محل اور دربار ہے۔“

اُس آدمی نے کہا ” آپ سے پہلے اس محل میں کون رہتا تھا؟“

فرمایا ” میرا باپ“

پھر پوچھا ” تمہارے باپ سے پہلے کون تھا؟“

فرمایا ” میرا دادا“

اسی طرح کئی پشتوں تک پہنچ کر اُس نے پوچھا ” آپ کے بعد یہاں کون رہے گا؟“

فرمایا ” میری اولاد“

پھر اس آدمی نے کہا ” ذرا خیال کرو جس مقام میں اتنے آدمی آئیں اور جاؤں کسی کا مستقل قیام نہ ہو تو پھر وہ مقام

سرائے نہیں تو اور کیا ہے۔“

یہ کہہ کر وہ باہر آ گیا۔ آپ تنہا اس کے پیچھے دوڑے اور پوچھا:

” تم کون ہو؟“

اُس نے جواب دیا ” میں خضر ہوں۔“

یہ سنتے ہی آپ کا درد اور بڑھ گیا۔ چنانچہ واپس آ کر لیٹ گئے مگر سکون نہ دارو۔ ناچار باہر ہوا خوری کے لیے گھوڑے

پہ سوار ہو کر گئے۔ اس وقت آپ نے اواز سنی کہ ابراہیم اُس وقت سے پہلے جاگو جب کہ تمہیں موت کے ذریعے جگایا جائے۔

چنانچہ آپ نے تخت حکومت پر لات مار دی اور فقیرانہ لباس بدل کر شہر سے باہر نکل گئے۔ اپنے گناہوں پر روتے جاتے تھے

اور جنگلوں اور وادیوں میں سے پیادہ گذرتے جاتے تھے۔

بادشاہی کو چھوڑ اور فقر کا جامہ اختیار کر کے صحرا نوردی کرتے ہوئے آپ نواح نیشاپور میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک غار نظر آیا جو

نہایت مشہور اور بھیانک تھا۔ یہاں تقریباً نو سال تک ریاضت کرتے رہے۔ ہر جمعہ کے جمعہ غار سے باہر نکلتے۔ لکڑیوں کو جنگل سے

اکٹھا کرتے اور نیشاپور میں جا کر فروخت کرتے۔ جو کچھ حاصل ہوتا اس میں سے نصف راہِ خدا میں دے دیتے اور نصف کی روٹی خرید

کیے جمعہ کی نماز پڑھتے اور پھر غار میں آجاتے۔

ایک دفعہ سخت سردی کے دوران میں آپ کے وضو کا پانی بھی جم گیا، لیکن آپ نے اسی پانی کو توڑ کر وضو کیا۔ صبح کے وقت

آپ کو ذرا سردی نے ستانا شروع کیا۔ آپ کے دل میں آگ تاپنے کا خیال پیدا ہوا۔ آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ آپ

کو ایسا معلوم ہوا گویا کسی نے پستین پہنا دی ہے۔ نماز پڑھ کر وظائف میں مشغول ہو گئے۔ جب فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایک اشد ہاتھا

جس نے آپ کو گرم کر رکھا تھا۔

نقل ہے کہ چالیس سال تک ابراہیم بن ادریسؒ پیغمبر گریہ و زاری اور صحرا نوردی کرتے رہے، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کے نزدیک پہنچے۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر بزرگانِ حرم کو کسی نہ کسی طرح ہو گئی، چنانچہ وہ سب لوگ آپ کے استقبال کو آئے۔ جب آپ کو اس بات کا علم ہوا تو اپنے آپ کو قافلے سے ذرا آگے بڑھا لیا اور علیحدہ ہو گئے۔ تاکہ کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ چنانچہ بزرگانِ حرم کے خدمت گاروں نے جو آگے آگے تھے، آپ سے پوچھا:

ابراہیمؒ ادریسؒ کہاں ہیں؟ کیونکہ بزرگانِ حرم ان کے استقبال کو تشریف لائے ہیں!

آپ نے فرمایا: بزرگ لوگ اس زندقہ سے کیا چاہتے ہیں؟

یہ سن کر ان لوگوں نے آپ کو پتیا اور کہا: کہ تو ایسے بزرگ کو زندقہ کہتا ہے۔ زندقہ تو خود ہے!

آپ نے فرمایا: میں بھی یہی کہتا ہوں۔

جب وہ لوگ چلے گئے تو آپ نے اپنے نفس کو مخاطب کیا اور کہا: تو نے اپنے کیے کی سزا دیکھی۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے

تجھ کو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیا اور تو مشائخِ حرم کے استقبال کا لطف نہ اٹھا سکا۔ پھر آپ حرم میں مقیم ہو گئے۔ ہمیشہ اپنی محنت سے کما کر اپنا اور اپنے یاروں کا بیٹ پالتے رہے۔ کبھی کھیتوں کی رکھوالی کرتے اور کبھی جنگل سے جا کر لکڑیاں کاٹ لاتے اور فروخت کرتے۔

نقل ہے کہ آپ نے ایک درویش کو دیکھا جو مفلسی کی شکایت کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا:

معلوم ہوتا ہے کہ تو نے درویشی مفت میں حاصل کی ہے۔

درویش نے پوچھا: کیا درویشی کو خریدنا بھی جاسکتا ہے؟

فرمایا: ہاں؛ میں نے درویشی حکومتِ بلخ کے عوض خریدی ہے اور سمجھتا ہوں کہ ادرساں خریدی ہے۔

نقل ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس ہزار درہم لایا اور کہا کہ قبول فرمائیے۔

آپ نے فرمایا: میں محتاجوں سے کچھ نہیں لیا کرتا۔

اس نے کہا: میں محتاج نہیں۔ دولت مند ہوں۔

آپ نے فرمایا: کیا تو اپنی دولت میں زیادتی کا خواہش مند نہیں؟

اس نے کہا: ضرور ہوں۔

فرمایا: روپیہ اٹھالے کیونکہ محتاجوں کا سرور تو یہی ہے۔

فرمایا جس شخص کا دل تین حالتوں میں خدا کی طرف حاضر نہ ہو، تو یہ اس امر کی نشانی ہے کہ اس پر دروازہ بند کیا جا چکا ہے۔

اول تلاوت قرآن کریم کے وقت دو نماز کے وقت اور سوم ذکر الہی کے وقت۔

پھر فرمایا، عارف کی نشانی یہ ہے "وہ تفکر کرے، اور ہر شے سے عبرت کا سبق سیکھے اور خداوند کریم کی صفت ثنا کرتا ہے۔
فرمایا کہ دو حجابوں کے اٹھ جانے سے سلاک کے دل پر انوارِ الٰہی کی بارش ہوتی ہے۔ اول یہ کہ دونوں جہان کی حکومت
پر بھی راضی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر چھین لیا جائے تو غمگین نہ ہو۔ کیونکہ کسی چیز پر خوش ہونا مرہیں ہونے کی اور غمگین ہونا غصے کی
نشانی ہے۔

نقل ہے کہ آپ نے بہت سے پاپیادہ حج کیے اور پچاس سال تک حرم شریف کے مجاور رہے، لیکن چاہہ زرم سے
پانی نکال کر نہ پیا کیوں کہ پانی نکالنے کا ڈول شاہی خرچ سے تیار ہوا کرتا تھا۔

آپ ہر روز مزدوری کرتے اور ساری کمائی مریدوں پر خرچ کر دیتے۔ ایک دن فرادیر سے اپنے مریدوں کے پاس پہنچے
لیکن وہ آپ کا انتظار کیے بغیر کھاپنی کے سو گئے۔ جب آپ نے واپس آکر مریدوں کو سوتا پایا تو خیال کیا بے چارے تھو کے سو گئے
ہیں۔ چنانچہ آپ نے کھانا پکانا شروع کیا، لیکن آگ آپ کو بہت تنگ کر رہی تھی۔ کیونکہ خاطر خواہ طور پر نہ جلتی تھی۔ اسی
دوران میں ایک مرید کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے دریافت کیا کیا کر رہے ہیں آپ؟

فرمایا "کھانا تیار کر رہا ہوں تاکہ بیدار ہوتے ہی کھا سکوں۔"

یہ سن کر وہ بہت شرمندہ ہوا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ ہم آپ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں اور آپ کی ہم پر
کیسی شفقت ہے۔

ایک دفعہ خلیفہ معظم باللہ نے آپ سے پوچھا "آپ کیا کام کرتے ہیں؟"

فرمایا: "دنیا طالبان دنیا کے سپرد کر چکا ہوں، اور عاقبت طالبان عاقبت کے سپرد کر دی ہے۔ دنیا میں میں نے صرف
اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنے لیے اختیار کر لیا ہے اور عاقبت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار پسند کیا ہے۔"

روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ نے متوکل زاہد سے دریافت کیا "کہ تم کہاں سے کھاتے ہو اور تمہارے گزارے کی کیا
صورت ہے؟"

زاہد نے جواب دیا "مجھے کچھ علم نہیں، روزی رساں سے جا کر پوچھو۔"

فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ایک غلام خریدیا اور اس سے اس کا نام پوچھا۔ غلام نے کہا "میرا نام وہی ہے جس نام
سے آپ مجھ کو پکاریں گے۔"

پھر میں نے پوچھا "کیا کھایا کرتے ہو؟"

اس نے جواب دیا "جو کچھ آپ کھلائیں گے۔"

پھر پوچھا "کیا پہنتے ہو؟"

جواب ملا "جو آپ پہنائیں گے۔"

پھر پوچھا "تمہاری کیا خواہش ہے؟"

جواب ملا "غلام کو خواہش ہے کیا مطلب؟"

فرماتے ہیں کہ اس کی یہ باتیں سن کر اپنے آپ سے میں نے کہا کہ تمام عمر خدا کی ایسی عبادت نصیب نہ ہوئی، اب مجھ کو عبادت

کا ڈھنگ اس غلام سے سیکھنا چاہیے۔

لوگوں نے پوچھا "کہ آپ اپنی زندگی کیسے بسر کرتے ہیں؟"

فرمایا "میرے پاس چار سواریاں ہیں، جب مجھ پر کوئی سختی آتی ہے تو شکر کی سواری پر بیٹھ جاتا ہوں۔ جب کوئی طاعت

ظہر میں آتی ہے تو خلاص کی سواری اختیار کر لیتا ہوں۔ اگر گناہ سرزد ہوتا ہے تو توبہ کی سواری کام میں لاتا ہوں۔ جب کوئی بلا نازل

ہوتی ہے تو صبر کی سواری کام آتی ہے۔"

نقل ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ سے وصیت چاہی۔

فرمایا "بندھے ہوئے کو آزاد کر دے اور آزاد کو بند کر دے۔"

اس نے عرض کیا "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

فرمایا "کہ بندھی ہوئی تھیلیاں کھول دے اور کھلی ہوئی زبان بند کر دے۔"

روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص سے حالت طواف میں کہا کہ تجھ کو صالحین کا درجہ نصیب نہیں ہو سکتا جب تک تو

چار دشوار گزار منزلیں طے نہ کرے۔ اول یہ کہ راحت کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لے اور محنت کا دروازہ کھول دے۔ دوم یہ کہ عزت

کا دروازہ بند کر ڈالت کا دروازہ کھول۔ سوم یہ کہ خواب کا دروازہ بند کر دے، بیداری کا دروازہ کھول لے اور چہارم یہ کہ تو نگری کا

دروازہ بند کر ڈال، درویشی کا دروازہ کھول لے۔

نقل ہے ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا "اے شیخ میں اپنے آپ پر بہت ظلم کر چکا ہوں، مجھ کو کچھ نصیحت فرمائیے۔"

فرمایا "اگر تم منظور کرو تو چھ باتیں بتاتا ہوں: اول یہ کہ جب حق تعالیٰ کی نافرمانی کرو تو خدا کی دی ہوئی روزی نہ کھاؤ۔"

اس نے کہا "پھر کہاں سے کھاؤں؟"

فرمایا "زیبا نہیں کہ جس کی روزی کھاؤ اس کی نافرمانی کرو۔ دوم یہ کہ جب گناہ کرنے کا ارادہ کرو تو خدا کی بادشاہت

سے باہر نکل کر گناہ کرو۔"

عرض کیا "ساری کاٹنات اسی کی ہے، کوئی کہاں جائے؟"

فرمایا "یہ نامناسب ہے کہ اس کے ملک میں رہ کر گناہ کیا جائے، سوم یہ کہ گناہ ایسی جگہ کیا جائے جہاں وہ دیکھ نہ سکے۔"

کہا "یہ ناممکن ہے وہ دلوں کے بھید تک سے واقف ہے۔"

فرمایا "جب رزق اس کا کھاؤ اور اس کے ملک میں رہو تو پھر اس کے سامنے گناہ کرنا کہاں تک انصاف پر مبنی ہے؟"

چہاں یہ کہ جب موت کا فرشتہ آئے تو اس سے کہو خدا توبہ کر لینے کی ہمت دے دے۔

عرض کیا "یہ بھی ناممکن ہے وہ میرا کہا زمانے گا۔"

فرمایا جب یہ حالت ہے تو اس کے سامنے آنے سے پہلے توبہ کرنی چاہیے۔ پنجم یہ کہ جب قبر میں منکر نکیر آئیں تو ان کو باہر

نکال دینا۔

کہا "میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔"

فرمایا "پھر ان کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار رہو۔ ششم یہ کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد گنہگاروں کو دوزخ کی طرف بھیجا جائے گا، تم دوزخ میں جانے سے انکار کر دینا۔"

کہا "یہ بھی ناممکن ہے۔"

فرمایا "تو پھر گناہ مت کرو۔"

نقل ہے کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا "کیا سبب ہے اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو قبول نہیں کرتا؟"

آپ نے فرمایا "تم خدا تعالیٰ کو جانتے ہو، لیکن اس کی اطاعت نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے ہو، مگر ان کی پیروی نہیں کرتے۔ قرآن کریم پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کھاتے ہو مگر شکر نہیں کرتے۔ جانتے ہو کہ دوزخ گنہگاروں کے لیے ہے مگر اس سے ذرا نہیں ڈرتے۔ شیطان کو دشمن سمجھتے ہو، مگر اس سے نہیں بھاگتے۔ موت کو برحق سمجھتے ہو، مگر کوئی سامان نہیں کرتے۔ خویش واقارب کو اپنے ہاتھوں زمین میں دفن کرتے ہو، لیکن عبرت نہیں لکھتے۔ بھلا جو شخص اس طرح کا ہو اس کی دعا کیونکر قبول ہو سکتی ہے؟"

ایک دفعہ آپ ایک کشتی میں سوار تھے کہ ایک زبردست لہر کشتی کی طرف آئی۔ آپ نے فوراً قرآن کریم اٹھا کر سامنے کیا اور کہا خداوند کیا تو ایسی حالت میں ہم کو غرق کرے گا، جبکہ تیری کتاب مبارک ہمارے درمیان ہے۔ چنانچہ اسی وقت وہ لہر اور دریا کا جوش مدھم پڑ گیا۔

ایک دفعہ آپ درویشوں کے ایک گروہ کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ایک قلعہ کے نزدیک پہنچ کر دیکھا کہ بہت سی لکڑیاں جمع ہیں اور اسی جگہ رات بسر کرنے کا ارادہ کر لیا۔ رات کو خوب آگ جلائی۔ اُس وقت ایک درویش نے کہا "کاش حلال گوشت ہمارے پاس ہوتا تو بھوان کر کھاتے۔"

آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ قادر ہے۔" یہ کہہ کر نماز میں مصروف ہو گئے۔ اسی اثنا میں ایک شیر کی آواز آئی جس کے آگے آگے ایک گوزر بھاگ رہا تھا۔ درویشوں نے اس گوزر کو پکڑ کر ذبح کر لیا۔ شیر پاس بیٹھا چمپ چاپ دیکھتا رہا۔

حضرت خواجہ ابو علی رودباری

وفات _____ مصر ۳۲۱ھ

پیشواے بزرگان نامدار، گنجینہ ہدایت و ولایت خواجہ ابو علی رودباری ان اولیائے کبار اور صوفیائے عظام میں سے ہیں جنہوں نے شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اولیائے کرام کی صحبت سے فیض پایا، اور ولایت کے بڑے درجہ کو پہنچے۔ آپ کا طابن طریقت اور اہل فتوت میں سے تھے۔ علوم و ریاضت میں مسلمہ تھے۔ کرامات و خوارق میں مشہور زمانہ تھے۔

آپ کا نام نامی احمد بن محمد بن القاسم بن منصور دروزی تھا۔ علاقہ رودبار کے رہنے والے تھے مگر مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ۳۲۱ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ دروز کے رئیسوں کے خاندان سے تھے اور نسب کسرانے ایران سے منسوب ہے۔ آپ کے ترک و تجرد کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی مسجد میں تقریر فرما رہے تھے کہ خواجہ ابو علی بھی اس طرف سے گزرے۔ حضرت جنید نے گفتگو کے دوران میں کسی شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا "اے شخص میری بات سن" خواجہ ابو علی سمجھے جنید مجھے کہہ رہے ہیں، چنانچہ ٹھہر گئے اور آپ کا وعظ سننے لگے۔ ان کے کلام نے دل پر ایسا اثر کیا کہ گھر پہنچ کر سارا مال و متاع راہ خدا میں دے دیا اور اہل تصوف کے طریقے پر چلنے لگے۔

اخبار الصالحین میں لکھا ہے "آپ حافظ حدیث و عالم و فقیہ و ادیب تھے۔ اپنے وقت کے امام اور اپنی قوم کے سردار اور حضرت ابو عبد اللہ رودباری کے ماموں تھے۔"

شیخ ابو علی کا تب کہتے ہیں۔ میں نے کسی شخص میں ابو علی رودباری سے زیادہ علم شریعت و حقیقت کو جمع نہیں دیکھا۔ جب کبھی ان کے سامنے شیخ ابو علی رودباری کا نام لیا جاتا تو "سیدنا" کہتے۔ آپ کے شاگردوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا ہاں وہ شریعت سے حقیقت کی طرف گئے ہیں اور ہم حقیقت سے شریعت کی طرف آئے ہیں۔

شیخ عبد الغفور اس قول کی شرح یوں بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص حقیقت سے شریعت کی طرف آتا ہے تو مجتہد

لے اخبار الصالحین میں سن وفات یہی ہے۔ یہ ابو العباس محمد بن مقتدر الملقب براضی بانڈ کا عہد خلافت تھا۔ تذکرۃ اولاد علیا میں سن وفات ۳۲۸ھ

درج ہے۔

لے شیخ ابو علی کا تب مصر کے مشائخ عظام میں سے تھے۔ آپ ابو بکر مصری اور ابو علی رودباری کی صحبت میں رہے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ ہیں۔ مگر کرامت بزرگ تھے ابو علی رودباری سے آپ کا سلسلہ حضرت جنید بغدادی تک پہنچتا ہے۔ آپ نے ۳۲۶ھ میں مصر میں وفات پائی۔

ساکل کہا جاتا ہے اور حقیقت کی طرف رجوع کرنے کا محتاج ہوتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جو شریعت سے حقیقت کی طرف جاتا ہے اسے ساکل مجذوب کہتے ہیں۔ وہ عین وصل کے لطف میں ہے اور اس کا حال اول الذکر سے نیکوتر ہوتا ہے۔ اس زمانے میں بغداد شریف میں جس قدر بزرگوار تھے مثلاً حضرت جنید اشجی ابو الحسن نوری، شیخ ابو حمزہ و ابن جلابہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سب کی خدمت میں آپ حاضر ہوئے اور صحبت اٹھائی، پھر شام گئے وہاں ابو عبد اللہ جلابی کی صحبت میں رہے پھر مصر گئے اور وہیں اقامت فرمائی اور انتقال فرمایا۔

آپ کے کلمات طیبات عشق و محبت اور تصوف سے لبریز ہیں۔ فرماتے ہیں میں مدت تک طہارت کے وسوسہ میں مبتلا رہا۔ ایک دفعہ گیارہ مرتبہ وضو کیا، مگر میری تسلی نہ ہوئی۔ ہر مرتبہ یہی خیال ہوا کہ وضو ٹھیک نہیں ہوا یہاں تک کہ سورج نکل آیا میں بہت افسردہ تھا کہ آواز آئی عافیت علم میں ہے۔ تصوف یہ ہے کہ صوفی صوف کا لباس پہنے اور نفس کو جفا اور بلا میں مبتلا کر دینا سے بالکل بے تعلق ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلے۔

فرماتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام پر معجزات اور براہین کا صادر کرنا فرض کیا ہے، اسی طرح اس نے اولیاء پر مقامات و احوال کا پوشیدہ رکھنا فرض کیا ہے۔

فرمایا ہر شے کے لیے ایک داعظ ہے۔ دل کے لیے واعظ حیا ہے اور مرید وہ ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی شے کی خواہش نہ کرے۔ جو امر وہ ہے جو دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ ہی کو چاہے۔

فرمایا خوف ورجا ایک پرندے کے دو بازوؤں کی مانند ہیں اگر بازو ساکن ہوں گے تو پرند بھی ساکن رہے گا اور اگر ایک بازو میں نقص پیدا ہو جائے تو دوسرا بھی بے کار ہوگا۔

آپ کے دو شعر یہ ہیں

وعن الهوی والانس بالاحباب

من لم یکن بک فانیا عن خطہ

ما کان فرقا من الاسباب

اد تیتہ صبابۃ جمعت لہ

(ترجمہ) جو کوئی بہ طریق سلوک اپنی آرزوؤں اور خواہشات نفسانی اور دوستوں کے میل ملاپ اور نصیحت سے

فانی نہیں ہوا، یا بہ طریق جذبہ اس میں عشق کی حدت اور جلن پیدا نہیں ہوتی جس سے وہ ایک ہی کا ہو رہے اور متفرق و پریشان اسباب ایک مقام پر آجائیں، وہ حقیقت کی منزل کو نہیں پہنچا۔

فرماتے ہیں جب دل دنیا وغیرہ کی محبت سے خالی ہو جاتا ہے تو اس میں حکمت پیدا ہو جاتی ہے۔ فرمایا نفس سے خدمت اور روح سے مکاشفہ ظاہر ہوتا ہے۔ آفت تین چیزوں سے ہے: بیماری طبیعت، ملازمت عادت، نسا و صحبت طبیعت کی بیماری حرام اور مشتبہ چیزوں کا کھانا ہے۔ ملازمت عادت حرام اور باطل چیزوں کی طرف نظر کرنا اور غیبت کا سننا ہے۔ نسا و صحبت خواہشات نفسانی کی اطاعت کرنا ہے۔

فرمایا موافق اور مخالف طبیعت کے لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا تنگ ترین قید خانہ ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے کسی بندے سے اعراض کرنے کی علامت یہ ہے کہ وہ اس بندے کو ایسی شے میں مشغول کر دے جس سے اسے کوئی نفع حاصل نہ ہو۔ فرمایا جب تک تم ہمہ تن اپنی خودی سے باہر نہ آؤ گے، نجات کی حدود میں داخل نہ ہو سکو گے۔

فرمایا جو مرد پانچ روز کی بھوک بھی برداشت نہ کر سکے اُسے گداگری کے لیے بازار میں بھیج دینا چاہیے۔ فرمایا تصوف کے معنی یہ ہیں کہ محبوب کے دروازے پر سر رکھ دیا جائے اور اگر دن میں سو بار بھی وہاں سے نکالا جائے تو بیٹنے کا نام نہ لے، نیز یہ کہ تصوف آزادوں کو عطا کیا جاتا ہے۔

فرمایا خوف کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرا جائے اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے آپ کو کلیتہً محبوب کے سپرد کر دے۔ توحید کے معنی ہیں کہ دل کی استقامت اور انکار سے علیحدگی۔ فرمایا سب سے زیادہ مفید وہ یقین ہے جو اللہ تعالیٰ کو تمہاری نظروں میں عظیم القدر کر دے اور اس کے سوا جو کچھ ہے اُسے حقیر بنا دے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کو اہل محبت پسند ہیں اور وہ انہیں دوست رکھتا ہے۔

وفات کے وقت آپ کا سر مبارک اپنی ہمشیرہ کی گود میں تھا۔ آپ نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا آسمانوں کے دروازے کھول دیے گئے ہیں۔ بہشتوں کو سجایا گیا ہے اور مجھے جلوہ دکھایا جا رہا ہے۔ فرشتے کہہ رہے ہیں ہم تمہیں ایسی جگہ لے جائیں گے جو تم نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ حوریں مجھ پر نثار ہو رہی ہیں اور میرے دید کی مشتاق ہیں، لیکن میرا دل کہتا ہے کہ مجھے تیری قسم میں غیر کی طرف دھیان نہ کروں گا۔ میں اتنی دراز عمر اسی امید میں گزار رہی ہے۔ ہم رشوت کے خواہشمند نہیں۔

نزع کے عالم میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

وَحَقِّكَ لَا نَظَرْتُ إِلَى سِوَاكَ
بَعِينٌ مَوْدِعَةٌ حَتَّىٰ أَسَاكَ

(ترجمہ: تیرے حق کی قسم جب تک میں تجھے دیکھتا رہوں گا، تیرے سوا میں کسی پر محبت کی نظر نہ ڈالوں گا۔ یعنی تجھے دیکھتے دیکھتے مر جاؤں گا۔)

حضرت جنید بغدادی

وفات _____ بغداد ۲۹۷ھ

آپ قطب وقت، منبع اسرار، مرجع انوار، سلطان طریقت، بادشاہ حقیقت تھے۔ انواع علوم و فنون میں کامل دستکار رکھتے اور معاملات و ریاضات میں مفتی کامل تھے۔ کلمات لطیف اور اشارات عالی میں سب پر سبقت رکھتے تھے۔ سب کا آپ کی امامت پر اتفاق ہے۔ سید الطائفہ آپ کا لقب اور مقتدا ہے اہل تصوف ہیں۔ شریعت، طریقت اور حقیقت میں انتہا پر پہنچے ہوئے تھے۔ عشق و زہد میں بے نظیر تھے۔ مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے تمام مشائخ کے مرجع تھے۔ آپ کی تصانیف بے شمار ہیں۔ علم اشارات سب سے پہلے آپ ہی نے پھیلایا۔ بار بار دشمنوں اور حاسد لوگوں نے آپ پر کفر اور زندقہ کا فتویٰ لگایا۔ ستری سقطی کے خواہر زادہ اور مرید تھے۔ آپ کا درجہ اپنے مرشد سے بھی بڑھ کر تھا، جس کا اعتراف خود ستری سقطی نے بار بار فرمایا۔ ہمہ تن درد و عشق تھے۔

فرماتے ہیں "جب تک ایک ہاتھ سے قرآن اور دوسرے سے سنت رسولؐ نہ پکڑ لو، اس راستہ پر نہ چلو تاکہ نہ شبہات کے گڑبھوں میں گرو اور نہ بدعت کی تاریکی میں مبتلا ہو سکو۔"

فرماتے ہیں قیل و قال اور جنگ و پیکار سے یہ درجہ مجھ کو نہیں ملا، بلکہ بھوک، پیاس، نیند اور ترک دنیا سے ملا ہے۔ ایک دفعہ آپ کی آنکھ میں شکایت پیدا ہوئی۔ ایک آتش پرست طبیب نے کہا: "اگر آنکھ کی صحت درکار ہے تو آنکھ پر پانی نہ ڈالو۔" آپ نے کہا "وضو کیسے کروں؟"

طبیب نے پھر وہی کہا اور چلا گیا۔ جب نماز کا وقت آیا تو آپ نے وضو کیا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو آنکھ اچھی ہو گئی تھی۔ اسی وقت آواز آئی "جنید تم نے میری رضا کے لیے آنکھ کا نقصان گوارا کیا، اگر اس کے اجر میں تمام اہل دوزخ کی بخشش چاہتے ہو تو ہم تیار ہیں۔" جب دوسری دفعہ طبیب آیا تو آنکھ کو درست پایا۔ دیکھ کر قصہ پوچھا۔ آپ نے سب کچھ بیان کر دیا۔ وہ طبیب اسی وقت مسلمان ہو گیا اور کہا:

"یہاں انسان کا کیا کام۔ یہ خالق کا علاج ہے۔" ایک شخص ایک دفعہ پانچ سو دینار لے کر آیا، پوچھا:

۱۰ بعض تذکرہ نگاروں نے سن وفات ۳۰۲ لکھا ہے۔

” اس کے سوا تیرے پاس کچھ اور بھی ہے ؟“

کہا ” بہت ہے “

فرمایا ” کچھ اور بھی چاہتا ہے ؟“

کہا ” ہاں کیوں نہیں ؟“

فرمایا ” پھر یہ اٹھالے اس کا مستحق تو ہی ہے کیونکہ میں باوجود کچھ بھی نہ رکھنے کے کچھ نہیں چاہتا۔
فرماتے ہیں ” اخلاص میں نے ایک حجام سے سیکھا۔ مکہ میں ایک حجام کسی شخص کے بال درست کر رہا تھا، میں نے کہا:
” خدا کی زراہ پر میرے بال بھی درست کرو۔“

حجام نے اس آدمی سے جس کی وہ حجامت بنا رہا تھا کہا:

” تم ذرا غلغلہ ہو جاؤ، جب خدا کا نام آگیا تو پھر سب سے پہلے اسی کا کام کرنا چاہیے۔“

پھر مجھے بٹھا کر پہلے میرے سر کو بوسہ دیا، پھر حجامت بنا کر ایک کاغذ دیا، جس میں چاندی کے ٹکڑے تھے اور کہا:
” اسے اپنی حاجتوں پر صرف کرو۔“

میں نے اس دن سے عہد کر لیا کہ اول فتوح جو مجھ کو ہوگی تو اس کے ساتھ سلوک کروں گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد
بصرہ سے اشرفیوں کی ایک تھیلی میرے پاس آئی۔ میں اس کو حجام کے پاس لے گیا، اس نے پوچھا:
” یہ کیا ہے؟“

میں نے اپنی نیت اور عہد کرنے کا ذکر کیا، اس نے کہا:

” مرد خدا تم کو شرم نہیں آتی، خدا کے نام پر کام کرنے کے عوض مجھ کو دیتے ہو۔“

ایک رات آپ کے گھر ایک چور آیا، اگر ایک گرتے کے سوا کچھ نہ ملا۔ دوسرے دن آپ نے اپنا گرتہ بازار میں
بکتے دیکھا، خریدار کہہ رہا تھا:

” اگر کوئی گواہی دے یہ گرتہ تیرا ہی ہے تو میں خرید لوں گا۔“

آپ نے کہا ” میں گواہی دیتا ہوں یہ گرتہ اسی کا ہے۔“ تب اس شخص نے خرید لیا۔

ایک مرید پر آپ ہمیشہ زیادہ شفقت فرمایا کرتے تھے۔ دوسرے مریدوں نے شکایت کی تو فرمایا:

” تمہاری نسبت اس کی فہم و فراست زیادہ ہے۔“

امتحان کے طور پر آپ نے سب مریدوں کو ایک ایک جانور اور چھری دے کر فرمایا:

” ایسی جگہ جا کر ذبح کرو جہاں کوئی نہ دیکھے۔“

سب مرید ذبح کے لئے آئے مگر وہ مرید جانور کو زندہ واپس لے آیا۔ پوچھا:

”تم نے کیوں ذبح نہ کیا؟“

عرض کیا ”جہاں جاتا ہوں، خدا حاضر و ناظر ہے۔“

یہ سن کر آپ نے دوسرے مریدوں کی طرف دیکھا اور فرمایا:

”اس کی فراست دیکھ لی؟ یہ سن کر سب نے توبرہ کی۔“

نقل ہے کہ ایک دفعہ ایک سید نے حج کا ارادہ کیا، جب بغداد پہنچا تو آپ کی زیارت کے لیے آیا، آپ نے پوچھا:

”تم کون ہو؟ کس کی اولاد ہو؟ اور کہاں کے رہنے والے ہو؟“

اُس نے جواب دیا سید ہوں، گیلان کا رہنے والا ہوں۔“

آپ نے فرمایا ”تمہارے دادا یعنی حضرت علی کریم اللہ وجہہ دو تلواریں چلایا کرتے تھے۔ ایک کافروں پر اور دوسری اپنے

نفس پر۔ تم اُن کی اولاد ہو، کون سی تلوار چلاتے ہو؟“

یہ سن کر وہ بے تاب ہو کر گر پڑا، اور رو کر کہنے لگا:

”میرا حج یہیں ہو گیا، مجھ کو خدا کی راہ بتائیے۔“

آپ نے فرمایا ”تمہارا سینہ خدا تعالیٰ کا حرم خاص ہے، اس میں اُس کے سوا کسی اور کو جگہ نہ دو۔“

فرماتے ہیں: ”عالم لوگوں کا علم دو حرفوں میں ہے۔ تصحیح ملت اور تجرید خدمت۔“

فرماتے ہیں: ”جس کی زندگی نفس سے ہے، اس کی موت جان نکلنے سے ہے، مگر جس کی زندگی خدا تعالیٰ سے ہے،

وہ طبعی زندگی سے اصلی زندگی کی طرف انتقال کرتا ہے۔“

فرماتے ہیں ”جو آنکھ حق تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کو نہ دیکھے اس کا اندھا ہونا بہتر ہے اور جو زبان ذکر حق میں مصروف

نہ ہو، اس کا گونگا ہونا اچھا ہے اور جو کان حق بات نہ سنے اُس کا بہرہ ہونا اچھا ہے اور جو بدن اس کی خدمت نہ کرے، اُس کا

مرجانا بہتر ہے۔“

فرماتے ہیں جس شخص نے اپنے عمل پر اعتبار کیا، اُس کا پاؤں ڈگمگا جاتا ہے۔ جس نے اپنے مال پر بھروسہ کیا وہ نقصان

میں پڑ گیا۔ جس نے خدا پر بھروسہ کیا وہ عزت اور بزرگی والا بن گیا۔“

لوگوں نے سوال کیا ”مراقبہ اور حیا میں کیا فرق ہے؟“

فرمایا ”مراقبہ غائب کا انتظار ہے اور حیا حاضر سے ندامت کا نام ہے۔“

فرماتے ہیں ”عبودیت کی دو خصلتیں ہیں:

۱۔ ظاہر و باطن میں ہر طرح خدا کی رضا پر راضی رہنا۔

۲۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری محبت کے ساتھ اقتدا کرنا۔“

فرماتے ہیں: "فتوت یہ ہے کہ درویشوں کا امتحان نہ لیا جائے اور امیروں سے جھگڑا نہ کیا جائے۔"
 جو انردی یہ ہے کہ اپنا بوجھ دوسرے پر نہ رکھو اور جو کچھ پاس ہو، اس کو خرچ کر دو۔
 تواضع یہ ہے کہ جہان والوں پر تکبر نہ کرو، اور حق تعالیٰ پر مطمئن رہ کر سب سے مستغنی ہو جاؤ۔"
 فرماتے ہیں: "خلق چار چیزوں کا نام ہے:

۱۔ سخاوت

۲۔ اُلفت

۳۔ نصیحت

۴۔ شفقت۔"

فرماتے ہیں: "نیک عادت قاسم کی صحبت بدعو عالم کی صحبت سے اچھی ہے۔"
 فرماتے ہیں: "روزہ نصف طریقت ہے۔"

حضرت خواجہ ابوالاحمد ابدال حشیشی

ولادت ————— چشت ۷۲۶ھ

وفات ————— چشت ۷۳۵ھ

سلطان الاصفیا خواجہ ابوالاحمد ابدال صاحب خوارق و کرامات بزرگ تھے۔ خواجہ خواجگان حضرت ابوالحسن شامی کے مرید و خلیفہ اور حضرت خواجہ ابو محمد حشیشی کے والد بزرگوار اور پیر و مرشد تھے۔

آپ کے والد بزرگوار سلطان فرس نام چشت کے شرفا اور امرامیں سے تھے۔ خواجہ ابوالاحمد ۴۔ رمضان المبارک ۷۲۶ھ میں چشت میں پیدا ہوئے۔ آپ کا لقب قدوة الدین تھا۔ صحیح النسب سید حسینی ہیں آپ قطب اور ابدال بھی تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی پھوپھی بڑی عقیقہ اور نیک تھیں حضرت خواجہ ابوالحسن حشیشی کبھی کبھی ان کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت خواجہ نے ان سے فرمایا تمہارے بھائی کے ہاں ایک جلیل القدر فرزند پیدا ہو گا۔ تم اس کی ولادت تک اپنی بھادج کی حفاظت کرنا کہ کوئی حرام و مشتبہ چیز نہ کھالے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی بھادجہ کی جو حالت تھی اچھی طرح نگہداشت کی۔ اگل حلال کے خیال سے اپنے ہاتھ سے چرخہ کات کر سوت بیچ کر روزی کماتیں لے کر حاجدہ کی ضروریات پوری کرتیں۔

جب آپ پیدا ہوئے تو آپ نے انھیں اپنے مکان پر رکھ کر پرورش کیا۔ سات برس کے تھے کہ حضرت خواجہ علیہ السلام کی توجیہ سے علوم باطنی کا دروازہ آپ پر کھل گیا۔ چھوٹی سی عمر میں ہی اسرار و رموز کی ایسی باتیں بیان فرماتے کہ علمائے وقت حیران رہ جاتے۔

حضرت خواجہ ابوالحسن شامی عالم علوم ظاہر و باطن اور صاحب خوارق و کشف و کرامات بزرگ تھے۔ آپ کا لقب شریف الدین تھا۔ حضرت مشاد غلوی نے ان کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ۷۲۹ھ میں وفات پائی۔ مزار پر انوار ملک شام کے شہر عک میں ہے۔ آپ زیادہ تر صومالیہ میں رہتے تھے تاکہ خوام آپ کے کمال سے آگاہ نہ ہو سکیں۔ پیر و مرشد کی خدمت میں سات سال تک رہ کر بڑے بڑے مجاہدوں اور ریاضتیں کیں۔ ان چشت نے آپ سے ہدایت پائی اس لیے خواجہ چشت کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ چشت میں آپ کے علاوہ اور چار بزرگ صاحب ولایت ہوئے ہیں۔ حضرت ابوالاحمد حضرت ابو محمد حضرت ناصر الدین ابوالیوسف اور حضرت خواجہ مودود رحمہم اللہ جمعین۔ اسی لیے یہ پانچ بزرگ اور خواجگان چشت اور جو لوگ ان کے مرید و خلیفہ ہوئے چشتی کہلاتے ہیں۔ کد چشت کا نسبہ شہر ہرات سے تیس کوس کے فاصلہ پر ہے۔ ۲۔ بعض نے فرناذہ لکھا ہے (۲۰۲)

تیرہ برس کی عمر میں حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کے شرف ارادت میں داخل ہوئے۔ پھر گوشہ نشین ہو کر عبادت و ریاضت میں لگ گئے۔ بہت سے مجاہدے کیے۔ بیس برس کی عمر میں پیر و مرشد کی خدمت کرنے لگے۔ اٹھ برس ان کی خدمت میں رہ کر سخت ریاضتیں کیں۔ جب ہر طرح سے کامل ہو گئے تو پیر و مرشد نے خرقة و رویشی عطا کر کے اپنا جانشین مقرر کیا۔ ان کے حق میں دعا کی اور ملک شام کو واپس چلے گئے۔

اب آپ نے رشد و ہدایت شروع کر دی۔ خلق خدا کو راہ راست پر گامزن کرنے میں منہمک ہو گئے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ شان دی کہ جب کیف و جذب کی حالت طاری ہوتی تو آپ کی پیشانی مبارک سے ایسا نور نکلتا کہ اس کی روشنی آسمان تک جاتی۔ دیکھنے والوں کو پتا چل جاتا تھا کہ اب آپ پر کیف طاری ہے۔ اس حالت میں جس خوش نصیب پر نظر پڑ جاتا وہ صاحب کرامات ہو جاتا۔

آپ کی گفتگو بڑی فصیح و بلیغ ہوتی تھی۔ زبان میں بڑی تاثیر تھی۔ علمائے عصر آپ کے کلام کو سن کر دنگ رہ جاتے تھے قرآن کریم آپ نے حفظ کر رکھا تھا۔ دن رات میں تین دفعہ قرآن ختم کرتے۔ ہمیشہ با وضو رہتے۔ لباس بوسیدہ ہوتا تھا۔ عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ کامل تیس سال تک نہیں سوئے اور پہلو زمین سے نہیں لگایا۔ دنیا سے سخت نفرت تھی۔ نماز تہجد کے بعد اکثر دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے فضل و کرم سے امت محمد کو بخش دے۔

جب آپ چھوٹے تھے تو آپ کے والد بزرگوار کا ایک خم خانہ تھا۔ ایک دن آپ موقع پا کر وہاں چلے گئے۔ اندر سے دروازہ بند کر لیا اور سب پیمانے توڑ دیے۔ والد کو علم ہوا تو کوٹھے پر گئے اور پر سے نظر دوڑائی تو سخت غصے میں آکر ایک بڑا پتھر آپ کی طرف لٹھکا دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پتھر آپ کے سر کے قریب پہنچ کر ہوا میں معلق ہو گیا۔ اسے دیکھ کر آپ کے والد حیرت میں پڑ گئے اور توبہ کی۔

ایک مرتبہ آپ کچھ ساتھیوں کے ہمراہ دریا سے دجلہ پر گئے۔ دریا پار کرنے کے لیے کشتی موجود نہ تھی۔ آپ مریوں کے حلقے میں بیٹھ گئے اور ذکر و فکر میں مصروف ہو گئے، اسی حالت میں سب کے سب دریا پار کر گئے اور کسی کا پاؤں تک پانی سے تر نہ ہوا۔ اس موقع پر کچھ غیر مسلم دیکھ رہے تھے، وہ سب آپ کی یہ کرامت دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ وہ بھی آپ کی کرامت سے دریا پار کر گئے۔ پھر آپ کی صحبت کیمیا اثر میں رہ کر دین و دنیا کی کامرانی حاصل کی۔

آپ کے صاحبزادے کا نام نامی ابو محمد تھا، جو آپ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ لقب ناصح الدین تھا۔ ابو محمد حسینی کے نام سے مشہور ہیں۔ بڑے صاحب کرامات اور صاحب علم بزرگ تھے۔ وہ بھی مادر زاد ولی تھے۔ چار برس کی عمر میں تعلیم کے لیے مکتب میں بٹھائے گئے۔ تھوڑی مدت میں قرآن مجید پڑھ لیا، پھر دوسرے دینی علوم حاصل کیے اور درجہ کمال کو پہنچے۔ تیرہ برس کی عمر میں حضرت خواجہ ابوالحسن نے آپ کو مرید کیا۔ خرقة خلافت عطا فرمایا اور اپنا جانشین بنایا۔ آپ نے انہیں وصیت فرمائی کہ اے ابو محمد! فقر و فاقہ اختیار کرنا اور ہمیشہ فقر کی صحبت میں رہنا، دنیا اور اہل دنیا سے اجتناب کرنا، تاکہ تمہیں درجہ کمال

حاصل ہو۔ چنانچہ آپ نے والد بزرگوار اور پیروم رشد کی ہدایات پر عمل کیا۔ اور بلند درجہ پایا۔ بارہ برس تک حجرہ کے اندر رہ کر عبادت و ریاضت کرتے رہے۔ آپ کی عمر مبارک چوبیس برس کی تھی، جب والد بزرگوار نے وفات پائی، خواجہ ابو احمد کی تاریخ وفات یکم جمادی الثانی ۳۵۵ھ بیان کی جاتی ہے اور آپ کا مزار پرنوار قبور حقیقت میں ہے۔

والد کی وفات کے بعد خواجہ ابو محمد نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اکثر بادشاہ اور دوسرے بڑے بڑے لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ آپ اس وقت کے جملہ مشائخ اور صوفیائے کرام کے مقتدا اور پیشوا مانے جاتے تھے۔ زہد و ورع میں بے مثل تھے۔

کہا جاتا ہے کہ سلطان محمود نے جب سومنات پر حملہ کیا تو آپ بھی اس کی طرف سے جہاد میں شریک ہوئے تھے اور خود لڑے تھے، چنانچہ سلطان آپ کا بہت معتقد تھا۔ سومنات کی فتح کے بعد سلطان نے خدمت میں حاضر ہو کر قدم برسی کا شرف حاصل کیا تھا۔

خواجہ ابو محمد نے غرہ رجب المرجب ۳۱۵ھ میں وفات پائی۔ مزار پرنوار حقیقت میں والد بزرگوار کے ساتھ ہی ہے۔

حسین بن منصور حلاج

ولادت — بیضا فارس (۲۲۲ھ)

وفات — ۳۰۹ھ

حسین بن منصور حلاج شہر بیضا میں پیدا ہوئے۔ بیضا فارس کا ایک شہر ہے۔ آپ کی ولادت ۲۲۲ھ میں ہوئی۔ عمر کا ابتدائی زمانہ عراق کے شہر واسط میں گزرا۔ یہ واقعہ ۲۶۰ھ کا ہے یعنی اس وقت منصور کی عمر سولہ سال کے قریب تھی۔ پھر ہواز کے ایک مقام تستر میں سہل بن عبداللہ التستری کے ہمراہ رہے، پھر بصرہ میں عمرو مکی کے فیض صحبت سے استفادہ کیا۔ ۲۶۲ھ میں بغداد آئے اور جنید بغدادی کے طبقہ تلمذ میں شریک ہو گئے۔ منصور کو سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ان کی عمر کا بڑا حصہ اسی شغل میں بسر ہوا۔ وہ مختلف اور متعدد ملکوں کی سیر و سیاحت کرتے رہے۔ اپنی زندگی میں تین مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور ہر مرتبہ حج کے فریضہ سے سبکدوش ہوئے۔

گر قناری اور فرار | طبیعت بے باک اور غیور پائی تھی، جو بات دل میں آتی تھی اسے زبان پر لانے میں تامل نہیں کرتے تھے۔ اپنے عقیدہ اور مسلک میں ذرا بھی لچک نہیں رکھتے تھے۔ بہت سخت تھے، نہ رواداری کے قائل تھے نہ مصلحت کے۔ جس بات کو سچ سمجھ لیتے تھے اس کو فاش اور برملا اعلان کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔

۲۹۷ھ میں ابن داؤد الاصفہانی الظاہری کے فتوے کی بنیاد پر پہلی مرتبہ گر قناری ہوئے، لیکن ٹھیک ایک سال کے بعد ۲۹۸ھ میں زندان سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور ہواز کے ایک مقام سوس میں پوشیدہ طور پر رہنے لگے۔ ۳۰۰ھ میں دوسری مرتبہ ان کی گر قناری عمل میں آئی اور آٹھ سال تک مسلسل اسیر زنداں رہے، لیکن کسی ایک قید خانہ میں نہیں بلکہ بغداد کے مختلف جیل خانوں میں منتقل کیے جاتے رہے۔ شاید یہ اس لیے کہ کہیں پھر فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔

سزائے قتل | ۳۰۹ھ میں ان کے مقدمہ کا آخری فیصلہ ہوا اور طے پایا کہ ۱۸ ذی قعدہ کو ان کی زندگی ختم کر دی جائے اس طرح گہ انھیں کوڑے مارے جائیں۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے جائیں۔ ان کا سر تن سے جدا کر دیا جائے۔ ان کے اعضا آگ میں جھلسائے جائیں اور اس کے بعد انھیں وجہ کے پانی میں بہا دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل کو کوئی نہ روک سکا۔ حلاج کی جان اس جرم میں لی گئی کہ وہ "انا الحق" یعنی "میں خدا ہوں" کا نعرہ لگاتے رہتے تھے۔ اس قول سے ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ اتحاد ذات الہی کے قائل تھے۔ یعنی اپنی ذات کو ذات الہی میں گم کر کے، ذات الہی کا ایک جزو بنا لیا۔ شہر بیضا کے شمال مشرق میں واقعہ قریہ طور میں پیدا ہوئے اوس زندگی سنی ماسینیوں (۴۰ م)۔

بن گئے تھے۔

حلاج کے اور بھی عقائد تھے، جو اس فیصلہ کا سبب بنے، مثلاً کوئی ایسا فریضہ نہیں ہے کہ انسان اس کی ادائیگی پر مکلف ہو، صورت حال یہ ہے کہ حج ظاہر وہ ہے کہ انسان اپنے شہر سے ارض مقدس حجاز تک کا سفر کرتا ہے اور وہاں جا کر مناسک حج ادا کرتا ہے، لیکن اس کے علاوہ ایک دوسرا حج بھی ہے اور وہ ہے روحانی حج۔ اگر انسان اپنے نفس کی تربیت اور تکمیل کر چکا ہے تو وہ محسوس کر سکتا ہے کہ خود خانہ کعبہ اس کے پاس آ گیا اور خود خانہ کعبہ نے اس کا طواف کیا، بجائے اس کے کہ وہ خانہ کعبہ تک جاتا اور وہاں طواف کرتا، جو حج ظاہر کی ایک معروف صورت ہے۔

کیا منصور کا فر تھے؟ | منصور کی ہلاکت کے بعد ان کے عقیدہ، مسلک اور مذہب کے بارے میں مختلف قسم کی رائیں مختلف لوگوں نے ظاہر کیں۔

ایک فریق تو یہ کہتا ہے کہ وہ کافر اور زندیق تھے، کتاب و سنت کی رو سے سوائے اس کے کہ انھیں کافر کہا جائے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ایک دوسرا گروہ ہے جو کہتا ہے کہ وہ بہت بڑے ولی اور برگزیدہ شخص تھے اور مقربین بارگاہ الہی میں داخل تھے۔ خدا کے ہاں ان کی بڑی منزلت تھی اور وہ اس سے بہت قریب تھے۔ ان کی طرف جو اقوال منسوب ہیں، ان کے ظاہری مفہوم و معنی سے لوگ مغالطہ میں پڑ گئے۔ ورنہ اگر وہ ان کے اصل مطلب اور مفہوم کو سمجھتے تو ہرگز ان کے بارے میں ایسی غلط رائے نہ قائم کرتے اور نہ ان کی تکفیر اور تفسیق کی جرات کرتے۔

پہلے گروہ کے ہم نواؤں میں ابن ندیم بھی شامل ہیں، جن کا خیال ہے کہ منصور حلاج نے شعبدہ بازی سے کام لے کر تصوف کو اپنا شعار اور پھر اپنی سپر بنا لیا تھا، ان کا دعویٰ تھا کہ وہ ہر علم سے واقف ہیں، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ ہر علم میں صفر محض تھے۔ لیکن جو لوگ دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور حلاج کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ وہ بہت بڑے ولی اللہ تھے، ان کی سی برگزیدہ اور مقدس ہستی شاذ و نادر عالم وجود میں آتی ہے، وہ اپنی ذات اور ذات الہی کے اتحاد کے قائل تھے، یہی ان کا مضبوط اور مستحکم عقیدہ تھا۔ اس سلسلے میں ہم زیادہ نام نہیں دینا چاہتے صرف دو ناموں پر اکتفا کریں گے۔

ایک تو حضرت جلال الدین رومی مشہور و عظیم فارسی شاعر جو منصور حلاج کی تعریف و توصیف علانیہ کرتے ہیں اور ذرا نہیں جھکتے۔ اور دوسرے حضرت فرید الدین عطار، جو منصور حلاج سے اتنی عقیدت اور محبت رکھتے تھے کہ انھیں "شہید حق" کا خطاب دیا ہے۔

تصانیف و رسائل | منصور حلاج نے تصوف اور طریق تصوف اور اپنے مخصوص عقائد و نظریات کی شرح و توضیح میں متعدد کتابیں لکھیں اور رسائل قلمبند کیے، ابن ندیم نے اپنی الفہرست میں ۷۱ ہجرت کی تعداد گنائی ہے، جن میں سے چند کا ہم اس جگہ ذکر کرتے ہیں:

(۱) کتاب الاحرف المحدثہ والازلیۃ والاسماء الکلیہ۔

(۲) کتاب الاصول والفروع۔

(۳) کتاب سر العالم والمبعوث۔

(۴) کتاب العدل والتوحید۔

(۵) کتاب علم البقا والفتاء۔

(۶) کتاب شرح النبی والمثل الاعلیٰ۔

(۷) کتاب ہو ہو۔

مذکورہ کتابیں منصور حلاج کی اہم ترین تصانیف میں شمار ہوتی ہیں۔

حلاج کا مذہب | منصور کے مذہب اور عقیدہ کی اگر چھان بین کی جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنی نظم و نثر میں جن خیالات و عقائد کا اظہار کیا ہے، وہ تین چیزوں پر مشتمل ہیں:

۱۔ ذات الہی کا حصول ذات بشری میں۔

۲۔ حقیقت محمدیہ کا قدم۔

۳۔ توحید ادیان۔

حلاج کے نظریہ حلول کے بارے میں صفوان کے ایک معاصر اصطنحزی نے حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:

” حسین بن منصور جو حلاج کے لقب سے مشہور ہیں، بیضا کے رہنے والے تھے۔ پیشہ کے اعتبار سے

جلاہے تھے، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص طاعت میں اپنے نفس کو نچتر کر لے، اپنے دل کو اعمال و اشغالِ عالمہ

کا شوگر بنائے، ترک لذات کا عادی ہو جائے، شہوات و خواہشات پر اقتدار حاصل کر لے، وہ مقام مقربین

تک پہنچ جاتا ہے، پھر جب اس کا تزکیہ اور تنقیہ اور زیادہ ہو جاتا ہے تو وہ بشریت کے حدود سے گذر جاتا ہے

پھر جب اس میں بشریت کا شائبہ نہیں رہتا تو وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی روح میں تحلیل ہو جاتا ہے، جیسے

حضرت عیسیٰ بن مریم پھر وہ مطیع سے مطاع بن جاتا ہے۔ یعنی وہ کسی کی اطاعت کرتا نہیں، خود اس کی

اطاعت لوگ کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہی ہوتی ہے، پھر اس کا کوئی فعل اس کا

نہیں رہتا، بلکہ خود خدا کا فعل بن جاتا ہے۔“

حلاج کے اشعار | اصطنحزی کی رائے کے پیش نظر حلاج انسان میں اللہ کے حلول کے قائل تھے، لیکن اس عقیدہ حلول

میں وہ تنہا نہیں تھے۔ حضرات شیعہ کے عقائد میں بھی یہ اہم عقیدہ ہے۔ یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حلاج نے یہ عقیدہ یہیں سے لیا اور اسی بنیاد پر اپنے عقیدہ حلول لاہوت اور ناسوت کی بنیاد رکھی۔ اس عقیدہ کی رو سے اللہ

انسان میں محبوب محب میں رب عبد میں حلول کر جاتا ہے۔
چنانچہ ذیل کے اشعار میں وہ کہتے ہیں:

(ترجمہ) "ہم دور و حیں ہیں"

جنھوں نے ایک بدن کی صورت اختیار کر لی ہے۔

جب وہ مجھے دیکھتا ہے،

میں اُسے دیکھتا ہوں،

جب میں اُسے دیکھتا ہوں،

وہ مجھ کو دیکھتا ہے۔

ایک اور مقام پر محبوب یعنی خدا کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

(ترجمہ) "تو میری رگ و پے میں اور قلب میں جاری و ساری ہے"

جس طرح

آنسو میری آنکھوں سے جاری ہیں،

ضمیر، قلب میں اس طرح حل ہو گیا ہے،

جس طرح

روح بدن میں جذب ہو جاتی ہے۔

علاج روح محبوب اور روح نفس یعنی انسان اور اللہ کی روح کے امتزاج کے قائل تھے۔ ثبوت کے لیے اشعار ذیل

ملاحظہ ہوں:

(ترجمہ) اے اللہ!

تیری روح، میری روح میں اس طرح سما گئی ہے،

جس طرح

شراب، آبِ زلال میں،

جب کوئی چیز،

تجھے مس ہوتی ہے، تو مجھے بھی مس ہوتی ہے۔

کیوں کہ،

تو اور میں، ہر حال میں ایک ہیں۔"

ان اشعار میں وہ امتزاج روح کو تشبیہ دیتے ہیں کہ جس طرح شراب اور پانی کو جدا نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح مجھ اور تجھے الگ نہیں کیا جاسکتا، جس طرح شراب اور پانی مل کر ایک ہو جاتے ہیں اسی طرح تو اور میں مل کر ایک ہو گئے ہیں۔

لیکن منظور حلاج کی بعض ایسی تحریریں بھی ہیں، جو باہم مختلف ہیں مثلاً ابھی ہم اوپر کے اشعار میں بتا چکے تھے اور اسے ہمیں کہ وہ امتزاج بشریت اور الوہیت کے قائل تھے، لیکن خود ہی اپنی ایک تحریر میں اس نظریہ سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

”جس شخص کا یہ خیال ہے کہ الہیت، بشریت میں مزوج ہو سکتی ہے یا بشریت الہیت میں حلول کر سکتی ہے، وہ کافر ہے، کیونکہ خدا نے بزرگ و برتر اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے فرو ہے، ان لوگوں کے مقابلہ میں جو اس کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور جن کے صفات غارضی ہیں۔ وہ کسی طرح بھی مخلوق سے مشابہت نہیں رکھ سکتا، نہ مخلوق خدا سے کسی درجہ میں مشابہت رکھ سکتی ہے۔ اس لیے یہ مجال عقلی ہے۔“

اس تحریر کے پیش نظر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حلاج کے نزدیک لاہوت اور ناسوت، رب اور عبد، محبوب اور محب و الگ الگ چیزیں ہیں جو اپنی ذات اور حقیقت کے اعتبار سے بالکل جدا، متضاد اور متماثل نہیں۔

اگرچہ اس مسئلہ میں حلاج کی رائے میں یہ ظاہر تضاد پایا جاتا ہے، لیکن حلاج کے عقیدہ کا آخری اور مضبوط پہلو وہی ہے جس میں وہ عقیدہ حلول کا حامل نظر آتا ہے۔

اس کا عقیدہ ہے کہ ذات الہی، ذات انسانی میں اس طرح حلول کر سکتی ہے کہ دونوں مل کر ایک ہو جائیں، جس طرح روح انسانی بدن انسانی میں داخل ہوتی ہے، اور پھر دونوں ایک بن جاتے ہیں۔ اس صورت میں انسان سے جو فعل سرزد ہوتا ہے، وہ درحقیقت ارادۃ انسانی نہیں ہوتا، مشیت الہی ہوتا ہے۔ گویا انسان عین خدا بن جاتا ہے، اور خدا عین انسان بن جاتا ہے۔

دوسری عبارت میں اس خیال کا مطلب خود حلاج کے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ:

”انسان اپنی حقیقت کے اعتبار سے خدا ہے۔ بالخصوص اس صورت میں کہ اللہ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا، اسی لیے اس نے ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں، جیسا کہ خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔ یعنی ہم نے ملائکہ سے کہا، آدم کو سجدہ کرو۔ ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کر لیا۔ ابلیس نے انکار کیا اور استکبار کیا اور وہ کافروں میں شامل ہو گیا۔“

حقیقت محمدیہ | حلاج نے اپنی کتاب "الطواسین" میں حقیقت محمدیہ کے قدم پر بڑی فلسفیانہ گفتگو کی ہے۔ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو مختلف صورتیں ہیں:

ایک صورت تو یہ ہے کہ آپ نوازلی ہیں، جو قدیم ہے، حادث نہیں یعنی جو ہمیشہ سے ہے اور جسے کبھی فنا کا جھونکا نہیں بچھا سکتا۔ یہ نور محمدی دنیا اور کائنات کے عالم وجود میں آنے سے کہیں پہلے سے موجود تھا، اسی نور سے علم و عرفان کے سوتے پھوٹے۔ دوسری صورت آپ کی نبی مرسل کی ہے۔

اور یہ پہلی سے بالکل الگ ہے۔

حلاج نور محمدی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"آپ غیب کے نور کی روشنی تھے، ظاہر ہوئے اور لوٹ گئے۔"

انوار محمدی اور نور نبوت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"انوار نبوت آپ کے نوازلی سے چمکے اور فروغ گیر ہوئے، آپ کے نور سے بڑھ کر کوئی نور بھی نور اور اظہر نہیں۔ نہ آپ کے قدم سے بڑھ کر کوئی اقدام ہے۔"

ایک دوسرے مقام پر بتایا ہے کہ تمام علوم آنحضرت کے بحر علم کا قطرہ ناچیز تھے۔ تمام حکمتیں آپ کے سمندر کے سامنے ایک چھوٹی سی نہر تھیں، چنانچہ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے منصور کہتے ہیں:

"آپ کے ادب پر بادل تھے، جن سے بجلیاں کوندتی تھیں۔ آپ کے نیچے بجلیاں تھیں جو چمکتی اور دکھتی تھیں۔"

آپ کا سحاب نور برساتا تھا اور پھل لاتا تھا۔ تمام علوم آپ کے بحر بے پایاں کا ایک قطرہ ناچیز تھے۔ تمام حکمتیں آپ کی حکمت کے سمندر کے سامنے ایک چھوٹی سی نہر تھیں۔ تمام زمانے آپ کے زمانے کے سامنے ایک ساعت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔"

آنحضرت کے قرب الہی کے پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے حلاج کہتے ہیں:

"حق آپ کا وجود ہے اور آپ کے وجود ہی سے حقیقت نمودار ہوتی ہے، آپ وصلت میں اول اور ثروت میں آخر تھے، آپ حقیقت کے باطن اور معرفت کے ظاہر تھے۔"

حلاج کے ان آثار و اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نظریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور قدیم کا کیا درجہ تھا۔

حلاج کا یہ نظریہ حلاج ہی تک محدود نہ رہا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے صوفیوں نے بھی دوسرے الفاظ اور دوسرے

رنگ میں اسے اختیار کیا۔ مثلاً محی الدین ابن عربی اور عمر بن القارظ اور ان کے علاوہ دوسرے صوفیہ کے ہاں بھی یہ رنگ خاصہ نظر آتا ہے۔

توحید ادیان !

یہ بھی منصور حلاج کا ایک نظریہ تھا !

حلاج کا خیال تھا کہ تمام ادیان اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک ہیں۔ ان کا فروعات میں اختلاف ہے، لیکن اصل کا جہاں تک تعلق ہے وہ ایک ہی ہے، تمام ادیان کا مرکز اور منبع خدا ہے۔ تمام ادیان خدا کے لیے ہیں ہر دین سے کوئی نہ کوئی گروہ وابستہ ہے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ کسی بالادست قوت کی مرضی سے۔ جو شخص کسی مذہب کا بطلان کرتا ہے وہ گویا حکم لگاتا ہے کہ فلاں مذہب اس نے خود اختیار کیا۔ اور یہ بات حلاج کی رائے میں مسلک قدریہ کے ذیل میں آتی ہے اور اس کے نزدیک اس امت کے جو لوگ کہلا سکتے ہیں، وہ قدریہ ہیں۔ حلاج کا یہ خیال بھی تھا کہ یہودیت اور مسیحیت اور اسلام اور دوسرے مذاہب، ان کے نام اور القاب جدا جدا ہیں۔ علامات و آثار میں بھی اختلاف اور تغاثر ہے، لیکن جو مقصود اصلی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، وہ ایک ہی ہے۔

اللہ کی مشیت

دوسرے الفاظ میں حلاج کا مطلب یہ تھا کہ وہ صرف اللہ ہے جو اپنے بندوں پر اپنی مشیت نافذ کرتا ہے۔ اور وہ صرف خدا ہی ہے جو اپنے بندوں کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں آدمی یہودی ہو، فلاں نصرانی مذہب اختیار کرے اور فلاں مسلمان کے گھر میں پیدا ہو، لہذا نہ کسی پر معترض ہونا چاہیے، نہ کسی سے دین کے بارے میں منافرت کرنی چاہیے کہ دین سب خدا کے ہیں اور جو شخص دین کو اختیار کرتا ہے اس میں بھی خدا کی مرضی اور مشیت شامل ہوتی ہے اور یہ جو اختلاف مختلف ادیان میں نظر آتا ہے، یہ اصلی اور جوہری اختلاف نہیں ہے، یہ صرف اسم اور ظہر کا اختلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ ہے کہ تمام ادیان نام کے اعتبار سے متعدد ہیں۔ حقیقت کے اعتبار سے ایک ہیں۔ مشی ایک ہے، اسم جدا جدا ہیں۔ یہ متغیر مظاہر ایک ہی حقیقت کے ہیں۔

جس طرح حقیقت محمدیہ کے سلسلہ میں حلاج کا نظریہ بعد کے دوسرے لوگوں نے قبول کیا، اسی طرح وحدت ادیان کے معاملہ میں بھی منصور حلاج کے نظریہ کی تائید و تقلید بعد کے دوسرے اکابر مثلاً محی الدین ابن عربی، عمر بن القارض، جلال الدین رومی، عبدالکریم الجیلی اور دوسرے بہت سے سربراہان اور سرآمدہ روزگار صوفیہ اور علمائے کی۔ شعرا نے اپنے اشعار میں اور مصنفین نے اپنی تصنیفات میں اس نظریہ کو سراہا اور اسے تسلیم کر کے اس کی توثیق اور تائید کی۔

اس نظریہ نے اسلام کی حیات روحیہ کی تائید پر گہرا اور دیرپا اثر ڈالا۔

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر مہنویؒ

ولادت ————— غزنی ۳۵۷ھ

وفات ————— ۴۲۲ھ

دنیا نے علم و عرفان کے پیشوا اور میدان تصوف کے شہسوار حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر یا نجیب صدی ہجری کے اصحاب طریقت میں بہت اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کے کلمات طیبات نثر اور رباعیات کی شکل میں علم تصوف کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، کم و بیش ایک سو تیرہ رباعیات اب بھی آپ کی یادگار باقی ہیں۔

آپ کے والد بزرگوار کا نام ابوالخیر تھا جو غزنی میں درویش بیجا کرتے تھے۔ پھر سلطان محمود غزنوی کے مصاحبوں میں شامل ہو گئے۔ جب حضرت شیخ ابوسعید نے ہوش سنبھالا تو غزنی کے علما کے درس میں جانے لگے اور حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ بچپن ہی سے تصوف کے شیدا تھے۔ اور اس موضوع پر اکثر کتابیں دیکھتے رہتے تھے۔ مطالعہ کے ساتھ ساتھ تصوف سے دلچسپی بڑھتی گئی۔ بالآخر والد سے عرض کیا کہ مجھے رہنے کے لیے الگ مکان دے دیں تاکہ میں اطمینان سے مطالعہ میں لگا رہوں۔ والد بزرگوار نے اس کا انتظام کر دیا۔ چنانچہ مکان میں آپ نے جگہ جگہ کلمات تصوف اور قطعات قرآنی آویزاں کر رکھے تھے اور اسے خوب سجا یا تھا۔

ایک دن والد بزرگوار وہاں آئے اور گھر کی کیفیت دیکھی تو پوچھا تم نے یہ کلمات اور آیات یہاں آویزاں کر رکھی ہیں! آپ نے جواب دیا آبا جان آپ نے اپنے گھر میں بادشاہ اور دوسرے بڑے لوگوں کی تصویریں ٹانگ رکھی ہیں کیونکہ آپ کو ان لوگوں سے محبت ہے، مجھے ان چیزوں سے محبت ہے، اس لیے میں نے اپنے ہاں یہ لگائی ہیں۔ شاید کسی دن میرا محبوب مجھ پر نہراں ہو جائے۔

بیٹے کی اس نصیحت آموز بات نے باپ کے دل پر بڑا اثر کیا۔ چنانچہ جب وہ اپنے ہاں واپس گئے تو یہاں تصویریں اتار دیں۔

ان دنوں مرویس عبداللہ حصری اور قفال کے درس کی شہرت تھی۔ ابوالخیر نے ابوسعید کو مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے وہاں بھیج دیا۔ آپ وہاں چلے گئے۔ درس ختم ہونے پر روزانہ گھر آ کر عبادت الہی میں مصروف ہو جاتے۔ غزنی میں

۱۔ مختلف مجموعوں میں تعداد میں اختلاف ہے رفاہ عام پریس لاہور کے مطبوعہ نسخہ ۱۹۲۷ء میں ۲۵۳ رباعیاں ہیں (م. ح.) کہ یہ حالات اخبار الصالحین سے ملنے لگے ہیں۔

وہ کہ علوم ظاہری کی رہی سہی کئی بھی پوری کر لی اور اب علوم باطنی کی ضرورت محسوس کی۔ اس شوق میں مرو کو خیر باد کہا اور سرخس چلے گئے، جہاں ابو علی فقیہ کے درس میں شامل ہو کر فقہ اور تفسیر پر عبور حاصل کیا۔ تاہم کسی اہل باطن کی تلاش میں تھے۔ یہ خواہش یوں بھری ہوئی کہ آپ کو شیخ ابو الفضل سرخسی کی صحبت نصیب ہو گئی۔ آپ کا اپنا بیان ہے کہ میں کہیں جا رہا تھا ایک جگہ شارستان سرخس کے کنارے راکھ کے تودے پر لقمان مجنوں کو بیٹھا دیکھا۔ میں ان کی طرف ٹیلے کے اوپر چڑھ گیا۔ وہ اپنی پوستین سی رہے تھے۔ میں انھیں دیکھتا رہا، میرا سایہ ان کی پوستین پر پڑ رہا تھا۔ جب سی چلے تو فرمایا سعید، ہم نے تم کو بھی پوستین کے ساتھ ٹانگ لیا، یہ فرمایا اور اٹھ کر میرا ہاتھ پکڑا، پھر مجھے پیر ابو الفضل کی خانقاہ میں لے گئے۔ وہاں پہنچ کر شیخ کو آواز دی۔ وہ باہر تشریف لائے تو لقمان نے ان سے کہا ابو الفضل! اسے اپنے پاس رکھو۔ یہ تمہارا ہے۔ یہ کہا اور میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ابو الفضل مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اندر لے گئے اور صغیر میں تشریف فرما ہو کر کتاب کا ایک جزو اٹھا کر دیکھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا اس کے اندر کیا ہو گا؟ ابو الفضل نے کشف سے میرے دل کی بات جان لی فرمایا ابو سعید! اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے ہیں تو اس لیے کہ لوگوں سے کہیں کہ سب کا معبود وہی ایک اللہ ہے۔ چنانچہ یہ لوگ اُنے جن لوگوں نے اس کلمہ کو کہا وہ اسی میں مستغرق ہو گئے۔

آپ فرماتے ہیں شیخ کے یہ الفاظ میرے دل پر ایسے لگے کہ میں رات بھر نہ سو سکا۔ صبح سویر جھنگٹے سے پہلے میں

شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اجازت لے کر تفسیر پڑھنے کے لیے خواجہ ابو علی فقیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اس آیت کا درس دے رہے تھے: **قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ** ۷

جونہی میں نے یہ سننا میری حالت متغیر ہو گئی۔ خواجہ ابو علی نے میری حالت دیکھ کر فرمایا تم کل کہاں رہے۔ میں نے عرض کیا پیر ابو الفضل کے ہاں۔ فرمایا انھیں کے پاس چلے جاؤ۔ تمہارے لیے اس حالت سے اس حالت میں آنا حرام ہے۔

میں نے یہ سن کر پیر ابو الفضل کی خانقاہ کا رخ کیا اور پہنچ کر سلام عرض کیا۔ میری حالت ناگفتہ بہ تھی۔ پیر نے

دیکھتے ہی فرمایا ابو سعید ۷ **مستک شدہ، ہی نہ دانی پس و پیش**

ہاں گم نکتی تو ایں سر درشتہ خویش

میں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ انھوں نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور اس کلمہ کی مزاولت رکھو کیونکہ اس سے تمہارے بہت سے

کام انجام پائیں گے۔ چنانچہ جب تک شیخ زندہ رہے ہیں اپنی تمام مشکلات آپ سے حل کرتا رہا۔ شیخ کے وصال کے بعد

شیخ ابو العباس قصاب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک سال ان کے پاس گزارا۔

شیخ ابو العباس صوفیوں کے جماعت خانہ میں ایک خاص جگہ پر برابر اکتالیس سال تک بیٹھے رہے تھے۔ رات

کے وقت اگر کوئی شخص زیادہ نمازیں پڑھتا تو آپ اس سے فرماتے میاں تم سو جاؤ اور آرام کرو۔ یہ بڑھا جو کچھ کرتا ہے

تمہارے ہی لیے کرتا ہے۔ اسے خود ان باتوں کی ضرورت نہیں اور نہ اسے ان سے کوئی فائدہ ہے۔
شیخ ابوالعباس سب کے ساتھ ایسا ہی کرتے تھے مگر ابوسعید کے ساتھ ان کا رویہ ایسا نہ تھا۔ ایک سال کی مدت
میں انہوں نے ابوسعید سے کبھی نہ کہا کہ تم سو رہو اور نمازیں نہ پڑھو بلکہ انہیں ان کے حلال پر چھوڑ رکھا تھا۔ علاوہ ازیں اپنی کوٹھڑی
کے برابر ایک کوٹھڑی انہیں دے رکھی تھی کہ اس میں رہ کر عبادت کیا کریں۔

ایک رات ابوالعباس صفر سے باہر تشریف لائے، افسد کھلوائی۔ ابوسعید کو اس کا علم تھا۔ وہ بھی اٹھ کر باہر ان کی خدمت
میں آگئے یہ حضرت کے ہاتھ دھلائے، ان کے کپڑے اتارے اور اپنے کپڑے لاکر ان کے سامنے رکھ دیے۔ جب شیخ نے
کپڑے پہن لیے تو اتارے ہوئے کپڑے ابوسعید نے خود دھوئے اور خشک ہونے کے لیے رسی بے ڈال دیے۔ خشک ہونے
پر تر کر کے شیخ کے سامنے لے گئے۔ شیخ نے فرمایا یہ تم پہن لو۔

ابوسعید حکم بجالائے اور شیخ کے کپڑے خود پہن لیے، پھر اپنی کوٹھڑی میں چلے گئے۔ جب صبح ہوئی تو لوگ شیخ کو ابوسعید
کے اور ابوسعید کو شیخ کے کپڑے پہنے دیکھ کر متعجب ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ شیخ نے فرمایا "اے دو دشمن تار ہارفت ہم نصیب ہیں
جو ان مہنگی آدمی ہار کش باد!"

ابوسعید فرماتے ہیں "ایک مرتبہ شیخ کے پاس دو آدمی آئے کہنے لگے ہم میں ایک معاملہ پر بحث ہو رہی ہے ایک
کتاب ہے اندوہ دائمی سب کچھ ہے، دوسرا کتاب ہے کہ نہیں، شادی دائمی سب کچھ ہے۔ آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ شیخ بولے
"الحمد للہ کہ منزل گاہ پسر قصاب نہ اندوہ است و نہ شادی" (الحمد للہ کہ قصاب کے بیٹے کی منزل گاہ نہ اندوہ ہے نہ شادی)
یعنی شیخ پر کوئی حال غالب نہ تھا، بلکہ وہ خود تمام حالات پر غالب تھے اور وصول ذات کے مرتبہ پر غائر تھے، جہاں امر مقابلہ
سب مفقود ہیں۔ اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ "پسر قصاب بتدہ خدا ایست در امر و نہی رہ مصطفیٰ دارد و مطابعت سنت می کند۔"
جب دونوں آدمی چلے گئے تو میں نے پوچھا یا حضرت یہ کون لوگ تھے؟ فرمایا ایک ابوالحسن خرقانی تھے اور دوسرے
عبداللہ راستانی۔"

ابوسعید فرماتے ہیں جب مجھے شیخ کی خدمت میں ایک سال گزر گیا تو فرمایا اب تم اپنے وطن منہ جاؤ کچھ دنوں بعد ہی
علم تمہارے دروازے پر نصب کریں گے۔ میں حکم پا کر وطن چلا آیا۔
صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں: ما در امد انہر میں محمد ابو نصر حلبی نام ایک بزرگ تھے۔ ان سے اور ابوسعید
سے کبھی کی ملاقات نہ تھی۔ اسی اثنا میں خواجہ ابوبکر خطیب جو مرو کے اماموں میں سے تھے کسی کام کے لیے نیشاپور جا رہے
تھے۔ شیخ محمد نے ان سے کہا کہ شیخ ابوسعید سے مل کر پوچھنا کہ میں نے ان سے جو سوال کیا تھا اس کا جواب دے دیں۔
خواجہ ابوبکر نے کہا آپ نے ان سے کیا سوال کیا تھا۔ انہوں نے کہا ان سے پوچھنا کیا آثار مجھ پر جایا کرتے ہیں انہوں نے
کہا یہ مجھے یاد نہیں رہے گا۔ فرمایا اچھا لکھ لو۔

جب خواجہ ابو بکر نیشاپور پہنچے تو سراسے میں ٹھہرے۔ اتنے میں دو صوفی آئے اور سوچنے لگے کہ اس سراسے میں خواجہ ابو بکر خطیب کون ہے؟ میں نے کہا، میں ہوں۔ وہ کہنے لگے شیخ ابو سعید نے سلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ کیا ہم محتاج ہیں کہ تم نے ہمارا گھر چھوڑ کر سراسے میں قیام کیا ہے۔ ہمارے یہاں آجائیں۔ میں نے ان سے کہا حمام کہوں تو آتا ہوں ابھی تک میں نے اس سلام و پیام کا کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔

جب میں غسل کر کے حمام سے باہر آیا تو ان دونوں درویشوں کو عود و گلاب ہاتھ میں لیے دیکھا۔ کہنے لگے ہمارے شیخ نے بھیجا ہے۔ جب میں ابو سعید کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے مجھے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا:

اهلا لسعدی السہول وحبلا : وجه السہول لحب ووجه المرسل

(سعدی کے پیام میرے سراور آنکھوں پر۔ ایسے پیامبر کی صورت مجھے بھیجنے والے کی محبت کی وجہ سے پیاری معلوم ہوتی ہے)۔

میں نے ابو سعید کو سلام کیا، آپ نے جواب دیا اور فرمایا اگر تم اس پیر کی پیامبری کو باعث ذلت سمجھتے ہو تو یاد رکھو اس کا کلام ہمارے نزدیک بہت عزیز ہے۔ جب سے تم نے مرو سے باہر قدم نکالا ہے میں منزل بہ منزل شمار کر رہا ہوں بتاؤ انھوں نے کیا کہا ہے؟

ابو بکر کہتے ہیں، ہیبت کے مارے میری یہ حالت تھی کہ شیخ محمد کا سوال ہی بھول گیا۔ میں نے جیب سے کاغذ نکال کر شیخ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ انھوں نے فرمایا میں جواب دوں گا اور تم کو یہ جواب ابھی لے جانا ہو گا۔ اس لیے پہلے تم نیشاپور میں اپنا کام ختم کر لو، روانہ ہوتے وقت میرے پاس آنا۔

عرض میں نے اپنا کام ختم کر لیا۔ جب نیشاپور سے رخصت ہونے لگا تو شیخ سے جواب مانگا۔ آپ نے فرمایا اس پیر سے کتنا لائق و کاتذریعہ ہے؟ میں نے کہا، میں نے کمال عجز سے عرض کیا کہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ فرمایا کہ پیر کسی کے بیان میں نہیں آسکتا۔ اچھا یہ دو شعر یاد رکھو:

چشم ہمدانک گشت و چشم بگریست در عشق تو بے جسم ہی با ید زیست

از من اثرے نماند و درین عشق ز چنیست ؟ چوں من ہمدانک عشق شدم عاشق کیست ؟

میں نے عرض کیا یہ اشعار مجھے لکھ کر دے دیے جائیں۔ آپ نے حکم دیا اور حسن مؤدب نے اشعار کاغذ پر لکھ کر میرے حوالے کر دیے۔

جب میں مرو پہنچا شیخ محمد جہمی تشریف لائے۔ میں نے سارے واقعات ان سے بیان کر دیے اور دونوں اشعار بھی ان کو پڑھ کر سنا دیے۔ وہ سنتے ہی نعرہ مار کر زمین پر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ لوگ انھیں اٹھا کر لے گئے۔ ساتویں دن میں نمان کی رحلت کی خبر سنی۔

ایک روز شیخ ابوسعید کے سامنے قوال یہ شعر گارہے تھے ۔
 اندر غزل خویش نہاں خواہم گشت تا بر لب تو بوسہ دہم چو نش سخوانی
 آپ نے پوچھا یہ کس کی غزل ہے۔ عرض کیا گیا، عمارہ کی۔ شیخ نے اسی وقت ساتھیوں سے کہا اٹھو عمارہ
 کی ملاقات کو چلیں۔ چنانچہ ان کے ساتھ روانہ ہو گئے زبان مبارک پر یہ رباعی جاری تھی ۔
 در راہ یگانگی نہ کفر است و نہ دین یک گام ز خود بردن نہ و راہ بر ہیں
 اے جان جہاں تو راہ اسلام گزین ما را سیہ نشیں و با خود منشیں
 آپ سے پوچھا گیا تفکر ساعت خیر من عبادۃ ستین سنتہ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا اپنی نیستی میں ایک
 لمحہ کے لیے فکر کرنا اس عبادت سا تھو سالہ سے بہت بہتر ہے جو اپنی ہستی کے خیال سے کی جاتی ہے۔ پھر آپ نے یہ رباعی
 پڑھی:۔

تاروئے ترا بدیدام اے شمع طراز نے کار کنم نہ روزہ دارم نہ نماز
 چوں با تو بوم مجاز من جملہ نماز چوں بے تو بوم مجاز من جملہ نماز
 استاد ابوصالح جو حضرت شیخ کے مقرب تھے بیمار ہو گئے۔ آپ نے ابو بکر مودب کو جو آپ کے لڑکوں کو تربیت دیتے
 تھے بلایا اور کہا تلم و وات اور کاغذ لاؤ تاکہ ابوصالح کے لیے کچھ لکھ دوں۔ پھر یہ رباعی تحریر کرائی ۔
 حوراں بہ نظارہ نگارم صف زد رضواں بہ تعجب کف خود بہ کف زد
 اں خال سیاہ بر اں رخاں مطرف زد ابدال ز بیم چنگ بر مصحف زد
 خواجہ ابو بکر نے یہ رباعی لکھ کر ابوصالح کو بھیج دی جسے باندھتے ہی تندرست ہو گئے اور اسی روز باہر تشریف
 لے آئے۔

ایک دن حضرت شیخ باہر بیٹھے تھے۔ اس وقت درخت کی پتیاں زرد تھیں۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا :
 تو از مہر زرد و من از مہر زرد تو از مہر ماہ و من از مہر ماہ
 کسی نے آپ سے بیان کیا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کوئی مشکل بات نہیں جل مرغی اور سلسل
 بھی پانی پر چلتے ہیں۔ پھر بیان کیا گیا فلاں شخص ہوا میں اڑتا ہے۔ فرمایا یہ جیساں ہے کہ اوڑھ بھی ہوا میں اڑتے
 ہیں۔ پھر کہا گیا فلاں شخص ایک لمحہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچ جاتا ہے۔ فرمایا شیطان بھی ایک ساعت میں
 مشرق سے مغرب تک چلا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا ان باتوں کی کوئی وقعت نہیں۔ مرد وہ ہے جو لوگوں میں اٹھے بیٹھے،
 ان سے لین دین کرے، شادی کرے، پھر ایک لمحہ کے لیے بھی خدا کی یاد سے غافل نہ رہے۔
 کسی نے آپ سے تصوف کے معنی پوچھے، فرمایا ”انچہ در سرداری بر نہی و انچہ در کف باشد بد ہی و از آنچہ

برو آید نہ جہی۔ پھر فرمایا اللہ بس باقی ہو س اور نفس سے القطار لازم ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ بندہ اور خدا کے درمیان نہ تو آسمان و زمین حجاب ہیں اور نہ عرش و کرسی بلکہ اس کا تکبر اور غرور خود حجاب ہے۔ یہ پردے درمیان سے اٹھ جائیں تو آدمی خود بہ خود خدا تک پہنچ جاتا ہے۔

آپ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں سفر کے دوران ایک گاؤں میں گیا اور پوچھا یہاں کوئی بزرگ ہے؟ معلوم ہوا ایک بزرگ تھے اور ان کے دیکھنے والوں میں صرف ایک بوڑھا شخص باقی رہ گیا ہے۔ میں نے اسے بلایا۔ جب وہ آیا تو میں نے پوچھا، تم نے اس بزرگ کو دیکھا ہے۔ کہنے لگا ہاں! میں ان کے زمانہ میں کم سن تھا۔ میں نے پوچھا ان کی باتیں سنی تھیں؟ کہنے لگا۔ مجھ میں ان کی باتیں سمجھنے کی قدرت نہ تھی۔ صرف ایک بات یاد ہے۔ میں نے پوچھا وہ کیا کہنے لگا۔ ایک دفعہ ایک برقع پوش درویش سفر کرتا ہوا ان کے قریب گیا اور سلام کیا پھر کہا میں یہاں آیا ہوں تاکہ آپ کی صحبت میں آسائش ملے۔ ساری دنیا کا چکر لگا آیا ہوں مگر نہ اپنے آپ کو کہیں آسائش ملی نہ کسی کو آسائش میں دیکھا۔

بزرگ نے یہ سن کر جواب دیا "چرا از خویش دست برداشتی تا تو خود بیا سودی و خلق ہم از تو بیا سودندے۔"

شیخ ابو سعید فرماتے ہیں "ما گفتیم این سخن تمام است کہ اں پیر گفتہ برتر ازین سخن نہ باشد فرماتے ہیں" اصل میں حدیث اں باشد کہ مرد را باز باد بازنگر ازند۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہم لا تکلنی الی نفسی طرفۃ حلین و لا اقل من ذلک۔ (اے میرے اللہ! مجھے ایک چشم زدن یا اس سے بھی کم عرصہ کیلئے بھی اپنے سے باز نہ رکھ)۔

شیخ ابو سعید فرماتے ہیں ایک دفعہ میں نے ایک بوڑھے صحابہ کو دیکھا۔ اس نے کہا اے شیخ سارے عالم میں ایک شخص بھی ایسا نہ چھوڑا جو مجھے پانی دیتا یا مجھے سلام کرتا، سب جانتے ہیں کہ ایک ساعت ہی کے لیے اپنے آپ سے آزاد ہو جائیں، اور میری خواہش ہے کہ ایک ساعت ہی کہیں کھڑا ہو جانے کی جگہ مل جائے۔ آخری عمر میں اس شخص کے بدن میں آگ لگ گئی اور جل کر مر گیا۔ چونکہ ابتدا ابتلا سے ہوئی تھی لہذا انتہا بھی ابتلا ہی سے ہوئی۔

ابو سعید فرماتے ہیں خدا کا ارشاد ہے وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْكَوْبَرَ، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بزرگ تو ہے، اس طرح نہیں کہ تو اسے یاد کرتا ہے بلکہ اس طرح کہ وہ تجھے یاد کرتا ہے۔ اللہ کا ذکر تو بزرگ تو ہے مگر تمہارا ذکر کس حد تک بزرگ ہے یہ تم خود بھی جانتے ہو۔

فرماتے ہیں ایک شخص ایک بوڑھے کے پاس گیا اور کہا "اے پیر مرا سننے بگوئے پیر مرد تھوڑی دیر تک ہر جھکا رہا پھر سر اٹھا کر پوچھا "کیوں کیا میرے جوانب کا انتظار ہے؟" اس نے کہا ہاں! اس نے جواب دیا خدائے بزرگ و برتر کے علاوہ جتنی بھی چیزیں ہیں وہ اس قابل نہیں کہ ان کے متعلق کوئی بات تجھ سے کہوں اور جو بات حق جل شانہ سے متعلق ہے وہ ایسی ہے کہ بیان نہیں ہو سکتی۔

ایک شخص ایک مدت تک شیخ کی خدمت میں رہا، جب وہ بعد ازاں جانے لگا تو شیخ نے پوچھا وہاں جاؤ گے تو کیا

کہو گے کہ کس کے پاس رہے۔ وہاں کیا دیکھا، کیا فائدہ اٹھایا۔ وہ کہنے لگا جو آپ کا ارشاد ہو۔ فرمایا جو شخص عربی جانتا ہو، اس کے سامنے یہ رباعی پڑھنا۔

تالو خراسان خرجت شیئا
لیس لہ فی جمال ثانی
فقلت لا تنکروا محاسنہ
فمطلع الشمس من خراسان

اور جو عربی نہ جانتا ہو اس کے سامنے یہ رباعی پڑھنا۔

آنی کہ بہ خلد یادگار از تو بر بند
سبزی بہشت نو بہار از تو بر بند
در چین و خطا نقش و نگار از تو بر بند
خواباں ہمہ حال روزگار از تو بر بند

ایک روز حضرت شیخ ابو سعید اود شیخ ابوالقاسم گرگانی باہم بیٹھے تھے اور کچھ درویش جمع تھے۔ ایک درویش کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان دونوں بزرگوں کا کیا مرتبہ ہے۔ شیخ ابو سعید نے اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا جو شخص ایک ہی وقت میں ایک تخت پر دو بادشاہوں کو دیکھنا چاہتا ہے، اگر دیکھے۔ درویش نے ان بزرگوں کی جانب غور سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ سے حجاب اٹھا دیا، تاکہ شیخ کے کلام کی سچائی اس پر ظاہر ہو جائے۔ یہ دیکھ کر اس کے دل میں خیال آیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے ملک میں ان دو بادشاہوں سے بڑھ کر بھی کوئی ہے۔ شیخ ابو سعید نے کشف سے ان کے دل کی یہ بات بھی جان لی، اسی وقت فرمایا: "مختصر ملکہ بود کہ ہر روز سے دران ملک چوں ابو سعید و ابوالقاسم ہفتاد ہزار فرود نشود و ہفتاد ہزار برسد۔"

شیخ ابو سعید نے پیر ابو الفضل کے بعد شیخ ابو عبد الرحمن المسلمی نیشاپوری کی صحبت بھی اختیار کی تھی اور ان کے ہاتھ سے غرقہ بھی پہناتھا۔ آپ خود فرماتے ہیں جب میں شیخ عبد الرحمن کے پاس گیا تو پہلی ملاقات پر آپ نے مجھ سے کہا "آؤ تمھارے لیے اپنے قلم سے ایک بات لکھ دوں۔ میں نے عرض کیا لکھ دیجیے۔ فرمایا سمعت جدی اباعمر و ابن جنید المسلمی۔" (یعنی حضرت جنید بغدادی سے روایت ہے کہ تصوف ہی خلق ہے اور خلق کی تعریف حضرت امام ابوہل صلوٰۃ کی نے یہ فرمائی ہے کہ وہ اعتراض سے کنارہ کشی کرنے کا نام ہے۔)

بود علامت عرفان ز اعتراض اعراض
نہ عارف ست و محقق کس ہاں علامت نیست

حضرت شیخ جن زمانے میں نیشاپور میں تھے، استاد ابوالقاسم قشیری نے استاد عاکی تھی کہ ہفتہ میں ایک بار ان کی خانقاہ میں تشریف لاکر مجلس فرمایا کریں۔ ایک منبر وہاں اسی غرض کے رکھ دیا گیا تھا اور اس پر کپڑا ڈال دیا گیا تھا۔ ایک دفعہ ایک مجلس کے موقع پر لوگ اکڑ بیٹھتے جاتے تھے، شیخ ابو عبد اللہ باکو بھی استاد ابوالقاسم کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے یہ صورت حال دیکھ کر پوچھا، یہ کیا ہے؟ استاد نے جواب دیا مجلس منعقد ہو رہی ہے، شیخ ابو سعید کچھ فرمائیں گے۔ آپ بھی بیٹھیے اور سنیے۔

ابو عبد اللہ نے جواب دیا مجھے ان پر اعتقاد ہی نہیں مگر شیخ ابوالقاسم نے انہیں زبردستی بھٹا دیا اور فرمایا ہر شیخ
رہنا خدا کے اس بندے کو خطراتِ قلوب پر آگاہی بخشی گئی ہے دل میں کوئی خیال نہ لانا۔

جب ابوسعید منبر پر تشریف لائے قرآن پاک پڑھا گیا۔ شیخ نے دعا فرمائی۔ جب شیخ کی گفتگو کا وقت آیا۔ ابو عبد اللہ
کے دل میں کچھ خیال آیا۔ شیخ نے مطلع ہونے پر جواب دے دیا اور کلام شروع کر دیا۔ جب آپ کی تقریر میں گرمی آئی، تو
ابو عبد اللہ نے دل میں کہا، اتنے موافق پر حالتِ تجرید میں رہا ہوں، کئی مشائخ کو میں نے دیکھا ہے اور شروع ہی سے
ان کا ہمدست کرنا چلا آیا ہوں مگر اس مرد پر سب باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں یہ کیا وجہ ہے۔ مجھ پر کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی
شیخ سعید نے اس مرتبہ بھی ان کے دل کی بات کا جواب دیا یعنی ان کی طرف رخ کر کے فرمایا اے خواجہ ۷

تو چنانی کہ ترا بخت چنان است و چنان

من چنینم کہ مرا بخت چنین است و چنین

اس کے بعد حضرت شیخ نے درود پڑھا، چہرے پر ہاتھ پھیرا، منبر سے اتر آئے۔ اور شیخ ابوالقاسم اور شیخ عبد اللہ
کے پاس بیٹھ گئے۔ استاد امام سے فرمایا کہ ان صاحب سے کہیے کہ میری طرف سے دل میلانا کریں۔ شیخ ابو عبد اللہ نے جواب
دیا میں اس وقت خوش ہوں گا جب آپ ہر پنجشنبہ کو میرے سلام کے لیے آنا موقوف کر دیں گے۔ شیخ نے فرمایا آپ پر
بہت سے بزرگوں اور مشائخ کی نظریں پڑی ہیں، انہیں نگاہوں کے لیے آیا کرتا ہوں، نہ کہ آپ کے لیے۔
آپ کا یہ کلام سن کر ساری مجلس کے لوگ رونے لگے۔ شیخ عبد اللہ بھی بہت روئے اور اس دن سے شیخ ابوسعید
کی طرف سے دل صاف کر لیا۔ اور وہ اب کبھی کبھی شیخ ابوسعید سے ملنے کے لیے آئے لگے۔

چونکہ حضرت ابوسعید سماع کے حق میں تھے اور ابو عبد اللہ اس کے خلاف اس لیے اس بارے میں دونوں میں
کسی قدر مخالفت باقی تھی جو کبھی کبھی ظاہر بھی ہو جایا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ہاتھ کہہ
رہا ہے "قوموا واسقصوا اللہ" جب بیدار ہوئے تو لاجول پڑھی کہ یہ شیطانی خواب تھا۔ دوسری مرتبہ پھر یہی خواب دیکھا
بیدار ہونے پر پھر لاجول پڑھی کہ یہ شیطانی خواب ہے۔ پھر ذکر فرمانے کے بعد قرآن پاک کی چند سورتیں پڑھیں۔

تیسری مرتبہ سوئے تو پھر یہی خواب دیکھا۔ اب خیال آیا کہ یہ شیطانی خواب نہیں، بلکہ مخالفت کی وجہ سے ہے جو
سماع سے متعلق ہے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو آپ حضرت شیخ ابوسعید کی خانقاہ میں تشریف لے گئے دیکھا تو حضرت شیخ
خانقاہ کے اندر سے فرما رہے تھے "قوموا واسقصوا اللہ" جب شیخ نے ابو عبد اللہ کو دیکھا تو خوش ہوئے اور دونوں
کے دل سے یہ مخالفت جاتی رہی۔

ایک مرتبہ شیخ ابوسعید نے فرمایا میرے جنازے کے آگے آگے یہ رباعی پڑھنا

خوب تر اندر جہاں ازیں چہ بود کار
دوست بر دوست رفت یار بر یار
اں ہمہ اندوہ بود این ہمہ شادی
دآن ہمہ گفتار بود این ہمہ کردار!

حضرت شیخ ابوسعید کاسن ولادت ۳۵۷ ہجری بیان کیا جاتا ہے۔ غزنی میں پیدا ہوئے اور ۴۴۰ ہجری میں کوہروز جمعہ عشا کی نماز کے وقت اس دارفانی سے کوچ فرمایا۔ آپ کے جو اشعار اس وقت تک دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے بعض اشعار (رباعیات) نمونہ کے طور پر درج کیے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

یارب دل من ز معرفت بینا کن	چشم بجمال مصطفیٰ بینا کن!
روزے کہ چو لالہ سر بر آرم از خاک	در روضہ مصطفیٰ مرا ماوا کن!
یارب چو شود روز قیامت ظاہر	وز ہر طرفے شود ملامت ظاہر
در روضہ مصطفیٰ بر انگیز مرا	کہ حضرت او شیر سلامت ظاہر
رفتم بر طیب و گفتم از درد نہاں	گفتا کہ ز غیر دوست بر بند زباں
گفتم کہ غذا گفتم ہمیں خون جگر	گفتم پر ہیز و گفت از ہر دو جہاں
گفتم کہ کہانی تو بدیں زیبائی!	گفتا خود را کہ من خودم بیکتائی
ہم عشقم و ہم عاشق و ہم معشوقتم!	ہم آئینہ ہم جمال ہم بینائی!
اے درد دل من اصل تمنا ہمہ تو	دے در کہ من مایہ سودہ ہمہ تو
ہر چند بہ روزگار درمی نگرم	امروز ہمہ توئی و فردا ہمہ تو
مجنون تو کوہ راز صحرا نہ شناخت	دیوانہ عشق تو سر انہا شناخت
ہر کس بتوزہ یافت ز خود گم کردید	انکس کہ ترا شناخت خود را شناخت
اے آنکہ کثانیدہ ہر بند توئی	بیرون ز عبارت چہ و چندہ توئی
این دولت من بس کہ منم بندہ تو	وین عزت من بس کہ خداوندہ توئی

آپ کا ایک شعر ہے

بزیقہ تقدیس مست مستانند
کہ ہر چہ بہت ہم صورت خدا دانند

حضرت ابو عثمان سعید بن اسلام مغربی

وفات ————— نیشاپور ۳۷۳ھ

زبدۃ الاولیاء، پیشوا سے اصفیا حضرت ابو عثمان سعید بن اسلام مغربی سلسلہ نقشبندیہ کے امام اور اولیائے کبار میں بڑا اور نچا درجہ رکھتے تھے۔ شیخ ابوالحسن صالح دینوری کے مرید تھے۔ شیخ ابو علی کاتب کے شاگرد تھے اور ان سے بھی خلافت حاصل کی تھی۔ ذکر و فکر اور انداز علم میں کمال حاصل تھا۔

شروع میں بہت دولت مند تھے۔ سیر و تفریح کے شوقین تھے۔ بہت سے شکاری کتے پال رکھے تھے۔ زندگی میں انقلاب جس واقعہ کی بدولت پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ ایک رات نوکروں نے پیالہ میں آپ کے لیے دودھ لاکر رکھا۔ چونکہ دودھ زیادہ گرم تھا آپ نے سر ہانے رکھ دیا کہ ٹھنڈا ہو جائے۔ اس اثنا میں نیند آگئی اور سو گئے۔ جاگنے پر دودھ پینے لگے۔ ایک شکاری کتا دیکھ رہا تھا، وہ بھونکنے لگا۔ آپ دودھ پینے سے رک گئے۔ دوبارہ پینے کا قصد کیا تو وہ پھر بھونکنے لگا۔ غرض تین چار مرتبہ ایسا ہوا۔ بالآخر جب آپ پینے لگے تو کتا دوڑ کر آیا اور آپ پر چھپا بکتے نے دودھ میں منہ ڈالی دیا۔ یہ دیکھ کر آپ نے پیالہ رکھ دیا۔ کتے نے پیالے میں سے جس قدر دودھ پیا تھا اس کے اثر سے وہ ہلاک ہو گیا۔ بعد میں آپ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ایک سانپ نے اگر پیالے میں سے کسی قدر دودھ پیا تھا اور اس وجہ سے دودھ میں زہر کا اثر شامل ہو گیا تھا جو کتے کے لیے جلیقہ لینی ثابت ہوا۔

اس واقعہ نے آپ کو بہت متاثر کیا کہ کتے نے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے مجھ پر سے اپنی جان قربان کر دی، چنانچہ اسی وقت حالت متغیر ہو گئی، دنیا کے دھندوں سے جی اُچاٹ ہو گیا اور توبہ کر کے بزرگوں کی صحبت اختیار کی۔ تیس سال تک ویران جنگلوں اور بیابانوں میں رہ کر عبادت و ریاضت کرتے رہے، پھر مکہ معظمہ کا قصد کیا اور وہاں کے بہت سے مشائخ عظام سے ملاقاتیں کیں اور ان سے فیض حاصل کیا خود فرماتے ہیں کہ ابتدائے مجاہدہ میں بعض اوقات میری یہ حالت ہوتی کہ کھانا کھانے اور طہارت کے لیے وضو کرنے کے مقابلہ میں آسمان سے پھینکا جانا زیادہ پسند ہوتا۔

آپ نے حبیب مغربی ابو عمرو زجاجی اور ابو یعقوب نہر جری رحمۃ اللہ علیہم سے بھی فیض حاصل کیا۔ مکہ معظمہ میں رہ کر بجاوری بھی کی۔ ادب کی وجہ سے مدوہ حرم میں پاخانہ پیشاب تک کرنے سے اجتناب کیا۔ مکہ معظمہ سے نیشاپور واپس آئے تو پھر ساری عمر وہیں گزاری وہیں ۳۷۳ھ میں انتقال فرمایا اور ابو عثمان حیرری اور ابو عثمان نصیبی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کے اقوال و ارشادات سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔ فرماتے ہیں گنگار مدعی سے بہتر ہے، اس لیے کہ

وہ طریق تو بہکا تھا استگار رہتا ہے جو خود ایک عبادت ہے اور مدعی ہمیشہ اپنے دعوے کے خیال میں رہتا ہے اور اپنے آپ کو ضائع اور برباد کرتا رہتا ہے۔

ایک روز آپ نے اپنے ایک خادم سے پوچھا اگر تم سے کوئی سوال کرے کہ تمہارا معبود کس حالت میں ہے تو کیا جواب دو گے۔ وہ کہنے لگا میں کہوں گا، جس حالت پر ازل میں تھا۔ آپ نے فرمایا اگر وہ پوچھے کہ ازل میں کس حالت پر تھا تو کیا جواب دو گے۔ اس نے کہا میں کہوں گا، جیسا اب ہے۔ آپ نے سن کر فرمایا جواب خوب ہے۔

آپ فرماتے ہیں جو درویش خواہش نفسانی کے لیے امیروں سے رجوع کرتا ہے۔ اس کے لیے فلاح نہیں اور اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں۔ فرمایا جس نے لوگوں کے حال کے ساتھ اپنے آپ کو مصروف کر لیا اس نے اپنی عمر ضائع کر دی۔ فرمایا ذکر کے لیے لازم ہے کہ لا الہ الا اللہ کو اپنے علم میں شامل کر لے اور اس کلمہ کی طاقت سے ہر اچھے اور بُرے خیال کو دل سے دور کر دے۔ جسے معرفت حق اور ذکر حق سے محبت ہوتی ہے اُس کی محبت کو موت بھی نہیں ٹھا سکتی بلکہ یہ محبت اور راحت پہلے سے بڑھ جاتی ہے، کیوں کہ محبت ہی محبت باقی ہوتی ہے۔ تفرقہ کے سبب اسباب درمیان سے اٹھ جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں اس درگاہ میں صرف دو باتیں رہبری کرتی ہیں، نبوت اور حدیث نبوت۔ نبوت تو ختم ہو گئی، حدیث نبوت باقی ہے اور اس کا راستہ مجاہدہ اور ذکر ہے۔ فرمایا جب تک ادبِ نفوس اور ریاست کا اثر باقی ہو مقامات خاص تک نہیں پہنچا جاسکتا۔

فرمایا سفر کرنے والے کے لیے پہلے حرص، شہوت اور مراد نفس کو قطعی طور پر ترک کر دینا ضروری ہے۔ کیونکہ سفر غربت ہونے کی وجہ سے سراسر ذلت ہے، لیکن مومن کے لیے مخلوق کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کرنا لازم نہیں۔

آپ فرماتے ہیں دوستی یہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند کی جائے وہی اپنے مہمان بھائی کے لیے پسند کی جائے، لیکن اس کی چیز کی ہرگز طمع نہ کرو۔ اس کا عذر قبول کرو اور اس کی سختی برداشت کرو۔ خود اس کا انصاف کرو، مگر اس سے انصاف نہ چاہو۔ خود اس کی اطاعت کرو، مگر اس سے اطاعت نہ چاہو۔ اپنی نیکی بھلا دو مگر اُس کی نیکی نہ بھلاؤ۔

فرمایا تصوف علائق کو منقطع کرنا ہے۔ اتصال حقائق اور مخلوق کو چھوڑ دینا ہے۔ راحت میں موت کو درست کرنا شوق کی علامت ہے۔

آپ فرماتے ہیں کسی چیز کو جاننے کے لیے اس کی ضد کا جاننا ضروری ہے (جیسے نور اور ظلمت متضاد ہیں) اس لیے جب تک ریا کو نہ سمجھ لیا جائے، مخلص کا خلوص کامل نہیں ہو سکتا۔

آپ فرماتے ہیں کہ احتکاف کی حقیقت فرمانِ سبحانہ تعالیٰ کے تحت تجارح کی نگہبانی اور حفاظت ہے اور صورتِ احتکاف مسجد میں اقامت کرنا ہے۔

آپ فرماتے ہیں عارف کو غیب کے عجائبات دیکھنے کے لیے علم کی روشنی اور معرفت کی نورانی شعاعیں عطا کر دی جاتی ہیں۔

جب آپ مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو طبیبوں کو بلایا گیا۔ آپ نے انھیں دیکھ کر فرمایا میرے طبیبوں کی مثال برادرانِ یوسف جیسی ہے۔

وفات کے وقت آپ نے سماعِ سننے کی خواہش ظاہر کی اور اسی حالت میں وفات پائی۔
 کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو عمر و ابراہیم زجاجی جو اصحابِ تصوف میں بہت اونچا درجہ رکھتے تھے اور اپنے عہد کے مشائخِ کبار میں سے تھے، حضرت ابو عثمان مغربی کے مرید تھے۔ ان کی وفات ۳۸۱ھ میں ہوئی۔

حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی

وفات ۵۴۵۰

عارف ربانی، شہنازہ طریقت و حقیقت حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی سلسلہ نقشبندیہ کے اکابرین میں سے ہیں۔ اپنے عہد کے ممتاز اہل علم، صاحب زہد و ورع اور سر حلقہ ارباب ذوق تھے۔ غوثِ وقت خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ العزیز کے معاصر تھے اور شیخ عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے پیوند تھا۔

صاحب مرآة الاسرار لکھتے ہیں کہ آپ کی روحانی تربیت حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی تھی۔ مگر سفینة الاصفیا میں ہر دو بزرگوں کا سن و ذات ایک ہی درج ہے۔ جس سے دونوں ہم عصر معلوم ہوتے ہیں اور پتا چلتا ہے کہ یہ تربیت خواجہ ابوالحسن خرقانی کے حین حیات میں ہوئی ہوگی۔

حضرت شیخ علی بجزیری داتا گنج بخش اپنی کتاب کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفع مجھے ایک مشکل درپیش ہوئی جس کا میرے پاس کوئی حل نہ تھا۔ میں شیخ ابوالقاسم گرگانی کی خدمت میں گیا۔ آپ اس وقت مسجد میں تہنا کھڑے تھے اور مسجد کے ستون کو مخاطب کر کے میری مشکل کا حل بتا رہے تھے۔ میں نے سامنے آکر عرض کیا حضور یہ تو میری ہی مشکل کا حل ہے۔ خواجہ ابوالقاسم نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے ستون کو قوت گویائی دے دی تھی اور اس نے مجھ سے اس مشکل کا

لے خواجہ ابوالحسن خرقانی اپنے وقت کے غوث اور قطب الاقطاب تھے۔ خرقان کے رہنے والے تھے۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ سن ولادت ۳۵۰ھ بیان کیا جاتا ہے۔ آپ کی نسبت چار واسطوں سے حضرت سلطان العارنیں خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی ہے۔ اگرچہ ان پڑھ تھے مگر علوم ظاہری و باطنی کے دروازے آپ پر کھول دیے گئے تھے۔ شیخ بوعلی سینا آپ کی شہرت سن کر خرقان آئے تھے اور آپ کے گھر تشریف لے گئے تھے۔ سلطان محمود غزنوی بھی آپ سے ملاقات کرنے آیا تھا اور آپ نے اسے بہت سی نصیحتیں فرمائی تھیں۔ سلطان نے بہت سارے پیسے آپ کی خدمت میں پیش کیا، مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ سلطان کو عبرت دلانے کے لیے آپ نے اسے سوکھی روٹی کا ٹکڑا دیا کہ اسے کھاؤ۔ سلطان نے کھایا مگر خشک اور سخت ہونے کے باعث حلق میں ٹنک گیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا جس طرح یہ ٹکڑا تمہارے حلق میں پھنس گیا ہے، اسی طرح اشرفیاں میرے لیے ہیں۔ یہ میرے حلق سے نیچے نہیں اتر سکتیں۔

آپ نے پچتر برس کی عمر میں ۳۲۵ھ میں خرقان میں وفات پائی۔

حل پوچھا تھا۔ چنانچہ میں اسے جواب دے رہا تھا۔

آپ کا ارشاد ہے کہ آدمی کو چاہیے اپنے میں سے تمام نسبتیں گم کر کے بندگی کرے۔ طریقت میں نسبت سے مقصود نہیں ہے کہ بندہ کو یافت کا گمان ہو، نفی و اثبات، گم ہونا اور پالینا دونوں گمان ہیں۔

شیخ ابو علی فارمدی نے بھی ابتداءے حال میں خواجہ ابوالقاسم گرگانی سے استفادہ کیا تھا۔ شیخ ابو علی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں امام ابوالقاسم قشیری کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال ان سے بیان کیا۔ آپ نے تحصیل علم کی ہدایت فرمائی۔ میں تین سال ہر روز ایک طرح کی روشنی اپنے میں دیکھتا جو زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ ایک روز شیخ نے فرمایا اب تعلیم ترک کر کے کلیتہً مشغولی بحق اختیار کرو۔ یہ حکم سن کر میں مدرسے سے خائفانہ میں آ گیا اور آپ کی خدمت کرنے لگا۔

ایک روز آپ نے ہانے کا قصد کر رہے تھے۔ میں نے یہ دیکھ کر چند ڈول پانی کھینچ کر گراہ میں ڈالے کہ آپ کی تشریف آوری تک پانی گرم ہو جائے۔ جب آپ آئے اور نہا چکے تو پوچھا کہ گراہ میں کس نے پانی ڈالا تھا؟ میں نے عرض کیا اس خادم نے۔ آپ نے وعادی اور فرمایا جو کچھ ابوالقاسم کو اس ستر برس میں حاصل ہوا تھا اسے ابو علی اتوں نے ایک ڈول کے عوض میں حاصل کیا۔ اس کے بعد عرصہ تک حضرت کی خدمت میں مشغول مجاہدہ رہا۔

ایک روز میری یہ حالت ہوئی کہ میں اپنے آپ سے کھوسا گیا۔ جب افاقہ ہوا تو آپ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا اب دوسری جگہ جا کر تحصیل نعمت مزید کرو۔ میں نے شیخ ابوالقاسم گرگانی طوسی کا نام بہت سنا تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال عرض کیا۔ آپ نے فرمایا ہاں ابتداءے حال ہے۔ مبارک باد۔ میں نے آپ کی خدمت میں قیام کیا اور ایک عرصہ دراز تک ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہا۔

سفینۃ الاولیاء میں آپ کا سن وفات ۵۴۵ھ بتایا گیا ہے۔

۱۔ شیخ ابو علی فارمدی قدس سرہ خراسان کے شیخ الشیخ تھے۔ امام ابوالقاسم قشیری کے شاگرد تھے۔ تصوف میں دو جانب منسوب ہیں ایک شیخ ابوالقاسم گرگانی طوسی کی طرف دوسری شیخ ابوالحسن خرقانی کی طرف۔ آپ فارمد کے رہنے والے تھے جو طوس کے نواح میں واقع ہے۔ ۵۱۱ھ میں وفات پائی۔

۲۔ شیخ ابوالقاسم قشیری بڑے مرتبہ کے شیخ تھے۔ آپ رسالہ قشیریہ کے مشہور مصنف ہیں۔ اکابر اولیاء نے اس رسالہ کی شرحیں لکھیں۔ کتب تصوف میں اس کتاب کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تفسیر لطائف الارشادات وغیرہ کا بھی نفعات الانس میں ذکر آیا ہے۔ لطائف الارشادات شیخ ابو علی دقاق کی تصنیف ہے آپ نے اس کی شرح لکھی۔ آپ شیخ موصوف کے مرید اور داماد تھے۔ آخر ربیع الاول ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔ ۳۔ اخبار الصالحین

حضرت خواجہ ابویوسف حشتی

ولادت _____ چشت ۳۷۵ھ

وفات _____ چشت ۴۵۹ھ

سرور اہل مجاہدہ، وعالم علوم مشاہدہ حضرت خواجہ ابویوسف حشتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ ابومحمد حشتی کے حقیقی خواہر زادہ پسر خواندہ اور مرید تھے۔ کرامات اور کمالات باطنی سے مالا مال تھے۔ ریاضت و مجاہدہ میں بے مثل اور زہد و تقویٰ میں یگانہ تھے۔ ۳۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام نامی ابویوسف اور لقب ناصر الدین تھا۔ والد بزرگوار کا نام محمد سمعان تھا۔ والد ماجدہ کا اسم گرامی عصمت خاتون تھا جو خواجہ ابومحمد حشتی کی حقیقی ہمیشیرہ اور بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ دن رات خواجہ علیہ الرحمۃ کی خدمت گزاری میں حاضر رہتیں اور چرخہ کات کر رزق حلال کماتی تھیں۔

خواجہ ابومحمد پینسٹھ سال کی عمر تک متاثر نہیں ہوئے تھے۔ آپ کی ہمیشیرہ آپ کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ انھوں نے بھائی کی خدمت کا خیال کرتے ہوئے چالیس برس کی عمر تک شادی نہ کی تھی۔ ایک رات خواجہ محمد نے اپنے والد کو خواب میں فرماتے دیکھا کہ شام میں فلاں مقام پر محمد سمعان نام ایک شخص ہے، اپنی بہن کا نکاح اس سے کر دو۔ چنانچہ خواجہ ابویوسف نے اس پر عمل کیا۔ ان سے خواجہ ابویوسف پیدا ہوئے۔ خواجہ محمد نے خود بھی پینسٹھ سال کی عمر میں نکاح کر لیا، مگر چونکہ اپنے قابل خدمت کوئی لڑکا نہ تھا اس لیے ابویوسف ہی کو اپنی اولاد کے برابر سمجھ کر پاس رکھ لیا تھا۔ ان کی تربیت کی اور اپنے بعد جانشین مقرر فرمایا۔

خواجہ ابویوسف علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ ہو کر تھوڑے ہی عرصہ میں علم و فضل اور معرفت و حقیقت کے بلند درجہ کو پہنچ گئے۔

تحصیل علم سے فارغ ہونے پر حضرت خواجہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ خواجہ نے فرمایا اے فرزند اسات بار میرا نام لے کر آسمان کی طرف دیکھ۔ آپ نے ایسا ہی کیا تو تحت الثریٰ تک نظر آگیا۔ حضرت خواجہ کی نظر فیض اثر سے آپ پر علوم ربانی منکشف ہوئے۔ چنانچہ حضرت خواجہ نے خرقہ خلافت عطا کر کے جانشین مقرر کیا۔ پیر و مرشد کے وصال کے بعد آپ نے رشد و ہدایت کا فرض سنبھالا اور بہت سے لوگوں کو مقصود حقیقی تک پہنچایا۔

اخبار الصالحین میں لکھا ہے "خواجہ ابویوسف کو انقطاع کلی پچاس سال کی عمر کے بعد حاصل ہوا۔ جب طبیعت اس طرف مائل ہوئی تو اپنے خواجہ حاجی مکی کے مزار کے پاس جو ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں نیز شیخ اسحاق کے مزار

کے پاس چلکشی اور ریاضت کرنی شروع کی اور مکان بنا کر بارہ سال وہیں بسر کر دیے۔ آپ کے سکر و فنا کی حالت یہ تھی کہ کبھی کبھی جب کہ خادم وضو کا پانی ہاتھوں پر ڈالتا ہوتا تھا، آپ اپنے آپ سے غائب ہو جایا کرتے تھے۔ اور دو ایک ساعت کے بعد ہوش میں آتے! اور وضو پھر ادا کرتے تھے۔ خواجہ عبداللہ انصاری آپ کے ہم عصر تھے۔ اور اسی زمانہ میں چشت میں آپ سے ملے ہیں۔ یاد شاہوں میں آپ کا زمانہ ابو جعفر عبد اللہ الملقب بہ قائم بامر اللہ خلیفہ عباس کا زمانہ تھا۔ سلاطین سلجوقیہ میں سے اس زمانہ میں سلطان طغرل بیگ بن میکائیل بن سلجون مکران تھا۔

نقل ہے آپ کو قرآن پاک حفظ نہ ہوتا تھا، جس سے بہت متروک تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ ابو محمد کو عالم مراقبہ میں فرماتے سنا سو بار پلٹورہ فاتحہ پڑھو تا کہ اس تردد سے نجات ملے۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور قرآن پاک کو حفظ کر لیا۔ آپ ہمیشہ فقر و فاقہ کی حالت میں رہتے تھے۔ لباس پھلپھلانا ہوتا تھا۔ ہمیشہ فقرا کے ساتھ رہتے اور انھیں کے ساتھ کھانا کھاتے۔ اگر کوئی اہل دنیا آپ کی مجلس میں آجاتا تو چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ اس لیے کہ اہل دنیا سے سخت نفرت تھی۔ آپ روتے تھے اور فرماتے تھے اے اللہ میں فقیر اور مسکین ہوں۔ آپ کے پاس جو کچھ نذر وغیرہ آتی سب فقرا کو دے دیتے۔ دن رات میں کئی بار قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ پچاس برس کی عمر میں ایک ترخانہ میں جو خود تیار کیا تھا، گوشہ نشین ہو گئے اور بارہ سال تک ریاضت کرتے رہے۔ یہ عبادت گاہ اب بھی موجود ہے اور زیارت گاہ خلق ہے۔

آپ نے ۲۔ رجب المرجب ۴۵۹ھ کو وفات پائی۔ مزار مبارک چشت میں ہے۔
قطب الاقطاب حضرت خواجہ مودود چشتی آپ ہی کے صاحبزادے تھے۔ آپ ہی کے مرید اور خلیفہ بھی ہیں۔ انھوں نے ۵۲۷ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک چشت میں ہے۔

سے زید جو شہید ہوتے وہ امام زین العابدین کے بیٹے تھے لہذا شہید کا لفظ یہاں غلط ہے (تحقیق غلام دستگیر نائی)

حضرت ابوالحسن علی ہجویری داتا گنج بخش

ولادت _____ غزنی ۴۰۰ھ

وفات _____ لاہور ۴۶۵ھ

سر حلقہ جملہ اقطاب و محرم جمیع ابواب ابوالحسن علی داتا گنج بخش اپنے عہد کے امام مکیا اور اپنے طریق میں بیگانہ تھے۔ علم اصول میں امام اور اہل تصوف میں بہت بڑا درجہ رکھتے تھے۔ قطب زماں خواجہ معین الدین چشتی نے بھی ان کی قبر پر چلہ کیا تھا۔ مشہور عالم کتاب "کشف المحجوب" داتا گنج بخش ہی کی معرکہ آرا تصنیف ہے۔

حساب و نسب | ۱۰۰ھ میں غزنی کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اصل نام ابوالحسن علی ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

اور ابتدائی زندگی | علی بن سید عثمان بن سید علی بن عبدالرحمان بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن اصغر بن سید زید شہید بن حضرت امام حسن علیہ السلام۔

ہجویری اور جلاب غزنی کے دو علاقے ہیں۔ شروع میں ان جگہوں پر قیام رہا اس لیے انھیں ہجویری اور جلابی کہتے ہیں۔ ابتدائی زندگی اور تعلیم کے متعلق پوری تفصیلات کا علم نہیں مگر کشف المحجوب کے مطالعہ سے ان کی غیر معمولی علمی اور دینی استعداد کا پتہ چلتا ہے۔ علم شریعت کی تکمیل کے بعد طریقت کے منازل طے کرنے کے لیے آذربایجان، خوزستان، عراق، بغداد، شام، دمشق، طوس، طبرستان، ترکستان اور دوسرے اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ اور وہاں کے جید علماء اور اولیائے کرام سے کسب فیض کیا۔ جن بزرگوں کی صحبت میں رہے ان میں ابوالقاسم قشیری، ابوسعید ابوالخیر، ابوالعباس اشقانی اور ابوالقاسم گرگانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں آپ نے ان تمام شہروں کے نام لکھے ہیں جہاں جہاں گئے۔

۲۔ شیخ ابوالقاسم قشیری تصوف کے مشہور رسالہ قشیریہ کے مصنف ہیں جس کی اکابر اولیائے شریعہ لکھیں۔ ربیع الاول ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔ داتا گنج بخش ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ابوالقاسم وقت کے ناقد تھے اور میری بات بڑی عزت کے ساتھ لکھتے تھے۔" ۳۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وہ بعض علوم میں میرے استاد تھے۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا کوئی انسان نہیں دیکھا جو آپ کی طرح شرع کا پابند ہو۔"

۴۔ وفات ۴۶۵ھ خواجہ ابوالحسن خرقانی کے ہم عصر اور سلسلہ نقشبندیہ کے اکابر میں سے تھے۔

اس سیر و سیاحت کے بعد لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے۔ یہ سلطان محمود غزنوی کا زمانہ تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے روایت ہے کہ داتا گنج بخشؒ لاہور اپنے مرشد کے حکم سے آئے۔ ان کے آنے سے قبل ان کے پیر کے مرید شیخ حسین زنجانیؒ لاہور میں مقیم تھے مگر جس شب کو وہ لاہور پہنچے، اسی شب میں شیخ حسین زنجانیؒ نے انتقال فرمایا۔

کام | حضرت داتا گنج بخشؒ لاہور میں رہ کر اکثر تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف رہتے تھے مگر ایک لمحہ کے لیے بھی اشاعت اسلام سے غافل نہ ہوتے۔ آپ کی کوششوں سے سیکڑوں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ان اسلام لانے والوں میں لاہور کا ایک پراچہ بھی تھا، جو آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا۔

مقام | تصوف اور علوم دینیہ میں آپ کا درجہ بہت بلند مانا جاتا ہے۔ بعض مشائخ نے اپنے تذکروں میں آپ کو علوم ظاہر و باطن کا جامع قرار دیا ہے۔ خواجہ معین الدین حسینیؒ اور حضرت بابا فرید الدین شکر گنجؒ جیسے اولیائے عظام نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کے فیوض و برکات حاصل کیے۔ داتا صاحب کی درگاہ میں ان دونوں اکابر مشائخ کے اعتکاف کے حجرے موجود ہیں۔

گنج بخش لقب | کہا جاتا ہے کہ جب خواجہ معین الدین اجمیریؒ اعتکاف ختم کر کے داتا صاحب کے مزار سے رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش فیض عالم منظر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کا ملاں ارہنا

چنانچہ اس واقعہ کے بعد آپ کو "گنج بخش" کے لقب سے پکارا جانے لگا۔

مشاغل | آپ نے تصوف پر کشف المحجوب نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کے علاوہ حسب ذیل کتابیں بھی آپ کی تصنیف بتائی جاتی ہیں: (۱) منہاج الدین (اس میں اہل صفہ کے مناقب لکھے تھے) بقیہ اور کتابوں کے مضامین ان کے

بابا فرید شکر گنج کی اعتکاف گاہ یہ بابا فرید کے نام سے مشہور ہے اور مزار جنوبی سمت بقاصہ تقریباً تین فرلانگ واقع ہے (۲۰۲ ع)۔
یہ عبادت کا ایک طریقہ ہے جس میں انسان کچھ عرصہ کے لیے دنیا سے قطع تعلق کر کے صرف عبادت الہی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ طریقہ ہے کہ غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر عبادت کی نیت کی جاتی ہے۔ اور اس مخصوص عرصہ کے لیے آدھی گھر سے نکل کر مسجد کے کسی گوشہ میں بیٹھ جاتا ہے اور وہیں عبادت اور شب بیداری کرتا ہے۔ کھانا پینا اور صومنا سب وہیں ہوتا ہے، صرف حوائج ضروریہ کے لیے ادھر ادھر جاسکتا ہے۔ اس دوران میں گفتگو بھی نہیں کرتا۔ اعتکاف کو سنت قرار دیتے ہیں اور اسے بہت ثواب سمجھا جاتا ہے۔ اہل نعر نے رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کی بہت فضیلت بیان کی ہے۔ کیوں کہ شب قدر اسی مدت میں آتی ہے۔ چنانچہ راتوں کو جاگنا اور عبادت کرنا بہت ثواب سمجھا جاتا ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ بھی آخری عشرہ رمضان میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ اعتکاف کے لیے دس دن ضروری نہیں اس سے کم مدت کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور رمضان کے علاوہ اور مہینوں میں بھی کیا جاسکتا ہے۔

نام سے ظاہر ہیں (۲) کتاب الفناء والبقا (۳) اسرار الخرق والمونات (۴) کتاب البیان لایل العیان (۵) بحر القلوب۔
(۶) الرعاۃ بحقوق اللہ۔

لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے۔ ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے، جس میں تصوف کے اسرار و رموز پر روشنی ڈالی گئی ہے اور تصوف کے تمام پہلوؤں کو بے نقاب کیا گیا ہے دنیا اسلام میں فارسی زبان میں تصوف پر پہلی کتاب ہے، جس میں دانا گنج بخش نے محققانہ طرز تحریر سے اپنے مجاہدات و مکاشفات اور تمام ذاتی تجربات بیان کیے ہیں۔ مباحث سلوک پر بہترین تنقید کی گئی ہے اور کئی ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا۔ حضرت شرف الدین بھائی منیری اپنے مکتوبات میں جا بجا اسکا ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت جاناگیر اشرف سمنانی کی تصنیف لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

”کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہورہ فن است و لطائف و حقائق در اں کتاب جمع کردہ است۔“
داراشکوہ لکھتے ہیں:

”حضرت علی ہجویری را تصنیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است و بیچ کس را بڑاں سخن
مرشدی است کامل اور کتب تصوف بجز بی اں در زبان فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ۔“
کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابو سعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوف کے رموز و اشارات کو شیخ ہجویری سے سمجھنا چاہتے ہیں، اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابل قدر کتاب بن گئی ہے۔ اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کیے جاتے ہیں۔

کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے۔ اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔ شروع میں کلام مجید اور احادیث نبوی کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک، مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے علم پر عمل بھی کرتا ہو۔ پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) علم خداوند تعالیٰ (۲) علم خلق۔ اور ان کی تصریح اس طرح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم بالکل بیچ ہے۔ وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے۔ بندوں کا علم ایسا ہونا چاہیے کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) اصولی یعنی ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا (۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ نہ کرنا اور باطن میں اس کے لیے صحیح نیت رکھنا۔

ہجویری کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر ظاہر کے زندہ نہ۔ علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے۔

۱۔ شرح کلام منصور۔ ۲۔ دیوان۔ ۳۔ رسالہ ایمان بھی شامل ہیں (م۔ ۲) (ع۔)

علم حقیقت کے تین ارکان ہیں :

۱۔ خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم یعنی وہ ہمیشہ ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت۔ اس کا

کوئی مثل نہیں۔

۲۔ خداوند تعالیٰ کی صفات کا علم یعنی وہ عالم ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔

۳۔ خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم، وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے۔

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں: کتاب، سنت اور اجماع امت۔

پہلا علم گویا خدا کا علم ہے اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم۔ بجزیری نے صوفیائے کرام کے اقوال اور

اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں اس کا دل جہالت کے سبب سے

مردہ ہے اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علم شریعت نہیں اس کا دل نادانی کے مرض میں گرفتار ہے۔ شیخ نے

دونوں علموں کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے اور حضرت ابو بکر و راق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے کہ جس شخص نے صرف

علم توحید پر اکتفا کیا وہ زندیق ہو گیا۔

دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے، اس میں تین فصلیں ہیں: پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث کی روشنی میں

دکھایا ہے کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے اور فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اس

کی کسی چیز میں خلل نہ آئے۔ نہ دنیاوی ساز و سامان ہونے سے مالدار ہو جائے اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے

یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو، بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو۔ کیوں کہ فقیر جتنا تنگ دست

ہوگا اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہوگا اور اسرار زیادہ منکشف ہوں گے، وہ جس قدر دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز

ہوتا ہے اتنا ہی اس کی زندگی الطافِ خنی اور اسرارِ روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے اور رضاۓ الہی کی خاطر وہ دنیا کی تمام

چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ ایک فقیر کا کمال فقر یہ ہے کہ اگر دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں رکھے جائیں

تو وہ ایک پتھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوں، اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔

دوسری فصل میں صوفیانہ نقطہ نظر سے فقر و غنا پر بحث کی ہے۔ بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا فقر سے

افضل ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ غنا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے، فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہیں اور دوستی میں ایسی

صفت جو خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہو ضرور پائی جائے گی اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے، جس کو خداوند تعالیٰ کی

جانب منسوب کرنا روا نہیں۔

شیخ بجزیری نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیا ہے۔ مثلاً خدا کی صفات میں مماثلت کی کوشش

اپس میں برابر ہونے کی دلیل ہے، مگر خداوند تعالیٰ کی صفت قدیم ہے اور خلق کی صفت حادث ہے، اس لیے دونوں میں

ماثلت ممکن نہیں۔ غنی خدا کے منجملہ اور ناموں کے ایک نام ہے۔ یہ اسی کے لیے زیبا ہے۔ بندہ اس نام کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے مگر خدا کا غنا سب سے بے نیاز ہے۔ خلق کے غنائیں حدوث و تغیرات ہوتے ہیں، خالق کا غنا اس سے دور ہے۔ اس کی قدرت کا کوئی مانع نہیں۔ وجود بشری کو حاجت لازم ہے، کیوں کہ حدوث کی علامت احتیاج ہے اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا کیوں کر باقی رہ سکتا ہے؟ اس تشریح و تفصیل کے بعد ہجویریؒ نے غنا کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے جو ایک بندہ کے لیے کسی طرح سزاوار نہیں۔

شیخ ہجویریؒ کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال بھی نہیں الغنی من اغناہ اللہ یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کر دے۔ اس لیے غنی باللہ قائل ہے اور اغناہ اللہ منقول ہے۔ فاعل بالذات تمام ہوتا ہے اور منقول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے۔ اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے تو یہ اس کے لیے نعمت ضرور ہے، مگر اس نعمت میں خفلیت اسی طرح آفت ہے جس طرح فقر میں حرص۔ اس لیے بندہ اگر غنی ہے تو اس کو فاعل نہ ہونا چاہیے اور اگر فقر رکھتا ہو تو اس کو حرص نہ ہونا چاہیے۔ ہجویریؒ کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے۔ اور فقر میں دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے۔ اس لیے فقر غنا سے بہتر ہے اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے تو فقر و غنا کے دونوں نام اس کے لیے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

تیسری فصل میں فقر و فقیر سے متعلق مشائخ عظام کے جو اقوال ہیں ان کی تشریح اور تفصیل کی ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم بن محمد فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھیدوں کو محفوظ رکھے اور اس کا نفس آفت سے مصئون ہو۔ اور وہ فرائض کا پابند ہو۔ ہجویریؒ نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گزرے اس کو ظاہر نہ کرے اور جس کا ظہور ہو جائے اس کو چھپائے نہیں اور نہ اسرار کے غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے۔ یا مثلاً حضرت ابوالحسن نورانی فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں سکوت کرے اور ہونے کے وقت خرچ کرے اور خرچ کے لیے بے چین ہو۔ شیخ ہجویریؒ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے، ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت، گویا خداوند اعلیٰ کے رضا کی دلیل ہے اور اگر اس کے پاس کچھ ہو گیا تو گویا اس کو خداوند اعلیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے، کیوں کہ محب خلعت قبول نہیں کرتا اس لیے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے اس کو وہ دوسروں کو دے کر جلد اپنے سے جدا کر دیتا ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے، جب وہ کسی چیز کا منتظر نہیں رہتا اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہیں ملتا اس لیے اس کو ترک کر دیتا ہے۔

تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت سے متعلق بحث کی ہے۔ اس میں بھی تین فصلیں ہیں:

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے اس لیے اس

نام سے منسوب ہوا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صنفِ اول میں رہتا ہے۔ اس لیے اس نام سے پکارا جاتا ہے۔ تیسرے کا خیال یہ ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اصحابِ صنف کے ساتھ دوستی رکھتا ہے اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ اسمِ صفا سے مشتق ہے۔ اسی طرح اور توجیہات ہیں مگر بجز بیری نے ان میں سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مذہب بنا لیتا ہے اور طبیعت کی اُفتوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک اور صاف ہو، کیوں کہ تصوف بابِ تفضل سے ہے جس کا خاصہ تکلف ہے۔ یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے اور یہی تصوف کے اصل معنی ہیں۔

اہل تصوف کی تین قسمیں قرار دی ہیں:

۱۔ صوفی جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات پر بقا حاصل کرتا ہے اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی

طرف متوجہ ہوتا ہے۔

۲۔ متصوف: جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے۔

۳۔ مستصوف: جو محض مال و منال اور جاہ و حشمت کے لیے اپنے کو مثلِ صوفی کے بنا لیتا ہے۔

پس صوفی صاحبِ وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) متصوف صاحبِ اصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا)

اور مستصوف صاحبِ فضول ہوتا ہے۔ دوسری فصل میں بجز بیری نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کیے ہیں جن سے ان کے مذکورہ

بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت حسن زوری فرماتے ہیں کہ تصوف نظامِ حظِ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے اور

صوفی وہ لوگ ہیں جن کا دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو اور نفسانی اُفتوں سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا

ہو، یہاں تک کہ خیرِ خدا سے بڑی ہو کر وہ صنفِ اول اور درجہ اول میں پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت حصری کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے۔ بجز بیری نے اس کی

تشریح یہ کی ہے کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے۔ کیوں کہ دوستی میں موافقت ہوتی ہے اور موافقت

مخالفت کی ضد ہے۔ جب مراد ایک ہوتی ہے تو مخالفت نہیں ہوتی اس لیے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا

اور کچھ نہیں چاہیے۔

حضرت شبلی کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے کہ دونوں جہان میں خدائے عزوجل کے یہاں کوئی چیز نہ دیکھے۔ بجز بیری نے اس

کی تشریح کر کے بتایا ہے کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا۔ اس طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ

ہو جائے گا۔

اس بحث میں بجز بیری نے حضرت جنید کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد اٹھ خصلتوں پر ہے، جس سے

اٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے۔ یعنی تصوف میں سخاوت ابراہیم کی ہو۔ رضا حضرت اسماعیل کی ہو۔ صبر حضرت ایوب کا ہو۔

اشارات حضرت زکریا کے ہوں۔ غربت حضرت یحییٰ کی ہو۔ سیاست حضرت عیسیٰ کی ہو۔ لباس حضرت موسیٰ کا ہو اور فقر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہو۔

تیسری فصل میں بھجوریہ کی مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں بلکہ یہ ایک خاص اخلاق کا نام ہے۔ علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا۔ رسوم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا، مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور نہ صرف مجاہدہ سے۔ اس اخلاق کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہو کر پورا کرنا۔

۲۔ بڑوں کی عزت کرنا، چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا اور کسی سے انصاف و عوض نہ چاہنا۔

۳۔ نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا۔

چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر تین فصلوں پر بحث کی ہے۔ صوفی سنت رسول کی پیروی میں کبیل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے، جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے۔ مگر گدڑی پہننے کے لیے بھجوریہ نے بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں۔ گدڑی پہننے والوں کو تارک الدنیا، اللہ کا عاشق ہونا چاہیے۔ اس کے باوجود وہ خود گدڑی اسی وقت پہن سکتا ہے جب اس کی مشائخ پہنائیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مؤخر الذکر اول الذکر سے ایک سال خدا کی خدمت لیں اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کریں۔ خلق کی خدمت یہ ہے کہ وہ سب کو بلا تمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو اور ان کی خدمت اپنے لیے واجب سمجھتا ہو۔ مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو۔ خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا اور عقبے کے مزے کو ترک کر دیتا ہو اور ہو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو۔ دل کی رعایت یہ ہے کہ اس میں ہمت ہو اس سے تمام غم دور ہوں اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو، جب یہ تینوں شرطیں پوری ہو جائیں تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے۔ گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے۔ جس کے بعد زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہونکر رہنا پڑتا ہے۔

چھٹا باب ملامت پر ہے۔ بھجوریہ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا ہے اور اس کی تین قسمیں بتائی ہیں: ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات و عبادات میں درست ہو۔ پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو، لیکن وہ اس کی پروا مطلق نہ کرتا ہو۔ مثلاً شیخ ابوطاہر حرمی ایک بار بازار میں جا رہے تھے، ایک شخص نے ان سے کہا: "اے پیر زندقہ کہاں جلتا ہے۔ ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا، مگر انھوں نے روک دیا اور جب گھرائے تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے، جن میں ان کو کسی میں شیخ زکی، کسی میں شیخ زاہد، کسی میں شیخ الاسلام اور کسی میں شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا اور فرمایا ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے، مگر یہ سب اسم نہیں ہیں، القاب ہیں۔ کوئی مجھ کو زندقہ کہے تو اس کے لیے جھگڑا کیوں کیا جائے۔

دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و شہرت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف

مائل نہ ہونے پائے۔ مثلاً ابو زید رمضان کے عینے میں سفر حجاز سے اپنے شہر میں واپس آئے تو لوگوں نے بہت اعزاز و اکرام سے ان کا استقبال کیا۔ اس خیر مقدم میں وہ خدا کی یاد سے غافل ہو گئے۔ انھوں نے اسی وقت اپنی آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کر دیا۔ لوگوں نے ان کو ٹکیہ کھاتے دیکھا تو ان کو ملامت کرنے لگے اور ان سے برگشتہ ہو گئے۔ ابو زید نے قصداً ایسا کیا تاکہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں۔

تیسری یہ کہ وہ ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہوا اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو۔ جو بچویری کے نزدیک صحیح نہیں۔

شیخ بچویریؒ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لیے ایک تروتازہ باغ و دوستوں کے لیے ایک مایہ ناز تفریح، مشتاقوں کے لیے راحت اور مریدوں کے لیے سرور ہے۔ آخر میں خود اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابو زید کے مزادیرتین عینے حاضر رہا۔ ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا، مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا جو ایک بار وہیں حاصل ہو چکا تھا۔ آخر میں وہاں سے اٹھ کر خراسان کی طرف چلا گیا۔ ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں صوفیہ کی ایک جماعت نظر آئی۔ میں اس جماعت کی نگاہ میں بہت ہی حقیر معلوم ہوا۔ ان میں سے کچھ کہنے لگے یہ ہم میں سے نہیں ہے اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا۔ انھوں نے مجھے ٹھہرنے کے لیے ایک کوٹھا دیا۔ اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے۔ کھانے کے وقت مجھ کو سوکھی روٹی دی اور خود اچھا کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد تسخیر سے خرابی کے چھالے میرے سر پر پھینکتے تھے اور طنز کی باتیں کرتے تھے، مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے۔ اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ذلت اٹھانے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا۔ اس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگ دیتے ہیں۔ اس کے بعد پورے سات ابواب میں صوفیانہ نقطہ نظر سے صحابہ عظام اہل بیت، اہل صفہ، تبع تابعین ائمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے۔ چودھواں باب نہایت اہم ہے اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر ناقدانہ اور محققانہ بحث ہے۔ بعض فرقوں کی تفصیل غالباً نامناسب ہوگی۔

پہلا فرقہ محاسبیہ ہے جو محمد اللہ بن حارث کی جانب منسوب ہے۔ حارث کا عقیدہ تھا کہ "رضا" مقامات میں سے نہیں بلکہ احوال میں سے ہے۔ بچویریؒ نے "رضا" اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی مدافعت کی ہے اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں:

۱۔ خداوند تعالیٰ کی رضا بندہ سے۔

۲۔ بندوں کی رضا خداوند تعالیٰ سے۔

بندوں سے خداوند تعالیٰ کی رضایہ ہے کہ وہ ان کو ثواب، نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے اور خداوند تعالیٰ سے بندوں کی رضایہ ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں۔ خداوند تعالیٰ اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف و ہیبت میں ایسے ہی لذت محسوس کرتے ہیں جیسے اس کے لطف و کرم

سے خطا ٹھٹھاتے ہیں۔ اس کا بلال و جمال اس کی نظروں میں کیساں ہے اور یہ محض اس لئے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں جس کے بعد ان کا دل غیر کساندیشہ سے نجات پا کر تمام غم و آلام سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اصحابِ رضا چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک خداوند تعالیٰ کی عطا پر رخواہ وہ کیسی ہومِ راضی رہتے ہیں۔ یہ معرفت ہے دوسرے اس کی نعمتوں (دیناوی) پر راضی ہوتے ہیں۔ وہ دنیا والے ہیں۔ تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں۔ یہ رنج ہے چوتھے احوال و مقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی رضا پر خوش رہتے ہیں۔ یہ محبت ہے۔

دوسرا گروہ تصاریہ کا ہے۔ اس کے پیشوا ابو صلح بن محمد بن عمارۃ بن القصار ہیں جو خلق کی ملامت کو تزکیہ نفس کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ ملامت سے پرچش پیچھے گزر چکی ہے اس لئے بجزویری نے اس موقع پر اس مسلک پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی۔

اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ حنیفیہ کا ذکر ہے۔ غورِ الذکر کے پیشوا امام ابو القاسم الحنیدی بن محمد ہیں۔ پہلے گروہ کا عقیدہ شکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے اس سلسلہ میں بجزویری نے بتایا ہے کہ شکر اور صحو کیا ہیں۔ صحو حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے۔ ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے تو اس کی عقلی عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے اور فانییت بجزویری میں اس کے اور تک اور ہمیشہ باقی نہیں رہتے۔ اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ صحو محویت کے بعد حصولِ مراد کا نام ہے جس میں جمالِ محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہیں رہتی۔ صحو میں غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ غفلت محبت بن جاتی ہے تو وہ کشف ہے۔ صحو غفلت کے قریب ہو تو شکر ہے اور شکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے جب دونوں کی اصل صحیح ہوں تو شکر صحو اور صحو شکر ہے۔ اس جزوی اختلاف کے باوجود دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں۔ لیکن جب ان دونوں کی اصل صحیح نہ ہوں تو دونوں بے فائدہ ہیں۔ بجزویری خود حنیفی مسلک کے پابند تھے اور صحو کو شکر پر فوقیت دیتے تھے۔

پانچویں گروہ تورہ کا ہے جس کے پیشوا ابو الحسن نورمی ہیں۔ وہ دودلیٹیوں کی عزت گزینی کو ایک نامحور فہم سمجھتے اور محبت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور اصحابِ محبت کے لئے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ ورنہ اس کے بغیر محبت حرام ہے اور اگر صحبت کے رسم ایثار رنج و کلفت کے ساتھ محبت بھی شامل ہو تو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے۔ بجزویری نے فرقہ تورہ کے اس مسلک کو پسند کیا ہے۔

چھٹا گروہ سہلیہ کا ہے۔ اس کے پیشوا امام حضرت بہل بن عبد اللہ تستری ہیں۔ ان کی تعلیم اجتہاد مجاہدہ نفس اور ریاضت ہے۔ اجتہاد مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے اس لئے بجزویری نے نفس کی تصریح واضح طور سے کی ہے۔ فرماتے ہیں نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے نفس کو نہ پہچاننا اپنے کو نہ پہچاننا ہے جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا۔ وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا۔ نفس کا فنا ہو جانا حق کے بقا کی علامت ہے اور نفس کی پیروی حق غرور کی مخالفت ہے۔ نفس پر حیر

کرنا یعنی نفسانی خواہشوں کو روکنا جہاد اکبر ہے۔ حضرت سہل بن عبد اللہ تستریؒ نے اس میں بڑا غلو فرمایا ہے۔ وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ قرار دیتے ہیں۔ سہل تستریؒ کے اس مسلک سے بعض گروہوں کو اختلاف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی پر منحصر ہے۔ مجاہدہ وصلِ حق کی عادت نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت میں مشغول ہو پھر بھی حق سے دور ہو اور ایک شخص خرابات میں رہتا ہو، گنہگار ہو اور اسے قربِ خداوندی حاصل ہو۔ بھجوریؒ نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا مشاہدہ کرتا ہے کہ مجاہدہ حاصل ہو۔ مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہیں اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں۔ اس رائے کے یاد جو بھجوریؒ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہیں دیتے، بلکہ اس کو وصلِ حق کا طریق اور ذریعہ سمجھتے ہیں۔

نفس کے بعد نفس کی خواہشوں کا ذکر ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ بندہ دو چیزوں کا تابع رہتا ہے۔ ایک عقل کا دوسرے نفس کی خواہشوں کا، جو عقل کا تابع ہوتا ہے، وہ ایمان کی طرف جاتا ہے اور جو خواہشات نفس کی پیروی کرتا ہے وہ کفر و گمراہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے۔ حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ وصلِ حق کیا چیز ہے، فرمایا: خواہشات نفس کا ترک کرنا۔ بھجوریؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ سب سے بڑی عبادت خواہشات نفس کا ترک کرنا ہے۔ گو اس کا ترک کرنا ناخن سے کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

بھجوریؒ نے خواہشات نفس کی دو قسمیں بتائی ہیں: ۱۔ لذت اور شہوت۔ ۲۔ جاہ طلبی۔

اول الذکر کے فتنے سے خلق محفوظ رہتی ہے، لیکن دوسرا الذکر سے خلق کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے، خصوصاً جب یہ

جاہ طلبی خالقوں میں ہو۔

ساتواں گروہ فرقہ حکیمیر کا ہے۔ یہ گروہ حضرت ابو عبد اللہ بن علی الحکیم الترمذی کی جانب منسوب ہے۔ اس فرقہ کا مسلک ہے کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے، جو نفس کی حرص و اذیت سے پاک ہو کر اسرارِ الہی سے واقف ہوتا ہے اور اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں بھجوریؒ نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے۔ ان کی صفات یہ ہیں کہ دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز ہو کر صرف ذاتِ خداوندی سے محبت کرتے ہیں۔ ان کے چہرے نورانی ہوتے ہیں۔ جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے۔ اور جب دوسرے غم زدہ ہوتے ہیں تو یہ نہیں ہوتے اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ رہیں گے تو قیامت آجائے گی۔ معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے دوست ہیں۔ کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا۔ اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے۔ بھجوریؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے۔

فرقہ حشری خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے۔ مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور، مگر اب نہیں ہیں لیکن

ہجیری کہتے ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں اور ان کی قسمیں یہ بتانی ہیں:

اخیار - ابدال - ابرار - اوتار - نقباء - قطب یا عوث -

ایک گروہ کا اعتراض ہے کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بے خوف اور دنیا پر مغرور ہو سکتا ہے، لیکن ہجیری نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدہ حق میں باقی ہو، اسے اپنے موجود کی خبر نہ ہو اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو۔ وہ مشہور ہوتا ہے، لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے، کیوں کہ شہرت باعث فساد و رعوت ہے۔

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے۔ کرامت ولی کا خاصہ ہے، کرامت نہ عقل کے نزدیک محال اور نہ اصول شریعت کے خلاف ہے۔ کرامت محض "مقدور خداوندی" ہے، یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں بلکہ خدا کی بخششوں سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے۔ ابو یزیدؒ، ذوالنون مصریؒ اور محمد بن حنفیہؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے اور صحو کے حال میں ہو وہ نبی کا معجزہ ہے۔ ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے وہ محبوب رہتا ہے اور جب خدا کے الطاف و اکرام کی حقیقت میں مدہوش ہو جاتا ہے تو اس حال میں (جو سکر ہے) کرامت ظاہر ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ولی کے نزدیک پتھلا و رمونا دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ اور ابوالعباس سیاریؒ وغیرہ کا مسلک ہے کہ کرامت سکر میں نہیں بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے۔ ولی خدا کے ملک کا مدبر و واقف کار اور والی ہوتا ہے اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں۔ اسی لیے اس کی رائے سب سے زیادہ صائب اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے۔ مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر میں حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہیں اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو میں منتقل ہو جاتے ہیں تو ولی برحق ہوتا ہے اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے۔ اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے۔ پھر دو فصلوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیا اولیا سے افضل نہیں اور انبیا و اولیا فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

فرقہ خرازیہ: یہ فرقہ حضرت ابو سعید خرازی کی جانب منسوب ہے، جنہوں نے سب سے پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے، اس لیے اس فصل میں ہجیری نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہو کر اس میں حلول کر جانا ہے، لیکن ہجیری نے ان دونوں کی تردید کی ہے۔ ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا میں حلول کرنا محال ہے کیونکہ حادث قدیم سے مصنوع، مصنوع سے مخلوق، خالق سے متحد اور متزج نہیں ہو سکتا۔ ہجیری کے نزدیک فنا سے مراد شہوات و لذات کو ترک کر کے خصائص بشریت سے اس طرح علیحدہ ہو جانا ہے کہ پھر محبت و عداوت، قرب و بعد و وصل و فراق اور

صحو و سکریں کوئی تمیز باقی نہ رہ جائے اور جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو یہی بقا ہے۔ اس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے یا علائق دنیوی سے علیحدہ ہونا فنا ہے اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے۔ اس علیہ جلال سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کر دیتا ہے۔ حال و مقام سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی زبان حق تعالیٰ سے ناطق ہو جاتی ہے۔

فرقہ حقیقی: یہ فرقہ حضرت ابو عبد اللہ بن خلیفہ کی جانب منسوب ہے، اس کا مذہب تصوف غیبت و حضور ہے۔ غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے۔ اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے۔ یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے وہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتوں سے دور ہو۔ اس کی صفات بشری ختم ہو گئی ہوں اور اس کے تمام ارادے پاک ہوں۔

اس سلسلہ میں صوفیائے کرام نے یہ بحث کی ہے کہ غیبت حضور پر مقدم ہے یا حضور غیبت پر۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے۔ بھوری کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں۔ کیوں کہ غیبت سے مراد حضور ہے جو اپنے سے غائب نہیں ہے وہ حق سے حاضر نہیں ہے اور جو حاضر ہے وہ غائب ہے۔ یہ نکتہ حضرت جنید کے حال سے واضح ہو جاتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ گزرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے۔ پھر خدا نے ایسا کر دیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا۔ اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے نہ زمین کی اور نہ خود اپنی اس کے بعد مختلف ابواب میں بھوری نے سالک کے طریق آداب پر بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سالک ہر حال میں حق تعالیٰ کے احکام کا اتباع کرتا ہو، بندوں کا حق بھی ادا کرتا ہو۔ اس کے لیے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے۔ کیوں کہ تنہائی اس کے لیے آفت ہے۔ جب کوئی درویش اس کے پاس آئے تو عزت کے ساتھ اس کا استقبال کرے۔ سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے۔ یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کے لیے ہو۔ اس کا کھانا اور پینا بیماریوں کے کھانے اور پینے کے مانند ہو اور جلال ہو۔ وہ دنیا دار کی دعوت قبول نہ کرے۔ چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے۔ رعونت اور تکبر اختیار نہ کرے۔ اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو۔ خاموش رہے کیوں کہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے۔ لیکن اس کی گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے۔ کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے۔ تجرد کی زندگی سنت کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ تجرد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے۔

آخر میں سماع پر بحث ہے۔ بھوری کے نزدیک سماع مباح ہے۔ مگر اس کے لیے حسب ذیل شرطیں ہیں۔ سالک سماع بلا ضرورت نہ سنے اور طویل وقفہ کے بعد سننے تاکہ اس کی تعظیم دل میں قائم رہے۔ محفل سماع میں مرشد موجود ہو۔ عوام شریک نہ ہوں۔ ذہل ناسق نہ ہوں۔ سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو۔ طبیعت لہو و لعب کی طرف مائل نہ ہو۔ اگر وجد کی کیفیت

طاری ہو جائے تو اس کو تکلف کے ساتھ نرو کے اور یہ کیفیت جاتی رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے۔ وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے اور کوئی مساعدت کرنے تو اس کو نرو کے۔ قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے۔ محفل سماع میں لڑکے نہ ہوں۔

سماع سے آپ فرماتے ہیں مرید کو سماع کے غلبہ میں اس قدر حال چاہیے کہ اس کا سماع گنہگاروں کو گناہ سے چھڑا دے۔ فرماتے ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے ایک درویش کو دیکھا جو آذربایجان کے پہاڑوں میں فکر میں ڈوبا ہوا یہ اشعار پڑھ رہا تھا (عربی کے اشعار نقل کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں) وہ درویش ان اشعار سے ایسا متاثر ہوا کہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ آخر میں آپ لکھتے ہیں کہ میں علی بن عثمان جلالی اس کو زیادہ دوست رکھتا ہوں کہ اپنے مریدوں کو سماع میں نہ پڑنے دوں تاکہ ان کی طبیعت پر لیشان نہ ہو کہ اس میں بڑے خطرات اور بڑی آفتیں ہیں۔

وقات آپ کے سن وفات میں اختلاف ہے بعض کتابوں ۶۶ھ اور بعض میں ۹۵ھ مرقوم ہے۔ مؤخر الذکر زیادہ قریب قیاس ہے۔

آستانہ عالیہ داتا گنج بخش کا مزار لاہور میں بھائی دروازہ کے باہر مغرب کی طرف میلارام کے کارخانے کے عقب میں واقع ہے۔ مزار کے گرد پہلے ایک وسیع قبرستان تھا جو رنجیت سنگھ کے عہد میں مسمار کر دیا گیا۔ صرف چند قبریں باقی ہیں۔ درگاہ کے بیرونی شرقی دروازہ پر یہ کتبہ نصب ہے :

چوں نباشد از غلامان رسول	مسجد نے بر آستان گنج بخش
خوابم سال بنائش ناگہاں	ہاتف از خاکستان گنج بخش
گردن از سجدہ بروں آورد و گفت	سجدہ گاہ زائران گنج بخش

اندرون داخل ہوں تو بائیں جانب مسجد کا دروازہ ہے جس پر علامہ اقبال کی موزوں کردہ یہ تاریخ نصب ہے :

سال بنائے خرم مومنان	خواہ ز جبریل و ز ہاتف مجر
چشم بہ المسجد الاقصیٰ منگن	الذی بائس کما ہم بگو

اگے بائیں طرف پہلا مزار چوہدری غلام رسول کا ہے جو مسجد کے بانی تھے۔ پھر مشرق کی طرف سید عمر شاہ کا مزار ہے۔ اس سے اگے دائیں طرف ایک حجرہ ہے جس کے متفعل دروازہ پر حجرہ اعتکاف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ لکھا ہے۔ داتا گنج بخش کا مزار سنگ مرمر کے چبوترے پر ہے۔ قبر پر ہمیشہ غلاف چڑھا رہتا ہے۔ چبوترے کے گرد ایک پنجرہ چوبی مہشت پہلو ہے جو رنجیت سنگھ کے فیل بان میاں عوض خان نے ۱۲۳۰ھ میں بنوایا تھا۔ داتا گنج بخش کے دو پیر بھائی جن کے نام شیخ احمد حامدی سرخشی اور شیخ ابو سعید بھوپری تھے۔ یہ دونوں حضرت کے ساتھ لاہور آئے تھے اور ان کی قبریں بھی حضرت کی قبر کے ساتھ ہی ہیں۔

۱۲۶۵ تا ۱۲۶۹ھ کے درمیان واقع ہوئی ردیکھتے مقدمہ از حکیم سر موسیٰ امرتسری مشکوٰۃ اردو اردو ترجمہ جو کشف المحجوب بموضع العارف۔ لاہور ۱۵۸۱ھ اس کارخانہ کے صدر دروازہ پر تحریر تھا پھر دیکھیے کہ ملک میں کیسی بہار ہو رہی اسے پھر ۱۹۰۱ھ نو فرات توایم سے دوبارہ ہو گیا اب اس کارخانہ کی جگہ تھوڑے دنوں پہلے ہے اور یہاں چھاپہ خانہ مول سٹورڈ اور کتب خانے بن گئے ہیں انجمن حزب الذمات لاہور کا مرکزی دفتر یہاں قائم ہے۔ مفتی اعظم پاکستان ابوالہرکات سلیمان احمد (۲۰ شوال ۱۳۶۸ھ بمطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۴۸ھ) کا مزار بھی اس جگہ پر واقع ہے۔

آپ کا مزار سب سے پہلے سلطان محمود غزنوی کے برادرزادہ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی نے بنوایا تھا۔ چبوترہ اور مزار کا تعویذ اسی کے زمانے کا ہے۔ درگاہ سے ملحق ایک بارونق بازار ہے جس میں ہر قسم کی دکانیں ہیں۔ ۱۹ اور ۲۰ صفر کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

داتا گنج بخش کے آپ کے چند قابل قدر اقوال و ارشادات یہ ہیں:

چند اقوال — علم اسی قدر سیکھنا فرض ہے جس سے عمل درست ہو۔ بے فائدہ علم سیکھنے کی حق تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے۔

— ایشاریہ ہے کہ تو اپنے ساتھی کا حق نگاہ میں رکھے اور اپنا حصہ اسی کو دے دے اور ساتھی کے آرام کے لیے خود تکلیف اٹھائے۔

— حج دو طرح پر ہوتا ہے ایک غیبت میں اور ایک حضور میں۔ جو مکہ میں ہوتا ہے وہ غیبت کا حق ہے اور جو مشاہدہ میں ہوتا ہے وہ حضور میں ہوتا ہے۔ حج کا مقصد گھر کا دیدار نہیں ہوتا بلکہ مشاہدہ حق ہوتا ہے۔

— جس طرح بدن کی پاکیزگی کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی اسی طرح دل کی پاکیزگی کے بغیر معرفت درست نہیں ہوتی۔

— جب وضو کے لیے ہاتھ دھوؤ تو دل کو دنیا کی دوستی سے دھو ڈالو۔

— الہام سے معرفت ممکن نہیں۔ اس میں بندے کا یقین کبھی زیادہ ہوتا ہے کبھی کم، لیکن اصل معرفت میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اس لیے معرفت کی زیادتی بھی نقصان کا باعث ہے۔

— خدا کی شناخت پر کسی کی تقلید نہ کرنی چاہیے بلکہ اُسے اُس کی کمال کی صفوں سے پہچاننا چاہیے۔

— نفس کی مثال شیطان کی سہمی ہے اور روح کی مثال فرشتہ کی سہمی۔

— علم معرفت کا طلب کرنا سب طالب علموں پر فرض ہے۔

— محبت خداوندی کے غلبہ کو سکر کہتے ہیں اور مراد کے حصول کو صحو کہا جاتا ہے۔

— حال وہ حقیقت ہے جو خدا کی طرف سے انسان کے دل میں آئے تکلف سے حاصل نہ ہو سکے اور کسب سے دفع نہ کی جاسکے۔

— حال خدا کی عطا ہے اور مقام مجاہدہ سے قائم ہوتا ہے۔

— جب تصوف خلق سے منہ پھیرتا ہوا تو یقیناً اس کے لیے کوئی رسم نہیں ہو سکتی۔

— رضا و طرح کی ہے۔ حق تعالیٰ کی رضا بندہ سے اور بندہ کی رضا حق تعالیٰ سے۔

— صوفی اسے کہتے ہیں جو اپنے معاملے اور اخلاق کو مذہب بنائے اور طبیعت کی آفتوں سے کنارہ اختیار کرے۔

۲۴ ستمبر ۱۹۷۷ء کو وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو نے داتا دربار کے سنہری دروازہ کی رسم افتتاح اور کی۔ دروازہ اصفہان اصفہان کے ایک فن کار نے اصفہان قالین کی طرز پر بنایا ہے۔ یہ چاندی کا دروازہ ہے اور اس پر سونے کا پان کیا گیا ہے یہ دروازہ دربار کے شاہی خا نصیب کیا گیا ہے۔

فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے۔ نہ دنیاوی مال و اسباب کے ملنے سے مالدار بنے اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج بنے، بلکہ نہ ہونے سے اور بھی خوشی ہو، کیونکہ فقیر جتنا تنگ دست ہوگا اتنا اس پر حال زیادہ کشادہ ہوگا اور اسرار منکشف ہوں گے۔ جتنا وہ دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوگا اسی قدر اس کی زندگی لطافِ مخفی اور اسرارِ روشن سے وابستہ ہوگی۔

جو کچھ فقیر پر گزرے اسے کسی پر ظاہر نہ کرے اور جس بات کا اس پر ظہور ہو جائے اُسے پوشیدہ نہ رکھے۔ اسرار کے غالب ہو جانے سے وہ اتنا مغلوب نہ ہو جائے کہ احکامِ شریعت بجا نہ لاسکے۔

فقیر کا کمالِ فقر یہ ہے کہ اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں دونوں جہاں بھی رکھ دیے جائیں تو ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوں اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔

خدا کے راستے کے سالکوں کا پہلا مقام توبہ ہے۔ اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے تو یہ اس کے لیے ایک نعمت ہے، مگر اس نعمت میں غفلت اسی طرح ہے جس طرح فقیر میں حرص۔

فقر غنا سے بہتر ہے، مگر جب طالبِ خدا کے سوا دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو پھر فقر اور غنا دونوں کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

سچا فقیر بن خواہ کافروں کی سبھی کلاہ پہن۔

نفس ایک باغی کتا ہے، کتے کے چرے کو جب تک دباغت اور رنگ نہ کیا جائے پاک نہیں ہوتا۔ انسان کے لیے سب چیزوں سے مشکلِ خدا کی پہچان ہے۔

غنا کا نام خاصِ خدا ہے تعالیٰ کے لائق ہے، لوگ اس نام کے مستحق نہیں ہو سکتے اور فقر کا نام لوگوں کے لئے ہے، خدا کے برتر کے لیے یہ روا نہیں ہو سکتا۔

بندہ کی رضایہ ہے کہ خدا کے فرمان پر قائم رہے اور اس کے حکموں سے سرتابی نہ کرے۔

عارف عالم ضرور ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ عالمِ عارف بھی ہو۔

تصوف ایک حقیقت ہے بے نام اور آج ایک نام ہے بے حقیقت۔

دنیا کے ساتھ ہی (آنکھیں) ہاتھ اور پاؤں) جو بظاہر دوست نظر آتے ہیں دراصل تمہارے دشمن ہیں۔

صوفی وہ ہے جس کی گفتار اور کردار ایک سے ہوں۔

استاد کا حق ہرگز ضائع نہ کر۔

بوڑھوں کو چاہیے کہ وہ جوانوں کا لحاظ رکھیں اس لیے کہ ان کے گناہ کم ہیں اور جوانوں کو چاہیے کہ وہ بوڑھوں کا ادب کریں

اس لیے کہ وہ جوانوں سے زیادہ عابد اور تجربہ کار ہیں۔

حضرت خواجہ مودود چشتیؒ

ولادت ————— ۵۲۴ھ =

وفات ————— (چشت) ۵۲۷ھ =

قطب القلاب ویشیائے اولیائے نامدار خواجہ قطب الدین مودود چشتی خانہ دان چشت کے اکابر میں سے تھے۔ آپ مادر زاد ولی اور علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ خواجہ ناصر الدین ابویوسف چشتی کے فرزند ارجمند تھے۔ شمع صوفیاں اور چراغ چشتیاں کے خطاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

فالم طفولیت ہی میں آپ سے خوارق و کرامات سرزد ہونے لگی تھیں۔ چنانچہ لوگ آپ کی بہت زیورہ تعظیم کرتے تھے۔ سات برس کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا اور دوسرے علوم کی تحصیل میں لگ گئے۔ تیس برس کے تھے جب والد ماجد دنیا سے رخصت ہوئے اور آپ ان کی جگہ مسند نشین ہوئے۔ والد بزرگوار سے جب بیعت ہوئے تو تیس برس تک گوشہ نشینی کی زندگی گزار لی اور لوگوں کی نظروں سے خجپ کر عبادت و ریاضت اور مجاہدے میں گھر رہتے تھے۔ جب والد بزرگوار نے فرزند ارجمند عطا کیا تھا تو فرمایا تھا میں تجھے کامل سمجھ کر یہ خرقة عطا کرتا ہوں۔ والد بزرگوار ہی کی نظر عنایت سے اسرار حق آپ پر منکشف ہوئے۔ تعلیم کے سلسلے میں بنجارا بھی تشریف لے گئے۔ جہاں شیخ المشائخ خواجہ نجم الدین عمر سے آپ نے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ بنجارا کے علماء کے ساتھ آپ اکثر مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ آپ نے اپنے علم ظاہری اور قوت باطنی سے ان سب علماء کو مطیع اور مسخر کر رکھا تھا اور ان میں سے کئی بڑے عالم آپ کے مرید تھے۔ آپ کے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک تھی، جو کوئی آپ کی صحبت اختیار کرتا تاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اور باطنی کمالات حاصل کر کے جاتا۔ غرض تمام بڑے بڑے مشائخ آپ کی بہت زیادہ عزت و تکریم کرتے اور آپ کے عقیدت کیش تھے۔ شیخ احمد النامقی الحجامی قدس سرہ العزیز سے بھی آپ نے فیض پایا تھا۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ الاسلام احمد جام جب علاقہ جام سے ہرات تشریف لائے تو

لے خواجہ ابویوسف چشتیؒ کے خواہر زادہ مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ نے ۵۹۴ھ میں وفات پائی۔ مزار پر انوار چشت میں ہے۔ بڑے پاپے کے ولی اللہ تھے۔ کرامات و کمالات باطنی سے الامال تھے۔ ہمیشہ فقر و فاقہ کی حالت میں رہتے۔ بارہ سال تک ریاضت و مجاہد کرتے رہے۔ دن رات میں کئی بار قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ بے حساب نذر و نیاز آئی مگر سب کچھ مساکین میں تقسیم کر دیتے۔

دور دور تک آپ کے کمالات کی شہرت پہنچی۔ شیخ نے ہرات سے موضع چشت کی طرف رخ کیا۔ لوگوں نے آپ کو بتایا کہ خواجہ مودود حشتی اپنے مریدوں کو جمع کر کے ساتھ لے کر آ رہے ہیں تاکہ آپ کو اس علاقے سے باہر نکال دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، یعنی خواجہ مودود اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ شیخ الاسلام کے پاس آ پہنچے۔ اور مریدوں نے ان سے بحث شروع کر دی۔ شیخ الاسلام نے بڑے تحمل سے فرمایا یہ ملک زمیرا ہے نہ مودود حشتی کا اور اگر ولایت سے مراد وہ ہے جو ہم جانتے ہیں اور اولیائے کرام جانتے ہیں تو کل معلوم ہو جائے گا۔

اس موقع پر آپ کی ایک کرامت کا ذکر آیا ہے جس کی برکت سے باوجود ندی کی طغیانی اور شدید بارش کے آپ اور آپ کے سب ہمراہی دریا پار کر گئے۔ خواجہ مودود حشتی کے مریدوں نے آپ کو یہ خبر پہنچا دی۔ وہ اپنے مریدوں کی ایک جماعت لے کر آئے مگر شیخ احمد جام کا سامنا ہوتے ہی گھوڑے سے اتر پڑے اور شیخ کی رکاب کو بوسہ دیا۔ آپ نے ذرا سا دسے کر اور سمجھا کر پھر گھوڑے پر سوار کیا اور سب مل کر ایک گاؤں میں اترے۔ خواجہ مودود کے مریدوں نے شیخ احمد کے ساتھ پھر گستاخی کرنا چاہی اور گو خواجہ صاحب نے منع کر دیا تھا مگر وہ نہ مانے، نتیجہ یہ ہوا کہ سب کو وہاں سے فرار ہونا پڑا اور خواجہ مودود آپ کے قدموں پر گر پڑے۔ اور معافی مانگی۔

اور عرض کیا آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں سے میں متفق نہ تھا۔ آپ نے فرمایا سچ کہتے ہو اور خطا معاف کی۔ فرمایا ان سب کو واپس کر دو صرف دو خدمت گار ہمراہ رکھو۔ آپ نے تعمیل ارشاد کی۔ پھر شیخ نے حکم دیا کہ مصلے کو طاق پر رکھو اور جا کر علم سیکھو، کیوں کہ زائد بے علم سحرہ شیطان ہوتا ہے۔ فرمایا میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد کیا ارشاد ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جب علم حاصل کر چکو تو اپنے خاندان کی روایات تازہ کرو اس لیے کہ تمہارے آباؤ اجداد بڑے بزرگ ہوتے ہیں۔ خواجہ نے عرض کیا کہ آپ تبرک کے طور پر ان بزرگوں کی جگہ بٹھا دیجیے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا تم آگے آؤ۔ وہ آگے آئے تو آپ نے ہاتھ پکڑ کر اپنی مسند کے ایک کنارے بٹھا دیا اور تین دفعہ ارشاد فرمایا بشرط علم۔ اس کے بعد خواجہ مودود حشتی تین روز شیخ الاسلام کی خدمت میں رہے اور طرح طرح کی نوازشیں حاصل کیں۔ پھر واپس ہوئے اور بلخ و بخارا کی جانب قصد فرما کر چار سال کی مدت میں بڑی سعی و کوشش سے علم حاصل کیا، اس کے بعد موضع چشت کی طرف واپس ہو کر مریدوں کی تربیت میں مشغول ہوئے اور آپ کی کرامات و خوارق کا شہرہ دور دور تک پہنچا۔

خواجہ مودود کا ہر قول اور فعل شریعت کے عین مطابق ہوتا تھا۔ جو کچھ زبان مبارک سے فرماتے سب لوگ دل و جان سے قبول کرتے۔ ریاضت و عبادت کا یہ حال تھا کہ تیس سال تک شب خواہی اختیار نہ کی۔

خلیفہ محمد سعید اپنی کتاب تذکرہ میں لکھتے ہیں، جب وفات کا وقت قریب پہنچا آپ بار بار دروازہ کی طرف دیکھتے

تھے جیسے کوئی کسی کا انتظار کرتا ہو۔ ناگاہ ایک شخص پاکیزہ نورانی لباس پہنے دروازہ سے آیا اور آپ کو سلام کرنے رو برو کھڑا ہو گیا۔ اور بغل سے ایک پارہ حریر جس پر کچھ تحریر تھا، نکال کر دست مبارک میں دیا۔ آپ نے اس کو دیکھ کر آنکھوں سے لگایا اور جان بحق تسلیم ہوئے۔

اس قیامت خیز واقعہ سے پہلے گئی اور شور عظیم برپا ہو گیا۔ اس قدر آدمی جمع ہوئے کہ جس کا حد و حساب نہیں۔ جب نماز کے لیے جنازہ باہر آیا اور لوگوں نے نماز ادا کرنا چاہی، ایک ایسی ہیبت ناک آواز آئی کہ لوگ خوف کے مارے غمگین ہو گئے۔ جب جنازہ اٹھانا چاہا تو پھر ایک ہیبت ناک آواز آئی کہ لوگ ہٹ گئے اور جنازہ خود بخود بلند ہو کر روانہ ہوا اور تمام لوگ پیچھے پیچھے چلے۔ آخر اسی مقام پر اگر ٹھہرا جہاں آپ نے مرقد مقدس تجویز کیا تھا۔ اور اسی جگہ مدفون ہو کر زیارت گاہ خلعتی ہوئے۔

آپ کی وفات ستانوے برس کی عمر میں رجب ۵۲۷ھ میں ہوئی۔ مزار پر انوارِ چشت میں ہے۔

حضرت سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم

ولادت _____ گیلان (ایران) ۴۶۰ھ

وفات _____ بغداد ۵۶۱ھ

ولادت باسعادت | قصہ گیلان واقع ملک ایران میں محبوب سبحانی غوث صمدانی حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۰ھ میں تولد ہوئے۔ حضور کی ولادت کے وقت والدہ ماجدہ کا سن مبارک ساٹھ برس کا تھا اور یہ پہلی کرامت اس ذات عالی کی قدرت نے اسباب پرستوں اور عقل کے گرفتاروں کو دکھائی تھی کہ جس عمر کو اولاد سے مایوس ہونے والا کہا جاتا ہے خدا تعالیٰ اس میں بھی ایک ایسے دل و دماغ کا بچہ پیدا کر سکتا ہے جو دنیا بھر کے بچوں میں ممتاز ہو اور اس کی ذہنی اور دماغی قوت پر والدہ کی کمزوری کا مطلق اثر نہ پڑے۔

تمام تذکروں اور کتابوں کا اس معاملہ میں اتفاق ہے کہ حضور غوث پاکؒ کی والدہ کی عمر اس صاحبزادے کی تولید کے وقت ساٹھ برس کی تھی اور اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہے تو اب سوائے کرشمہ قدرت کے اس واقعہ عجیب کو اور کس نام سے یاد کیا جاسکتا ہے۔

مرد اگر زیادہ سن کا ہو تو اولاد کا ہونا محل تعجب نہیں، مگر عورت طبی محققین کے خیال میں ساٹھ برس کی ہو جائے تو اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی، مگر خدا تعالیٰ نے اس مولود مسعود کی مثال سے دکھا دیا کہ ظنی اور قیاسی علوم کی بنا پر حقیقی قدروں سے انکار کرنا بڑی نادانی ہے۔

اطباء کا یہ خیال بھی ہے کہ جب والدین کمزور ہوں یا ان میں ایک ناتوان اور ضعیف القوی ہو تو بچہ لازمی طور سے کمزور و ناتوان پیدا ہوا کرتا ہے، جسمانی حالت تندرست ظاہر سے درست ہو جائے مگر اس بچے کی دماغی اور ذہنی قوت ویسی مضبوط نہیں ہو سکتی جیسی نوجوان تندرست والدین کے بچوں کی ہوا کرتی ہے۔

حضور غوث پاکؒ کی مثال سے ان ظاہر پرستوں کی بھی علانیہ تردید ہوتی ہے۔ وہ اگرچہ بہ اعتبار جسم ذرا نحیف تھے، لیکن ان کی ذہنی و دماغی و علمی و احساسی قوتیں اس قدر زبردست تھیں کہ اس کی نظیر باوجود علم و عقل کے عام چرچوں کے اور باوجود اس کے کہ اس زمانہ میں بڑے بڑے نامور ذہین و طباع عالم موجود تھے ایک میں بھی نہ پائی گئی، نہ امراد میں نہ علماء میں نہ حکماء میں مشائخ میں احترام ماہ صیام | تمام کتابوں کا بالاتفاق بیان ہے کہ حضور غوث پاکؒ کی شیرخوارگی کے زمانہ میں رمضان شریف آیا تو آپ نے دن کے وقت دودھ پینا چھوڑ دیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ سے روایت ہے کہ میں نے کئی بار کوشش کی مگر انھوں نے دن کو دودھ

نہ پیا۔ یہاں تک کہ اس رمضان میں چاند کا اختلاف پڑا۔ بعض کہتے تھے عید کا چاند ہو گیا، بعض کہتے تھے نہیں ہوا تو میں نے شہادت دی کہ میرے بچے نے آج بھی دن کو دودھ نہیں پیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کل چاند نہیں ہوا، کیوں کہ اس بچے نے بسبب رحمت صیام دن کو دودھ پینا ترک کر رکھا تھا اور میں اول دن سے برابر اس کو دیکھ رہی ہوں۔

ممکن ہے کہ اس روایت پر ظاہر کی عقل والے کچھ تامل کریں اور کہیں کہ ہر مشہور و مقبول شخص کی نسبت خوش ہتھیار لگ ایسی ہی روایتیں بنالیا کرتے ہیں۔

لیکن یہ واقعہ کچھ زیادہ خلاف عقل نہیں ہے۔ اعصاب کی جس کا جن فلاسفروں کو علم ہے وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ جو انسان اپنے اندر خیر محمولی قوت احساس اعصاب کی لاتا ہے وہ عالم طفلی سے ایسا احساس ہوتا ہے کہ اس میں اور بڑی عمر کے آدمیوں میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا۔

پس یہ دلیل ہے حضور غوث پاکؑ کے اعصابی جس کے زیادہ قوی ہونے کی قدرت نے ان کے اعصاب میں ابتداء سے ایک ایسا ادراک و احساس پیدا کیا تھا کہ ماں کی گود میں انھوں نے محسوس کر لیا کہ میں جس گھر اور جس قوم میں پیدا ہوا ہوں وہ آج کل دن کو کھاتی پیتی نہیں۔ اس لیے مجھ کو بھی غذا ترک کر دینی چاہیے۔

رَأَى يَا مَبَارَكُ | تحفہ قادریہ اور اخبار الانبیاء میں حضرت سید عبدالرزاقؒ سے روایت ہے، جو حضور غوث پاکؑ کے فرزند تھے، کہ خود حضور نے فرمایا: جب ہم بچے تھے تو بچوں کے ساتھ کھیلنے کا ارادہ کرتے اس وقت ایک آواز آئی: رَأَى يَا مَبَارَكُ۔ میری طرف آواز سے مبارک۔ ہم یہ آواز سن کر ڈر جاتے اور بھاگ کر والدہ صاحبہ کی گود میں آن بیٹھتے، کیوں کہ آواز دینے والا کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ اب بھی وہ آواز آیا کرتی ہے۔ گلاب وقت خاص اور خلوت کی حالت میں آتی ہے۔

دنیا میں جو بچہ پیدا ہونے والا ہوتا ہے اس کے عہد طفلی میں اسی قسم کے حالات پیش آیا کرتے ہیں۔ چکنے چکنے پات | حضور غوث پاکؑ کی ابتدا میں یہ صدا بازی طفلان سے روکنے والی تھی اور انتہا میں باعث تقرب ذات الہی خدا کے دوسرے محبوب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی طفلی میں بھی اسی کے قریب ایک واقعہ مذکور ہے کہ ان کے والد ماجد حضرت خواجہ سید احمدؒ کا انتقال ہو گیا تھا اور یہ پانچ برس کے یتیم بیوہ والدہ کے ساتھ رہتے تھے۔ گھر میں بسراوقات کے لیے کچھ اثاثہ نہ تھا۔ والدہ: بہن! خود اور ایک لونڈی بچا رکھانے والے تھے۔ والدہ سوت کات کر فروخت کرتیں تو گزارہ ہوتا تھا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ سوت فروخت نہ ہوتا یا اس کی آمدنی کفایت نہ کرتی تو قاقہ پیش آتا، جس دن قاقہ ہوتا والدہ صاحبہ فرماتیں: بابا نظام آج خدا کے ہمان ہیں۔ اس فقرہ کو سن کر یہ معصوم بچہ بہت خوش ہوتا اور بھوک کی شکایت اس کی زبان پر نہ آتی بلکہ آرزو مند رہتا کہ پھر قاقہ پیش آئے تاکہ اماں سے خدا کی ہمائی کا لفظ سنوں۔ چنانچہ انھوں نے خود فرمایا ہے کہ جب کئی دن برابر روتی ملتی رہتی تو دل میں ارمان ہوتا تھا کہ قاقہ ہو اور اماں خدا کی ہمائی کا ذکر کریں۔

بچپن میں تو خدا کی ہمائی کا لفظ باعث تسکین تھا، لیکن یہ بنیاد ایسی پڑی تھی کہ بڑے ہوئے تو حقیقی ذوق ہمائی خدا

کا حاصل کرنے لگے۔

حضور غوث پاکؒ کے اس واقعہ میں نصیحت ہے غلامان سلسلہ غوثیہ کے لیے کہ وہ بھی اپنے بچوں کو کھیل کود کے وقت خدا کا نام یاد دلا یا کریں۔ ان کی شان تو یہی تھی کہ خدا تعالیٰ کی اواز غیب ان کو پکارتی تھی۔ ہماری حالت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی مادی زبانوں سے اس ارشاد کی پیروی میں بچوں کو رغبت الی اللہ دلا یا کریں تاکہ بڑے ہو کر وہ سچے خدا پرست اور راغب الی الحق ثابت ہوں۔

پہلی کرامت | حضور غوث پاکؒ اٹھارہ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کی اجازت سے بغرض تکمیل تعلیم بغداد شریف لے جانے لگے تو والدہ ماجدہ نے چالیس اشرفیاں ان کی صدیوں استرابی کے اندر چھپا کر ہی دیں اور ان کو سچ بولنے کی نصیحت کر کے رخصت کر دیا۔ راستہ میں ڈاکہ پڑا، سارا قافلہ لٹ گیا۔ ایک ڈاکو نے ان سے پوچھا کہ تیرے پاس بھی کچھ ہے۔ آپ نے فرمایا چالیس اشرفیاں ہیں جو صدری کے اندر سلی ہوئی ہیں۔ اس ڈاکو کو بہت تعجب ہوا کہ اس لڑکے نے مال کا اقرار کیوں کر لیا۔ چوروں سے ہر شخص دولت کو چھپایا کرتا ہے۔ وہ ڈاکو حضور کو اپنے سردار کے پاس لے گیا۔ آپ نے سردار کے پوچھنے پر بھی اشرفیوں کا حال سچ سچ بیان کر دیا۔ سردار حیران ہو کر بولا، تم نے ہم لٹیروں کا خوف نہ کیا۔ تم دیکھتے نہیں کہ ہم قزاق ہیں اور جرمال ملتا ہے لٹ لیتے ہیں۔ پھر تم نے ان اشرفیوں کا بھید مخفی کیوں نہ رکھا۔

حضور نے فرمایا والدہ نے چلتے وقت سچ بولنے کی نصیحت فرمائی تھی، میں مخفی کیسے رکھتا۔ یہ سنتے ہی ڈاکوئل کا افسر رونے لگا۔ اور اس نے کہا کہ یہ لڑکا اپنی والدہ کے حکم پر اتنا چلتا ہے اور میں خدا کے حکم سے غافل ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے حضور کے ہاتھ پر توبہ کی اور لٹ کا سب مال قافلہ کو واپس کر دیا۔ اس کے ہمراہی بھی سب کے سب تائب ہو گئے۔ یہ پہلی توبہ تھی جو حضور کے ہاتھ پر ہوئی اس ضمن میں آنحضرتؐ کا ایک واقعہ ذکر ہے حدیث شریف میں آیا کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے، صحابہؓ نے وضو کا مستعمل پانی لے کر اپنے بدن پر ملنا شروع کیا۔ حضور نے یہ حالت دیکھ کر پوچھا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ عرض کیا گیا اللہ کے رسول کی محبت حاصل کرنے کے لیے۔ اس پر ارشاد ہوا:

تم میں سے جس شخص کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا، رسول سے محبت کرے یا خدا، رسول اس سے محبت کریں تو

چاہیے کہ سچ بولا کرے، امانت داری شیوہ بنائے اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے تبرک کو زیادہ اہمیت نہ دی اور صداقت، امانت اور پڑوسی کی خدمت کے اعمال کو اس سے مقدم فرمایا۔ پس جو لوگ بزرگوں کے تبرکات حاصل کرنے کا زیادہ شوق رکھتے ہیں مگر نہ سچ بولتے ہیں اور نہ خیانت سے ان کو احتیاط ہوتی ہے نہ پڑوس کا حق ملحوظ رکھتے ہیں۔ ان کی حالت کس قدر قابل افسوس و تالان صلاح

عبادات و مجاہدات | حضور اقدسؐ میں ابتدا میں تعلیم کی تکمیل فرما چکے تو عبادات و مجاہدات شروع کیے اور ان میں بھی ایسی محنت کی کہ اپنے جدِ امجد حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلیدِ بیاضت ہائے شاقہ کا حق ادا کر دیا۔

خود ارشاد فرماتے ہیں کہ میں عراق کے جنگلوں میں ۲۵ برس تک اکیلا پھرتا رہا۔ رات دن یادِ حق کے سوا کچھ کام نہ تھا۔ سال عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ بے شمار راتیں آنکھوں میں گزر گئیں اور میں نے پلک سے پلک نہ جھپکنے دی۔ نیند کا غلبہ ہوتا تو ایک پاؤں پر کھڑا ہو جاتا اور نفلوں میں پورا قرآن شریف ختم کر دیتا۔ اور یہ تو برسوں ہوا ہے کہ میں نے رات کی نماز میں کھڑے کھڑے قرآن ختم کیا۔ ایک دفعہ نیند نے بہت ستایا۔ دل نے کہا تھوڑی دیر آرام کر لو پھر تازہ دم ہو کر عبادت کرنا، مگر میں نے ذرا پروا نہ کی اور ایک لمحہ کے لیے بھی نہ سویا۔

حضرت علی اکرم اللہ وجہہ کا ارتداد ہے کہ جو شخص سر بلندی چاہتا ہے اس کو لازم ہے کہ راتوں کو جاگے۔ آج کل کے زمانہ والے کہتے ہیں کہ خوب سوؤ تا کہ تم کو سر بلندی حاصل ہو۔ نتیجہ سب دیکھ رہے ہیں کہ نہ دین میں کسی کو اعلیٰ مراتب نصیب ہوتے ہیں نہ دنیا میں۔

ہمت اور حوصلہ | حضور غوثِ پاکؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے رفتہ رفتہ مجاہدہ کی عادت ڈالی تھی۔ پہلے ایک سال تو میں مدائن کے کھنڈرات میں مقیم رہا۔ وہاں میری معاش یہ تھی کہ جنگل میں جو مباح پھل مل جاتا اس کو کھا لیتا۔ اور رات دن عبادت کرتا رہتا۔ ایک دفعہ سردی کا موسم تھا، سردی ایسی سخت تھی کہ میں برداشت نہ کر سکا اور مجبوراً کسریٰ کے ویران محل کے اندر چلا گیا تاکہ سردی سے جسم محفوظ ہو جائے اسی حالت میں مجھ کو غسل کی ضرورت ہوئی تو باہر نکلا اور شط العرب (دریا) میں نہایا۔ اتفاق کی بات اسی رات متعدد مرتبہ یہی حالت پیش آئی کہ جہاں ذرا اکٹھ لگی اور نہانا فوری ہو گیا مگر میں نے ایک مرتبہ بھی کابلی نہ کی اور ہر دفعہ بیدار ہو کر غسل کر لیا، آخر پھر میں نے سونے کا خیال ہی چھوڑ دیا اور نیند سے بچنے کے لیے محل کی چھت پر چڑھ کر نماز شروع کر دی۔ گو سردی کے سبب یہ بات اس وقت بہت ہی دشوار معلوم ہوتی تھی۔

صرف خدا کا خیال | حضور فرماتے ہیں کہ میں کئی سال گریخ کے ویران میدانوں میں رہا۔ وہاں میری خوراک صحرائی کچھڑ تھی اور لباس صوف کا ایک جیبہ تھا جو کوئی نیک خیال شخص مجھ کو لا کر اڑھا دیتا تھا۔ میں ننگے پاؤں کاتھوں کے جنگل میں پھرتا تھا۔ میرے تلے پھلتی ہو گئے تھے۔ وہ میری انگلیوں اور ولولوں کا وقت تھا، جو شباب کا زمانہ مشہور ہے اور جس میں بہت سے لوگ خواہشاتِ نفسانی سے مغلوب ہو جاتے ہیں، مگر میں اپنی ہر خواہش پر غالب تھا۔ میرے دل میں نہ اچھا کھانے کی آرزو ہوتی تھی نہ اچھا پینے کی، نہ اچھے مکانوں میں رہنے کی، نہ دنیا کے عیش و آرام کی، نہ عزت و جاہ کی۔ میرے جسم کا ہر جزو ایک ہی رُخ مصروف تھا۔ میرے وجود کی ہر خواہش ایک ہی سمت متوجہ تھی۔ میرے تصور اور خیال میں سوائے ایک چیز کے کسی دوسری شے کا گزرنہ ہوتا تھا اور وہ "خدا تھا" اور اس کی جانب چلنے کا سلوک تھا اور اس کی یاد سے کیف و ذوق سیرانے کی طلب تھی جو مجھے ملا۔

لے یہ واقعات تحفہ تاجیہ مولفہ حضرت شاہ ابوالدعائی لاہوری، اخبار الانوار مولفہ حضرت شاہ عبدالرحمن محدث دہلی اور ہجرت الاسرار مصنفہ حضرت شیخ علی شطنوی سے ماخوذ ہیں۔

حضرت شیخ ابو محمد عبداللہ بن ابوالفتح نہروی روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت غوث پاکؒ کی خدمت میں چالیس سال رہا۔ حضور رات کے اول حصہ میں نمازیں پڑھتے، درمیانی حصہ میں ذکر کرتے۔ تیسرے حصے میں ایک قدم پر کھڑے ہو کر تلاوت قرآن فرماتے اور پھر ایک طویل سجدے میں چہرہ مبارک زمین پر ملنے رہتے اور عجز و زاری سے دعائیں مانگتے۔ صبح جب ان کا رخ متور دیکھا جاتا تو اس پر ایسا نور ہوتا تھا کہ نگاہ اس پر ٹھہرتی نہ تھی۔

زیارت رسول | عبادت و ریاضت اور مجاہدات کی مشقتوں اور صحرا نوردی کی خلوتوں میں بہت عرصہ گزر گیا تو ۱۶ سوال منگل کے دن ۱۱۵۲ھ کو حضور غوث پاکؒ نے حضور سرور دو جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں: لَمَّا لَا تَتَكَلَّمُ؟ تم بات کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا۔ واداجان! میں عجم کا رہنے والا ہوں۔ عرب کے فصحاء کے سامنے کیوں کر زبان کھول سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا منہ کھول۔ میں نے کھول دیا۔ آپ نے سات مرتبہ یہ آیت پڑھ کر میرے حلق میں دم فرمائی اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ اِبلا پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت سے اسی دن ظہر کی نماز کے بعد میں منبر پر گیا اور چند کلمات و عظ کے کہے جن کو سن کر سامعین مجدد حال میں آگئے، پھر تو یہ عالم ہو گیا کہ سارے بغداد میں میرے وعظ کی دھوم مچی ہوئی تھی۔

پر تاثیر وعظ | حضرت ابو عبداللہ عبد الوہابؒ حضور غوث پاکؒ کے صاحبزادے راوی ہیں کہ حضور ہفتے میں تین بار تقریر عام فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ اور ہفتہ یا منگل کو اپنے مدرسہ میں۔ اور ایک دفعہ اتوار کو رباط میں۔ ان کی مجلس وعظ میں علماء و فقہاء و مشائخ کا بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ چالیس برس تک آپ نے دین کی علمی روحانی خدمت انجام دی۔ چار سو ملفوظ نو لیس مجلس میں حاضر رہتے تھے جو حضور کا وعظ تلمبند کرتے جاتے تھے۔ شائقین کا اس قدر اثر و حام ہوتا تھا کہ مجلس میں تل رکھنے کی جگہ نہ رہتی تھی۔ آخر مجبور ہو کر خلقت حضور کی کرسی مبارک کو شہر کے باہر میدان میں لے جاتی اور پھر مشتاقوں کا وہ تاننا لگتا کہ سیاریوں اور پیدل راستہ چلنے والوں سے سڑکیں بھر جاتیں۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ بعض اوقات ستر ہزار آدمی تک مجلس حضور میں جمع ہو جاتے۔ سننے والوں پر تقریر کا ایسا اثر ہوتا تھا کہ سیکڑوں آدمی بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے۔ سیکڑوں یہودی و عیسائی مسلمان ہو جاتے تھے۔ چنانچہ صرف مجالس وعظ میں پانچ سو یہودیوں و نصرانیوں کے اسلام قبول کرنے کی روایتیں متعدد کتب میں موجود ہیں اور ایک لاکھ ناسقوں کے توبہ کرنے اور پابند دین ہو جانے کا بیان بھی پایا جاتا ہے یہ

شیخ شریف حضرت ابو عبداللہ محمد بن ابوالغنائم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ۵۵۵ھ ہجری میں حاضر خدمت ہوئے تو دس ہزار اشخاص کا ہجوم آپ کا کلام سن رہا تھا۔ حضور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہارے واعظوں کی طرح نہیں ہوں میں خدا تعالیٰ کے حکم سے بات کہتا ہوں اور باطن کی قوتیں میرے کلام کے ساتھ ہوتی ہیں۔

شخصیت کا اثر | ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے حضرت ابو عبداللہ عبد الوہابؒ سیاحت ممالک اور حصول علوم و فنون

کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو منبر سرکار پر وعظ کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ صاحبزادے صاحب کا بیان ہے کہ میں نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے اور کوئی دقیقہ موثر طرز نصائح کا باقی نہ رکھا خود سرکار باطن مدار بھی بزم میں جلوہ فرماتے مگر میں دیکھتا تھا کہ حاضرین پر میری تقریر کا فدا اثر نہ ہوا بلکہ اہل مجلس کے غل اور شور اور بے توجہی سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ میرے بیان پر کچھ بھی متوجہ نہیں ہیں۔ محفل کا یہ رنگ دیکھ کر میں منبر سے اتر آیا تو سرکار اقدس منبر پر تشریف لے گئے اور آپ نے یہ جملے فرمائے:

کل میں روزہ سے تھا، اُم بچی نے کچھ انڈے بھون کر ایک کورے سکورے میں طاق پر رکھ دیے تھے۔ ایک بی نے اس سکورے کو طاق سے نیچے پھینک دیا۔ سکورا ٹوٹ گیا اور انڈے خاک میں مل گئے۔
حضور اتنی ہی تقریر کرنے پائے تھے کہ مجلس میں ہر طرف سے ہوجی کے نعرے بلند ہونے لگے اور ان کی آن میں محفل گر جائے۔

خلوت میں حضور نے ارشاد فرمایا میاں تم کو معلوم بھی ہے کہ تمہارے عالمانہ و عاقلانہ وعظ کا اثر کیوں نہ ہوا، اور میرے معمولی الفاظ نے یہ ہنگامہ کس وجہ سے پیدا کر دیا۔ سزاؤ کو اپنے سفر ظاہر پر ناز ہے۔ مگر تم نے عالم باطن کا سفر نہیں کیا، میں جب کلام کرتا ہوں، خدا تعالیٰ کی یہ تجلیاں اثر لے کر نمودار ہو جاتی ہیں۔ کہیں کہ میری نظر حقیقت پر رہتی ہے۔ میں خودی گم کر کے کلام کرتا ہوں اور تم خودی میں قائم ہو کر دلتے ہو۔

بیشک حضور نے سچ فرمایا۔ ظاہر میں انڈے، خاکی سکورے اور تہی کا بیان تھا ظرف گلی اور انڈے کی شکست و خرابی کا ذکر تھا مگر حقیقت میں وجود اور نفس و شیطان کے اشارات تھے۔ سمجھنے والے سمجھ گئے اور اثر ڈالنے والے نے اپنا کام دکھا دیا۔

(۱)

طرز بیان کے چند نمونے! ایک مرتبہ تقریر فرمائی جس کا خلاصہ ترجمہ لفظی میں یہ ہے:

اے طلب گار تو بر کر بر اسم خدا۔ معافی مانگ بر اسم خدا۔ اخلاص حاصل کر بر اسم خدا۔ ایک ہفتہ میں خدا تک جا نہیں ہو سکتا تو ایک ماہ میں جا یہ بھی نہ ہو سکے تو ساری عمر میں ایک دفعہ تو اس تک جا اور لے، کہ اسی کے پاس کچھ ہے۔

(۲)

ریزنا سوتی و ملکوتی کے طور پر ایک بار ارشاد ہوا:

میں کہ میری تلوار مشہور ہے۔ میری کمان کھنچی ہوئی ہے۔ میرا تیر سینہ شگاف ہے، میرا نیزہ نشانہ باز ہے۔ میں محفوظ ہوں میں ہی محفوظ ہوں۔ روزہ دارو، آؤ۔ شب بیدارو، آؤ۔ پہاڑوں کے عبادت گزارو، آؤ۔ اور خانقاہ نشینو، آؤ۔ خدا کام کے لیے میرے پاس آؤ کہ میں اسی کے امر سے تم کو بلاتا ہوں۔

میرے فیض کا دریا بے کنار ہے۔ عزت رب کی قسم! چھ برس میرے سامنے ہیں۔ میری نگاہیں لوں محفوظ

پر ہیں، میں دریا سے علم و مشاہدہ الہی کا تیراک ہوں۔ میں خدا تعالیٰ کی حجت ہوں۔ میں نائب وارث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔

(۳)

وصال کے وقت فرماتے تھے، مجھ میں تم میں کیا نسبت۔ وہی جو زمین آسمان میں ہے۔ امور خلق سے اونچا ہوں۔ عقول انسانی سے بالا ہوں۔ میں وہ ہوں جن کو قرآن و اعلم مالا تعلمون فرماتا ہے، مجھ ہی کو حکم دیا جاتا تھا کہ عبدالقادر بول وہ سنایا جائے گا۔ کھا اور پی اور کہہ میں وہی کتابوں جس کا حکم خدا نے دیا ہے۔ مجھے خدا تمہارے ظاہر و باطن کو دکھاتا ہے۔ میں تم کو شیشوں کی طرح اندر باہر سے دیکھتا ہوں۔

مفتی کی حیثیت سے | شروع میں اشارہ بتایا گیا تھا کہ مجاہدات سے پہلے آپ نے بغداد میں اقامت فرما کر تمام علوم ظاہری کی تحصیل فرمائی تھی اور جب مجاہدوں سے فراغت ہوئی تو تلقین باطن کے ساتھ وعظ و نصیحت اور درس و تدریس وقتائے کے ذریعہ بھی خدمت خلق ادا کی جاتی تھی۔

آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالواہب سے روایت ہے کہ حضور نے ۵۲۸ ہجری سے لے کر ۵۶۱ ہجری تک یعنی ۳۳ برس علم ظاہر کے درس اور فتویٰ دہی کا شغل جاری رکھا۔ مدرسہ میں تفسیر و حدیث اول وقت قرآن شریف بعد ظہر اور فقہ و اصول اور نحو وغیرہ دن کے باقی حصوں میں پڑھاتے تھے۔

مسائل پر اتنا عبور تھا کہ فتویٰ لکھتے وقت کتاب نہ دیکھتے نہ کچھ سوچتے، قلم برداشتہ جواب لکھ لیتے اور تمام عراق کے علماء میں اس جواب کو درست اور صحیح مانا جاتا۔ آپ حضرت امام شافعی اور حضرت امام حنبلی کے موافق فتوے کا جواب تحریر فرماتے۔

حکیم مبارک لباس | شیخ ابو سعید اور شیخ ابو محمد عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور غوث پاک کا جسم شریف دہلا قدر میاں، اور رنگ گندم گوں، سینہ چوڑا، ڈاڑھی لمبی اور گنجان ابرو باہم ملے ہوئے اور آواز بھاری تھی۔

وضع قطع! جس وقت کلام فرماتے تھے۔ مجلس گونج جاتی تھی۔ آواز میں ایک قدر ترقی رعب ایسا تھا کہ جہاں آپ نے گفتگو شروع کی یا مجمع عام میں کچھ ارشاد فرمایا تمام سنے والے اور مخاطب دم بخود ہو کر متوجہ ہو جاتے تھے، کسی کی مجال نہ تھی جو کلام حضور سے غیر ملتفت ہو۔ یہی حالت آنکھوں کی تھی کہ جس شخص کو یا جس ہجوم کو ایک بار نظر اٹھا کر دیکھ لیتے وہ مطیع و غلام بن جاتا۔

طبیعت نفاست پسند اور مزاج از حد لطیف تھا۔ صفائی، ستھرائی بہت مرغوب تھی۔ لباس بھی اعلیٰ درجہ کا شاندار استعمال فرماتے تھے، مگر خلاف شریعت نہیں کیوں کہ تمام کتابوں کا اتفاق ہے کہ آپ کا لباس شریف عالمانہ ہوتا تھا۔ یعنی اس وقت کے علماء جو لباس پہنتے تھے وہی وضع آپ کے لباس کی تھی، فرق صرف اتنا تھا کہ بیش قیمت سے بیش قیمت کپڑا جس میں کوئی نا جائز چیز شامل نہ ہو، آپ کے لیے خریدنا جاتا تھا، چنانچہ بغداد کے ایک مشہور بزاز شیخ ابوالفضل احمد بن تاسم قرشی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور غوث پاک کا خادم میرے پاس آیا اور اس نے کہا مجھے ایک ایسا بڑھیا کپڑا درکار ہے جس کے ایک گز کی قیمت ایک اشرفی ہو۔ نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔ میں نے پوچھا ایسا قیمتی کپڑا کس کے واسطے درکار ہے۔ خادم نے حضور کا نام لیا۔

اُس وقت میرے دل میں خطرہ گزرا کہ جب فقراء ایسا قیمتی لباس زیب تن کریں گے تو بادشاہ وقت یعنی خلیفہ کون سا کپڑا پہنے گا۔ انہوں نے تو بادشاہ کے لیے کوئی کپڑا باقی ہی نہیں چھوڑا۔

کپڑا دینے کے بعد میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو چونکہ آپ نے میرے خطرہ کو مکاشفہ سے معلوم کر لیا تھا۔ فرمانے لگے اے ابوالفضل مجھے اپنے معبود کی عزت کی قسم جب تک میرا معبود خود حکم نہیں دیتا میں کوئی قیمتی کپڑا نہیں پہنتا۔ اس لباس کے متعلق بھی جس کا کپڑا تجھ سے منگایا تھا، مجھ کو یہ حکم ملا تھا محقق علیک البس قمیصا ذملا عبدینار، تجھے میرے حق کی قسم ایک کرتا ایسے کپڑے کا پہن جس کی ایک گز کی قیمت ایک اشرفی ہو۔

اے ابوالفضل! یہ لباس نہیں ہے بلکہ میت کا کفن ہے۔ درویش (عالم سلوک میں) جب ہزار بار مر چکتا ہے تو اس کو ایک کفن عطا ہوتا ہے

مارا کہ مردیم در غمش صد بار
جامہ ماہمنہ کفن باشد
در لباسم چہ سے کنی انکار
کفن است و کفن حسن باشد

داود ویش | حضور کی خدمت میں ہدیے، تحفے اور نذرین اس کثرت سے آتی تھیں جس کا شمار نہیں ہو سکتا، مگر آپ خود ہاتھ نہ لگاتے، خلقت آپ ہی مسئلے کے نیچے رکھ دیتی۔ آپ خادم کو ارشاد کرتے کہ لے جاؤ اور اس رقم کو نانبائی اور سبزی فروش کے حوالے کر دو۔

بادشاہوں اور دنیا کے حکام کی وقعت بحیثیت دنیا آپ کی نگاہ میں مطلق نہ تھی جو لوگ اس کی عزت اور اس کے انعام و اکرام کے مقابلہ میں دنیا کے بادشاہوں کی عزت اور انعام کو زیادہ سمجھتے ہیں ان کی نصیحت و ہدایت کے لیے آپ کا طرز عمل یہ تھا کہ خلیفہ وقت کے ہاں سے آپ کے لیے خلعت اعزاز آتا تو آپ حکم دیتے کہ یہ ابوالفتح نان بانی کو روٹی کی قیمت کے عوض دے دو۔

اس میں ایک بڑا گہرا اشارہ تھا کہ انسان کو روٹی کی فکر کے سوا دنیاوی عزت کا خیال خام دل میں نہ رکھنا چاہیے۔ بڑا خلعت یہ ہے کہ پیٹ بھر جائے اور بندہ اپنے خدا کی عبادت اطمینان قلب سے کر سکے۔ چار روٹیاں آپ کے لیے پکاٹی جاتی تھیں۔ تیسرے پہر سامنے آتیں تو آپ ایک ایک ٹکڑا توڑ کر پہلے تمام حاضرین کو تقسیم فرما دیتے اور جو کچھ بچتا وہ خود تناول فرما لیتے۔ جو ہدیے آپ کی خدمت میں پیش ہوتے، آپ اُسنی وقت حکم دیتے کہ ان کو حاضرین میں تقسیم کر دو اور ہدیے لانے والوں کو اپنی طرف سے بطور انعام بھی کچھ علیحدہ مرحمت فرماتے اور یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی تھا اور آپ کا فرمان بھی ہے کہ جب تمہیں ہدیہ دیا جائے تو اس سے بہتر عوض دینے کی کوشش کیا کرو۔ اس سے محبت بڑھتی ہے۔

کر دار و سیرت | شیخ ابوالمظفر منصور کا بیان ہے کہ حضور غوث پاک سے بڑھ کر میں نے کسی کو خوش خو، مہربان، فراخ صواب

کریم النفس، وعدہ وفا اور دوستی کا نبا ہونے والا نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ مجاہدہ میں ایک شخص نے کہا، تم یہاں ٹھہرنا میں ابھی آتا ہوں۔ آپ نے وعدہ فرمایا۔ وہ شخص ایک سال تک نہ آیا، مگر حضرت وعدہ کی پابندی کے خیال سے اس مقام پر مقیم رہے اور پورے ایک برس تک کہیں تشریف نہ لے گئے۔

آپ اتنے بڑے درجہ اور مرتبہ کے تھے کہ خلیفہ وقت غلاموں کی طرح دست بستہ حاضر ہوتا تھا، مگر آپ کے اخلاق کی یہ حالت تھی کہ چھوٹوں پر سب سے زیادہ شفقت فرماتے اور بڑوں (بڑی عمر والوں) سے عزت و احترام کے ساتھ پیش آتے۔ آپ کی مجلس میں رعب ایسا تھا کہ کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی اور سکون و راحت بھی ایسی تھی کہ حاضر خدمت ہونے والے باہر کے سب افکار بھول جاتے تھے۔ ان کو آپ کی محبت میں ایک تسلی و تسکین حاصل ہوتی تھی۔ چنانچہ شیخ ابوالقاسم بزاز کا بیان ہے کہ آپ کی مجلس میں ہماری حالت ایسی ہوتی تھی گویا ایک نہایت شیریں خواب دیکھ رہے ہیں اور جب باہر آتے تھے تو خیال ہوتا تھا کہ اس پر لطف خواب سے آنکھ کھل گئی۔

حسن سلوک | حضور بڑے سخی تھے، بڑے مسکین نواز تھے۔ جہانوں خصوصاً غریب و مساکین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے **حسن مدارات** | اور پھر ان میں مل جل کر تشریف رکھتے اور اس طرح حالات پر چھتے گویا ان کے نہایت ہی قریبی رشتہ دار اور عزیز ہیں۔ ان کی برائیوں سے چشم پوشی فرماتے اور ان کی خوبیوں پر تمہین و افرین کرتے۔ حاضر بانگوں میں کوئی شخص کسی دن موجود نہ ہوتا تو دریافت فرماتے، آج فلاں شخص نظر نہیں آتا اچھا تو ہے۔

آپ کے سامنے کوئی شخص خدا کی قسم کھاتا تو آپ فوراً یقین کر لیتے تھے، آپ کے پاس بیٹھنے والوں میں ہر شخص خیال کرتا تھا کہ حضرت کی عنایت مجھ پر سب سے زیادہ ہے۔ کسی کے حال پر اس قدر نوازش نہیں ہے جتنی مجھ پر ہے۔

ابو عبد اللہ محمد روایت کرتے ہیں کہ حضور غوث پاک بہت رقیق القلب بہت خوش اخلاق اور مستجاب الدعوات تھے۔ ان کی زبان سے فحش اور بیہودہ کلام کبھی نہیں سنا اور نہ ان کے سامنے کوئی اور شخص فحش کلامی و بیہودہ گوئی کر سکتا تھا۔ کیونکہ ان کو اس سے سخت نفرت تھی۔ اپنی ذات کی خاطر وہ کبھی کسی پر ناراض نہیں ہوئے۔ ہاں خدا کے کاموں میں کبھی کبھی لوگوں پر برہمی ہوتی تھی۔ یعنی اگر کسی کو خلاف احکام الہی کام کرتے دیکھتے تو پہلے نرمی سے سمجھاتے نہ مانتا یا دوبارہ اس فعل میں اس کو دیکھا جاتا تو سختی اور دشمنی سے اس کو زجر و توبیخ فرماتے۔

منفلس کی تلاش | حضور کے فرزند حضرت عبدالرزاق کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ والد ماجد حج کے سفر کو تشریف لے گئے۔ خدام کا بڑا مجمع ساتھ تھا۔ راستہ میں ایک آبادی کے قریب شام ہوئی تو آپ نے حکم دیا اس بستی میں تلاش کر دو کہ سب سے وہ منفلس اور غریب کون ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک گھر بہت نادار ہے، جس میں دو بوڑھے محتاج عورت مرد ہیں اور بچہ ہے۔ حضور خود اس مکان پر تشریف لے گئے اور ان دونوں سے پوچھا ہم تمہارے مکان پر ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا بسو چشم مکان حاضر ہے مگر ہم خدمت کے لائق نہیں ہیں۔ آپ وہاں خدام سمیت ٹھہر گئے تو بستی کے مشائخ اور دو تندر

کہ حال معلوم ہوا وہ سب دوڑے ہوئے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے مکانوں پر تشریف لے چلیے، یہ جگہ آپ کے ٹھہرنے کے قابل نہیں۔ مگر حضرت نے کسی کی التجا قبول نہ فرمائی۔ آخر ان لوگوں نے دعوت کا سامان اسی جگہ لاکر جمع کر دیا۔ غلہ بکریاں، مہوئے چاندی وغیرہ کا ڈھیر لگ گیا تو آپ نے فرمایا: اس میں سے کچھ بھی نہ لوں گا، نہ میرے ہمراہی کچھ لیں گے۔ یہ سب اس غریب گھرانہ کا حق ہے جس کے ہم مہمان ہیں۔ چنانچہ آپ نے ہمراہیوں سمیت شب کو کچھ تناول نہ فرمایا اور روکتے واجتاس کا وہ سب انبار اس غریب گھرانہ کو دے کر اگے روانہ ہو گئے۔

اس روایت میں بے شمار نصائح ہم لوگوں کے واسطے ہیں۔ اگر ہم اس پر غور کریں: اول تو یہ کہ حضور نے امیروں کو چھوڑ کر غریب کا گھر پسند کیا۔ دوسرے یہ کہ اپنی نذر سب کی سب غریب کو دے دی تاکہ اس بستی کے لوگوں کو عبرت ہو کہ وہ اپنے ہم وطن کی غربت سے بے خبر اور بے پروا تھے۔

ذوق سماع | جس وجود پاک کے لباس ظاہر و باطن کی یہ شان ہو اور جس مستی منور کی صفات عالی کا یہ مرتبہ ہو اس کے ذوق اور کیف وجدانی کا جو عالم ہو گا وہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ ذوق ترنم اور ذوق سماع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جس کے حدود و مقدر ہیں اور لہویات کے گانے بجانے سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ حضور غوث پاکؑ مظہر ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پھر جذبہ سماع کا دلوں پر آپ میں کیوں نہ ہوتا۔ بجز الاسرار جیسی کتاب معتبر میں متعدد واقعات حضور کے سماع و وجد کے مذکور ہیں۔ اسی سے دو بیان یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)

شیخ عمر بزاز فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور کی خدمت میں شیخ بقا اور شیخ علی بن سبتی اور شیخ ابوسعید قیلوی حاضر ہوئے۔ اس وقت حضور ایک عالم کیف میں تھے۔ شیخ بقا کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کچھ بولو۔ انہوں نے عرض کیا، آپ کے سامنے بولنے کی کس کو مجال ہے۔ پھر شیخ ابوسعید کو حکم ملا تو انہوں نے کچھ عرض کیا۔ شیخ ابوسعید کے بعد خود حضور نے ایک پرغروش اور سرشار تقریر فرمائی، جس سے حاضرین پرستی و وجد کا عالم طاری ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر لوگوں نے عرض کی، تو آل حاضر ہیں، حکم ہو تو کچھ گائیں۔ آپ نے اجازت دی۔ تو آل نے گانا شروع کیا، جس کے سننے سے حضور کو حال آگیا۔ آپ بے تاباں کھڑے ہو گئے اور اسی عالم میں کہ اہل مجلس اثر و وجد سے سب کے سب مدہوش تھے۔ حضور نظروں سے غائب ہو گئے۔ لوگ تلاش کرنے نکلے تو آپ کو مدرسہ میں تشریف فرما دیکھا۔

(۲)

دوسری روایت میں ہے کہ کسی قاری نے حضور کے سامنے یہ آیت خوش الحانی سے پڑھی **يَوْمَ الْمَلِكُ الْيَوْمَ** (آج ملک کس کے واسطے ہے) تو آپ کو حال آیا اور جس وجد میں آپ کھڑے ہو گئے۔ بار بار یہ فرماتے تھے **مَنْ يَقُولُ الْمَلِكُ** (کون کتا ہے کہ ملک میرے واسطے ہے)۔

حاضرین بھی آپ کی تائید میں کھڑے ہو گئے اور کسی کی مجال نہ تھی جو حضورؐ کے سوال کا جواب دے مگر ایک شخص شیخ احمد نام نے جرات کر کے عرض کیا (میں کہتا ہوں کہ ملک میرا ہے کیوں کہ خداوند کریم میرا ہے تو اس کا ملک بھی میرا ہے)۔ حضورؐ نے اسی عالم وجد میں فرمایا: اے نادان جب تک تو اس کا نہ ہو وہ تیرا کب ہو سکتا ہے۔ اور جب تو اس کا نہیں تو ملک تیرا کہاں شیخ احمد پر اس جواب کا ایسا اثر ہوا کہ وہ کپڑے پھینک کر جنگل کو نکل گئے۔

حضور کا ایک مکتوب | دیکھنا اس کا تپ رموز و اسرار کے خط لکھنے کا ڈھنگ بھی کیسا پیارا تھا اور ان میں کیا کیا حقائق و معارف بھرے جاتے تھے۔ تحریر فرماتے ہیں:

اے عزیز! قلب سلیم باید که بر موز فاعتبر و یا اوی الالبصار اطلع یا بد۔ و عقلے کامل باید تا دقائق اسرار سنر یهمہ آیاتنا فی الافات و فی انفسهم ادراک کنند۔ و یقینے صادق باید تا شواہد معرفت و ان صقن شیء الا یسبح بحمدہ و لکن لا تفقہون تسبیحہم را بہ عین قلب مشاہدہ بیند۔ و از خواب غفلت یابہم الا کل فسوف یعلمون بیدار گرد۔ و بر سفینہ ففر و الی اللہ سوار گرد و در دریائے معرفت و ما خلقت الجن و انس الا لیعبدون مروانہ وارہ غواصی فرود آید۔ اگر گوہر مطلوب بر چنگ افتد فقد فاش فوناً عظیماً۔ و اگر جان در طلب رود فقد وقع اجرہ علی اللہ۔

ترجمہ:

اے عزیز! قلب سلیم در کار ہے تاکہ آیت (عبادت پکڑو انکھوں والو) کا بھید سمجھ میں آئے اور عقل کی ضرورت ہے تاکہ رہم دکھاتے ہیں اپنی نشانیوں کو کائنات میں اور خود تمہارے نفوس میں) کی باریکیاں ہاتھ آئیں اور ان کا ادراک یقین صادق در کار ہے تاکہ اس آیت کے مقامات عرفان حاصل ہوں (کوئی شے بھی ایسی نہیں جو پروردگار کی حمد و تسبیح میں مشغول نہ ہو مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے) اور دل کی آنکھ سے ان کی تسبیح کا مشاہدہ ہو جائے۔ فانی امیدوں نے ان کو دھوکا اور لالچ میں ڈال رکھا ہے۔ غنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا (کی نیند سے ہوشیار ہو کر خدا کی طرف بھاگو) کی کشتی میں سوار ہو اور (نہیں پیدا ہوئے جنات و انسان مگر عبادت کے لیے) کے دریائے معرفت میں غوطہ لگائے اگر گوہر مقصود ہاتھ آگیا تو (بڑی مراد مندی حاصل ہوئی) اور اگر جان اس تلاش میں گئی تو (یقیناً خدا تعالیٰ اس کو عوض دے گا)۔

مکتوبات بے شمار ہیں جن میں سے چند اخبار الاخیار میں منقول ہیں مگر میں نے صرف ایک ہی نامہ عالی کا یہاں نمونہ پیش کیا ہے۔

تصنیفات و تالیفات | حضور غوث پاکؒ کی تصنیفات فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین مشہور کتابیں ہیں۔ غنیۃ الطالبین میں مسائل فقہ صوم و صلاۃ و حج و زکوٰۃ وغیرہ کا بیان ہے اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے عقاید کی تشریح ہے اور اہل سنت کے عقاید کے بموجب ہر گمراہ فرقہ کی تردید ہے۔ نیز بعض آیات قرآنی کی تفسیر اور اعمال و اذکار و اشغال کا

بیان ہے۔ پیر میرید کے آداب، حقوق العباد، آداب سماع اور ان تمام امور کا ذکر ہے جن کی سالک کو ضرورت پڑتی ہے
گویا یہ کتاب شریعت و طریقت کا لب لباب اور خلاصہ ہے۔ فتوح الغیب میں ترک و تجرید۔ فنا و بقا۔ محب و محبوب اور
امراض قلب و نفس کے علاج کا بیان ہے۔ یہ بھی طلب گار این سلوک کے لیے ایک نعمت عظمیٰ ہے۔

ایک مجموعہ آپ کے وعظوں کا عقیف الدین ابن مبارک نے جمع کیا ہے۔ اس میں ساٹھ مجلسوں کے وعظ فراہم کیے گئے
ہیں۔ اس کو مجالس فیض اور فتح ربانی بھی کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ آپ کے بہت سے اشعار و قصائد ہیں جن میں قصیدہ غوثیہ بہت مشہور ہے جو مشائخ عظام میں بہ طور
ایک شغل کے اکثر حاجتوں اور مرادوں کے لیے پڑھا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس میں عجیب و غریب تاثیرات رکھی ہیں۔

ایک مختصر رسالہ بھی مذاہب حنفی شافعی، مالکی، حنبلی کے اصول پر آپ نے تحریر فرمایا تھا جو بھجوتہ الاسرار مطبوعہ مصر کے
حاشیہ پر شائع ہوا ہے۔ اس میں فرقہ معتزلہ کی خوب تردید فرمائی ہے۔ بھجوتہ الاسرار کے حاشیہ پر قصیدہ غوثیہ کے سوا اور بھی چند
قصائد و اشعار آپ کے درج کیے گئے ہیں۔ ان میں ایک قصیدہ کا نام عینہ لکھا ہے۔ اس میں ۷۷ اشعار ہیں۔ دوسرے قصیدہ
کے چالیس اشعار ہیں۔ تیسرے کے چونسٹھ۔ چوتھے کے چالیس۔ پانچویں کے اٹھارہ۔ چھٹے کے ایک سو اٹھارہ۔ ساتویں کے
ساٹھ۔ اٹھویں کے تیس۔ نویں کے بیالیس۔ دسویں کے چوبیس۔ گیارھویں کے بارہ۔ بارھویں کے بیس۔ تیرھویں کے بیس۔
اور چودھویں قصیدہ میں چودہ اشعار ہیں۔

نسب نامہ | سید محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی بن سید ابوصالح موسیٰ بن سید ابی عبداللہ بن سید یحییٰ زاہد بن سید محمد بن
سید داؤد بن سید موسیٰ ثانی بن سید عبداللہ بن سید موسیٰ جون بن سید عبداللہ محض بن سید حسن مثنیٰ بن سید ناوولانا امیر المؤمنین
امام حسن بن امام العالم امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کریم اللہ وجہہ۔

اور مادری نسب نامہ یوں ہے: ام الخیر فاطمہ (مادر حضور غوث پاک) بنت ابو عبداللہ صحریٰ بن ابو جمال بن سید محمد
بن سید ابوطاہر بن سید عبداللہ بن ابوکمال بن سید موسیٰ بن سید ابوعلاؤ الدین بن سید محمد بن سید امام علی عریض بن سید نا امام
جعفر صادق بن سید نا امام محمد باقر بن سید نا امام زین العابدین بن سید نا مظلوم کہ بلا امام حسین بن سید نا مولانا امام العالم علی کریم اللہ وجہہ
اولاد امجاور | حضور غوث پاک کے نو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ فرزندوں کے نام یہ ہیں: سید عبدالواسط
سید عبدالرزاق۔ سید عبدالجبار۔ سید عبدالعزیز۔ سید شیحی۔ سید عیسیٰ۔ سید ابراہیم۔ سید عبداللہ۔ سید موسیٰ۔
بھجوتہ الاسرار میں دسویں فرزند سید محمد ثانی کا نام بھی مذکور ہے۔

شیوخ شریعت | حافظ وہی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضور غوث پاک نے فقہ قاضی ابوسعید مخزومی سے پڑھی اور حدیث
و طریقت | ابوبکر بن مظفر اور ابوالقاسم بن بنان اور ابو محمد جعفر سراج اور ابوسعید بن حبیب اور ابوطالب
بن یوسف سے (اور ان علماء کی تعداد سیکڑوں سے زائد ہے، جنہوں نے حضور سے فقہ، حدیث، تفسیر اور تمام علوم دین حاصل

کیے اور شیوخ طریقت کا سلسلہ یوں ہے۔

حضرت غوث پاکؒ کے شیخ طریقت شیخ ابوسعید مخزومی۔ ان کے شیخ حضرت ابوالحسن علی ہنکاریؒ۔ ان کے شیخ حضرت ابوالفرح
طرطوسیؒ۔ ان کے شیخ حضرت الواحد ابوالفضلؒ، ان کے شیخ حضرت جنید ابوالقاسمؒ، ان کے شیخ حضرت ابوبکر شبلیؒ، ان کے شیخ
حضرت جنید بغدادیؒ، ان کے شیخ حضرت سمری سقطیؒ، ان کے شیخ حضرت معروف کرخیؒ، ان کے شیخ حضرت خواجہ حسن بصریؒ؟
ان کے شیخ حضرت امام العالم سیدنا مولانا علی رضی اللہ عنہ۔

دوسرا طریقہ سلسلہ کا یہ ہے کہ حضرت معروف کرخی تک وہی سلسلہ شیوخ کا ہے۔ ان کے بعد یوں ہے: حضرت امام موسیٰ
پچھ حضرت امام موسیٰ کاظمؒ، پچھ حضرت امام محمد باقرؒ، پچھ حضرت امام زین العابدینؒ، پچھ سیدنا حضرت امام العالم حضرت علی رضی اللہ عنہ۔
تلقین طریقت فرمایا جس پیر میں یہ پانچ اوصاف نہ ہوں وہ دجال ہے پیر نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ سیر ظاہری شریعت کا عالم ہو۔
دوسرے علم حقیقت جانتا ہو۔ تیسرے اپنے پاس آنے والوں کے ساتھ عمدگی اور خندہ پیشانی سے برتاؤ کرتا ہو۔ اور مسافروں کو
کھانا کھلاتا ہو۔ چوتھے غربا اور بے حیثیت آدمیوں کے ساتھ توڑاؤ و فعلاً عاجزی اور انکساری سے پیش آتا ہو۔ پانچویں یہ کہ مریدین
کی باطنی تربیت و تعلیم کی لیاقت رکھتا ہو اور خود ریا، حسد، طمع، خود بینی، غفلت، عیش طلبی سے پاک ہو۔

علامہ ابن التجار کا بیان ہے کہ جبائی سے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضور غوث پاکؒ نے فرمایا کہ مجھے فرائض کے بعد محتاجوں اور
مہمانوں کو کھانا کھلانے اور عام و خاص کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنے کے سوا کوئی بہتر کام معلوم نہیں ہوتا۔ اگر ساری دنیا کی
دولت کا مالک ہو جاؤں تو سب کی سب بھوکوں کو کھلا دوں اور محتاجوں کو دے دوں۔ میرے ہاتھ میں روپیہ نہیں ٹھہرتا، ہزاروں
اشرفیاں صبح سے شام تک ہاتھ میں آتی ہیں مگر شام کو کچھ باقی نہیں رہتا۔ مستحقوں کو بانٹ دیتا ہوں۔

کسی نے پوچھا: حضور فقیر کے معنی کیا ہیں۔ فرمایا: آف کہتی ہے ذات الہی میں فنا ہو جاؤ اور سوائی اللہ سے دل کو نارتغ کر لے
ق کہتا ہے اپنے قلب کو حجب خدا کی قدرت سے مضبوط کر اور اس کی رضا مندی و رضا جوئی میں قائم ہو جاؤ۔ یہی چاہتی ہے پرجوا
مرتبہ و ینحافہ خدا سے امید وار رہے اور اس کا خوف دل میں رکھے۔ اور مراد کی خواہش سے رکت قلب اور رجوع ولی اللہ یعنی نفسانی
خواہشوں سے دامن بچا کر خدا کی طرف رجوع ہو جاؤ۔

فرمایا اپنے دل کے دروازہ پر دربان بن جاؤ۔ جس کے جانے کا خدا حکم دے اس کو اندر جانے دو۔ جس کو منع کرے
اس کو روک دو۔ ولیوں کی خواہشوں کو زیادہ نہ بڑھاؤ۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ کسی حال اور مقام پر بھروسہ کر کے یہ نہ سمجھ لینا کہ ہمیشہ
اس پر قائم رہتا ہے، کیوں کہ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَأْنٍ آیہ ہے، تغیر اور تبدیلی لازمی ہے۔

فرمایا نہ کسی سے محبت کرنے میں جلدی کرو، نہ عداوت و نفرت میں۔ پہلے قرآن و حدیث کی کسوٹی پر اس کو پرکھ کر دیکھو
ایسا کہ ہر تم نفس کی شرارت سے کسی پر بدگمانی نہ بیٹھو کہ یہ گناہ ہے۔

کسی نے پوچھا: حسن خلق کیا ہے؟ فرمایا یہ ہے کہ تو عرفان حق میں سرشار ہو کہ کسی کے ظلم اور سختی سے رنج کا اثر محسوس نہ کیجے۔

پوچھا گیا، بقا کیا چیز ہے؟ فرمایا بقائے رب ہے؛ اور وہ حجابِ نفس کی دُوری کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور نفس کا حجاب دُور نہیں ہوتا جب تک کہ باہر کی فید سے نگاہ نہ اٹھائے اور اپنے نفس کی دید میں مصروف نہ ہو۔

نماز تہجد اس سلسلہ قادریہ میں نماز تہجد کے کئی طریقے ہیں۔ ان میں ایک جس کی نسبت روایت ہے کہ حضورِ غوثِ پاکؒ کا بھی یہی طریقہ تھا، یہاں درج کیا جاتا ہے۔ نماز تہجد ایک ایسی دولت ہے جس کے سامنے تمام نفل عبادتیں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ جس شخص کو یہ نعمت حاصل ہو اس کے دل میں ایک عجیب گداز اور رقت پیدا ہو جاتی ہے اور قطع نظر عقبتی کے اجراء اور باطنی ترقیوں کے تہجد گزار کا چہرہ دُور سے کہہ دیتا ہے کہ میں تہجد پڑھتا ہوں، کیوں کہ برکاتِ تہجد کا فائدہ اس کی پیشانی اور اس کے چہرہ پر ہر وقت دکھتا رہتا ہے۔ خواہ وہ شخص کیسا ہی بد صورت ہو اور یہ ایک ایسا کھلا ہوا اور عقلی ثبوت تہجد کی تاثیر کا ہے جس کو ہر عامل اور مادہ پرست بھی آزما کر دیکھ سکتا ہے۔

تہجد کا وقت اُدھی رات ڈھلنے کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ حضورِ غوثِ پاکؒ کے مقلد کو تو لازمی طور سے تہجد کبھی ناغہ نہ کرنی چاہیے۔ طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز نفل تہجد کی نیت کر کے بارہ یا دس یا آٹھ یا چار رکعتیں پڑھی جائیں۔ یعنی اگر توفیق ہو اور زیادہ دیر تک جاگ سکتا ہو تو بارہ رکعتیں دو دو کر کے پڑھے، ورنہ کم، جو چار تک کم ہو سکتی ہیں۔

پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سورہٴ اخلاص ایک مرتبہ پڑھی جائے اور دوسری میں دو بار پھر جب دوبارہ نیت باندھ کر دو رکعت پڑھے تو پہلی رکعت میں الحمد کے بعد ۳ مرتبہ سورہٴ اخلاص اور دوسری میں چار بار اسی طرح بارہ رکعت تک ایک ایک مرتبہ سورہٴ اخلاص پڑھانا جائے یعنی بارہوں میں رکعت میں سورہٴ اخلاص بارہ مرتبہ پڑھے۔

باطنی کشائش اور ترقی سلوک عرفان کے لیے طریقہ برعکس ہے یعنی پہلی رکعت میں بارہ مرتبہ پڑھے، دوسری میں گیارہ یہاں تک کہ بارہوں میں ایک مرتبہ پڑھے۔

جب نماز سے فارغ ہو جائے تو تین بار یہ استغفار پڑھے سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم و بحمدہ استغفر اللہ و اتوب الیہ۔

تہجد کے بعد ذکر اگر خدا تعالیٰ توفیق دے تو نماز تہجد کے بعد یہ ذکر بھی کر لے کہ معمولات حضورِ غوثِ پاکؒ سے ثابت ہے۔ اول دو سو مرتبہ لا اِلهَ اِلَّا اللهُ (اس کو نفی اثبات کہتے ہیں) پھر اَللّٰهُ اَكْبَرُ (اس کو ذات کہتے ہیں)۔

یہ سب ذکر خفی کرنا چاہیے۔ یعنی آہستہ آہستہ، لیکن اگر کوئی غارف کامل تعلیم فرمائے اور دوسروں کی تکلیف اور نیند خراب ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو تو جہر کر لیا جائے۔

وجد و خوف وجد کی نسبت ارشاد ہوا روح ذکر کی حلاوت میں نفس لذتِ طرب میں اور دماغ ذات احد میں مصروف اور جا و حیا! ہو جائیں، جس کا ظہور ایک نشہ ہے اور نشہ میں آدمی گر بھی پڑتا ہے اور بے ہوش بھی ہو جاتا ہے خوف

کی نسبت فرمایا اس کی کئی قسمیں ہیں۔ گنہگاروں کو عذاب کا خوف، عابدوں کو ثواب ملنے یا نہ ملنے کا خوف اور عارفوں کو عظمت الہی کی ہیبت سے خوف ہوتا ہے اور یہ کبھی نازل نہیں ہوتا۔ کیوں کہ عارف کے سامنے عظمت رب کبھی دور نہیں ہوتی۔ اس واسطے یہ خوف بڑا درجہ رکھتا ہے۔ سچا کی بابت ارشاد ہوا: اولیاء اللہ کی رجا (امید) ایک حسن ظن ہے پروردگار کے ساتھ جس کو نفع و ضرر سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ مگر اس رجا میں خوف بھی ساتھ لگا ہوا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر مومن کے خوف و امید کو تولا جائے تو دونوں کا وزن برابر ہوگا۔ حیا کی نسبت فرمایا، خدا کی نافرمانی خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس شرم سے کہ وہ میرے مالک کی نافرمانی ہے، ترک کر دینی جیسا ہے۔

دنیا دل سے نکال کر دنیا کی تعریف تو حضورؐ نے ایسی صاف اور عام فہم فرمائی ہے جس کو ایک بچہ بھی سمجھ لے اور اس کی ہاتھ میں لے لو! تشریح میں ایسی بلاغت برتی گئی ہے، جس کی نظیر حضور کے بعد کسی بلیغ جملہ میں ملنی محال ہے۔ فرمایا دنیا کو دل سے نکال لو اور ہاتھ میں لے لو، یعنی دنیا کماؤ، دولت حاصل کرو، مگر وہ تمہارے ہاتھ ہی میں رہے، دل پر قبضہ نہ کرتے پائے۔

وفات حسرت آیات | آخر وہ وقت آگیا جو ہر بشری صورت کو پیش آنا ضروری ہے۔ یعنی جب حضور کا سن مبارک اکیانوے برس کا ہوا (دوسری روایت کے بموجب ۹۲ سال ہیں) تو وفات الہی کی محبت نے کشش فرمائی اور اس محبوب نے عالم ناسوت کو ترک فرمانے کا سامان شروع کیا۔

آپ کے صاحبزادے حضرت سید عبدالوہاب کا بیان ہے کہ مرض موت میں ہم لوگوں نے وصیت کی درخواست کی تو ارشاد فرمایا:

تقدوی اور خدا کی طاعت کو اختیار کر لو، کسی سے مت ڈرو اور نہ کسی غیر خدا سے کچھ توقع رکھو۔ سوائے خدا کے کسی پر بھروسہ نہ کرو اور سوائے کسی پر اعتماد نہ رکھو کہ توحید ہی وہ چیز ہے جس پر سب کو اتفاق ہے۔

اس کے بعد فرمایا، ہم کو (سوائے خدا کے) نہ ملک الموت کی پروا ہے نہ کسی اور چیز کی۔ اس کے بعد جب بالکل آخری حالت ہو گئی تو یہ کلمات زبان مبارک پر آئے۔

استعنت بلا الہ الا اللہ الہی الذی لا یہوت ولا یخشی، سبحان من تعجز بالقدسۃ واللقہر العباد بالموت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

مدد مانگتا ہوں اس خدا سے جس کا شریک کوئی نہیں، جو زندہ ہے اور کبھی نہیں مرتا اور نہ کسی سے ڈرتا ہے۔ پاک ہے وہ جس کو بندوں پر موت طاری کرنے میں قدرت و غلبہ حاصل ہے (لہذا گواہی دیتا ہوں کہ) نہیں کوئی معبود مگر ایک اللہ کی ذات اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلا شک اس کے رسول ہیں۔

اس آخری کلمہ پر روح مبارک نے جسم شریف سے مفارقت کی۔ ربیع الآخر کا مہینہ، ستترہ تاریخ، درسنہ ہجری کا زمانہ تھا۔

تاریخ میں بہت اختلاف ہے۔ کسی نے تو یہ بیان کی: کسی نے گیارہویں کسی نے تیرہویں اور کسی نے سترہویں مگر زیادہ روایتیں ہترہ کی ہیں۔

چند نادر ارشادات | حضرت غوث الاعظم کے چند قیمتی اقوال و ارشادات درج ذیل ہیں:
 تم نفس کی خواہش پوری کرنے میں لگے ہو اور وہ تمہیں برباد کرنے میں مصروف ہے۔

انسان کا بڑا ہم جلیس اس کا بدترین دشمن ہے۔

حسن خلق یہ ہے کہ تم پر جفاٹے خلق کا مطلق اثر نہ ہو۔

نہ کسی کے ساتھ محبت کرنے میں جلدی کرو اور نہ عداوت کرنے میں عجلت سے کام لو۔

اپنا مال آخرت کے لیے آگے بھیج دے اور موت کے انتظار میں لگ جا۔

کوشش یہی کرنی چاہیے کہ اپنی بات جو آبا ہو یعنی اپنی طرف سے کلام کی ابتدا نہ ہو۔

جس طرح تمہارا نفس اللہ کا حکم ماننے سے انکار کرتا ہے اسی طرح تم اپنے نفس کا کہا ماننے سے انکار کرو۔

مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو لوگوں کی عیب جوئی میں مصروف اور اپنے عیوب سے غافل ہے۔

تنگدستی اور بیماری صبر کے بغیر عذاب ہیں اور صبر ہو تو عزت۔

حسن خلق یہ ہے کہ تو عرفانِ حق میں اتنا مستغرق ہو جائے کہ کسی کے ظلم یا سختی سے اپنے دل کو رنجیدہ نہ کرے۔

جس شخص میں کوئی خوبی نہ ہو اسے ایذا بھی کم پہنچتی ہے۔

اپنی خوشی کو گھٹاؤ اور رنج و محن کو بڑھاؤ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایسی ہی تھی۔

دنیا نے تجھ جیسے ہزاروں کو پالا اور مویا تازہ کیا پھر خود ہی اپنی خوراک بنا لیا۔

مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو یہ جانتا ہے کہ خدا اس کے حال سے واقف ہے، پھر بھی گناہ کرتا ہے۔ تعجب ہے اس

پر جو یہ جانتا ہے کہ دنیا فنا کی جگہ ہے پھر بھی اس سے محبت رکھتا ہے۔

لوگ متواضع ہی کو بڑا سمجھتے ہیں، تکبر کرنے والے کو نہیں۔

اگر ہمارا گناہ صرف یہی ہو کہ ہم دنیا سے محبت رکھتے ہیں، تب بھی ہم دوزخ کے حقدار ہیں۔

رحمت نہ مانگ بلکہ رحیم کو مانگ۔

مومن اپنے اہل و عیال کو اللہ کے سپرد کرتا ہے اور منافق اپنے مال کے سپرد۔

دنیا سراسر آفتوں اور مصیبتوں کا مجموعہ ہے، لہذا صبر اختیار کرو۔

جس کا انجام موت ہو اس کے لیے خوشی کا کون سا مقام ہے۔

مومن کے لیے سونا مناسب نہیں، جب تک اپنا وصیت نامہ سرہانے نہ رکھ لے۔

_____ دنیا کو دل سے نکال کر ہاتھ میں پکڑ لو یعنی دولت کماؤ مگر اُسے ہاتھ ہی میں رکھو۔ اسے دل پر قبضہ نہ کرنے دو۔

_____ ہنسنے والوں کے ساتھ مدت ہنسو، مگر رونے والوں کے ساتھ رُو۔

_____ اپنے لقمے کی اصلاح کر، کیوں کہ نیک اعمال کی اصل بنیاد یہی ہے۔

_____ اگر تو اونچی آواز سے "اللہ" بھی کہے تو حساب لیا جائے گا کہ تو نے یہ خلوص کے ساتھ کہا تھا یا محض لوگوں کو سنانے کے لیے۔

_____ اخلاص اسی کا نام ہے کہ لوگوں کی تعریف یا مذمت کا کچھ خیال نہ کیا جائے۔

_____ جس نے مخلوق کی طرف منہ کیا، اُس نے خالق کی طرف پیٹھ پھیری۔

_____ مخلوق کے ساتھ محبت کرنا یہ ہے کہ تو ان کی خیر خواہی کرے۔

_____ لوگوں کی نظروں میں اپنا وقار قائم رہنے دو ورنہ افلاس کو ظاہر کرنے سے اہل دنیا کی نظروں میں گر جاؤ گے۔

_____ آخرت کو دنیا پر مقدم رکھنے والے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور دنیا کو آخرت پر مقدم کرنے والے

_____ کے لیے دونوں میں خرابی

_____ قول صورت ہے اور عمل اس کی روح ہے۔

_____ دولت مندوں کے ساتھ وقار اور غلبہ سے ملو اور درویشوں کے ساتھ عاجز و انکسار سے پیش آؤ۔

_____ جو بادشاہوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اس کا دل سخت اور وہ مغرور ہو جاتا ہے، جو لڑکوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اس

_____ میں ہنسی مذاق کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو عورتوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے اس میں جہالت اور بڑی خواہش بڑھ جاتی

_____ ہے۔ جو فاسقوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا ہے وہ گناہ کرنے میں دلیر ہو جاتا ہے اور توبہ کرنے کی توفیق نہیں

_____ رہتی۔ جو عالموں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، وہ پرہیزگار بن جاتا ہے اور علم حاصل کرتا ہے

_____ اور جو نیک لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اس میں اطاعت الہی

_____ کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

_____ عمل خالص کی دلیل ہوتا ہے اور ظاہر باطن کی علامت۔

_____ جو مخلوق کا ادب نہیں کرتا وہ خالق کا ادب کرنے کا دعویٰ نہ کرے اور جو اپنے نفس کو تعلیم نہیں دے سکتا تو دوسروں کو تعلیم

_____ دینے کی سعی نہ کرے۔

_____ خدا کا تقویٰ اور اطاعت اختیار کرو، ظاہری شریعت کے پابند رہو، سینے کو خواہشات سے محفوظ کر لو، نفس میں جو اندری

_____ رکھو۔ خلق خدا کو انار نہ دو اور آداب درویشاں ملحوظ رکھو اور چھوٹوں کو نصیحت کر دو۔

حضرت شیخ ابونجیب سروردی

ولادت — سرورد (زنجان) ۱۲۹۰ھ

وفات — بغداد ۱۳۶۳ھ

تلح الاولیاء، فخر صوفیہ، ضیاء الملکت والدین حضرت شیخ ابونجیب سروردی چھٹی صدی کے سرگروہ صوفیہ اور سلسلہ عالیہ سروردیہ کے سردار تھے۔

صفر ۱۲۹۰ھ میں سرورد کے مقام پر پیدا ہوئے جو علاقہ زنجان کے قریب ایک قصبہ ہے۔ جوانی کے زمانہ میں وطن چھوڑ کر بغداد تشریف لائے اور وہاں کے جامعہ نظامیہ میں تحصیل علم کیا۔ امام اسعد مہینی سے فقہ، اصول فقہ اور علم کلام کی تعلیم حاصل کی۔ نحو و ادب میں علامہ ابوالحسن سے استفادہ کیا۔ امام بیہقی، علامہ خلیف بغدادی اور امام تشریحی سے حدیث سنی سکھائی بھی گئے اور شیخ الحدیث سے بخاری شریف سنی۔ امام احمدی کی تفسیر زبانی یاد تھی۔ قطب ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی صحبت مبارک کا بھی شرف حاصل کیا۔ سفینۃ الاولیاء کے مطابق آپ نے حضرت شیخ سے خرقہ تبرک بھی حاصل کیا۔

وخیار الصالحین کے بیان کا ملخص یہ ہے :

بچپن ہی سے اپنے چچا شیخ وجیہ الدین کی صحبت اور تربیت کا اثر آپ میں موجود تھا۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس وقت مدرس کا سلسلہ چھوڑ کر درسوں کی صحبت اختیار کر لی۔ چلے اور مجاہدے کیے۔ چچا کے بعد حضرت احمد غزالی کی صحبت میں رہنے لگے اور انہیں کو خدمت میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے کیں۔

آپ نے بہت سخت مجاہدے اور ریاضتیں کیں، پھر مستدار شاد پر جلوہ گر ہوئے۔ ایک خلقت آپ کی مجلس میں شہ و ہمت حاصل کرنے آتی تھی۔

۱۳۲۵ھ میں سلطان مسعود سلجوقی اور خلیفہ بغداد کی استدعا پر آپ مدرسہ نظامیہ کے صدر مقرر ہوئے۔ مگر جلد ہی ۱۳۲۷ھ میں مستعفی ہو گئے۔ شیخ الشیوخ عمر سروردی آپ کے برادر زادہ، شاگرد اور صاحب سجادہ تھے۔ شیخ جمالی فرماتے ہیں جب خواجہ معین الدین اجمیری بغداد تشریف لائے تو انہوں نے حضرت شیخ ابونجیب سے فیضان صحبت حاصل کیا، اگر ملاقات کی یہ روایت مشتبہ ہے۔

صرف غالموں اور درویشوں تک ہی آپ کا فیض محدود نہ تھا بلکہ بادشاہ اور خلیفہ وقت بھی آپ کے معتقد تھے۔ آپ کی بات ماننے والے اور آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ جب الراشد بالله ابو جعفر منصور تخت خلافت پر بیٹھا تو حضرت شیخ نے اسے

بیت حکومت ظاہری کرنے کے بعد بہت سی نصیحتیں کیں۔ اسے عدل و انصاف اور خدا ترسی کی تلقین کی۔

آپ کے بعض شاگردوں اور مریدوں کے نام یہ ہیں:

فقہا و محدثین: امام محمد الدین ابو علی واسطی

حافظ ابن عساکر

حافظ عبدالکریم سمسانی محدث

قاضی ابوالفتوح تکریتی

زرین العلماء ابوالبرکات محدث

آپ کے خاص مرید یہ ہیں:

شیخ الشیوخ عمر سروردی، شیخ نجم الدین کبریٰ، شیخ زور بجان مصری وغیرہ۔

آپ اکثر سبز چادر اوڑھا کرتے تھے، عالموں کا لباس زرب تن فرماتے۔ پتھر پر سواری کیا کرتے تھے اور لوگ آپ کے ساتھ ساتھ چلا کرتے تھے۔ ۵۶۲ھ میں بہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ ابن خلکان کے مطابق ۱۷۔ جمادی الثانی کو وفات ہوئی، مگر سفینۃ الاولیاء میں ۱۲۔ جمادی الثانی تحریر ہے۔

ساری عمر بغداد ہی میں گزار دی۔ مزار پر انوار بھی وہیں ہے۔

طبقات الکبریٰ سے آپ کے بعض ارشادات نقل کیے جاتے ہیں:

فرماتے ہیں، تصوف کا اول علم، اوسط عمل اور آخر عطا ہے الہی ہے۔ پس علم تو مراد سے پردہ اٹھا دیتا ہے، عمل طلب میں مدد دیتا ہے اور عطا ہے الہی انتہائی امید تک پہنچا دیتی ہے۔

فرماتے ہیں احوال میں راستی و خلوص کا نگاہ رکھنا اور مقامات میں ادب کو کام میں لانا ضروری ہے اسی سے منزلوں کے ادب کا مطالبہ ہوتا ہے اور ایسے ہی شخص کو صاحب تکوین کہتے ہیں، کیونکہ یہ ایک حال سے دوسرے حال پر ترقی کرتا رہتا ہے۔ فرماتے ہیں منتہی کے حال میں تغیر نہیں ہوتا اور نہ احوال اس پر کوئی اثر ڈالتے ہیں۔ تنگی و فراخی، بخشش و عطا و وفا ہر حال میں یکساں رہتا ہے، اس کے لیے بھوک اور کھانا، سونا اور جاگنا سب برابر ہوتا ہے۔

جب کوئی مرید خلوت میں بیٹھتا تو آپ اس کا حال دریافت فرماتے۔ روزانہ آتے اور فرماتے کہ تمہیں فلاں چیز کا کشف ہوگا اور یہ حالت حاصل ہوگی، عنقریب تمہارے پاس اس شکل کا ایک آدمی آئے گا۔ اور تم سے یہ بات کہے گا۔ اس سے بچنا کیوں کہ وہ شیطان ہوگا۔

حضرت شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعیؒ

وفات ————— ام عبیدہ ۵۵۰ھ

حضرت شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعیؒ بڑے صاحب مرتبہ اور صاحب کرامات بزرگ تھے۔ لغات الانس میں لکھا ہے کہ آپ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ عرب کے ایک قبیلہ رفاعیہ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، اسی نسبت سے رفاعی کہلاتے ہیں۔ ام عبیدہ نام قصبہ کے رہنے والے تھے اور وہیں انتقال فرمایا۔

آپ کا سلسلہ خلافت مندرجہ ذیل چھ واسطوں سے خواجہ ابوبکر شبلیؒ تک پہنچتا ہے:

شیخ احمد، شیخ علی فادمی، شیخ ابوالفضل، شیخ ابوعلی غلام ابن نرکان، شیخ علی رودبارمی، شیخ مجلی عجمی، شیخ ابوبکر شبلیؒ۔

آپ بڑے خدا ترس، انسان اور حیوان دونوں کے بہرہ دار اور بڑے منکسر المزاج بزرگ تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب کبھی آپ کے بدن پر چھڑ بیٹھتا تو اسے اڑاتے نہ تھے فرمایا کرتے تھے، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں لکھا ہے اسے پی لینے دو۔ ایک مرتبہ ایک بلی آپ کی آستین مبارک پر سرگئی۔ نماز کا وقت آگیا اور آپ اٹھنا چاہتے تھے۔ بلی کو نہ اٹھایا بلکہ اس کے بجائے اتنی جگہ سے آستین کاٹ دی۔ واپس آئے تو بلی جا چکی تھی۔ آپ نے آستین کا ٹکڑا اٹھا کر پھر اسی جگہ سی دیا۔ حیوانوں کے ساتھ بہمدردی کی یہ ایک نادر مثال ہے۔

ام عبیدہ کی بستی میں ایک خارشہ کتا تھا۔ لوگ اس سے سخت نالال تھے، چنانچہ بستی والوں نے اسے مار مار کر بستی سے باہر جنگل کی طرف بھگا دیا۔ آپ اس کتے کے ساتھ جنگل میں چلے گئے اور وہاں اس کے رہنے کے لیے جگہ یا سائبان بنا دیا۔ اس کے بدن پر تیل ملتے، اسے کھانا کھلاتے اور جلد کو صاف کرتے، یہاں تک کہ کتا تندرست ہو گیا۔ شیخ علائی اسی واقعہ کے متعلق فرماتے ہیں:

انما بر ملائک شرف داشتند کہ خود را بر اند سگ نر سپند داشتند
عبادت بجز خدمت خلق نیست تسبیح و سجاده و دلق نیست

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ احمدؒ کو اللہ تعالیٰ نے حیوانوں اور چارپایوں کی خدمت پر مامور فرمایا تھا۔ علاوہ انہی آپ پانچ بفلوج اور عدد در لوگوں کے پاس جاتے ان کے کپڑے دھوتے، انھیں نہلاتے، سر اور بدن پر تیل ملتے، غرض ہر طرح سے ان کی

لہ یہ ایک مقام ہے جو عراقین کے بیچ میں سرزمین بطانچ میں واقع ہے۔

خدمت کرتے ان کے لیے کھانا لاتے۔ خود ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ فرمایا کرتے تھے ایسے لوگوں کی زیارت مستحب نہیں بلکہ واجب ہے۔ آپ ان لوگوں سے دعا کے بھی طالب ہو کرتے تھے۔

ایک دفعہ کسی نے آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ نہ کہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے جسے ذرات، ریگ، پتیاں وغیرہ پیدا کی ہیں اسی قدر اس کے نام ہیں۔

ایک دفعہ آپ کچھ لڑکوں کے قریب سے گزرے۔ لڑکے آپس میں لڑ رہے تھے۔ آپ نے درمیان میں پڑ کر ان کو چھڑا دیا، پھر ایک لڑکے سے پوچھا تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔ اس نے جواب میں نازیبا کلمات کہے۔ آپ بار بار اس کا اعادہ فرماتے اور کہتے اے لڑکے خدا تمہیں جزائے خیر دے تم نے مجھے ادب سکھایا۔

آپ اپنے طے والوں کو سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کرتے۔ اپنے فرزند کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ اے بیٹے اگر تم نے مجھ جیسے کام نہ کیے تو نہ میں تمہارا باپ اور نہ تم میرے بیٹے۔ آپ کو کسی کے متعلق پتا چل جاتا کہ وہ بیمار ہے تو خواہ وہ کتنی ہی دور دراز جگہ پر ہوتا آپ اس کی بیمار پرسی کے لیے وہاں پہنچ جاتے۔ اور ایک یا دو دن بعد واپس آ جاتے۔ اکثر اوقات راستوں پر اندھوں کے انتظار میں بیٹھ جاتے، جو اندھا بھی مل جاتا اس کا ہاتھ پکڑ کر منزل تک پہنچا آتے۔ بوڑھوں کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ مختلف محلوں میں جاتے اور لوگوں کو تلقین کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بوڑھوں کی تعظیم کیا کرو اور ان کا خیال رکھا کرو۔ جو شخص جوانی میں بوڑھوں کی عزت اور ان کی خدمت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑھاپے میں کسی ایسے شخص کو اس کے لیے مسخر کر دے گا جو اس شخص کے بڑھاپے میں اس کی خدمت کرے گا۔

آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی سفر سے اپنے شہر کو واپس آتے تو راستہ میں جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر کے سر پر رکھ کر ساتھ لے آتے اور شہر کے غریبوں، ابا بھول اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے۔ آپ کے عقیدت مند اور مرید آپ کے اس طرز عمل کی پیروی کرتے وہ بھی لکڑیاں لاتے اور لوگوں میں بانٹ دیتے۔

آپ کبھی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے۔ اگر کوئی گالیاں دیتا تو خاموشی سے سن لیتے۔ ایک شخص نے آپ کو ملحد، کتے اور دجال جیسے الفاظ سے مخاطب کیا، آپ نے سر برہنہ کر کے اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور اس سے کہا کہ خدا کے لیے مجھ سے راضی ہو جاؤ۔

ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے مریدوں سے کہا کہ مجھ میں کوئی عیب نظر آئے تو بتا دیا کرو۔ ایک مرید نے کہا آپ میں ایک بہت بڑا عیب ہے۔ پوچھا وہ کیا؟ مرید نے کہا یہ عیب کیا نام ہے کہ ہم جیسے اشخاص آپ کے مرید ہیں۔ یہ سن کر آپ رو دیے، فرمایا میں تمہارا خادم ہوں اور تم سب سے کم تر ہوں۔ اب منکرہ المزاج تھے کہ کبھی کسی مجلس کے درمیان بیٹھتے اور نہ ہی کبھی سجادہ پر بیٹھتے۔ گفتگو بہت کم کرتے تھے۔

آپ کے ایک خادم کا بیان ہے کہ جب حضرت مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو میں نے کہا کہ اب کی بار شاید دہن نے جلوہ

کیا ہے، فرمایا ہاں! میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا وہ باتیں پیش آئی ہیں جنہیں میں نے جان کے بدلے خریدا، یعنی خلق خدا پر ایک بڑی آفت آنے والی تھی میں نے اپنی جان دے کر اسے خرید لیا۔ بیماری کے دوران آپ اپنے چہرہ اور بالوں کو زمین پر ملتے اور افسوس کی آواز نکالتے۔ اگرچہ بیس روز سے کچھ نہ کھایا تھا، مگر دست پر دست آ رہے تھے اور یہی آپ کی بیماری تھی۔ فرمایا یہ دست درد اصل گوشت خارج ہو رہا ہے، ہڈیوں کا مغز باقی رہ گیا ہے، آج وہ بھی خارج ہو جائے گا۔ پھر بروز پینچشنبہ، یہ وقت ظہر ۱۱ بجادی الاول ۵۷۰ھ کو وفات پائی۔ وفات کے وقت زبان مبارک پر کلمہ شہادت جاری تھا۔ ام عبیدہ میں شیخ یحییٰ بخاری کے مقبرہ میں دفن کیے گئے۔

آر کے بعض کلمات یہ ہیں کہ مرد ممکن وہ ہے کہ اگر دنیا کے سب سے اونچے پہاڑ پر اس کا نیزہ گاڑ دیا جائے اور ہر طرف سے ہوائیں چلیں تو اس میں تغیر واقع نہ ہو۔ فرماتے ہیں: نبرد احوال پسندیدہ اور مرتبہ ہائے بلند کی بنیاد ہے۔ خدائے تعالیٰ کا قصد کرنے والوں میں سب کو چھوڑ کر اسی کے ساتھ ہونے والوں، اسی پر راضی ہونے والوں کا یہ پہلا قدم ہے۔ جس کسی فقیر کو صدف میں طبوس دیکھتے تو اس سے فرماتے، دیکھو تم نے کس کا لباس پہنا اور کس کی طرف ارادہ کیا ہے۔ یہ نپیوں اور متقیوں کا لباس ہے، اسے پہنا ہے تو مغربین کے راستہ پر چلو اور نہ یہ لباس اتار دو۔

فرماتے ہیں: سینہ اس وقت صاف ہوتا ہے جب کوئی برائی باقی نہ رہے۔ خواہ وہ دشمن کے لیے ہر یادوست کے لیے خواہ خدا تعالیٰ کی کسی اور مخلوق کے لیے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو مردان خدا کے قیام پر پہنچانا چاہتا ہے تو پہلے اسے اپنے نفس کے ساتھ مکلف فرماتا ہے۔ جب اس نے اپنے نفس کو مودب بنالیا تو اسے اہل دعیال کی تکلیف دیتا ہے۔ جب اس نے ان کے ساتھ احسان اور مدارات کی توڑ و سیون اور اہل محلہ کے ساتھ مکلف کرتا ہے، جب اس نے ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا تو پھر اللہ تعالیٰ اسے اہل شہر کے ساتھ مکلف کرتا ہے۔ ان سے بھی اچھا سلوک کرے تو ملک کی ایک سمت اس کے سپرد کی جاتی ہے۔ اس سے بھی اچھی طرح عہدہ برآ ہو جائے تو اللہ کے ساتھ اس کا باطن اچھا ہو جاتا ہے۔ پھر مابین زمین و آسمان اس کے سپرد ہوتے ہیں، پھر وہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر ترقی کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ غوث کے رتبہ کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی صفت اور بلند ہوتی ہے جو بدرجہ عنایت حق تعالیٰ کی ایک صفت ہو جاتی ہے اور خدا سے اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ نہ کوئی درخت اگتا ہے نہ کوئی پتی ہری ہوتی ہے مگر اس کی نظر کے سامنے۔ پھر وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جو انسانی عقلوں سے بالا ہوتی ہے۔

فرمایا کشف ایک ایسی طاقت ہے جو اپنی بصیرت کے نور سے غیب کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پس اس کا نور اس کے فیض سے اس طور پر متصل ہوتا ہے جس طرح صاف شیشے کی روشنی کے منبع سے مقابلہ کے وقت شعاعیں متصل ہوتی ہیں۔ پھر وہ نور چمکے عالم عقل تک پہنچتا ہے اور معنوی اتصال کے ساتھ اس سے متصل ہوتا ہے اور قلب کی وسعت پر جو عقل کا نور آتا ہے اس میں اس نور کا اثر ہوتا ہے، تب ایسے شخص پر جو عین سر پر عقل کا نور لگا اٹھتا ہے اس لیے اس چیز کو دیکھتا ہے جس کی جگہ آنکھوں سے معنی جس کا تصور فصول کے لیے وثیق اور جس کے دیکھنے کی جگہ غیروں سے مستور ہے۔

حضرت خواجہ عبدالخالق عجدوانیؒ

ولادت _____ عجدوان (بخارا)

وفات _____ عجدوان ۵۷۵ھ

حضرت خواجہ عبدالخالق عجدوانی اپنے زمانہ کے مزاج نام تھے۔ عارف ربانی آپ کا خطاب تھا۔ سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ سے فیض حاصل کیا تھا۔ خواجہ ابو یوسف بہدانی کے چوتھے خلیفہ تھے۔

آپ کے والدین ملاطیر روم (مالٹا) سے ماوراء النہر آئے اور عجدوان میں سکونت اختیار کی جو بخارا سے چھ سات کوس کے فاصلہ پر ایک قصبہ تھا۔ یہیں آپ کی ولادت ہوئی۔ ولادت کے صحیح سن کا علم نہیں ہو سکا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خواجہ خضر علیہ السلام سے آپ کی ملاقات تھی اور دونوں میں بہت محبت تھی۔ خواجہ خضر علیہ السلام ہی نے آپ کی والدہ ماجدہ کو آپ کی ولادت کی بشارت دی تھی۔

پانچ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ نے آپ کو بخارا کے مشہور عالم شیخ صدر الدین کے پاس پڑھنے کے لیے بٹھا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ نو عمری کے اس زمانہ میں ایک مرتبہ قرآن کریم پڑھتے وقت جب یہ آیت پڑھی "ادعوا من یکم تضرعاً و خضیئاً..." تو استاد سے پوچھا کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔ استاد نے جواب دیا یہ حقیقت علم لدنی سے کھلے گی اور یہ علم اللہ تعالیٰ تمہیں عطا کرے گا۔ چنانچہ استاد کا کہنا صحیح ثابت ہوا۔

یہ بھی روایت ہے کہ جب آپ کی عمر بائیس سال کی ہوئی، خواجہ خضر علیہ السلام آپ کو خواجہ یوسف بہدانیؒ کی خدمت میں لے گئے اور ان کا مرید کیا۔ پھر ان کی خدمت میں رہنے لگے، اس وقت خواجہ یوسف بہدانیؒ ماوراء النہر میں تشریف فرما تھے۔ جتنی مدت وہاں رہے، خواجہ عبدالخالق انہیں کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کرتے رہے، پھر جب وہ خراسان چلے گئے تو خواجہ عبدالخالق یہیں رہے، ساتھ نہ گئے۔ ماوراء النہر میں رہ کر آپ بہت دن ریاضت و مجاہدہ میں لگے رہے۔

خواجہ خضر علیہ السلام کی تعلیم کے بموجب آپ ذکر و نیچہ کے طریقہ پر کار بند رہے اور لوگوں سے پوشیدہ رہ کر عبادت کیا کرتے تھے اگرچہ خواجہ یوسف بہدانیؒ کا طریقہ آپ سے مختلف یعنی ذکر خفی کا تھا مگر انہوں نے آپ کے طریقہ پر کبھی اعتراض نہ کیا۔ سوئس درویش نظر پر قدم۔ سفر و وطن اور خلوت و دراجمن کی جو اصطلاحات سلسلہ نقشبندیہ میں قائم ہوئیں، آپ ہی کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔

ایک حیرت انگیز واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ماشورہ کے روز آپ کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے تھے، معرفت الہی

یہ باتیں ہمہ جہت تھیں کہ ایک خوبصورت نوجوان یا جو شکل و صورت سے بڑا ہلو و زاہد دکھائی دیتا تھا اور چپکے سے ایک گونے میں بیٹھ گیا۔ خواجہ عبدالغفار جتنے بھی مرتبہ اسے کتھیں سے دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھ کر آپ کے سامنے آگیا اور سوال کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اتقوا قرابۃ المؤمن فانہ ینظر بنورہ اللہ عنہ و جہن (یعنی مومن کی قرابت سے ڈرو، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے) اس روایت میں کیا راز ہے؟

حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا اس میں راز یہ ہے کہ تم زناہر توڑ ڈالو اور ایمان لے آؤ۔ اس نے کہا نعمتہ باللہ میرے بدن پر تو کوئی نثر نہیں۔ آپ نے خادم کی طرف اشارہ کیا کہ اٹھ کر اس شخص کے بدن پر سے خرقہ (جو وہ پہنے ہوئے تھا) کھینچ لو۔ خادم نے ایسا ہی کیا تو یہ کچھ زناہر نثر آگیا۔ وہ نوجوان اسی وقت زناہر توڑ کر اسلام لے آیا۔ خواجہ صاحب اپنے ساتھیوں نے مخاطب ہو کر کہنے لگے آؤ ہم سب بھی اپنے اپنے زناہر توڑ ڈالیں اور اس نوحہ کے ساتھ ایمان لے آئیں۔ جس طرح اس نے ظاہر کے زناہر توڑا ہے ہم بھی باطن کے زناہر جن سے خود پسندی مراد ہے دور کر دیں تاکہ جس طرح اس کی آرزو ہوئی ہے اسی طرح بیماری بھی آرزو ہو جائے۔

یہ باتیں سن کر لوگ حیران ہو گئے۔ محفل میں ہر طرف ایک شہر برپا ہو گیا۔ تمام حاضرین نے اپنے سر خواجہ صاحب کے قدموں میں رکھ دیے اور تہجد یہ تو ہوئی۔

ایک مرتبہ ایک شخص کو آپ نے یہ فرماتے سنا کہ اگر خدا مجھے دوزخ اور جنت دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کرے گا اختیار دے تو میں جنت کو کبھی پسند نہ کروں بلکہ دوزخ کو پسند کروں۔ اس لیے کہ جنت میرے نفس کو پسند ہے اور میں نے اپنے نفس کی پسند کو کبھی پورا نہیں ہونے دیا۔ خواجہ عبدالغفار نے یہ سن کر بولے ایسا نہ کہو اس لیے کہ ہم بندے ہیں اور بندے کو اختیار سے کیا غلام؟ جو اللہ کی مرضی وہی بیماری مرضی، جہاں بھیجے گا وہیں جائیں گے۔

اس شخص نے پوچھا کیا ساکب راہ پر شیطان کو کوئی اختیار ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جب تک وہ فتنائے نفس کی ہر حد تک نہ پہنچ جائے شیطان کو اس پر دسترس حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ جو فتنائے نفس کی حد تک پہنچ جائے۔ اس میں غصہ باقی نہیں رہتا جس میں شیطان کو قابو مل جایا کرتا ہے۔ بلکہ اس میں غیرت پیدا ہو جاتی ہے اور جہاں غیرت آجائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ یہ مرتبہ صرف اسے حاصل ہوتا ہے جس کا رخ راہ حق کی طرف ہو اور اللہ کی کتاب کو دائیں ہاتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بائیں ہاتھ میں تقاضے ہو۔ اور انہی دونوں کی روشنی میں سلوک کی منزل طے کرتے۔

آپ نے اپنے فرزند خواجہ اولیائے کبیر کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: اے بیٹے! میں تجھے علم و ادب، تقویٰ اور اتباع سنت و جماعت کی وصیت کرتا ہوں۔ نماز باجماعت ادا کرتے رہنا۔ حدیث اور تفسیر کی تعلیم حاصل کرنا۔ جاہل صوفیوں سے بچے رہنا۔ اپنے احوال کو پوشیدہ رکھنا۔ کسی مسجد میں پیش امام یا مولانا نہ بنانا۔ نہ ہی قاضی یا حاکم شہر بنانا۔ نہ کوئی قبائل اپنے نام رکھنا، بادشاہوں سے میل جول نہ رکھنا، خانقاہیں نہ بنانا۔ نہ اپنے تئیں شیخ کہلانا۔ سماع زیادہ نہ سنانا اور سماع

سے انکار بھی نہ کرنا۔ کم باتیں کرنا، کم کھانا، کم سنا اور عوام الناس سے بھاگنا، مردوں اور عورتوں سے صحبت نہ رکھنا۔ دنیا کی طلب میں منہمک نہ ہونا۔

آپ نے فرمایا اسے بیٹے! بہت روؤ اور کم ہنسو، قہقہے سے پرہیز کرو۔ کسی مخلوق کو اپنے سے کم تر مت جانو اور اپنے آپ کو کسی سے بہتر مت جانو۔ اپنی ظاہری حالت مت سنوارے رکھو اور جہاں تک ممکن ہو خدمتِ خلق میں سعی کرتے رہو اور خلقِ خدا کی خدمت میں جان و مال سے دریغ نہ کرو۔ مشائخین کرام کو جان سے زیادہ عزیز رکھو اور ان کے افعال پر معترض نہ ہو۔ دوسروں کے دلوں کو ہاتھ میں لیے رہو اور اپنے دل کو اندوگین رکھو۔ جسم لاغر رہے اور آنکھیں گریباں۔ خلوصِ دل سے عمل کرو اور گڑگڑا کر دعا مانگا کرو۔ پرانا کپڑا پہنو اور درویشوں کی رفاقت میں رہو۔ تمھاری سچی عبادت الہی اور تمھارا گھر مسجد، تمھارا قلبِ ذاکر اور تمھاری زبان شاکر ہونی چاہیے۔ تمھارا مونس ذکر الہی اور تمھارا یارِ فکر رہے۔ اپنے بزرگوں کے طریقہ پر قائم رہو۔ جس سے مراد ہوشِ دردم، نظرِ بر قدم، سفرِ در وطن، خلوتِ در انجمن، یادِ کرد و نگہداشتِ خواطر۔ خلقِ با خلق، وقوفِ زمانی، وقوفِ عددی اور وقوفِ قلبی ہے۔

آپ کی کرامات اور خوارق بھی بکثرت بیان کیے جاتے ہیں۔ آپ کے تین بڑے خلیفہ تھے۔ خواجہ احمد صدیق، خواجہ عارف ریوگری اور خواجہ اولیائے کبیر۔ خواجہ عارف ریوگری بہت بلند مرتبے کو پہنچے۔ آپ ریوگر نام ایک قصبہ کے رہنے والے تھے جو بخارا سے چھ کوس کے فاصلہ پر واقع تھا۔ آپ کے خلیفہ کا نام خواجہ محمود فغنوی تھا۔ ان کے خلیفہ خواجہ علی رامیتنی تھے۔ رامیتن ایک مقام کا نام ہے جو شہر بخارا سے دو اڑھائی کوس کے فاصلہ پر تھا۔ غرض حضرت شیخ کے تمام خلفاء بخارا کے آس پاس کے رہنے والے تھے۔ خواجہ علی رامیتنی باندگی کا پیشہ کرتے تھے اور عزیزان کے لقب سے مشہور تھے۔ خوارزم میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ یہ تمام بزرگ سلسلہ عالیہ نقشبندی کی درخشندہ کڑیاں تھے۔

شیخ یوسف ہمدانی | خواجہ عبدالخالق عجدانی کے پیر و مرشد شیخ یوسف ہمدانی امامِ وقت اور عارفِ یگانہ تھے۔ ابو یعقوب کنیت تھے۔ ہمدان کے مضافات میں قصبہ بوزنجر کے رہنے والے تھے، وہیں ۳۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی ابو یوب بن حسن بن شعیب تھا۔ آپ شیخ ابو علی فارمدی کے مرید تھے۔ شیخ عبدالشہ جونی اور شیخ حسن سنہانی کی خدمت میں بھی رہے۔ ابو اسحاق شیرازی سے بھی استفادہ کیا۔ غوث الثقلین محی الدین سید عبدالقادر جیلانی نے آپ سے تصوف کے بارے میں بہت کچھ سیکھا۔ "منازل الناکلین" اور "منازل السائرین" آپ کی دو تصانیف کے نام ہیں۔

آپ نے تحصیلِ علم کے شوق میں اٹھارہ برس کی عمر میں وطن چھوڑا اور سیاحتِ اختیار کی۔ پہلے بغداد تشریف لائے اور مولانا ابو اسحاق شیرازی کی خدمت میں رہے۔ قرآن اور علم فقہ انھیں سے سیکھا۔ آپ مولانا ابوالاسحق کے شاگردوں میں سب سے

زیادہ مقبول تھے۔ قیام بغداد کے دوران غوث الثقلین سے بھی مسلسل صحبت رہی۔

بغداد کے بعد اصعبان اور بخارا گئے اور وہاں رہ کر تحصیل علم کیا۔ پھر عراق، خراسان، خوارزم اور وادی النہر میں پھر۔ اور بہت مشقت و ریاضت کی، مجاہدہ نفس میں مشغول رہے۔ یہ تمام مراحل طے کرنے کے بعد خواجہ ابو علی فارمدی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور ان سے کسب کمال کیا۔ لوگوں کو موافقت حسنہ سے فیض پہنچاتے رہے۔ بعد ازاں مرو میں سکونت اختیار کی، پھر ہرات تشریف لے گئے اور وہاں یہ رہنے لگے۔ دوبارہ مرو آئے اور پھر ہرات واپس چلے گئے۔ غرض اسی طرح مختلف ملکوں، علاقوں اور شہروں میں گھومتے اور خلق خدا کو علوم و فنون کی اور دینی و باطنی تعلیم دیتے رہے۔ مرو جانے وقت راستے میں ۵۳۵ھ میں وفات پائی اور مرو میں دفن کیے گئے۔

آپ کے ارشادات میں سے ایک یہ ہے کہ "سماع خدا کی طرف سے اس کا سفیر اور قاصد ہے، وہ لطائف الہی، موارد غیب، فتح کے ابتدا اور انجام، معانی و بشارات کشف ہے۔ وہ ارواح کی قوت جسموں کی غذا اور دونوں کی زندگی ہے۔ سماع پر وہ کو توڑنے والا اور جھینڈ کو کھولنے والا ہے۔ وہ برق لامعہ اور آفتاب درخشاں ہے۔"

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ

ولادت _____ قصبہ ہرون (خراسان)

وفات _____ مکہ معظمہ ۶۰۷ھ

امام اربابِ طریقت و پیشواے اولیاءِ اہل حقیقت خواجہ عثمان ہارونیؒ اہل بصیرت کے مقتدا اور اس گروہ کے بڑے لوگوں میں تھے۔ حاجی شریف زندنیؒ کے مرید اور بیگانہ عصر تھے۔ خراسان کے قصبہ ہارون کے رہنے والے تھے، جو نیشاپور کے نواح میں واقع ہے۔

آپ کی زندگی زیادہ تر بیگم میں گزری اور وقت کے قریباً تمام مشہور مشائخ سے ملے۔ ان کی صحبت میں رو کر ظاہری دباطنی استفادے کی صورت نکالی۔ تاریخ ولادت کا صحیح علم نہیں ہو سکا۔ سن وفات کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ سفینۃ الاولیاء اور بعض دوسری کتابوں میں تاریخ وفات سولہ شوال ۶۱۷ھ درج ہے اور بعض ۶۰۷ھ بیان کرتے ہیں۔ بہر حال اس بات پر سب متفق ہیں کہ آپ نے بڑی بیٹی عمر پائی۔ مزار مبارک مکہ معظمہ میں کعبہ اور حنت المعلیٰ کے درمیان بیان کیا جاتا ہے۔ اخبار الصالحین میں لکھا ہے کہ نجدیوں کے اقتدار سے قبل اس قبر کے آثار موجود تھے مگر اب ناپید ہیں۔

آپ صاحب کشف و کرامات، واقف روز حقیقت، عالم شریعت و طریقت اور بڑے پایے کے ولی اللہ تھے۔ آپ کی علو شان اور فصاحت عظمت اس سے ظاہر ہے کہ آپ خواجہ اجمیریؒ جیسی ہستی کے پیروشن ضمیر تھے۔

آپ کے پیروں نے خرقہ خلافت خطا فرماتے وقت آپ کے فرق مبارک پر چہار ترک کی کلاہ رکھی اور فرمایا عثمان! اس کے چار گوشوں سے مراد چار چیزوں کا ترک ہے۔ یعنی ترک دنیا، ترک عیبی، ترک خور و خواب، مگر بہ قدر ضرورت اور ترک خواہش نفس۔ پھر فرمایا کہ یہ کلاہ اس شخص کو اپنے سر پر رکھنا جائز ہے جو ان چاروں چیزوں کو ترک کرے۔ سب لوگوں کو اپنے سے بہتر ادا اپنے آپ کو سب سے کمتر جانے۔ جس میں یہ باتیں نہ ہوں وہ اس کلاہ کا اہل نہیں اور اس کے لیے عرام ہے۔ خواجہ صاحب نے پیر طریقت کی ان باتوں پر پورا پورا عمل کیا۔ شدید ریاضت و مجاہدہ میں مصروف ہو گئے اور تین سال تک ایسی زندگی بسر کرتے رہے۔ جب پیروں نے امتحان لے لیا اور دیکھا کہ آپ ہر طرح کامیاب ثابت ہوئے ہیں تو بڑی

لے آسید بخارا کے نواح میں زندہ نام مقام کے رہنے والے تھے۔ خواجہ مورد حسی کے مرید اور خلیفہ اکبر تھے۔ ۶ رجب ۶۱۷ھ میں ایک

بیس برس کی عمر میں وفات پائی اور زندہ نہیں دفن ہوئے

شفقت سے خرقة خلافت عنایت فرمایا اور اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ پریک اجازت سے آپ نے سفر اختیار کیا اور بہت سے دور دراز علاقوں میں پھرے، وہاں کے علماء و مشائخ سے ملاقاتیں کیں۔

خواجہ اجمیری کو مرید کرنے کے بعد جب آپ اک معظمہ تشریف لے گئے تو خواجہ صاحب بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ مکہ سے آپ مدینہ شریف آئے، پھر بدخشاں کا رخ کیا۔ بدخشاں اور اس کے اُس پاس کے علاقوں میں جو بزرگان دین اور مشائخ رہتے تھے ان سب سے ملے۔ غرض دس سال تک سیاحت جاری رکھی۔ اس کے بعد بغداد تشریف لائے اور معتکف ہو گئے۔

کچھ مدت تک بغداد ہی میں مقیم رہے پھر دوبارہ عزم سفر کیا اور نکل پڑے۔ اس مرتبہ پھر دس سال تک سفر کیا اور پھر بغداد واپس آئے۔

انیس الارواح کے نام سے ایک کتاب میں خواجہ اجمیری نے آپ کے ملفوظات جمع کیے ہیں، مگر بعض لوگوں کو اس سے انکار ہے اور وہ انیس الارواح کو منسوبات سے شمار کرتے ہیں۔

سیر العارفین میں ہے کہ جب خواجہ اجمیری خرقة خلافت حاصل کر کے رخصت ہو گئے تو خواجہ عثمان ہر وئی محبت کے تقاضوں کی بنا پر خواجہ صاحب کے پاس پہنچنے کے لیے چل کھڑے ہوئے، اتفاق سے راستہ میں ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں آتش پرست رہتے تھے۔ ان لوگوں نے ایک آتشکدہ تیار کر رکھا تھا جس پر ایک بڑا گنبد تھا۔ یہ آتشکدہ روزانہ جلا یا جاتا اور وہ لوگ آگ کی پوجا کرتے۔ خواجہ صاحب اس مقام سے قدرے فاصلے پر ایک ندی کے کنارے فروکش ہوئے اور فخر الدین نام خادم کو بھیجا کہ قریبی بستی سے جا کر آٹا اور آگ لے آئے تاکہ روٹیاں بنالی جائیں۔ خادم بستی میں گیا، وہاں سے آٹا خریدیا پھر آتشکدہ کے پاس آیا اور آتش پرستوں سے آگ مانگی۔ پجاریوں نے آگ دینے سے انکار کر دیا اور خادم آگ کے بغیر واپس آگیا اور خواجہ صاحب سے واقعہ بیان کر دیا۔

خواجہ صاحب خود آتشکدہ کے پاس گئے اور پجاریوں کو وعظ و نصیحت لی کہ اس آگ کو پوجنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ فرمایا یہ تو تھوڑے سے پانی سے فنا ہو جاتی ہے یعنی اسے بقا حاصل نہیں۔ اس لیے ایسی چیز کی پرستش بے معنی ہے جو اپنا وجود قائم نہ رکھ سکے۔ پجاریوں نے جواب دیا، آگ کا وجود بہت عظیم ہے لہذا ہم اس کی پرستش کیوں نہ کریں۔

خواجہ صاحب نے فرمایا تم اتنی مدت سے اس آگ کو پوج رہے ہو، ذرا اپنا پاؤں اس میں رکھو میں دیکھوں تو یہ تمہیں جلاتی ہے یا نہیں؟

وہ بولے آگ کی خاصیت ہی جلاتا ہے پھر یہ ہمیں کیسے نہ جلائے گی۔ غرض وہ لوگ بحث میں پڑ گئے اور خواجہ صاحب کے ارشاد پر کوئی توجہ نہ دی۔

تب خواجہ صاحب نے ایک ایسی کرامت صادر فرمائی جسے دیکھ کر وہ لوگ متحیر ہو گئے اور آپ سے متاثر نظر آنے لگے، بعد ازاں آپ نے پھر انھیں وعظ و نصیحت فرمائی اور وہ سب کے سب تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے۔

خواجہ عثمان بڑے عابد و زاہد تھے۔ زیادہ وقت ریاضت و مجاہدہ میں گزارتا۔ بہت کم غذا کھاتے تھے۔ رات کو بھی بہت کم سوتے۔ رات دن میں دو بار قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ مال دنیا سے کچھ رغبت نہ تھی۔ خواجہ اجمیری ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے مریدوں میں ایک شخص تھا، جب اس نے وفات پائی تو میں بھی اس کے جنازے میں شریک ہوا اور لوگ اسے دفن کر کے لوٹ گئے مگر میں تھوڑی دیر کے لیے اس کی قبر کے پاس رُک گیا۔ دیکھا کہ عذاب کے فرشتے بڑی ہی ہیبت ناک اور بھیانک صورت میں اس کی قبر کے اندر داخل ہوئے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ خود خواجہ عثمان ہارونی بھی تشریف لے آئے ہیں۔ انھوں نے فرشتوں سے فرمایا یہ میرا مرید ہے اسے عذاب نہ دو۔ فرشتوں نے اللہ کا حکم پا کر عرض کیا یہ آپ کا سچا مرید نہ تھا بلکہ آپ کے حکم کے خلاف کیا کرتا تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا بے شک یہ ٹھیک ہے مگر یہ اپنے آپ کو میرے ساتھ وابستہ جانتا تھا۔ حکم آیا ہم نے اسے بخش دیا۔

خواجہ عثمان ہارونی کے ارشادات اور کلمات حکمت میں سے بعض بیان کیے جاتے ہیں۔ آپ نے علم کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں: ایک علم وہ ہے جو خدا نے ذوالجلال کے لیے حاصل کیا جائے اور ایک علم وہ ہے جو ہر طریق عوام سیکھا جائے۔ اسی طرح عمل کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ عمل جو خاص اللہ کے لیے کیا جائے اور یہ خواص کا عمل ہے۔ دوسرا وہ عمل ہے جو لوگوں کے لیے کیا جائے، یعنی محض نمائش کے طور پر۔ اس عمل کا کرنا اچھا نہیں اور نہ ہی اس کا بدلہ ملتا ہے۔ فرماتے ہیں: ایک ایمان وہ ہے کہ بندہ زبان سے تو اقرار کرے مگر دل میں شبہ رکھے یہ منافقوں کا ایمان ہے۔ دوسرا ایمان یہ ہے کہ زبان اور دل دونوں سے اقرار کرے یعنی جو کچھ زبان سے کہے دل میں یقین ہو کہ ہاں ایسا ہی ہے اور یہ نیک لوگوں کا ایمان ہے۔ فرماتے ہیں کہ مومن وہ شخص ہے جو تین چیزوں کو دوست رکھے، موت، فاقہ اور درویشی۔ فرمایا حلال کھانا کھاؤ اور حلال کمائی کا کپڑا پہننا اور توبہ کرو۔ پھر فرمایا حسد بہت بڑی شے ہے اسے دل میں ہرگز نہ جگہ نہ دو۔ فرماتے ہیں مرد وہ ہے جو اللہ کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے اور دنیا و آخرت میں مبتلا نہ ہو۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ خواجہ صاحب کی دو خواہشیں تھیں، اول یہ کہ میں مکہ معظمہ میں دفن کیا جاؤں، دوسری یہ کہ خواجہ اجمیری کو مقام ولایت نصیب ہو چنانچہ دونوں خواہشیں پوری ہوئیں۔

قطعہ تاریخ وفات

شیخ عثمان مقتدی نے اولیاء

جلوہ گرشہ نیز تاج الاصفا

(اردو ترجمہ انیس الارواح) م-ع

رفت از دنیا چون داغِ بریں

سال وصلش قلب رفت آمد عیان

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ

ولادت ۵۰۲ھ

وفات ۵۷۱ھ

قطب ارشاد شیخ نجم الدین کبریٰ خاندان کبرویہ کے سردار اور خاندان فردوسیہ میں سرعلقہ اہل ذوق و سماع اور علوم ظاہر باطن کے جامع تھے۔ شیخ الدین شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنا خرقہ مبارک بلا واسطہ انھیں عطا فرمایا تھا۔ آپ کا اسم مبارک احمد کنیت ابو الخیاب اور لقب کبریٰ تھا۔ اس لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جوانی کے دنوں میں آپ تحصیل علم میں بہت مصروف رہتے تھے اور مناظرہ کے بہت شوقین تھے۔ جس سے مناظرہ کرتے اُس پر غالب آتے اس وجہ سے آپ کا لقب طامۃ الکبریٰ پڑ گیا اور اسی سے مشہور ہوئے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے لفظ "طامۃ" حذف ہو گیا اور صرف کبریٰ رہ گیا۔

والد بزرگوار کا اسم گرامی عمر بن محمد بن عبداللہ الجعونی تھا۔ سلطان سنجر کے زمانہ میں ۵۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو شیخ ولی تراش بھی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ غلبات و جہد میں جس کسی پر آپ کی نظر پڑتی وہ درجہ ولایت کو پہنچ جاتا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک روز ایک سوداگر سیر کرتا ہوا آپ کی خانقاہ کے قریب سے گزرا۔ آپ کی نظر اس پر پڑی تو وہ مرتبہ ولایت کو پہنچ گیا۔ آپ نے اس سے کہا کہ جاؤ اپنے ملک میں جا کر لوگوں کو حق کے راستے پر لگاؤ۔ مولانا روم کا یہ شعر

یک نظر فرما کہ مستغنی شوم ز ابنائے جنس

سگ کہ شد منظور نجم الدین سگال را سرد راست

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ شیخ نجم الدین کے مرید شیخ سعد الدین جموی کو ایک دفعہ خیال آیا کہ آیا اس وقت کوئی ایسا بھی ہے کہ اس کی صحبت کا اثر کتے تک میں نظر آئے۔ شیخ نے اپنی فراست سے یہ حال جان لیا اور خانقاہ کے دروازے پر گئے۔ اتفاق سے وہاں ایک کتا موجود تھا۔ شیخ کی نگاہ کتے پر پڑی تو وہ متحیر و بیخود ہو گیا اور شہر سے نکل کر قبرستان کی طرف چل دیا۔ شہر کے کتے اس کے گرد جمع ہو گئے اور سردھننے لگے۔ کچھ دنوں بعد وہ مر گیا۔ شیخ نے فرمایا اسے دفن کر دو۔ شیخ نجم الدین نے ابتدا میں تبریزی میں کتاب شرح السنہ پڑھی۔ جب کتاب ختم ہونے کو آئی تو ایک روز شرح السنہ کا درس پورا تھا اور آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ استاد کے سامنے بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ کہ ایک درویش آیا، آپ اُسے پہچانتے نہ تھے، مگر اس کی صورت دیکھتے ہی حالت متغیر ہو گئی۔ بے قرار ہو کر ان کا نام پوچھا۔ کسی نے بتایا کہ بابا فرج تبریزی

یہی وہ مجذوبان و محبوبان حق میں سے ہے۔ شیخ تمام رات بے قرار رہا، صبح ہوتے ہی استاد کے پاس آئے اور انھیں بابا فرج کی زیارت کے لیے چلنے کو کہا۔ غرض سب کے ساتھ بابا فرج کی خانقاہ میں پہنچے۔ بابا فرج کے خادم نے اندر جا کر اطلاع کی، انھوں نے فرمایا کہ جس طرح خدا سے عزوجل کی درگاہ میں حاضر ہوا کرتے ہیں، اسی طرح یہاں آنا چاہیں تو آسکتے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں چونکہ بابا فرج کی نظر سے بہرہ مند ہو چکا تھا، اس لیے مطلب سمجھ گیا اور کپڑے اتار کر دست بستہ سامنے حاضر ہوا۔ میرے ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا اور سب بابا فرج کے سامنے بگڑ بگڑ گئے۔ لمحہ بھر کے بعد ان کی حالت میں تبدیلی واقع ہوئی اور چہرے پر جلال چھا گیا اور وہ سورج کی طرح دکنے لگا۔ جسم کا لباس پندے پرزے ہو گیا۔ پھر ایک پہر ساعت کے بعد حالت سنبھلی تو اٹھے اور وہ لباس بچھے پہنا دیا اور کہا کہ ترا وقت دفتر خواندن نیست وقت است کہ سرد دفتر جہاں شوی۔ میری حالت متغیر ہو گئی اور میرا دل غیر حق سے منقطع ہو گیا۔ جب ہم باہر آئے تو استاد نے کہا شرح السنہ تھوڑی رہ گئی ہے دو تین دن میں اُسے ختم کر دو پھر چاہو کہ دو۔ دوسرے روز پڑھنے کے خیال سے پھر استاد کے پاس گیا تو دیکھا وہاں بابا فرج موجود ہیں اور کہنے لگے "دیروز ہزار منزل از علم یقین بگزشتی امروز باز بر سر علم می دی" چٹن کر میں نے درس ترک کر دیا اور خلوت و ریاضت میں مشغول ہو گیا۔ اس شغل میں علوم لدنی اور واردات غیبی ظاہر ہونے لگے۔ میں نے کہا حیف ہے اگر یہ ضائع ہو جائیں، او انھیں لکھ لوں۔ اس خیال کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ بابا فرج دروازہ سے اندر آئے اور فرمانے لگے کہ شیطان تجھے تشویش دے رہا ہے، ان باتوں کو مت لکھو۔ میں نے قلم دوات پھینک دیے اور برطرف سے خاطر کو یکسو کر کے مشغول بقی ہوا۔

خوزستان پہنچ کر شیخ نجم الدین بیمار ہو گئے۔ بیماری کے عالم میں شیخ اسمعیل مقدسی سے ملاقات ہوئی۔ یہ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور درویش تھے۔ انھوں نے لبی قیام گاہ میں جگہ دی۔ شیخ اسمعیل سماع کے شائق تھے۔ چنانچہ آپ بیماری کے عالم میں ان کی مجلس سماع میں شامل ہوا کرتے تھے۔ مگر چونکہ بیمار رہتے تھے اس لیے سماع کے شور و غل سے جی گھبراتا تھا۔ کچھ مدت بعد تندرست ہو گئے۔ شیخ اسمعیل سے عقیدت بھی بڑھ گئی تھی، چنانچہ انھیں کے مرید ہو گئے۔

کچھ مدت تک انھیں کے پاس رہے اور علم ظاہری و باطنی حاصل کیا۔ بعد ازاں شیخ عمار کی خدمت میں رہے اور ان سے بھی روحانی استفادہ کیا۔ پھر انھیں کے حکم سے مصر گئے وہاں شیخ روز بہان کی خانقاہ میں ٹھہرے اور کچھ مدت تک شیخ موصوف کی خدمت کرتے رہے، پھر واپس شیخ عمار کے پاس پہنچے۔

شیخ عمار کی خدمت میں رہ کر سلوک کے منازل طے کیے۔ شیخ نے خود ہم جہانے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ وہاں گئے اور لوگوں میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔ آپ کے مریدوں اور فیض یافتہ بزرگوں میں ذیل کے مقتدر حضرات قابل ذکر ہیں:

شیخ محمد الدین بغدادی - شیخ سعد الدین حموی - بابا کمال حموی - شیخ رضی الدین علی اللہ - شیخ سیف الدین نازمی - شیخ نجم الدین مازنی اور شیخ جمال الدین گیلی -

آپ کے مرید اور خلیفہ شیخ محمد الدین بغدادی نے "تحفۃ البریۃ" نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں آپ کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ شیخ نجم الدین کا اپنا ایک رسالہ بھی تھا۔

حضرت عمار یاسر اور شیخ اسمعیل حضرمی سے آپ کی نسبت ارادت تھی۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی کے واسطے سے آپ کا اول الذکر سلسلہ اولیٰ تک جاتا ہے۔ دوسرا سلسلہ شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی کے ذریعہ پہنچتا ہے۔

وفات | بیان کیا جاتا ہے کہ جب محمد خوارزم شاہ تاتاریوں کے خوف سے بھاگ نکلا تو تاتاری اس کی تلاش میں نکلے۔ انہیں پتہ چلا کہ بلد شاہ خوارزم میں ہے، چنانچہ وہ ادھر کو گئے۔ یہاں شیخ نجم الدین قیام فرماتے۔ انہوں نے اپنے مریدوں کو مشورہ دیا کہ یہ تاتاری فتنہ بہت بُرا ہے لہذا تم لوگ اپنے اپنے علاقوں کو چلے جاؤ۔ بعض عقیدت مندوں نے عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں کہ یہ فتنہ دور ہو جائے۔ آپ نے فرمایا قضاے الہی ایسی ہی ہے۔ یہ فتنہ دعا سے دور نہ ہو گا۔ چنانچہ مریدوں نے سواریاں تیار کیں اور عرض کیا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ آپ نے جواب دیا میں نہیں جاؤں گا اس لیے کہ میری قسمت میں یہیں شہادت پانا لکھا ہے اور مجھے یہاں سے جانے کی اجازت نہیں۔ پھر آپ نے سب مریدوں کو رخصت کر دیا۔ چند ساتھی رہ گئے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا! اٹھو اللہ پر توکل کر کے جہاد کریں۔ خود لٹھے، خرقہ پہنا، کمر باندھی اور نیزہ ہاتھ میں لے کر باہر تشریف لائے۔ تاتاریوں سے مقابلہ ہوا، دونوں طرف سے حملے ہوئے۔ سینہ مبارک میں تیر لگا جو آپ نے نکال کر پھینک دیا، مگر زیادہ زخمی ہو جانے کے باعث جانیر نہ ہو سکے۔ شہادت کا یہ واقعہ ۱۸۶۱ھ میں سلطان محمد خوارزم شاہ کے عہد میں ہوا، اور ان کے شاہنشاہ کی فرج کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

آپ نصیبت و طریقت و تصوف میں بیگانہ تھے۔ بکثرت خوارق و کرامات آپ سے سرزد ہوئے۔ آپ کے نزدیک صوفیوں کے مقابلہ میں سکر زیادہ عزیز تھا۔ اکثر اوقات فناے احدیت میں مستغرق رہا کرتے تھے اور جو کچھ زبان مبارک سے نکلتا فوراً ظاہر ہوتا تھا۔

حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن بھنگری

ولادت ————— سیستان ۵۳۶ھ

وفات ————— اجمیر ۶۳۳ھ

خواجہ خواجگان معین الدین حسن بھنگری ان نامور اور اکابر اولیاء میں سے ہیں جن پر زمانہ ہمیشہ فخر کرے گا اور اس اعتبار سے آپ کو منفرد حیثیت اور استثنائی حیثیت حاصل ہے کہ کفر کدہ ہند میں اسلام کی روشنی آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے پھیلی اور یہاں اسلامی حکومت کا سنگ بنیاد بھی آپ ہی کے ہاتھوں نصب کیا گیا۔

ولادت اور | ۵۳۶ھ بھنگری میں سیستان کے قصبہ بھنگری میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی خواجہ غیاث الدین حسن بہت دولت مند حسب نسب | تاجر اور بااثر شخص تھے۔ علاوہ انہیں بڑے عابد اور زاہد تھے۔ خواجہ صاحب نے دولت مند گھرانے میں بڑے زور و زعم سے پرورش پائی۔ آپ نجیب الطرفین سید تھے۔ سلسلہ نسب پندرہ واسطوں سے حضرت علی بن ابی طالب تک اس طرح پہنچتا ہے :

حضرت خواجہ معین الدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن امام علی رضا بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی بن امام زین العابدین بن سید الکونین امام حسین بن المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

وطن کے حالات | جس زمانے میں خواجہ بھنگری کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی وہ اسلامی دنیا میں بڑی مصیبتوں اور ابتلا کا زمانہ تھا۔ سیستان اور خراسان کے علاقے بھی تباہی اور لوٹ مار کی زد میں آئے ہوئے تھے۔ ہر طرف افراق فری کا دور دورہ تھا۔ ملک کے اندر سیاسی جھگڑوں نے خطرناک صورت اختیار کر رکھی تھی اور آئے دن کے بلوں اور فسادات سے شہر کے شہر تباہ ہو رہے تھے۔ خود مسلمانوں کے اندر کئی فرقے پیدا ہو چکے تھے۔ جو ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے لیے تھے۔ ملاحظہ اور باطنین نے ملک میں اودھم مچا رکھا تھا۔ سلطان سنجر جو سلجوقی خاندان کی یادگار تھا اس علاقہ کا حکمران تھا۔

۱۷ امام غزالی کی وفات کے اکتیس سال بعد۔ یعنی مؤرخین پیدائش کا سن ۵۳۷ھ بیان کرتے ہیں۔

۱۸ سیستان کو سجستان بھی کہتے ہیں اس لیے خواجہ صاحب کو بھنگری (سجری) بھی کہتے ہیں اور سنجر (سجری) بھی (ان خباہات العالمین حصہ اول ص ۱۹۹)

۱۹ خزینۃ الاصفیاء فارسی) جلد اول ص ۲۵۷

عبدالملک شہر کے بیان کے مطابق سلطان سنجر اپنے حقوق حکمرانی کو شوکت و سطوت اور زبردست فوجوں اور بہادر سپاہیوں کے مقابل زیادہ تر خاندانی حقوق اور حقدار سلطنت ہونے کی بنیاد پر ثابت کرنا چاہتا تھا گویا بھی اس کی سلطنت میں کمزوریوں کے آثار نمایاں نہ ہوئے تھے، مگر اس کا کیا علاج تھا کہ خطائی تاناریوں کا ایک نیا پر جوش و حشی گروہ جو "غزوہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا جوش و خروش سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور ہر قسم کی لوطیہ بار، تاخت و تاراج اور ظلم و جور پر آمادہ تھا۔ چنانچہ ۵۳۶ھ میں سلطان سنجر کو ان لوگوں سے ایک بڑی بھاری شکست ہوئی، جس میں سیستان کا حاکم جو سلطان کی طرف سے بڑی بہادری کے ساتھ لڑا تھا، اور جس کی نبرد آزمائی نے تمام دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ خطائیوں کے ہاتھ میں زندہ گرفتار ہو گیا۔ خود سنجر بے سرو پانی سے بھاگا اور خراسان کے شہروں پر تاناریوں نے طرح طرح کے ظلم کیے۔"

خراسان کو | غرض ۵۳۶ھ کے اس المناک ماحول میں خواجہ اجمیری کی ولادت ہوئی۔ اس وقت ملاحظہ، باطنین اور خطائی ہجرت! ترکوں کے ہاتھوں آپ کا مولد تباہ و برباد ہو رہا تھا۔ ان حالات نے آپ کے والد بزرگوار کو سیستان چھوڑنے پر مجبور کیا اور وہ خراسان چلے آئے اور خواجہ اجمیری یہیں نشوونما پانے لگے، مگر یہ جگہ بھی ان سفاکوں کی دستبرد سے محفوظ نہ تھی۔ یہاں بھی وہی تباہ کاریاں ہو رہی تھیں بلکہ جلد ہی خراسان کی حالت دوسرے علاقوں سے بھی زیادہ بدتر ہو گئی اور خواجہ اجمیری کے ہوش سنبھالنے تک یعنی سن رشد کو پہنچنے تک قتل و غارت کا یہ سلسلہ جوں کا توں جاری رہا۔ بچپن کے اس تمام عہد میں آپ نے زمانہ کے ہولناک حالات مشاہدہ کیے، جن کے باعث آپ کا دل کھٹا بچکا تھا۔ ۵۴۹ھ میں جب کہ آپ کی عمر تیرہ برس کی تھی، حالات نے ایک اور عبرت ناک کروٹ لی، جو تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

خراسان کی | ان حالات کی تفصیل شہر لکھنوی کے الفاظ میں سنیے: آپ لکھتے ہیں کہ اسی سال (۵۴۹ ہجری میں) سلطان کیفیت! کوترکان غزو کے مقابل دوبارہ شکست ہوئی اور ایسی شکست فاش کہ وہ خود ان کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا اور ملک کا کوئی حامی و نگران نہ رہا، جس کی قسمت یک بریک و حشی درندوں اور بے رحم لٹیروں کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ وہ درشت مزاج اور وحشی لوگ خراسان کے علاقے میں گھس آئے۔ بلاد طوس (شہر مقدس) اور نیشاپور کو بڑی بے رحمی سے لوٹا۔ عورتوں کو جہاں پایا بے عزت کیا، ان کی عصمتیں خراب کیں، انھیں بے حرمت و بے آبرو کیا۔ عورتوں اور لڑکوں کو بکڑ کر لونڈی غلام بنایا۔ تمام مسجدیں تباہ و برباد کر دیں۔ مکانات منہدم کر دیے گئے۔ نیشاپور میں ظالموں نے ایسا ظلم کیا اور اس قدر قتل و خون کیا کہ اپنے خیال میں انھوں نے ایک شخص بھی زندہ نہ چھوڑا تھا۔ شاذ و نادر ہی کوئی ایسا خوش قسمت تھا جو کہیں چھپ چھپا کر بچ گیا ہو۔ ہر طرف لاشوں کے انبار اور تودے لگے تھے۔ بہت سے لوگوں نے جامع مسجد شعبی میں پناہ لی اور اندر سے دروازے بند کر لیے مگر وحشی جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے تھے انھوں نے ہلہ کر کے اس کے دروازے کھٹاڑیوں سے چیر ڈالے اور داخل ہو کر مقام میں جو خداوند جل و علا کا دامن عافیت اور دینداروں کے نزدیک دارالامان تھا گھس کر سب کو شہید کر ڈالا۔ یہی حالت وہاں کے عالی شان بیمارستان (دار الشفاء) کی ہوئی، جس کی عمارت قلعہ جیسی تھی۔ بہت سے لوگوں نے

اس میں پناہ لی۔ صرف پناہ ہی نہ لی بلکہ اس کی چھت پر چڑھ کر دشمنوں پر تیراؤ پھرتے ہوئے، مگر ترک اس میں بھی اگھسے اور جو بھی ملاخواہ وہ طیب تھا یا مریض، زخمی تھا یا جراح، بلا استثنا امتیاز سب کو جام فنا پلا دیا۔

نیشاپور کے مظلوموں اور جام شہادت پینے والوں میں سپاہی اور عوام ہی نہ تھے بلکہ بڑے بڑے علماء و فضلا، اولیاء و ابرار، اقیاء و احرار بھی تھے۔ تمام علماء و شیوخ شہید ہوئے اور کل صالحین و متصوفین فنا کر دیے گئے، جن میں محمد بن یحییٰ فقیہ شافعی تھے، جو علم و فضل میں مرجع عالم تھے۔ متبحر و مستند ہونے کی حیثیت سے دنیا میں اپنا کوئی مماثل و ہمتا نہ رکھتے تھے۔ ان کے حلقہ درس میں مشرق و مغرب کے طلبہ کا مجمع رہتا تھا۔

عبدالرحمان بن عبدالصمد کاف نیشاپوری جو بڑے فقیہ اور عابد و زاہد تھے، جن کی خدمت میں سلطان سنجر حسن عقیدت سے حاضر ہوا کرتا تھا، امام قشیری کے نواسے احمد بن حسین کاتب ابوالبرکات فرادی، امام علی صباغ جو اس عہد کے ایک بردست متکلم تھے۔ احمد بن محمد بن خالد، عبدالوہاب متابادی قاضی ساعد بن عبدالملک، حسن بن عبدالحمید رازی اور ان کے علاوہ صدیوں علماء و زاہد تھے، جو کمال بے دردی اور بے رحمی سے شہید کیے گئے۔

نیشاپور اس زمانے میں علم و فضل کا مخزن تھا، لہذا مدت ماہے دراز کے ذوقِ علم نے جو کچھ سرمایہ علمی وہاں فراہم کیا تھا وہ سب بھی خاک میں ملا دیا گیا اور کل کتب خانوں میں آگ لگا دی گئی۔

ابتدائی زندگی | غرض مصیبتوں اور آفتوں کے اس المناک ماحول میں خواجہ اجمیری نے پرورش پائی اور یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا، جس کے باعث عبرت اور ناپائنداری عالم کا پہلا نقش آپ کے دل پر پڑا اور دنیا سے جی اچاٹ ہونے لگا۔ ۵۵۰ھ میں جب کہ آپ کی عمر پندرہ برس کی تھی، آپ کے والد بزرگوار خواجہ غیاث الدین حسن نے وفات پائی۔ جس سے آپ کے دکھے دل کو ایک اور صدمہ پہنچا، مگر آپ بد دل نہ ہوئے۔ والدہ ماجدہ نے جن کا نام نافی بی بی نور تھا۔ آپ کی پرورش اور تربیت کی طرف پوری توجہ فرمائی، مگر وہ بھی جلد دنیا سے رحلت فرما گئیں اور آپ کشمکش حیات میں تنہا رہ گئے۔ والد کی وفات کے بعد ایک باغ اور ایک چکی ورثہ کے طور پر آپ کو ملی۔ چنانچہ آپ نے باغبانی کو ذریعہ معیشت بنایا اور سارا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ درختوں کو پانی دیتے، زمین کو ہموار کرتے، پودوں کی کاٹ چھانٹ عمل میں لاتے کھاد وغیرہ کا بندوبست کرتے اور خود ہی پھلوں کو فروخت کرتے۔

انقلابی واقعہ | ایک روز آپ اپنے باغ میں آرام فرما رہے تھے کہ ابراہیم قندوزی نام ایک مشہور بزرگ اور مجذوب وہاں تشریف لائے۔ یہ بزرگ دنیا کے جھگڑوں سے بے نیاز اور الگ تھلگ ہو کر پھرتے رہتے تھے۔ خواجہ اجمیری نے انہیں

۱۔ معنی غلام سرور لاہوری کے بیان کے مطابق آپ نے عراق میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے (خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۵۴) مگر اخبار الصالحین کے بیان کے مطابق آپ خراسان میں فوت ہوئے۔

دیکھا تو ہمان نوازی کے طور پر انھیں ایک سایہ دار درخت کے نیچے بٹھایا، پھر انگوروں کا ایک خوشہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ بزرگ صاحب نظر تھے ہی۔ پہلی نگاہ میں خواجہ اجمیری کو پہچان لیا اور اپنے مطلب کا آدمی پا کر اپنی کسکول سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکالا۔ اسے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں ڈال دیا۔ کھلی حلق سے اترتی ہی تھی کہ خواجہ صاحب کی کیفیت بدل گئی۔ ان کے قلبی رجحان میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا۔ زندگی نے یکسر پلٹا کھلایا اور عشق الہی نے دل پر اثرات جلنے شروع کر دیے۔

وہ بزرگ اپنا کام کر کے چلتے بنے اور ادھر خواجہ صاحب ایک نیا انقلابی عزم لے کر اٹھے۔ باغ، چکی اور دوسرا تمام اثاثہ فروخت کر کے بھاری رقم فقرا اور مساکین کو دے دی اور خود خدا پر توکل کر کے تن تنہا نکل پڑے۔

پہلا سفر | سب سے پہلے آپ نے مشرق کا راستہ لیا۔ سمرقند و بخارا ان دنوں اسلامی علوم و فنون کے مرکز سمجھے جاتے تھے، جہاں لوگ دور دور سے اسلامی تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ خواجہ صاحب بھی وہیں پہنچے۔ سب سے پہلے آپ نے قرآن کریم حفظ کیا پھر تفسیر، فقہ، حدیث اور دوسرے علوم ظاہری میں مہارت حاصل کی۔ آپ نے کن کن علماء یا اساتذہ سے تعلیم حاصل کی؟ اس کا صحیح علم نہیں ہو سکا۔ اتنا معلوم ہے کہ آپ کو پڑھانے والوں میں ایک مولانا حسام بخاری تھے۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید آپ نے انھیں سے حفظ کیا۔ پھر مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور نیشاپور و خراسان ہوتے ہوئے عراق کا رخ کیا۔ راستہ میں نیشاپور کا قصبہ ہارون واقع تھا۔ جہاں اس وقت کے مشہور بزرگ خواجہ عثمان ہارونی رح کی سکونت تھی۔

مرشد سے بیعت | آپ خواجہ عثمان ہارونی رح کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر شرف ارادت و بیعت سے مشرف ہوئے۔ خواجہ اجمیری راہ سلوک و معرفت میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے پیرو مرشد کی تلاش میں تھے ہی، خواجہ عثمان ہارونی رح سے ملاقات ہونے پر آپ نے محسوس کیا کہ ان سے زیادہ مرد کامل آپ کو نہیں مل سکتا۔ چنانچہ کچھ دن تک ان کی صحبت میں رہے اور عقیدت کا جذبہ آپ کے دل میں بڑھتا چلا گیا۔ خواجہ عثمان ہارونی رح نے بھی خواجہ اجمیری کی باطنی حالت کو بھانپ لیا تھا چنانچہ انھوں نے بھی خواجہ اجمیری کی معیت کو مبارک جانا۔ خواجہ اجمیری کی استدعا پر خواجہ عثمان ہارونی رح نے ان سے بیعت لے لی اور اپنے مریدوں میں شامل کر لیا۔

”چشت“ | خواجہ اجمیری کو چشتی اُس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا سلسلہ ارادت خواجہ اسحاق شامی المعروف چشتی تک پہنچتا کا مطلب ہے۔ شرر لکھنوی نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ شیخ عثمان ہارونی رح کو حاجی شریف زندنی سے ارادت تھی، وہ خواجہ مودود چشتی کے مرید تھے، ان کو خواجہ ناصر الدین چشتی سے ارادت تھی اور خواجہ ناصر الدین چشتی شیخ یوسف چشتی کے مرید تھے، ان کا شمار خواجہ ناصر الدین ابو محمد چشتی کے مریدوں میں تھا اور وہ خواجہ ناصر الدین احمد چشتی کے مرید تھے، خواجہ اسحاق شامی المعروف چشتی کی بارگاہ حقیقت دستگاہ سے فیض حاصل ہوا تھا۔ چشتی کا لقب انھیں کے وقت سے شروع ہوا ہے۔

چشت اطراف خراسان کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ اسحاق کا وطن طائف تو ملک شام تھا، مگر ہدایت خلق اللہ اور مستحقین و طالبین کو روزِ باطن کی ودیعت پہنچانے کے لیے ان حضرت نے موضع چشت کو اپنا مرکز و مستقر بنا لیا تھا۔ جہاں انھوں نے ایک چشمہ فیض جاری کیا اور ایک ایسا مدرسہ و فیض کھول دیا کہ سلسلہ دار اسی موضع کے متعدد بزرگ ان کی شمع معرفت سے حقیقت و عرفان کا سبق لے لے کر اس گمنام گاؤں کا نام روشن کرتے رہے۔ اور واقعی یہ تھوڑی حیرت کی بات نہیں کہ آج یہ تو کوئی نہیں جانتا کہ چشت کہاں ہے یا کہاں تھا، لیکن اس کا نام ان بزرگوں کی برکت سے ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا۔ اس بابرکت خاندان روحانی سے صد ہا بلکہ ہزار ہا ولی اللہ پیدا ہوئے جنہوں نے تبلیغ رسالت محمدی کی آواز چار دانگ عالم میں پہنچائی۔ علی الخصوص مالک مشرق کا کوئی خطہ نہیں جہاں اس خاندان طریقت کے فیوض نے حقیقت جو اہل اللہ کے سینوں میں آفتاب معرفت نہ چمکایا۔

خواجہ اجمیری کا | خواجہ صاحب کا سلسلہ ارادت و عقیدت ساتویں درجہ میں اسحاق شامی چشتی تک پہنچتا ہے۔ جو گویا سلسلہ ارادت خاندان چشتیہ کے بانی اور اس متبرک اور مقدس لقب کے موجد تھے۔ اور اسحاق شامی سے آگے یہ سلسلہ لپل گیا ہے کہ انھیں خواجہ ہبیرہ بصری سے فیض حاصل ہوا تھا۔ وہ حضرت خواجہ حذیفہ المرعشی کے صاحبان ارادت تھے اور وہ حضرت سلطان ابراہیم ادھم کے بارغ معرفت کے خوشم چین تھے، جنہوں نے ذوق وحدت کے جوش اور حق پرستی کی دھن میں سلطنت کولات مار کے فقیری اختیار کی تھی۔ حضرت ابراہیم ادھم عیاض کے مرید تھے۔ انھیں خواجہ عبدالواحد بن زید سے فیض حاصل ہوا تھا جو حضرت خواجہ حسن بصری کے مرید تھے اور حضرت خواجہ حسن بصری کو بارگاہ امامت اور حامل علوم باطنی رسالت امیر المؤمنین امام المتقین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فیض حاصل ہوا تھا اور حضرت علی نے خاص انوار رسالت سے کسب انوار حقیقت فرمایا تھا۔

غرض خواجہ اجمیری کا سلسلہ ارادت گیارہویں درجہ میں حضرت ابراہیم ادھم تک پہنچتا ہے جو دنیا کے مشہور و معروف اور نمایاں اولیاء اللہ میں سے تھے۔ پندرہویں درجے میں جناب صاحب ولایت علی بن ابی طالب اور سولہویں میں خاص

لے عبدالحلیم شرر نے اپنی کتاب "خواجہ معین الدین چشتی" میں خیر بصری لکھا ہے، جو غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ خیر بصری نام کسی بزرگ کا ذکر کتابوں میں نہیں آیا۔ ابن اسحاق شامی، خواجہ مشاد طود نیوری کے مرید و خلیفہ تھے، جن کی ارادت سلسلہ عالیہ چشتیہ میں خواجہ ہبیرہ البصری سے بعد سلسلہ عالیہ تادریہ میں حضرت جنید بغدادی سے تھی۔

لے شرر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ابراہیم ادھم عیاض کے مرید تھے۔ انھیں خواجہ حبیب عمی سے فیض ہوا تھا۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ وہ خواجہ حبیب عمی نہیں تھے بلکہ عبدالواحد بن زید تھے۔ جو حضرت امام اعظم کے شاگرد تھے اور خواجہ حسن بصری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ نے ۱۴۷ھ میں اروان رشید خلیفہ نجم عباسی کے عہد میں وفات پائی اور مزار پیر انوار بصرہ میں ہے۔

اس نقطہ رسالت و ولایت سے مل جاتا ہے جو دنیا کی ہدایت عام اور شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت اور علوم ظاہر و باطن کا سرچشمہ ہے۔

خواجہ اجمیریؒ کا غرض کامل اڑھائی سال تک پیر و مرشد کی خدمت میں رہنے اور کمالات باطنی اور رموز حقیقت سے آگاہی رخصت ہونا حاصل کرنے کے بعد خواجہ اجمیریؒ رخصت ہوئے۔ اس اڑھائی سال کے عرصے میں آپ نے بہت زیادہ ریاضتیں اور مجاہدے کیے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں کہ خواجہ نے اپنی ریاضت کے ابتدائی ایام میں ایسے طریقے سے جہاد نفس کیا کہ لوگ حیران ہوتے تھے۔ آپ نے ریاضت کا جو طریقہ اختیار کیا مارفان حقیقت کے گروہ میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملتی ہے۔ مسلسل سات سات دن تک روزہ رکھتے اور صرف پانچ مثقال کی ٹمکیہ سے روزہ افطار کیا کرتے۔ صرف چادر اور ہا کرتے تھے۔ جہاں سے پھٹ جاتی اُسے سی لیتے۔

دوسرا سفر | بروم شد سے رخصت ہو کر خواجہ صاحب نے دوبارہ سفر شروع کیا۔ پہلے حج کا عزم کیا اور دمشق ہوتے ہوئے حجاز پہنچے، مکہ معظمہ پہنچ کر حج ادا کیا پھر مدینہ تشریف لائے اور روضہ رسولؐ کی زیارت کی یہاں سے بغداد کا رخ کیا۔ راستے میں علماء مشائخ کی زیارتیں کیں اور ان کی مجلسوں میں گئے۔

اس سفر میں آپ نے جن جن مشائخ سے ملاقاتیں کیں ان میں شیخ نجم الدین کبریٰ کا ذکر سب سے پہلے آتا ہے۔ یہ ملاقات بغداد سے سات میل دہشتہ منجا نام ایک مقام پر ہوئی۔

شیخ نجم الدین بڑے پایے کے بزرگ اور علوم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ سماع سے بہت رغبت تھی۔ صحو کے مقابلہ میں سکر کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ "لطائف اشرفی" میں سید اشرف جہانگیر لکھتے ہیں کہ شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنا خرقہ مبارک انھیں مرحمت فرمایا تھا مگر بعض مورخین اس سے متفق نہیں۔

بغداد کے | شیخ نجم الدینؒ کی خدمت میں کچھ مدت رہنے کے بعد خواجہ صاحب نے بغداد میں سکونت اختیار کی۔ اس حالات وقت بغداد میں المستنجد باللہ ابوالمظفر یوسف بن المقتضی لامر اللہ عباسی کی خلافت تھی، جو ۵۵۵ھ میں تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا۔ خواجہ صاحب جن دنوں بغداد میں تشریف لائے ان دنوں خلافت عباسیہ بہت نازک دور سے گزر رہی تھی۔ ان دنوں مصر میں بنو فاطمہ کی خلافت بڑی قوت پکڑ چکی تھی جس سے عباسیوں کو خطرہ لاحق تھا، مگر ۵۶۵ھ میں حالات ایسے بدلے کہ بنو فاطمہ کمزور پڑ گئے اور خلافت عباسیہ کو پھر قوت نصیب ہو گئی۔ اسی سال صلاح الدین ایوبی کے چچا اسد الدین شیرکوہ نے مصر پر قبضہ کیا، جو بنو عباس کا حامی تھا اور جس سے بنو عباس کو بڑی تقویت ملی۔

خواجہ اجمیریؒ تبریز میں | شیخ یوسف ہمدانیؒ سے ملاقات کرنے کے بعد خواجہ اجمیریؒ نے تبریز کی راہ لی۔ وہاں ان

دنوں خواجہ ابوسعید تبریزی سکونت رکھتے تھے جو اپنے وقت کے مشاہیر صوفیاء میں سے تھے اور عارف کامل کا درجہ رکھتے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ شیخ ابوسعید تبریزی بڑے پایے کے بزرگ اور اہل اللہ تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں ان کے مرید تھے، مگر ستر مرید ایسے باکمال تھے کہ ہر ایک کو ولایت کا درجہ حاصل تھا اور ان میں سے ہر مرید عرفان اور حقیقت کی منزلیں طے کر چکا تھا۔ وہ سب واقف اسرار حقیقت اور رموز باطنی تھے۔ ان مریدوں میں سے ایک جلال الدین تبریزی تھے جو اہل معرفت و حقیقت میں بڑی شہرت کے مالک ہیں۔

خواجہ اجمیری نے ان کی خدمت میں چند دن گزارے اور ان چند دنوں کی صحبت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ چونکہ سیاحت کا جذبہ بہت زیادہ تھا اس لیے یہاں بھی زیادہ دیر تک قیام نہ کر سکے اور اصفہان کی راہ لی۔ خواجہ اجمیری تبریز سے آپ اصفہان آئے جہاں ان دنوں شیخ محمود اصفہانی ایک مشہور بزرگ تشریف فرما تھے۔ خواجہ اصفہان میں صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلی ملاقات خاصی دیر تک جاری رہی اور دونوں بزرگوں میں رموز معرفت کے متعلق باتیں ہوتی رہیں دو دنوں ہونے کے ایک دوسرے کے انکشافات و مدارج کا پتہ لگایا۔ خواجہ قطب الدین مختیار کاکی بھی ان دنوں وہیں تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ شیخ محمود اصفہانی کے مریدوں میں شامل ہونے کی خواہش رکھتے تھے مگر ابھی یہ ارادہ پورا نہ کر پائے تھے کہ خواجہ اجمیری سے واسطہ پڑا اور آپ ان سے کچھ ایسے متاثر ہوئے کہ شیخ محمود اصفہانی سے بیعت کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ خواجہ اجمیری کی طرف مائل ہو گئے اور ان کے مریدوں میں شامل ہوئے۔

خواجہ اجمیری نے اپنی دو تائی جیسے وہ اڑھا کرتے تھے، قطب صاحب کو مرحمت فرمائی اور اجازت دی کہ اب جا کر لوگوں کو حقیقت و معرفت کے راستے بتائیں۔

پیر و مرشد کے اس تبرک اور اعزاز کو جو خلعت اور خرقة کی صورت میں ملا تھا، حضرت قطب صاحب نے بڑی نعمت غیر مترقبہ جانا اور جان سے زیادہ عزیز رکھا۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو یہی دو تائی آپ نے شیخ فرید الدین گنجشکر کو مرحمت فرمائی۔ وہ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو سلطان الاولیا شیخ نظام الدین اولیا کو مرحمت فرمایا اور ان کے دربار سے وہ قدیم تبرک خلعت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کو مرحمت ہوا۔

نہیں کہا جاسکتا، خواجہ صاحب کتنی مدت تک شیخ محمود اصفہانی کی صحبت میں رہے۔ بہر حال آپ نے جلد ہی اصفہان کو چھوڑ دیا اور خرقان کی جانب کوچ کیا۔

خواجہ اجمیری خرقان کے گرد و نواح میں آپ کامل دو سال تک پھرتے پھرتے رہے۔ اس دوران میں آپ کا مشعلیہ خرقان میں تھا کہ خلق خدا کو وعظ و نصیحت فرماتے اور انھیں راہ راست پر لاتے۔ سیکڑوں لوگوں نے آپ کی صحبت اور آپ کے ارشادات کے ذریعہ کسب فیض کیا اور دینی و دنیوی فلاح حاصل کی۔ یہاں سے آپ استرا آباد چلے گئے۔

نہ ایران کا شہر اور پورے شیشن۔ لکھ بزان کا شہر اور پورے شیشن ہے جو دوسری مرحلہ کے قریب بمیرہ کیسین کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔

خواجہ اجیمیریؒ | استرآباد میں ان دنوں شیخ ناصر الدین نام ایک ولی کامل رہتے تھے۔ جن کا سلسلہ بیعت دو واسطوں سے
 استرآباد میں | بایزید بسطامیؒ تک پہنچتا ہے۔ ان کی عمر اس وقت ایک سو بائیس برس کی تھی۔ حضرت خواجہ صاحب
 نے ان سے ملاقات کی اور ان کے کمالات کے گرویدہ ہو گئے۔ چنانچہ کچھ مدت ان کے پاس رہے اور کسب فیض کیا۔ پھر وہاں
 سے آگے چل دیے۔

خواجہ اجیمیریؒ | مختلف علاقوں میں پھرتے پھرتے آپ ہرات پہنچے۔ چونکہ طبیعت کسی ایک جگہ ٹھہرنے پر مائل نہ تھی اس
 ہرات میں | لیے ہرات میں رہتے ہوئے سارا وقت پھرنے میں گزار دیتے اور قدرت کی بولچھوں پر غور و فکر کرتے رہتے
 ہرات میں ایک مشہور بزرگ خواجہ عبداللہ انصاریؒ کا مزار تھا، حضرت خواجہ صاحب دن بھر پھرتے رہتے اور رات کو اس مزار
 پر تشریف لے آتے۔ ساری رات یہیں رہ کر عبادت کرتے اور عشا ہی کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے۔

آپ کو عبادت و ریاضت میں اس قدر مشغول دیکھ کر لوگ آپ کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ پھر جب لوگوں پر آپ
 کی بزرگانہ عظمت کا راز کھلا تو جوق در جوق حاضر خدمت ہونے لگے۔ یہاں تک کہ آپ ہجوم خلق سے گھبرانے لگے۔ لوگ نہ دن
 کو چین لینے دیتے نہ رات کو۔ اور اس مصروفیت اور ہجوم کے باعث آپ کی عبادت میں خلل پڑنے لگا۔ چنانچہ آپ نے زیادہ
 عرصہ وہاں قیام نہ کیا اور سبزوار کے علاقے میں چلے گئے۔

خواجہ اجیمیریؒ | سبزوار میں ان دنوں یادگار محمد کی حکومت تھی جو بڑا بے دین اور بد اخلاق شخص تھا۔ رقص و سرور اور عیاشی
 سبزوار میں | کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ اس نے اپنی سیر و تفریح کے لیے شہر سے باہر ایک باغ تعمیر کر رکھا تھا، جس
 میں نہایت صاف ستھرا حوض تھا۔ خواجہ اجیمیریؒ جب اس باغ کے قریب پہنچے تو چونکہ سفر کے باعث بہت تھکے ہوئے تھے
 اور بانی کی ضرورت تھی اس لیے باغ میں حوض کے کنارے پہنچے۔

غسل فرمانے کے بعد آپ نے نماز ادا کی پھر تلاوت قرآن میں لگ گئے۔

ایک ولی اللہ کی نظر کیسی اثر انسانی زندگی میں کیا کیا اور کیسے عظیم انقلاب لاسکتی ہے، اس واقعہ سے اس حقیقت کا
 پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یادگار محمد کے باغ میں خواجہ اجیمیریؒ اور یادگار محمد کے درمیان جو واقعہ پیش آیا اور جس نے
 یادگار محمد کی کایا پلٹ دی وہ عبداللہ کلیم شرر کے الفاظ میں سنیے:

لکھتے ہیں اتفاقاً اس روز مشہور ہوا کہ یادگار محمد اپنے باغ کی سیر کو آ رہا ہے، ایک درویش جو خادم کی حیثیت سے حضرت
 کے ہمراہ تھا۔ یہ خبر سنتے ہی دوڑتا ہوا آپ کے قریب آیا اور عرض کیا مناسب ہو گا کہ اب ہم باغ سے باہر چل کے ٹھہریں۔
 آپ اس کی گھبرائی ہوئی صورت دیکھ کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا اگر تمہارا جی چاہے تو چلے جاؤ اور اس درخت کے نیچے

جا کر ٹھہرو، میں تو یہاں سے نہ اٹھوں گا۔ وہ خادم تو حسب اجازت اس درخت کے نیچے چلا گیا جس کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا اور ادھر شاہی فراشوں نے حوض کے کنارے حضرت خواجہ قدم سرہ العزیز کے برابر ہی اپنے بادشاہ کے لیے لاکر قالین بچھا دیا چاہتے تھے کہ حضرت سے اٹھنے کو کہیں، مگر نور عرفان کی ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اتنے میں خود یادگار محمد اپہنچا اور حضرت خواجہ قدم سرہ العزیز کو اپنے قالین کے برابر بیٹھے دیکھ کر نہایت برہم ہوا اور اپنے خدمت گاروں کو سخت وسخت کہنے لگا کہ اس فقیر کو یہاں سے کیوں نہ نکال دیا۔

یہ کلمہ سنتے ہی حضرت نے سر اٹھایا اور اس پر جلال و غضب کی ایسی نظر ڈالی کہ اس کے ہاتھ پاؤں میں لرزہ پڑ گیا اور اسی حالت میں تھر تھراتے تھر تھراتے زمین پر گر کے بے ہوش ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ ایک دنیا دار بندہ ہوس ایک کامل ولی اللہ اور اشنائے حقیقت کی پر جلال نظر کی کیا تاب لاسکتا تھا۔ اس کے نوکروں وغیرہ نے جب یہ حالت دیکھی تو دوڑ کر حضرت کے قدموں پر گر پڑے۔ اور عجز و الحاح سے گڑا گڑا کر عرض کیا کہ حضرت ان کی گستاخی معاف فرمائیں۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ آپ اتنے بڑے صاحب باطن ولی ہیں۔

ان لوگوں کے رونے دھونے پر آپ کو ترس آیا۔ وہ جلال کم ہوا اور اس خادم درویش کو جسے سامنے ہی ایک درخت کے نیچے ٹھہرنے کا حکم دیا تھا، قریب بلا کے حکم فرمایا کہ اس حوض میں جسے پھوڑا سا پانی ہوا اور اسے بسم اللہ کہہ کے اس شخص کے منہ پر چھڑک دو۔ اس درویش نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی اور جیسے ہی پانی چھڑکایا یادگار محمد کو ہوش آ گیا۔ مگر اب سرکشی و نخوت کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اٹھتے ہی حضرت کے قدموں پر سر رکھ دیا اور حضور قلب کے ساتھ عرض کیا یا شیخ! آج سے میں نے تمام ممنوع چیزوں کو چھوڑ دیا اور آپ کے ہاتھ پر اپنے گل گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ اب میرا قصور معاف ہو، آپ نے کمال مہربانی سے اپنے دست شفقت بڑھائے، اس کے سر کو اپنے قدموں پر سے اٹھایا اور نہایت نرمی کے الفاظ میں ارشاد فرمایا ہا خدا ندان رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا دعویٰ کرنا اور ان کی پیروی نہ کرنا بالکل بے معنی ہے۔ اسی سلسلہ میں آپ نے ائمہ اہلبیت کے مناقب ایسے موزون و مؤثر الفاظ میں بیان فرمائے کہ یادگار محمد اور اس کے تمام رفقا زار و قطار رونے لگے، اور سب نے آپ کے سامنے توبہ کی۔

یہ پندرہ نصاب سن کر یادگار محمد نے وضو کیا اور شکرانے کی دو رکعت نماز ادا کر کے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ اس عزت سے آپ نے اسے سرفراز فرمایا اور آپ کے مہربانوں میں شامل ہو کر اسے سلسلہ مبارک چشتیہ میں داخل ہونے کی عزت حاصل ہوئی یہ چیز صرف ایک ولی اللہ کی نظر کیسے اثر کے ساتھ ہی مخصوص ہے کہ یادگار محمد حضرت کی صحبت فیض میں پہنچنے سے ایک ساعت پیشتر تو ایسا تھا کہ ہر شخص اسے نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس کی صحبت سے پناہ مانگتا تھا اور اس کو بدترین خلق اللہ تصور کرتا تھا یا ایک رمز شناس حقیقت نے یہ معجز نما اثر کیا کہ ایک ہی گھڑی بعد وہ ایسا شخص تھا کہ ہم آپ اور سارے مسلمان اس کی خوش اقبالی پر رشک کرتے ہیں اور غیب جوش دل سے اس کلمہ کو استعمال کرتے ہیں خوش نصیب۔

مرید ہوتے ہی اس نے اپنی تمام جائیداد اور کل مال و اسباب کی ایک فہرست تیار کی اور اسے لاکھ حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز کی خدمت میں نذرانے کے طور پر پیش کر دیا۔ آپ نے قبول فرمانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ ان میں سے جو جو چیز تم نے لوگوں پر ظلم و جور کر کے اور زبردستی حاصل کی ہے، ان کو لے جا کے انھیں لوگوں کو دے تاکہ کل روز قیامت کو تمہارا دامن پرکریں۔ اس نے اس حکم مرشد کے مطابق تمام جائیداد جو لوگوں سے زبردستی اور لوٹ مار کر کے حاصل کی تھی، اصل مالکوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے واپس کی۔ یوں دے دلا کے جو کچھ باقی رہا، وہ فقیروں اور محتاجوں کو نذر کیا اور خود دنیا ہی سے دستکش ہو گیا، یہاں تک کہ اپنی اٹھلی اور منکوحہ بیوی کو بھی طلاق دے دی اور حضرت خواجہ غریب نواز کے ہمراہ ہو لیا۔

علاقہ حصار تک وہ حضرت کے ہم راہ رکاب رہا۔ وہاں پہنچ کر جب حضرت نے ملاحظہ فرمایا کہ یادگار ایک خدا رسیدہ ولی بن گیا ہے تو حضرت نے اسے حکم دیا کہ اب تمہیں میرے ہمراہ رہنے کی ضرورت نہیں، تم اسی علاقہ میں ٹھہر کے دعوت دین کرو اور خلق اللہ کی ہدایت اور نفع رسانی میں مشغول رہو۔

مرشد کا یہ فرمان پاتے ہی وہ علاقہ حصار میں ٹھہر گیا اور آپ نے حسب معمول آگے کی راہ لی۔

خواجہ اجیمیری | سبزوار سے روانہ ہو کر آپ بلخ پہنچے اور شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں گئے جو وہاں کی نہایت مقدس اور مشہور بلخ میں! | معروف خانقاہ تھی۔ آپ نے اسی میں قیام فرمایا۔

یہاں مولانا ضیاء الدین نام ایک نامور حکیم اور فلسفی رہتا تھا۔ جسے تمام علوم ظاہری میں دسترس حاصل تھی لیکن تصوف پر کوئی اعتقاد نہ تھا۔ صوفیوں اور درویشوں کو برا جانتا تھا۔ اپنے شاگردوں کو بھی اپنے ہی ڈھنگ کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ خواجہ اجیمیری سے اس کی ملاقات ہوئی تو پہلی ملاقات میں ہی اپنے سابقہ خیالات سے توبہ کی اور آپ کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔

— خواجہ صاحب نے کچھ دنوں تک اس کی تربیت فرمائی پھر خرقہ خلافت عطا فرمایا اور رخصت کیا۔ خواجہ اجیمیری تھوڑی مدت بلخ میں گزارنے کے بعد غزنی کو روانہ ہوئے۔

لے شیخ احمد خضرویہ اپنے وقت کے مشہور بزرگ اور باکرامت ولی تھے۔ شروع میں حاتم صم کے مرید تھے۔ ابو تراب کی صحبت میں بھی کافی مدت گزاری۔ آپ کے شائق ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ گھر میں چور آیا اس نے بہت تلاش کیا مگر کچھ نہ ملا۔ جب ناامید ہو کر جانے لگا تو حضرت نے دیکھ لیا اور فرمایا ڈولی لے کر پانی بھر اور دھوکے کے نماز پڑھا، جو بے گادہ تھے دے دیا جائے گا، تاکہ تو ہمارے گھر سے ناکام واپس نہ جائے۔

چور نے آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا۔ صبح ہوئی تو ایک شخص سودینار لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے وہ رقم چور کے حانے کر دی اور فرمایا یہ ایک رات کی نماز کا بدلہ ہے۔ چور پر اس بات کا ایسا اثر ہوا کہ اپنی سابقہ زندگی سے تائب ہو کر آپ کا مرید بن گیا اور اپنی دنیا و آخرت سونپ لی۔

خواجه اجیمیری قیاس کیا جاتا ہے کہ خواجہ صاحب ۵۵۸ھ اور ۵۶۰ھ کے درمیانی عرصہ میں غزنی پہنچے ہوں گے۔
غزنی میں! یہ وہ زمانہ تھا جب بلخ اور غزنی کی حکومتوں کے حالات بہت نازک تھے۔ چونکہ خواجہ صاحب کے قیام
 غزنی کے دوران بہت مہیب حالات درپیش تھے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالات بھی مختصر طور پر بیان کر دیے جائیں
غزنی کے اس زمانہ میں تاتاری اپنے پورے عروج پر تھے اور ان کی طاقت بہت زبردست مانی جانی جاتی تھی۔
حالات! اس وقت دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ تاتاریوں نے جدھر کا رخ کیا، تباہی اور بربادی پھیلانی
 آگ و خون کی ہولیاں کھیلیں، لاشوں کے انبار لگا دیے۔ بلخ بھی تاتاریاں غزو کے جوڑ و ستم کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کوئی
 سلطنت ایسی نہ تھی جو تاتاریوں کے خوف سے لرزہ بر اندام نہ ہو۔ غزنی کی بھی یہی کیفیت تھی۔ غزنی کے باشندے بھی
 تنگ اچکے تھے۔ یہ علاقہ سلطان محمود غزنوی جیسے باہمیت اور پُر شکوہ بادشاہ کی یادگار تھا، جس نے وقت کے بڑے بڑے
 بادشاہوں کو نیچا دکھایا تھا۔ ہندوستان کی بے پناہ دولت جو سلطان محمود غزنوی لے گیا تھا اس سے اس نے غزنی کی ترقی و
 آہوش میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ چنانچہ غزنی نہایت خوبصورت اور دولت مند شہر بن چکا تھا۔ نہ صرف دولت کے لحاظ سے
 ملامت تھا، بلکہ بڑے بڑے علما و فضلا بھی غزنی میں آکر رہنے لگے تھے۔ چنانچہ غزنی کو علوم و فنون کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔

محمود غزنوی کے بعد ایک دو جانشینوں تک سلطنت خاصی مضبوط رہی مگر بعد ازاں اس میں کمزوری آنے لگی۔ چنانچہ
 ایک نئی طاقت ابھری جس نے جلد ہی غزنی سلطنت کو الٹ کر رکھ دیا۔ اور غزنی خاندان غوری کے زیر اقتدار آ گیا۔
 جب خواجہ اجیمیری غزنی پہنچے تو خسرو شاہ جو چھٹی پڑھی پر محمود غزنوی کی اولاد میں تھا، انتقال کر چکا تھا ۵۵۵ھ ہجری
 اور اس کا لڑکا تخت نشین تھا۔ اس کی تخت نشینی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد علاء الدین غوری نے غزنی پر حملہ کر کے اس کا
 محاصرہ کر لیا، مگر سخت سردی اور برف باری کے باعث یہ محاصرہ ناکام رہا اور وہ بے نیل و مرام لوٹا۔ اس کا خیال تھا کہ آئندہ سال
 دوبارہ غزنی پر حملہ کرے گا، مگر قضائے اسے ہمت نہ دی اور ۵۵۶ھ میں وفات پا گیا۔

علاء الدین کی جگہ اس کا بیٹا سیف الدین محمد تخت نشین ہوا۔ یہ بیس سالہ نوجوان تھا اور نا تجربہ کار تھا۔ اس نے سوچا کہ
 پہلے تاتاریوں کو ختم کیا جائے پھر غزنی پر حملہ ہو۔ چنانچہ اس نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا اور ۵۵۸ھ میں تاتاریاں غزنی پر حملہ کر دیا۔
 گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ کشت و خون کا بازار گرم ہوا۔ جنگ کے دوران علاء الدین لشکر سے الگ ہو گیا۔ دشمن موقع کی
 تاک میں تھے اسے پکڑ کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ فرج کو بادشاہ کے مارے جانے کا علم ہوا تو بھاگ کھڑی ہوئی۔ زبردست شکست
 کھائی۔ ہزاروں آدمی مارے گئے اور غوریوں کو شدید نقصان پہنچا۔

اگلے سال تاتاریوں نے خود غزنی پر حملہ کر دیا۔ غزنی کے فرمانروا ملک شاہ نے دیکھا کہ ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا
 تو اپنے قدیم خاندانی دار السلطنت کو چھوڑ کر بھاگ نکلا اور ہندوستان کا رخ کیا اور لاہور پہنچ کر پناہ گزیں ہو گیا۔

غزنی لوگوں نے غزنی کو بڑی طرح لوٹا پھریا اپنا ایک نائب مقرر کر کے واپس چلے گئے۔ ملک شاہ نے حالات

موانق دیکھے تو واپس آیا اور دوبارہ غزنی پر حملہ کر دیا۔ تاتاری حکمران فرار ہو گیا اور ملک شاہ نے دوبارہ غزنی پر قبضہ کر لیا۔
شیخ عبدالواحد غزنوی غزنی میں ان دنوں شیخ عبدالواحد غزنوی بڑے باکمال اور صاحب باطن مشائخ میں سے تھے۔ یہ
سے ملاقات! حقیقت شناس ولی اللہ شیخ نظام الدین ابوالموئید کے مرشد تھے اور ان کی وفات سے اس علاقہ میں
 لوگوں کو روحانی برکتیں حاصل ہو رہی تھیں۔ ان سے مل کے اور ایک دوسرے سے روحانی ذوق حاصل کر کے اپنے ہندوستان
 کا رخ کیا۔

ہندوستان میں سرزمین پاکستان و ہند میں مسلمانوں نے ۱۱۲۷ھ میں قدم رکھا۔ مسلمانوں کی آمد کا یہ آغاز محمد بن قاسم
مسلمانوں کی آمد کے حملے سے ہوا، جس نے سندھ کے برہمن راجہ چاہیرج کے لڑکے داہر پر حملہ کیا اور سندھ کو فتح کر کے یہاں
 اسلامی سلطنت قائم کی۔ اس فتح کے بعد مسلمان ہندوستان کے اندرونی حصے کی طرف نہ بڑھے، بلکہ محمد بن قاسم کے ساتھ مسلمانوں
 کی جو جماعت یہاں آئی تھی وہ سندھ ہی میں ٹھہر گئی۔ چنانچہ اس حملے کا اثر باقی ہندوستان پر نہ پڑ سکا۔ پھر کامل تین صدیوں
 تک ہندوستان پر مسلمانوں نے کوئی حملہ نہ کیا۔

۷۷-۶۹۷ میں سلطان سبکتگین غزنوی نے جنب پنجاب کے راجہ جے پال سے جنگ کی تو اس کے بعد ہندوستان پر
 مسلمانوں کے لگاتار حملے ہوئے۔ محمود غزنوی نے اگرچہ ہندوستان پر متعدد حملے کیے اور فتوحات حاصل کیں، مگر اس نے یہاں
 مسلمانوں کی مستقل حکومت قائم کرنے کے متعلق کبھی نہ سوچا۔ ۱۰۳۰ء میں سلطان محمود کا انتقال ہو گیا، تو اس کے بعد غوریوں
 نے ہندوستان پر حملے کیے۔ یہ غوری ہی تھے جنہوں نے ہندوستان میں مستقل اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اس وقت
 مسلمانوں کے قدم یہاں جتنے شروع ہوئے۔

محمد بن قاسم کے ساتھ جو مسلمان یہاں آئے تھے انہوں نے دینِ حق کی اشاعت کا کام ضرور کیا اور اس زمانہ میں ہندوستان
 میں بعض اکابر اور صوفیہ کا پتہ چلتا ہے، جنہوں نے سندھ، پنجاب اور کشمیر میں اسلام کو پھیلانے کے لیے جدوجہد کی، مگر یہ کام
 صرف انہیں علاقوں تک محدود رہا، اندرون ہند اس کے کوئی اثرات نظر نہ آتے تھے۔

ہندوستان کی ہندوستان میں ہر طرف پرانے ہندو مذہب کے پیرو آباد تھے۔ جس مذہب اور کیش وائین کے لوگ اس سے
کیفیت! پیشتر آپ کی نظر سے کبھی نہ گزرے ہوں گے۔ ان لوگوں میں جو پجی اور پرانی توحید تھی وہ بت پرستی کے دامن
 میں بالکل چھپ گئی تھی۔ پرانے بانیان مذہب کی تعلیمیں اور عہدِ عتیق کے مشرقی خدا پرستوں کی شان اس قدر فنا ہو گئی تھی کہ ہندوں
 کی حالت دیکھ کے اس کا پتہ لگانا غیر ممکن تھا۔ بت ہر جگہ، ہر شہر اور ہر قریہ میں پوجے جاتے تھے اور خود ان بتوں میں ایسے ایسے
 کرشمے پائے جاتے تھے کہ اصل خالقِ مطلق اور قادر بیکتا سے کسی کو علاقہ نہیں باقی رہا تھا۔ یہ اصول کہ بت اور خستہ جانور اور
 تمام عجیب و غریب چیزیں خدا کی قدرت کا نمونہ خیال کی جائیں اور اس کی عظمت ماننے کے لیے ان کے سامنے سر جھکایا جائے
 صنم پرستی کے دامن میں پوشیدہ ہوتے ہوتے مٹ جانے کے قریب پہنچ گیا تھا اور صاف نظر آتا تھا کہ ہندوستان کے سوا اور

کوئی ایسا ملک نہیں جہاں کے لوگ سب سے زیادہ گمراہ ہوں اور جہاں خالق کے دھوکے میں کھلی کھلی مخلوق پرستی ہو رہی ہو۔
خواجہ اجیمیری | اب اس کے بعد اس بات کا خیال کیجیے کہ ایک حقیقت شناس صاحب معرفت اور دریائے وحدت میں ڈوبے
کے تاثرات | ہوئے ولی اللہ کے دل پر یہ حالت دیکھ کے کیا اثر ہوا ہوگا۔ اُسے یقیناً نظر آیا ہوگا کہ اس سے زیادہ کوئی ملک
 ہدایت کا محتاج نہیں اور حق پرست کا پہلا فرض یہی ہے کہ ان بندگانِ خدا کی ہدایت و دستگیری کرے اور انہیں عذابِ آخرت
 کے اندیشوں سے چھڑا کے نجات کا امیدوار بنائے۔ چنانچہ یہ خیال دل میں آتے ہی حضرت خواجہ کے رگ و پے میں سرایت کر گیا
 اور وہ ولی اللہ جس کی اتنی مدت ادھر ادھر جانے اند شہروں شہروں پھرنے میں بسرا ہوئی تھی اور جس کی ظاہری حالت بتا رہی
 تھی کہ کسی جگہ ایک مہینے کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتا، اُس کی یہ حالت ہو گئی کہ بلا تامل ہندوستان میں ٹھہرنے، ایک جگہ جم کے بیٹھنے
 اور خدا کے بندوں کو راہِ راست کی طرف متوجہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

درودِ لاہور | الغرض تبلیغ و ہدایت کی اس دھن کو دل میں لیے ہوئے آپ لاہور پہنچے اور غور فرمانے لگے کہ کس جگہ کو اپنا مسکن
 قرار دیں۔

اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو آپ کا یہ انتخاب ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ آپ کتنے بڑے نیک نفس
 پاک باطن اور بے طمع و قانع ولی اللہ تھے۔ ظاہری حالت کا یہ تقاضا تھا کہ آپ لاہور کو اپنا مرکز و مرجع قرار دیتے۔ ان دنوں یہ
 شہر مسلمانانِ ہندوستان کا مستقر اور اکثر مسلمان امیروں اور دوتمندوں کا مسکن تھا۔ یہاں مسلمان عالموں، فاضلوں اور ولیوں
 اور عارفوں ہی کی انتہا سے زیادہ قدر و منزلت نہیں ہوتی تھی بلکہ ہر نووارد مغربی مسافر و سیاح کے لیے آنکھیں بچھانی جاتی تھیں
 اور اسے اس قدر دولت و حشمت مل جاتی تھی کہ زندگی کی ساری آمدنیوں پر وہی ہو جاتی تھیں۔

اگر لاہور کو کسی وجہ سے نہ بھی اختیار کیا جاتا تو پنجاب کے بہت سے شہر اور گاؤں موجود تھے جو کابل اور غزنی کے راستے
 پر واقع تھے جن میں سے ہرگز ہمیشہ بڑے بڑے شاہانِ الہ العزیز امرائے بلند حوصلہ اور مسلمان سیاحوں کے قافلے گزرتے رہتے
 تھے اور ایک مسلمان ولی اللہ کی پوری طرح اعانت و خبر گیری کر سکتے تھے، مگر نہیں آپ نے اپنی سکونت کے لیے نہ لاہور کو پسند
 فرمایا اور نہ پنجاب کے کسی شہر کو، اس لیے کہ یہ مقامات پہلے ہی اسلام کے مرکز بنے ہوئے تھے اور ہدایت کرنے کے لیے یہاں
 صدراولیا اللہ اور علما موجود تھے۔

عزمِ اجیمیر | ممکن تھا کہ آپ اپنی خانقاہ دہلی میں جا کے قائم کرتے، جس میں گوا بھی تک مسلمانوں کی سلطنت قائم نہیں ہوئی تھی۔

لے آپ پشاور ہوتے ہوئے لاہور آئے اور شیخ المشائخ حضرت داتا گنج بخش علی مخدوم بھیروی کے آستانہ مبارک پر حاضری دی۔ کہا جاتا ہے کہ دو ماہ تک آپ
 داتا صاحب کے آستانہ پر عکف رہے اور جب روانہ ہوئے تو زبان سے بے ساختہ یہ شعر نکلا کہ گنج بخش فیض عالم منظرِ خدا، ناقصاں لا پر کمال کا ملاں راہنا

آج یہ تاریخی شعر حضرت داتا گنج بخش علی جو کھٹ پر کندہ ہے اور ان کی بزرگی کا معترف ہے۔

یہ جیسے شیخ حسین زہدانی اور داتا گنج بخش جنہیں دنات پائے بہت کم مدت گزری تھی۔

مگر ہندوستان کا قدیم مرکز اور مرجع و ماویٰ تھا، مگر نہیں، آپ نے اپنا مرکز اور اپنا توحید و معرفت کا روحانی دار السلطنت شہر اجمیر کو قرار دیا، جس کا انتخاب سچ پوچھنے تو ایسا حیرت انگیز کام تھا کہ محض انسانی عقل بغیر الہامی مدد کے ایسا انتخاب ہرگز نہیں کر سکتی۔

یہ خطہ سچ پوچھنے تو ہر طرح مرکز ہدایت بلکہ مرکز سلطنت بننے کے لیے بھی نہایت موزون تھا۔ مرکز ہدایت اس لیے کہ وہاں تک اسلام نے ہنوز جہ نہیں بکڑی تھی۔ بعض فاتحان اسلام کا لشکر بے شک اُدھر سے گزرا تھا، مگر اس سرزمین کے کسی پتلے کو اس سے پیشتر شاید نور اسلام سے بہرہ یاب ہونے کی عزت و فضیلت اس وقت تک نہ حاصل ہوئی ہوگی۔

ہر پہاڑ طرف راچپوتانہ کی سلطنتیں تھیں جو ترقی دین اور توحید اسلام کی تعلیم سے مانع تھیں، لہذا سب سے زیادہ وہیں کے لوگوں کو تبلیغ و ہدایت کی ضرورت تھی اور یہ شہر مرکز سلطنت بننے کے لیے اس واسطے تھا کہ پورے جزیرہ نماے ہند کے وسط میں واقع ہوا ہے۔ ہر جگہ سے اسے یکساں نسبت ہے۔ وہاں ٹھہر کے جیسے تعلقات شمالی ہند سے قائم رکھے جاسکتے ہیں ویسے ہی جنوبی ہند سے اور جو نسبت اسے صوبہ جات مشرقی سے ہے وہی صوبہ جات مغربی سے۔ شہر کے چاروں طرف پہاڑوں کا حلقہ ہے جو اس کی حد بندی کرتے اور اس کے لیے مضبوط اور زبردست شہر بنانے کا کام دے سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اجمیر اپنے موقع اور اپنی حالت کے لحاظ سے بلا تشبیہ ہندوستان کا کعبہ قرار دیا جاسکتا تھا، اور بادشاہ ہوتو اور وئی ہوتو دونوں کے لیے حکومت و تبلیغ کا عمدہ مرکز و مستقر بنا جاسکتا تھا۔

سیاسی ماحول | ہندوستان کی حالت ان دنوں نہایت نازک ہو رہی تھی۔ غزنوی حملے لوگوں کو بھول گئے تھے مگر درویشان محمود غزنوی کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ سرحدی مسلمانوں کو ایک طرف خوارزمیوں اور دوسری طرف تاتاریوں کی دستبرد سے اس بات کا موقع ہی نہیں ملتا تھا کہ ہندوستان کی طرف توجہ کریں، مگر ہاں غوریوں کا کوکب اقبال نیا نیا چمکا تھا، جو غزنی و بہرات کے جھگڑوں کی وجہ سے ناکامی کی گھاؤں میں چھپ چھپ کر نکلتا اور زیادہ تیزی سے چمکتا تھا۔ شہاب الدین غوری کی سطوت ہندورا جاؤں کو دھمکا رہی تھی۔ لاہور فرمانروائے غزنی کے قبضے میں تھا، مگر اس کے قریب سے لے کر سندھ اور سواحل بحیرہ عرب تک قرامطہ کی حکومت تھی جو محمود کے حملوں سے پامال ہونے کے بعد پھر سنبھل گئے تھے اور بنی فاطمہ مصر سے تعلقات بڑھا رہے تھے۔ شہاب الدین غوری اجمیر اور دہلی کے راجاؤں سے شکست کھا کے گیا تھا اور جوش انتقام میں بے چینی اُدبے قراری کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

منزل گاہ دہلی | ان حالات میں خواجہ اجمیری چالیس خدا پرست درویشوں کی معیت میں دہلی پہنچے اور ایک میدان میں قیام فرمایا۔

اس زمانہ میں دہلی کا ہندو راجہ پورے عروج پر تھا، شہاب الدین غوری جیسا بہادر اور دھڑی حکمران بھی چہان حکمران دہلی اور اجمیر سے دو مرتبہ بھاری شکست کھا کر ہندوستان سے ناکام و نامراد واپس جا چکا تھا۔ بدیں وجہ فرزند ان توحید کے خلاف

ہندوؤں میں سخت نفرت و تعصب پھیلا ہوا تھا۔ ہندوستان میں ہر طرف ہندو راجاؤں کی حکومت تھی جن میں پرتھوی راج کی حکومت بہت بڑی اور مضبوط مانی جاتی تھی۔ دہلی اور اجمیر ہندو کامرکز بنے ہوئے تھے۔

دہلی میں اشاعتِ حق | خواجہ اجمیرؒ نے دہلی پہنچ کر تبلیغِ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ اگرچہ ہندوؤں کے نزدیک اسلام کا نام لینا ہی انہیں بھڑکا دینے کے لیے کافی تھا اور وہ دینِ اسلام کی تبلیغ کسی طرح گوارا نہ کر سکتے تھے مگر خواجہ اجمیرؒ کی روحانیتِ خلوص کی کشش، موعظہ حسنہ کی شان، ان کی نرمی اور خوش خلقی کے طفیل ہندو آپ کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھنے لگے اور جس طرح دوسرے مسلمان آپ کی طرف توجہ دیتے تھے اسی طرح ہندو بھی آپ کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ خلقت کا بجوم جس میں مسلم اور غیر مسلم سب شریک ہوتے تھے، آپ کی ظرف کھچا چلا آتا تھا، مگر آپ نے دہلی کو اپنا مستقر بنانا پسند نہ فرمایا اور جلد ہی اجمیر کا قصد کیا۔

دہلی چھوڑنے سے قبل آپ نے اپنے مشہور اور نامور خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو دہلی میں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا اور دہلی میں رہ کر اشاعتِ حق کا فرض ادا کرنے کا حکم دیا، پھر خود اجمیر پہنچے۔

اجمیر کی ناموافقِ فضا | آپ کے ورود کے وقت اجمیر اور اس کے قرب و جوار میں رائے پتھور کی حکومت تھی، مگر آپ نے وہاں رہ کر ایسی خاموشی کی زندگی بسر کر لی شروع کی کہ پتھور کو کسی قسم کی شکایت نہ پیدا ہونی چاہیے تھی، ہاں اگر محلِ شکایت ہو سکتا تھا تو یہ کہ آپ کی نظر کیمیا اثر اور آپ کی زبان معجز بیان اپنا غیر معمولی اثر دکھا رہی تھیں۔ جو کوئی آپ کے پاس آیا فوراً معتقد ہو گیا اور چند ہی روز میں اس کو توحید کی سچی حقیقت اور یزدان پرستی کی شان معلوم ہو گئی۔ ہزار ہا خلقت آپ کے ہاتھ پر

لے اس زمانہ میں اجمیر کا شہر وہاں آباد نہ تھا جہاں اب ہے بلکہ تارا گڑھ کے نیچے واقع تھا۔ اب بھی کہیں کہیں اس آبادی کے کھنڈر پائے جاتے ہیں مگر خواجہ صاحب کی مخالفت کے سلسلے میں مختلف کتابوں میں مختلف واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ پھر اسی ضمن میں ان کی بعض کرامتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں ہمارا مقصد محض خواجہ اجمیرؒ کی کرامت بیان کرنا نہیں۔ تاہم ادھر ان کا واقعہ بیان کیے دیتے ہیں جو مختلف کتابوں میں آیا ہے۔ "انوارِ خواجہ" کے الفاظ میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ خواجہ صاحب نے حسبِ معمول شہر سے باہر میدان میں ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا۔ کہتے ہیں کہ اعلاہ درگاہ شریف میں جہاں اب چھوٹا سا چبوترہ اولیا مسجد نامی ہے۔ یہی خواجہ کی پہلی اجمیری نشست گاہ کا مقام ہے جہاں خواجہ اگر اترے۔

اس جگہ راجہ اجمیر کے اونٹ بیٹھا کرتے تھے۔ جب ساربانوں نے اس جماعتِ مسلمان نقرہ کو دیکھا تو آکر کہا کہ یہاں سے اٹھ جاؤ یہاں تو راجہ کے اونٹ بیٹھا کرتے ہیں۔ خواجہ نے کہا کیا ہرج ہے وسیع میدان ہے وہ بھی اگر بیٹھ جائیں گے، ہم کو بھی آرام کرنے دو۔

وہ سختی سے پیش آئے۔ اس پر خواجہ نے فرمایا اچھا ہم چلے جاتے ہیں راجہ کے اونٹ ہی بیٹھے رہیں گے آپ کہہ کر یہاں سے چلے گئے۔ شام کو راجہ کے اونٹ چرتے پھرتے آئے اور حسبِ معمول اس میدان میں بیٹھ گئے۔ رات تو آرام سے بے خبری میں گئی، لیکن صبح کو ساربانوں نے جب اونٹوں کو اٹھانا چاہا تو ایک بھی نہ اٹھ سکا۔ زمین نے ان کے گشت کو ایسے پکڑ لیا کہ چھلراہ محال ہو گیا۔ اسی طرح کچھ وقت گزرا

(باقی اگلے صفحہ پر)

ایمان لائی اور وہ سرزمین جہاں ایک مسلمان بھی نہ تھا ااکھوں آدمی محض آپ کے تصرف باطنی کی برکت سے مسلمان ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ عام لوگوں میں آپ کی کرامات اور خوارق عادات کی بھی شہرت ہوئی۔ غرض یہ چیزیں رائے پتھورا کو ناگوار گزریں۔ اس لیے کہ اول تو ان ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف تعصب بہت زیادہ تھا جسے فطرتاً ہونا چاہیے تھا۔ دوسرے یہ کہ اسی خند میں شاہان اسلام ہندوستان پہلے کر رہے تھے اور اس کوشش میں تھے کہ سارے اُردیہ ورت کو اپنے قبضے میں لے آئیں۔ لہذا خواجہ صاحب قدس سرہ العزیز کا پیرا ہندوؤں کی قومیت کو توڑ کے وطنی اور ملکی حکمرانوں کو سیاسی حیثیت سے بھی کمزور کر دیا تھا۔

راجہ کی برہمنی غرض ایسے اتفاقات پیش آئے کہ رائے پتھورا آپ کی کارروائیوں سے برہمن ہوا اور آپ کے خالص دینی اور الہامی مشن کو سیاسی کارروائی سمجھا۔

بقیہ صفحہ سابقہ) لیکن ہارنٹ روٹے۔ اب تو یہ لوگ جان گئے کہ یہ درویشوں کی تار و پھل کا پھل ہے۔ شہب نے مشورہ کر کے فیصلہ یہ کیا کہ راجہ کو صورت حال کی اطلاع کی جائے۔ آخر راجہ کے پاس جا کر سب ماجرا کہہ سنایا۔ اس نے کہا جس کی بددعا سے یہ اونٹ بیٹھے ہیں اسی کی دعا سے انھیں گے جی اور اس کا کوئی علاج نہیں۔ جاؤ فقیروں سے معافی مانگو۔ پر دم داسے لوگ ہوتے ہیں معاف کر دیں گے اور اونٹ اٹھ جائیں گے۔

اب سب ساربان دست بستہ آئے اور عذر تفسیر کیا۔ اب رحمتہ العالمین کے ذمے بھی تو تھے ہی، رحم فرمایا اور کہا جاؤ جس کے حکم سے وہ بیٹھے تھے ہیں اسی کے حکم سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

ساربانوں نے واپس جا کر سب اونٹوں کو صبح سالم اور کھڑے پایا۔

امیر کی اس پہلی کرامت نے کانروں کو ایسا ڈرایا کہ ان کے ہوش بجا نہ رہے اور سب ال کر اس کے متعلق جلسے اور کیتیاں کرنے لگے کہ آخر اس زبردست طاقت کا مقابلہ کیسے ممکن ہے۔ اگر یہ درویش کچھ عرصہ یہاں پر جم گئے تو یہاں سے ان کے نکال دینے کا تصور بہت امکان جو اب ہے وہ بھی جاتا رہے گا اور پھر پچھتاوا کا رت ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ جس طرح بھی ہوش من دھن سے ہامی مناوت کے ذریعہ اس کا تدارک کریں۔

لہ۔ سابقہ صفحہ زٹ میں بتایا گیا تھا کہ خواجہ صاحب کو راجہ کے ساربانوں نے اس میدان سے اٹھا دیا تھا۔ چنانچہ وہاں سے اٹھ کر آپ اتنا ساڑھے کنارے تشریف لے گئے تھے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں بکثرت ہندوؤں کے مندر تھے۔ یہ مندر ندی کے چاروں طرف واقع تھے۔ ان میں ایک مندر بہت بڑا تھا کہ بڑے بڑے پجاری امراء اور خود راجہ بھی اس مندر میں آیا کرتے تھے۔ کئی گاؤں اس مندر کے مدارف تھے لیے وقف تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان تمام مندروں میں کئی مین تیل روزانہ جلا کر تاتھا اور کئی مہو پجاری ہر وقت موجود رہتے تھے۔ خواجہ امیر نے ایسے مانول میں آکر قیام پذیر ہو گئے تھے۔

ظاہر ہے کہ پجاریوں اور نام ہندوؤں کو خواجہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کا یہ قیام کسی طرح دگوار نہ ہو سکتا تھا چنانچہ انھوں نے ایک وفد کی صورت میں راجہ سے درخواست کی ان لوگوں کو یہاں سے نکال دیا جائے۔ کیونکہ یہ ہمارے مذہب کے خلاف ہیں۔ راجہ نے ان کے مطالبہ کے سامنے تسلیم خم کر دیا اور انھیں اجازت دے دی کہ پجاری آدمیوں کی مدد سے انھیں وہاں سے نکال دیا جائے۔ اس اجازت کے ملتے ہی وہ خواجہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کے درپے ہو گئے۔

اشتعال انگیز | اس کی ناراضی کی ابتدائیوں ہوئی کہ حضرت خواجہ صاحب کے ایک معتقد مسلمان کو جو آپ کی خدا شناسی اور واقعہ پاک نفسی کا والہ و شیدا تھا، رائے پتھورا کے دربار میں بھی باریابی کی عزت حاصل تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ باوجود اختلاف مذہب کے پتھورا اس کی قدر و منزلت کرتا تھا۔

اس کی زبان سے پتھورا نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی جو زیادہ تعریفیں سنیں اور اسے آپ کی شان ولایت کا گرویدہ دیکھا تو اس پر بہت بگڑا اعتبار کرنا شروع کیا اور روز بروز زیادہ ستانے لگا۔ اس شخص کو شاید اس بات کی خبر نہ تھی کہ اس ناراضی کی اصل وجہ حضرت قدس سرہ العزیز ہیں۔ اور خود باورگاہ ولایت میں آکر عرض کیا کہ راجہ صاحب مجھ سے ناراض ہوتے جاتے ہیں اور ان کی برہمی سے اندیشہ ہے کہ مجھے کوئی مسخنت ضرر نہ پہنچ جائے۔ اگر کوئی مضائقہ نہ ہو تو آپ اس کی خدمت میں میری سفارش فرمادیں۔ آپ نے بلا تامل رائے پتھورا سے نہایت نرمی اور استمالت کے الفاظ میں اس کی سفارش کر دی۔

اس سفارش نے اس کی آتش غضب کو اور بھڑکایا اور اپنے اہل دربار سے برہمی و نخوت کے الفاظ میں کہا اس شخص (خواجہ صاحب) کو کیا حق تھا جو یہاں آیا ہے۔ وہ طرح طرح کے کوششے دکھا دکھا کے اندر غیب کی باتیں بتاتا کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانا اور گمراہ کرتا ہے۔

ادھر اس نے اپنے دربار میں یہ نامناسب کلمات آپ کی نسبت زبان سے نکالے ادھر لوگوں نے اس کی خبر حضرت خواجہ تک پہنچادی۔

رائے پتھورا پر | رائے پتھورا کے پاس فوج اور اسلحہ کچھ تھا۔ وہ بڑی سے بڑی فوج کے ساتھ مقابلہ کرنے کی قوت رکھتا تھا۔ **عتاب خواجہ** | مگر خواجہ صاحب کی روحانی قوتوں کے سامنے وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا، پھر وقت کے مشہور جوگی کے اسلام نے اسے اور بھی دراندہ کر دیا تھا اور خواجہ صاحب اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگے تھے۔ اگرچہ راجہ کی ماں نے اسے بہت سمجھایا کہ خواجہ صاحب سے مخالفت اچھی نہیں اس سے تم خود اور تمہاری حکومت بھی برباد ہو جائے گی، مگر وہ نہ مانا اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی، ادھر راجہ کا غصہ اور تیز ہونا جا رہا تھا۔ اس دوران میں خواجہ صاحب نے اپنے پتھورا کو اسلام کی دعوت بھی دی اور اسے اسلام کی بزرگیوں سے آگاہ کیا۔ آپ نے اسے سمجھایا کہ بت پرستی کا انجام بُرا ہے اور یسویانی کا موجب ہوگا، مگر اس نے آپ کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دی اور اب اعلانیہ آپ کی اور دوسرے مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگا۔ راجہ نے شصتے میں جو الفاظ منہ سے نکالے تھے، وہ خواجہ صاحب تک پہنچائے گئے۔ چنانچہ خواجہ صاحب بھی غصے میں آگئے اور کاغذ کے پیرزے پر یہ الفاظ لکھ کر راجہ کے پاس بھیج دیے کہ من تر ازندہ بدست لشکر اسلام بسپردم۔ یعنی تو مجھے نکالے نہ نکالے، میں نے تجھے زندہ پکڑنے کے لشکر اسلام کے حوالے کیا۔

سیاسی محرکے | یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان سیاسی محرکوں کا بھی ذکر کر دیا جائے جو رائے پتھورا اور مسلمانوں کے درمیان ہو رہے تھے، یعنی ہندوستان پر غوریوں کے حملے۔

محمد غوری کے | محمد غوری ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا چنانچہ سب سے پہلے اس نے ہندوستان
 معرکے کے سرحدی صوبوں پر قبضہ کیا۔ اچھ، ملتان اور پشاور اُسانی سے فتح کر لیے، مگر انہو اڑہ پر قبضہ نہ کر سکا۔ یہ
 مرحلے طے کرنے کے بعد اس نے لاہور کا رخ کیا اور پانچ سال کی کوششوں کے بعد سیالکوٹ اور لاہور فتح کیے اور خسرو ملک کو قید کیا۔
 پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد محمد غوری کے مقبوضات کی سرحد ہندو راجاؤں کی سرحدوں سے مل گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں
 طرف لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

رائے پتھورا اور محمد غوری | سب سے پہلے جمیر اور سانہر کے چوہان راجاؤں نے محمد غوری کا مقابلہ کیا۔ رائے پتھورا جسے
 کی پہلی جنگ! پر تھوی راج بھی کہتے ہیں ان کا سردار تھا اور فخر راج چوت "کہلاتا تھا۔ ہر طبقے اور ہر ذات کے
 ہندو اب تک فخر سے اس کا نام لیتے ہیں اور گھر گھر اس کی بہادری کے گیت گائے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کو ہندوستان میں اب تک جتنے حریتوں سے واسطہ پڑا تھا، رائے پتھورا ان میں سب سے زیادہ دلیر،
 طاقت ور اور قابل تھا۔ محمد غوری نے سرہند کا محاصرہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اسی دن سے مسلمانوں اور راجپوتوں میں لڑائی ٹھن
 گئی تھی۔ ۵۸۷ھ (۱۱۹۱ء) میں جب کہ خواجہ جمیری، جمیر میں مقیم تھے۔ دونوں فوجیں ترائن کے میدان میں صف آرا ہوئیں۔
 راجپوتوں نے اسلامی فوج کے دونوں پہلوؤں پر نہایت شدید حملہ کیا اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ مسلمانوں کو زبردست
 شکست ہوئی۔ محمد غوری گرفتار ہونے سے بال بال بچا۔ راجپوتوں نے شاندار فتح پائی۔

یہ لڑائی اور رائے پتھورا کو یہ کامیابی اس وقت حاصل ہوئی تھی جب حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز سے نہیں بگڑی تھی،
 غالباً اسی فتح کے غرور اور اسی مقصدوری کے نشے نے اسے اس قدر بے پروا کر دیا کہ خواجہ صاحب کی خاموش اور امن و سکون
 کی زندگی کی قدر نہ کی اور درپے آزار ہو گیا۔

بہر حال اس شکست کے بعد محمد غوری واپس چلا گیا، مگر دل میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی۔ قسم کھائی کہ جب تک
 بدلہ نہ لے لے گا آرام سے نہ بیٹھے گا۔ چنانچہ تمام عیش و آرام ترک کر دیا۔ اور دوبارہ ہندوستان پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع
 کر دیں۔ اس اثنا میں رائے پتھورا اور خواجہ جمیری کے درمیان بخش بڑھتی چلی جا رہی تھی، یہاں تک کہ حالات نے پھر پلٹا کھایا۔
 رائے پتھورا اور محمد غوری | آتش انتقام بجھانے کے لیے محمد غوری نے پورے اہتمام کے ساتھ دوبارہ ہندوستان پر حملہ کر دیا
 کی دوسری جنگ! اور لاہور سے آگے بڑھ آیا۔ ہر الفاظ شہر رائے پتھورا نے مقابلے کا سامان پہلے ہی کر رکھا تھا اور

قریب قریب ہندوستان کے تمام راجاؤں کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر لیا تھا۔ فرشتہ معبر روایات سے بیان کرتا ہے کہ رائے
 پتھورا کے لشکر کی تعداد تین لاکھ سواروں سے زیادہ تھی جس میں راجپوت بھی تھے اور افغانی لوگ بھی۔ اب کے ہاتھی بھی تین ہزار
 سے زیادہ تھے اور تقریباً ڈیڑھ سو راجہ اس کے وطنی جھنڈے کے نیچے تھے۔ محمد غوری کو اب بھی اپنی طرف کمی نظر آتی تھی،
 مگر نہایت ہی ہوشیاری، حکمت عملی اور مستعدی سے لڑا۔

ہندو راجاؤں | غرض ۵۸۸ھ میں تراوڑی کے میدان میں مقابلہ ہوا اور بڑی سخت لڑائی ہوئی جس نے ایک ہی دن میں
کی تباہی | ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ غوریوں کے حق میں کر دیا۔ کھانڈے راجہ دہلی اور بہت سے اور راجہ بھی
میدان میں مارے گئے۔ رائے پتھور نے بھاگ کر جان بچائی، مگر دریائے گنگا سے آگے نہیں بڑھنے پایا تھا کہ کسی نے گرفتار
کر کے شہاب الدین کے پاس پہنچا دیا، اور شہاب الدین نے اس کی زندگی کا چراغ گل کر کے بلندی ہند کی ہندو قوت کو ہمیشہ
کے لیے فنا کر دیا۔ غرض لوں خواجہ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔

ہند میں اسلامی حکومت | فتح کے بعد سلطان شہاب الدین اجیر آیا اور رائے پتھور کے بیٹے کو اپنا مطیع و باجگذار بنا کے
کا قیام! | باپ کی گدی پر بٹھا دیا اور قطب الدین ایک کو جو آئندہ زمانہ میں شہنشاہ ہند ہونے والا تھا
اپنا نائب اور دہلی ہی نہیں ساری قلمرو ہند کا والی مقرر کر کے اپنے وطن کو واپس گیا۔

اجیر کا اسلامی دور | قطب الدین ایک نے اپنی طرف سے سید السادات سید حسن مشہدی کو جو خذنگ سوار کے لقب
سے مشہور تھے، شہر اجیر کا داروغہ مقرر کیا اور جب رائے پتھور کا بیٹا باپ کی گدی پر بٹھایا گیا تو داروغگی کے سوا اس کا اور کوئی
مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہ شہنشاہی دولت کی طرف سے ریاست اجیر کا رزیدنٹ تھا۔ سید حسن مشہدی کی نسبت ہٹا گیا ہے
کہ مذہب شیعہ اثنا عشری کے پابند تھے۔ بڑے ہی نیک نفس اور پرہیزگار تھے اور اولیاء اللہ کے زمرے میں شامل تھے۔ ان سے
حضرت خواجہ سے صحبت بڑھی اور وہ آپ کے نہایت ہی گرویدہ ہو گئے اور تبلیغ اسلام اور ہدایت خلق اللہ میں بھی ان کی بدولت
آپ کو بڑی مدد ملی۔

خواجہ اجیری کا | اب آپ کا اس قدر اثر تھا کہ جو لوگ آپ کے ہاتھ پر ایمان نہیں لائے وہ بھی آپ کی قدر و منزلت کرتے
آخری دور | تھے اور آپ کے ربانی مشن کی تقویت کے لیے روپیہ پیسہ اور تحف و ہداہ کے ذریعہ سے مدد کیا کرتے تھے۔

لے لہا جاتا ہے کہ جب ان خواجہ اجیری نے غصہ میں آکر رائے پتھور کو لکھ بھیجا تھا کہ میں نے تجھے زندہ پکڑ کے لشکر اسلام کے حوالے کر دیا، اسی رات
خواجہ صاحب نے خواب میں شہاب الدین کو ہندوستان پر فوراً حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ اس دفعہ خدا تمہیں فتح دے گا۔
بعض بیان کرتے ہیں کہ سلطان نے خواب میں دیکھا کہ ایک نرانی صورت بزرگ تخت پر جلوہ افروز ہے۔ تمام دست بستہ کھڑے ہیں ایک
خادم نے سلطان کا ہاتھ پکڑ کر لشکر اسلام کے حوالے کیا اور فرمایا تجھے ہندوستان کی سلطنت بخشی۔

سلطان نے صبح کے وقت یہ خواب اپنے صحابوں سے بیان کیا۔ معبروں نے بار بار کہا دیتے ہوئے کہا کہ اس کی تعبیر ہے کہ ہندوستان غنقریب آپ کے ہاتھوں فتح ہوگا۔
اگرچہ یہ ایک نیک تعبیر تھی مگر سلطان دوبارہ حملہ کرتے ہوئے قدرے متاسف تھا اس لیے کہ اسے حال ہی میں رائے پتھور سے شکست ہوئی تھی اور
اس نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی تھی۔ تاہم غم و خوض کے بعد ہی بڑے پابکار دوبارہ قسمت آزمائی کی جائے۔ چنانچہ اسی خواب کے تحت سلطان نے ہندوستان پر
دوبارہ لشکر کشی کی اور اسی لیے مورخین سلطان کے اس حملے کو خواجہ اجیری کی پیشگوئی سے تعبیر کرتے ہیں۔

آپ کے مرید اور خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکا نے آپ کی اجازت سے دہلی کی سکونت اختیار کر لی تھی اور آپ ہی کے انوار ہدایت کی ایک شمع ان کی برکت سے خاص دہلی میں روشن کی تھی، جو اب مسلمان تاجداران ہند کا مرکز سلطنت اور منشا و ماویٰ قرار پا گیا تھا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مرشد شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ العزیز بھی سلطان ایتھس کے دور میں وارد دہلی ہوئے تھے اور شہنشاہ ایتھس ان کا مرید ہوا تھا، جس نے ان کی نہایت ہی تعظیم و تکریم کی۔ خواجہ صاحب بھی اپنے خلیفہ قطب الدین صاحب قدس سرہ سے ملنے کے لیے دو مرتبہ شہنشاہ ایتھس کے زمانے میں دہلی تشریف لے گئے۔ لیکن اس کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہاں آپ کو اپنے مرشد کی قدر بوسی ہی حاصل ہوئی یا نہیں۔ اگر اس زمانے میں تشریف رکھتے ہوں گے تو قطعاً ملاقات ہوئی ہوگی مگر ممکن ہے کہ آپ کے دونوں سفر دہلی حضرت پیرو مرشد کے ورود سے پہلے ہوں۔

شمس الدین ایتھس، قطب الدین ایبک کا زرخیز غلام اور داماد تھا جسے اس نے اپنی زندگی ہی میں اس درجے پر پہنچا دیا تھا کہ ہندوستان کا تاج شاہی اس کے سر پر رکھا گیا۔

وفات | ایتھس ۶۰۷ھ میں تخت پر بیٹھا تھا اور چھبیس برس حکومت کر کے ۶۳۳ھ میں جاوہ پیمانے آخرت ہوا اور یہ امر شاید کسی قدر تعجب سے دیکھا جائے کہ اسی سال ۶۳۳ھ میں حضرت خواجہ خواجگان قدس سرہ العزیز نے بھی دنیا کو رخصت فرمایا۔ اجمیر شریف میں آپ کا مزار اقدس مرجع خلافت ہے۔

شادی اور اولاد | خواجہ صاحب کی تمام عمر نفس کے خلاف جہاد اور اسلام کی اشاعت میں گزری۔ اس دوران میں شادی کے متعلق سوچنے کا وقت ہی نہ ملا۔ چنانچہ عمر مبارک نوے سال کی ہو چکی تھی۔ اب اس سنت نبوی کی تکمیل کرنا چاہتے تھے، چنانچہ آپ نے شادی کر لی۔

کتب تواریخ سے آپ کی دو بیویوں کا پتا چلتا ہے۔ ایک کا نام بی بی امۃ اللہ اور دوسری کا نام بی بی عصمت ہے۔ اخبار الاخبار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پہلے بی بی امۃ اللہ سے نکاح کیا۔ اخبار الصالحین حصہ اول میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔ مگر انوار خواجہ "نام کتاب میں بتایا گیا ہے کہ آپ نے پہلے بی بی عصمت سے نکاح کیا۔

آپ کی اولاد کے بارے میں اختلاف ہے بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی، مگر یہ غلط ہے۔ بیشتر کتب تواریخ سے آپ کی اولاد کا ہونا ثابت ہے۔ آپ کے تین لڑکے تھے جن کے نام یہ ہیں: ۱۔ ابو سعید خواجہ فخر الدین ۲۔ ابو الجیز خواجہ ضیا الدین

۱۔ ابو الجیز خواجہ ضیا الدین
۲۔ ابو سعید خواجہ فخر الدین

۳۔ ابو سعید خواجہ فخر الدین

۳۔ شیخ حسام الدین

خواجہ فخر الدین ایک معرکہ میں شہید ہوئے۔ ان کا مزار مبارک ریاست کشن گڑھ کے قصبہ سردار میں ہے جو اجیر سے سولہ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ بڑی پرفضا جگہ ہے۔ مزار ایک تالاب کے قریب واقع ہے، جہاں ہر سال یکم سے ۶ شعبان المعظم تک آپ کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔

آپ بڑے باعظمت بزرگ تھے۔ خواجہ صاحب کے بعد تیس سال تک زندہ رہے۔ خواجہ اجیری کی نسل انھیں سے چلی۔ سید وجیہ الدین مشہدی کے بھتیجے سید حسن مشہدی نے آپ کو تبلیغ دین کے سلسلہ میں بہت مدد دی۔ شیخ حسام الدین صاحب کرامت بزرگ تھے، مجاہدہ و ریاضت میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ سلطان المشائخ محبوب الہی سے بھی صحبت رہی تھی۔ آپ کا مزار مبارک قصبہ سانجھ میں واقع ہے، جہاں ہر سال شعبان میں ان کا عرس منایا جاتا ہے۔ آپ حضرت خواجہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔

بی بی حافظہ جمال حضرت خواجہ کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام بی بی حافظہ جمال تھا۔ شیخ رضی آپ کے شوہر کا نام تھا۔ بی بی حافظہ جمال وہی ہیں جن کی تربیت خود خواجہ صاحب نے فرمائی اور انھیں بندگی کے درجہ تک پہنچایا۔ آپ نے حضرت خواجہ صاحب کے لائٹ عمل کے مطابق ہندو عورتوں میں تبلیغ اسلام کا کام سرانجام دیا۔ بڑی صاحب علم و فضل تھیں۔ آپ کے دو صاحبزادے صغر سنی ہی میں وفات پا گئے۔

آپ کی قبر مبارک مزار خواجہ کے گنبد سے بالکل متصل ذبح ہے۔

خلفاء خواجہ صاحب کے خلیفہ اکبر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی تھے جو نہایت عظمت اور شہرت کے مالک ہیں۔ آپ نے انھیں ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے مقرر فرمایا۔ ان کے علاوہ آپ کے چند خلفاء کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

خواجہ برہان الدین

شیخ حمید الدین ناگوری

بی بی حافظہ جمال

شیخ وجیہ الدین

سلطان مسعود غازی

شیخ وحید الدین خراسانی

کارنامے خواجہ صاحب اپنے عہد کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت آپ کا سب سے

بڑا کارنامہ ہے۔ آپ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے کفر زار ہند میں ایک ایسی سیڑھی قائم کی جس کے ذریعہ نہ صرف عام غیر مسلم نے اسلام قبول کرنے کے بعد منازل عرفان طے کیے، بلکہ کئی قدسی صفت بزرگوں نے بھی اسی سیڑھی کے ذریعہ روحانیت اور وجدانیت کے مراحل طے کیے۔

جب خواجہ صاحب ہندوستان میں تشریف لائے تو کیفیت یہ تھی کہ کہیں اسلامی شکل نظر نہ آتی تھی پھر یہ حالت ہوئی کہ آپ کی زندگی ہی میں آپ کی مساعی جمیلہ سے چاروں طرف اسلام کا بول بالا ہونے لگا۔ مسلمان روز بروز بڑھنے لگے۔ دہلی اور اجمیر جیسے عظیم گوارہ ہائے کفر میں اذان کی صدا نہیں بلند ہونے لگیں اور آپ ہی کی مساعی سے اسلامی حکومت بھی پورے جاہ و جلالاً۔ سلطنت ہندوستان میں قائم ہو گئی۔

خواجہ صاحب نے جو کام انجام دیا وہ معمولی نوعیت کا کام نہیں اور نہ ہی کسی معمولی انسان کا کام ہے۔ آپ تنہا غیر ملک میں ایسے لوگوں کے درمیان آئے ہیں جو آپ کے دین کے اشد دشمن ہیں۔ پھر یہ کہ اس ملک میں ان کی اپنی حکومت ہے حضرت خواجہ صاحب کا کوئی حامی اور مددگار بھی یہاں موجود نہیں۔ اس کے باوجود آپ اشاعت اسلام کے لیے ایک وسیع اور عظیم نظام قائم کرتے ہیں، جس کی سخت مخالفت کی جاتی ہے، پھر یہ کہ راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں ہیں، یہاں تک کہ جان کا بھی خطرہ ہے، مگر آپ کے قدم نہیں ڈگمگاتے اور اپنے نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے پورے طور پر سرگرم عمل ہو جاتے ہیں ان تمام امور سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خواجہ صاحب کس دل گروے کے بزرگ تھے اور عام انسانوں اور ان میں کیا فرق ہو سکتا ہے اور وہ کتنی عظیم شخصیت کے مالک تھے۔

خواجہ صاحب کے پیش نظر کوئی چھوٹا سا علاقہ نہ تھا، بلکہ سارا ہندوستان تھا، لہذا آپ نے صرف اجمیر یا دہلی پر ہی اکتفا نہ کیا، بلکہ ایک زبردست تبلیغی مہم جاری کی۔ آپ نے صرف مردوں ہی میں نہیں بلکہ عورتوں میں بھی تبلیغ کا اہتمام کیا۔ اپنی صاحبزادی حافظہ جمال صاحبہ کو جن کی تربیت آپ نے اپنے ہی ہاتھوں سے کی تھی اور بزرگی کے درجہ کمال کو پہنچایا تھا۔ عورتوں میں تبلیغ اسلام کا فرض تفویض کیا۔ چنانچہ ان کی زندگی کا نصب العین بھی یہی تھا، وہ جب تک بقید حیات رہیں ہندو عورتوں میں اشاعت اسلام کا کام کرتی رہیں۔ اور بہت سی عورتوں نے آپ کی تبلیغ اور آپ کے ذاتی اوصاف سے متاثر ہو کر دین حق اختیار کیا۔

پھر حضرت خواجہ نے اپنے قابل اور لائق خلفاء کو ہندوستان کے مختلف اطراف میں اسی کام کے لیے مامور فرمایا، جو ہندوستان کے دور دراز گوشوں میں پھیل گئے اور ان تاریک گوشوں کو ضیائے اسلام سے منور کیا۔ اجمیر میں آپ نے عظیم الشان مسجد اور مدرسہ قائم کیا، جہاں بہت سے لوگ دینی علم حاصل کرتے تھے۔ پھر یہ کہ یہیں سے متعدد مقدر ہستیاں اٹھیں۔ یہ لوگ اولیاء بن کر نکلے اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں بیٹھے کہ خلق خدا کی رہنمائی میں لگ گئے۔ آج بزرگ ہندوستان میں جتنے بھی مسلمان نظر آتے ہیں وہ اجمیر کے حبشی اور پلتان کے سہروردی خاندان کی برکات ہیں۔ خواجہ نے اپنے خاص خلیفہ حضرت قطب قلا کو دہلی جیسے مرکزی مقام میں متعین فرمایا۔ ان تمام بزرگان کرام کے پیش نظر صرف تبلیغ دین اور اصلاح مسلمین تھی اور انہوں نے

اپنے اخلاق اپنی قوت ایمان اور اپنی دینی و دنیوی صلاحیتوں سے بڑے بڑے کام انجام دیے ہیں۔ یہاں تک کہ عظمت کدہ ہند میں اس شان کی اسلامی حکومت قائم کی جس کی نظیر نہیں ملتی، پھر ان بزرگان کرام کی اپنی شان یہ رہی کہ وقت کے فرمانروا بھی ان کی غلامی پر فخر کرتے تھے۔

صاحب سیرالاولیاء نے خواجہ اجیری کے اسی عظیم کارنامے کو ان کی سب سے بڑی کرامت قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں: "اس سے بڑھ کر علو درجہ اور کرامت کیا ہوگی کہ جو لوگ اس بزرگ کے ساتھ وابستہ ہوئے وہ خود دین کے ایسے بادشاہ ہوئے کہ انھوں نے بندگانی خدا کی مدد کی اور انھیں دنیا کے فریب سے نکالا اور دارالسرور عقبی کی اعلیٰ منزل میں انھیں داخل کیا۔ ان بادشاہان دین کی عظمت کا نقارہ قیامت تک بجتا رہے گا اور ان کی محبت کے طفیل خلق اللہ فودس بریں میں جگہ پائے گی۔"

دوسری کرامت یہ کہ پورا ہندوستان اس حد تک کہ جہاں سے سورج نکلتا ہے کفر و بت پرستی میں مبتلا تھا اور ہندوستان کے سرکش اور بڑے لوگ خدائی کا دعویٰ کرتے تھے اور خدائے برتر کا شریک گردانتے تھے (ایسی حقیر چیزوں کو جیسے ڈھیلا، پتھر، درخت، گھوڑا، گائے اور ان کے گوبر تک کو سجدہ کرتے تھے) اور ان کے دل پر تاریکی کے مضبوط قفل پڑے ہوئے تھے۔ اس آفتاب اہل یقین (حضرت خواجہ خواجگان) کے قدم مہمنت لزوم سے کہ جو حقیقت میں معین الدین اور اسم بامسمیٰ تھے اس ملک کی تاریکی کفر اسلام کی روشنی سے بدل گئی، جس جگہ مشرکوں کے شرکاء نہ نعرے اور دہائیاں تھیں، وہاں اللہ اکبر کا نعرہ لگنے لگا۔ حضرت خواجہ کے قدم مہمنت لزوم سے جس قدر مسلمان ہوئے اور آئندہ قیامت تک جس قدر مسلمان ہوں گے اور اس طرح قیامت تک ان کی جو اولاد مسلمان پیدا ہوگی ان کا اجر و ثواب شیخ الاسلام معین الدین چشتی کی روح پر فتوح کو پہنچے گا۔ خواجہ صاحب | یہ تو ظاہر ہی ہے کہ خواجہ اجیری کے پیش نظر زندگی کا بنیادی مقصد اسلام کی نشر و شاعت اور حق کی کی تصانیف | تبلیغ کرنا تھا۔ چنانچہ اس معاملہ میں دوسری تمام مساعی کے علاوہ ایک ذریعہ تصنیف و تالیف کا بھی ہے یعنی رسالے اور کتابوں کے ذریعہ تبلیغ کا حتیٰ ادا کرنا۔ چنانچہ ہو سکتا ہے اس ضرورت کے لیے خواجہ صاحب نے کچھ رسالے اور کتابیں بھی لکھی ہوں۔ ان کی ایک کتاب موسومہ "انیس الارواح" پر تو سب مؤرخین کا اتفاق ہے کہ یہ خواجہ صاحب کی اپنی تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی چند کتابیں آپ سے منسوب ہیں، مگر تاریخ سے ان کے متعلق صحیح سند نہیں ملتی کہ یہ خواجہ صاحب کی تصانیف ہیں۔

انیس الارواح | یہ کتاب خواجہ اجیری کے پیر و مرشد خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے خواجہ نے مرتب فرمایا اور سب مؤرخ اسے خواجہ صاحب کی تصنیف مانتے ہیں۔ یہ کتاب فارسی میں ہے۔

کنج الاسرار | اس کتاب کا اردو ترجمہ مختلف ناموں سے چھپا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب خواجہ عثمان ہارونی دہلی تشریف لائے تو آپ نے خواجہ اجیری کو ہدایت فرمائی کہ سلطان شمس الدین التمش کی تعلیم و تلقین کے لیے ایک ایسی کتاب لے لیں الارواح کا اردو ترجمہ از سید ناصر لاہری صوفی بک ڈپو۔ پنڈی بہار الدین گجرات سے لکھنؤ میں شائع ہوا (۲۰۰۸ء)

لکھیں جو سفر و حضر میں اس کے لیے رہنمائی کا کام دے۔ چنانچہ خواجہ نے ستر سے زیادہ کتابیں فراہم کر کے علم سلوک پر یہ کتاب مرتب فرمائی۔ اس کتاب سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خواجہ اجمیری کو اجمیر میں قیام فرمانے کی ہدایت ان کے پیر و مرشد خواجہ عثمان ہارونی نے ہی دی تھی۔ خواجہ عثمان کے سفر ہند کا کہیں مطلقاً ذکر نہیں آتا اور وہی کے قیام وغیرہ کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا۔

احدیث المعارف | اس نام سے ایک کتاب بھی خواجہ صاحب کی تصنیف بیان کی جاتی ہے، مگر یہ کتاب آج کل دستیاب نہیں۔ لہذا اس کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔

دیوان معین | اس نام سے فارسی اشعار کا ایک دیوان بھی خواجہ معین الدین چشتی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس میں تمام غزلیں ہیں۔ غزلوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔ غزلیں صوفیانہ رنگ میں ہیں۔ مقطع میں معین اور معینی تخلص

دیوان خواجہ | آتا ہے۔ غزلوں کی کل تعداد ۱۲۱ ہے۔ تصوف کے بڑے عالی پایہ مضامین باندھے گئے ہیں۔ کہیں کہیں ہندی کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ اکثریت کا یہی خیال ہے کہ یہ دیوان خواجہ اجمیری ہی کا ہے، مگر بعض نقاد جن میں حافظ محمود شیرانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں اسے خواجہ اجمیری کا دیوان قرار نہیں دیتے، بلکہ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ یہ دیوان کسی اور "معین" کا ہے، جسے لوگوں نے غلطی سے خواجہ صاحب سے منسوب کر دیا۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ

ولادت ————— سہروردی ۵۲۹ھ

حضرت شہاب الدین ابوالفتح: السہروردی، المعروف بر "شیخ مقتول" سہروردی میں پیدا ہوئے۔ یہ عراقی خجّم میں زنجان کا ایک مقام ہے۔ آپ کی ولادت ۵۲۹ھ میں ہوئی۔ امام مجد الدین الجیلی کے سامنے آپ نے زانوے شاگردی ترکیا اور ان سے حکمت اور اصول فقہ کا درس حاصل کیا۔ حلب کے متعدد فقہاء سے آپ کے زبردست مناظرے بھی ہوئے۔ یہ مناظرے مختلف نزاعی مسائل پر ہوئے۔ ان مناظروں کا نتیجہ یہ نکلا کہ فقہاء آپ کے مخالف اور دشمن ہو گئے۔ آپ پر طنز و طعن کرنے لگے۔ الحاد و زندقہ کا الزام آپ پر ثابت کیا جانے لگا۔

سلطان صلاح الدین یہاں تک کہ آپ کی شکایت سلطان صلاح الدین ایوبی کے گوش گزار کی گئی۔ اس نے اپنے بیٹے الظاہر سلطان حلب کو لکھا کہ حضرت سہروردی کو قتل کر دیا جائے۔ اس نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کے قتل کا حکم خود سلطان الظاہر نے دیا تھا۔ ۵۸۰ھ میں آپ قتل کیے گئے۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ سہروردی کو جب معلوم ہوا کہ فقہائے حلب ان کے قتل کا فتویٰ دے چکے ہیں، تو آپ نے الظاہر سے استدعا کی کہ ایک مکان میں آپ کو قید کر دیا جائے۔

وہاں آپ کھانے پینے سے بالکل ہاتھ اٹھالیں، یہاں تک کہ وفات پا جائیں۔ چنانچہ الظاہر نے ایسا ہی کیا۔ لیکن ان دونوں واقعات میں صحیح اور قرین حواہد واقعہ پہلا ہے۔ یعنی صلاح الدین تک آپ کی شکایت پہنچی، حلب کے فقہانے آپ کے خلاف قتل کا فتویٰ دیا اور صلاح الدین کے بیٹے الظاہر سلطان حلب کے حکم سے آپ قتل کیے گئے۔

سہروردی کو حکمت قدیمہ سے بہت شغف تھا۔ چنانچہ وہ اس کے حقائق تک پہنچے اور اس کے دقائق انہوں نے حاصل کیے۔ نارس اور یونان کے حکما کے اقوال کا خاص طور پر مطالعہ کیا۔ خود بھی اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھیں اور رسائل تحریر کیے۔ ان تصانیف میں حقائق عقلیہ پر آپ نے روشنی ڈالی۔ تعلیم صوفیہ سے آپ نے بحث کی اور انھیں ایک خاص رنگ میں پیش کیا۔ ازواج روحیہ کی کیفیتیں بیان کیں۔

رمز و اشارہ اپنی ان کتابوں میں سہروردی نے شرح و وضاحت کے بجائے رمز و اشارہ پر اکتفا کیا۔ آپ نے ایسی وجدانی باتیں لکھیں جن میں آپ کی تعلیم کے معانی پوشیدہ تھے۔ چنانچہ معاصرین میں سے بعض نے آپ کے عقیدہ اور ایمان پر جرح کی اور شک و شبہ کا اظہار کیا۔ چنانچہ آپ نے فقہائے حلب کو اپنے قتل کی خود ترغیب دی۔

۱۷۱ مجمع الادبیا۔

ایک مشہور روایت ہے کہ آپ حلب میں جب علم میں مشغول تھے، تو آپ کے بارے میں لوگوں کی دو رائیں پائی جاتی تھیں، ایک گروہ آپ سے بدظنی رکھتا تھا، دوسرا گروہ آپ سے عقیدت رکھتا تھا اور آپ کو اہل کرامات میں سے سمجھتا تھا۔

سہروردی کی شخصیت | اسلام کی حیات و حیرت کی تاریخ میں سہروردی کی شخصیت بہت زیادہ اہمیت اور عظمت رکھتی ہے اس لیے نہیں کہ آپ بہت بڑے صوفی تھے اور صوفیائے اولین کے نقش قدم پر چلتے تھے، اس لیے بھی نہیں کہ آپ بڑے فلسفی تھے اور معاملات و مسائل پر خالص فلسفیانہ نقطہ نظر سے غور و فکر کے عادی تھے بلکہ اس لیے کہ آپ کا مذہب و مسلک حکمت اشراق پر مبنی تھا، اور یہ وہ مذہب ہے جو تصوف اور فلسفہ کے مابین ایک خلیج کی طرح حامل تھا، چنانچہ خود سہروردی اس سلسلہ میں اپنی لقیات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سب سے پہلے میں کسی بات پر حجت اور دلیل کو دیکھتا ہوں، اگر میں حجت سے قطع نظر کروں، تو پھر کوئی بھی تشکک مجھے شک میں نہیں ڈال سکتا۔

آثار منظومہ و سہروردی کے بہت سے آثار نظم اور نثر کی شکل میں موجود ہیں، جو ان کی ثقافت فلسفیانہ، ذوق مصقول اور

نفسورہ | حکمت مشرق پر دلالت کرتے ہیں۔

ان کے آثار میں:

۱۔ حکمت الاشراق

۲۔ بیابان النور

۳۔ غربت الغریبہ، کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

حکمت الاشراق | جن کتابوں نے مسلمانوں کی تاریخ فکر و روح پر گہرا اثر ڈالا ہے، ان میں "حکمت الاشراق" کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ کتاب دو قسموں میں منقسم ہے۔

پہلی قسم میں منطق اور استدلال سے مسائل و معاملات پر بحث و گفتگو کی گئی ہے۔

دوسری قسم میں انوار الہی اور تجلیات ربانی کی روشنی میں معاملات و مسائل کا ذکر ہے۔

قسم ثانی پانچ مقالات پر مشتمل ہے:

(۱) مقالہ اول:

اس میں نور اور حقیقت پر بحث کی گئی ہے۔

(۲) مقالہ دوم:

اس میں تربیت وجود پر گفتگو کی گئی ہے۔

(۳) مقالہ سوم:

اس میں نور الانوار اور انوار قاہرہ کے موضوع پر گفتگو کی گئی ہے۔

(۴) مقالہ چہارم:

تقسیم برازخ اور ان کی ہیئت و ترکیب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۵) مقالہ پنجم:

بنوات، منلمات اور معاد۔ یعنی اس مقالہ میں مسئلہ نبوت، مسئلہ خواب اور مسئلہ حشر پر گفتگو کی گئی ہے۔

ان مقالات خمسہ میں سروردی نے رموز و اشارات کی زبان میں گفتگو کی ہے۔

چنانچہ جب وہ نور و ظلمت کا ذکر کرتے ہیں تو نور سے ان کی مراد ہوتی ہے روح اور ظلمت سے مراد ہوتا ہے مادہ۔ اسی طرح جب انوار کا لفظ آتا ہے تو عقل مراد ہوتی ہے۔ عقل الافلاک سے وہ انوار قاہرہ مراد لیتے ہیں۔ انوار مجردہ سے ان کا مطلب ہوتا ہے نفوس انسانیہ۔ انوار الانوار وہ خدا کو کہتے ہیں۔ جوہر سے مراد جسم۔ غاسق سے مراد تاریکی۔ عالم برزخ ان کی اصطلاح میں عالم اجسام ہے۔

سروردی کا اب ہم بتانا چاہتے ہیں کہ سروردی کا مذہب و مسلک کیا تھا؟
مذہب اور حکمت اشراق سے وہ کیا مراد لیتے تھے۔

ذات الہی کے صفات و افعال کی لذت اور معرفت اور حکمت علم کلام، فلسفہ اور تصوف میں مشترک ہے اور یہ لذت دو طریقوں سے حاصل ہوتی ہے:

پہلا طریقہ، فلسفہ اور استدلال عقلی کا ہے۔

دوسرا طریقہ، ذوق روحی اور وجد صوفی کا ہے۔

جو لوگ پہلے طریقے پر عامل ہیں، وہ اسلام کی تعلیمات کو دلیل عقلی سے ثابت کرتے اور مانتے ہیں، یہی حضرات متکلمین کہلاتے ہیں۔

اور جو لوگ صرف نظر عقلی کو کافی سمجھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو حکمائے مشائیین کہلاتے ہیں۔

لیکن جو لوگ دوسرے طریقے پر عامل ہیں، وہ اسلام کی تعلیمات کو مانتے ہیں، اس کے مخصوص اور احکام کی حسب موقع تاویل کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو صوفیاء کہلاتے ہیں۔

اسی گروہ میں جو لوگ اس راستے سے ذرا ہٹ کر چلتے ہیں، یعنی ذوق اور وجدان کو مقدم رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو حکمائے اشراقی کہلاتے ہیں۔

اس تعریف کی روشنی میں حکمت اشراق ایک روحانی فلسفہ ہے، اس مذہب کا قوام ذوق اور وجدان ہے۔ یہی

سہروردی کا مسلک ہے۔

حکما کے مراتب | سہروردی کے نزدیک حکما کے چند مراتب ہیں:

(۱) حکیم الہی :

یہ لوگ الہیت میں بہت زیادہ غلو کرتے ہیں۔ صوفیہ میں ان لوگوں کی مثال ابو یزید بسطامی۔ سہل بن عبد اللہ قسری اور حسین بن منصور حلاج وغیرہ اصحاب الہیت ہیں۔

(۲) حکمائے مشائین :

یہ لوگ الہیت میں شغف نہیں رکھتے۔ یہ لوگ ارسطو کے متبعین میں ہیں۔ مثلاً فارابی اور ابن سینا وغیرہ۔ شیرازی کا قول ہے، وہ حکیم الہی جو الہیت سے بحث کرتا ہو اور اس مسئلہ میں اپنا ایک خاص مسلک رکھتا ہو، سہروردی خود ہیں اس میدان میں ان سے بڑا کوئی آدمی نظر نہیں آتا۔

حکیم الہی کی دو قسمیں ہیں :

ایک تو وہ جو بحث و گفتگو میں اس مسئلہ کو غلو کی نظر سے دیکھتا ہے اور اپنے مسلک میں حد درجہ غالی ہوتا ہے۔ اور دوسرا وہ جو بحث و گفتگو میں اعتدال و توسط کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔

جو حکیم الہی تامل اور بحث میں غلو رکھتا ہے، وہی ان تمام حکما میں کمال و شرف کی بنیاد پر ممتاز ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کا علم ذوقی اور عقلی ہوتا ہے۔ اس حکیم میں صفات الہیہ کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ سہروردی اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

”ایسا حکیم امام متالہ ہے، وہ ظاہر بھی ہوتا ہے اور مخفی بھی ہوتا ہے۔ اس کو عرف عام میں قطب کہتے ہیں اور یہی مملکت روحیہ کا صحیح معنی میں تاجدار ہوتا ہے۔“

طلاب حکمت | حکما کی طرح طلاب حکمت کی بھی متعدد قسمیں ہیں، اور ان کے بھی کئی مراتب ہیں:

ایک طالب تو وہ ہوتا ہے جو الہیت اور بحث و گفتگو سے شغف رکھتا ہے، دوسرا وہ جو صرف الہیت سے سروکار رکھتا ہے اور تیسرا وہ جسے صرف بحث سے شغف رکھتا ہے۔ سہروردی کے نزدیک سب سے بہتر طالب وہ ہے جو الہیت اور بحث و گفتگو دونوں سے شغف اور انہماک رکھتا ہو۔ جس طرح حکما میں سب سے بڑا حکیم الہی وہ ہے جو تامل اور بحث میں غیر معمولی شغف رکھتا ہو۔

سہروردی کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب حکمت الاشراف صرف اسی طالب کے لیے لکھی ہے جو تامل اور بحث سے شغف اور انہماک رکھتا ہو، لیکن وہ طالب جو بحث سے سروکار رکھتا ہو اور الہیت سے شغف نہ رکھتا ہو، یا وہ جو الہیت سے سروکار رکھتا ہو مگر بحث سے بجاگتا ہو، اسے اس کتاب سے کچھ بھی نہیں حاصل ہو سکتا۔

فلسفہ خالصہ اور ان الفاظ میں گویا سروردی نے وہ فرق نمایاں کر دیا، جو فلسفہ خالصہ اور حکمت اشراق کے مابین موجود ہے۔
حکمت اشراق گویا سروردی کے نزدیک ان کی کتاب حکمت اشراق سے مستفید ہونے کی کم سے کم شرط یہ ہے کہ تجلی الہی کا درود اس پر ہو چکا ہو، لیکن جو اس سے محروم ہو اور صرف بحث و گفتگو میں سرکھپانا چاہتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ طریقہ مشائخین سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

دوسرے الفاظ میں اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ فلسفہ خالصہ کی بنیاد صرف بحث و نظر پر ہے۔ اور اس کے بالکل عکس حکمت اشراقیہ کی بنیاد سوانح نور پر ہے، جس کے بنیادی عناصر میں ذوق اور مشاہدہ روحانیات، خلوت اور ستر منازل شامل ہیں۔ اس مطلب کو اگر اور زیادہ واضح الفاظ میں ادا کرنا چاہیں تو یوں کہیں گے کہ حکمت اشراق نہ تو خالص تصوف ہے، نہ صرف فلسفہ، بلکہ ان دونوں کی ایک درمیانی چیز ہے۔

حضرت شمس الدین محمد تبریزی سبزواری

ولادت _____ سبزواری (عراق) ۷۵۶ھ

وفات _____ ملتان ۷۶۴ھ

شمس الفقراء حضرت شمس الدین محمد تبریزی اپنے وقت کے کا ملین میں سے تھے۔ اصل نام محمد تھا۔ عراق کے ایک شہر سبزواری کے رہنے والے تھے۔ جمعہ ۱۵ شعبان ۷۶۴ھ میں تولد ہوئے۔ اس وقت عراق پر محمد یار مرزا کی حکومت تھی۔ حضرت شمس الدین کے والد بزرگوار کا نام سید صلاح الدین محمد نور بخش تھا۔ انھوں نے ۷۶۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت شمس الدین تبریزی کا سلسلہ نسب حضرت امام جعفر صادق سے اس طرح ملتا ہے :

محمد تبریزی ابن سید صلاح الدین محمد نور بخش ابن سید علی ملقب بہ سلام الدین ابن سید عبدالمومن بادشاہ افریقہ ابن سید علی ثمالہ الدین ابن سید محمد محبت الدین ابن سید محمود سبزواری ابن سید محمد ابن ہاشم علی ابن سید احمد ہادی ابن سید منتظر باللہ ابن سید عبد الجبید ابن سید غالب الدین ابن سید محمد منصور ابن اسماعیل ثانی ابن سید محمد عریضی ابن سید اسماعیل اعرج اکبر ابن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت شمس الدین محمد تبریزی کے متعلق نام کی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ شمس الدین محمد تبریزی کا مزار تبریز میں ہے اور ملتان میں جن شمس الدین کا مزار ہے وہ کوئی اور بزرگ ہیں۔ اسی طرح ان کے حالات کے بارے میں بھی بعض اختلافی روایات ملتی ہیں۔ یہاں ہم آردمان سرحدی کی کتاب عرس اور میلے سے حضرت شمس الدین تبریزی کے حالات پیش کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں: "شاہ شمس الدین کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ چونکہ آپ کی ولادت سبزواری میں ہوئی اس لیے آپ کو سبزواری بھی کہتے ہیں۔ جب اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ کشمیر گئے تو وہاں میر شمس الدین عراقی کہلائے۔ چونکہ آپ اکثر سفر ہی میں رہتے تھے اس لیے جب قونیہ (ترکستان) گئے تو وہاں کے لوگ انھیں "شمس پرندہ" کہہ کر بلانے لگے۔ شام اور مصر میں آپ کو شمس مغربی" کہتے تھے۔ جب تبریز میں زیادہ مدت رہے تو شمس تبریزی کہلائے۔" شاہ قاسم انوار" بھی آپ کا خطاب تھا۔

ان مختلف ناموں کے باعث بعض مؤرخوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ شاید یہ الگ الگ ہستیاں ہیں۔ چونکہ بعض کہتے ہیں کہ شمس الدین تبریزی جن کا مزار ملتان میں ہے یہ وہ شمس الدین نہیں جن کی مولانا روم سے ملاقات تھی بلکہ یہ کوئی اور بزرگ ہیں۔ شمس الدین تبریزی کا مزار تبریز میں ہے۔ خزینۃ الاصفیاء کے مصنف کا بھی یہی خیال ہے۔ بعض دوسرے حضرات بھی یہی لکھتے ہیں۔ مگر حقیقت ان کے بیان کا ساتھ نہیں دیتی۔ ہم یہاں اصل کیفیت بیان کرنے سے پہلے ضروری سمجھتے ہیں کہ ان مؤرخین کے اختلافی اور متضاد بیانات

کا خلاصہ بھی نقل کر دیں تاکہ ان کی روشنی میں قارئین ہمارے بیان کی صحت کا اندازہ کرنے میں کسی قسم کی وقت محسوس نہ کریں۔
اختلافی بیانات | ۱۔ نواب معشوق جنگ بہادر لکھتے ہیں کہ شیخ شمس الدین تبریزی کے والد کا نام علی بن ملک داؤد تبریزی تھا۔ اور تبریزی میں کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ اس کے برعکس مولوی غلام سرفراز مولوی آپ کے والد بزرگوار کا نام محمد بن ملک داؤد بتاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں آپ شیخ ابو بکر سلمہ بان تبریزی کے مرید تھے۔ بعض آپ کو بابا کمال خجندی کا والد بعض رکن الدین سنجاہی کا مرید بتاتے ہیں۔ صاحب نجات الانس لکھتے ہیں کہ شیخ شمس الدین تبریزی نے شیخ سلمہ بان (۱۷۰۰) بابا کمال خجندی اور شیخ رکن الدین سنجاہی تینوں سے استفادہ کیا۔

۲۔ ”جوہر مضیئہ“ جو حنفیہ کے حالات پر مستند کتاب مانی جاتی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ جب شیخ شمس تبریزی مولانا روم کے پاس قونیہ گئے تو مولانا کے اس پاس علامہ بیٹھے تھے اور سامنے کتابوں کا ڈھیر بڑا تھا۔ شمس تبریزی نے سلام کر کے بیٹھے گئے پھر کتابوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کیا ہے؟ مولانا بولے یہ وہ چیز ہے جسے تم نہیں جانتے۔ مولانا کا یہ کہنا تھا کہ کتابوں کو آگ لگ گئی۔ مولانا گھبرا کر بول اٹھے یہ کیا؟ شمس تبریزی بولے یہ وہ چیز ہے جسے تم نہیں جانتے۔ یہ کہا اور اٹھ کر چلے گئے۔ مولانا روم نے سچھا کیا۔ مگر آپ جا چکے تھے۔ مولانا روم نے علاقے کا کونا کونا چھان مارا مگر شمس تبریزی کو نہ پاسکے۔ اس کے برعکس خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۶۹ پر مولوی غلام سرور نے کتابوں کا جلنا نہیں بلکہ پانی میں ڈوب جانا بتلایا ہے۔ یعنی وہ لکھتے ہیں کہ شمس تبریزی نے کتابوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا مولانا یہ کیا ہے؟ وہ بولے سے تیل و قال کہتے ہیں شمس تبریزی نے کتابیں اٹھا کر پاس ایک حوض میں ڈال دیں۔ مولانا متحیر ہو کر بولے یہ کیا۔ آپ نے کتابیں حوض میں سے نکال کر پھر مولانا کے سامنے رکھ دیں۔ مولانا یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ کسی کتاب کو پانی نے چھوٹا تک نہ تھا۔ حیران ہو کر پوچھا اے شیخ یہ کیا۔ شمس تبریزی نے فرمایا یہ ذوق و حال ہے جس کی تمہیں خبر نہیں۔

۳۔ شمس تبریزی کی وفات کے متعلق بھی مؤرخین کے بیانات میں اختلاف ہے۔ اخبار الصالحین کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ مولانا روم کے پاس خلوت میں بیٹھے تھے کہ کسی نے باہر سے اشارہ کر کے حضرت کو بلا یا۔ آپ نے مولانا سے فرمایا کہ مجھے قتل کرنے کے لیے بلائے ہیں پھر اٹھ کر باہر چلے گئے، جہاں سات افراد کھڑے تھے۔ انہوں نے آپ پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ قتل ہوتے وقت آپ نے اس زور سے نعرہ لگایا کہ ساتوں آدمی بے ہوش ہو گئے۔ ان میں مولانا روم کا بیٹا علاء الدین محمد بھی تھا۔ قتل کی جگہ آپ کی لاش موجود نہ تھی، صرف خون کے چند قطرے دکھائی دیے۔ علاء الدین ایک عجیب بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ مولانا روم نے اس کے جنازے میں شرکت نہ کی۔
 قتل کا یہ واقعہ ۱۲۵۰ھ میں ہوا۔

آپ کی لاش کے متعلق بھی دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ قاتلوں نے جسم کے ٹکڑے کر کے کنوئیں میں ڈال دیا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا روم کے فرزند سلطان ولد کو خواب میں ہدایت ملی کہ میرے جسم کے ٹکڑوں کو فلاں کنوئیں سے نکال کر مدرسہ کے بانی امیر عبدالدین کے پہلو میں دفن کر دینا نچہ ایسا ہی کیا گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ قتل نہیں ہوئے بلکہ غائب ہو گئے اور پھر آپ کا سراغ نہ ملا۔

نتیجہ ان اختلافی مباحث سے قطع نظر سب اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ شیخ شمس الدین تبریزی وہی باکمال بزرگ اور ولی اللہ ہیں جن کی مولانا روم سے صحبت رہی، اور ملتان میں جو شمس تبریزی مدفون ہیں یہ وہی شمس ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور شمس تبریزی کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ مولوی غلام سرور خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۷ پر لکھتے ہیں:

دروغہ شیخ شمس الدین تبریزی کہ درملتان مشہور و معروف است آل شمس الدین غیر از شمس الدین تبریزی است و شیخ شمس الدین ملتانی از سادات عظام مولوی است کہ اولادِ امجادش مذہب شیعہ دارندہ و رلاہور و غیرہ بسادات شمسی مشہور و معروف اند۔

”خزینۃ الاصفیاء“ میں جس ”شمس الدین ملتانی“ کا ذکر کیا گیا ہے، اس نام کی کسی شخصیت کا تذکرہ تاریخوں میں نہیں اور شمس الدین تبریزی کے وجود کو سب مؤرخین تسلیم کرتے ہیں۔ اوپر کے اقتباس میں خط کشیدہ عبارت انہیں سے متعلق ہے۔

اجداد | اب کے اجداد میں سے سید محمد عریضی امام جعفر صادق کی موجودگی میں طبرستان سے چلے گئے اور محمد آباد شہر بسایا، جو آپ کے نام سے منسوب ہے۔ ان کی اولاد سندھ، خراسان اور قندھار وغیرہ میں پھیلی۔ سید صلاح الدین محمد نور بخش اسی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے، سبزوار میں سکونت تھی، پرودہ تصوف میں ان کا طریقہ اثناعشری صوفی تھا و داعی الی الحق تھے اور نامب امام کہلاتے تھے۔

تعلیم | ہوش سنبھالنے پر شمس تبریزی کو تعلیم و تربیت کے لیے ان کے چچا عبدالہادی کے سپرد کیا گیا جو شاہ مراکب کے پوتے اور متبحر عالم تھے۔ چچا نے بیٹے کو بڑی محنت سے تعلیم دی۔ تفسیر، فقہ، حدیث اور دوسرے علوم ظاہری سے بھی آراستہ کر دیا۔

سفر | ۱۱۵۹ھ میں جب سید صلاح الدین محمد نور بخش دعوت اسلام کے لیے بدخشاں کی طرف روانہ ہوئے تو شمس سبزواری کو بھی ساتھ لے گئے۔ اس وقت ان کی عمر انیس سال کی تھی۔ بدخشاں میں ہزاروں لوگوں کو طریقہ حق کی تعلیم دی۔

۱۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے خود بھی کسی ایسی شخصیت کا سراغ نہیں دیا۔

۲۔ کنز الانساب المعروف انوار البیاد ص ۲۷۲۔

پھر تبت کو چک کو گئے اور لوگوں کو دین اسلام میں داخل کیا۔ وہاں سے کشمیر کا رخ کیا، جہاں کے لوگ اُفتاب بخت تھے۔ باپ بیٹے کی کوششوں سے اس علاقے کے ہزاروں افراد نے اسلام قبول کیا۔ اس علاقے کی چنگیز قوم نے انہیں بہت پریشان کیا، مگر یہ لوگ بھی جلد مطیع ہو گئے۔

مؤرخ "فرشتہ" تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ "میرزا حیدر ترک نے اپنی کتاب رشیدی میں لکھا ہے کہ فتح شاہ بادشاہ کے زمانہ کا بیان! میں ایک مرد میر شمس الدین نام تھا۔ اس نے عراق عجم سے آکر اپنے تئیں میر سید صلاح الدین محمد نور بخش سے منسوب کر کے مذہب غیر معروف جاری کیا اور نام اس مذہب کا نور بخش رکھا۔ قبل ازیں کشمیر میں اُفتاب پرستی ایک مذہب تھا۔ سید صلاح الدین محمد نور بخش کو طائفہ چکال اس تقریر پر دعویٰ کرتے تھے کہ سید میر شمس الدین عراقی شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ تمام مردم کشمیر اور سلاطین اس زمانہ کے اس کے معتقد ہی ہوئے اور سب نے خطبہ ائمہ اثنا عشرہ اس کے حکم سے پڑھ لیا۔ سبزوار کو واپسی ۱۵۸۶ء میں باپ بیٹا واپس اپنے وطن سبزوار تشریف لے گئے۔ شمس سبزواری نے شادی کی۔ ان کے دو فرزند تولد ہوئے، جن کے نام نصیر الدین محمد اور سید علاء الدین احمد تھے۔ سید علاء الدین احمد زندہ پیر کے لقب سے مشہور ہوئے۔

تبریز میں آمد | شمس سبزواری کو تبریز بہت پسند تھا چنانچہ سن ۱۰۰۰ھ میں والد کی اجازت سے وہاں تشریف لے گئے۔ قونیہ میں قیام فرمایا اور مولانا روم سے ملاقات ہوئی۔ مولانا روم اور شمس سبزواری کی ملاقات کا حال اور کتابوں کا واقعہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس لیے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد مولانا روم کو شمس سبزواری کے عظیم مرتبے کا احساس ہو گیا، چنانچہ انہوں نے ان سے بیعت کر لی۔

شمس سبزواری بارہ سال تک تبریز میں شکر کی حالت میں رہے۔ اتنے طویل قیام کے باعث شمس تبریزی کہلانے لگے۔ تین ماہ تک آپ اور مولانا روم دونوں چلم کش حجرے میں خلوت گزیر رہے۔

اہل تبریز کی مخالفت | کہتے ہیں مولانا روم کو چونکہ آپ سے بہت عقیدت تھی، وہ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور ہر وقت ساتھ رکھتے تھے، اس لیے مولانا کے بعض عقیدت مندوں کو یہ شاق گزرتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ مولانا ایک ننگ دھڑنگ فقیر کے قبضہ میں آگئے ہیں۔ چنانچہ وہ شمس تبریزی کے مخالف ہو گئے۔

تبریز سے رخصت | شمس تبریزی نے تبریز چھوڑ کر سبزوار کی راہ لی پھر بغداد چلے آئے۔ بغداد سے ایک مرتبہ تبریز بھی آئے

۱۔ جلد دوم صفحہ ۱۵۲ تا ۱۵۳ بحوالہ کنز الانساب ص ۲۶۔ ۲۔ کنز الانساب ص ۲۶

۳۔ واضح رہے کہ آپ کو اپنے اجداد کی نسبت سے شمس الدین عینی اسماعیلی بھی کہتے ہیں۔

۴۔ مولانا روم نے اپنے اشعار میں جگہ جگہ شمس تبریزی کی تعریف بیان کی ہے۔

پھر دمشق چلے گئے۔

علمائے بغداد کا عتاب! بعض بیانات کے مطابق علمائے بغداد کو آپ کے خیالات سے اختلاف ہو گیا، چونکہ ان علماء کا بادشاہ پر خاصا اثر تھا، اس لیے انھوں نے شمس سبزواری پر بے دینی کا الزام لگا کر شاہی حکم سے انھیں

شہر بدر کر دیا اور یہ کاظمین چلے آئے۔

بادشاہ کی قدر شناسی! بادشاہ نے انھیں شہر بدر کرنے کا حکم تو دے دیا تھا، مگر اس نے علماء کے اصرار پر ایسا کیا تھا اور نہ حقیقت یہ تھی کہ بادشاہ ان کا دل سے قدردان تھا۔ اتفاق سے بادشاہ کا لڑکا وفات پا گیا، جس سے بادشاہ کو

یہ خیال گزرا کہ شاید اسے یہ سزا شمس سبزواری کو شہر بدر کرنے کے باعث ملی ہے، چنانچہ اس نے اپنے مشیروں کو شمس سبزواری کے پاس بھیج کر انھیں واپس بلا لیا اور بغداد میں رہنے کی اجازت دے دی۔

ایک واقعہ! کہا جاتا ہے کہ شمس سبزواری نے بغداد پہنچ کر بادشاہ کے لیے دعا کی اور اس کا بیٹا زندہ ہو گیا۔ یہ کرامت دیکھ کر بغداد کے علماء پھر آپ کے خلاف ہو گئے اور دوبارہ کفر کا فتویٰ لگا کر ان کی کھال اتروانے کے درپے ہو گئے۔

کھال اتروا! کہا جاتا ہے کہ حضرت نے کپڑا اوڑھ کر اپنی کھال کھینچا دی جو لوگوں کو عبرت دلانے کے لیے شہر میں پھرائی دی گئی۔ پھر آپ عازم ہندوستان ہوئے۔ شاہ بغداد کے بیٹے کو جس کا نام محمد تھا آپ سے عقیدت تھی، لہذا

وہ بھی آپ کے ساتھ ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا۔

ملتان میں! ہندوستان کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد آپ نے ملتان کا رخ کیا اور یہیں اقامت گزری ہو گئی۔ ان دنوں شیخ بہاؤ الدین زکریا بے قید حیات تھے۔ کہتے ہیں، شیخ نے دودھ کا پیالہ شمس سبزواری کی خدمت میں

پیش کیا، انھوں نے ایک پھول پیالے میں ڈال دیا۔ مطلب یہ کہ ہم ملتان میں پھول بن کر رہیں گے۔ اور ہماری وجہ سے کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔

لعل ہی لعل! ایک روز آپ شہزادہ محمد کے ہمراہ کشتی میں سوار تھے۔ کشتی ڈمگمانے لگی، یوں معلوم ہوتا تھا کہ ڈوب جائے گی۔ شمس سبزواری نے شہزادے سے کہا تمہارے پاس جو چیز ہے وہ دریا میں پھینک دو، ورنہ کشتی ڈوب جائے گی۔ شہزادے

کے پاس وہ جو اہرات تھے جو وہ ساتھ لایا تھا۔ اس نے ارشاد کی تعمیل میں جو اہرات دریا میں ڈال دیے۔ دیکھا تو دریا میں دور دور تک جو اہرات ہی جو اہرات دکھائی دے رہے تھے۔

ملتان میں گرمی کی شدت کا باعث! بغداد کی طرح ملتان کے لوگوں نے بھی آپ کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی، یہاں تک کہ ایک دفعہ گوشت بھوننے کے لیے آگ کی ضرورت پڑی تو شہزادے کو بھیجا کہ کہیں سے آگ لے آئے مگر

سارے شہر میں کسی نے آگ نہ دی۔ ایک شخص نے تو شہزادے کو پیٹ ہی دیا۔ شمس سبزواری نے جب لوگوں کا یہ رویہ

دیکھا تو جلال میں اُکرا آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ سورج سے کہا، شمس! میں تیرا ہم نام ہوں بیچے، تاکہ تیری گرمی سے میں گوشت بھون لوں۔

کہتے ہیں سورج اتنا نیچے اُگیا کہ اس کی حدت سے لوگ تڑپنے لگے۔ لوگوں کی چیخ پکار سن کر شمس سبز واری کو رحم اُگیا اور غصہ فرو ہوا۔ سورج سے کہا "باز برو" اور وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ ملتان کی گرمی کو عوام اسی واقعہ کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

دیوان | آپ کی فارسی غزلیات کا ایک مجموعہ دیوان شاہ شمس الدین کے نام سے مشہور ہے۔ اس مجموعے میں سے

شاہ شمس الدین ایک غزل نونہ کے طور پر درج کی جاتی ہے:

اے دستہ گلِ مرجا از بوئے ریحان آمدی
عیسے غلامِ درگت موسیٰ بصیرہ در رہت
کردہ خلیل چاکری موسے بجائ فرماں بری
دنیا نرید جائے تو در بند بالائے تو !
جان عالم را توئی از عالم جہاں آمدی
رفرف شدہ جولان گشت تا تو بمیداں آمدی
کز عالم پیغمبری محبوبِ خواباں آمدی
اں عرش خاک پائے تو گنج بویراں آمدی
خند شد یک بار تو پُر خون دندان آمدی

اے شمس حسین با صفائی گو تو نعتِ مصطفیٰ

زیرا کہ در لیستان او تو مرغانِ خوش خواں آمدی

اولاد | صاحب کنز الاکساب کا بیان ہے کہ شمس سبز واری نے ۶۶۵ھ میں ملتان میں سکونت اختیار کی آپ نے سید عبدالہادی کو واپس وطن کو روانہ کیا۔ بادشاہ احمد گوردار نے ہمراہ شاہزادوں کی فوج کر دی اور ۶۶۶ھ میں یقافلہ ساداتِ عظام اسماعیلیہ کا ملتان میں پہنچا۔ انجناب سے بال بچہ نے اکر تعظیمِ تکریم کر دی اور وہاں سکونت پذیر ہوئے۔

آپ کے دو صاحبزادے تھے: نصیر الدین محمد نے ۶۸۲ھ میں بصرہ ۹ برس وقات پائی۔ ان کا مزار قلعہ لاہور کے تہ خانہ میں بتایا جاتا ہے۔ دوسرے فرزند کا نام سید علاء الدین احمد تھا جو سید احمد شکر بار بھی کہلاتے تھے ان کا مزار ریاست جے پور کے قصبہ نرڈ میں بتایا جاتا ہے۔

شاہ شمس الدین | شاہ شمس الدین محمد تبریزی کا مزار ملتان میں ایک قلعہ نما فصیل کے اندر شیخ محمد جمال ملتان کے روضہ سے قدرے فاصلہ پر ہے۔

کاروضہ

یہ روضہ حضرت کے وصال کے دو سال بعد ۶۶۶ھ میں تعمیر ہوا۔ پیر حاجی صدر الدین، آپ کے صاحبزادے سید احمد شکر بار اور شہزادہ محمد نے (جو آپ کے ساتھ ہی سبز واری سے ملتان آیا تھا) مل کر اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اس وقت روضے کی عمارت بالکل سفید تھی۔

دوسری مرتبہ ۱۱۹۴ھ میں سید میر صفدر علی شاہ کے زمانے میں روضہ تعمیر ہوا۔ اس وقت حسب ذیل تحریر روضے
 کے دروازے پر لکھی گئی جو اب تک موجود ہے۔

گشت ارشاد پر چار گاہ درویشاں ولی
 کہ کرد بسم اللہ تاریخ سنت موجودی
 محمد مولوی در عہد حیات میر صفدر علی
 کہ پُر دُر شد این نامہ ابیات قلندر می

حکم بنائے روضہ شد از در گاہِ لم یزل
 بود زلفِ ماسعین احد بحبری
 تعمیرِ خانقاہش روضہ دریافت حسی
 یکہزار یک صد نو چہ سار بحبری

حضرت محی الدین عربیؒ

ولادت _____ مرسیا (اندلس) ۵۵۴ھ

وفات _____ دمشق ۶۳۸ھ

ولادت | آپ کا پورا نام محمد بن علی بن احمد بن عبد اللہ تھا۔ کنیت ابو بکر، لقب محی الدین عرف حاتم بن عربی کے نام سے بھی معروف ہیں۔ مغرب میں آپ کو ابن العربی ہی کہا جاتا ہے۔ اندلس کے ایک مقام مرسیا میں آپ پیدا ہوئے۔ سال ولادت ۵۵۴ھ ہے۔ اشبیلہ میں آپ نے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ان علوم و فنون میں غیر معمولی درجہ حاصل کیا اور بہت جلد فن کے ممتاز اصحاب میں ان کا شمار ہونے لگا۔

۵۹۸ھ میں آپ نے مشرق کی طرف کوچ کیا اور بہت سے شہروں کی سیاحت کر ڈالی۔ مصر، حجاز اور ایشیائے کوچک کے متعدد شہروں کی آپ نے زیارت کی اور وہاں کے احوال کا معائنہ کیا۔ کیفیت علمی کا مشاہدہ کیا اور روحانی مجلسوں کی سیر کی۔ آخر میں آپ ملک شام میں مستقل طور پر قیام پذیر ہو گئے اور ۶۳۸ھ میں آپ نے یہ مقام دمشق وفات پائی۔ ابن عربی کی | ابن عربی نے نظم و نثر میں بہت سی کتابیں تحریر کیں، جن کی تعداد کسی طرح دوسو سے کم نہیں ہے۔ بروکلین تصنیفات | نے اپنی کتاب "تاریخ الادب العربی" میں آپ کی تصنیفات کی تعداد ڈیڑھ سو بتائی ہے۔

خاص خاص اور چیدہ چیدہ کتابیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ "الفتوحات الملکیہ"

یہ کتاب اپنے مغز اور موضوع کے اعتبار سے بے حد اہم ہے۔ اس میں مختلف مذاہب اور مسالک پر سیر حاصل بحث و گفتگو کی گئی ہے۔

۲۔ "تصویر الحکم"

یہ کتاب تصوف میں ہے، اور لگ رہا ہے کہ اس فن میں نہایت معرکہ الآراء اہم ہے، تو ذرا بھی مبالغہ نہیں ہوگا اس میں تصوف اور فلسفہ کے مسائل مہم کی عقدہ کشائیاں کی گئی ہیں۔

۳۔ "ذخائر الاخلاق"

یہ اشعار کا دیوان ہے۔ اس میں شاعر نے اپنی حسب اللہ کی کیفیتیں بیان کی ہیں۔ تمام اشعار فتوحات الملکیہ اور الہامات روحیہ کی کیفیات صادقہ پر مشتمل ہیں۔ اشعار میں زیادہ تر رمزا اور اشارہ سے کام لیا گیا ہے اور اپنی اصل کیفیات کو

منفی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان اسرار الہی کو خاص طور پر محل کے ساتھ اور وہ بھی اشارہ و کنایہ میں بیان کیا ہے، جنہیں عام لوگ اچھی طرح سمجھ نہیں سکتے، نہ صحیح طور پر ان کی کیفیات صحیحہ سے آشنا ہو سکتے ہیں۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ بھی ابن عربی کی جو کتابیں ہیں وہ اپنی براعت فائقہ اور قدرت عجیبہ کے لحاظ سے ایک خاص رنگ کی حامل ہیں۔ ان تالیفات میں مختلف عناصر کو مزوج کیا گیا ہے۔ دین، تصوف، فلسفہ سب ہی کچھ موجود ہے۔ ان کتابوں میں مختلف رنگ ہیں پھر بھی ان سب کی ایک رنگی نظر کو خیرہ کرتی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر ابن عربی کو شیخ الاکبر و الکبریت الاحمر کے لقب سے ملقب کیا جائے تو بالکل صحیح ہوگا۔

فقہا کی مخاصمت | ابن عربی بھی فقہا کی زد سے نہیں بچ سکے۔ تیسری صدی ہجری کے نصف آخر میں ہم نے صوفیہ اور فقہا کے درمیان جنگ اور مخاصمت کی جو کیفیت دیکھی تھی وہ اس دور میں بھی نظر آرہی ہے۔ اسی صورت کا نتیجہ وہ ہولناک صورت ابو حسین بن منصور حلاج کو پیش آئی تھی۔ جس کا موقع پر ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

ابن عربی کا مسلک و مذہب جس مرکز کا تابع تھا اور جس محور پر گردش کر رہا تھا، وہ "وحدۃ الوجود" کا مسئلہ تھا۔ اس مسلک میں فقہا نے محسوس کیا کہ یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ چنانچہ ابن عربی کی کتابوں کے خلاف فقہا نے بہت زیادہ شورش کی۔ انہیں بہت زیادہ متہم کیا اور ان کے خلاف کفر و ضلال کے فتوے صادر کیے۔ چنانچہ مصر میں تو ان کے قتل کی باقاعدہ کوشش بھی کی گئی۔

لیکن جو لوگ ابن عربی کے ادانشناس تھے، وہ ان کی شخصیت اور مسلک سے بہت زیادہ متاثر تھے اور دوسرے مخالف۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابن عربی کی وفات کے بعد ان کے مخالف اتنے نہیں تھے، جتنے ماتم گسار، لیکن مخالفین میں بھی ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو ان کی وفات کے بعد بھی اپنے کام میں مصروف رہے۔ اس صف میں ہمیں بڑی جلیل القدر ہستیوں نظر آتی ہیں، مثلاً علامہ ابن تیمیہ، المتوفی ۷۲۸ھ اور ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ اور علامہ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ اور ابراہیم البقاعی، المتوفی ۸۵۸ھ اور ان کے علاوہ بہت سے اکابر اور اصحاب ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ بقاعی اور ابن عربی | ابن عربی کے تمام دشمنوں اور مخالفوں میں کسی نے بھی ابن عربی کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو بقاعی نے کیا۔

بقاعی نے دو کتابیں خاص طور پر لکھیں:

۱۔ تنبیہ الغی علی تکفیر ابن عربی

۲۔ تہذیر العباد من اہل العباد بدعتہ الاتحاد

ان کتابوں میں بقاعی نے مطاعن کا ایک سمندر ابن عربی کے خلاف بھرا ہے۔ ان کے عقیدہ اخلال کو کفر و ضلال سے تعبیر کیا ہے اور ان کی تمام کتابوں کو گمراہ کن ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ایک جماعت ایسی بھی ہے اور اس میں بھی اکابر رجال شامل ہیں، جو ابن عربی کو قرار دہتی
اہمیت دیتی ہے، ان کی ادا شناس ہے اور ان کے نظریہ و مسلک کو قبول کرتی ہے۔ ان کے بنائے ہوئے راستے پر چلنے
کی کوشش کرتی ہے۔

ان لوگوں میں قابل ذکر

۱۔ مجد الدین الفیروز آبادی

۲۔ قطب الدین الجموی

۳۔ صلاح الدین الصفدی

۴۔ شہاب الدین السہروردی

۵۔ فخر الدین الرازی

۶۔ جلال الدین السیوطی

اور دوسرے اصحاب علم و فضل ہیں۔

جلال الدین سیوطی نے ابن عربی کی مدافعت میں ایک کتاب لکھی، جس کا نام ہے

”تنبیہ الغبی فی تبرئة ابن عربی“

عبدالرزاق العاشانی اور عبدالغنی التابلسی نے بھی ابن عربی کی حمایت میں کتابیں لکھیں۔

ابن عربی کے | ابن عربی کے خصائص اور کمالات پر یوں تو بہت کچھ لکھا سکتا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ان کا احاطہ کرنا
ممیزات | آسان بھی نہیں، لیکن ان کے خصائص اور کمالات میں ایک بات بہت صاف اور واضح ہے۔
وہ یہ کہ اگرچہ ابن عربی بہت بڑے صوفی تھے، ان کا شمار اصحاب فوق اور ارباب فکر و عمل میں کیا جاتا تھا،
وہ اس فوق اور وجدان کے حامل تھے جو کشف حقیقت کا موجب ہوتا ہے، لیکن یہ ایسے ہمہ انھیں فلسفہ سے بھی
پورا اشغف تھا اور وہ اس فن میں پوری دلچسپی لیتے تھے، چنانچہ ان کے مؤلفات پر ایک نظر ڈالی جائے تو حقیقت
واضح ہو جاتی ہے۔

مسلک وحدۃ الوجود | ابن عربی کا مذہب دعائم ذوقیہ پر قائم تھا۔ اس میں فلسفہ کی بہت زیادہ آمیزش تھی۔ اسی بنا پر
فقہائے نزدیک وہ معتوب تھے۔ ان کا اصل مسلک ”وحدۃ الوجود“ تھا۔

ابن عربی کا خیال تھا، وجود واحد ہے اور مخلوقات کا وجود عین وجود خالق ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے خالق اور

مخلوق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو شخص خالق اور مخلوق کے وجود میں امتیاز کا قائل ہے، ابن عربی کی نظر میں وہ ادراک حقیقت سے نا آشنا ہے، جو خود اس کی ذات کے اندر موجود ہے وہ اپنے اس قول کی دلیل سبحان من خلق الاشياء وهو عینہا سے لاتے ہیں

پس جب وجود حق عین وجود خلق ہے، تو پھر حقیقت بھی ایک ہے، اس میں فرق و امتیاز کیوں کر روا رکھا جاسکتا ہے؟
حقیقت محمدیؐ | وحدۃ الوجود کے سلسلہ میں ابن عربی کے دو نظریے ہیں:

(۲) وحدت ادیان

(۱) حقیقت محمدیہ

اور ابن عربیؒ

حقیقت محمدیہ کے بارے میں ابن عربی دو لفظ استعمال کرتے ہیں۔ کبھی قطب اور کبھی روح خاتم۔ ان کے نزدیک کمالاتِ علمیہ و عملیہ کا یہ قدیم ترین منبع ہے حضرت آدم سے لے کر آنحضرتؐ تک یہی حقیقت جو حقیقت محمدیہ کے رنگ میں جلوہ گر رہی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کا وجود آپ کی پیروی کرنے والے اولین میں نظر آتا ہے۔ اس مسلک کا علاج کے سلسلہ میں نسبت و فصاحت کے ساتھ ذکر ملے گا۔

وحدت ادیان کے بارے میں ابن عربی کا نظریہ یہ ہے کہ تمام مذاہب کی اصل و حقیقت ایک ہے اور یہ بالکل وہی مسلک ہے جو علاج کا تھا۔ جب ہر دین کا مقصد و منتہا ذات الہی ہے تو پھر اس کی حقیقت بھی ایک ہی ہے۔

حضرت بہار الدین زکریا سہروردی ملتانی

ولادت _____ علاقہ ملتان ۵۶۵ھ

وفات _____ ملتان ۶۶۶ھ

حضرت بہار الدین زکریا کا وطن مکہ مکرمہ ہے۔ قبیلہ بہادی (قریشی) ہے۔ یہ قبیلہ دوسری صدی ہجری میں مکہ سے غلام آیا، پھر وہاں سے ملتان آکر آباد ہوا۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس سرہ العزیز کے جد بزرگوار کا نام حضرت کمال الدین علی شاہ تھا۔ ان کے فرزند وجیہ الدین محمد ملتان میں تولد ہوئے۔ جن کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی لڑکی سے ہوئی۔ مولانا حسام الدین ترمذی کے حملہ کی وجہ سے ملتان کے نواحی قلعہ کو دریں متوطن تھے۔ مولانا وجیہ الدین بھی خسر کے ساتھ قلعہ کو در ہی میں رہنے لگے اور یہیں حضرت بہاؤ الدین زکریا کی ولادت یا سعادت ہوئی۔

بارہ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار عالم جاودانی کو سدھارے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد کلام پاک کا حفظ کرنا شروع کیا۔ ساتوں قرأتوں کے ساتھ حفظ کر چکے تو مزید تعلیم کے لیے خراسان کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ یہاں پہنچ کر سات سال تک بزرگان دین سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے۔ وہاں سے بخارا جا کر علم میں کمال حاصل کیا۔ ان کے اوصاف پسندیدہ اور خصائل حمیدہ کی وجہ سے بخارا کے لوگ ان کو بہاؤ الدین فرشتہ کہا کرتے تھے۔ یہاں آٹھ سال تک تحصیل علم کرتے رہے، پھر بخارا سے حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ گئے۔ وہاں سے روضہ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور پانچ سال جو ار رسول میں زندگی بسر کی۔ اُس مدت میں مولانا کمال الدین محمد سے جو اپنے عہد کے جلیل القدر محدث تھے، حدیث پڑھی۔ مولانا کمال الدین محمد نے تیرن سال تک مجاور کی حیثیت سے حرم نبوی کی خدمت کی۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا نے حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد روضہ اقدس کے پاس تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن کے لیے مجاہدہ شروع کیا، پھر وہاں سے چل کر بیت المقدس پہنچے اور وہاں سے بغداد تشریف لے گئے۔

بغداد میں حضرت شیخ الشیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کی صحبت سے فیض یاب ہو کر فرقہ بخلافت پایا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس سرہ نے اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ روز

۱۷ سن ولادت میں اختلاف ہے۔ اخبار الصالحین میں ۵۶۵ یا ۵۶۶ لکھا ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں ۵۶۵ء تحریر ہے۔ اسی طرح ۱۷

کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں۔

قیام فرمایا تھا، کہ ان کو پیر و ستگیر کی طرف سے ساری روحانی نعمتیں مل گئیں اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز کیے گئے۔ اس سے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے مریدوں کے دل میں رشک پیدا ہوا اور شیخ سے شکوہ بھی کیا، مگر شیخ نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ تم تر لکڑیوں کے مانند ہو، جن میں آگ مشکل اور دیر سے لگ سکتی ہے۔ بہاء الدین زکریا رشک لکڑی کے مانند تھے، جس پر آگ جلد اثر کرتی ہے۔

خرقہ خلافت پانے کے بعد حکم ملا کہ ملتان واپس جا کر قیام کرو اور وہاں کے باشندوں کو فیض پہنچاؤ۔ حضرت جلال الدین تبریزی بھی شیخ الشیوخ کے ساتھ مقیم تھے۔ جب حضرت بہاء الدین زکریا بغداد سے رخصت ہونے لگے تو غایت محبت میں وہ بھی اپنے پیر سے اجازت لے کر ان کے ساتھ ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال الدین تبریزی، حضرت شیخ فرید الدین عطار کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ ملاقات کے بعد واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے ان سے دریافت کیا کہ آج کی سیر میں درویشوں میں کس کو سب سے بہتر پایا۔ بولے شیخ فرید الدین عطار کو۔ حضرت بہاء الدین زکریا نے پوچھا کہ ان سے کیا کیا صحبت رہی۔ جواب دیا کہ مجھ کو دیکھتے ہی انھوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کا کہاں سے آنا ہوا۔ میں نے عرض کی کہ خطہ بغداد سے آیا ہوں۔ پھر استفسار کیا کہ وہاں کون درویش مشغول رہتی ہے۔ میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے حضرت جلال الدین تبریزی سے پوچھا کہ اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کا ذکر کیوں نہ کیا۔ جواب دیا کہ شیخ فرید الدین کی عظمت میرے دل پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کو بھول گیا۔ یہ سن کر شیخ بہاء الدین زکریا کو بہت ملال ہوا اور وہ حضرت جلال الدین تبریزی سے علیحدہ ہو کر ملتان چلے آئے اور حضرت جلال الدین تبریزی خراسان جا کر مقیم ہوئے۔

ملتان کی مدت قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا یہاں تک کہ ان کا عہد خیر الاعصار کہا جاتا ہے۔

شیخ محمد نور بخش سلسلۃ الذہب میں رقمطراز ہیں:

حضرت بہاء الدین زکریا ملتان کی قدس سرہ ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے۔ علوم ظاہری کے عالم اور کاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے۔ ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے جاری ہوئے لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور ان کو کفر سے ایمان کی طرف معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے، اور ان کی شان بڑھی تھی۔

رشد و ہدایت عوام و خواص دونوں کے لیے تھی اور وہ دونوں طبقوں کو اپنی ذات با برکت سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے۔ اس وقت ملتان کا حکمران ناصر الدین قباچہ تھا، جو سلطان شمس الدین التمش کا حریف بھی تھا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا قلبی دشمن سلطان التمش کی طرف تھا، کیونکہ جیسا کہ ذکر آچکا ہے، وہ اپنے زہد و تقویٰ دینداری اور شریعت کی

پاسداری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ناصوالدین قباچہ نے سلطان التمش کی بڑھتی ہوئی سطوت و قوت کو دیکھ کر اس کے خلاف معاندانہ سازش شروع کی۔ اُس کو ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی اور خود شیخ بہاء الدین زکریا نے پسند نہ کیا۔ قاضی شرف الدین اصفہانی بہت ہی متدین عالم تھے انھوں نے دین کی فلاح اسی میں سمجھی کہ سلطان التمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دیں۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے بھی ان کی حمایت کی اور دونوں نے علحدہ علحدہ سلطان التمش کو خطوط لکھے، مگر دونوں مکتوب قباچہ کے ہاتھ لگ گئے۔ قباچہ ان کو پڑھ کر بہت مشتعل ہوا اور ایک محضر کے ذریعہ دونوں کو طلب کیا۔ جب وہ دونوں مجلس میں تشریف لے گئے تو قباچہ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو اپنی داہنی جانب بٹھایا اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے نقابل بیٹھنے کا حکم دیا اور ان کا خط ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاضی شرف الدین اصفہانی نے خط پڑھ کر خاموشی اختیار کی۔ قباچہ نے جلاؤ کو حکم دیا کہ اسی وقت وہ تہ تیغ کر دیے جائیں۔ جلاؤ نے آگے بڑھ کر سر قلم کر دیا۔ جب شیخ بہاء الدین زکریا کے ہاتھ میں ان کا مکتوب دیا گیا، تو انھوں نے اُس کو دیکھتے ہی فرمایا کہ بے شک یہ خط میرا ہے، مگر میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔ یہ سن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس نے معذرت کر کے شیخ بہاء الدین زکریا کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔

مگر خلق اللہ کی خاطر شاہی حکام کے ساتھ اشتراک عمل کرنے میں بھی دریغ نہ فرماتے۔ ملتان میں ایک بار سخت قحط پڑا، والی ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے غلہ کی ایک بڑی مقدار اپنے ہاں سے اس کے پاس بھیجی۔ جب غلہ اس کے پاس پہنچا تو اس کے انبار سے تقریباً سکہ کے سات کوزے بھی نکلے۔ والی ملتان نے شیخ کو اس کی اطلاع دی انھوں نے فرمایا ہم کو پہلے سے معلوم تھا، لیکن غلہ کے ساتھ اسے بھی ہم نے بخشا۔

شیخ بہاء الدین زکریا کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے، مگر شیخ کو ان نعمتوں سے کھانے میں اسی وقت لذت ملتی جب وہ ہمانوں، مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے، جو شخص کھانا رغبت سے کھاتا تھا اس کو بہت دوست رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فقراء کی ایک بڑی جماعت دسترخوان پر شریک تھی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے ہر فقیر کے ساتھ ایک ایک لقمہ کھایا۔ ایک فقیر کو دیکھا تو روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے۔ فرمایا سبحان اللہ ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھاتا جانتا ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نان ترکو اور کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو فضیلت مجھ کو تمام انبیاء پر ہے۔ اور عائشہ کو تمام دنیا کی عورتوں پر ہے۔

شیخ کو کبھی دولت کی کمی محسوس نہ ہوئی، مگر وہ خود اس سے ہمیشہ مستغنی و بے نیاز رہے۔ ایک روز خادم سے فرمایا کہ جاؤ جس صندوقچہ میں پانچ ہزار دینار سرخ رکھے ہیں، اس کو اٹھا لاؤ۔ خادم نے ہر چند تلاش کیا، مگر صندوقچہ کہیں نہ ملا، وہ مایوس ہو کر واپس آیا اور شیخ کو اطلاع دی۔ کچھ تامل کے بعد فرمایا الحمد للہ! تھوڑی دیر کے بعد خادم پھر آیا اور صندوقچہ کے مل جانے کی اطلاع دی، پھر الحمد للہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ حاضرین نے عرض کی کہ حضرت نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمد للہ فرمایا،

اور مل جانے پر بھی۔ اس میں کیا حکمت تھی۔ ارشاد فرمایا کہ فقیروں کے لیے دنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں، ان کو کسی چیز کے آنے پر خوشی ہوتی ہے اور نہ اُس کے جانے کا غم ہوتا ہے اور تمام دینار حاجت مندوں میں تقسیم کر دیے۔

مزاج میں حلم و بردباری بہت تھی۔ ایک روز خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور ان سے مالی مدد کی خواستگار ہوئی۔ انھوں نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ اس پر قلندروں نے گستاخی شروع کر دی اور اینٹ پتھر سے ان کو مارنے لگے۔ حضرت شیخ نے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو۔ جب دروازہ بند ہو گیا تو قلندروں نے دروازہ پر پتھر مارنے شروع کیے۔ حضرت شیخ نے کچھ تامل کے بعد خادم سے فرمایا: دروازہ کھول دو، میں اس جگہ شیخ شہاب الدین عمر سروردی قدس سرہ کا بٹھایا ہوا ہوں، خود سے نہیں بٹھایا ہوں۔ خادم نے دروازہ کھول دیا۔ اس وقت قلندرز ادا م ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔

غایت تواضع میں اپنی تعظیم و تکریم پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار خانقاہ میں کچھ مرید حوض کے کنارے وضو کر رہے تھے، حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ان کے پاس پہنچ گئے۔ مریدوں نے وضو ختم نہیں کیا تھا کہ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور سلام عرض کیا، مگر ایک مرید نے وضو تمام کر کے مراسم تعظیم ادا کیے۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا نے فرمایا، تم سب درویشوں میں افضل اور زاہد ہو۔

مگر وہ خود دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جب وارد ہندوستان ہوئے اور ملتان آ کر ٹھہرے، حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ان سے تعظیم و محبت اور شفقت سے ملے اور اصرار کر کے کچھ دنوں ان کو اپنے یہاں روکا۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ بھی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کی بڑی قدر کرتے تھے۔ چنانچہ جب معتقدین نے ان کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاؤ الدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے، یہاں ان ہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا بابا گنج شکرؒ کی بھی بہت عزت کرتے تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ دونوں خالہ زاد بھائی بھی تھے اور باہم بڑی محبت اور مودت تھی۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا نے ایک موقع پر کسی بات کی معذرت کرتے ہوئے بابا صاحب کو لکھا:

”میان ما و شما عشق بازی است“

بابا گنج شکر نے اس کا جواب دیا:

”میان ما و شما عشق اسنت بازی نیست“

ایک موقع پر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا نے عزت و احترام کا جو نمونہ پیش کیا تھا، اس کا ذکر بادہ تصوف کے سرشاروں کے لیے بہت ہی خمار آگیا ہے۔ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت جلال الدین

تبریزی نیشاپور میں حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا سے علمدہ ہو کر خراسان چلے گئے تھے، کچھ عرصہ کے بعد دہلی تشریف لائے، سلطان لنتمش ان کی عظمت اور بزرگی کی شہرت پہلے سے سن چکا تھا۔ چنانچہ جب وہ دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان نے علماء و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جا کر ان کا استقبال کیا اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر آیا اور ان کو آگے لے کے خود پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ یہ تعظیم و تکریم شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو پسند نہ آئی۔ ان کے دل میں حضرت جلال الدین تبریزی کی طرف سے رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی، مگر اس کا اظہار نہیں کیا اور سلطان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت جلال الدین تبریزی اس کی (یعنی نجم الدین صغریٰ) قیامگاہ کے قریب ہی فروکش ہوں اور قیام کے لیے ایک مکان تجویز کیا، جو بہت الجھن کے نام سے مشہور تھا۔ سلطان نے اپنے عزیز اور محبوب ہمان کو جنوں کے مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا، مگر نجم الدین صغریٰ نے کہا اگر حضرت جلال الدین تبریزی کامل درویش ہوں گے تو مکان خود جنات سے پاک ہو جائے گا اور اگر ناقص ہوں گے تو اپنی فریب دہی کی سزا پائیں گے۔ یہ گفتگو بالکل علمدہ ہوئی تھی کہ حضرت جلال الدین تبریزی نے خود اس مکان میں رہنے کا اعلان کر دیا۔ جب وہ اس مکان میں داخل ہوئے تو ان کے قدم کی برکت سے مکان تمام بلاؤں سے پاک ہو گیا اور ان کو کسی قسم کا نوزند نہ پہنچا دوسرے روز خواجہ بختیار کاکئی کی ملاقات کے لیے شہر کی تنگ گلیوں میں سے ہو کر چلے۔ حضرت بختیار کاکئی کو کشف ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزی ان سے ملنے آ رہے ہیں تو وہ خود گلیوں میں ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے۔ راستہ میں قرآن السعدین واقع ہوا، جس وقت حضرت خواجہ جلال الدین خواجہ بختیار کے ہمراہ ان کی خانقاہ میں پہنچے، اس وقت یہاں مجلس سماع ہو رہی تھی، فقرا و جمع تھے۔ اس بیت پر خواجہ صاحب کو وجد آ گیا۔

ورمیکدہ وحدت ایتارنی گنجد در عالم بیکرنگی اغیار نمی گنجد

سلطان لنتمش حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر ان کا اور بھی معتقد ہو گیا۔ اس سے نجم الدین صغریٰ کا حسد اور زیادہ بڑھا۔ ایک روز موسم بہار میں سلطان لنتمش نے فجر کی نماز سے پہلے نجم الدین صغریٰ کو اپنے محل میں بلایا اور ان کو امام بنایا۔ نماز شاہی محل کی چھت پر ہوئی۔ چھت کے سامنے حضرت جلال الدین تبریزی کی قیامگاہ تھی۔ وہ صبح کی نماز سے فراغت کے بعد صحن خانہ میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے، اور ایک ملازم جس کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت بھی عطا کیا تھا، ان کے پاؤں دبا رہا تھا۔ نجم الدین کو خیال ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزی نماز سے غافل ہو کر مجرا استراحت ہیں، اسی وقت سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ ایسے ہی دنیا پرست درویشوں کے معتقد ہیں، یہ سونے کا کون سا وقت ہے اور ایک صاحب جمال غلام بھی پاس بیٹھا ہے۔ حضرت جلال الدین تبریزی کو نور باطن سے نجم الدین صغریٰ کی بدگمانی معلوم ہوئی تو اسی وقت اٹھے اور صحن خانہ ہی میں سلطان کو حقیقت سے آگاہ کیا۔ سلطان نادم ہوا اور نجم الدین صغریٰ سے کہنے لگا کہ تم شیخ الاسلام ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو۔ تم کو نیک و بد کی بھی پہچان نہیں، مگر نجم الدین صغریٰ شرمندہ ہونے کی بجائے اندرونی طور پر اور زیادہ برہم ہو گئے اور حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ پرخاش بہت زیادہ بڑھ گئی اور شہر کی ایک حسین جمیل

مطربہ کو پانچ سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کر کے آمادہ کیا کہ وہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر فسق و زنا کا الزام لگائے۔ مطربہ نے سلطان کے پاس جا کر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو متہم کیا۔ سلطان سن کر ششدر ہو گیا، وہ سمجھتا تھا کہ یہ جھوٹا الزام ہے اور مطربہ کو اس کی دروغ گوئی کی پوری سزا دے سکتا تھا۔ لیکن قانون کی وجہ سے معذور تھا۔ مدعیہ خود اپنے بیان سے واجب التعمیر کا حشہ ثابت ہو رہی تھی، مگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر بغیر شہادت کے تہمت زنا ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ مدعیہ کا تہا بیان کافی نہ تھا، لیکن اس کا مقدمہ سامنے آجانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات بھی ضروری تھی اس لیے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا۔ محضرین شرکت کے لیے ہندوستان کے مشاہیر علماء و مشائخ کو دعوت دی گئی۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بھی اس دعوت کو قبول کیا اور وہی تشریف لائے۔ اس محضر میں دو سو صرف اولیاء کرام شریک ہوئے۔ محضر جامع مسجد میں منعقد ہوا۔

شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی کشیدگی کا علم تھا، چنانچہ وہ ان دونوں کی اس کشیدگی اور ناراضی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ شیخ الاسلام کی حیثیت سے انھوں نے شیخ بہاء الدین زکریاؒ ہی کو حکم مقرر کیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ مطربہ پیش کی گئی۔ حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو بھی طلب کیا گیا۔ جس وقت وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے، سارے علماء و اولیاء ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے، اور جب حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے اپنی جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ سلطان آفتاب بہت متاثر ہوا کہ ایک جلیل القدر حکم اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی توقیر و عظمت کر رہا ہے، جو حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے معصوم ہونے کی دلیل ہے اور تحقیقات کی کارروائی روک دینا چاہی، مگر شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے فرمایا: "میرے لیے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیوں کہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے ساتھی سات سال تک سفر و حضر میں رہے، لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاؤ الدین نے شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے، تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے کہ حضرت جلال الدین سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے، لیکن پھر بھی دلائل بے بیہ کا اظہار ضروری ہے۔ اس لیے مدعیہ مطربہ کو سامنے لاؤ۔"

چنانچہ مطربہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے سامنے لائی گئی، مگر اس پر ایسا رعب طاری ہو گیا کہ اس نے تہمت ثابت کرنے کے بجائے شروع سے آخر تک صحیح واقعہ بیان کر دیا کہ نجم الدین صغریٰ نے اس کو طمع دلا کر حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر الزام رکھنے کے لیے آمادہ کیا تھا۔ اس سازش کے افشاء پر نجم الدین صغریٰ ایسے ذلیل اور شیمان ہوئے کہ مجلس ہی میں ان کو غش آ گیا اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی معصومیت ثابت ہو گئی۔ سلطان آفتاب نے اس کذب و بہتان کی سزا میں نجم الدین صغریٰ

کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے برطرف کر کے حضرت بہاؤ الدین زکریا سے یہ عہدہ قبول کرنے کی استدعا کی۔ انہوں نے قبول فرمایا اور ایک مدت مدید تک شیخ الاسلام کا عہدہ ان کے خاندان میں جاری رہا۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کے صحیفہ کمال میں جو دو سخا کی بھی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں۔ ایک بار ان کے معتقدوں اور مریدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا۔ غایت اضطراب میں انہوں نے حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین سے روحانی استمداد چاہی اللہ جل شانہ کی قدرت سے وہ جہاز محفوظ رہ گیا۔ جہاز پر موتی اور جواہرات کے بڑے بڑے تاجرتھے، جب جہاز ساحل پہ پہنچا تو ان تاجروں نے اپنے مال کا ایک ثلث حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا اور ان کی جانب سے خواجہ فخر الدین گیلانی نقد و جواہرات لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر ستر لاکھ چاندی کے ٹکے ہوتے تھے۔ شیخ نے اس کو قبول تو کر لیا، لیکن تین دن کے اندر یہ کل رقم حقداروں، محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کرادی۔ خواجہ فخر الدین گیلانی اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسی وقت اپنا تمام مال اسباب فقرا میں بانٹ دیا اور فقیری اختیار کر لی۔ پانچ برس شیخ کی خدمت میں گزار کر بیت اللہ کے حج کو روانہ ہوئے، مگر جدہ پہنچ کر جنت کی راہ لی۔

سمرقند سے بھی کبھی کبھی شغل فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ عبداللہ رومی قوال طمان ہیں وارد ہوا اور خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اس کا گانا حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سمرقندی نے شوق کے ساتھ سنا ہے اور وہ ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ جب شیخ الشیوخ نے سنا ہے تو زکریا بھی سنے گا۔ چنانچہ قوال کو ایک خاص جگہ میں بلایا گیا۔ عشا کی نماز کے بعد ایکسپیرات گزری ہوگی کہ خود حجرہ میں تشریف لائے، دو پارے کلام پاک تلاوت کر کے قوال کو سنانے کا حکم دیا اور حجرے کے دروازہ میں زنجیر لگا دی۔ قوال نے گانا شروع کیا

مستان کہ شراب ناسب خوردند از پہلوئے خود کباب خوردند

جب اس بیت کی تکرار کی تو حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا وجہیں کھڑے ہو گئے اور حجرہ کا چراغ گل کر دیا۔ قوال کا بیان ہے کہ اس کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا اور کچھ نظر نہ آتا تھا کہ شیخ کی کیا کیفیت ہو رہی ہے۔ صرف دامن معلوم ہوتا تھا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ تھوڑے وقفہ کے بعد شیخ حجرہ سے باہر تشریف لے گئے اور وہ (یعنی قوال) اپنے رفیقوں کے ساتھ حجرہ ہی میں رہا۔ جب صبح ہوئی تو شیخ نے خادم کے ہاتھ خلعت اور میں نقری ٹکے بھجوا دیے۔

عبادت و ریاضت میں کلام پاک کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ ایک بار اپنے خلفا کے ساتھ مجلس میں بیٹھے تھے کہ ان سے مخاطب ہر کر فرمایا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے کہ دو رکعت نماز کی نیت، باندھے اور ایک رکعت میں نماز کے درمیان کلام پاک ختم کرے۔ حاضرین میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی۔ پھر خود ہی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور دو رکعت نماز کی نیت کر کے پہلی ہی رکعت میں پورا کلام مجید ختم کر دیا، اور چار پارے زائچہ پڑھے۔ دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی۔ بارہا فرماتے تھے کہ اہل دل سے مجھ کو جو کچھ فیض پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل میں لانے کی بھی توفیق عطا فرمائی ہے اور

جس کام کے لیے حوصلہ کیا وہ پورا ہوا، لیکن ایک کام اب تک نہیں ہو سکا۔ ایک بزرگ آغاز صبح سے طلوع آفتاب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں، میں نے بھی ہر چند اس کی کوشش کی، مگر یہ حوصلہ پورا نہیں ہو سکا، تین چار پارے باقی رہ جاتے ہیں، مگر سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیر و سنگیر شیخ سہاء الحق والدین سے سنا تھا کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام پاک کا آغاز کرتے اور فجر کی نماز کی سنتوں تک پورا ختم کر لیتے تھے۔

وفات کے روز اپنے حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے کہ حجرہ کے باہر ایک نورانی چہرہ کے مقدس بزرگ نمودار ہوئے، اور حضرت شیخ صدر الدین کے ہاتھ میں ایک سر بہ قرظ دیا۔ حضرت شیخ صدر الدین خط کا عنوان دیکھ کر تعجب ہوئے۔ والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کر کے باہر آئے تو قاصد کو نہ پایا۔ خط پڑھنے کے ساتھ ہی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی روح نفسی بصری سے پرواز کر گئی اور آواز بلند ہوئی:

”دوست بروست رسید رسید“

یہ آواز سن کر حضرت شیخ صدر الدین دوڑے ہوئے حجرے میں آگئے تو دیکھا آواز حقیقت بن چکی تھی۔ سن وفات میں اختلاف ہے۔ اخبار الانبیاء میں سال وفات ۶۶۱ھ ہے۔ سفینۃ الاولیاء تاریخ فرشتہ میں ۶۶۶ھ اور مرآة الاسرار میں ۶۶۵ھ ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں پیدائش کا سن ۶۶۵ھ لکھا ہے۔ اس لحاظ سے ان کی عمر سو سال سے زیادہ ہوتی ہے۔ مزار شریف ملتان میں ہے۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی نہ کسی تصنیف کا پتا ہے اور نہ ملفوظات کا ذکر تذکروں میں ہے مگر انھوں نے اپنے مریدوں کے لیے جو وصایا اور خطوط لکھے تھے ان کو اخبار الانبیاء نے نقل کیا ہے۔ ان سے ان کی صوفیانہ تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے، اس لیے ان کے اقتباسات بدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ بندہ پر واجب ہے کہ سچائی اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کی عبادت وادکار میں غیر اللہ کی نفی ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے احوال کو درست اور اتوال و انحال میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ ضرورت کے سوا کوئی بات کہے اور نہ کوئی کام انجام دے۔ ہر عمل و فعل سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ سے التجا کرے اور اس سے نیک عمل کی توفیق چاہے۔ دوسرے موقع پر اپنے مرید کو نصیحت فرماتے ہیں کہ تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کرو۔ ذکر ہی سے طالب محبت تک پہنچتا ہے۔ محبت ایسی آگ ہے جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے۔ جب محبت راسخ ہو جاتی ہے تو مذکورہ کے مشاہدہ کے ساتھ ذکر حقیقی ذکر ہو جاتا ہے، یہی وہ ذکر کثیر ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے اس قول واذکر و اللہ اکثیراً لعلکم تفلحون میں فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہیے کہ اپنے روزگار کی حفاظت کرتا رہے۔ ماسوائے اللہ کو دل سے دور کر دے۔ دنیا کے لوگوں کی صحبت کو اپنے اوپر حرام کر لے اور حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے۔ اگر اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے موانع نہ ہوں گی

تو خدا سے تعالیٰ کی محبت کی بوجہی وہ نہ سونگھ سکے گا۔

ایک نصیحت میں ارشاد فرمایا کہ بدن کی سلامتی قلعہ و طعام ہیں، روح کی سلامتی ترک گناہ میں اور دین کی سلامتی حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہے۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا میروں میں شیخ حسن افغان کو بہت ہی محبوب رکھتے تھے۔ گو آپ ان پڑھتے تھے، مگر ان کا نثار ہر باطن روحانی تعلیم سے آراستہ تھا۔ ان کی بزرگی کا یہ حال تھا کہ ایک بار ایک کاغذ پر تین سطریں لکھ دی گئیں، جن میں ایک کلام پاک کی آیت تھی۔ ایک حدیث شریف اور ایک میں کسی شیخ کا قول منقول تھا۔ یہ کاغذ دکھا کر شیخ حسن افغان سے پوچھا گیا کہ کونسی سطر میں کیا چیز ہے۔ شیخ حسن افغان نے قرآن مجید کی سطر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ کلام ربانی ہے۔ اس کا نور مجھ کو زمین سے عرش معلیٰ تک نظر آ رہا ہے۔ حدیث شریف کی سطر پر انگلی رکھ کر کہا کہ یہ حدیث مقدس کی سطر ہے۔ اس کا نور ساتویں آسمان تک دکھائی دیتا ہے۔ پھر شیخ کے قول پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اس کا نور زمین سے آسمان تک دیکھتا ہوں۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن بارگاہ النبی میں مجھ سے پوچھا گیا کہ ہماری بارگاہ میں کیا کمانی لایا ہے تو میں عرض کروں گا کہ میری کمانی حسن افغان ہے۔

حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر ہجوڑی

ولادت ————— علاقہ ملتان ۵۸۲ھ

وفات ————— پاک پٹن ۶۶۶ھ

سلطان السالکین، شمس العارفین، فرید الحق و الشرع والدین شیخ فرید الدین گنج شکر خطہ ملتان کے ان اولیاء کرام میں سے ہیں جن پر زمانہ ہمیشہ خیر کرے گا۔ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید اور معین الحق والدین خواجہ معین الدین چشتی ان کے دادا پیر ہیں۔

پیدائش اور حضرت بابا صاحب کا اصل نام فرید الدین تھا۔ فاروقی بتائے جاتے ہیں۔ سلسلہ نسب حضرت عمر نام و نسب فاروق سے ملتا ہے۔ آپ کے ابا و اجداد شہاب الدین محمد غوری کے عہد میں افغانستان سے ہندوستان آئے اور لاہور میں مقیم ہو گئے۔ آپ کے دادا کا نام قاضی شعیب اور والد کا نام قاضی جمال الدین سلیمان تھا۔ جولاہور میں قاضی تھے۔ خاندان کچھ مدت تک لاہور میں رہا پھر ملتان کے ایک قصبہ میں مقیم ہو گیا۔ یہیں ۵۸۲ھ میں بابا صاحب کی ولادت ہوئی۔

ابتدائی حالات | ابھی بچے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نے اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کی۔ نماز کی پابندی کرانے کے لیے حضرت کی والدہ جانماز کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیا کرتی تھیں اور اپنے بچے مسعود سے فرمایا کرتی تھیں جو بچے نماز پڑھتے ہیں ان کی جانماز کے نیچے سے روزانہ ان کو شکر مل جاتی ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ والدہ شکر کی پڑیا رکھنا بھول گئیں اور انھوں نے گھبرا کر حضرت سے کہا مسعود تم نے نماز پڑھی یا نہیں؟ حضرت نے جواب دیا ہاں اتنا نماز پڑھ لی اور شکر کی پڑیا بھی مل گئی۔

یہ جواب سن کر حضرت کی والدہ کو بہت تعجب ہوا اور وہ سمجھیں کہ اس بچے کی غیب سے مدد ہوتی ہے اور اس وقت سے انھوں نے اپنے بچے مسعود کو شکر بار اور شکر گنج کہنا شروع کیا جو آج تک مشہور ہے۔

تعلیم | حضرت کی والدہ نے حضرت کو کھنواں میں بہت اچھی تعلیم دلوائی تھی، مگر جب یہاں کی تعلیم پوری ہو گئی تو حضرت کو تعلیم کے لیے ملتان بھیجا گیا جہاں آٹھ وقت بڑے بڑے علماء درس دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت ملتان میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور ایک مسجد میں رہتے تھے جہاں بہت عسرت اور تنگی سے بسر و وقت ہوتی تھی۔

ارادت | ایک دن حضرت اس مسجد میں بیٹھے ہوئے نافع کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ایک درویش وہاں آئے جنھوں نے

ان کو کتاب کے مطالعہ میں مصروف دیکھ کر پوچھا، یہ کیا پڑھ رہے ہو۔ حضرت نے کتاب سے نظر اٹھا کر ان درویش کو دیکھا اور جواب دیا نافع پڑھ رہا ہوں۔ ان درویش نے مسکرا کر پوچھا کیا یہ کتاب تم کو کچھ نفع دے گی؟ جو نہی حضرت کی ان درویش سے آنکھیں چار ہوئیں ایک خاص اثر حضرت کے دل پر ہوا اور حضرت نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔ جی نہیں مجھے اس کتاب سے نفع نہیں ہوگا بلکہ آپ کی نظر فیض اثر سے نفع ہوگا یہ کہہ کر حضرت نے فوراً ان درویش کے قدموں میں سر رکھ دیا اور ان درویش سے کچھ باطنی رموز کے سوالات کیے، جن کو باتوں باتوں میں ان درویش نے حل کر دیے۔ حضرت نے ان درویش سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا میرا نام قطب الدین بختیار ہے اور میں دہلی جا رہا ہوں۔ حضرت نے عرض کی مجھے بھی اپنے ساتھ دہلی لے چلیے۔ درویش نے فرمایا چلو میرے ساتھ چلو۔

بیعت | دہلی میں اگر حضرت خواجہ قطب صاحب نے بابا صاحب کو مشائخ دہلی کے ایک مجمع میں مرید کیا اور حضرت سے بجاہدے کرا نے شروع کیے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ دہلی سے ہانسی میں چلے گئے اور وہاں بجاہدے کرتے رہے پھر دہلی میں آئے اور یہاں تلقین حاصل کی اور اوجھ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر بجاہدے کیے۔ پھر دہلی میں حاضر ہوئے اور حضرت خواجہ قطب صاحب نے ان کو خلافت عطا فرمادی۔ یہاں سے حضرت ہانسی میں آئے اور ہانسی سے کھتوال تشریف لائے، اور کھتوال میں جب لوگوں کا ہجوم ہوا تو اوجھ دھن میں آکر اقامت اختیار کی جو دریا کے کنارے ایک غیر مشہور مقام تھا اور پھر آخر عمر تک اسی جگہ رہے، لیکن دہلی میں حضرت خواجہ قطب صاحب کے پاس آتے رہتے تھے۔

فیضان | ابتدائی زمانہ میں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب اجمیری دہلی میں آئے ہوئے تھے اور حضرت بابا صاحب بھی دہلی میں حضرت خواجہ قطب صاحب کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، حضرت خواجہ صاحب اجمیری نے خواجہ قطب صاحب سے فرمایا اؤ ہم تم دونوں مسعود کو فیض اور نعمت دیں۔ چنانچہ انھوں نے بابا صاحب کو بیچ میں کھڑا کر لیا اور دونوں بزرگوں نے بابا صاحب کو کھڑے ہو کر توجہ دینی شروع کی اور باطنی نعمتوں سے بالامال کر دیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ قطب صاحب نے بابا صاحب سے فرمایا مسعود! دادا پیر کے قدموں میں سر رکھو۔ بابا صاحب نے حضرت خواجہ صاحب کے قدموں میں سر رکھ دیا، خواجہ صاحب نے فرمایا میں کہتا ہوں دادا پیر کے قدموں میں سر رکھو، تم میرے قدموں میں سر جھکاتے ہو۔ بابا صاحب نے جواب دیا، ان قدموں کے سوا اور قدم نظر نہیں آتے۔ یہ جواب سن کر حضرت خواجہ صاحب اجمیری نے فرمایا، بختیار، مسعود ٹھیک کہتا ہے۔ وہ منزل کے دروازے پر پہنچ گیا ہے۔ جہاں وحدت کے سوا دوسری کا نام باقی نہیں رہتا۔ پھر کیوں کر اس کو تیرے سوا میں نظر آؤں۔

آخری تبرکات | حضرت خواجہ قطب صاحب کی وفات کے وقت بابا صاحب دہلی سے دور ہانسی میں تھے مگر حضرت خواجہ قطب صاحب نے وصیت فرمادی تھی کہ میرے تبرکات مسعود کو دیے جائیں اور وہی میرا جانشین ہو۔ چنانچہ وہ ہانسی سے دہلی میں آئے اور حضرت خواجہ قطب صاحب کا خرقہ پہنا اور تبرکات حاصل کیے اور ان کی جگہ پر بیٹھے اور پھر کچھ دن کے بعد

تخلقت کے ہجوم سے گھبرا کر ہانسی تشریف لے گئے اور ہانسی سے اجودھن میں تشریف لے آئے اور یہیں آخر عمر تک قیام کیا۔
نظام اوقات | اجودھن میں بابا صاحب ہر وقت یاد خدا میں مصروف رہتے تھے اور ان کی مجلس میں علمی اور روحانی
 چرچے رہتے تھے۔ ادھی رات تک دروازہ کھلا رہتا تھا اور لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی ان کی علمیت اتنی اعلیٰ تھی کہ مولانا
 خواجہ سید بدر الدین اسحق محض اسی علمیت کی وجہ سے باوجود انکار فقراء ان کے مرید ہوئے تھے ان کی بات بات میں علمی
 لطیفے ہوتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے خط لکھا تو اس میں یہ بھی لکھا کہ میری تو تم سے عشق بازی
 ہے۔ بابا صاحب نے جواب دیا میری آپ کی محبت تو ہے مگر بازی نہیں ہے، اس واسطے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے خطوط
 میں عشق اور محبت کی حد کے اندر رہیں بازی تک نہ آئیں۔

بادشاہ کے | حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شیخ العالم نے دہلی کے بادشاہ بلین کو کسی شخص کی
نام خط | سفارش لکھی و عربی زبان میں اس طرح خط لکھا:

رَأَيْتَ قِصَّةَ إِلَى اللَّهِ تَمَّ إِلَيْكَ فَإِنْ أَعْطَيْتَهُ شَيْئًا فَأَلْمَعِي هُوَ اللَّهُ وَأَنْتَ الْمَشْكُومُ وَإِنْ لَمْ تَعْطِهِ
 شَيْئًا فَلَمَّا نَعِ هُوَ اللَّهُ وَأَنْتَ الْمَعْدُورُ۔

میں نے اس شخص کی ضرورت کو خدا کے سامنے پیش کیا پھر تیرے پاس بھیجا مگر تو اس کو کچھ دے گا تو یہ دین اللہ کی
 ہوگی اور یہ شخص تیرا شکر گزار ہوگا اور کچھ نہ دے گا تو روک خدا کی طرف سے ہوگی اور تو معذور سمجھا جائے گا۔
 اس سے حضرت کی فصاحت و بلاغت بھی ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی کہ ان کی نظر ہر وقت اللہ کی طرف رہتی تھی اور
 اہل دنیا کی کوئی ہیبت ان کے دل میں نہ تھی۔

ہاتھ کی لکڑی | ایک دفعہ بابا صاحب بیمار تھے اور لکڑی کے سہارے چل رہے تھے، یکایک لکڑی انھوں نے اپنے ہاتھ
 سے پھینک دی۔ حاضرین نے وجہ پوچھی تو حضرت نے فرمایا میرے دل میں خیال آیا کہ میرا چلنا اس لکڑی کے بھروسہ پر
 ہے، اس لیے میں نے اس کو پھینک دیا، انسان کا بھروسہ صرف اللہ ہی پر ہونا چاہیے۔

ایک ملا کا | حضرت سلطان المشائخ حضرت مولانا خواجہ سید بدر الدین اسحق کے حوالے سے فرماتے تھے کہ اجودھن کے
قصہ | قریب کوئی ملا صاحب رہتے تھے، جن کو اپنے علم کا بہت گھنڈ تھا اور درویشوں کو بے علم سمجھ کر حقارت سے
 دیکھنا کرتے تھے۔ ایک دن وہ حضرت شیخ العالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت مجلس میں کئی لوگ موجود تھے ملا
 صاحب نے اپنی علمیت اور ہمہ دانی کے قصے بیان کرنے شروع کیے۔ حضرت شیخ العالم نے ان کے قصے سنتے سنتے ان سے
 پوچھا کہ مولانا اسلام کے رکن کتنے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا پانچ ہیں ایک کلمہ دوسرا نماز، تیسرا روزہ، چوتھا زکوٰۃ،
 پانچواں حج۔ حضرت شیخ العالم نے فرمایا، میں نے تو چھٹا رکن بھی سنا ہے۔ ملا صاحب نے بگڑ کر جواب دیا۔ چھٹا رکن کوئی نہیں
 ہے۔ آپ نے جو کچھ سنا غلط سنا۔ حضرت نے جواب دیا۔ جی نہیں میں نے معتبر اہل علم سے سنا ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن کوئی ہے۔

اس پر ملاحظہ صاحب کو غصہ آیا اور انہوں نے کہا مجھے آپ لوگوں سے اسی لیے اختلاف رہتا ہے کہ آپ لوگ بے علم اور کم علم ہوتے ہیں، لیکن عالم بننے کی کوشش میں خواہ مخواہ دخل و معقولات کرتے رہتے ہیں۔ میں نے جو پانچ رکن بیان کیے ہیں یہ حدیثوں میں موجود ہیں۔ فقہ میں موجود ہیں، آپ جس چھٹے رکن کو بیان کرتے ہیں وہ نہ حدیثوں میں ہے نہ فقہ میں ہے۔ حضرت شیخ العالم نے تقسیم کے بعد فرمایا نہیں مولانا وہ قرآن میں بھی ہے۔ حدیث میں بھی ہے اور فقہ میں بھی ہے۔ یہ سن کر مولانا کو اتنا زیادہ غصہ آیا کہ وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا اللہ فرماتا ہے فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذِّكْرِىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ۔ نصیحت کے بعد ظالم قوم کے پاس نہ بیٹھے۔ اس لیے میں جاتا ہوں۔ شیخ العالم نے بہت نرمی کے ساتھ ان کو ٹھہرانا چاہا۔ مگر ملاحظہ صاحب نہ ٹھہرے اور چلے گئے۔

ملا صاحب کی مصیبت! جب ملا صاحب حضرت بابا صاحب کی مجلس سے ناراض ہو کر چلے گئے تو انہوں نے کچھ عرصے کے بعد حج کے سفر کا ارادہ کیا اور پوری تیاری کے بعد روانہ ہوئے مگر معظمہ میں پہنچ کر سات برس وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد ہندوستان کے جہاز میں سوار ہو کر واپسی کے خیال سے روانہ ہوئے۔ دو چار دن کے بعد سمندر میں سخت طوفان آیا اور ملا صاحب کا جہاز طوفان کے باعث تباہ ہو گیا۔ ملا صاحب جہاز کے ایک تختے پر بہتے ہوئے کنارے پر پہنچے اور تختے سے اتر کر خشکی میں آئے وہاں سوکھے پہاڑ تھے۔ نہ درخت تھے نہ گھاس تھی۔ ملا صاحب تین دن بھوک پیاس کی حالت میں پہاڑ کے ایک غار میں بیٹھے رہے۔ یکایک وہاں ایک آدمی آیا جس کے سر پر خوان تھا۔ اس نے آواز دی میں روٹی فروخت کرتا ہوں۔ انہوں نے اس سے کہا میں عالم ہوں اور میں نے سات حج کیے ہیں، میرا جہاز تباہ ہو گیا ہے، میرے پاس ایک پیسہ بھی موجود نہیں ہے۔ اور میں تین رات دن سے بھوکا پیاسا ہوں۔ اس شخص نے جواب دیا میرے پاس کھانا بھی ہے اور پانی بھی ہے، مگر میں دکاندار ہوں۔ بغیر قیمت کے کھانا پانی نہیں دے سکتا۔ انہوں نے کہا کیا تم مسلمان ہو۔ اس نے جواب دیا، ہاں الحمد للہ! ملا صاحب نے اس کو مسافروں، مہمانوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنے کی نسبت وعظ سنایا اور سمجھایا کہ تو مجھ بھوکے پیاسے کو کھانا اور پانی دے دے۔ اس نے کہا یہ سب کچھ ٹھیک ہے، لیکن میں بغیر قیمت کے کھانا پانی نہیں دے سکتا۔ یہ کہہ کر وہ جانے لگا تو ملا صاحب نے اس سے کہا تو کیسا مسلمان ہے، تجھے رحم نہیں آتا۔ اس نے مڑ کر جواب دیا، اگر میں رحم کروں تو آج ہی میری دکانداری کا خاتمہ ہو جائے، اچھا میں رحم کرتا ہوں، تم اپنی زبان سے یہ کہہ دو کہ سات حج کا ثواب تم نے مجھے دیا۔ ملا صاحب نے خیال کیا زبان سے کہہ دینا کوئی چیز نہیں ہے اور اس سے میرا ثواب نہیں جاسکتا۔ اس لیے انہوں نے کہا میں نے تجھے روٹی اور پانی کے بدلے سات حج کا ثواب دیا۔ اس شخص نے یہ سنتے ہی خوان اس کے آگے رکھ دیا اور انہوں نے بیٹ بھر کے روٹی کھائی اور ٹھنڈا پانی پیا۔ اس کے بعد اس سے پوچھا تو کہاں رہتا ہے اور کیا یہاں کوئی آبادی بھی ہے؟ اس نے جواب دیا میں روٹی فروخت کرتا ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے خالی برتن لے کر فار سے باہر گیا اور ملا صاحب جھپٹ کر اس کے پیچھے

روانہ ہوئے تاکہ دیکھیں وہ کدھر سے آیا تھا، لیکن باہر نکلتے ہی وہ پہاڑوں کے چکر میں کہیں غائب ہو گیا۔ ہر چند تلاش کیا کہیں نہ ملا۔ آخر مجبور ہو کر ملا صاحب دریا کے کنارے اُن بیٹھے کہ شاید کوئی کشتی یا جہاز ادھر سے گزرے۔ یہاں تک کہ تین رات دن گزر گئے اور ان کی حالت بھوک اور پیاس سے پھر خراب ہو گئی۔ تب وہی شخص پھر سر پر خوان رکھے دکھائی دیا، اور اس نے اس شرط پر ان کو روٹی کھلائی کہ ساری عمر کے روزوں کا ثواب زبانی ان سے لے لیا۔ آج بھی جب وہ جانے لگا تو ملا صاحب اُس کے پیچھے دوڑے مگر وہ پھر کہیں غائب ہو گیا اور تین رات دن غائب رہا، اور جب اُن کی حالت بھوک پیاس کے سبب بہت خراب ہو گئی، تب وہ پھر کھانا لے کر آیا اور ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد وہ تین رات دن بکے بچے پھر کھانا لے کر آیا اور ساری عمر کی نمازوں کا ثواب لے کر چلا گیا۔ آخر اب کے تین رات دن کی بھوک پیاس کے بعد وہ کھانا لے کر آیا تو ملا صاحب نے کہا میں سات حج کا ثواب دے چکا، ساری عمر کے روزوں کا ثواب دے چکا، ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب دے چکا، اب میرے پاس کچھ نہیں جو میں تجھے دوں اس شخص نے کہا یہ کاغذ اور قلم و دوات لایا ہوں۔ اس پر لکھ دیجیے کہ میں نے ایک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے سات حجوں کا ثواب فروخت کیا، پھر ساری عمر کے روزوں کا ثواب فروخت کیا، پھر ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب فروخت کیا۔ پھر ساری عمر کی نمازوں کا ثواب فروخت کیا، اور آج میں ایک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے یہ تحریر دیتا ہوں۔ چنانچہ ملا صاحب نے یہ عبارت لکھ دی اور اس کے بعد انھوں نے اپنا نام اور مقام اس کاغذ پر لکھ دیا اور وہ کاغذ اس کو دے دیا۔ اُس نے کھانا پانی ملا صاحب کے سامنے رکھا اور ملا صاحب نے کھانے کے بعد عابراً انداز سے کہا خدا کے لیے مجھے بتاؤ تم کہاں رہتے ہو تاکہ میں تمہارے ساتھ وہاں چلوں اور اپنی روزی کے لیے کچھ محنت مزدوری کروں، کیوں کہ اب میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہا ہے۔ اُس شخص نے خفا ہو کر کہا میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ یہ کہہ کر اُس نے برتن اٹھائے اور کاغذ جیب میں رکھا اور پہاڑ کی طرف چلا۔ ملا صاحب تازہ دم تھے دوڑے کہ اُس کو پکڑ کر مجبور کریں اور آبادی کا راستہ پوچھیں۔ وہ بھی بھاگا اور ملا صاحب بھی اس کے پیچھے بھاگتے رہے، یہاں تک کہ آگے جا کر اس نے ٹھوکر کھائی اور وہ گرا۔ ملا صاحب خوش ہوئے کہ اب میں اس کو پکڑ لوں گا، اس لیے انھوں نے زیادہ تیزی سے دوڑنا شروع کیا، لیکن انھوں نے بھی ٹھوکر کھائی اور گرے اور قیل اس کے کہ وہ اٹھیں وہ شخص اپنے برتن لے کر بھاگا اور نظروں سے غائب ہو گیا آخر مجبور ہو کر ملا صاحب سمندر کے کنارے آئے اور عادت کے موافق وہاں بیٹھ گئے۔ یکایک انھوں نے دُور سے دیکھا ایک جہاز جا رہا ہے۔ انھوں نے اپنا عمامہ سر سے اتار لیا اور اس کو ہلا ہلا کر چیخا شروع کیا کہ میری مدد کرو، میری مدد کرو۔ جہاز والوں نے جہاز روک لیا اور ایک کشتی ان کے پاس بھیجی اس میں سوار ہو کر جہاز پر آئے اور جہاز میں سوار ہوئے۔ اس جہاز میں حاجی لوگ سوار تھے اور ہندوستان جا رہے تھے۔ انھوں نے ملا صاحب کی بڑی خاطر کی اور بہت آرام سے ملا صاحب ہندوستان پہنچ گئے۔ اپنے گھر میں آئے بال بچوں کو دیکھا اور اس کے بعد ایک دن حضرت شیخ العالم

سے ملنے آئے۔

بابا صاحبؒ جب ملا صاحب حضرت بابا صاحب کی مجلس میں حاضر ہوئے، اس وقت بڑے بڑے علما اور مشائخ حضرت کی خدمت میں دست بستہ حاضر تھے۔ حضرت بابا صاحب کی نظر ملا صاحب پر پڑی تو تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور بہت ہی اخلاق کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ اے ملا صاحب بہت عرصے کے بعد آنا ہوا۔ ہم تو ہمیشہ آپ کو یاد کرتے رہتے تھے۔ کہیے کیا وجہ ہوئی جو اتنے عرصے تک آپ یہاں نہیں آئے۔

ملا صاحب نے اپنی خشک عادت کے موافق حضرت سے مصافحہ کیا اور حضرت کے قریب بڑی نخوت اور تکنت کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حاضرین مجلس کو ملا صاحب کی یہ ادا بہت ناگوار ہوئی۔ کیوں کہ ملا صاحب حضرت کے قریب اس طرح بیٹھے تھے گویا وہ حضرت کے ہمسر ہیں یا حضرت سے بھی زیادہ ان کا درجہ اور مرتبہ ہے، مگر حضرت بابا صاحب کے رعب کے سبب سب خاموش تھے اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حضرت کے مہمان کو ادب سے بیٹھنے کے لیے کچھ کہتا۔

آخر حضرت بابا صاحب نے ملا صاحب سے پوچھا "ہاں ملا صاحب آپ نے بتایا نہیں کہ اتنی مدت تک کیوں نہیں آئے تھے۔ ملا صاحب نے نہایت غرور اور تکبر کے انداز سے جواب دیا، جناب میں اس ملک میں موجود نہ تھا حج کرنے گیا تھا، سات برس تک مکہ معظمہ میں رہا۔ اور سات دفعہ مدینہ منورہ کی زیارت کی اور سات حج کیے۔ حرمین میں نمازوں اور روزوں کا جو زیادہ ثواب ملتا ہے، وہ سب میں نے حاصل کیا اور اب سات برس کے بعد وہاں سے واپس آیا ہوں واپسی میں جہاز کی تباہی کا صدر بھی اٹھایا، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راستے کی مصیبتیں ختم ہوئیں اور میں بخیریت تمام اپنے گھر پہنچ گیا اور سب اہل و عیال کو سلامت اور خوش و خرم دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا۔

بابا صاحب حضرت بابا صاحب نے ملا صاحب کا بیان سن کر ارشاد کیا آپ بڑے خوش نصیب ہیں سات حج کیے کا سوال! سات بار مدینہ منورہ کی زیارت کی، سات برس تک حرمین میں نمازیں پڑھیں، سات رمضانوں کے روزے رکھے۔ سبحان اللہ بڑی سعادتیں آپ نے حاصل کیں، مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ اب تو ام سے خفا نہیں؟ ملا صاحب نے جواب دیا، میں خفا ہی کب تھا۔

حضرت نے فرمایا سات سال پہلے آپ یہاں سے ناراض ہو کر گئے تھے، میں اسی خفگی کا ذکر کر رہا ہوں۔

ملا صاحب نے کہا مجھے یاد نہیں کیا بات ہوئی تھی، آپ یاد دلائیے شاید مجھے یاد آجائے۔

حضرت نے فرمایا ہم نے آپ سے سوال کیا تھا کہ اسلام کے رکن کتنے ہوتے ہیں، آپ نے جواب دیا تھا اسلام کے پانچ رکن ہوتے ہیں، ایک کلمہ، دوسرے نماز، تیسرے صدقہ، چوتھے زکوٰۃ۔ پانچویں کعبے کا حج۔ تو ہم نے کہا تھا کہ اسلام کا چھٹا رکن رونی بھی ہے۔ اس سے آپ خفا ہو گئے تھے اور خفا ہو کر یہاں سے چلے گئے تھے اور قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی تھی کہ نصیحت کرنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔ گویا اس طرح آپ نے ہم کو ظالم قرار دیا تھا اور

ہم کو اس بات کا بڑا صدمہ تھا اور ہم روزانہ آپ کو یاد کرتے رہتے تھے۔

ملا صاحب | یہ سن کر مولانا ہنسے اور انھوں نے کہا ہاں ہاں مجھے یاد آیا یہ ٹھیک ہے میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ درویش کی بیعت! لوگ بے علمی اور کم علمی کے سبب ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہوتی ہیں۔ اسلام کے رکن تو پانچ ہی ہیں، چھٹا رکن کوئی نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا مولانا میں اگر چہ بے علم یا کم علم ہوں، لیکن میں نے یہ بات لکھی ہوئی دیکھی ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔ مولانا نے خٹا ہو کر کہا، اگر لکھا ہوا دیکھا ہے تو مجھے بھی دکھا دیجیے۔ حضرت نے اپنے خادم کو آواز دی کہ میری فلاں کتاب لانا۔ خادم ایک موٹی کتاب لے کر آیا۔ حضرت نے حاضرین سے فرمایا تم میرے پاس سے غذا دو رہٹ جاؤ۔ **لوگ دو رہٹ گئے** حضرت نے مولانا کو اور قریب بلایا اور کتاب کے ورق الٹ الٹ کر وہ عبارت ڈھونڈنے لگے جس کیلئے کتاب نکلنی تھی۔ ایک حضرت نے فرمایا مجھے یہ عبارت موجود مرشد نے جگ کر کتاب کو دیکھا اس کتاب میں کوئی حرفت یا ساہ ورق تھا چاہتے تھے کہ یہ کہیں کہہ دوں تو سادہ بیک ایک مولانا کو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ عبارت نظر آئی جو انھوں نے پہاڑ کے کھانا کھلانے والے کو دی تھی۔ جونہی مولانا نے اپنے ہاتھ کی تحریر پڑھی ایک چیخ ماری۔ حضرت نے کتاب بند کر دی اور مولانا حضرت کے قدموں میں گر پڑے، توبہ کی اور اسی وقت بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے اور اس دن سے سکوت اختیار کیا۔ پھر مرتے دم تک کبھی انھوں نے کسی سے بات نہ کی۔ اکثر گریہ ان پر طاری رہتا تھا۔

ایک اور قصہ | حضرت شیخ العالم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اپنی مصیبت بیان کی کہ اُس کی بیوی کو ڈاکو چھین کر لے گئے ہیں اور اس وقت سے اس نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت نے اس سے فرمایا میں دعا کروں گا تمھاری بیوی تم کو مل جائے گی، تم کھانا نہ چھوڑو۔ چنانچہ اس نے کھانا کھا لیا اور چند روز حضرت کی خدمت میں حاضر رہا۔ ایک دن وہ حضرت کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص بادشاہی آدمیوں کی حراست میں ہتھکڑیاں بیڑیاں پہنے ہوئے آیا اور اس نے حضرت سے دعا کی درخواست کی اور کہا مجھے دہلی کے بادشاہ کے پاس لے جا رہے ہیں، معلوم نہیں میرا کیا حشر ہو، اس واسطے میں ان سپاہیوں کو راضی کر کے یہاں تک پہنچا ہوں اور اب دہلی جا رہا ہوں۔ حضرت نے جواب دیا ہم دعا کریں گے، ہمارے اس ہمان کو بھی اپنے ساتھ دہلی لیتے جاؤ۔ اگر تم کو دہلی جا کر رہانی مل جائے تو ہمارے اس ہمان کو ایک لونڈی دلوادینا۔ اس شخص نے جواب دیا بسو چشم اس کی تعمیل کروں گا۔ چنانچہ وہ شخص حضرت کے ہمان کو لے کر دہلی گیا اور بادشاہ کے سامنے اس کی پیشی ہوئی۔ بادشاہ نے اس کو بے قصور سمجھ کر رہا کر دیا۔ رہا ہونے کے بعد اُس نے بازالا سے ایک خوب صورت لونڈی خریدی اور حسب وعدہ حضرت شیخ العالم کے ہمان کو دے دی۔ ہمان نے دیکھا کہ یہ لونڈی اس کی وہی بیوی تھی جسے ڈاکو چھین کر لے گئے تھے۔

مجاہد سے | حضرت بابا صاحب کے مجاہدوں کے اور سیاحت کے بہت زیادہ قصے مشہور ہیں، لیکن مستند کتابوں میں ان کا ذکر درج نہیں ہے۔ البتہ اوچھو میں کنوئیں کے اندر تک کر جو انھوں نے چالیس رات تک حملات محکوس پڑھی تھی اس کا ذکر

سیرالادلیا میں ہے۔

ٹھیکری کا نقش | البتہ بعض پرانی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ آپ زمانہ سیاحت میں جنگل میں جا رہے تھے اور سواری میں ایک گدھا تھا ایک بار ش ہونے لگی۔ قریب میں کہاروں کا ایک مکان دکھائی دیا۔ حضرت وہاں تشریف لے گئے اور کہاروں سے گھر کے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ انھوں نے کہا یہاں ایک عورت کے بچہ ہونے والا ہے، کئی دن سے درد بے پیمانہ نہیں ہوتا ایسی حالت میں تم کو جگہ کہاں سے دیں۔ حضرت نے جواب دیا مجھے جگہ دے دو بچہ ابھی پیدا ہو جائے گا۔ کہاروں نے جگہ دے دی تو حضرت نے فرمایا میرے گدھے کو بھی جگہ دو۔ کہاروں نے کہا یہاں آدمیوں کے لیے تو جگہ ہے نہیں گدھے کو کہاں سے جگہ دیں۔ حضرت نے فرمایا جب تک میرے گدھے کو جگہ نہ دو گے میں بھی اندر نہ آؤں گا۔ آخر مجبوراً انھوں نے گدھے کو بھی جگہ دے دی۔ تب حضرت نے کہاروں کے آدے سے ایک ٹھیکرا اٹھایا اور کونٹے سے اس پر شعر لکھا۔

مرا جاٹے شد خرمرا جانے شد تو خواہی بزائی، نہ خواہی مزا

ترجمہ: مجھے جگہ مل گئی اور میرے گدھے کو بھی جگہ مل گئی، اب اسے عورت تو چاہے بچہ جن یا نہ جن۔

اس کے بعد حضرت نے وہ ٹھیکری کہاروں کو دی کہ عورت کے پیٹ پر رکھ دو۔ ٹھیکری پیٹ پر رکھتے ہی بچہ پیدا ہو گیا۔ حالانکہ اس شعر میں نہ خدا اور رسول کا نام تھا نہ کوئی اور تبرک عبارت تھی، بلکہ ہنسی اور طعن کا شعر تھا۔ مگر اس وقت سے آج تک کئی لوگوں نے ٹھیکری کا یہ تعریف ازما ہے اور اس کی تاثیر کا عجب تماشا دیکھا ہے۔

مقبولیت | بابا صاحب کے تقدس اور ان کی مقبولیت کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ وقت کے مشہور بزرگوں اور کئی باکمال اولیاء اللہ نے ان کے دست حق پرست کی۔ اوج اور ملتان کے لوگ بڑی کثرت سے ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے گئے۔ شاہان وقت بھی ان کی عظمت کے معترف اور ان سے عقیدت رکھتے تھے۔

سلطان ناصر الدین | سلطان ناصر الدین محمود اپنے لشکر کے ساتھ اجودھن سے گزرا تو لشکریوں نے جس عقیدت کا اظہار کیا اس کے متعلق شیخ نظام الدین اولیاء لکھتے ہیں "جن دنوں سلطان ناصر الدین اوجہ اور ملتان کی طرف روانہ ہوا تو اجودھن پہنچ کر سارا لشکر شیخ کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ شیخ اتنا نبوہ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ شیخ کی آستین گلی کی طرف نشانہ گئی، لوگ آکر بوسہ دیتے اور چلے جاتے۔ آستین بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ پھر مسجد میں آکر مریدوں کو حکم دیا کہ میرے گرداگرد حلقہ باندھو تاکہ کوئی شخص اندر نہ آسکے، دور ہی سے سلام کر کے چلے جائیں۔ مریدوں نے ایسا ہی کیا۔ ایک بوڑھا فرانس آکر مریدوں کے حلقہ سے گزر کر شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور بے مبارک بوسہ دینے کے لیے کھینچا۔ شیخ کو یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی۔ اسی بوڑھے نے کہا شیخ المشائخ حضرت شیخ فرید الدین آپ کیوں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اس سے بھی اچھا شکر ادا کرو۔ جب بوڑھے نے یہ کہا تو شیخ نے نعرہ مارا۔ بوڑھے کے حال پر نوازش فرمائی اور اس سے معافی مانگی۔"

سلطان ناصر الدین جب قدم بوسی کے بعد واپس گیا تو چار گاڈل اور بہت سا زر نقد بابا صاحب کو مرحمت کیا۔ بابا صاحب نے یہ سب مال و دولت غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ چار گاڈل کی بخشش کا پروانہ یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ عطیہ کسی مستحق کو دے دیں۔

سلطان بلہین | شہنشاہ بلہین کو شہزادگی کے زمانے سے ہی بابا صاحب سے عقیدت تھی۔ جب بادشاہ بنا تو یہ عقیدت اور کی عقیدت بڑھ گئی۔ متعدد مرتبہ بابا صاحب کی خدمت میں قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ ایک مرتبہ عرض کیا، حضور میں خود تو کئی مرتبہ خدمت میں حاضر ہو چکا ہوں مگر بیگمات بھی قدم بوسی کی بڑی آرزو مند ہیں۔ میرے ہمراہ وہی تشریف لے چلیں تو بڑا احسان ہوگا۔ بابا صاحب کسی طرح رضا مند نہ تھے۔ مگر بلہین کے اصرار پر وہی چلے گئے۔ جہاں آپ کا بڑا زبردست استقبال ہوا۔

بلہین کی بیٹی | محل میں کچھ دن گزارے۔ اس اثنا میں بلہین نے اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دینا چاہی۔ بابا صاحب سے عقد نے قبول فرمایا اور نکاح ہو گیا۔ شہزادی کو شاہانہ ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ بابا صاحب کے گھر بھیج دیا گیا مگر بابا صاحب کی ہدایت کے بموجب شہزادی نے شاہانہ طریق زندگی ترک کر کے عام عورتوں کا لباس اور ان کا طرز زندگی اختیار کیا۔ یہ نیک خاتون بھی بابا صاحب کی طرح زاہدانہ اور درویشانہ زندگی بسر کرنے لگی۔ شہزادی کو دنیوی عیش ترک کرنے کا یہ نتیجہ ملا کہ بابا صاحب کی دوسری بیویوں کے ہوتے ہوئے ساری اولاد اسی بیوی کے بطن سے ہوئی جس کا سلسلہ آج تک قائم ہے۔

وفات | حضرت بابا صاحب نے پچانوے برس کی عمر پائی۔ بڑھاپے میں آپ بے حد کمزور ہو گئے تھے۔ ایک روز بخار چڑھا، کمزوری زیادہ ہو گئی، عشا کی نماز پڑھی مگر فراغت پاتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ اس خیال سے کہ شاید میں نے نماز نہیں پڑھی دوبارہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے مگر حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی اور یا حتی یا قیوم کا ورد کرتے ہوئے ۶۶ برس میں جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

اولاد | بابا صاحب کے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ شیخ نصر الدین نصر اللہ، شیخ بدر الدین سلیمان، شیخ شہاب الدین، خواجہ نظام الدین، شیخ یعقوب۔ یہ پانچ صاحبزادے تھے۔ صاحبزادیوں کے نام بی بی مستورہ، بی بی شریفہ اور بی بی ناظمہ ہیں۔

شیخ نصر الدین نصر اللہ سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ مدت تک زراعت کرتے رہے۔ ان کے ایک فرزند کا نام بایزید تھا جو درویش صفت انسان تھے۔ شیخ کمال الدین جو خواجہ نظام الدین اولیا کے خلیفہ اور مالوہ کے مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ بایزید کے فرزند تھے۔

شیخ بدر الدین سلیمان بابا صاحب کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ شیخ علاؤ الدین اجودھنی جو اپنے زہد و تقدس

کی بنا پر بہت مشہور تھے اور جن کے عقیدت مندوں میں سلطان محمد تعلق بھی شامل تھا، انھیں کے فرزند تھے۔ شیخ شہاب الدین اور خواجہ نظام الدین اولیاء میں بڑی محبت اور دوستی تھی۔ ان کے چھ فرزند تھے۔ خواجہ نظام الدین بابا صاحب کے فرزندوں میں انھیں سب سے زیادہ عزیز تھے۔ آپ بلبن کی فوج میں ملازم تھے۔ ان کے بیٹے کا نام خواجہ ابراہیم تھا۔ شیخ یعقوب بابا صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے، جو امر وہر کے گرد و نواح میں رہتے تھے۔ ان کے دو فرزند تھے، خواجہ معز الدین اور خواجہ قاضی۔ خواجہ قاضی نے دہلی میں رحلت فرمائی۔

امراٹے پائیکگاہ | حیدرآباد دکن میں امراٹے پائیکگاہ بھی حضرت بابا صاحب کی اولاد ہیں۔ گزشتہ زمانے میں حیدرآباد کی سب فوج ان کے اختیار میں تھی اور اس کے خرچ کے لیے ان کو ایک کروڑ روپے آمدنی کی جاگیر دی گئی تھی۔ پھر اس خاندان کے تین حصے ہو گئے ایک نواب معین الدولہ مرحوم کے بیٹے نواب ظہیر یار جنگ ہیں جن کی جاگیر تیس لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ دوسرے نواب خورشید جاہ کی اولاد ہے، جن کی جاگیر اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ تیسرے نواب سرو تارا لال کی اولاد ہے ان کی جاگیر بھی اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ اعلیٰ حضرت حضور نظام کے شاہی خاندان کے سب لوگ سنی ہیں اور دانش مندی اور فقیر دوستی سب میں پائی جاتی ہے اور اب توحید آباد بھی ختم ہو گیا، امراٹے پائیکگاہ بھی!

خلفاء | بابا صاحب کے خلفاء میں ذیل کے بزرگ ہیں:

شیخ جمال الدین ہانسوی

شیخ نظام الدین اولیاء

شیخ علی احمد صابر

شیخ بدر الدین اسحاق

شیخ عارف

شیخ جمال الدین ہانسوی بابا صاحب کو بہت عزیز تھے۔ چنانچہ بابا صاحب کئی سال تک ان کے پاس ہانسوی میں مقیم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ بابا صاحب جسے بھی خلافت عطا کرتے اس سے کہتے کہ اس خلافت نامہ پر جمال الدین سے دستخط کرالو۔ آپ کی وفات بابا صاحب کی زندگی میں ہوئی۔

شیخ نظام الدین اولیاء مشہور و معروف بزرگ ہیں جنھوں نے چشتیہ سلسلے کو معراج تک پہنچایا۔ بابا صاحب کے خلفاء میں صرف آپ ہی وہ خلیفہ ہیں جنھوں نے اپنے سلسلے کے نظام کو قائم رکھا اور اسے فروغ دیا۔

شیخ علی احمد صابر کے مفصل حالات بہت کم ملتے ہیں جس سے ان کے کام کی نوعیت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ شیخ بدر الدین اسحاق بابا صاحب کے خلیفہ ہونے کے علاوہ ان کے داماد بھی تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کو ان سے بہت عقیدت تھی۔ عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ خوفِ الہی سے آنکھیں ہمیشہ پُر نم رہتی تھیں۔ آپ کے دو فرزند تھے۔

خواجہ محمد امام اور خواجہ محمد موسیٰ - شیخ بدر الدین کی وفات کے بعد ان کی اہلیہ اور دونوں صاحبزادے خواجہ نظام الدین اولیا کے پاس دہلی چلے گئے اور دونوں لڑکوں کی تربیت خود کی۔ پھر نظام الدین اولیا نے خواجہ محمد امام کو خلافت عطا فرمائی۔ تین سلسلے | حضرت بابا صاحب سے چشتیہ خاندان کے تین سلسلے جاری ہوئے ہیں: ایک نظامیہ دوسرا صابریہ تیسرا جمالیہ۔ جمالیہ سلسلہ نظامیوں میں مدغم (شامل) ہو گیا ہے، کیوں کہ بابا صاحب کے خلیفہ اول حضرت مخدوم جمال الدین ہانسوی کے جانشین ان کے پوتے حضرت مولانا قطب الدین منور کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا سے خلافت ملی تھی۔ صابریہ خاندان حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابری سے جاری ہوا جو حضرت بابا صاحب کے بھانجے تھے اور جن کا مزار کلیر شریف میں ہے جو رڑکی سہارن پور کے علاقے میں ہے۔

مزار | وفات کے وقت بابا صاحب نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا خرقہ، عصا، کھڑاویں اور دوسرے برکات نظام الدین اولیا کو دی جائیں وہی میری قبر بھی بنائیں گے۔ چنانچہ بابا صاحب کی نعش امانت کے طور پر دفن کی گئی۔ جب نظام الدین اولیا، جو دھن آئے تو یہ امانتیں حاصل کیں اور حضرت کو وہاں دفن کیا جہاں آج کل ان کا مزار ہے۔ ایک چھڑا سا قبہ تعمیر کیا گیا۔ مشرق اور جنوب کی طرف دروازے رکھے گئے۔

حضرت کے مزار کے قریب حضرت کے پوتے شیخ علاء الدین کا مزار ہے جس پر عالیشان گنبد ہے۔ گنبد کے باہر صحن میں ان تمام سجادہ نشینوں کے مزار ہیں جو اب تک بابا صاحب کی گدی پر بیٹھے رہے۔ بہشتی دروازہ | کہا جاتا ہے کہ جب حضرت نظام الدین اولیا نے مزار تعمیر کرایا تو ایک روز آپ جنوبی دروازہ کے پاس کھڑے تھے کہ اچانک فرط جوش میں پکار اٹھے "حضور نبی کریم تشریف لائے اور فرماتے ہیں جو اس دروازے میں داخل ہو گا نجات پائے گا۔"

اس واقعے کے بعد سے صرف شرقی دروازہ ناثرین کے لیے کھلا رکھا گیا۔ جنوبی دروازہ جسے بہشتی دروازے کا نام دیا جاتا ہے، بند کر دیا گیا۔ صرف عرس کے موقع پر یعنی ۵ محرم کی شام کو اسے کھولا جاتا ہے اور لوگ اس میں سے گزرتے ہیں۔ اقوال وارشادات | حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند چیدہ چیدہ اقوال وارشادات یہ ہیں:

— جتنی اپنے ظاہر سے واقفیت رکھتے ہو اس سے زیادہ اپنے باطن سے آگاہ رہو۔

— دشمن کو نیک مشورہ سے شکست دو اور دوست کو تواضع سے اپنا گرویدہ بنا لو۔

— انسان کو خود اپنے نفس کا معالج ہونا چاہیے۔

— فقرا اہل عشق ہیں اور علما اہل عقل، لیکن کامل وہی ہیں جن میں یہ دونوں چیزیں ہوں۔

— اپنا معاملہ صرف خدا کے ساتھ رکھو، اس لیے کہ سب لیتے ہیں اور وہ دیتا ہے، اور جو وہ دیتا ہے اسے کوئی نہیں لے سکتا۔

— اگر کوئی مقام ایسا نہیں جو خوف اور امید سے خالی ہو۔

— ہر شکر اذات کی بھین میں آسے کہ بعد سے بہشتی دروازہ ۱۰ محرم تک کھلا رہتا ہے (م۔ع)

— دنیا خدا اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے۔

— اپنے سے بھاگنا خدا سے ملنا ہے۔

— دل کو خدا کے خوف سے زندہ کرو۔

— فقیر کے لیے سب سے مضر شے دولت مند کی صحبت ہے۔

— ہر کسی کا کھانا نہ کھاؤ بلکہ ہر کسی کو کھلاؤ۔

— دشمن خواہ تم سے خوش نظر آئے، مگر اس سے بے خوف مت ہو۔

— دیتے وقت اپنی ذات کو درمیان سے ہٹا دو اور اپنے اوپر نظر نہ رکھو۔

— قیاس پر گفتگو نہ کرنی چاہیے اور دل کو شیطان کا کھلونا نہ بنانا چاہیے۔

— عدل و انصاف ہی میں عزت پوشیدہ ہے۔

— اُسودگی کی خواہش ہو تو حسد سے زور نہ رو۔

— درویشی پر وہ پوشی کا نام ہے اور درویش کو ان چار چیزوں سے بچنا چاہیے، اول لوگوں کے عیب نہ دیکھے، جو باتیں

سننے کے لائق نہیں انھیں نہ سنئے، نہ کہنے کے لائق نہیں وہ نہ کہے اور جہاں جانا مناسب نہ ہو وہاں نہ جائے۔

— جب لوگ کھانا کھائیں تو انھیں لازم ہے کہ طاعت بھی کر دکھائیں کیونکہ طاعت کے لیے کھانا بھی طاعت ہے اور محض ہوائے نفس کے لیے کھانا نہیں چاہیے۔

— اگر لوگوں کو ظلم کی قدر و قیمت کا پتا چل جائے تو سارے کام چھوڑ کر ظلم کے پیچھے لگ جائیں۔

— مومنوں کا دل پاک زمین کی طرح ہے، اگر اس میں محبت کا بیج بویا جائے تو قسم قسم کی نعمتیں پیدا ہوتی ہیں۔

— جب تک تو سانپ کی طرح کیچلی نہ اتارے، محبت حق کے دعوے میں ممدوق نہیں ہو سکتا۔

— انسان جو کچھ بھی کرے یہی سمجھے کہ یہ سب خدا کی مرضی سے ہو رہا ہے اور اس کی اپنی ذات درمیان میں نہیں۔

— خرقہ پہن لینا آسان ہے مگر اس کا حق ادا کرنا مشکل ہے اور صرف خرقہ پہن لینے سے ہی نجات حاصل ہو سکتی تو سب لوگ خرقہ پہن لیتے۔

— اہل توکل پر ایسی گھڑی بھی آتی ہے کہ جب انھیں آگ میں ڈالا جائے یا زخمی کیا جائے تو انھیں اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی۔

— جو شخص خدا سے جتنا غافل ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ دنیا میں بدتلا ہوگا۔

— جو شخص ہمیشہ موت کو یاد رکھتا ہے، خدا ہمیشہ اس سے خوش رہتا ہے۔

— درویشیبت عاشقوں کی خوراک ہے، جس دن ان پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی اس دن انھیں فکر

لاحق ہو جاتی ہے کہ آج دوست نے یاد نہیں کیا۔ اور جب دوبارہ مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو شکر ادا کرتے ہیں کہ دوست نے یاد فرمایا۔

_____ فقیر جب جامہ پہننے تو یہ نہ سمجھنے کہ جامہ پہنا ہے بلکہ یہ سمجھے کہ کفن پہنا ہے۔
 _____ آتش عشق وہ آگ ہے جو درویش کے دل ہی میں قرار حاصل کر سکتی ہے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ

ولادت ————— اوش (ترکستان) ۵۸۳ھ

وفات ————— دہلی ۶۳۳ھ

قطب الاقطاب، پیشوائے اصحاب مجاہدہ، فخر سلاسل درویشی، کشتہ نجر تسلیم و رضا خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ العزیز اقطاب عالم اور نوادہ زمانہ میں سے تھے۔ معین الملّت والدین خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرید خاص و خلیفہ اکبر اور بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے پیرو مرشد تھے۔

نام و نسب | حضرت خواجہ قطب الدین کا اصل نام بختیار اور قطب الدین لقب تھا۔ عرف عام میں خواجہ کاکی کہلاتے تھے۔ حسینی سادات میں سے ہیں۔ سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے :

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بن سید کمال الدین بن سید موسیٰ بن سید احمد اوشی بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید اسحاق حسن بن سید معروف بن سید احمد چشتی بن سید رضی الدین بن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن حضرت نقی الجواد بن علی موسیٰ رضا علیہ السلام بن موسیٰ کاظم علیہ السلام بن حضرت جعفر صادق علیہ السلام بن محمد باقر علیہ السلام بن زین العابدین علیہ السلام بن حضرت سیدنا امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

تعلیم و تربیت | عمر مبارک دو ہمال سے کم تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گنا۔ والدہ محترمہ نے بڑی محنت سے تربیت کیا۔ پانچ سال کی عمر میں مولانا ابوحنض سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ مولانا نے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اور سلوک کے آداب طریق سکھائے۔ سیکھنے میں بہت محنت سے کام لیا۔ جب خواجہ معین الدین چشتیؒ اوش میں تشریف لائے تو ان سے بیعت کی اور سترہ سال کی عمر میں انھیں سے فرقہ خلافت بھی حاصل کر لیا۔

عبادت و ریاضت | زہد و ریاضت کی عادت بچپن ہی میں شروع ہو چکی تھی۔ خواجہ جمیری سے بیعت کرنے کے بعد عبادت

۱۔ سیر الاقطاب ص ۱۲۳ و خزینۃ الاصفیاء ص ۲۶۷

۲۔ سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ جب خواجہ صاحب اوش سے بغداد گئے اندوہاں ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں فرودکش ہوئے تو وہیں خواجہ جمیری سے شرف ملاقات حاصل ہوا اور ان سے بیعت کر لی۔ اس موقع پر شیخ شہاب الدین سروردی، شیخ احمد الدین کرمانی، شیخ بہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانی بھی موجود تھے۔

میں اور زیادہ اتھاک ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ رات دن میں قریباً سو رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے اور ہر رات تین ہزار مرتبہ درود شریف کا ورد کیا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں ایک مشہور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ شادی کی ابتدائی تین راتوں میں درود شریف کا نغمہ ہو گیا۔ چنانچہ رئیس احمد نام ایک دیندار شخص کو خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بختیار سے دریافت کریں کہ تین دن سے میں ان کی طرف سے تحفہ (درود) نہیں پہنچا۔ جب یہ پیغام خواجہ صاحب تک پہنچا تو بے تاب ہو گئے۔ اسی وقت بیوی کو طلاق دے کرخصت کیا اور دنیاوی علائق سے بالکل الگ ہو گئے۔

مشائخ سے | خواجہ صاحب نے اپنے ملفوظات میں اپنی سیاحت کا حال لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آپ غزنی ملاقاتیں | گئے تو وہاں ایک بزرگ سے ملے۔ ان کی خانقاہ میں روزانہ کئی فتوحات آتیں، مگر صبح کو جو کچھ آتا وہ غریبوں کو دے دلا کر شام تک ختم کر دیا جاتا اور جو رات کو آتا وہ رات ہی میں تقسیم کر دیا جاتا۔ یہ بزرگ اپنے پاس کچھ نہ رکھتے تھے۔ بڑا صاحب نعمت بزرگ تھے۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ بزرگ خود فرماتے تھے کہ میں نے چالیس سال تک مجاہدہ کیا، مگر کچھ نہ ہوا، پھر سونا، بلونا، کھانا اور لوگوں سے ملنا کم کر دیا تو مجھے روشنی نظر آئی اور اب عرش اور حجاب عظمت تک کی چیزیں مجھے نظر آنے لگی ہیں۔

خواجہ معین الدین چشتی سے فیض یاب ہونے کے بعد آپ بغداد تشریف لے گئے اور وہاں متعدد بزرگان دین اور اولیاء اللہ کے ہم نشین رہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ احمد الدین کرمانی سے بھی وہیں استفادہ کیا۔ آپ اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردی واقعی بہت بڑے بزرگ اور عابد و زاہد ہیں۔

خواجہ صاحب نے خواجہ ابو یوسف چشتی سے بھی ملاقات کی۔ اس ملاقات کا حال بھی اپنے ملفوظات میں بیان کیا ہے۔ ہندوستان | بیان کیا جاتا ہے کہ سیاحت کے دوران جب آپ بغداد میں تھے آپ کو خبر ملی کہ خواجہ معین الدین چشتی میں آمد | خراسان سے ہندوستان جا رہے ہیں، چنانچہ آپ بھی ہندوستان کی طرف چل پڑے۔ بعض لکھتے ہیں، کہ آپ پیر مرشد کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے پھر مرشد نے اجمیر سے دہلی جانے کا حکم دیا۔

درود دہلی | دہلی کے سفر میں آپ ملتان پہنچے اور یہاں کے مشہور شیخ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی سے ملاقات کی۔ وہ خواجہ صاحب سے بڑی شفقت سے ملے۔ خواجہ صاحب نے کچھ دن وہاں قیام فرمایا۔ بزم صوفیہ میں لکھا ہے کہ اسی اتنا میں مغلوں نے ہندوستان پر یورش کی تو ملتان کا حاکم قباچہ حضرت قطب صاحب سے فیوض و برکات کا طلبگار ہوا اور کہا جاتا ہے کہ انھیں کی کرامت سے مغل شکست کھا کر فرار ہوئے۔ ملتان سے وہ دہلی آئے اور دہلی کے قریب چلے گئے تو

سلطان شمس الدین التمش نے خدم و حشم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور ان کے قیام کا انتظام شہر کے اندر کرنا چاہا، لیکن انہوں نے کیلو کھری میں سکونت پسند کی۔ سلطان التمش ہفتہ میں دو بار ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتا تھا۔ آخر میں سلطان التمش نے عرض کی کہ شہر سے اتنی دور آنے میں سلطنت کے کاروبار میں خلل پڑتا ہے تو مجبوراً وہ شہر دہلی کے اندر فروکش ہونے پر راضی ہو گئے اور ملک عین الدین کی مسجد میں قیام فرمایا۔

شیخ الاسلام جمال الدین بسطامی کی وفات کے بعد التمش نے حضرت قطب صاحب کو ان کی جگہ پر مامور کرنا چاہا لیکن جب انہوں نے انکار کیا تو شیخ نجم الدین صغریٰ کو اس عہدہ پر مامور کیا گیا۔ شیخ نجم الدین صغریٰ حضرت خواجہ عثمان ہرندی کے مرید تھے اور بزرگواروں میں شمار کیے جاتے تھے، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین کی مقبولیت سے ان کے دل میں رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔

دہلی سے حضرت قطب صاحب نے حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں شوق ملاقات اور اشتیاق قدم بوسی کا عریضہ ارسال کیا۔ خواجہ صاحب اپنے مجور مرید کی اٹل شوق بجانے کے لیے خود دہلی تشریف لائے اور یہاں کے تمام خواہم و عوام اور مشائخ کبار ان کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ نہیں آئے تو خواجہ صاحب خود ان سے ملنے کے لیے گئے۔ انہوں نے شکایت کی کہ قطب صاحب کے ساتھ لوگوں کی گرویدگی اور فریفتگی کی وجہ سے ان کا وقار اور دبیرہ معرض خطر میں آ گیا ہے۔ شیخ الاسلام کی خاطر حضرت خواجہ صاحب نے قطب صاحب کو دہلی چھوڑ کر اپنے ساتھ اجیر چلنے کا حکم دیا۔ التمش نے بڑی منت و داری کی، لیکن حضرت خواجہ صاحب نے اس کی بات نہ مانی اور قطب صاحب کو لے کر روانہ ہو گئے۔

دہلی کے باشندوں نے قطب صاحب کو جاتے دیکھا تو عاشق زار کی طرح اہ و بکا کرنے لگے۔ جس جگہ قطب صاحب قدم رکھتے تھے وہاں کی خاک اٹھا کر تبر کا آنکھوں سے لگاتے تھے۔ خواجہ صاحب نے دہلی والوں کو قطب صاحب پر ایسا شیفتہ اور فریفتہ پایا تو ارشاد فرمایا کہ "بابا قطب الدین تم یہیں رہو تمہارے چلے جانے سے دہلی کے لوگوں کا دل خراب و کباب ہے گا مجھ کو یہ منظور نہیں، چنانچہ آخر وقت تک وہ دہلی ہی میں مقیم رہے۔"

مرشد کی وفات سے قبل خواجہ صاحب دہلی سے اجیر گئے اور شرف ملاقات حاصل کیا۔

قطب صاحب اور التمش! التمش کو خواجہ صاحب سے جو عقیدت تھی اس کا شاہی دربار پر بہت اچھا اثر پڑا اور ملک بھی اس اثر سے محروم نہ رہا، کیوں کہ خواجہ صاحب بادشاہ کو اپنی رعایا، فقراء اور درویشوں کے ساتھ جس حسن سلوک کی تلقین کرتے رہتے تھے، التمش اس پر کار بند رہتا تھا۔ التمش خود بھی بڑا عابد و زاہد تھا۔ نماز روزے کا سختی سے پابند تھا۔

اسلام کے ارکان ہمیشہ بجا لاتا رہا۔ بادشاہ ہونے کے باوجود اپنے بیشتر کام خود کرتا تھا اور نوکروں کو تکلیف نہ دیتا تھا۔ رات کو بھیس بدل کر رعایا کی تکلیف معلوم کرتا اور ان کا ازالہ کرتا۔ غربا اور حاجت مندوں کو مالی مدد دیتا۔ عدل و انصاف کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتا۔ آفتاب کی اس نیک نفسی کے باعث لوگ اس کی بہت عزت کرتے تھے۔ خواجہ صاحب اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ ایک رات بادشاہ میرے پاس آیا اور میرے پاؤں پکڑ لیے۔ میں نے پوچھا مجھے کب تک تکلیف دیتے رہو گے جو ضرورت ہو بیان کرو۔ کہنے لگا، اللہ تعالیٰ نے مجھے بادشاہی دی ہے، لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی اور اس کا حساب مانگا جائے گا تو اس وقت بھی آپ مجھے نہ چھوڑیں۔ وہ اس وقت تک واپس نہ گیا، جب تک میں نے اس کی بات قبول نہ کر لی۔

استغنا اور بادشاہ کی اس قدر ارادت کے باوجود خود خواجہ صاحب کے گھر میں ہمیشہ فقر و فاقہ ہی ہوتا آپ کے اہل خانہ صبر و تحمل بھی عسرت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ بعض اوقات پڑوسیوں سے قرض لے کر گزارا کرتا پڑتا۔ اس نادر پر بھی جو دوسرا عالم تھا کہ جو کچھ لنگریں اتا فوراً دوسروں میں تقسیم کر دیتے۔

ایک مرتبہ شاہی صاحب اختیار الدین ایک خدمت میں آیا اور کچھ گاؤں آپ کے لیے وقف کرنے کی خواہش ظاہر کی مگر آپ نے اُسے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ آفتاب کی وزیر نے بھی ایک مرتبہ اسی قسم کی خواہش کا اظہار کیا، مگر آپ نے فرمایا ہمارے خواجگان نے کسی سے گاؤں قبول کیے ہوتے تو ہم بھی قبول کر لیتے۔ اگر ہم یہ گاؤں لے لیں تو قیامت کے دن اپنے خواجگان کو کیا منہ دکھائیں گے۔

سماع | آپ کو سماع سے بہت رغبت تھی۔ اکثر سماع کی مجلسیں منعقد کرایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی آپ قاضی حمید الدین ناگوری کے یہاں ایسی مجلسیں منعقد کرتے۔ ایک روز سماع کی ایک مجلس میں یہ شعر پڑھا گیا۔

سرود چسیت کہ چند میں فسوں عشق دروست
سرود محرم عشقت و عشق محرم اوست
خواجہ صاحب پر اس شعر نے عجیب کیفیت پیدا کر دی۔ سات دن رات تک بے ہوش رہے۔ نماز کے وقت ہوش آجاتا اور نماز ادا کرنے کے بعد پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی۔ سماع ہی کے باعث وصال ہوا۔

وفات | وصال کی کیفیت یہ تھی کہ ایک مرتبہ شیخ علی سجستانی کی خانقاہ میں محفل سماع منعقد تھی۔ خواجہ صاحب اس میں موجود تھے۔ قوالوں نے شیخ احمد جام کا قصیدہ سنایا۔ جب یہ شعر پڑھا۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است
خواجہ صاحب پر یہ شعر سنتے ہی وجد طاری ہو گیا اور تڑپنے لگے۔ اسی حالت میں شیخ حمید الدین ناگوری اور مولانا بدرالدین غزنوی انہیں گھرتک لے گئے۔ تین دن اور تین رات وجد کی حالت طاری رہی، نماز کے وقت ہوش آجاتا تو دہن

کر کے نماز ادا کرتے، پھر اسی عالم میں چلے جاتے، یہاں تک کہ وفات پا گئے۔
 وفات کے وقت سر مبارک خواجہ حمید الدین ناگوری کے زانو پر تھا اور پاؤں شیخ بدر الدین غزنوی کی آغوش میں سلطان
 الشمس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وفات سے کچھ دن قبل عید کی نماز سے فارغ ہو کر گھر واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ایک مقام
 پر پھٹ گئے، فرمایا یہاں سے عشق کی بو آتی ہے۔ چنانچہ وہ زمین آپ نے خرید لی، اسی خطہ زمین پر آپ کا روضہ مقدس تعمیر ہوا۔
تصانیف آپ کی طرف دو کتابیں منسوب کی جاتی ہیں؛ ایک دیوان ہے اور دوسری کتاب کا نام فوائد السالکین ہے۔
 مؤخر الذکر کتاب میں آپ کی سات مجلسوں کے ملفوظات ہیں جنہیں حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر نے جمع کیا ہے۔ اس میں
 سالک کے لیے تمام ضروری باتیں درج ہیں۔

اس کتاب سے آپ کی جن تعلیمات کا پتا چلتا ہے وہ یہ ہیں کہ سالک کو پیٹ بھر کر نہیں کھانا چاہیے، بلکہ صرف عبادت
 کی قوت قائم رکھنے کے لیے ضرورت کے مطابق کھایا جائے۔ دکھاوے کے لیے لباس پہننے والا راہ سلوک کا بہترن ہے۔ کم بولنا
 کم سونا، آرائش دنیوی سے پاک رہنا ہر سالک کے لیے لازم ہے۔ پھر فرماتے ہیں سالک کو ہر وقت محبت الہی میں غرق رہنا چاہیے
 سکر میں اس کی حالت ایسی ہو کہ اس کے سینہ میں زمین و آسمان بھی داخل ہو جائیں تو اسے خبر نہ ہو۔ جو کچھ دوست کی جانب سے
 ملے اسے نعمت غیر مقررہ جان کر لے لینا چاہیے۔

خواجہ صاحب نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ اسرار الہی پوشیدہ رکھے جائیں۔ فرمایا راہ سلوک میں حوصلہ و وسیع
 ہونا چاہیے تاکہ اسرار فاش نہ ہونے پائیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں مدت تک اپنے پیرو مشد کی صحبت میں رہا مگر کبھی اسرار الہی فاش
 نہیں ہونے دیے۔ یہ بھی فرمایا کہ سالک کے لیے شریعت کی پابندی ازلیس ضروری ہے، خواہ وہ سکر یا کسی بھی حالت میں ہو۔
خلقاء آپ کے خلفا بہت سے ہیں، جو مختلف مقامات پر رشد و ہدایت کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور لوگوں کی مذہبی اور
 اخلاقی حالت کو سدھارنے کا کارِ عظیم انجام دیا۔ حضرت جلال الدین تبریزی نے بنگال میں رہ کر بہت سے غیر مسلموں کو حلقہ بگوش
 اسلام کیا، مسجد تعمیر کرائی اور خانقاہ قائم کر کے وسیع پیمانے پر اسلام کی نشر و اشاعت کی۔ خلقاء کے نام یہ ہیں:

شیخ فرید الدین گنج شکر (پاک پٹن)	شیخ احمد تامی (بینی)
شیخ بدر الدین غزنوی (دہلی)	شیخ حسین
شیخ برہان الدین بلخی	شیخ فیروز
شیخ ضیاء الدین رومی (دہلی)	شیخ بدر الدین مومنتاب (دہلی)
شمس الدین الشمس (دہلی)	شاہ خضر قلندر
شیخ بابا بھری بھریا (دہلی)	شیخ نجم الدین قلندر
مولانا فخر الدین صحرانی (حلاوتی)	شیخ سعد الدین

شیخ صفی بدھن
شیخ جلال الدین ابوالقاسم تبریزی
شیخ نظام الدین ابوالموید (دہلی)
شیخ تاج الدین منور اوشی

شیخ محمود بہاری
مولانا محمد جاجری
سلطان نصیر الدین غازی
قاضی حمید الدین ناگوری (دہلی)
مولانا شیخ محمد

مولانا سعید

قاضی حمید الدین | خواجہ صاحب نے اپنے ملفوظات "فوائد السالکین" میں حضرت حمید الدین ناگوری کو اپنے "یار غار" کے نام سے یاد کیا ہے۔ سیرالاقطاب میں لکھا ہے کہ حضرت حمید الدین خواجہ صاحب کے استاد تھے اور خواجہ صاحب نے انھیں سے علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی تھی۔

حضرت حمید الدین ناگوری کا اصل نام محمد تھا۔ آپ نے پہلے شہاب الدین سروردی سے شرفیعت حاصل کیا پھر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے گھرے مراسم ہو گئے اور کئی سفروں میں ان کے ساتھ رہے۔ خواجہ صاحب کی اجازت سے مدینہ منورہ گئے۔ وہاں سال سے زیادہ عرصہ تک روضہ نبوی کے مجاور رہے۔ وہاں سے مکہ معظمہ گئے تین سال تک وہاں رہے۔ پھر التمش کے زمانہ میں اٹے اور خواجہ صاحب کے ساتھ رہنے لگے۔ وفات کے بعد خواجہ صاحب کے پہلو میں دفن ہوئے۔

قطب الاقطاب | حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا مزار اقدس جامع مسجد دہلی سے گیارہ میل دور پرانی دہلی میں قصبہ کا آستانہ عالیہ (جہاں قطب مینا رہے) میں واقع ہے۔ یہ قصبہ عام طور پر قطب صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں بہت سے اولیاء اللہ دفن ہیں۔ یہ جگہ دہلی کی سب سے قدیم زیارت گاہ ہے، جہاں لوگ سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں۔ برسات کے دنوں میں یہاں زائرین کی خاصی چہل پہل ہوتی ہے۔

خواجہ صاحب کا مزار کھلا ہوا اور کچا ہے۔ بہت چوڑا چکلا ہے۔ اس کے چاروں طرف نواب خورشید جاہ حیدر آبادی کا بنوایا ہوا سنگ مرمر کا جالی دار کٹھرا لگا ہوا ہے۔ جسے ۱۹۴۷ء کے قتل عام میں ہندوؤں نے غارت کر دیا، پھر گاندھی جی کی مداخلت سے دوبارہ بنا۔ مزار ہموار نہیں ہے اس میں اونچے نیچے نشانات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے خود مٹی کی ٹوکریاں یہاں ڈالی تھیں اور اس مٹی کو ہموار نہیں کیا تھا۔

اس مزار کے غرب میں ایک اونچی دیوار ہے جس پر رنگین پھولدار چینی لگی ہوئی ہے یہ دیوار حضرت کے زمانے کی ہے کیونکہ شیر شاہ سوری کے زمانے میں ایسی چینی استعمال نہیں ہوتی تھی جس نے یہاں عمارت بنوائی تھیں۔

حضرت کے مزار کے چاروں طرف بہت بڑا صحن ہے اور وہاں بے شمار چھوٹی چھوٹی قبروں کے نشان ہیں اور حضرت کے سرانے گوشہ غرب اور شمال میں ایک بڑا مزار ہے اور اس کے پاس بھی پرانے زمانے کی چینی کی ایک محراب ہے حضرت کے مزار کے پائیں ایک اونچا چبوترہ ہے جس پر حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کا مزار ہے۔ سیرالاولیا سے معلوم ہوتا ہے کہ

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کو حضرت خواجہ صاحب کے پائیں دفن کیا جائے مگر قاضی صاحب کے لڑکے اس کو باپ کی توہین سمجھتے تھے، اس واسطے انھوں نے حضرت کے پائیں ایک اونچا چبوترہ بنایا اور اس کے اوپر حضرت قاضی صاحب کو دفن کیا۔ سیرا اولیا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب نے اپنے لڑکوں سے خواب میں فرمایا تم نے مجھے اونچے چبوترے پر دفن کر کے حضرت کے سامنے شرمندہ کر دیا۔

حضرت کے مزار کے شرق اور گوشہ جنوب کی طرف سنگ مرمر کی جالیاں اور دروازہ مغل شہنشاہ فرخ سیر نے بنوایا تھا۔ جالیوں کے باہر مشرق کی طرف حضرت کی پرانی مسجد کی غریب دیوار کے نیچے حضرت مولانا فخر الدین چشتی نظامی مجدد سلسلہ نظامیہ کا مزار ہے اور لگایا جاتا ہے کہ یہ مسجد بھی حضرت کے زمانے کی ہے۔ اس مسجد کا صحن بہت چھوٹا تھا کیوں کہ پرانے زمانے کے حجرے وہاں بنے ہوئے تھے اور وہ حجرے ہٹا کر صحن بڑا کر دیا گیا ہے اور گوشہ مشرق و جنوب میں جو ایک بڑی باؤلی مغلوں کے زمانے میں بنائی گئی تھی اب اس کو بھی پاٹ کر مسافروں کے لیے مکانات بنا دیے ہیں اور ان مکانوں کی چھت مسجد کے صحن کا کام دیتی ہے۔ مسجد کے جنوب میں درگاہ کا مجلس خانہ ہے جہاں قوالی ہوتی ہے اور مجلس خانے کے شمالی صحن میں صدیا مزارات ہیں جن میں مسیح الملک حکیم اجل خان کے دادا حکیم محمد شریف خاں کا مزار بھی ہے اور حضرت مولانا فخر الدین کی اولاد میاں قطب الدین صاحب اور میاں نصیر الدین کالے صاحب وغیرہ کے مزارات بھی ہیں۔

حضرت کے مزار شریف کے غرب میں چینی کی دیوار کے باہر مغلوں کی بنوائی ہوئی سنگ مرمر کی موتی مسجد ہے اور اس کے جنوب میں شہنشاہ عالم اور شہنشاہ اکبر ثانی کی قبریں ہیں اور ان قبروں کے غرب میں باہر نکل کر آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ کا بنوایا ہوا شاندار محل ہے جس کو مغلوں کی آخری عمارت کہنا چاہیے؛ کیونکہ اس کے بعد انھوں نے کوئی عمارت نہیں بنوائی۔ یہاں پرانے زمانے کی متبرک یادگاروں میں اولیا مسجد، حوض شمسی، اور بے شمار مسجدیں اور قبرستان ہیں۔ حضرت کی اولاد میں اب کوئی باقی نہیں ہے۔ اس درگاہ میں جتنے لوگ ہیں وہ یا خدام ہیں یا قاضی زادگان ہیں ان میں بھی حضرت کے وقت سے آج تک کوئی شخص ایسا سننے میں نہیں آیا نہ کسی کتاب میں اس کا ذکر دیکھا، جس نے حضرت کے روحانی مشن کو ترقی دینے کی کوشش کی ہو۔

مغل حکومت کے زوال کے عقلی اسباب بے شمار ہیں، مگر روحانی سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے بعد جب مغلوں نے عیاشی پر کمر باندھ لی تو اس مقدس مقام کو اپنی عیاشیوں کا مرکز بنالیا تھا۔ برسات کے موسم میں وہ اپنے عیش خانوں کو ساتھ لے کر یہاں آتے تھے اور شرمناک عیاشیاں کرتے تھے، انھوں نے حوض شمسی سے پانی کی ایک موری نکالی تھی اور پہاڑوں میں ایک جھرنہ بنایا تھا، جہاں آموں کے درخت ہیں وہاں ان کی عورتیں جھولے ڈالتی تھیں اور عیش کرتی تھیں۔ مغلوں نے پرانے مقبروں اور مسجدوں کی عزت اور حرمت اور حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا اور وہ ان مقدس مزارات اور پاک مقبروں اور پاک مسجدوں کے اندر برسات میں زہ کر عیش و عشرت کرتے تھے۔ انھوں نے ولی کے ہندو مسلمانوں

کے لیے بھی ایک میلہ مقرر کیا تھا جو برسات کے موسم میں ہوتا تھا اور جس کو پھول والوں کی سیر کہتے تھے اور جو اب بھی ہوتا ہے۔
الغرض مغلوں کی ان بے ادبوں اور گستاخیوں اور عیاشیوں نے ان کو بھی تباہ کر دیا اور ان کی سلطنت بھی برباد کر دی۔

سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان قطب الدین خلجی کے عالی شان مقبرے قطب مینار کے غرب میں تھے ان کو توڑ کر ان کا سفید پتھر اودھ کے نوابوں کے مورث اعلیٰ منصور علی خاں، صفدر جنگ کے مقبرے میں لگا دیا گیا اور خلجیوں کی قبریں بالکل نیست و نابود کر دی گئیں جن کو لاسٹڈ کرزن کے زمانے میں بنوایا گیا۔

حضرت خواجہ صاحب قطب صاحب کے رہنے کا مکان حویلیوں کے نام سے اب بھی موجود ہے۔ قطب مینار سے شرق میں قلعہ تغلق آباد کی طرف جاتے ہوئے لپ سڑک دائیں ہاتھ کو یہ حویلی موجود ہے، تابوتی چھتوں کی دو تین کو ٹھہریاں ہیں اور کوئی عمارت وہاں نہیں ہے۔

اس درگاہ اطراف میں میلوں تک ہزاروں لاکھوں قبریں ہیں۔ قلعہ لال کوٹ کے غرب میں شمس الدین التمش کی بنائی ہوئی پرانی عید گاہ بھی ہے اور حوض شمسی کے کنارے بہت سی پرانی خانقاہوں کی عمارتیں کھنڈروں کی صورت میں بڑی ہیں اور اس حوض کے کنارے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مزار بھی ہے۔

حضرت کے نام کے ساتھ کاکی کا لفظ شروع سے استعمال ہوتا آرہا ہے۔ تاریخوں میں اس کی بہت سی وجوہ بیان کی گئی ہیں، لیکن کاکی لفظ کی یادگار اب بھی موجود ہے۔ یہی حضرت کی درگاہ سے جو تبرک تقسیم ہوتا ہے اس کو کاک کہتے ہیں۔ یہ مین انچ کی ایک گول اٹے کی بکی ہوئی ٹکیر ہوتی ہے، جس کے چاروں طرف پاؤ پاؤ انچ اونچے کنارے ہوتے ہیں۔ یہ کاک تنور میں پکائے جاتے ہیں۔ معمولی قسم کے کاک اٹے میں نمک ڈال کر پکاتے ہیں اور بڑھیا قسموں میں گھی اور مٹھاس بھی ملاتے ہیں اور ان کاکوں کے اوپر حلوہ بھی رکھا جاتا ہے۔ پرانے زمانے کی روٹیوں میں یا غذاؤں میں کاک بھی ایک قسم کی غذا تھی یا ایک قسم کی روٹی تھی، جس کا ذکر تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ پس حضرت کے نام کے ساتھ کاکی کا استعمال ممکن ہے اس وجہ سے ہوا ہو کہ حضرت اس قسم کی روٹی مسافروں اور فقیروں کو تقسیم کرتے ہوں گے۔

چند اقوال و قطب صاحب کے چند اور اقوال و ارشادات حسب ذیل ہیں :

ارشادات — یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی الالٹس نفسانی بھی رکھے اور خدا کی بارگاہ میں باریاب بھی ہو۔

جو درویش خالق کے لیے نہیں بلکہ خلق کے لیے عمدہ لباس پہنے وہ راہ سلوک کا بہترین ہے اور جو نفس کے لیے اچھا کھانا کھائے وہ جھوٹا اور خود پرست ہے۔ جو امراتہ کے ساتھ بیٹھتا ہے وہ مرتد طریقت ہے اور جو نفس کے لیے خوب سوتا ہے اسے اس نعمت سے کچھ نہیں ملا۔

جو اولیا اسرار الہی کو ظاہر کر دیتے ہیں وہ غلبات شوق سے مجبور ہو کر ایسا کرتے ہیں اور بعض پختہ اولیا کسی حال میں بھی مجبور کو ظاہر نہیں کرتے۔ پس سالک کا حوصلہ وسیع ہونا چاہیے تاکہ اسرار الہی کو پوشیدہ رکھے۔

عارف وہ ہے کہ عالم اسرار سے اس میں ہزار ہا اسرار ہر وقت پیدا ہوتے رہیں اور وہ عالم شکر میں رہے۔۔۔ اس عالم میں اٹھارہ ہزار عالم بھی اس کے سینے میں ڈال دیے جائیں تو بھی اسے خبر نہ ہو۔

اہل معرفت کے نزدیک بلائے دوست رضائے دوست ہے۔

وہ اولیا جو ابتدائے مرتبہ ہی میں حال کو ظاہر کر دیتے ہیں انہیں کامل نہیں کہا جاسکتا، بلکہ کامل وہ ہیں جو تمام مراحل طے کرنے تک کسی بات کو ظاہر نہیں کرتے۔

راہِ درویشی چلنا اور بات ہے اور ذخیرہ جمع کرنا اور بات ہے۔ یادرویش بن یا ذخیرہ جمع کر۔

درویش کا فائدہ اس کے اختیار میں ہے اور دنیا اسے دی گئی ہے کہ جس طرح چاہے خرچ کرے۔ وہ اپنے لیے بھی خرچ

کر سکتا ہے، مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ دوسروں کو دیتا ہے اور خود فاقہ کرتا ہے جس سے اس کے کام میں ترقی ہوتی ہے۔

جو محبت کا دعویٰ کرے اور مصیبت کے وقت چلائے وہ جھوٹا ہے۔

انسان کے لیے بڑی صحبت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

اگر ابگیر ایک خاص راستے پر چلتا رہے اور یقین کامل اور امید کمال رکھے تو وہ ضرور درجہ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

بزرگوں کی مجلس میں جہاں جگہ پاؤ وہیں بیٹھ جاؤ۔

چار چیزیں گوہر نفس ہیں: درویشی جو تو نگری دکھائی دے۔ بھوک جو سیری نظر آئے۔ غم جو خوشی نظر آئے اور باوجود

دشمنی کے دوستی کا برتاؤ۔

دشمن انسان کو چاہیے کہ جس چیز سے تو بر کرے اسے ہمیشہ اپنا دشمن جانے۔

جب تک کوئی شخص دنیا میں مشغول رہتا ہے وہ خدا رسیدہ نہیں ہو سکتا۔

درویش کو راہِ سلوک میں روزانہ ایک لاکھ بھوکوں سے گزرنا چاہیے پھر بھی قدم آگے ہی بڑھتا رہے۔

شیخ کے دل میں اتنی قوت اور صحت ضمیر ہونی چاہیے کہ اپنے مرید کے سینہ کے زنگار اور اس کی الودگی اور آرائش

دنیا کو اپنی باطنی قوت سے پاک کر دے، تاکہ اس میں کوئی دغا، فریب، کھوٹ، حسد، برائی یا کدورت باقی نہ رہے

پھر اسے معرفت کے اسرار سے آگاہ کرے اگر یہ نہ ہو تو پیر و مرید دونوں گمراہی کے راستے پر ہیں۔

دعا و قسم کی ہوتی ہے نیک و بد کسی کے حق میں بددعا نہ کرنی چاہیے۔ نیک دعا بہت اچھی ہے خصوصاً وہ جو بزرگوں کی زبان سے نکلتی

بیعت دوبارہ ہو سکتی ہے، یعنی اگر کوئی شخص بیعت سے پھر جائے یا اس کی توہر میں شرک پڑ جائے تو اسے سب سے بیعت کر لینی چاہیے

مرید کو اپنے پیر کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں میں یکساں خدمت کرنی چاہیے۔ یعنی جس طرح اس کی زندگی میں خدمت

کرتا تھا اسی طرح اس کی وفات کے بعد بھی اس کی خدمت کرے، بلکہ اس سے زیادہ کرے۔

حضرت خواجہ عزیزاں علی رامینی

ولادت _____ رامین (بخارا) ۵۹۱ھ

وفات _____ خوارزم ۷۲۱ھ

قطب الاقطاب صاحب اسرار و کرامات حضرت خواجہ عزیزاں علی رامینی رحمۃ اللہ علیہ شریعت و طریقت میں کامل اور مشائخ وقت میں بڑا اور نچادر جبر رکھتے تھے۔ شیخ محمود انجیر فغنوی کے خلیفہ اعظم اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے منسلک تھے۔ شیخ علاء الدولہ سمغانی کے ہم عصر تھے اور ان کے ساتھ آپ کی خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔ عزیزاں آپ کا لقب تھا۔ آپ بافندی کا کام کرتے تھے، اسی پیشے سے روزی کماتے۔ جب بخارا سے خوارزم کو گئے تو اپنے آدمیوں کے ذریعہ بادشاہ وقت خوارزم شاہ کو پیغام بھیجا کہ فقیر بافندی آپ کے شہر کے دروازے پر کھڑا ہے اور اجازت چاہتا ہے کہ شہر میں داخل ہو کر یہاں سکونت اختیار کرے۔ آپ نے پیغام لے جانے والوں سے کہہ دیا تھا کہ اگر بادشاہ اجازت دے دے تو اس سے اس امر کی تحریر لکھو الا نا۔

بادشاہ نے یہ پیغام سنسی میں اڑا دیا۔ وزیر اور اعیان سلطنت نے بھی اسے کوئی اہمیت نہ دی تاہم ایک کاغذ پر اجازت نامہ لکھ کر خواجہ صاحب کے آدمیوں کے حوالے کر دیا۔ وہ اسے لے کر خواجہ صاحب کے پاس آئے اور خواجہ صاحب شہر میں داخل ہو گئے۔ وہیں سکونت اختیار کر لی اور رشد و ہدایت کا کام انجام دینے لگے۔

شہر سے جو لوگ محنت مزدوری کے لیے وہاں سے گزرتے، آپ انھیں بلا کر اپنی خانقاہ میں لے جاتے، وضو کراتے اور نماز پڑھاتے، ذکر و فکر میں اپنے ساتھ شریک کرتے، پھر سارے دن کی مزدوری دے کر رخصت کر دیتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کو اس جگہ سے دلچسپی ہو گئی۔ کئی آدمی وہاں آکر عبادت کرنے لگے۔ انھیں اس کی اجرت بھی مل جاتی اور اس طرح ٹھوڑے ہی دنوں میں بہت سے عقیدت مند آپ کے گرد جمع ہو گئے، جن کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ کسی نے بادشاہ تک خبر پہنچا دی کہ ایک درویش یہاں آئے ہوئے ہیں انھوں نے بہت سے لوگوں کو اپنے گرد جمع

حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی خواجہ محمد عارف ریوگری کے مرید و خلیفہ تھے۔ خلوت و جلوت میں ان کے دمساز تھے۔ وقت کے مشائخ میں بہت اور نچادر جبر رکھتے تھے۔ کمالات ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ آپ کا پیشہ گل کاری تھا۔ ذکر با بھر کے قائل تھے۔ آپ کا وطن انجیر فغنوی تھا جو بخارا سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ آپ اسی مقام پر پیدا ہوئے۔ ۱۰ ربیع الاول ۷۲۱ھ میں وفات پائی۔ مزار پڑاؤ راقصہ و اچکنے میں ہے جو بخارا کے قریب واقع ہے۔

کر رکھا ہے۔ ایسا نہ ہو کوئی آفت آجائے۔ بادشاہ نے خبر سن کر محتاط ہو گیا اور حکم دیا کہ درویش کو شہر سے نکال دو۔
خواجه صاحب نے اپنے انھیں آدمیوں کو جو پہلی مرتبہ بادشاہ کے دربار میں گئے تھے دوبارہ بادشاہ کے پاس اس
کی تحریر دے کر بھیجا۔ وہ گئے اور خوارزم شاہ کو وہ پروانہ دکھایا، جس پر اس نے خواجه صاحب کو شہر میں رہنے کی اجازت
دی تھی اور اس پر اپنے دستخط کیے تھے۔ خوارزم شاہ پر وانیہ دیکھ کر شرمندہ ہوا۔ اور پہلا حکم منسوخ کر دیا۔ پھر یہ نفسِ نفسِ خواجه صاحب
کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کے جاں نثاروں میں شریک ہو گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے ہاں کوئی مہمان آیا۔ گھر میں کچھ نہ تھا جو اسے پیش کیا جاتا۔ آپ پریشانی کی حالت
میں گھر سے باہر نکلے۔ ناگاہ ایک شخص نظر آیا جو سر پر ایک برتن میں پلاؤ لیے جا رہا تھا۔ اس نے آپ کو دیکھ کر پلاؤ آپ کی
خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ بہت خوش ہوئے اور اسے لاکر مہمان کے سامنے رکھ دیا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔
فارغ ہونے پر آپ اس شخص سے مخاطب ہوئے اور پوچھا ناگو کیا مانگتے ہو۔ اس نے کہا میری خواہش یہ ہے کہ آپ
جیسا ہو جاؤں اس کے علاوہ اور کوئی خواہش نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بڑی مشکل بات ہے۔ وہ کہنے لگا مجھے تو اس کے سوا اور
کچھ نہیں چاہیے۔ آپ نے فرمایا تم اس کے متحمل نہ ہو سکو گے۔ جب اس کا اصرار جاری رہا تو آپ نے اس کی طرف نظر کریم کی
جس کے اثر سے وہ صاحب باطن ہو کر درجہ کمال کو پہنچا، مگر صرف چالیس دن تک زندہ رہا۔

ایک مرتبہ شیخ علاء الدین سمنانی نے آپ کو لکھا کہ میں اور تم دونوں فقیر کہلاتے ہیں مگر لوگ آپ سے راضی ہیں اور مجھ سے
ناخوش۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا خدمت کر کے احسان جتانے والے بہت ہیں، آپ خدمت کر کے احسان
ماننے والے نہیں، پھر کوئی آپ کی غیبت نہ کرے گا۔

آپ کے دو بیٹے تھے، اور یہ دونوں عارف کامل تھے۔ بڑے کا نام خواجه محمد اور چھوٹے کا نام خواجه ابراہیم تھا۔ آپ
نے چھوٹے لڑکے کو خلافت عطا فرمائی۔ بڑے لڑکے نے خواجه صاحب کی وفات کے چالیسویں دن وفات پائی۔ خواجه صاحب
خود ۱۲۱۰ھ میں خوارزم میں فوت ہوئے۔

آپ کے ارشادات میں سے چند ایک یہ ہیں:

فرماتے ہیں آدمی کو چاہیے کہ عمل کرے اور سمجھے کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ فرمایا دو موقعوں پر بڑی احتیاط سے کام لینا
چاہیے، بات کرتے وقت کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور کھانا کھاتے وقت کہ کیا کھا رہے ہو۔

فرمایا سالک کو منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے بڑی محنت و ریاضت کی ضرورت ہے، لیکن نزدیک ترین
راستہ یہ ہے کہ اہل دل کے دل میں جگہ پیدا کرے، کیوں کہ ان کے دل حق تعالیٰ کی نظر کی جگہ ہے اور ان کے دل پر نظر
کرنے والا بھی ضرور حصہ پائے گا۔

فرمایا مرد کو چاہیے کہ چڑیاں پالنے والے کی طرح ہو۔ جو پرند کا حوصلہ (پوٹا) دیکھ کر اسے غذا دیتا ہے۔ مرشد کو بھی اپنے

مردوں کی تربیت ان کی استعداد کے مطابق کرنی چاہیے۔

فرمایا اس زبان سے دعا کیا کرو جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو، کسی نے پوچھا حضرت وہ کون سی زبان ہے۔ فرمایا دوستان خدا کے سامنے تواضع و نیاز مندی ظاہر کرو تاکہ وہ تمہارے حق میں دعا کریں۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ ذکر کثیر جس کا ذکر آیت اذکر واللہ ذکراً کثیراً میں آیا ہے۔ زبانی ذکر ہے یا قلبی۔ فرمایا مبتدی کے لیے زبانی ہے اور منتہی کے لیے قلبی۔ کیوں کہ مبتدی تکلف میں جان لڑاتا ہے اور منتہی نے جہاں دل میں ذکر کیا اس کے سارے اعضاء ذکر میں لگ جاتے ہیں۔

کسی نے پوچھا ایمان کیا ہے؟ فرمایا توڑنا اور جوڑنا۔

مندرجہ ذیل پانچ رباعیاں آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں:

نفس مرغ قید در درون است	نگہدارش کہ خوش مرغی است و مساز
زیابیش بند نگیل تا نہ پرد	کہ نتوانی گرفتن بعد پرواز
باہر کہ نشستی و نشد جمع دولت!	وز تو نہ بمید ز حمت آب گلت
از صحبت وے اگر تیرا کنی	ہرگز ننگند روح عزیزاں بکلت
بے چارہ دلہم کہ عاشق روئے تو بود	تا وقت صبح دوش در کوئے تو بود
چو گان سر زلف تو از حال پر حال	مے بروش و ہمچنان یکے گوئے تو بود
چوں ذکر بدل رسد دولت دور کند	ان ذکر ترا از زیستن فرو کند
ہر چہ کند کہ خاصیت آتش دارد	لیکن در جہاں بر دل تو سر و کند
خواہی کہ بحق رسی بیارام اے تن	داندر طلب دوست بیارام اے تن
خواہی کہ اندر از روح عزیزاں خواہی	یا از سر خود ساز و بیارام اے تن

آپ کے خلفائے خواجہ محمد بابا سماسی بڑے پالے کے بزرگ نزرے ہیں۔ ان کا مولد و مسکن سماں تھا جو قصبہ رامپتن سے ایک کوس اور بنجارا سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک مقام ہے۔ خواجہ محمد بابا ۱۰۔ جمادی الاول ۱۰۵۵ھ میں فوت ہوئے ان کا مزار مبارک سماں میں ہے۔

آپ اولیائے نامدار اور اولیائے کبار میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کی ولادت پر ان کے جد امجد انھیں حضرت بابا سماسیؒ کی خدمت میں لے گئے تھے۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا تھا یہ میرے فرزند ہیں پھر اپنے ساتھ لیا سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا یہی وہ مرو ہے جس کی خوشبو مجھے آیا کرتی تھی۔ پھر آپ نے اپنے خلیفہ سید امیر کلال کو حکم دیا کہ ان کی تربیت میں دریغ نہ کرنا۔

حضرت شیخ اوحمد الدین کرمانیؒ

وفات _____ بغداد ۵۶۳ھ

حضرت شیخ اوحمد الدین کرمانیؒ اپنے وقت کے اجل علما اور بڑے صاحب کمال اولیاء اللہ میں سے تھے۔ لوگوں سے زیادہ میل جول نہ رکھتے تھے ہر وقت باطنی صفائی اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ شیخ رکن الدین سنجاسیؒ کے مرید تھے۔ شیخ رکن الدین سنجاسیؒ حضرت شیخ قطب الدین بہری کے مرید تھے اور انھیں شیخ ابوالنجیب سرورویؒ کی مریدی کا شرف حاصل تھا۔

اُپ کے سن ولادت کا علم نہیں ہو سکا۔ ابتدا میں خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز سے بھی ان کے قیام بغداد کے دوران فرقہ و خلافت حاصل کیا۔ چنانچہ خواجگان چشت کے ملفوظات میں اس بات کا ذکر آیا ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے جلسوں میں سے تھے اور اپنے زمانہ کے بہت بلند مرتبت بزرگ تھے۔ شیخ ابن عربی نے اپنی کتابت کبیرہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور نفحات الانس میں ان کی زبانی یہ واقعہ نقل ہے کہ میں ایام جوانی میں اپنے شیخ حضرت کن الدین سنجاسیؒ کی خدمت بابرکت میں رہا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ان کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ شیخ عمادیؒ میں تشریف فرما تھے اور انھیں سپٹ میں درد ہو رہا تھا۔ دوران سفر ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں شفاخانہ موجود تھا۔ میں پیر و مرشد سے درخواست کی کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں شفاخانے میں جا کر آپ کے لیے دوا لے آؤں شاید اللہ تعالیٰ اس سے آپ کو صحت دے دے۔ حضرت شیخ نے میری خواہش کا پاس کرتے ہوئے اجازت دے دی۔ میں شفاخانے میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ نیمہ میں ایک شخص بیٹھا ہے اور چاروں طرف ملازم کھڑے ہیں۔ اس شخص کے سامنے ایک شمع جل رہی تھی اس نے مجھے نہ پہچانا مگر مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور میرے سامنے آ کر دونوں ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگا، کیا چاہیے؟ میں نے اپنے پیر و مرشد کی بیماری کی کیفیت بیان کی۔ وہ سن کر دوا لے آیا اور مجھے دے کر ساتھ ہی خود بھی میرے ہمراہ باہر آ گیا۔ نوکر کو حکم دیا کہ شمع لے کر میرے آگے آگے چلے۔ مجھے ڈر محسوس ہوا کہ پیر و مرشد مجھے اس حالت میں دیکھ کر ناخوش نہ ہو جائیں؛ اس لیے میں سمجھا بھجا کر ملازم کو واپس کر دیا اور خود جا کر وہ دوا شیخ کی خدمت میں پیش کی اور دوا دینے والے نے جس طرح میری عزت اور احترام کیا تھا، وہ سب شیخ سے بیان کر دیا۔ وہ متبسم ہوئے، فرمایا اے فرزند! جب میں نے تیرا اضطراب دیکھا تو تجھے دوا لانے کی اجازت دے دی، لیکن جب تو ہمیں پہنچا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ شخص اس علاقے کا نہیں ہے تیری طرف التفات نہ کرنے کا تو تو شرمندہ ہوگا۔ اس لیے میں اپنے مکان سے جدا ہو کر اس کی صورت میں تشکل ہوا اور اس کی

جگہ بیٹھ گیا۔ جب تو آیا تو میں نے تیرا احترام کیا بعد ازاں جو کچھ تجھ پر گزرا وہ سب تجھے معلوم ہی ہے۔

شیخ علاء الدین سمنانی پہل مجلس میں فرماتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین عمر سرور دمی آپ کو بتدرع کہتے تھے اور سامنے نہیں بلاتے تھے۔ ایک دن شیخ اوحدا الدین کرمانی کے سامنے اس بات کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا گو شیخ مجھے بتدرع کہتے ہیں لیکن میرے لیے یہی فخر بہت ہے کہ آپ زبان مبارک سے میرا نام تو لیتے ہیں۔ پھر عربی کا یہ شعر پڑھا۔

ماساء فی ذکک لی بسائۃ بل سرانی خطرات ببالکا

جب شیخ شہاب الدین عمر کو اس کا پتا چلا تو آپ کے اخلاق کی بہت تعریف فرمائی۔ کہا جاتا ہے کہ بتدرع سے حضرت کی مراد غالباً یہ تھی کہ شیخ اوحدا الدین شہود حقیقت میں مظاہر صوری سے میل رکھا کرتے تھے۔

مولانا جلال الدین رومی کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے بیان کیا کہ "شیخ اوحدا الدین کرمانی شاہد باز است اما پاکباز است" مولانا نے سن کر فرمایا "کاشکے کر دی دور گزشتی" انہی معنوں میں آپ کی ایک رباعی ہے۔

زراں می نگریم بہ چشم سرور صورت زیرا کہ ز معنی است اثر در صورت

این عالم صورت تست ما در صوریم! معنی نہ تو اں دید مگر در صورت

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ شمس الدین تبریزی نے شیخ اوحدا الدین کرمانی سے پوچھا "در چہ کاری" (یعنی کیا کام کرتے ہو) فرمایا "ماہ را در طشت آب می بنیم" (چاند کو پانی کے طشت میں دیکھتا ہوں) شیخ شمس الدین نے فرمایا "در قفا ذنبل نہ دامی چرا بر آسمان نمی بینی"۔

کہا جاتا ہے کہ خلیفہ بغداد کو آپ کے متعلق بتایا گیا تو اس نے کہا کہ "بتدرع اور کافر ہے" اگر ایسی حرکت یہاں کرے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔ شیخ اوحدا الدین ان دنوں بغداد میں تھے۔ اتفاق سے ایک روز سماع ہو رہا تھا، خلیفہ کا خوبصورت لڑکا بھی اس محفل میں موجود تھا۔ جب مجلس سماع گیم ہوئی تو شیخ اوحدا الدین نے لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر یہ رباعی پڑھی۔

سہل است مرا بر سر شجر بودن در پائے مراد دوست بے سر بودن

تو آمدہ کہ کافرے را بگشتی! غازی چو توئی رواست کافر بودن

لڑکے نے سن کر آپ کے پائے مبارک پر سر رکھ دیا اور اسی وقت مرید ہو گیا۔

اخبار الصالحین کے بیان کے مطابق "نفحات میں اس واقعہ کے سلسلے میں مذکور ہے کہ اہل تحقیق و توحید کے نزدیک کامل اور تک وہ شخص ہے کہ جمال حق سبحانہ کو مظاہر کوئی حسی میں بصر سے اسی طرح مشاہدہ کرے، جس طرح کہ بصیرت سے مظاہر روحانی میں مشاہدہ کرتا ہے مگر غیر عارف کے لیے یہ نظر بازمی جائز نہیں ہے۔ اہل طریقت میں ایسے بھی لوگ ہوئے ہیں جو دیکھنے کو تو مظاہر قدرت و صور زیبا کے عشق میں گرفتار رہے ہیں مگر ان کا باطنی مشاہدہ جمال حقیقی ہی میں مشغول رہا ہے چنانچہ مصنوع کی زیبائش میں گرفتار رہنا اور صنایع کی طرف نظر نہ کرنا ممنوع ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ

سے ہم پناہ مانگتے ہیں کہ پہچاننے کے بعد بھی نہ پہچائیں اور انکشافِ حقیقت کے بعد بھی صورت کو نہیں ہمارے لیے حجاب بنے رہیں۔ ایسے بزرگوں کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے۔ اس قسم کے لوگوں میں سے شیخ احمد غزالی، شیخ محمد الدین عزاقی اور شیخ اوحمد الدین کرمانی قدس سرہم تھے۔ ان بزرگوں نے مظاہرِ صوری جہتی کے جمال کے مطالعہ سے مشغول رکھا ہے۔ درحقیقت ان کی حالت یہ تھی کہ اس جمالِ ظاہری میں جمالِ مطلق حق انھیں نظر آتا تھا اور محض صورتِ جہتی کے ساتھ مقید نہیں رہتے تھے۔ اسی خیال کو حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح ادا فرماتے ہیں:

مادرِ پیالہ عکسِ رخِ یارِ دیدہ ایم اے بے خبرِ لذتِ شربِ مداہم ما!
لیکن بعض بزرگوں نے جو ان کی شان سے انکار کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے احتیاط کا پہلو مد نظر رکھا ہے کہ کہیں مجرب لوگ اسے اپنا دستور نہ بنالیں اور اپنی حالت کو اسی طرح سمجھنے نہ لگیں، جیسی کہ ان بزرگوں کی حالت تھی۔
حضرت شیخ اوحمد الدین کرمانی کے کئی مرید تھے جن میں شیخ صدر الدین علی ثانی بڑے صاحبِ کمال تھے۔ میر سید قاسم تبریزی نے انھیں سے تربیت حاصل کی تھی۔ شیخ صدر الدین ۸۷۳ھ میں جام میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہیں۔ شیخ اوحمد الدین کے ایک اور مرید شیخ اوحمد الدین اصفہانی تھے جنھوں نے حدیقہ حکیم سنائی کے وزن پر جامِ جم نام سے مثنوی کی ایک کتاب لکھی اس کتاب کے چند شعر یہ ناظرین ہیں:

اوحمدی شصت سال سختی دید تا شبے رونے نیکِ سختی دید
سرگفتارِ ما مجازی نیست باز کن دید کیس بر بازی نیست
سالہا چوں فلک بر گشتم تا فلک دار دیدہ در گشتم
بر سر پائے چلہ داشتم ام چوں نہ از نہ ہر ذلہ داشتم ام
از بروں در میاں باز ارم وز دروں خلوتے ست یارم

انھوں نے ۱۳۸ھ میں تبریز میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک بھی وہیں ہے۔

شیخ اوحمد الدین کے بہت سے خوارق و کرامات بیان کیے جاتے ہیں۔ شیخ فرید الدین گنج شکر نے اپنی کتابِ راحت القلوب میں ان کی بعض کرامتوں کا حال لکھا ہے۔ شیخ فرید فرماتے ہیں کہ میں کچھ دن آپ کی خدمت میں رہ کر فیض بھی حاصل کرتا رہا۔ آپ اشعار بھی کہا کرتے تھے۔ "مصباح الارواح" سے آپ کے بعض اشعار منتخب کر کے پیش کیے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

تا جنبش دست نیست مادام سایہ متحرک است ناکام
چوں سایہ زد دست یافت مایہ پس نیست خود اندر اصل سایہ
چیزے کہ وجود او بخود نیست ہستیش نہادن از خرد نیست

ہست است ولیک ہست مطلق
ہستی کہ بہ حق قوام وارد!
ہر نقش خود است فتنہ نقاش
پس باد یقین کہ نیست واللہ
نزدیک حکیم نیست جز حق
اونیست ویک نام وارد
کس نیست دریں میاں تر خوش باش
موجود حقیقی سوی اللہ
آپ کی بعض رباعیات یہ ہیں:

دائم زور اے حرف بیرون احد است
تکملت ز احد با وحد آمد حرفے
وز چشمہ لطف آب حیاتم مدد است
علت بہ گذار اینک او حد احد است

اوحد در دل می زنی آخر دل کو
تا کے گوئی نہ خلوت و غلوتیاں
عمریست کہ راہ می روی منزل کو
ہفتاد و دو چلمہ داشتی حاصل کو

جز نیستی تو نیست ہستی بخدائی
گذر انکہ بتے بحق پرستی روزی!
اے ہوشیار ان خوش است ہستی بخدائی
حقا کہ رسی زبت پرستی بخدائی!

اسرار حقیقت نہ شود حل بہ سوال
تا دیدہ و دل خون نہ کنی پنجہ سال
نے نیز بدریا فتن حشمت و مال
ہرگز نہ راہت نہ فتال بحال

منتخب التواتر میں آپ کا سال وفات ۶۳۵ھ بیان کیا گیا ہے۔ بغداد میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔
عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور بن ظاہر ملقب بہ مستنصر باللہ کا زمانہ تھا۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ

ولادت _____ قصبہ عمان (شمالی افریقہ) ۵۹۳ھ

وفات _____ عیذاب (افریقہ کا ایک جنگل) ۶۵۲ھ

قطبِ زمان، زینتِ اصحابِ عرفان حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ جامع مراتبِ قطبیت و غوثیت تھے۔ مشائخِ صوفیہ میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ بہت سے اولیا اور مشائخ نے آپ سے کسبِ فیض کیا۔ علامہ ابن تیمیہ آپ کے ہم عصر تھے۔ اصل نام علی بن عبداللہ بن عبد الجبار تھا۔ شاذلہ کے رہنے والے تھے جو اسکندریہ (مصر) کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ آپ کی ولادت ۵۹۳ھ میں شمالی افریقہ کے شہر مسیر کے ایک گاؤں عمان میں ہوئی۔ سلسلہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے:

ابوالحسن علی الشاذلی بن عبداللہ بن عبد الجبار بن تمیم بن ہرز بن حاتم بن قصبی بن یوسف بن یوشع بن درد بن علی بن احمد بن محمد بن علی بن ادریس بن عمرو بن ادریس بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن علیہ السلام بن سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

اخبار الصالحین کے الفاظ میں آپ کے حالات قدرے ترمیم اور اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں: ابن تیمیہ آپ کے ہم عصر تھے۔ انھوں نے آپ کی سخت مخالفت کی، مگر آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ آپ نے دو شیخوں سے خرقہ پہنا تھا، ابو عبداللہ محمد بن شیخ ابوالحسن سے پیر شہد بزرگ، میں اور شیخ ابو عبداللہ عبدالسلام بن مشیش۔ پہلا حضرت صدیق اکبرؓ تک پہنچتا ہے اور دوسرا حضرت علی علیہ السلام تک۔

آپ کا شجرہ طریقت یہ ہے:

شیخ ابوالحسن شاذلی، سید عبدالسلام، سید عبدالرحمان مدنی حسنی، شیخ تقی الدین، شیخ فخر الدین، شیخ ذوالدین ابوالحسن علی شیخ تاج الدین محمد، شیخ شمس الدین محمد، شیخ زین الدین قزوینی، شیخ ابواسحق ابراہیم البصری، شیخ ابوالقاسم احمد درانی، شیخ سعید، شیخ ابو محمد فتح السعدی، شیخ سعد الغزوانی، شیخ ابو محمد جانو، حضرت امام حسن علیہ السلام، حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ آپ کا رنگ گندمی، جسم نحیف و لاغر اور قد لمبا تھا۔ ہاتھوں کی انگلیاں بھی لمبی تھیں۔ رخساروں پر گوشت بہت کم تھا۔

بہت شیریں زبان تھے۔ بڑی فصیح گفتگو کرتے تھے۔ کلام کرتے وقت محو ہو جاتے تو فرمایا کرتے:

الاسراجل من الاخيار يعقل عنا هذا الاسرار هلموا الى سراج سيرة الى بحرالانوار (کیا کوئی ایسے نیک آدمی ہیں جو ہم سے ان اسرار کو اُکڑ سمجھیں۔ اے لوگو! اس کی طرف آؤ جس کی سیر بزبحر انوار کی طرف ہے)۔ وعظ کے دوران آپ کبھی کبھی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول خدا سے میراث پائی ہے اور آسمان کے خزانے کا مالک ہو گیا ہوں۔ اگر جن و انس قیامت تک مجھ سے یہ اسرار لکھتے رہیں تو لکھیں آخر کار تھک جائیں گے۔

بچپن ہی میں آپ تونسہ کے شہر میں چلے گئے تھے۔ پھر بلاد مشرق کی طرف گئے۔ کئی حج کیے۔ عراق میں شیخ ابو الفتح واسطی سے ملاقات کی۔ شیخ کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں نے سارے عراق میں ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ میں قطب وقت کو تلاش کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا وہ تو ہمارے ہی ملک میں ہیں۔ یہ سن کر میں بلاد مغرب کی طرف واپس ہوا اور شیخ ابو محمد عبد السلام کی خدمت میں پہنچا۔ وہ ان دنوں ایک پہاڑ کی چوٹی پر غار میں رہتے تھے۔ میں نے پہاڑ کے دامن میں ٹھہر کر غسل کیا اور ظم و لہل دونوں کے خیال کو بالائے طاق رکھ کر فقیرانہ طریق پر پہاڑ پر چڑھا۔ آپ میری ہی طرف آ رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا: مرحبا یا علی! یعنی تم خوب آئے۔ پھر فرمایا تم عمل و علم دونوں کا خیال چھوڑ کر میرے پاس آئے ہو، تم دنیا و آخرت کے مشائخ میں سے ہوئے۔

جامع الاصول لکھنؤ میں ہے کہ آپ کا طریقہ عجیب تھا۔ علم و عمل، حال و مقام، بہت و مقال اس میں جمع فرمائی تھی۔ یہ طریقہ جذب و مجاہدہ و عنایت پر مشتمل ہے۔ ادب و قرب و تسلیم پر محتوی اور باطن کے علوم سے مضبوط کیا گیا ہے اور تمام تر ہدایہ اسرار، کرامت اور قرب ہی ہے۔ اس طریقہ کی بنیاد طلب علم و کثرت ذکر و حضور پر ہے۔ مجاہدے زیادہ نہیں اس لیے کہ نفس میں جتنا اصلی نور ہوتا ہے وہ نور علم اور نور ذکر سے قوی کیا جاتا ہے اور مشاغل ظاہری کے باوجود قوت یقین، کثرت عرفان و فتح و انوار کی زیادتی اور قلوب کا تزکیہ شافل کو نصیب ہوتا ہے۔ اس طریقہ کے لوگ اپنے اقوال میں محفوظ اور اپنے اعمال کے محافظ نظر آتے ہیں اور ان کے قلوب اسرار علوم سے لبریز اور حقائق و حکم سے منور ہوتے ہیں۔ آپ نے پہلے تمام علوم ظاہری و باطنی حاصل کیے، پھر علم مناظرہ میں پوری دسترس حاصل کی۔ بعدہ گروہ اہل تصوف میں شامل ہوئے۔ شیخ تقی الدین دقین السعید کہا کرتے تھے کہ میں نے شیخ ابوالحسن شاذلی سے بڑھ کر کوئی عارف باطن نہیں دیکھا۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے پیرو مرشد کون ہیں۔ فرمایا پہلے میں اپنے آپ کو شیخ عبد السلام ابن مشیش سے منسوب کرتا تھا، مگر اب کسی کی طرف منسوب نہیں کرتا، بلکہ دس دریاؤں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہوں، یعنی محمد، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، جبریل، میکائیل، عزرائیل، اسرافیل اور روح اکبر۔

شیخ مکین الدین فرمایا کرتے تھے کہ لوگ قرآن و اللہ تعالیٰ کے دروازے کی طرف بلا تے ہیں، مگر ابوالحسن شاذلی لوگوں

کو اللہ جل شانہ کے حضور میں داخل کر دیتے ہیں۔

آپ کا بیان ہے کہ ابتدائے حال میں مجھے تردد تھا کہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہوں یا ان سے الگ تھلگ۔ شہر میں رہوں یا جنگل میں چلا جاؤں۔ مجھے خبر ملی کہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک خدارسیدہ بزرگ رہتے ہیں، میں ان کی ملاقات کے لیے گیا اور رات کو وہاں پہنچا۔ خیال آیا کہ رات کے وقت ان کے پاس جانا ٹھیک نہیں، دن نکلنے پر جاؤں گا۔ چنانچہ میں غار کے دروازے پر ہی سو رہا۔ اندر سے میں نے آواز سنی کہ کوئی دعا مانگ رہا ہے۔ "خدا یا تیرے بعض بندے ایسے بھی ہیں جو تجھ سے چاہتے ہیں کہ خلق ان سے مسخر ہو جائے اور تو نے خلق کو ان کے لیے مسخر کر بھی دیا اور وہ لوگ تجھ سے راضی ہو گئے، مگر میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو میرے لیے بد خو کر دے، تاکہ تیری بارگاہ کے سوا میرے لیے اور کوئی جائے پناہ نہ رہے۔"

شیخ فرماتے ہیں یہ سن کر میں نے اپنے آپ سے کہا کہ ذرا سن یہ شیخ کس سے کیا کہہ رہا ہے۔

جب صبح ہوئی تو میں ان کی خدمت میں گیا اور سلام عرض کیا۔ ان کی بیبت اور جلال سے میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے ان کا مزاج پوچھا، فرمانے لگے جس طرح تو خدائے عزوجل کی گرمی تدبیر و اختیار کی شکایت کرتا ہے، میں اس کی خنکی تسلیم و رضا کی شکایت کرتا ہوں۔ اس وقت میرا یہی حال ہے۔

میں نے دریافت کیا رضا و تسلیم کی خنکی کیا ہوتی ہے اور آپ اس کی شکایت کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا میں بڑتا ہوں کہ مجھے اس کی حلاوت کہیں خدائے عزوجل کی طرف سے ہٹا کر اپنی طرف مشغول نہ کرے۔

میں نے عرض کیا، رات میں نے آپ کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدایا بعض ایسے بندے ہیں جو تجھ سے چاہتے ہیں کہ خلق ان کی مسخر ہو جائے تو نے خلق کو ان کی مسخر کر بھی دیا اور وہ تجھ سے راضی ہو گئے۔

شیخ یہ سن کر مسکرا دیے، فرمایا اے فرزند! "اللَّهُمَّ سَخِّرْ لِي" کی بجائے "اللَّهُمَّ كُنْ لِي" کہا کرو۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ جس کے لیے خود خدائے تعالیٰ ہو جائے وہ کسی اور شے کا محتاج رہ سکتا ہے، کیوں اپنا دل بڑا کرتے ہو۔

امام یافعی فرماتے ہیں کہ میں نے بعض مشائخ سے سنا ہے کہ ابراہیم شاذلیؒ جب کسی کے لیے دعا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے "كَانَ اللَّهُ لَكَ" (خدا تمہارا ہو جائے) حدیث شریف میں آیا ہے "كَانَ يَدُهُ كَمَا كَانَ اللَّهُ لَكَ"۔

آپ کا ارشاد ہے کہ جس فقیر میں یہ چار باتیں نہ ہوں اُسے مٹی کے برابر سمجھو:

چھوٹوں پر رحمت کرنا۔ بڑوں کی خدمت کرنا۔ اپنے نفس سے دوسروں کی داد طلب کرنا اور خود اپنے نفس کی داد دوسروں سے نہ چاہنا۔

آپ فرماتے ہیں خواہ تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو ابھی ہمیشہ استغفار کیا کرو۔ فرماتے ہیں جب کشف کتاب و سنت کا معارض ہو تو کتاب و سنت پر جے رہو۔ اسی پر اجماع ہے۔

فرماتے ہیں جب حق کے ہاتھ تمہیں اپنی طرف کھینچیں تو خبردار غیبی حقائق کے محسوسات سے دلیل طلب نہ کرنا اور انہیں باور

کرنا اور نہ جاہل رہ جاؤ گے۔

اگر تم خدا کے بندے ہو اور تمہارے پاس علم و عمل نہیں ہے تو کچھ پروا نہیں علم میں علم تو حید اور عمل میں اللہ اور اس کے رسول اور صحابہ کرام کی محبت اور جماعت کی نسبت حق ہونے کا اعتقاد کافی ہے اور جب تک یہ نہ ہو کہ تمہارے علم و جدوجہد کے ساتھ تمہارے قلب میں کوئی تعلق باقی رہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا سب سے ناامید نہ ہو جاؤ اس وقت تک نہ روحانی راحت حاصل کر سکو گے نہ مدد اور نہ مردوں کا مقام حاصل ہوگا۔

فرمایا جو شخص پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مملکت میں کوئی گناہ نہ کرے وہ گویا پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت ظاہر نہ ہو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی ظاہر نہ ہو۔

فرمایا قبض کے تین اسباب ہیں: گناہ جس کا تم نے ارتکاب کیا ہو۔ دنیا جو تم سے چلی گئی ہو یا کوئی شخص ہے جو تمہاری جان یا برو کی نسبت تمہارے درپے آزار ہے۔ پس اگر تم نے گناہ کیا ہے تو استغفار کرو اور اگر دنیا چلی گئی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع ہو اور اگر تم پر ظلم کیا گیا ہے تو صبر و تحمل کرو، اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں قبض کے سبب پر مطلع نہ فرمائے تو اجراء احکام الہی کے تحت مقیم رہو وہ چلتا پھرتا بادل ہے۔

کسی نے آپ سے پوچھا پیر کیا ہے۔ فرمایا پیر وہ ہوتا ہے جو تمہیں مصیبت کی نہیں بلکہ راحت کی راہ دکھائے۔ فرماتے ہیں جب تمہیں اپنے ظاہری یا باطنی احوال میں سے کوئی حال اچھا معلوم ہو اور اس کے زائل ہونے کا اندیشہ ہو، تو مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ پڑھا کرو۔

فرماتے ہیں کہ عالم اس گروہ کی راہ میں صرف اس وقت چل کر کمال کو پہنچ سکتا ہے جب کہ کسی برادرِ صالح یا پیرِ صالح کی صحبت ہو۔ یہ راہ نہ رہبانیت کی راہ ہے اور نہ جو راہ اور بھروسہ کھانے کی۔ یہ راہ اوامر پر صبر کرنے اور ہدایت کی نسبت یقین رکھنے سے طے ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں مومنوں کی جماعت کو نہ چھوڑو اور نہ گنہگار اور بدکار کیوں نہ ہوں۔ ان پر حدود قائم کرو اور اگر انہیں چھوڑو تو ان پر رحم کی وجہ سے نہ کہ اپنے آپ کو ان سے بڑا سمجھ کر یا انہیں سرزنش کرنے کے خیال سے۔

جس اسم کے ذریعہ سے تم کوئی نعمت حاصل کرنا چاہو یا کسی زحمت سے بچنا چاہو، وہ ذات اور توحید بالصفات سے ایک حجاب ہے، مگر یہ مراتب اور مقامات والوں کے لیے ہے اور عام مومنین اس سے علیحدہ ہیں اور اپنی اپنی حدوں کی طرف

لے امید و بیم کی حالت سے ترقی کرنے میں عارف پہ قبض و بسط کی درمنا لیں ظاہری ہوتی ہیں۔ عارف کے لیے قبض و بسط ایسا ہی ہے جیسا کہستان کے لیے خوف۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ امید و بیم آئندہ کی کمزور یا محبوب امر سے متعلق ہوتی ہے اور قبض و بسط موجود فی الوقت امر کے متعلق ہوتا ہے۔ جس کا غلبہ وار ذات غلبی کی طرح عارف کے قلب پر ہوتا ہے۔ (نعمت منظمی)

رجوع کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے اجروں سے کچھ کم کرنے والا نہیں۔
جس نے نماز اور روزہ پر کچھ اجرت یا رشوت لی اور سر جھکانے اور فکر میں مشغول ہونے کے وقت لوگوں کی نگاہیں پڑنے سے لطف اٹھایا اس کے لیے کوئی اجر نہیں۔

اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند وہ شخص ہے جو صبح کے وقت طاعت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی چاہلوسی اس لیے کرتا ہے کہ اسے اپنی مسرت مطلوب ہے۔

اپنے آپ کو بار بار گناہ میں پڑنے سے بچاؤ۔ کیونکہ جو کوئی حدودِ الہی سے تجاوز کرتا ہے وہی ظالم ہے اور ظالم امام نہیں ہوتا۔

جس نے گناہ چھوڑ کر جس حالت میں مبتلا کیا گیا ہے اس حالت پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ و وعید کا یقین کیا، وہی امام ہے خواہ اس کے پیرو تھوڑے ہوں۔

فرمایا ہم اللہ تعالیٰ کی طرف ایمان و ایقان کی بصیرتوں سے دیکھتے ہیں اس لیے دلیل اور برہان سے بے نیاز ہیں بصیرت کا بھی یہی حال ہے جو بصارت کا ہے۔ یعنی جس طرح آنکھ میں ادنیٰ سی چیز پڑ جائے سے بصیرت میں خلل آجاتا ہے اسی طرح برائی کی صفت کا خطرہ بصیرت کی نگاہ میں خلل پیدا کرتا ہے۔ فکر و ارادہ کو دھندلا اور نیکی کو سرے سے غائب کر دیتا ہے۔

فرماتے ہیں چیزوں کو صفات میں اسی طرح مرکز تصور کرو جس طرح وہ اپنے وجود سے پہلے تھیں اس کے بعد نگاہ دوڑاؤ تو کیا تم کو ذات کے لیے مقام یا بستی کی کوئی بستی یا اس چیز کی کوئی شان دکھائی دے گی۔ پس یہی حال وجود کے بعد بھی ہے۔

فرماتے ہیں تصوف نفس کو بندگی کا خوگر کرنا اور احکام ربوبیت کی طرف پھیر لانا ہے۔ صوفی اپنے وجود کو اس طرح دیکھتا ہے جس طرح ہوا میں اڑنے والے ذروں کو جو معدوم ہیں نہ موجود۔ اور جس نے وجود کو پالیا وہ ہر جگہ موجود سے فنا ہو گیا اور وجود کے ساتھ رہا اس کے لیے ہر موجود ثابت ہوا۔

جب تک بندے کے ساتھ خواہشوں میں سے کوئی خواہش اور اپنی مشیتوں میں سے کوئی مشیت رہے گی وہ ہرگز اللہ تک نہ پہنچے گا۔

جو پرہیزگاری تمہارے دلوں میں علم و نور نہ پیدا کرے اس کا کوئی اجر شمار میں نہ لاؤ اور جس برائی کے بعد خوف اور اللہ کی طرف بھاگنا وقوع میں آئے اس کا کوئی وبال حساب میں نہ لو۔

جب تجھے اور پر نہ چڑھایا جائے اور نہ تیرا پاؤں پھسل جائے گا۔

فرماتے ہیں نفس کے چار مرکز ہیں ایک خواہش نفسانی کے لیے مخالفتوں میں ہے۔ دوسرا خواہش نفسانی کے لیے

طاعتوں میں ہے۔ تیسرا مرکز آرام کی طرف میلان میں ہے۔ اور چوتھا مفروضات کے ادا کرنے سے عاجزی میں ہے۔ فرماتے ہیں اگر چاہتے ہو کہ دنیا بنانے میں کامیاب ہو تو لوگوں کو اپنے دل سے دور کر دو اور اپنے رپ سے اس کی طرح نہ رکھو۔ کیوں کہ مقتدرات کے سوا تمہیں کچھ اور عطا کرے اس کے بعد جس چیز کو تم ہاتھ لگاؤ گے اور جو تم چاہو گے وہی ہوگا۔ فرمایا چار چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے بہتے ہوئے علم کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ دنیا کی محبت، آخرت سے غفلت، افلاس کی دہشت اور آدمی کی سہیت۔

فرمایا ایک ہی خصلت ایسی ہے کہ اگر بندہ اسے اختیار کرے تو اپنے زمانہ کے لوگوں کا پیشوا بن جائے اور وہ دنیا سے منہ پھیر لیتا اور اہل دنیا کی تکلیفیں برداشت کرنا ہے۔ مگر ترک دنیا میں حد سے تجاوز نہ کرو، ورنہ اس کی تاریکی تمہیں ڈھانک لے گی اور تمہارے اعضا اس کے لیے کھل جائیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے باہر نکل آنے کے بعد تم ہمت، فکر، ارادہ یا حرکت کے ذریعہ سے آئے گلے لگانے کو لوٹو گے۔

فرماتے ہیں ایک ہی خصلت ایسی ہے جو اعمال کو باطل کر دیتی ہے اور اکثر لوگوں کو اس میں تنبیہ نہیں ہوتا اور وہ اللہ جل شانہ کے حکم پر بندے کا ناراض ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَسَبُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ۔ (اس سبب سے ہے کہ خدا نے جو اتارا اُسے ان لوگوں نے ناپسند کیا، پس ان کے اعمال غارت کر دیے)۔

فرماتے ہیں دو نیکیاں ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ گناہوں کی کثرت بھی ہو تو ضرر نہیں ہوتا۔ ایک قضاے الہی پر رضامندی دوسرے اللہ جل شانہ کے بندوں سے درگزر۔

فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو ولی و شفیع بنا لینا بھی اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرانے کی ایک صورت ہے، وہ فرماتا ہے:

مَا لَكُمْ مِّنْ دُونِهِ مَنٍّ ذِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ۔ (اس اللہ کے سوا تم لوگوں کا نہ تو کوئی کارساز ہے اور نہ سفارشی، کیا تم نہیں سوچتے)

فرماتے ہیں اللہ جل شانہ کے سوا خلق سے مدد چاہنا اللہ تعالیٰ سے سو وطن رکھنا ہے۔ فرماتے ہیں جو کامل ہوتے ہیں وہ اوصاف حق کے بھی حامل ہوتے ہیں اور اوصاف خلق کے بھی۔ خلق کے اعتبار سے انہیں دیکھو گے تو تمہیں بشرت اوصاف نظر آئیں گے اور اگر حق کی حیثیت سے دیکھو گے تو ان میں حق کے اوصاف پاؤ گے۔ جن سے حق تعالیٰ نے انہیں آراستہ کیا ہوگا۔ پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی پیروی سے تمہیں ان کے ظاہر میں فقر اور باطن میں غنا نظر آئے گا۔

فرماتے ہیں پہلی منزل جس میں لپستی سے ترقی کر کے اوپر کی طرف جانے کے لیے عاشق قدم رکھتا ہے نفس ہے۔ پس

جب وہ اس کی سیاست و ریاست میں مشغول ہوا، یہاں تک کہ اس کی شناخت اور تحقیق تک پہنچ گیا تب اس پر دوسری منزل کے انوار چمکتے ہیں اور وہ قلب ہے۔ اور جب اس کی سیاست میں مشغول ہو کر اسے پہچان لیا اور اس کا کچھ بھی اثر اس پر نہ ہوا تب تیسری منزل کے انوار اس پر چمکتے ہیں اور وہ روح ہے۔ پس جب اس کی سیاست میں مشغول ہوا اور اس کی معرفت کامل ہو گئی، تب اس پر تھوڑے تھوڑے یقین کے انوار چمکتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس کی تہ تک پہنچ جاتا ہے، مگر یہ عوام کا راستہ ہے۔ خواص کا جو راستہ ہے وہ بادشاہی راہ ہے، جس کی اقل قلیل کی شرح بھی عقل میں نہیں آ سکتی۔ آپ نے متعدد جج کیے اور ایک مرتبہ جج ہی کے ارادہ سے جا رہے تھے کہ افریقہ کے ایک جنگل سے گزر رہا تھا۔ اس جنگل کا نام عنیزاب تھا، جس میں کہیں میٹھا پانی نہ تھا۔ آپ کو پیاس نے بہت پریشان کیا، چنانچہ پیاس ہی کے باعث ۶۵ برسہ میں وہاں وفات پائی اور اسی جگہ دفن ہوئے۔

حضرت شیخ حمید الدین ناگوریؒ

ولادت _____ بخارا

وفات _____ دہلی ۶۴۳ھ

سرچشمہ پلایت و منبع علم و معرفت قاضی شیخ حمید الدین ناگوریؒ بر عظیم پاکستان و ہند کے ان مشائخ کرام میں سے ہیں جنہوں نے علم و معرفت کی ضیا باریوں سے اس خطہ کو منور کیا۔ غوثِ دوراں خواجہ بختیار کاکیؒ کے دوست اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید تھے۔ اولیائے چشت میں شمار کیے جاتے ہیں۔

نام اور خاندان | آپ کا اسم گرامی محمد تھا، مگر حمید الدین کے نام سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام نامی عطارد اللہ محمود البخاری تھا جو سلطان معز الدین عرف شہاب الدین غوری کے زمانہ میں بخارا سے وارد ہند ہوئے اور دہلی میں قیام فرمایا۔ ان کی وفات بھی یہیں ہوئی۔

ابتدائی حالات | علوم ظاہری میں آپ درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے اور درس دیا کرتے تھے۔ اسی وصف کے طفیل والد کی وفات پر بادشاہ نے آپ کو ناگور کا قاضی مقرر کر دیا۔ تین سال تک اس عہد پر فائز رہے۔ پھر دل برداشتہ ہو کر اس عہد کو چھوڑ دیا اور بغداد پہنچ کر شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے بیعت کی اور سال بھر ان کی خدمت میں رہ کر مجاہدے اور ریاضتیں کیں۔ شیخ نے دولتِ خرقہ خلافت سے فیض یاب کیا۔ اس زمانہ میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی بغداد میں تشریف فرما تھے۔ ان سے گہرے تعلقات قائم ہو گئے۔ ایک دوسرے سے بہت محبت ہو گئی اور یہ تعلقات آخر دم تک قائم رہے۔

بغداد میں ایک سال گزارنے کے بعد مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔ ایک سال سے زیادہ عرصہ تک روضہ اطہر کے مجاور بنے رہے پھر مکہ معظمہ گئے۔ اخبار الصالحین کے بیان کے مطابق ایک سال اور بزم صوفیہ کے بیان کے مطابق تین سال تک مکہ معظمہ میں رہے اور وہاں کے بزرگوں سے کسب فیض کیا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک روز قاضی حمید الدین ناگوری نے ایک بزرگ کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا۔ آپ بھی ان کے پیچھے طواف میں مشغول ہو گئے۔ اور تبرک کے طور پر ان کے قدم پر قدم رکھتے جاتے تھے۔ اس بزرگ کو اس بات

بزم صوفیہ میں تاریخ وفات رمضان ۶۴۳ھ درج ہے اور اخبار الصالحین کے مصنف نے ۵ رمضان ۶۴۳ھ تحریر کی ہے۔

کا علم ہو گیا تو کہا، حمید الدین! ظاہری متابعت کرنی آسان ہے۔ متابعت اس شے کی کرو جو مجھے طواف میں حاصل ہے۔
حمید الدین نے پوچھا وہ کیا ہے۔ بزرگ نے جواب دیا! میں ہر قدم پر قرآن ختم کرتا ہوں۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ شاید
معانی قرآن سے مراد ہے۔ بزرگ نے صفائی باطن سے معلوم کر کے فرمایا کہ تمہیں نہیں بلکہ لفظاً غرض ایسے بزرگوں سے ملاقات
کر کے مکہ معظمہ سے لوٹے اور سلطان شمس الدین قشتمش کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے جو صدر مقام تھا۔
دہلی میں قطب الدین بختیار کاکی سے ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ رہنے لگے۔ یہ تعلقات بہت گہرے ہو گئے۔ دونوں
بزرگوں کے مزارات بھی ایک ہی جگہ پر ہیں۔

لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ خواجہ بختیار کاکی نے قاضی صاحب کو خرقہ خلافت بھی عطا کیا تھا۔ سیر الاقطاب کا بیان
ہے کہ حمید الدین ناگوری خود خواجہ بختیار کاکی کے استاد تھے۔ خواجہ صاحب نے علوم ظاہری کی تعلیم انھیں سے حاصل کی تھی۔
اگرچہ حضرت قاضی صاحب کے استاد تھے، لیکن ادب اور خدمت میں اس قدر لگے رہتے تھے کہ حیرت
ہوتی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ خواجہ قطب الدین قطب المشائخ ہیں اور قاضی حمید الدین سے ہزار درجہ بزرگ اور
برتر۔ وہ ان کے ایک بال کی بھی برابر ہی نہیں کر سکتے۔ بالآخر قاضی کو حضرت خواجہ سے خلافت ملی، حالانکہ ان
کے پیر سے مل چکی تھی۔
(سیر الاقطاب)

بختیار کاکی نے اپنے ملفوظات میں حضرت حمید الدین ناگوری کو استاد کی حیثیت سے یاد نہیں فرمایا بلکہ اپنا "یار غار"
بتاتے ہیں۔ (ذوائد السالکین، مجلس اول)

سماع کا شوق | آپ کو سماع کا بہت شوق تھا۔ اور اکثر ایسی محفلیں منعقد کیا کرتے تھے۔ خواجہ بختیار کاکی بھی ان کی
ایسی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ چونکہ بہت سے علمائے عصر سماع کو جائز نہ سمجھتے تھے اس لیے انھیں قاضی صاحب
سے پر خاش ہو گئی اور آپ کی مخالفت میں لگ گئے۔ خصوصاً مولانا رکن الدین سمرقندی جو اس زمانہ کے جید علمائے اور سماع
کے سخت خلاف تھے وہ آپ کی مخالفت شدت سے کرنے لگے۔

ایک مرتبہ سلطان قشتمش کے محل کے قریب ایک مکان میں مجلس سماع منعقد تھی۔ قاضی حمید الدین اور خواجہ بختیار کاکی
دونوں اس مجلس میں موجود تھے۔ رکن الدین سمرقندی کو خبر ملی تو کچھ ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچے کہ مجلس کو روک دیں۔ قاضی صاحب
کو پتا چلا کہ رکن الدین آتے ہیں تو صاحب خانہ سے کہا کہ تم کہیں چھپ جاؤ، تاکہ جب رکن الدین آئیں اور اندر آنے کی اجازت
تم سے طلب کریں تو تمہیں غیر حاضر پا کر واپس چلے جائیں اور اگر بلا اجازت گھر میں داخل ہو گئے تو یہ فعل خلاف شرع ہے
اور ہم ان سے مواخذہ کریں گے۔ صاحب خانہ نے ایسا ہی کیا۔ مولانا رکن الدین آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی تو یہ
معلوم کر کے کہ صاحب خانہ غیر حاضر ہے واپس چلے گئے اور اس طرح معاملہ ٹل گیا۔

کئی اور موقعوں پر بھی قاضی حمید الدین پر سماع کے سلسلے میں پابندی عائد کرنے کی کوشش کی گئی اور ان کی مجالس

روکا گیا، مگر وہ اس سے مجتنب نہ ہوئے۔

فوائد الفوائد میں لکھا ہے کہ قاضی صاحب کو بابا فرید الدین شکر گنجؒ کے ساتھ بھی بہت محبت تھی۔ ایک دن بابا صاحب کا بھی جی چاہا کہ مجلس سماع میں آئیں، لیکن جس مجلس میں جانے کا خیالی تھا اس میں اتفاق سے قوال ہی نہ آئے۔ بابا صاحب نے شیخ بدر الدین اسحاق سے فرمایا مجھے قاضی حمید الدین نے خط لکھا تھا وہ لاکر پڑھو۔ خط میں لکھا تھا، فقیر حقیر نحیف محمد عطا کہ بندہ درویشاں است و از سر و دیدہ خاک قدم ایشان۔ بابا صاحب نے جب یہ الفاظ سنے ایک حالت ذوق طاری ہوئی، اور خواجہ فرمانے لگے۔ پھر یہ رباعی پڑھی جو خط میں درج تھی:

اے عقل کجا کہ در کمال تو رسد

اے روح کجا کہ در جلال تو رسد

اے دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

شیخ نصیر الدین اودھی کا بیان ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ دہلی میں سخت قحط پڑا اور غلہ بہت کم یاب ہو گیا۔ لوگ ناقول مرنے لگے۔ سلطان التمش نے یہ حال دیکھا تو قاضی حمید الدین اور دوسرے بزرگوں سے درخواست کی کہ وہ توجہ فرمائیں تاکہ بارش ہو اور غلہ ارزاں ہو سکے۔ قاضی حمید الدین نے کہلا بھیجا کہ محفل سماع منعقد کی جائے اور درویش ذوق سماع میں مشغول ہوں، انشاء اللہ ضرور بارش ہوگی۔ سلطان حکم بجا لایا۔ مجلس منعقد کی گئی۔ سماع شروع ہوا جب مجلس گرم ہوئی تو باران رحمت کا نزول شروع ہو گیا۔ اور خوب پیداوار ہوئی، قحط جاتا رہا۔ اس مجلس میں کئی اولیاء اللہ موجود تھے۔ مثلاً شیخ علی ستجری (قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید)، شیخ احمد نہروانی، شیخ بدر الدین سمرقندی، شیخ سیف الدین، شیخ رکن الدین سمرقندی الفردوسی، سید قطب الدین غزنوی، برادرزادہ شیخ نور الدین مبارک، شیخ نظام الدین ابواللوہ اور شیخ محمود موینہ۔

درجہ کمال | شیخ شہاب الدین سہروردی حضرت حمید الدین ناگوریؒ کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں میرے بہت سے خلفاء ہیں جن میں بزرگ ترین خلیفہ شیخ حمید الدین ناگوریؒ ہیں۔ بابا فرید الدین شکر گنجؒ نے بھی اپنی تصانیف میں قاضی صاحب کا ذکر بار بار کیا ہے۔ مولانا قطب الدین کاشانی دہلی تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھے حمید الدین کا عشق یہاں کھینچ کر لایا ہے۔ انھوں نے قاضی صاحب کی تمام تصانیف منگا کر مطالعہ کیں۔ اور ساتھیوں سے فرمایا دوستو، جو کچھ میں نے اور تم نے پڑھا ہے وہ سب ان کتابوں میں موجود ہے اور جو کچھ نہیں پڑھا وہ بھی ان میں لکھا ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کا ارشاد ہے کہ جو حال اور کمال شیخ حمید الدین کو خدا کی طرف سے عطا ہوا وہ ہر کسی کے حصے میں نہیں آیا۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اخبار الاخیار میں فرماتے ہیں: "اوجامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت۔"

سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے: در تجرید و تفرید یگانہ عصر و از متقدمان مشائخ ہند و جامع میان علوم ظاہری و باطنی و

صاحب کرامات و مقامات علیہ بودند۔

آپ نے ان تمام محاسن اور کمالات صوری و معنوی کے باوجود صرف تین حضرات کو مرید کیا اور تینوں صاحب کشف و کرامات تھے۔ شیخ احمد روانی، شیخ رسن تاب اور شیخ عین الدین قصاب، شیخ رسن تاب بعد میں شیخ شاہی ہوئے تاب کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ کے صاحبزادے ناصر الدین آپ کے بعد سجادہ نشین ہوئے، اور رشد و ہدایت کی تلقین کرتے رہے۔ سلوک اور اسرار میں آپ کی تصانیف بہت ہیں۔ ان میں سے صرف طوابع الشمس کا پتا ملتا ہے۔ یہ کتاب حقیقہ و معرفت سے لبریز ہے۔ اخبار الاخبار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کتاب کے بعض اقتباسات دیے ہیں۔ کتاب کے بعض مندرجات یہ ہیں:

اے برادر عالم سلوک میں جمعیت محال ہے، اِنِّیْ ذَاہِبٌ اِلٰی سَابِقِ سَيِّدِیْنِ، پس کسی کو اگر جمعیت نصیب ہو سکتی تو سیدہیں نہ کہتے۔ جب بندہ واصل ہو جاتا ہے تو فرقہ ضلالت کا جاتا ہے۔ انا الحق و سیدہانی اسی معنی کو آشکارا کرتے ہیں جس مقام پر آنا کہنا چاہیے وہاں ہو کہنا گمراہی ہے اور جہاں ہو کہنا چاہیے وہاں آنا کہنا محال ہے۔

اے برادر جس کا اشارہ محسوسات کی طرف ہوتا ہے اور وہم کا اشارہ مہربانات کی طرف ہوتا ہے اور عقل کا اشارہ معقولات کی طرف ہوتا ہے۔ خالق جل جلالہ کی ذات پاک ان عوالم سے نسبت نہیں رکھتی۔ پس اس کی طرف اشارہ کرنا شرک کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اگر وہ غائب ہے تو کس کی طرف تم اشارہ کرتے ہو اور اگر حاضر ہے تو اشارہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ خالق الخلق ہم سب کو دیکھتا ہے، لیکن اسے کوئی نہیں دیکھتا۔ خدائے عز و جل کی عزت کی قسم اس کی طرف اشارہ کرنا بس غفلتِ دل ہی سے ہوتا ہے لا الہ الا اللہ جس دل پر اس کی نعمت کی تجلی ہوتی اسے اس کی یادداشت کی پرواہی نہ رہتی چونکہ دل یادداشت سے باز نہیں رہ سکتا، اس لیے زبان بھی یاد کرنے سے باز نہیں رہ سکتی۔

اے برادر تو اپنے آپ کو بھول جا اور چپ رہ۔ یہی خود فراموشی عجیب طرز پر یاد کرنے میں داخل سمجھی جائے گی اذکس سابت اذا نسیت نفسك۔ اے عزیز! اسم ہو اس ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو موجود ازلی، بہت لمبائی، موصوف بہ اوصاف کمال و مقدس از نقائص و زوال ہے۔ وہ ایسا موجود ہے کہ اس کی زیست کی ابتدا نہیں ہے اور ایسا بہت ہے کہ اس کی ہمیشگی کی انتہا نہیں ہے اور ہو پہلا اسم ہے جو غیب کے پردوں پر عالم ظہور میں آیا ہے۔

اے برادر یہی اسم ہو اسم ذات مطلق ہے۔ یہ نہ مشتق ہے اور نہ معلوم اسم مشتق اشتراک غیر سے خالی نہیں ہوتا اور وحدت کی بنیاد بلند اس پر قائم نہیں ہوتی۔ تمام عشاق کا اتفاق ہے کہ اسم معظم ہو مشتق نہیں ہے اور سوائے وحدت مطلق

اور کسی پر اس کا اطلاق نہیں ہے۔ اسی نسبت کے لحاظ سے بھی ہوا اسم معظّم ہے۔ جو اسم کسی چیز سے مشتق نہیں ہے وقت طلب طالب کی نظر دو چیزوں پر پڑتی ہے اور عقل کا حق یہ ہے کہ جس کسی چیز پر نظر ڈالے تو جب تک اس کی حقیقت معلوم نہ ہو جائے دوسری چیز کی طرف توجہ نہ کرے۔ یہ لفظ کسی چیز سے مشتق نہیں ہے تاکہ طالب میں دُور بینی پیدا کرے۔ طالب کو یہ غیر سے منقطع کر کے مطلوب سے ملا دیتا ہے۔ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اس میں ہوا اللہ اور احد تین اسمائے باری تعالیٰ ہیں۔ راہِ عشق کے چلنے والے بھی تین ہیں۔ ظالم، مقتصد و سابق مراتب نفوس بھی تین ہیں۔ آثارہ، لوامر و مصلحتہ۔ اسم مقرران سابق کو ملا جو ارباب نفوس مصلحتہ ہیں اور پر تو انوار احدیت میں جل بھٹن گئے ہیں۔ غیر کے دیکھنے سے انھوں نے اپنی آنکھ سی لی ہے اور مقامِ متغزاق میں ہر شے سے بے شعور ہیں اور اس کے لطف کے نور میں جذب ہو گئے ہیں۔ اسم ہوا اسم اللہ کی منتہا ہے۔ جس کی جان بادشاہ کے عشق میں ڈوبی ہوئی ہے وہی اس راز سے آگاہ ہے۔ اے عزیز جس کسی کو کہ ہیئت محبوب کے عالم میں حاضری کی اجازت دی گئی ہے وہ اپنی انا نیت میں نہیں پڑتا بلکہ غلبہ مشاہدہ جلال سے گھل جاتا ہے اور اپنے سے بے شعور اس نور کے سایے میں چلا جاتا ہے۔ مقامات و کرامات اور سکرو صحو اور اثبات و محو اور فنا و بقا اور خوف و رجا اور بسط و قبض اور نقل و فرض اور انس و ہیبت اور سرور و ہیبت کی اس کی طرف اضافت نہیں ہو سکتی جیسا کہ محبوب بے نشان ہے وہ بھی بے نشان ہو جاتا ہے۔ اے برادر جو اسے پہچان لیتا ہے شانِ بیچونی سے پہچانتا ہے۔ بے چوں کی طرف اشارہ کرنا محال ہے اور بیچوں کی حقیقت عبارت میں لانا ضلال ہے۔ انجام کار یہی کہنا پڑتا ہے لَا أَحْصَى ثَنَاءً عَلَيْكَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَيَّ نَفْسِي۔ اپنی جان کی قسم اگر شروع ہی میں وہ معنی معلوم ہو جائے تو انتہائے کار میں زبان کو گنگ کر دیا کرتے ہیں تو ہر روز سو بار استغفار کرنا پڑتا۔ ننانوے ناموں کے حساب سے ننانوے بار اور استغفار کے واسطے ایک مرتبہ استغفار۔ اے برادر جس کسی کی زبان مقامِ تحمید میں نہ گھلی وہ مقامِ توحید میں کیا دم مار سکتا ہے۔ لَا أَحْصَى ثَنَاءً عَلَيْكَ يَا اللَّهُ الْإِلَهَ الْوَاحِدَ !

أَحِبُّ مَنَاجَاتِ الْحَبِيبِ يَا وَجَدٍ وَلَكِنْ لِسَانَ الْعَاشِقِينَ كَلِيلُ

یعنی اپنے حبیب سے میں طرح طرح پر مناجات کرنا پسند کرتا ہوں لیکن کیا کروں عاشقوں کی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔

ماہر چہرہ داشتیم فدائے تو کردہ ایم جاں را اسپر بند ہوائے تو کردہ ایم

ما کردہ ایم ترک خود و ہرود کون نیز! دینہا کہ کردہ ایم برائے تو کردہ ایم

غرض اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء کی شرح ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

خواجہ فرید الدین گنج شکر نے قاضی صاحب کی دو کتابوں تواریح اور راحۃ الارواح کا حوالہ اپنے ملفوظات میں دیا ہے۔

میر العارفین میں قاضی صاحب کی ایک اور کتاب لوائح کا بھی ذکر ہے۔

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی سہروردی

ولادت ————— تبریز

وفات ————— بنگال ۶۴۲ھ

علوم ظاہر و باطن کے مواج اور عشق و محبت کے شہباز شیخ المشائخ ابو القاسم جلال الدین تبریزی قدس سرہ العزیز اپنے زمانے کے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ صاحب علم و معرفت اور کشف و کرامت بزرگ تھے۔

ترک سلطنت | آپ ابتدا میں بڑے پُر شکوہ اور زبردست بادشاہ تھے۔ اچانک عشق الہی سے دل روشن ہو گیا اور باجشاہت اپنے بیٹے کے سپرد کر کے بہت سا مال و دولت لے کر شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب کچھ نذر کے طور پر ان کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ نے ارشاد فرمایا کہ اسے مساکین میں تقسیم کر دو۔ پھر فرمایا ابھی تک بادشاہی کی بُو تم میں باقی ہے۔ لہذا تمہارے سپرد یہ کام کیا جاتا ہے کہ چار سال تک درویشوں کے استنجے کے لیے ڈھیلے اور وضو کے لیے پانی مہیا کرتے رہو۔ آپ نے دل و جان سے یہ خدمت قبول کی۔ شیخ آپ کی خدمات سے بہت خوش ہوئے۔ جس شوق اور تن دہی کے ساتھ آپ نے اپنا فریضہ ادا کیا، اس نے شیخ کو بے حد متاثر کیا اور شیخ نے پہلی ہی نظر میں دولت عرفان سے مالا مال کر دیا۔ آپ سفر میں شیخ کے ساتھ رہتے اور خوراک کا سامان چولہا اور آگ ہمیشہ پاس رکھتے تاکہ جب بھی پیرو مشد کھانا طلب کریں فوراً بنا دیں۔ چولہا ہمیشہ سر پر اٹھائے پھرتے تھے۔

خلوص اور ریاضت | مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے سفر کے دوران شیخ کی سواری کے ساتھ سخت گرمی اور دھوپ میں پیدل چلنے کا فرق! جاتے تھے اور پاس ادب کی خاطر اونٹ پر سوار نہ ہوتے تھے۔ ایک دفعہ واپسی پر معتقدین نے بہت سے

تخائف پیش کیے۔ ایک غریب عورت اگنی اس نے بھی ایک درم نذر کیا۔ شیخ نے درویشوں کو حکم دیا کہ جس کا جو جی چاہے اٹھالے۔ سب نے مختلف چیزیں اٹھالیں، مگر آپ نے بڑھیا کا وہ درم لے لیا۔ شیخ نے دیکھا تو فرمایا، جلال الدین! اگرچہ بظاہر تو نے ایک درم اٹھایا ہے جو حقیر چیز ہے مگر حقیقت میں تو نے وہ چیز اٹھائی ہے جو زر و جواہر کے اس سارے انبار میں قیمتی اور انبار کی روح تھی۔ تو نے تو دوسروں کے لیے کچھ نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ کمی بیشی کو نہیں دیکھتا۔ خلوص نیت کو دیکھتا ہے۔ ایک نیک عورت نے جو درہم پیش کیا تھا پورے خلوص اور جوش کے ساتھ پیش کیا تھا اس لیے جو کچھ تھا وہی تھا۔

درود و ہلی | شیخ کی خدمت میں آپ سات سال تک رہے۔ اس اثنا میں مخدوم بہا الدین بغدادی تشریف لائے۔ وہ بھی حضرت شیخ کے خلیفہ تھے۔ ان میں اور شیخ جلال الدین میں باہم دوستی ہو گئی اور ایک دوسرے سے بہت انس پیدا

ہو لیا۔ دونوں زبردست عارف تھے۔ مخدوم بہاؤ الدین کو پیر و مرشد نے ملتان جانے کا حکم دیا تو باہمی دوستی کے باعث شیخ جلال الدین بھی ان کے ساتھ ملتان آگئے۔ پھر کچھ مدت بعد آپ دہلی چلے گئے۔

دہلی پہنچنے پر چاروں طرف آپ کے کمالات کا پھر چا ہونے لگا۔ پورا شہر آپ کے استقبال کے لیے پہنچا۔ خود سلطان تمش اپنے اعیان سلطنت کے ساتھ پیشوا کی کے لیے آیا۔ اور شاہانہ طریقہ پر آپ کو اپنے ہاں مہمان ٹھہرایا۔ بعد ازاں آپ قطب صاحب سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت قطب صاحب سماع کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ خبر ملتے ہی باہر تشریف لائے اور بڑی محبت اور عزت کے ساتھ اندر لے گئے۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔

قطب صاحب اور شیخ جلال الدین میں صحبتیں ہونے لگیں۔ ان مصلوں میں قاضی حمید الدین ناگوری بھی ہوتے کبھی کبھی مخدوم بہاؤ الدین بھی ملتان سے تشریف لے آیا کرتے تھے۔ کبھی قطب صاحب اور شیخ جلال الدین ملتان چلے جاتے غرض تینوں بزرگوں میں دوستی بڑھ گئی۔ شیخ الاسلام نجم الدین ان بزرگوں کے خلاف دل میں کینہ رکھتے تھے، چنانچہ وہ سماع کے مسئلہ کو لے کر ہردو بزرگوں کے خلاف صف اُرا ہو گئے۔ طرح طرح کے فتوے شائع کرائے، جن میں سماع کو خلاف شریعت قرار دیا گیا۔ غرض بعض علما کو نجم الدین نے ان کے خلاف صف اُرا کر دیا۔

ان علماء نے بادشاہ کو بھی ان بزرگوں کے خلاف اکسانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اور ہر جائز ناجائز طریق سے ان کے خلاف لوگوں کو برا بھلا بگھناتا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک حسین طوائف کو بے شمار روپیہ دے کر اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ شیخ پر نرنا کی تہمت لگائے، مگر اس سے بھی ان کا مقصد پورا نہ ہوا۔ اتنا ضرور ہوا کہ مجلس سماع پر فوجی پھرے بٹھا دیئے گئے۔

پہلیوں میں ان حالات کو دیکھ کر شیخ جلال الدین نے دہلی چھوڑ دی اور بدایوں تشریف لے گئے جو اس زمانے میں سکونت | ملتان، جمیر، دہلی، لاہور اور پاک پٹن کی طرح نہایت اہم، مشہور اور بارونق شہر تھا۔ دہلی کے بعد اس شہر کو سوب و مشرق میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ صوبے کا صدر مقام اور علماء و فضلاء کا گہوارہ تھا۔ بہت سے قدیم بزرگ بھی اسی جگہ دفن تھے۔ کئی سہروردی بزرگ یہاں پہلے سے موجود تھے۔ اس لیے یہ روحانی و خاندانی تعلق شیخ جلال الدین کو یہاں لے آیا۔ آپ کی تشریف آوری سے یہاں اور زیادہ رونق ہو گئی اور شہر کی تقاسیم اور عظمت میں بھی اضافہ ہو گیا۔

قاضی کمال الدین بدایوں کا حاکم تھا۔ شیخ جلال الدین کی ان سے بڑی دوستی ہو گئی۔ الف خاں محل کے نزدیک ایک مسجد آج بھی موجود ہے، وہ آپ ہی نے بنوائی تھی۔ اس کا سنگ بنیاد نصب کرتے وقت آپ نے معماروں کو کعبہ شریف

لے اخبار لیا نہیں میں لکھا ہے کہ تہمت کا پروگرام تیار ہو جانے کے بعد شیخ نجم الدین نے ایک محضر تیار کرایا جس میں شیخ بہاؤ الدین زکریا کو بھی بلایا، وہ بھی آگئے۔ سلطان اور دوسرے علماء بھی بلائے گئے۔ نماز جمعہ کے بعد طوائف کو بلایا گیا۔ شیخ بہاؤ الدین نے طوائف سے پوچھا کہ تجھے لازم ہے سچ بولے ورنہ جہنم کی سزا پانے کی۔ وہ بولی کہ حق تعالیٰ حاضر و ناظر ہے یہ الزام محض دروغ و افتراء ہے حضرت شیخ جلال الدین تبریزی اب حیات سے زیادہ پاک و صاف ہیں۔ شیخ نجم الدین نے مجھے پانسہ دینا اور غلام بننے کے سامنے دے کر اس طرح بات کہنے کی ہدایت کی تھی۔ اس بقال کو بھی بلا کر پوچھا گیا تو اس نے آئید کہ وہی۔ چنانچہ سلطان نے شیخ نجم الدین کو بلا کر شیخ الاسلام کے منصب سے معزول کر دیا اور خاندان شیخ بہاؤ الدین زکریا کو یہ منصب عطا کر دیا۔

آنکھوں سے دکھا دیا تھا، تاکہ مسجد کے رخ میں فرق واقع نہ ہو۔

ایک روز ایک سادھی کے کناسے اپنے دوستوں کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ دفعۃً اٹھے اور وضو کرنے لگے۔ فرمایا: نجم الدین صغریٰ کے جنازہ کی نماز پڑھ لیں، اگرچہ مجھے اسی کی شرارتوں کے باعث وہی چھوڑنی پڑی، مگر بالآخر وہ میرے پیرو مشد کی برکت سے ملک عدم کو سدھارا۔ کچھ دنوں بعد نجم الدین کی وفات کی خبر مل گئی۔ حساب لگانے پر معلوم ہوا کہ آپ نے ٹھیک موت کے دن اس کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔

حاکم بدایوں سے دوستی کے باعث اس کے ہاں آپ جایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ اس کے ہاں گئے تو خادم نے عرض کیا آپ تشریف رکھیے وہ نماز پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا قاضی بھی نماز پڑھنی جانتا ہے؟ اور واپس چلے گئے۔

حاکم چونکہ علوم ظاہری کا منستی تھا اور پھر حاکم بھی تھا، اپنے متعلق شیخ جلال الدین کا یہ جملہ سن کر مکر رہ گیا۔ سیدھا آپ کے مکان پر آیا اور پوچھا: کیا آپ نے میرے متعلق یہ جملہ کہا تھا۔ حاکم کا خیال تھا کہ شیخ میرے رعب میں آجائیں گے مگر شیخ نے ذرا پروا نہ کی اور جواب دیا ہاں میں نے ایسا کہا تھا۔ وہ بولا اگر میں عالم و فاضل ہونے کے باوجود نماز پڑھنا نہیں جانتا تو پھر اور کون ہے جو نماز پڑھنی جانتا ہے۔ فرمایا: بھائی علماء کی نماز اور ہے اور فقرا کی اور۔ حاکم نے جواب دیا کہ کیا فقرا کوئی اور قسم کا قرآن پڑھتے ہیں اور ان کا رکوع اور سجدہ بھی کسی اور طریقہ کا ہوتا ہے؟ آپ نے جواب دیا قرآن اور طریقہ دونوں ہی ہیں مگر علماء تو صرف قیاساً کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، لیکن فقرا جب تک کعبہ کو دیکھ نہیں لیتے تکبیر نہیں کہتے اور ان کی اقل درجہ کی نماز یہ ہے کہ عرش پر پڑھی جائے۔ حاکم اس بات کو بھی خاطر میں نہ لایا۔ اس نے خیال کیا کہ شیخ اپنی کرامت کا اظہار کرتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ میں کعبہ کو دیکھتا اور عرش پر نماز ادا کرتا ہوں، مگر چونکہ دوستانہ تعلقات تھے اس لیے کچھ نہ کہا اور چلا گیا۔ رات کو قاضی صاحب (حاکم) نے خواب میں دیکھا کہ شیخ عرش معلیٰ پر جا نماز پڑھائے نماز پڑھ رہے ہیں۔

یہ محض ایک اتفاق تھا کہ قاضی صاحب ایک ضیافت میں شریک ہوئے۔ شیخ نے گفتگو کے دوران فرمایا کہ علماء کی معراج صرف یہی ہے کہ وہ متوالی ہوں یا مدرس اور پڑھیں تو قاضی بن جائیں۔ اس سے بھی زیادہ ترقی کی تو صدر الصدور بن گئے اور بس۔ لیکن فقراء کے مراتب کی کوئی حد نہیں۔ ان کا پہلا مرتبہ وہ ہے جو آج ہی رات کو قاضی صاحب نے خواب میں دیکھا۔

علی مولا | قاضی صاحب رات خواب دیکھ ہی چکے تھے اور حقیقت نے ان کی حکومت کے غرور کو پامال کر دیا تھا، وقار کا خیال چھوڑ کر بھری محفل میں اٹھے اور اپنا سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا اور اپنے لڑکے برہان الدین کو بھی اس وقت حضرت شیخ کا مرید کر لیا۔ شیخ برہان الدین نے بعد ازاں درجہ کمال کو پہنچ کر حضرت شیخ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ شیخ علی مولا بھی آپ کے خلیفہ تھے اور یہ دونوں بدایوں میں رہے۔ نظام المشائخ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز آپ اپنے دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص سر پر وہی کامٹکار کھے فروخت کر رہا تھا۔ یہ شخص چوروں کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ آپ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا "سبحان اللہ دنیا میں ایسے مرد

بھی ہیں۔ اور حالت ایسی متغیر ہو گئی کہ اسی وقت ہندو مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر لیا اور مولا کی بجائے اس کا علی نام رکھا گیا۔ علی مولانا نے ایک لاکھ روپیہ جو مد فون رکھا تھا لاکر نظام المشائخ کی خدمت میں پیش کیا اور مرید ہو کر خلافت کے درجہ کو پہنچا۔

سیاحت | شیخ جلال الدین بدایوں سے اودھ گئے پھر بہار کی سیاحت کرتے ہوئے بنگال پہنچے جو اس وقت کفرستان کا مرکز تھا۔ وہاں پہنچ کر پنڈو کے قصبہ میں سکونت اختیار کی۔ جو ضلع مالوہ میں لکھنوتی کے قریب ایک مشہور اور قدیم قصبہ تھا۔ یہ جگہ ہندوؤں کے متبرک تیرتھ کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہندوؤں کے بہت سے مندر تھے اور ہر وقت نانوہوں کی صدا گونجتی رہتی تھی۔ بنگال میں اسلامی سلطنت کو قائم ہوئے تھوڑی ہی مدت گزری تھی اور لکھنوتی اس کا صدر مقام قرار پایا تھا۔ شیخ جلال الدین نے اس کے قریب ہی پنڈو کے مقام کو اپنی سکونت کے لیے منتخب کیا۔ تاکہ حکومت کو بھی متاثر کر سکیں، پھر یہ کہ یہاں رہنے سے طول و عرض بنگال میں اسلام کی تبلیغ کے لیے ہر قسم کی سہولتیں میسر آ سکتی تھیں۔ اس مقام بنگال کے ہر گوشے سے لوگ تیرتھ یا تیرا کے لیے آتے تھے۔ ہر وقت میلا سا لگا رہتا تھا۔ لاکھوں ہندوؤں کا اجتماع ہوتا تھا۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ بھی تعلقوں کے عہد میں یہاں آیا تھا۔ شیخ جلال الدین سے بھی اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ پنڈو کے متعلق ابن بطوطہ لکھتا ہے :

پنڈو میں ہندوؤں کا ایک مشہور مندر تھا جہاں کالی کی پوجا ہوتی تھی، جس کی زیارت کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے۔ بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ اس مندر اور بت خانہ کی وجہ سے پنڈو کی شہرت سارے بنگال میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں بہ کثرت پجاری تھے اور بکثرت بت تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزی سہروردی کی عمر ۵۰ سال کی ہو چکی ہے۔ دبے پتلے اور کشیدہ قامت شخص ہیں۔ میرے آنے کا حال اپنے کشف سے معلوم کر کے اپنے مریدوں کو دو منزل آگے میرے استقبال کو بھیج دیا۔ انھیں دیکھا ایک عمدہ قسم کا چغتر پہنے بیٹھے ہیں جو مجھے بہت پسند آیا۔ دل میں کہنے لگا کہ کاش حضرت یہ چغتر مجھے عطا فرمائیں۔ انھوں نے اسی وقت چغتر اتار کر مجھے عطا کر دیا اور مریدوں سے کہا کہ وہ تو جہاں ہوں مگر یہ چغتر ان کے پاس رہے گا نہیں۔ ایک کافر بادشاہ ان سے چھین کر میرے ہی بھائی کو دے دے گا۔ میں نے اسی وقت سے اس کی پوری حفاظت کی اور اس امر کا نتیجہ کر لیا تھا کہ میں اسے کسی بادشاہ کے سامنے پہن کر جاؤں گا ہی نہیں، مگر ایک شیخ وقت کے منہ سے نکلی ہوئی بات ہرگز غلط نہ ہو سکتی تھی۔ چین میں جب پہنچا تو وہاں کے بادشاہ نے وہ چغتر مجھ سے بہ جبر چھین لیا کہ بہت خوبصورت اور قیمتی تھا، لیکن اس کے عوض اپنی طرف سے ایک بلش بہا خلعت، ایک گھوڑا اور کچھ نقد روپیہ عطا کیا۔ مجھے اس وقت شیخ کا قول یاد آیا، لیکن میری حیرت کا وہ عالم بھی دیکھنے کے قابل تھا، جب میں نے چین ہی کے ایک اور شہر میں وہ چغتر ایک اور درویش شیخ برہان الدین کو پہنے دیکھا۔ انھوں نے خود ہی

فرمایا، علامہ اس میں تحیر کی کون سی بات ہے، میرے بھائی شیخ جلال الدین نے یہ چہرہ حقیقت میں میرے ہی لیے بنایا تھا اور مجھے ایک خط میں اطلاع دی تھی کہ اطمینان رکھو تمہیں یہ چہرہ کسی نہ کسی ذریعہ سے ضرور پہنچ جائے گا، یہی نہیں انھوں نے مجھے وہ خط بھی دکھایا۔

اس کے بعد علامہ مغفور نے لکھا ہے کہ "شیخ تبریزی کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ بہت مقدر اور بلند پایہ بزرگ ہیں، جنہیں صرف ہندوستان ہی نہیں تمام دنیا کے معاملات میں بہت دخل ہے۔"

اس وقت پنڈو کی حالت یہ تھی کہ کسی مسلمان کی جرات نہ تھی۔ وہاں قدم رکھ سکتا لیکن آپ تنہا وہاں گئے اور ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھ رہے۔ سونے کی حاجت ہوتی تو زمین پر وہیں سو جاتے۔ درختوں کے پتے ان کی غذا تھی پاس کوئی زادراہ نہ تھا۔ کپڑے میلے ہو جاتے تو خود دھو لیتے۔ پجاریوں میں آپ کی آمد سے ایک شور مچ گیا۔ مخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ کو وہاں سے ہٹانے کی کوشش کی گئی مگر آپ نہ ہٹے۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کیں، مگر بے سود۔ بالآخر آپ کی مساعی سے صدیوں کا کفر بنا ہوا شہر ایک انقلاب عظیم سے دوچار ہو گیا۔ لوگ آپ کی تعلیمات اور روتہ روحانی سے متاثر ہو کر جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ پجاریوں کی دنیا میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا اور یہاں کا عظیم الشان بت خانہ اپنی شوکت و سطوت کھو بیٹھا۔ پھر وہ مسمار کر دیا گیا۔ اس لیے کہ کوئی اس بت خانے کا پجاری باقی نہ رہا سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ ہندو جوق در جوق آپ کے پاس کچھے چلے آتے تھے۔ وہی پجاری جو دن رات کالی کے مندر میں شیٹھے ناقوس بجایا اور گایا کرتے تھے۔ اسلام کے شیدائی ہو کر پانچ وقت نماز ادا کرنے لگے۔ جہاں پہلے مندر ہی مندر دکھائی دیتے تھے اب مسجدوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ بنگال میں آج مسلمانوں کی جو کثرت نظر آتی ہے وہ سب حضرت جلال الدین بہروردی ہی کے برکات و فیوض کا نتیجہ ہے۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ شیخ بہروردی صبح کی نماز کعبہ شریف میں پڑھا کرتے تھے ہر سال حج کے موقع پر طواف بیت اللہ میں موجود ہوتے، عرفہ اور عید کے روز ہمیشہ غائب رہتے، کسی کو یہ علم نہ ہوتا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے۔

اخبار الصالحین کے بیان کے بموجب شیخ جلال الدین بندرگاہ دیو محل کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں کفار کا ایک بڑا بت خانہ تھا۔ اس ملک کے لوگ جوق در جوق اس کی زیارت کے لیے جاتے تھے۔ شیخ نے تصرف باطنی سے ان بتوں کو شکست کیا اور اس ملک کے تمام کفار کو مسلمان کیا اور وہی اپنا تکیہ بنایا اور جب انتقال ہوا تو وہیں دفن ہوئے۔ اب تک اسی بت خانہ میں قبر مبارک ہے۔ صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں کہ اب تک وہاں کی نصف آمدنی آستانہ کے لیے وقف ہے۔ بنگالہ میں جہاں کہیں حضرت شیخ تشریف فرما ہوئے تھے، آج تک لوگ وہاں حسین اخلاص خاک پر ملتے ہیں۔ چنانچہ چند جگہ اور زیارت گاہیں مشہور ہیں۔ بعض لوگ غلطی سے آپ کو شمس الدین تبریزی کہتے ہیں۔ غرض آپ کے کمالات اور خوارق عادات اتنے زیادہ ہیں کہ اس مختصر کتاب میں نہیں سما سکتے۔ آپ کے احوال پیرانہ چشت کے مہذوبات میں اکثر جگہ نظر پڑے ہیں۔ چنانچہ

جو امح القلم میں ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین جب سفر کرتے کرتے شیخ فرید الدین گنجشکر کے وطن پہنچے تو حضرت گنج شکر اس وقت کم سن تھے۔ شیخ جلال الدین نے پوچھا کہ یہاں کوئی درویش ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں ایک قاضی بچہ دیوانہ ہے یہ سن کر شیخ جلال الدین آپ کے دیکھنے کو آئے اور ایک انار آپ کو دیا۔ آپ اس وقت روزہ سے تھے۔ انار سب تقسیم کر دیا۔ صرف ایک دانہ افطار کے لیے رکھا۔ جب یہ بڑے ہوئے اور حضرت قطب الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں آئے اور آپ سے یہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اسی ایک دانہ میں تمہارے لیے تمام نعمتیں تھیں۔

آپ کا کلام ہے کہ جس کسی نے صنایع کو چھوڑ کر مصنوع سے دل لگایا وہ ریا کا بندہ ہو گیا۔ آپ نے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو ایک خط لکھا تھا کہ جس کسی نے عورتوں کے سرینوں سے محبت پیدا کی اسے کبھی فلاح نہیں ہو سکتی۔ خزینۃ الاصفیاء اور مرآۃ الکونین میں آپ کے وصال کی تاریخ ۶۴۲ھ (۱۲۴۲ء) چھ سو بیالیس ہجری لکھی ہے۔

آپ کے کشف و کرامات کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جن دنوں آپ دہلی تشریف لے گئے اور سلطان التمش نے آپ کا استقبال کیا تو بادشاہ نے شیخ نجم الدین صغریٰ سے جو ان دنوں شیخ الاسلام تھے پوچھا آپ کو کہاں ٹھہرانا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ بیت الرحمن میں ٹھہرائیں۔ یہ ایک شاہی مکان تھا جو محل کے قریب تھا۔ اس کے متعلق عام خیال یہ تھا کہ اس میں اسیب ہے اور جن رہتے ہیں اور ہمیشہ مفضل رہتا تھا۔ سلطان نے کہا مہمان کے ساتھ ایسا سلوک اچھا نہیں۔ نجم الدین نے کہا اگر یہ مرد کامل ہے تو جن انہیں کوئی تکلیف نہ دیں گے اور اگر ناقص ہیں تو یہی ان کی سزا ہے۔ ابھی بادشاہ نے نجم الدین کے مشورے سے اتفاق نہیں کیا تھا کہ شیخ جلال الدین کو اس کی خبر ہو گئی۔ آپ نے فرمایا، نجم الدین اس مکان کی چابی کہاں ہے؟ بیچ دو تاکہ اترنے سے پہلے ایک درویش کو بھیج کر اس کی صفائی کرائی جائے۔ کنجی آگئی تو آپ نے تراب نام ایک درویش کو دی کہ قفل کھول کر اندر جاؤ اور بلند آواز سے کہو "اے جنو! شیخ جلال الدین تبریزی یہاں آئے ہیں عرصہ تک تم یہاں رہے اب حضرت شیخ یہاں رہیں گے، تم یہاں سے چلے جاؤ۔" اور میری یہ حائل وہاں ٹانگ دینا۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی۔ جنوں نے مکان خالی کر دیا اور حضرت نے وہاں قیام فرمایا۔

حضرت شیخ امیر حسینیؒ

ولادت _____ علاقہ غور (ہرات)

وفات _____ موضع ہری (ہرات) ۱۹۱۹ء

شیخ امیر حسینیؒ مشہور صوفی بزرگ اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ نظم اور نثر میں ان کی کئی کتابیں مقبول ہوئیں۔ آپ نے زراخ خراسان میں علم و عرفان کی شمعیں روشن کیں پھر ملتان تشریف لائے اور شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں فیضیاب ہوئے۔ خاندان اور ابتدائی آپ کا اسم گرامی حسین بن عالم بن ابی الحسن ہے۔ سیر العارفین میں پورا نام شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین المعروف برسید حسین بتایا گیا ہے۔ غور کے ایک گاؤں کزیو کے رہنے والے تھے۔ بعد ازاں ہرات چلے گئے۔ اسی بنا پر آپ کے نام کے ساتھ ہروی بھی لکھا جاتا ہے۔

بیعت | آپ کی بیعت کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض لکھتے ہیں کہ آپ شیخ شہاب الدین عمر سروردیؒ کے مرید تھے، بعض نے شیخ ابوالفتح رکن الدین کا مرید بتایا ہے۔ سیر العارفین میں شیخ بہاء الدین زکریا کے حالات میں شیخ امیر حسینیؒ کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

ایک مرید منجملہ مریدان صادق العمل والقول کے شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین ہروی بھی ہیں، جو سید حسینی کے نام سے بھی مشہور و معروف ہیں۔ ان کی تصنیفات نظم و نثر میں بکثرت مقبول و مشہور عام و خاص ہیں۔ نثر میں نزہت الارواح اور طرب المجالس اور نظم میں زاد المسافرین اور کنز الاموزہ بتمام متبرک ملتان شیخ بہاء الدین کی خدمت میں رہ کر وہیں تصنیف کیں اور شیخ بہاء الدین نے کتب مذکورہ کا مطالعہ بغور فرما کر مصنف کی تحسین و آفرین کی اور وہ سوالات بھی جو شیخ محمود شوشتری سے کیے گئے تھے۔ اور شوشتری مرحوم نے ان کے جوابات میں نسخہ گلشن راز تصنیف کیا۔ سید حسینی کی تصنیف میں سے ہیں۔ چنانچہ اپنے زمانہ میں نواحی خراسان میں نہم معرفت و طریقہ درویشی میں سید صاحب نے نظیر و بے ہمتا گزرے ہیں اور ریاضت عظیم فرماتے تھے۔ اول مرتبہ ملتان میں اپنے والد بزرگوار سید نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ برسیل تجارت آنے تھے اور بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں فیضیاب ہوئے، لیکن بوجہ زعم علم و کمال مرید نہ ہوئے تھے، مگر وفات پدربزرگوار کے بعد دفعۃً ترک تعلق دنیا سے دنی کر کے آزادی اور خدا طلبی اختیار کی اور اپنا تمام مال و اسباب فی سبیل اللہ مساکین و فقرا پر ایشا کر کے ملتان آئے اور بصدق عقیدت شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ وجہہ کے مرید ہو گئے اور تین

برس تک پیر کی خدمت میں رہ کر بڑی بڑی ریاضتیں کر کے کمالات و کرامات سے مالا مال ہو گئے۔ مزار تبرک سید موصوف کا موضع ہری میں واقع ہے۔ اس دیار کے لوگ ان کی زیارت کے واسطے دو شنبہ کے دن جایا کرتے ہیں۔ حتیٰ یہ ہے کہ مرقہ منور ان کا زائروں کے جسم بے جان میں روح تازہ بخشتا ہے۔ عجب دلکشا اور جانفزا مقام ہے۔ جن ایام میں یہ ضعیف جمالی مقام ہری میں پہنچا تھا، اس وقت مولانا عبدالرحمان جامی اور مولانا عبدالغفور قدس سرہ العزیز بھی سید صاحب کی زیارت کے واسطے تشریف لائے تھے۔ بعد حصول زیارت ہم سب نے مل کر نماز ظہر و عصر کی اسی جگہ ادا کی تھی اور بہت کچھ فیض حاصل کیا تھا۔

وفات | نفحات الانس کے بیان کے مطابق آپ نے ۱۶ شوال ۱۸۱۸ھ میں وفات پائی۔ تذکرہ دولت شاہ میں سن ۱۸۱۹ھ بتایا گیا ہے۔ مگر شیخ امیر حسینی کی ایک کتاب زاد المسافرین میں ان کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۷۶۹ھ تک زندہ تھے۔ شعر یہ ہے:

گشتِ اُخرا میں کتابِ ختمت

در ہفت صد و بیست و نہ ز ہجرت

تصانیف | شیخ امیر حسینی کی تصانیف یہ ہیں:

نزہت الارواح، الارواح، طرب المجالس، صراطِ مستقیم، زاد المسافرین، کنز الموز، سوالات گلشن، راز اور دیوان۔ یہ تمام کتابیں غیر مطبوعہ ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان تمام کتابوں کا موضوع معرفت اور سلوک و طریقت ہے۔

ان تصانیف کے ضمن میں "بزم صوفیہ" کے مصنف نے شیخ امیر حسینی کی تحریر اور ان کے کلام کے بعض نمونے پیش کیے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"نزہت الارواح کے متعلق لطائف اشرفی میں ہے:

لمعات حضرت فخر الدین عراقی و نزہت الارواح حضرت امیر حسینی لبشر (یعنی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی) اور دند فرمودند کہ لمعات بہ نسبت خاص واقع شدہ و نزہت الارواح ہم خاص و ہم عام حسب حیثیت خود بہرہ بر و اما لمعات لمعہ دیگر وارد (ص ۳۶۷)

زاد المسافرین کے متعلق ہم جو کچھ معلومات فراہم کر سکے ہیں ان کو ہم مدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ شنیوی کا آغاز حمد باری تعالیٰ شانہ سے ہوتا ہے۔ پروردگار عالم کی نعمتوں اور رحمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے زیادہ روں کو خطاب اس طرح کیا ہے:

۱۔ سیر العارفین اردو ترجمہ جلد اول ص ۱۷۱ بہ حوالہ بزم صوفیہ از سید صباح الدین عبدالرحمان ص ۱۴۲

۲۔ فرست کتب خانہ شاہ اودھ ص ۲۳ بہ حوالہ بزم صوفیہ

بشنو پسرا بسیان حالت
 علم و جدل ست قیل و قال
 ایںست کجا ہی دومی تو
 و آن دم کہ ترا ز تور ہاند
 تحقیق صفات حق نہ دانی
 تا کہ لم و لانسلم تو
 آخر ز خدا نیایدت شرم
 تشبیہ مکن بوجہ تسلیل
 غترہ نشومی بحق شناسی

اس کے بعد مقالات شروع ہو جاتے ہیں جن میں جا بجا متعدد حکایات بھی ہیں۔ پہلا مقالہ حق سبحانہ تعالیٰ کی تزیین و تقدیس اور سالک کو ریاضت و مجاہدہ کی تلقین و تشویق میں ہے۔ اس میں بھی خلیبانہ رنگ اور واغظانہ انداز بیان قائم ہے۔ فرماتے ہیں:

ہندو کہ ہمیشہ بت پرستند
 جز ذکر تو نیست دوزبانش
 ہر صبح دعائے می فرستند
 ز نار و فاسست دوزبانش
 ایں جملہ ز دین و ملت خویش
 جز تیر غمت نہ دیدہ در کیش

دوسرے مقالہ میں فضیلت و شرف انسانی پر بحث ہے۔ اس میں فارسی زبان کی سلاست و لطافت کے ساتھ ساتھ بعض غیر معمولی عربی الفاظ یا ناموں کے بھی کہیں کہیں آگئے ہیں۔ اس کی پہلی حکایت ملاحظہ ہو:

موسلی ز مے فسراق مخمور
 گفت اے ز تو بود ہر چہ بودہ
 مستانہ دوید بر سر طور
 نازا بتو صدم تورہ نمودہ
 گر نزد منے کجاست جویم
 در دورتری بر آرم آواز
 تابا تو حدیث خویش گویم
 باشد کہ بخود ددم کنی باز
 بشنو ز ہاتھے جو ابلے
 ایں جانے حوالہ نیست بگذار
 افتادین مہرہ ہا بشش در
 مشاہدین جہاں دریں خیالات
 از غایت قرب دور دور است
 ہر مرغ بہ دانہ صبور است

ایں آتش ماچگونہ میرد کیں درد دوانے پذیرد
یاد آرز خود کہ نیست یادت بے شرم کسے کہ شرم بادت

تیسرا مقالہ طریقت اور سلوک کی کیفیت میں ہے۔ چوتھا ارشاد و معاملات پر ہے۔ اس میں کئی حکایتیں ہیں۔ پانچویں مقالہ میں عشق اور اس کے مرتبہ کا بیان ہے۔ چھٹا مقالہ معرفت نفس انسانی اور اس کی عفت میں ہے۔ ساتویں میں معرفت کا بیان اور اس کی تحقیق ہے۔ اٹھویں مقالہ کا عنوان ہے "در بیان حال شرف باد شرف می رسد"۔ یہ مقالہ دوسرے مقالوں سے کچھ زیادہ طویل اور تمثیلات سے معمور ہے اور اسی پر چند در چند مواظظ و نصائح و مخاطبات کے ساتھ مثنوی ختم ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

در یست گراں بہا کہ سقتم در یاب کہ گفتنی بگفتم
ہمدستہ گلبن یقین است ہم تو شہرہ روان دین است
از بس کہ فشانند بحر من در شد دامن آخر الزمان پر
ایں گلشکرے کہ من سر شتم در ہشت مقالش ہشتم
شمع است کہ از دلم بر افروخت ہفتاد و ہزار پردہ را سوخت
یک نکتہ او کہ جاں کنرشاد بردل در ہشت باغ بکشاد
آنکس کہ بیافت اندکے بوسے دانست کہ چوں شکافتم موتے
تا جست سران نامور را نہ پارہ و مست کون خرا
چوں اہل خسر د بہر دیارے نہیں تحفہ برند یاد گارے
ایں نور بہر طرف کہ تابد یعنی کہ قبول ہر کہ یابد
نہیں گنج کہ رائیگاں کشادم دار و بدعائے خیر یادم
در ہفتصد و بیست و نہ ز ہجرت گشت آخر این کتاب تمت

اس مثنوی میں ۱۴۵۶ اشعار ہیں۔ اس کی مقبولیت اور اہمیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کا بڑا حصہ تذکرہ دولت شاہ اور آتشکدہ میں بھی ہے، جس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

ایں طرف حکایتیں بنگر روزے مگر از قضا سکندر
سے رفت وہم سپاہ با او صد حشمت و مال و جاہ با او
ناگہ بخرابہ "گزر کرد" پیرے ز خرابہ سر بدر کرد

آتشکدہ میں، ہر صرع اس طرح ہے: روزے مگر از قضا سکندر۔ آتشکدہ ان حشمت

پیرے کہ نہ کہ آفتاب پر نور
 پرسید کہ این چہ شاید آخر
 در گوشہ این مفاک و لگیر
 چوں راند بیدال مفاک چوں گور
 چوں باز نہ کرد سوے او چشم
 گفت اے رشده غول این گزر گاہ
 بہر چہ نکردی احتیام
 دانی کہ منم بہ بخت فیروز
 دریا دل و آفتاب بایم
 پیراز سر وقت بانگ برزد
 نہ پشت نہ روے عالمے تو
 دور ان فلک کہ بیشمار است
 نہ غول و غافل دریں کوئی
 از روز پس چو آگم من
 غافل توئی کنزیراے پیشی
 چوں آخند کار با جدائیت
 در بندہ من کہ حرص فائزند
 بامن چہ برابر می کنی تو
 گریاں شد ازین سخن سکندر
 از نجلت خود نفسیہ می زد
 پیراز سر حال رزہ نمودش
 آتشکدہ میں کچھ اور اشعار بھی منقول ہیں۔ مثلاً:
 بنوا کہ درو مندم ز غم فراق یارا
 نہ خلاف گوید انگس کہ حکم کند خدارا

اے سایہ تو مرد صحبت نور نہ
رو ماتم خود گیسر کنیزیں سور نہ
اندیشہ وصل آفتاب ت نرسد
می ساز بایں قدر کز او دوات نہ نک

کنزالموزیں امیر حسینی نے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا اور ان کے فرزند ارجمند شیخ صدر الدین کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں ان میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

شیخ بہفت اقلیم قطب اولیا	واصل حضرت ندیم کبیریا
مفخر ملت بہائے شرع و دین	جان پاکش منبع صدق و یقین
از وجود او بہ نزد دوستاں	جنت المناوی شدہ ہندوستاں
منکہ زو از نیک و از بد تا فتم	ایں سعادت از قبوش یا فتم
رخت ہستی چوں برون بر از میاں	کرد پرواز ہما بر آشتیاں
آں بلند آوازہ عالم پناہ	سر و عصرا فتخار صدر گاہ

صدر دین و دولت آں مقبول حق
نہ فلک بر خوان جودش یک طبق

حضرت امام علی لائقؑ

ولادت

وفات سیالکوٹ ۴۸۶ھ

سیالکوٹ شہر میں قلعہ کے قریب سید امام علی لائقؑ کا مزار مرجع خلأق ہے، جو تغلقوں کے عہد میں سیالکوٹ سے ہندو راجہ کا خاتمہ کر کے اسے اسلامی سلطنت کے زیر نگیں لانے کا موجب تھے۔ بہت بڑے بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ عادی اور پرامام صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔

امام صاحب | سید امام علی لائقؑ: سید اسحاق زنجانی، سید حسین زنجانی اور سید یعقوب زنجانی (صدر دیوان لاہوری) کون تھے؟ | چاروں آپس میں رشتہ دار تھے اور چاروں اکٹھے ترکستان سے ہندوستان آئے تھے اور لاہور میں سکونت اختیار کی تھی۔

والد بزرگوار کا نام سید حسن مکی تھا۔ پہلے شاہی منصب پر فائز تھے، پھر اسے ترک کر کے پانگڑہ کے قریب کسی جگہ گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔

سلسلہ نسب | آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یوں ملتا ہے:

امام علی بن سید حسن مکی بن سید احمد بن سید یوسف بن سید اسحاق بن سید ہاشم بن سید عبدالرزاق بن سید عربی بن سید محمد صالح بن سید علی اکبر بن سید طاہر بن سید محی الدین بن سید عبداللہ بن سید ابوالحسن ہرہنگ احمد بن سید موسیٰ بن سید ابراہیم اصغر بن سید امام موسیٰ کاظم بن سید امام جعفر صادق بن سید امام باقر بن سید امام زین العابدین بن سید امام حسین بن حضرت علی علیہم السلام۔

بابا فرید الدین شکر گنجؒ کے خلیفہ تھے۔ بعض روایات بتاتی ہیں کہ آپ اپنے مرشد کے حکم سے سیالکوٹ آئے تھے۔ سیالکوٹ کی | جن دنوں امام صاحب ہندوستان آئے ان دنوں سیالکوٹ پر ایک ہندو راجہ حکومت کرتا تھا اگرچہ ہندو کیفیت پر تغلق حکمران تھے، مگر انھوں نے راجہ سے حکومت چھیننے کا کبھی خیال نہ کیا، تاہم راجہ کو ہر وقت اپنی حکومت

لہ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۱۲ پر صاحب مدارج الولاہیت کے حوالے سے مذکور ہے کہ امام علی سے پہلے دو علی یعنی علی احمد ساہو اور ایک دوسرے بزرگ

بابا شکر گنج سے بیعت کر چکے تھے۔ جب امام علی بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو بابا صاحب نے فرمایا "ایں علی نیربان سرد علی لائق باشد، چنانچہ اس دن سے

لائق آپ کا خطاب ہو گیا اور امام علی لائق کہلانے لگے۔

کا خطرہ رہتا تھا۔

سیالکوٹ کے راجہ | کہا جاتا ہے کہ ایک جو تیشی نے راجہ کو مشورہ دیا کہ اگر کسی مسلمان کا خون قلعہ کی دیواروں پر چھڑک
کی نازیباً حرکت | دیا جائے تو قلعہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے حملے سے محفوظ ہو جائے گا۔

راجہ نے ایسا ہی کیا۔ اس نے ایک مسلمان بڑھیا کے بیٹے کو قتل کر کے اس کا خون قلعہ کی دیواروں پر چھڑکا۔

راجہ کی شامت | ان دنوں تختِ دہلی پر فیروز شاہ تغلق متمکن تھا۔ اتفاق سے اس کی ملاقات امام صاحب سے ہوئی
تو انھوں نے بڑھیا کی فریاد بادشاہ تک پہنچائی۔ فیروز شاہ کو راجہ کے اس ظلم پر بڑا طیش آیا، چنانچہ اس نے امام صاحب
کو امیر بنا کر ان کی سرکردگی میں ایک لشکر سیالکوٹ کی طرف روانہ کیا تاکہ راجہ کو اس کی ظالمانہ حرکت کی سزا دے۔

امام صاحب | اس لشکر میں امام صاحب کے ساتھ سید میر باز خان ایک قابل جرنیل بھی تھا۔ علاوہ ازیں امام صاحب
کی پہلی فتح | کے بھائی امام ناصر الدین بھی شریک تھے۔ جب لشکر جالندھر پہنچا تو ناصر الدین نے غلامت سے وفات
پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔ لشکر آگے بڑھا تو جگت پور نام ایک مقام پر سیالکوٹ کے راجہ کا بھائی جگت رام مقابلے میں
آیا۔ سخت لڑائی کے بعد امام صاحب نے راجہ کو شکست دی مگر اس جنگ میں امام صاحب کا قابل جرنیل سید میر باز خان
شہید ہو گیا۔

امام صاحب | جگت پور کا معرکہ سر کرنے کے بعد لشکر آگے بڑھا تو بنس پور کے مقام پر سیالکوٹ کے راجہ کا ایک
کی دوسری فتح | اور بھائی سید راہ ہوا، یہاں بھی معرکہ کی جنگ ہوئی جس میں راجہ مارا گیا اور امام صاحب سیالکوٹ
پر آچڑھے۔

سیالکوٹ کی | سیالکوٹ کے راجہ نے قلعہ کی حفاظت کے تمام انتظامات کر رکھے تھے اور مقابلے کی ٹھان رکھی تھی۔
جنگ | امام صاحب نے ایک کے جنوب میں ڈیرے ڈال دیے۔ پھر پورے زور شور کے ساتھ قلعہ پر حملہ
کیا۔ دو دن کی سخت لڑائی کے بعد امام صاحب شہر میں داخل ہو گئے۔

قلعہ کی فتح اور امام | راجہ قلعہ میں گھر گیا۔ امام صاحب نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور کئی روز تک لڑائی ہوتی
صاحب کی شہادت | رہی۔ بالآخر راجہ نے شکست کھائی اور قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، مگر مسلمانوں کو اس کی
بڑی قیمت ادا کرنی پڑی یعنی امام صاحب اور ان کے ساتھ دوسرے کئی بزرگ شہید ہو گئے۔ امام صاحب کی شہادت

لے امام ناصر الدین کا مزار جالندھر میں ہے۔

تک کہتے ہیں یہی وہ مقام ہے جسے اب پسرور کہتے ہیں۔ امام صاحب کے لشکر نے جگت پور کو فتح کرنے کے بعد اس کا نام بدل کر پسرور رکھا۔

جو پسرور بن گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ پسرور کو راجہ پسر رام نے آباد کیا تھا۔

۶۸۶ھ میں ہوئی ہے۔

چونکہ جو جس جگہ شہید ہوا وہیں اُسے دفن کیا گیا۔ اسی لیے قلعہ کے اُس پاس امام صاحب کے علاوہ اور بھی کئی شہید کی قبریں ہیں، جو امام صاحب کے ہمراہ اس جنگ میں شریک ہو کر شہید ہوئے۔

سید سُرخ رُقا امام صاحب کے ساتھ شہید ہونے والوں میں ایک کا نام سید سُرخ روتھا جو لڑائی کے وقت قلعے کے کامزار دروازے کے سامنے شہید ہوئے تھے۔ چنانچہ قلعہ کے دروازے کے اندر ان کا مزار ہے۔

بڑھیا اور اس کے جس بڑھیا کے بیٹے کو راجہ نے قتل کیا تھا، وہ بھی اپنے ایک اور بیٹے کے ہمراہ جنگ میں شامل تھی بیٹے کا مزار! دونوں شہید ہو گئے تھے، چنانچہ ان دونوں کے مزارات بھی قلعے کے اندر موجود ہیں۔

پیر مراد کا مزار | قلعہ کے ایک گوشے میں پیر مراد کا مزار ہے، جنہیں عام لوگ "پیر مرادیا" کہہ کر پکارتے ہیں۔ یہ مزار ایک چھوٹی سی شکستہ عمارت کی شکل میں ہے، جہاں کبھی کبھی لوگ دیے جلا دیتے ہیں۔

بہلول کا مزار | امام صاحب کے ساتھ شہادت پانے والوں میں ایک کا نام بہلول بتایا جاتا ہے، جن کا مزار امام صاحب کے مزار سے فرلانگ بھر کے فاصلے پر چوک امام صاحب میں لب سڑک واقع ہے۔

ایک بڑے پھاٹک سے گزر کر مزار کے احاطہ میں داخل ہوتے ہیں، جہاں بائیں جانب ایک اونچے پلیٹ فارم پر تین قبریں ہیں۔ ایک بہلول کی قبر ہے اور ساتھ دو سٹری دو قبریں ان کے ساتھ ہیں۔ قبروں کو چند درخت احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

پلیٹ فارم کے دائیں جانب چند رانٹھی کمرے ہیں، جن میں مزار کے متولی وغیرہ رہتے ہیں۔ پھاٹک کے عین سامنے بارہ دری کے نمونہ پر ایک چھوٹی سی عمارت ہے، جس کے عین پیچھے ایک مسجد ہے۔ قبروں کے ساتھ ہی ذرا آگے ایک بوسیدہ دو منزلہ عمارت یا مکان ہے، جو متولی کی اقامت گاہ بیان کی جاتی ہے۔

۱۷ مولوی غلام سرور ناہوری نے خزینۃ الاصفیاء (جلد اول) میں شجرہ چشتی اور سیر الاصفیاء کے حوالے سے امام علی کا یہی سن و نوات تحریر کیا ہے۔

حضرت علی احمد صابر کلیری (حضرت شیخ علاء الدین)

ولادت ————— ۵۹۲ھ

وفات ————— کلیر شریف ۶۹۰ھ

بھارت کے ضلع مہارن پور میں پیران کلیر نام ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے خلیفہ مخدوم شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری کا مزار مرجع خلائق ہے۔

کلیر شریف | پیران کلیر کو کلیر شریف بھی کہتے ہیں۔ آج کل کلیر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، مگر اس زمانے میں یہ ایک مشہور شہر تھا۔ دہلی کے قریب ہونے کے باعث اس کی آبادی، شادابی، دولت مندی اور رونق میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ بڑی چہل پھل رہتی تھی۔ شہر بہت بڑا نہ تھا، مگر بڑا بارونق اور مشہور شہر تھا۔ بڑے بڑے بازار تھے، بہت سی مسجدیں تھیں، بہت سے مسلمان امراء اور رؤساء یہاں رہتے تھے، مگر ان لوگوں کا اخلاق گر چکا تھا۔

سلسلہ نسب | آپ کا اصل نام علی احمد ہے، لقب ہائے گرامی علاء الدین و مخدوم و صابر ہیں۔ سلسلہ نسب حضرت غوث اعظم میراں محی الدین سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک اس طرح پہنچتا ہے:

علی احمد صابر بن سید شاہ عبدالرحیم بن سید عبدالسلام بن سید سیف الدین بن حضرت سید عبدالوہاب بن حضرت غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرید الملت والدین بابا شکر گنج کی ہم شیرہ ہیں۔ صاحب اخبار الاخبار لکھتے ہیں کہ آپ حضرت بابا صاحب کے داماد بھی تھے۔

۱۹۔ ربیع الاول ۵۹۲ھ کو تولد ہوئے۔ آپ بچے ہی تھے کہ والد ماجد وفات پا گئے۔ چنانچہ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر اپنے براہور معظّم حضرت شیخ الشیوخ العالم بابا فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں قصبہ اجودھن میں حاضر ہوئیں۔ حضرت شیخ الشیوخ العالم انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنے مسک ارادت میں داخل کر لیا۔ لنگر فقرا کی تقسیم اور مطبخ کی خدمت ان کے سپرد کر دی۔ بارہ سال تک آپ بابا صاحب کی خدمت میں رہے اور علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل فرمائی۔

آپ اکثر اوقات تنہا رہا کرتے تھے۔ ترک و تجرید کا یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ آپ کا زہد و تقویٰ کمال درجہ کا تھا۔ دنیا و اہل دنیا سے بالکل اٹھلک رہتے تھے۔ ہمیشہ روزے سے رہتے۔ درختوں کے پتے کھا کر گزارا کیا کرتے تھے۔ ہمیشہ پاب رہتے۔

کبھی نعلین زیب پا نہیں فرمائیں۔ ذکر و جذب میں استغراق کے باعث اپنی یا غیر کی کچھ خبر نہ ہوتی تھی۔ بہت کم ہوش میں رہتے۔ اجودھن میں عرصہ تک یہ عالم رہا کہ کام سے فارغ ہوتے ہی حجرے میں چلے جاتے اور ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتے۔ اس وقت ایسا جذبہ طاری ہوتا اور ایسا جلال ظاہر ہوتا کہ کسی کو آپ کے قریب جانے کی ہمت نہ ہوتی۔ کہا جاتا ہے کہ خود آپ کے ماموں بابا صاحب کے دو لڑکے کھیلتے ہوئے حجرے کے قریب پہنچ گئے اور آپ کے نادانستہ جلال کی نذر ہو گئے۔

عطاءے خلافت ۱۲۵ھ میں حضرت بابا صاحب نے آپ کو خلافت عطا کر دی اور اخبار الصالحین کے بیان کے مطابق حضرت سلطان المشائخ سے قبل آپ کو دہلی کی طرف روانہ فرما دیا کہ وہاں سکونت اختیار کریں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بابا صاحب نے آپ کو اختیار دیا تھا کہ جس مقام پر چاہو قیام کرو۔ شیخ علی احمد صابری نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو دہلی میں قیام کروں۔ یہ سن کر بابا صاحب نے اجازت نامہ لکھ کر آپ کو دیا اور فرمایا کہ پہلے ہانسی جانا وہاں شیخ جمال الدین ہانسوی کو یہ مثال دکھانا اس کے بعد دہلی جانا چنانچہ آپ پہلے ہانسی تشریف لے گئے اور شیخ جمال الدین ہانسوی سے ملاقات کی جو بابا صاحب کے محبوب ترین خلیفہ تھے۔ اجازت نامہ آپ کے ہاتھ میں دے کر اسی وقت رخصت کی درخواست کی۔ شیخ جمال الدین ہانسوی نے فرمایا کہ آخر اتنی جلدی کیوں ہے۔ دہلی کے صاحب ولایت کو بہت کچھ بردباری چاہیے اور تم ہو کہ ایک ساعت بھی بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تم سے یہ کام کیوں کہ ہو گا۔ شیخ علی احمد صابری نے غلبہ استغنا سے ایک بے نیازانہ جواب دیا۔ شیخ جمال الدین باوجود اس جمال و کمال کے جو خدائے عز و جل نے انہیں عطا فرمایا تھا یہ جواب سن نہ سکے اور اجازت نامہ کو پارہ پارہ کر دیا۔

شیخ علی احمد صابری جو عین منظر جلال تھے بھلا کہاں تاب لاسکتے تھے جذبہ حال میں ان کی زبان سے نکل گیا کہ میں نے تمہارا اسلسلہ قطع کر دیا، تم سے مشائخ کا کوئی سلسلہ جاری نہ ہو گا۔ آخر وہی ہوا۔ شیخ جمال الدین کے بڑے لڑکے عالم و فاضل اور سجادگی کے لائق تھے، وہ انہیں ایام میں دیوانے ہو گئے اور چھوٹے لڑکے جن کا نام برہان الدین تھا آخر وقت میں جب اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ جمال نے انہیں مرید کر کے تلقین کرنا اور اجازت بیعت دینا چاہی لیکن زبان نے کسی طرح یاری نہ دی اور گواہی دیا کہ میں اس کوئی وصیت نہ کر سکے۔ شیخ برہان الدین آخر کار بابا صاحب کے مرید ہوئے اور ان کے صاحبزادے شیخ قطب الدین منور حضرت سلطان المشائخ کے مرید ہوئے۔

شیخ علی احمد ہانسی سے اجودھن واپس چلے گئے اور بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سارا واقعہ کہہ سنایا۔ بابا صاحب نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ جو پروانہ شیخ جمال الدین نے تلف کر دیا ہے اس کی فکر نہ کرو، میں تمہیں اس سے بہتر پروانہ دے دوں گا۔ پھر ایک اور اجازت نامہ لکھ کر دیا کہ کلیر جاؤ اور وہاں رہ کر کام کرو۔ چنانچہ آپ کلیر تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

آپ قلندرانہ مشرب کے بزرگ تھے اور ظاہری رسوم کے زیادہ پابند نہ تھے لہذا بعض لوگوں کی نظروں میں آپ کھٹکنے لگے۔ پھر جب آپ کی اصل حقیقت کو جاننے والوں نے جانا جو درجہ جو آنا شروع کیا تو مخالف علماء اور دوسرے لوگوں کا حسد اور بڑھا اور آپ کو آزاد پہنچانے کی تدبیریں کرنے لگے۔

ایک روز آپ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کے ساتھ جامع مسجد میں تشریف فرما تھے کہ کچھ لوگ وہاں آئے اور آپ کے قیام پر اعتراض کیا اور وہاں سے اٹھانا چاہا۔ آپ نے ہر چند انہیں سمجھایا مگر انہوں نے سختی سے کام لیا۔ چنانچہ آپ مسجد سے نکل گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کلیر کا قاضی بھی آپ کے سخت خلاف تھا آپ نے ہر چند اسے سمجھایا مگر وہ آپ کے خلاف معاذانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے لگا۔ چنانچہ آپ نے اہل علاقہ اور قاضی کے اس رویے کے متعلق بابا صاحب کو خط لکھ کر خبر کر دی۔

بابا صاحب کو یہ خط پڑھ کر خواجہ صاحب کے مخالفوں پر غصہ آیا، چنانچہ آپ نے لکھ بھیجا کہ "کلیر تمہاری بکری ہے میں تمہیں پورا اختیار دیتا ہوں کہ خواہ تم اس بکری کا دودھ پویا گوشت کھاؤ۔"

اب تک آپ کا جو طریق عمل تھا اس سے صاف واضح ہو رہا تھا کہ آپ "بکری کا دودھ" ہی پینا چاہتے ہیں... لیکن بکری کی سرکشی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ آپ مجبور ہو گئے۔ اس اجازت کے بعد ایک جمعہ کو پھر مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوئے۔ انہوں نے پھر آپ کو ہٹاتے ہٹاتے مسجد سے باہر نکال دیا جس کے بعد آپ کے ضبط و تحمل کا پیمانہ چھلک گیا۔ آپ مسجد سے باہر نکل کر کچھ دور کھڑے ہو گئے، خطبہ سنتے رہے۔ جب خطبہ ختم ہوا تو آپ نے مسجد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے مسجد! دیکھو! امام تو اپنا کام ختم کر چکا، خطبہ پڑھا جا چکا لیکن تو ابھی تک کھڑی ہوئی ہے۔ تجھے کس کا انتظار ہے، تو بھی مسجد رہ کر یہ الفاظ آپ کی زبان مبارک سے صادر ہونا تھے کہ مسجد دھڑام سے نیچے آ رہی اور تمام رعوت پسندان کلیر اور نخوت پرست امراء اس کے نیچے دب کر رہ گئے۔ مسجد کی عمارت تھی بہت عالی شان، جتنے آدمی بھی مسجد کے اندر تھے سب کے سب اس کے نیچے دب کر رہ گئے۔ کوئی ایک تنفس بھی اپنی جان سلامت نہ لے جاسکا۔ اتنی بھی ہمت کسی میں نہ تھی جو ان مغرور و خود پسند امراء کی لاشیں ہی ملے کے نیچے سے نکال سکتا۔

اس کے بعد آپ پر جلال و غضب کا اور جذبہ طاری ہوا، شمشیر صابری بے نیام ہو گئی، جس سے لوگ پناہ مانگتے تھے مگر پناہ نہ ملتی تھی۔ تباہ وہی ہوئے تھے جو مسجد کے اندر تھے باقی شہر تمام کا تمام موجود تھا، جو عورتوں، بچوں اور بوڑھوں مردوں پر مشتمل تھا۔ شہر میں ایک وہاں عظیم پھیلی جس نے ہر طرف ایک قیامت برپا کر دی۔ یہ حالت ہو گئی کہ ایک ایک گھر سے ایک ایک وقت میں دس دس جنازے نکلتے تھے۔ وہ بازار مرگ گرم ہوا کہ بھرے شہر میں ایک کھرام بچ گیا۔ لاشوں کو دفنانے والا کوئی بھی نہ ملتا تھا۔ بھاگڑ پڑی ہوئی تھی، جدھر جس کا منہ اٹھا بھاگ نکلا، لیکن بھاگنے والوں کو کہیں پناہ نہ ملی، جو جس طرف گیا موت اس کے پیچھے گئی، کہیں کسی کو پناہ نہ ملی۔ چند روز کے اندر اندر ہی ہندوستان کا یہ دولت مند اور بارونق شہر ہو کامیدان

بن گیا۔ جو لوگ جہاں اور جس جگہ مرے وہیں پڑھے رہ گئے۔

اخبار الصالحین میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ علی احمد صابرؒ کو عالم تخییر میں ایک عرصہ گزر گیا تھا۔ بابا صاحب کو جب خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کون ہے جو میرے صابر کو عالم بیداری میں لائے۔ حضرت خواجہ شمس الدین ترک وہاں موجود تھے عرض کیا کہ غلام حاضر ہے۔ آپ نے کہا کہ اچھا جاؤ۔ خواجہ شمس الدین ترک سخن داؤدی رکھتے تھے اور بہت شیریں آواز تھے۔ آپ نے کلیر شریف پہنچ کر حضرت کے قریب گنگنا شروع کیا، پھر ایک تان لگائی۔ اس نغمہ کے اثر سے تھوڑی دیر میں حضرت چونک پڑے اور عالم تخییر سے صحو بیداری کے عالم میں مراجعت فرمائی۔ حضرت شمس الدین ترک آداب بجالائے۔ حضرت شیخ نے بابا صاحب اور دوسرے پیر بھائیوں کا حال دریافت فرمایا اور نوازشات فرما کر رخصت کر دیا۔ خواجہ صاحب نے گنجشکر کو اطلاع دی اور انعام کے خواستگار ہوئے۔ حضرت نے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو۔ آپ نے حضرت شیخ علی احمد صابرؒ کی خدمت گزاری کی عزت طلب کی۔ حضرت نے قبول فرما کر روانہ کیا۔ چنانچہ خواجہ شمس الدین ترک عرصہ تک حضرت شیخ علی احمد صابرؒ کی خدمت میں رہے۔ آپ ہی سے خلعت حاصل کیا اور پانی پت تشریف لے جا کر وہیں سکونت اختیار فرمائی۔

سیر الاقطاب سے نقل ہے کہ بعد ویرانی کلیر شریف کے ہر روز حضرت کی زیارت کرنے اس قدر خلقت آتی تھی کہ وہ جنگل آبادی شہر سے بھی بہتر معلوم ہوا کرتا تھا۔ ایک نقل مشہور ہے کہ حسن قوال بابا صاحب کا اجودھن سے واسطے کچھ حاصل کرنے زر کے عازم ہندوستان ہوا جس مرید کے پاس گیا، اُس نے بہت کچھ دیا۔ اس کو یہ خیال ہوا کہ اب کلیر چلیے کہ سید علاؤ الدین علی احمد صابرؒ اعظم خلیفہ اور بابا صاحب کے بھانجے اور کلیر کے شاہ ولایت ہیں، بہت کچھ ملے گا۔ الغرض جب یہ کلیر میں آیا، اس کو ویران دیکھا، اُس پاس کے گاؤں والوں سے دریافت کیا کہ خانقاہ صابر کس جگہ ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ایک ٹیلہ پر گولر کے درخت کے نیچے ایک پھونس کی جھونپڑی ہے، وہاں رہتے ہیں۔ الغرض قوال اسی پتا پر آیا۔ جھونپڑی کو خالی پایا۔ سمجھا کہ کسی حاجت ضروری کو گئے ہوں گے۔ جب بہت دیر گزری اس نے گرد جھونپڑی کے دیکھنا شروع کیا۔ دیکھا کہ گولر کا ٹھنا پکڑے بیخود کھڑے ہیں۔ یہ بادب کھڑا رہا۔ بہت دیر کے بعد آنکھ کھولی اور فرمایا کہ تو کیستی۔ اُس نے عرض کیا کہ فرید الدین کا قوال۔ آپ نے فرمایا کہ کون فرید۔ اس نے جل کر جواب دیا کہ تمہارے شیخ۔ اس وقت آپ نے تبسم کر کے فرمایا کہ میرے شیخ اچھے ہیں اور اس قوال کو ہمراہ لے کر جھونپڑی میں آئے۔ چولھے پر مٹی کی ایک ہانڈی رکھی ہوئی تھی، اس میں چند گولر تھے وہ اس قوال کو مرحمت فرما کر رخصت کیا۔ قوال اپنے دل میں بہت جلا اور کہا کہ میں بھی یہ گولر بابا صاحب کو دکھاؤں گا، اور کہوں گا کہ آپ کے پیارے مرید نے یہ داتاری کی۔ یہ سمجھ کر اجودھن آیا جب بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، آداب بجالایا۔ بعد قد ہوئی سب ایک مرید کی خیریت عرض کی۔ آپ ہر ایک کا حال استفسار فرماتے رہے۔ آخر آپ نے پوچھا کہ میرے صابر کو بھی

دیکھا۔ اُس نے عرض کیا کہ میں تو ان تک بہت کچھ اُمید کر کے گیا تھا، مگر وہاں جھوٹی ثابت بھی نہیں اور بڑے مغرور ہیں، بڑی ذہین تک کھڑا رہا، آپ حالت استغراق میں رہے، جب آنکھ کھولی میں نے سلام کیا، پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا کہ بابا فرید الدین کا قوال۔ اس پر انجان ہو کر پوچھا کون فرید؟ میں نے کہا کہ تمہارے پیر۔ اس وقت کہا کہ ہمارے شیخ اچھے ہیں، اور بگڑ گئے اتاری کے ہیں، کمر سے نکال کر پیش کیے۔ آپ نے دونوں فرمائے باقی حاضرین کو دیے اور دو رکعت دو گانا پڑھا۔ آج میں شیخ ہوا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ آپ پہلے شیخ نہیں تھے؟ فرمایا کہ وہ صابر نہ تھا وہ کہنے والا اور تھا۔ جس نے ان گوروں میں سے قدرے کھایا اس کے نور باطن میں ترقی ہوئی۔

صاحبِ مہرۃ الامرار فرماتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ اور شیخ علی احمد صابر میں باکمال محبت و الفت تھی حضرت سلطان المشائخ سے سینتیس سال قبل تیرھویں ربیع الاول ۶۹۰ھ کو آپ نے رحلت فرمائی اور قصبہ کلیری میں دفن ہوئے، جو اب پیران کلیر کے نام سے مشہور ہے اور رڑکی کے قریب واقع ہے۔

پہلے آپ کا مزار مبارک خام تھا لیکن حضرت عبدالقدوس گنگوہی نے پختہ مزار بنوایا اور جہانگیر کے زمانہ میں مقبرہ تعمیر ہوا۔ مزار مبارک گنبد کے اندر واقع ہے اور دور دور سے خلقت اگر فیض حاصل کرتی ہے۔ طالبانِ حق و مریدانِ صادق کو آپ کی روحانیت پاک سے برابر فیض پہنچتا رہتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ میانہ قد، نحیف البدن تھے۔ کان بڑے بڑے، پیشانی بلند، ابرو کشادہ و سیاہ چشم تھی۔ گردن دراز اور سینہ کشادہ تھا اور محاسن مبارک باریک و نرم تھی۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے بعد خاندانِ چشت کے صرف دو سلسلے جاری ہوئے ہیں۔ ایک حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے، جن کے سجادہ نشین حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی ہوئے اور دوسرا حضرت شیخ علی احمد صابر کلیری رح سے، جن کے خلیفہ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی ہوئے۔ ان دونوں سے شاخیں پھوٹیں اور اتنی ہلک اٹھی کہ تمام ہندوستان خوشبو سے مہک اٹھا۔

خلیفہ اعظم خواجہ شمس الدین ترک پانی کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ آپ ہی کے واسطے سے سلسلہ صابری چشتی جاری ہوا۔ آپ خواجہ احمد سیوی کی اولاد سے تھے اور سلسلہ نسب حضرت محمد بن حنفیہ تک پہنچتا ہے۔ جو حضرت علی علیہ السلام کے فرزند تھے پہلے ترکستان میں تحصیل علم کرتے رہتے۔ پھر ہندوستان آئے اور کلیر شریف پہنچے اور شیخ پانی پتی کے والد و شہید ہو گئے۔ ان کی خدمت میں رہنے لگے۔ بہت مجاہدے کیے اور کسب سلوک میں ترقی حاصل کی اور ایسے کمال کو پہنچے کہ دوسروں کو صاحب کمال بنا دیا۔

آپ نے فرقہ خلافت شیخ جلال الدین پانی پتی کو عنایت فرمایا اور انھیں اپنا چالیسین مقرر کیا۔ خواجہ شمس الدین ترک نے ۱۹ شعبان ۱۹۵۷ء کو وفات پائی۔

سیرالقطاب نے لکھا ہے کہ بعد وفات مجاوران درگاہ بخوف آمد شیراں دور جا رہے تھے۔ بعد ایک مدت کے منہر نے روضہ عالیہ کے قریب دیہی کامندر تیار کر لیا، قریب تھا کہ روضہ مطہرہ منہدم ہو کر ایک تیراخی ڈفن آئی پہنچا اور بہت سے منہر وٹوں کو ہلاک کیا باقی فرار ہوئے اور پھر اس طرف منہ نہ کیا۔ ایک روز ایک ہندو فقیر اس جگہ آگیا، نورانی جگہ دیکھ کر سمجھا کہ یہ کسی واصل برحق کا مزار ہے مگر بسبب خصومت قدیم مذہبی کے اندر روضہ کے آیا اور تربت کو مسما کر ناچا اور اپنی کھٹاڑی سے مزار کو ڈھانے لگا چند منٹوں تکالی پھیں اور چاہتا تھا کہ اندر سے قبر کو دیکھے کہ اس میں کیا ہے، اسی وقت غضب الہی میں گرفتار ہوا، دم اس کا بند ہو کر ہلاک ہوا جب بات ہوئی، خدام آستانہ کو خواب ہوا کہ گویا شیخ شریف لائے اور فرماتے ہیں کہ ایک شخص بے ادبی مزار کے لیے آیا تھا، اپنی سزا کو پہنچا ہے ابھی تک گرفتار ہے جاؤ اور اس کو نکالو۔ صبح جلدی سے مجاور پہنچے اور اس فقیر کے مردہ کو گھسیٹ کر دور ڈالا۔ اس روز سے پھر کچھ آبادی ہوئی۔ بہت روز تک یہی کیفیت رہی۔ عرس شریف میں بھی رات کو کوئی مزار شریف کے قریب نہ ٹھہر سکتا تھا۔ اب ہزار ہا آدمی جمع ہوتے ہیں نہ وہاں چوکی نہ کسی قسم کا پھر نہ پولیس نہ تحصیل کوئی محافظ ہوتا مگر چوری حرام کاری نہیں ہوتی اور حاضرین کو علی قدر مراتب سرور رہتا ہے۔

آپ کی وفات کے بعد سلاطین دہلی نے چاہا کہ کلیر کو از سر نو آباد کریں، مگر تصرفات ولایت حضرت سے بیسز نہ ہوا۔ صاحب اقتباس الانوار تحریر فرماتے ہیں کہ بعد انتقال حضرت قریب مزار پڑا اور حضرت کے کوئی نہ جاسکتا تھا۔ کس واسطے کہ جہاں کسی نے قریب مزار شریف کے قدم رکھا ایک برق مزار معلوم سے پیدا ہو کر اس کو جلا دیتی تھی۔ جب حضرت قطب عالم بندگی عبدالقدوس گنگوہی تیس سترہ برس بعد زیارت جانب کلیر روانہ ہوئے اور مزار مبارک سے ایک کوس کا فاصلہ رہا، ایک ایک برق چمک کر ان کے نزدیک آتی تھی کہ آپ نے بصد عجز عرض کیا کہ غلام مشتاق زیارت ہے، اگے جیسے مرضی۔ اسی وقت وہ برق غائب ہو گئی۔ جب قریب روضہ کے پہنچے پھر برق بدستور چمکی۔ حضرت نے پھر بصد نیاز عرض کیا کہ بندہ برائے زیارت حاضر ہوا ہے، سردینے کو تیار ہے، اسی وقت برق غائب ہو گئی۔ جب آپ قریب تربت اقدس کے گئے، پھر بدستور برق چمکی چاہتی تھی، ان پر گرنے لگی نہ ٹلے استقلال سے عرض حال کیا برق غائب ہو گئی اور روحانیت حضور کی مجسم ہو کر مزار سے باہر آئی اور بندگی شیخ عبدالقدوس کو بغل میں لیا اور ہربانی سے فرمایا کہ تو میرے سلسلہ میں ہے اس وجہ سے بچ گیا، ورنہ اس جگہ پہنچنے کی کسی کو مجال نہیں ہے۔ حضرت قطب عالم نے عرض کی اپنی برق جلال کو نیام میں کیجیے اور سر جمال آئیے۔ خلق اللہ کو اپنی زیارت سے مشرف کیجیے کہ عالم آپ کی برکات سے فیض حاصل کرے۔ حضرت نے فرمایا کہ عبدالقدوس تیری خاطر سے برق ذاتی کو عالم لامکان میں مسطور کیا اور اپنی صفات جمالیہ سے بقدر ایک ذرہ کے اس تربت پر جلوہ دیتا ہوں، اسی روز سے تقریب عرس شروع ہوئی اور جوان فیوض کا عام طور پر عالم کے واسطے کشادہ ہوا۔

حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ

ولادت ————— نواح ہمدان ۷۰۰ھ

وفات ————— دمشق ۷۸۸ھ

آپ کا پورا نام شیخ فخر الدین ابراہیم ہے۔ تاریخ گزیدہ میں سلسلہ نسب یہ ہے:

فخر الدین ابراہیم بن بزرجمبر بن عبدالغفار ایجو القی، مگر تذکرہ دولت شاہ، مرآة الخیال، سیر العارفین، مخزن الغرائب اور برٹش میوزیم کے فارسی خطاط کی فہرست میں ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی شہر یار مرقوم ہے۔ سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ شیخ فخر الدین محمد شہر یار بہاء الدین زکریا کی بہن کے بیٹے یعنی بھانجے تھے۔

مگر بعض تذکروں میں ان کو شیخ شہاب الدین سہروردی کا بھانجا بتایا جاتا ہے۔ ہمدان کے نواح میں قریہ مکجان (باکوچان) میں پیدا ہوئے۔ صخر سنی میں کلام پاک حفظ کیا۔ ہمدان کے لوگ ان کی خوش گلوئی پر شیفتر تھے۔

سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسہ سے معقولات و منقولات پڑھ کر فارغ ہو گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ ہمدان سے بغداد آئے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہ کر روحانی تعلیم پائی، اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا۔ ان کے پاس رہ کر برسوں عبادت و ریاضت کرتے رہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے اسی مدت میں ان کو عراقی کا تخلص عطا فرمایا اور ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ یہاں پہنچ کر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں ملتان آئے اور ان کے فیض صحبت میں روحانی اور باطنی دولت سے مالا مال ہوئے۔ ایک دوسری روایت ہے کہ تعلیم سے فارغ ہو کر ہمدان کے مدرسہ میں درس دے رہے تھے کہ قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور مندرجہ ذیل غزل پڑھنے لگی۔

مارخت ز مسجد خرابات کشیدیم خط بر ورق ز بد و کرامات کشیدیم
در کوئے مغاں در صف عشاق نشینیم جام از کعب زندان خرابات کشیدیم
از زہد و مقامات گزشتیم کہ بسیار کاس تعب از زہد و مقامات کشیدیم

ان اشعار کو سن کر شیخ فخر الدین ابراہیم بیہ تاب ہو گئے اور ان پر ایک وجد طاری ہو گیا۔ قلندروں میں سے ایک قلندرا اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھا۔ اس کے حسن کو دیکھ کر ان کے دل میں عشق حقیقی کی آگ بھڑک اٹھی۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور

عمامہ سر سے اتار پھینکا اور اسی وقت فرمایا

چہ خوش باشند کہ دل دارم تو باشی ندیم و مونس و پارم تو باشی!

اور پھر ان قلندروں کے ساتھ ہمدان سے چل کھڑے ہوئے اور عراق و عرب و عجم کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے۔ جب ملتان آئے تو قلندروں کے ساتھ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کی خانقاہ میں قیام کیا۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کی نظر ان پر پڑی تو ان کو صورت آشنا پایا۔ شیخ فخر الدین عراقی نے بھی شیخ بہاؤ الدین زکریا کی طرف کشش محسوس کی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ شیخ کی جانب متناظر کی طرح کھنچا جا رہا ہوں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے مجھے قید کر لیا ہے۔

چنانچہ ملتان سے دہلی چلے آئے۔ دہلی سے سو منات کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں سخت آندھی آئی۔ آندھی میں قلندروں کے ایک دوسرے سے ملحدہ ہو گئے۔ شیخ فخر الدین عراقی ساتھیوں سے چھوٹ کر ادھر ادھر پھیلے جانے لگے۔ بالآخر ملتان کی طرف مراجعت کرنے کا تہیہ کیا۔ وہاں پہنچے تو شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھتے ہی فرمایا۔

”عراقی! از ما بگریختی!“

شیخ فخر الدین نے جواب میں کہا

از تو نگریزد دل میں یک زماں کالبد را کے بود از جاں گزیر

دایہ لطف مراد در برگسرفت داد بیش از مادر م صد گو نہ بشیر

شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ ان کو اپنی خلوت میں لے گئے، جہاں وہ دس روز تک چلہ میں بیٹھے۔ گیارہویں روز ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، وہ روتے تھے اور یہ غزل پڑھتے تھے:

نخستیں بادہ کا نہ در جام کردند ز چشم مست ساقی دام کردند

چو بے خود خواستند اہل طرب را شراب بے خودی در کام کردند

برائے صید مرغ جان عاشق برائے صید مرغ جان عاشق

ہم بر دند و عشقش نام کردند ہم بر دند و عشقش نام کردند

عسراقی را چہ را بد نام کردند عسراقی را چہ را بد نام کردند

شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مزیدوں نے چلہ میں شیخ فخر الدین عراقی کو شخمہ سرائی کرتے دیکھا تو مرشد کو اطلاع دی کہ ان چیزوں کی تو ممانعت ہے، پھر شیخ فخر الدین عراقی اس کے کیسے مرکب ہو رہے ہیں پھر مرشد نے فرمایا کہ

”شمار انہیں چیزیں منع است اور منع نیست“

اس کے کچھ دنوں کے بعد شیخ بہاؤ الدین شہر میں لکھنا ایک خرابات سے گزر رہے تھے کہ رندوں کو مندرجہ بالا غزل چنگ چگانہ کے ساتھ پڑھتے سنا۔ شہر سے واپس ہوئے تو اپنے مرشد شیخ بہاؤ الدین زکریا کو یہ واقعہ سنایا۔ مرشد نے یس کہ شیخ فخر الدین

عراقی کے متعلق فرمایا کہ

”کار او تمام شد“

اور پھر شیخ فخر الدین عراقی کے پاس خلوت میں پہنچ کر ارشاد فرمایا :

”عراقی ! مناجات در خرابات می کنی بیروں آئی !“

شیخ عراقی باہر آئے، مرشد کے قدموں پر سر رکھ دیا اور دریت تک پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے۔ مرشد نے اپنے دست مبارک پر ان کا سر اٹھایا اور سینہ سے لگایا۔ شیخ عراقی نے اسی وقت ایک غزل کہی، جس کا مطلع یہ ہے :

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز است
ہمیشہ یاری و مستیشن ہمہ عین نماز است

مرشد نے اسی وقت اپنا خرما اتار کر ان کو پہنا دیا اور اسی مجلس میں اپنی صاحبزادی کو ان کے جہان نکاح میں دے دیا۔ شیخ عراقی اپنے مرشد اور خسر کی خدمت میں پچیس سال رہے۔ اسی اثنا میں ان کے فرزند ارجمند شیخ کبیر الدین کی پیدائش ہوئی۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے اپنے وصال کے وقت شیخ فخر الدین عراقی ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا تھا، مگر شیخ فخر الدین عراقی نے مرشد کی دیرینہ روایات کی پابندی نہ کی۔ وہ غلو و بحال ہو کر اپنے جذبات کا اظہار شعر و شاعری کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے، جس کو شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مرید اپنے مرشد کے طریقے اور مساک کے خلاف سمجھتے تھے۔ شیخ فخر الدین نے یہ محسوس کیا تو اس منصب سے علیحدہ ہو کر عدن کی طرف روانہ ہو گئے۔ عدن کا سلطان ان کی شہرت سن چکا تھا، اور ان کی شاعری کا معتقد تھا، چنانچہ وہ عدن پہنچے تو علما و صلحا کی معیت میں ان کا شاندار استقبال کیا اور شاہی خانقاہ میں ٹھہرایا اور ہر قسم کی خاطر تواضع کی۔ حج کا موسم آیا تو شیخ فخر الدین عراقی نے خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا سلطان ان کا اس قدر گرویدہ ہو گیا تھا کہ ان کی مفارقت گوارا نہ کی، مگر وہ خانہ کعبہ کی زیارت کے اشتیاق میں سلطان کی اجازت کے بغیر چپ چاپ عدن سے چل کھڑے ہوئے۔ سلطان کو ان کے جانے کی خبر ملی تو ان کی علیحدگی سے بے تاب ہو کر خود بھی غارم حج ہوا مگر پھر لوٹ آیا اور بے انتہا مال و دولت کا نذرانہ ان کی خدمت میں اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو ان کے خادموں اور مریدوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

شیخ فخر الدین عراقی مسرت و سرشار مکہ معظمہ پہنچے، احرام باندھتے وقت انھوں نے ایک قصیدہ تحریر فرمایا، جس کا مطلع یہ

اے جلالت فرش عزت جاوداں انداختہ

گئے در میدان وحدت کامراں انداختہ

اور جب خانہ کعبہ پر ان کی نظر پڑی تو اس کے انوار و تجلیات سے مسحور ہو کر ایک دوسرا قصیدہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں :

تقدس من تقہرہ بالجہال

بیرتین اسمانش صفی لعال

تعالی من توحد بالکمال

خستہ اصفہ بہشت مثال

مدینہ منورہ پہنچے تو ان پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اور ایک رات میں پانچ قصیدے کے ان قصیدوں کے
صرف مطلعے ملاحظہ ہوں:

(۱) عاشقاں چوں بردردل حلقہ سودا زند
انتشیں سودائے جاناں درد دل شیراز زند

(۲) شہبازم و چو صید جہاں نیست در خورم
ناگہ بود کہ از کف ایام بمرہم

(۳) اے رخت مجھ خیال شدہ
مطلع نور ذوالجلالی شدہ

(۴) راہ دار کست شب تاریک و مرکب لنگ و پیر
اے سعادت رخ نمائی و اے عنایت دستگیر

(۵) دل ترا دوست تر ز جان دارد
جان ز بہر تو در میاں دارد

مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہو چکے تو اقصائے روم کی سیاحت کے لیے آٹھ کھڑے ہوئے۔ تو نبیہ پہنچ کر وہاں
حضرت شیخ محی الدین عربی کے خلیفہ اور سجادہ نشین حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں پہنچے ان کی صحبت میں روحانی لہجہ
ہوئی تو ایک عرصہ تک تو نبیہ میں قیام پذیر رہے اور حضرت شیخ صدر الدین کی صحبت میں فیوض الحکم کا مطالعہ کیا، جس کے بعد
اپنی مشہور کتاب لمعات تصنیف کی۔ حضرت شیخ صدر الدین نے اس کو پڑھ کر فرمایا کہ
”اے فخر الدین عراقی سر سخن مرداں آشکارا کر دی“

چنانچہ یہ کتاب از باب تصوف کے حلقہ میں برابر مقبول رہی۔ ملا نور الدین عبدالرحمن جامی نے اشعۃ اللمعات اور
مولانا صاحب الدین علی ترکہ اصفہانی نے ضوۃ اللمعات کے نام سے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ
صدر خاوری نے بھی اس کی شرح تحریر کی ہے اور خود سیر العارفین کے مولف نے لمعات کی مدح ان الفاظ میں کی ہے:-
”از باب بصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ لمعات ایک قطرہ سحاب فیض کا ہے جو دریائے معرفت سے شیخ بہاؤ الدین
ذکر یا قدس سرہ العزیز کے فخر الدین کی زبان پر ٹپکا“

یہ کتاب فیوض الحکم کے طرز پر لکھی گئی ہے اور اس میں بھی فیوض کی طرح اٹھائیس فصلیں ہیں۔ میخانہ کے مولف
کا خیال ہے کہ ”لمعات بحقیقت لب فیوض است“

یہاں کے قیام کے زمانہ میں امیر معین الدین شیخ فخر الدین عراقی کا بے حد معتقد ہو گیا تھا۔ اس کا اصرار تھا کہ وہ کوئی جگہ

انتخاب کر کے اپنے لیے خانقاہ بنالیں۔ پہلے تو انھوں نے اس کو پسند نہ کیا، لیکن پھر تو قات میں خانقاہ بنوائی۔ ایک بار امیر معین الدین
کچھ نقد رقم لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا مگر انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، امیر معین الدین نے شکستہ خاطر
ہو کر کہا کہ آپ مجھ سے نہ کوئی خدمت لیتے ہیں، اور نہ میری طرف التفات فرماتے ہیں۔ شیخ نے سنس کر جواب دیا کہ

”اے امیر! مارا بزرگی تو ان فریفتا“

طبیعت میں وارفتگی تھی اور اس وارفتگی کے عالم میں بعض اوقات ان کے حرکات و اعمال ارباب ظاہر کے لیے ناپسندیدہ
ہو جاتے تھے۔ ایک روز معین الدین ان کی قیامگاہ پر آیا تو ان کو وہاں نہ پایا۔ ان کی تلاش میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کچھ لڑکے ان کے
گلے میں رتی ڈال کر ان کو ادھر ادھر دوڑا رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے شیخ عراقی کی اس حرکت پر طنز بھی کیا، لیکن امیر معین الدین نے
طنز و تشنیع پر توجہ نہ کی اور شیخ کی محبت میں ان کی قیامگاہ پر واپس آیا۔

اسی طرح ایک روز شیخ اپنی قیامگاہ سے باہر گئے تو دو دن تک واپس نہ آئے۔ امیر معین الدین نے ہر طرف آدمی دوڑائے
لیکن ان کا کہیں پتہ نہ چلا، تیسرے روز خبر ملی کہ وہ پہاڑ کے دامن میں مقیم ہیں۔ امیر معین الدین اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچا تو
شیخ کی عجیب کیفیت دیکھی۔ وہ برہنہ پاؤں برہنہ سر برف کے توڑوں میں رقص کر رہے تھے۔ ان کے جسم سے پسینہ جاری تھا۔ بڑی
مشکل سے شہر کی طرف مراجعت کرنے کے لیے رضامند ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد امیر معین الدین کے بڑے دن آگے۔
ارباب سلطنت اس سے برگشتہ ہو گئے اور حکومت کی طرف سے اس کی املاک ضبط کر لی گئی۔ اس کو اپنی زندگی کی خاطر شہر کو بھی خاموشی سے
چھوڑ دینا پڑا، مگر جب وہ شہر سے باہر جانے لگا تو رات کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جواہرات کا ایک ذخیرہ پیش کر کے گزارش
کی کہ ان جواہرات کو جس طرح چاہیں خرچ کریں، مگر میرا لڑکا مصر میں مقیم ہے، اگر ممکن ہو تو اس کی رہائی کی کوشش کریں۔ اس کو رہا
کر کے اپنے پاس رکھیں اور ایک لمحہ کے لیے اپنے سے جدا نہ کریں۔ اس کو اپنا پیرانا خرقہ بھی پہنائیں اور اس کو موقع نہ دیں
کہ وہ اس خرقہ کو ضائع کرے۔ امیر یہ باتیں کہتے وقت اشکبار ہو رہا تھا، خود شیخ پر بھی گریہ طاری تھا، بالآخر شیخ کے پاؤں کو بوسہ
دے کر وہ رخصت ہو گیا۔ شیخ نے جواہرات کو بطور امانت اپنے پاس رکھ لیا۔

امیر معین الدین کی معزولی کے بعد اس علاقہ کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد کی گئی۔ اس کی معیت میں مولانا امین الدین بھی
تشریف لائے تو قات میں پہنچ کر مولانا امین الدین شیخ فخر الدین عراقی سے بھی ملنے آئے۔ دونوں بڑی گہرے محووشی سے ایک دوسرے
سے ملے اور جب سیر و سلوک پر گفتگو شروع ہوئی تو دونوں ایسے محو ہوئے کہ رات کا کافی حصہ گزر گیا، پھر بھی دونوں کی تشنگی باقی رہی
یاں تاک کہ تین دن گزر گئے۔ چوتھے روز مولانا امین الدین خواجہ شمس الدین سے ملے تو مؤخر الذکر نے تین دن کی مفارقت کی شکایت
کر کے اپنے ملاں کا اظہار کیا۔ مولانا امین الدین نے خواجہ شمس الدین کی دلجوئی کر کے فرمایا، شیخ فخر الدین عراقی کی صحبت میں تھا اور ان
سے ایسی باتیں سنیں جو کسی سے عمر بھر نہ سنی تھیں۔ ان کی صحبت میں تین سال رہتا یا تمام زندگی رہنے کا موقع مل جاتا تو بھی ان کی مفارقت
گوارا نہ کرتا۔ مولانا امین الدین کی اس عقیدت مندی کو سن کر خواجہ شمس الدین کو بھی شیخ فخر الدین عراقی سے ملنے کا اشتیاق ہوا اور

ان کو لانے کے لیے خلعت کے ساتھ ایک اونٹ بھیجا۔ شیخ فخر الدین عراقیؒ جب قریب پہنچے تو خواجہ شمس الدین معزز لوگوں کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے گیا۔ شیخ نے مولانا امین الدین کو دیکھ کر کہا "اِنَّ هِيَ اِلَّا فَتْنَتُكَ" یعنی مجھ کو یہاں بلا بھیجنے میں تمہارا ہی اتقان ہے۔ خواجہ شمس الدین ان سے بڑی تعظیم کے ساتھ پیش آیا اور جب سلوک پر گفتگو شروع ہوئی تو شیخ کی گفتگو میں اتنی تاثیر اور گرمی تھی کہ خواجہ شمس الدین کی آنکھوں سے بہت دیر تک بے اختیار آنسو جاری رہے۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد حاسدوں نے ارباب حکومت کے پاس مخبری کی کہ امیر معین الدین کی ساری دولت شیخ فخر الدین عراقی کے پاس جمع ہے، مگر ان کی گرفتاری سے پہلے خواجہ شمس الدین نے ان کو اس کا موقع دیا کہ وہ توقات چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو جائیں چنانچہ وہ امیر معین الدین کی امانت کو لے کر دو آدمیوں کے ساتھ دینیٹیہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں سے مصر پہنچے یہاں خانقاہ صالحیہ میں قیام کر کے امیر معین الدین کے لڑکے کی رہائی کی تدبیریں کیں۔ جب کوئی صورت کارگر نہ ہوئی تو سلطان مصر کے دربار کے دروازے پر پہنچے۔ حاجبوں نے پہلے تو روکا، مگر پھر اندر جانے کی اجازت دے دی۔ سلطان کو دیکھ کر سلام کیا اور امیر معین الدین کی امانت اس کے سامنے رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے ان کو دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ کوئی اعلیٰ پائے کے بزرگ ہیں چنانچہ اس نے ان کو عزت سے بٹھایا اور جوہرات کی گٹھڑی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ اس میں کیا ہے؟ شیخ فخر الدین عراقی نے جواب دیا کہ یہ امانت ہے۔ سلطان نے اس کو کھولنے کا حکم دیا اور بیش بہا جوہرات دیکھ کر متحیر ہوا۔ مزید تفصیل پوچھی تو شیخ فخر الدین عراقی نے ساری باتیں بتائیں۔ سلطان کو تعجب تھا کہ اس شخص نے جوہرات کو میرے سامنے لاکر تحفہ کے طور پر حاضر کر دیا ہے اور اپنے لیے اس کو پسند نہیں کیا۔ شیخ کو نور باطن سے سلطان کے اس تعجب کا کشف ہو گیا، چنانچہ اسی وقت کلام پاک کی اس آیت قُلْ مُتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا کی تفسیر بیان فرمائی۔ سلطان ان کی تقریر سے متاثر ہو کر اپنی مسند سے نیچے اتر آیا اور شیخ کے سامنے سجد ہو کر بیٹھ گیا اور ان کی باتیں سنتا رہا۔

اسی روز سلطان نے امیر معین الدین کے لڑکے کو قید سے رہا کرنے کا حکم جاری کیا اور اس کے ساتھ بہت ہی لطف و کرم کے ساتھ پیش آیا۔ غایت عقیدت میں اس نے شیخ فخر الدین عراقی کو سلطنت کا شیخ الشیوخ بنانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ دوسرے دن اس منصب کے عطا کرنے کی تقریب میں تمام صوفیہ و علما اور اکابر سلطنت کو مدعو کیا۔ اس دعوت پر دربار میں چھ ہزار صوفیہ جمع ہوئے اور بڑے اعزاز کے ساتھ شیخ فخر الدین عراقی کو خلعت اور طلیسان پہنایا گیا۔ اس کے بعد ایک جلوس مرتب کیا گیا جس میں صرف شیخ فخر الدین عراقی گھوڑے پر سوار تھے اور باقی تمام صوفیہ، علما اور امراء ان کے رکاب میں پایادہ تھے۔ شیخ نے اپنی یہ عظمت اور توقیر دیکھی تو انھوں نے اپنے میں نفس کا استیلا اور غلبہ محسوس کیا، اس لیے اضطراب طلیسان اور دستار کو اتار کر گھوڑے کی زین کے آگے رکھ لیا۔ کچھ دیر کھڑے رہ کر پھر دستار کو سر پر رکھ لیا۔ حاضرین یہ دیکھ کر ہنسے اور آپس میں کہنے لگے کہ ایسا دیوانہ اور مسخرہ شیخ الشیوخ کے منصب کے لیے کیوں کمزور ہو سکتا ہے۔ وزیر نے شیخ سے پوچھا یا شیخ لہما فعلت هذا (اے شیخ آپ نے ایسا کیوں کیا) شیخ نے جواب دیا وَ اَنْتَ مَا تَعْرِفُ الْحَالَ (آپ کو حال سے واقفیت نہیں) اور جب سلطان کو اس کی خبر ملی

تو شیخ کو بلا کر اس واقعہ کے متعلق استفسار کیا۔ شیخ نے جواب دیا کہ

”میں اپنے نفس کا استیلا و غلبہ محسوس کر رہا تھا، اگر ایسا نہ کرتا تو عقبتے سے غافل ہو جاتا۔“

اس جواب کو سن کر سلطان کا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا اور شیخ کے وظیفے میں مزید اضافہ کر دیا، مگر شیخ کی طبیعت کی بقیاری اور مزاج کی نشفتگی بدستور قائم رہی۔ وہ بازاروں، سڑکوں اور گلیوں میں بلا تکلف گھومتے نظر آتے تھے اور اس بے تکلفی میں ان سے بعض ایسی باتیں سرزد ہو جاتیں، جو درویشی اور مشہخت کے لیے ناموزون ہوتیں۔ پھر بھی ان سے لوگوں کی عقیدت مندی قائم رہی۔ سلطان نے حکم دے رکھا تھا کہ وہ ان کے پاس جس وقت بھی تشریف لانا چاہیں ان کی مزاحمت نہ کی جائے۔ چنانچہ اگر وہ حرم یا خواب گاہ میں بھی ہوتا تو فوراً قدمبوسی کے لیے حاضر ہو جاتا۔ کچھ روز کے بعد شیخ کی طبیعت مصر سے گھبرا گئی تو دمشق کی طرف جانے کا قصد کیا۔ سلطان نے رکنا چاہا، مگر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد سلطان نے شام کے ملک الامراء کو ان کے استقبال اور پذیرائی کے لیے لکھا۔ چنانچہ اس نے تمام علماء و مشائخ کے ساتھ ان کا پُر جوش خیر مقدم کیا۔ یہاں ان کے قیام کے چھ مہینے کے بعد ان کے فرزند شیخ کبیر الدین ہندوستان سے ملنے آئے۔ بیٹے کے آنے کے کچھ دنوں بعد ان کے چہرے پر دمومی ورم ظاہر ہوا، جس سے وہ پانچ روز تک سوز سکیے اور یہی عارضہ ان کے لیے مرض الموت ثابت ہوا۔ موت کے وقت اپنے بیٹے شیخ کبیر الدین کو پاس بلایا اور یہ آیت پڑھی:

يَوْمَ يَفِيضُ الْمَاءُ مِنْ اَخِيهِ وَ اُمِّهِ وَ اَبِيهِ وَ صَاحِبَتِهِ وَ بَنِيهِ لِكُلِّ اَهْلٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (عبس - ۱)

(جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔) اس کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے عالم جاودانی کو سدھا رہے۔

”قبران کی برابر مزار شیخ محی الدین عربی کے ہے۔ چنانچہ یہ فقیر جمالی بھی وہاں جا کر زیارت سے فیض یاب ہوا ہے۔ محلہ مشہور

صالحیہ میں مزار ان کا واقع ہے اور اس علاقے کے زائر دونوں مزاروں کی نسبت القاطب سے یوں کہتے ہیں کہ ہذا بحر العرب یعنی یہ قبر شیخ محی الدین عربی کی سمندر پر فیض عرب شریف کا ہے اور نسبت قبر شیخ مولانا فخر الدین کی کہتے ہیں ہذا بحر العجم یعنی یہ سمندر عجم کا ہے۔ بڑا فیض پہنچانے والا اور حد الدین کرمانی کی قبر بھی اسی متبرک جگہ پر ہے۔“

شیخ فخر الدین عراقی کی تصانیف میں لمعات کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان بھی ہے۔ مثنوی کا نام برٹش میوزیم کے نسخے غلطی کی فہرست میں عشاق نامہ درج ہے۔ میخانہ میں مثنوی کا نام مرقوم نہیں ہے۔ کہیں کہیں اس کا ذکر آیا ہے۔

حضرت شیخ ابو علی قلندر پانی پتی

ولادت ————— پانی پت ۶۰۵ ھ

وفات ————— کرنال ۷۲۲ ھ

نام شیخ شرف الدین اور لقب ابو علی قلندر تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہ کی اولاد سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:
شیخ شرف الدین ابو علی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابو بکر غازی بن فارس بن عبدالرحمن
بن عبدالرحیم بن محمد بن وانک بن امام اعظم ابو حنیفہ۔

آپ کے والد ماجد شہر بھری میں عراق سے ہندوستان آئے وہ بڑے متبحر اور جید عالم تھے۔ ان کی پہلی شادی حضرت
شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی دختر نیک اختر سے ہوئی، لیکن وہ لا ولد فوت ہو گئیں۔ ان کے بعد مولانا سید نعمت اللہ صاحب
بھلانی کرمانی کی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال سے عقد ہوا، جو حضرت شیخ شرف الدین ابو علی قلندر کی والدہ تھیں۔

۶۰۵ ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ کم سنی میں تمام علوم ظاہری حاصل کیے اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار
کے پاس ان کے درس و تدریس کا فیض جاری رہا۔ دہلی کے اکابر علماء مولانا قطب الدین، مولانا وجیہ الدین پٹلی، تاضی ظہور الدین
بجوازی، تاضی حمید الدین صدر شریعت، مولانا فخر الدین پٹلی وغیرہ ان کے علمی متبحر اور فضیلت کے معترف تھے۔

لیکن جب تصوف کے کوچہ میں قدم رکھا اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوئے تو جذب و سلوک کی حالت میں علم و فنون
کی تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی اور پانی پت کے مضافات باگھونی اور کرنال کے لواح بڑھا کھینچہ میں آخر
وقت تک مقیم رہے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ ان کی امداد اور خلافت حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی طرف بھی منسوب ہے۔
سکر اور مستی کی حالت میں ایک بار مونچھیں شرعی حدود سے بہت بڑھ گئی تھیں۔ کسی کو تراشنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔
ان کے ہمعصر بزرگ مولانا ضیاء الدین سنامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا۔ انہوں نے شیخ کی ریش مبارک پکڑ کر مونچھوں کو
شرعی حد کے مطابق تراش دیا۔ جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ ابو علی قلندر اپنی دائرہ ہی پکڑ کر بار بار فرماتے تھے کہ یہ ریش کیسی
مبارک ریش ہے کہ شرع محمدی کی راہ میں پکڑائی گئی۔

شیخ ابو علی قلندر کے قیام پانی پت کے زمانہ میں شمس الدین ترکا اپنے مرشد تاج الاولیا حضرت خواجہ علاؤ الدین صابر رحمۃ اللہ
علیہ کے حکم سے یہاں آکر قیام پذیر ہوئے۔

حضرت خواجہ شمس الدین ترکستان کے سادات میں اور حضرت خواجہ احمد سیوی کے فرزند تھے، جن کا سلسلہ نسب حضرت

علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ خواجہ شمس الدین علوم نقلی و عقلی کی تعلیم پانے کے بعد علم سلوک کی طرف مائل ہوئے، اور ماوراء النہر کے بہت سے بزرگوں کی صحبت میں رہے مگر جب کہیں تشنگی نہ بھی تو مرشد کامل کی طلب میں ہندوستان کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ ملتان پہنچ کر بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تربیت پانے کے بعد وہاں سے بابا فرید گنج شکر کی ہدایت کے مطابق شیخ علاء الدین کی خدمت میں کلیر پہنچے۔

شیخ نے اپنی چہارت کی کلاہ ان کے سر پر رکھ دی۔ وہ گیارہ سال تک پیر و سنگیر کی خدمت میں رہے۔ مرشد کو اپنے ہاتھوں سے نہلاتے اور وضو کراتے ان کے لیے جنگلوں سے لکڑیاں لاکر کھانا پکاتے اور خود فقرو فاقہ سے مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہتے اور مرشد سے علوم سیدنیہ کی تحصیل کے بعد پانی پت میں قیام کرنے کا حکم ملا، لیکن روحانی طور سے اس مقام کا بار اٹھانے کی صلاحت نہیں پائی، اس لیے مرشد کی اجازت سے مزدوری کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس وقت سلطان غیاث الدین بلبن کا دور حکومت تھا۔ دہلی آکر اس کی فوج میں سواروں کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔ کچھ دنوں میں ان کے پاس کافی دولت ہو گئی، لیکن امارت کی کسی چیز سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ شب و روز ذکر الہی میں مشغول رہتے تھے۔

سیرالاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے :

ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا۔ ایک زمانہ اسی حالت میں گزر گیا اور قلعہ فتح نہ ہو سکا، اس دوران میں ایک رات ایسی سخت آندھی آئی اور بارش شروع ہوئی کہ سپاہیوں اور امرائے اسلام کے نیچے گر پڑے۔ بارش تیزی سے جاری رہی۔ سخت سردی پڑنے لگی اور کسی جگہ آگ باقی نہیں رہی شاہی سقباؤں کے وضو کا پانی گرم کرنے کے لیے آگ کی تلاش میں نکلا، دفعۃً دُور سے دیکھا کہ ایک خیمہ میں چراغ جل رہا ہے اور وہ خیمہ حضرت (یعنی خواجہ شمس الدین ترک) کا تھا، سقباؤں کو ڈرا ہوا خیمہ کے پاس گیا۔ دیکھا کہ ایک فقیر کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہے۔ حضرت نے سراٹھایا اور فرمایا کہ اے بھائی اُڈ اور جلتی آگ چاہتے ہو لے جاؤ۔ وہ سامنے آیا اور ایک لکڑی آگ سے جلانی اور لوٹا لے کر لوٹ گیا۔ اس واقعہ سے سقباؤں کو بیقراری پھٹی۔ صبح کے وقت مشک لے کر اس خیمہ کی طرف چلا اور جب وہاں پہنچا تو حضرت کو اس میں نہ پا کر حیران ہوا۔ اور وہاں سے واپس آکر ایک تالاب پر جو لشکر گاہ کے پاس تھا گیا۔ وہاں دیکھا کہ ایک بزرگ وضو کر رہے ہیں۔ غور کیا تو وہی پاک صورت نظر آئی جن کے چراغ سے رات کو آگ جلا کر لے گیا تھا۔ یہ دیکھ کر ایک گوشہ میں کھڑا رہا، یہاں تک کہ وہ بزرگ وضو کے بعد نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے گئے۔ سقباؤں نے اسی جگہ سے مشک میں پانی بھر لیا، ابا و جوہر کے جانے کا زمانہ تھا اور ہر جگہ پانی جم گیا تھا، لیکن جس جگہ حضرت نے وضو کیا تھا، وہاں کا پانی اس قدر گرم تھا گویا کسی نے اس کو ابھی گرم کیا ہے۔ اس کو لے کر اپنے کا ریخانہ میں گیا اور اپنی عقل سے معلوم کیا کہ یہ سب کچھ اسی مرد خدا کی عظمت و برکت کے سبب ہوا ہے، لیکن اس راز کو کسی سے ظاہر نہیں کیا۔ دوسرے دن حضرت

کے پہنچنے سے پہلے جب دو چار گھڑی رات رہ گئی، تالاب پر پہنچا اور پانی کو دیکھا کہ جا ہوا ہے۔ قریب ہی ایک
 وریخت تھا اس کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا، یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے۔ ان کے پہنچنے کے ساتھ ہی تالاب
 کے پانی نے جوش مارا۔ حضرت نے وضو کیا اور نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ سقائے گرم پانی کو مشک
 میں بھرا اور سلطان غیاث الدین بلبن کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت جب سلطان دربار عام میں بیٹھا تھا
 سقائے فریاد کی۔ سلطان نے اس کو بلا کر استفسار کیا۔ اُس نے عرض کی اگر جہاں پناہ میرے راز کو خلوت میں سنیں
 تو گزارش کروں۔ سلطان نے اُس کو موقع دیا۔ سقائے حضرت کا تمام حال بیان کیا۔ سلطان سن کر متحیر ہوا اور
 اپنی خواہگاہ میں اس کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ جب رات ہوئی تو سلطان خیمہ کے اندر چلا گیا اور دروازہ کی کنجی سقا
 کے حوالہ کر دی، جب تین چار گھڑی رات باقی رہ گئی تو سقائے دروازہ کھول کر سلطان کو جگا دیا۔ سلطان مسلح ہو کر
 باہر نکلا اور سقائے کے ساتھ بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے۔ ان کے پہنچنے ہی حسب معمول پانی جوش
 میں آ گیا، جس کو سلطان نے خود دیکھا۔ حضرت نے وضو کر کے نماز ادا کی اور اپنے خیمہ کی طرف تشریف
 لے چلے۔ سلطان نے پانی دیکھا تو گرم تھا، وہ متحیر ہوا اور حضرت کے پیچھے پیچھے چلا۔ حضرت خیمہ میں پہنچ
 کر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ سلطان دست بستہ وہیں کھڑا رہا، جب وہ تلاوت سے فارغ
 ہو چکے تو بادشاہ کو دیکھ کر تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور سلام کیا۔ سلطان نے اظہارِ اوب کر کے عرض کیا
 کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے بزرگ میرے عہد میں موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس
 ہے کہ ابھی تک یہ قلعہ فتح نہیں ہو سکا۔ حضرت نے ہر چند اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی، لیکن بے سود تھا۔
 مجبوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فاتحہ پڑھ کر فرمایا کہ اسی وقت حملہ کیا جائے۔ قلعہ فتح ہو گیا۔ سلطان جب
 مسرت سے معمور اپنے فتح مند لشکر میں پہنچا تو دوسرے دن برہنہ یا حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ
 کیا۔ حضرت نے اپنے نور باطن سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا، اپنے گھوڑے کو طلب کر کے فرمایا کہ یہاں سے
 رہو، ایک بیوہ عورت رہتی ہے، اس کی ایک لڑکی جوان سپہ کتھالی کرنے سے معذور ہے، تو اس کے پاس
 جا اور اپنی قیمت اس عورت کو پیش کر۔ گھوڑا حسب ارشاد بیوہ کے پاس گیا، بیوہ نے غیب سے آواز سنی
 پڑھی عورت! اس گھوڑے کو بیچ کر اس کی قیمت اپنی لڑکی کے کار خیر میں صرف کر۔ اس عورت نے ایسا ہی
 کیا۔ حضرت نے اپنا بقیہ تمام اسباب و مال متاع فقراء کو دے دیا اور کسبل اور حد کر لیا، چل کھڑے ہوئے اور
 اپنے پیرستگیر کی خدمت میں پہنچے۔ کچھ دنوں وہاں رہ سکے تو پانی پت میں مامور کیے گئے۔

جب حضرت شمس الدین ترک پانی تہی کا نزول اجلال پانی پت میں ہوا تو دودھ سے بھرا ہوا پیالہ اپنے خادم کے ہاتھ
 شیخ بوعلی قلندر کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ بوعلی قلندر خادم کو دیکھ کر مسکرائے۔ چند پھولی ان کے سامنے رکھے۔ شیخ نے

پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے شمس الدین ترک کے پاس واپس کر دیا۔ وہ پیالے میں گلاب کی پتیاں دیکھ کر متبسم ہوئے۔ حاضرین مجلس نے تبسم کی وجہ پوچھی۔ فرمایا کہ شیخ بوعلی قلندر کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ یہ ملک میرے شیخ نے مجھ کو عطا کیا ہے جو مجھ سے چڑھ گیا ہے۔ شیخ بوعلی قلندر نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر دودھ کا پیالہ واپس کر دیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور یہاں اسی طرح رہیں گے، جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں۔ شیخ بوعلی قلندر سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی یہی فرمایا۔ چنانچہ دونوں میں آخر وقت تک اخلاص اور محبت قائم رہی۔

کبیر اللہ اولیاء حضرت شیخ جلال الدین محمود پانی پتی شیخ بوعلی قلندر ہی کے فیض نظر سے راہِ طریقت پر گامزن ہوئے۔ ایک دن شیخ بوعلی قلندر رحمتہ اللہ علیہ سر راہ بیٹھے ہوئے تھے کہ کمسنی کے زمانہ میں شیخ جلال الدین گھوڑے پر سوار ادھر سے گزرے۔ ان کو دیکھ کر شیخ بوعلی قلندر نے فرمایا:

زہے اسپ و نہ ہے سوار

کانوں میں آواز پڑتے ہی شیخ جلال الدین بے خود ہو گئے۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور اسی وقت گریبان چاک کر کے جنگل کی راہ لی اور چالیس سال تک جنگل میں پھرتے رہے۔ اس دوران میں مختلف درویشوں اور فقیروں کی صحبت اختیار کی، پھر جب وطن واپس آئے تو شیخ بوعلی قلندر سے بیعت کے لیے مصر ہوئے۔ شیخ نے فرمایا:

اے فرزند عزیز کشائش تو موقوف بر مرد دیگر است

چنانچہ جب حضرت شمس الدین ترک پانی پتی کا ودود مسعود پانی پتی میں ہوا تو شیخ بوعلی قلندر نے شیخ جلال الدین رحمتہ اللہ علیہ کو ان کے پاس ارادت کے لیے بھیجا، جو آگے چل کر ان کے خلیفہ ہوئے۔

سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت خواجہ بوعلی قلندر سے بڑی عقیدت تھی، وہ ان کے حلقہ ارادت میں بھی شامل ہو گیا تھا، اور بزرگان دین ہی کی صحبت کا شاہد یہ اثر تھا۔ اس میں علمِ نرہی اور خداترسی کے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔

مگر ان خوبیوں کے باوجود حضرت سیدی مولانا کا خون اس کے سر پر ہے، اگر اس واقعہ کی تفصیل ہمارے موضوع سے متعلق نہیں، لیکن ناظرین کو اس سے دلچسپی ہوگی، اس لیے اس کو مجلہ مولانا ضیاء الدین برنی کی نثرانی بیان کرتے ہیں:

”سیدی مولانا ایک درویش تھے جو سلطان بلبن کے عہد میں ولایت ملک بالا سے شہزاد یعنی دہلی میں آئے وہ عجیب طریقہ رکھتے تھے۔ خرچ کرنے اور کھانا کھلانے میں بے نظیر تھے، جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتے تھے گو وہ تازگی پابند تھے، مگر جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے تھے، جس کی پابندی تمام بزرگان دین نے کی ہے۔ وہ مجاہدہ و ریاضت بہت کرتے تھے۔ جامہ اور چادر پہنتے اور چاول کی مدنی معمولی سالن سے کھاتے تھے۔ ان کے پاس کوئی عورت، گنیز اور خدمت گزار نہ تھا اور نہ وہ کسی نفسانی خواہش میں مبتلا تھے کوئی کچھ دیتا تو اس کو قبول نہ کرتے، لیکن ان کے اخراجات اتنے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔

اوزان کا خیال تھا کہ وہ علم کیسیا جانتے ہیں۔ اپنے دروازہ کے سامنے میدان میں انھوں نے ایک خانقاہ بنوائی تھی، اس کی تعمیر میں ہزاروں روپے خرچ کیے تھے۔ اس خانقاہ میں بڑی مقدار میں کھانا پکتا تھا۔ بری و بھری سفر کرنے والے مسافر یہاں آکر مقیم ہوتے تھے اور ان کو دو وقت کھانا ملتا تھا۔ کھانا ایسا ہوتا تھا کہ اس زمانہ کے خزانین و ملوک کو میسر نہ تھا۔ خانقاہ میں ہزاروں من میدہ خرچ ہوتا تھا۔ پانچ سو جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ دو تین سو من شکر اور سو دو سو من نبات خریدی جاتی تھی۔ خانقاہ کے سامنے آدمیوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ان کے پاس (یعنی حضرت سیدی و مولیٰ) نہ کوئی گاؤں تھا اور نہ ان کو شاہی وظیفہ ملتا تھا اور نہ وہ کسی سے فتوح قبول کرتے تھے۔ جب کسی سے کوئی چیز خریدتے یا کسی کو کچھ رقم دینا چاہتے تو کہتے "جاؤ فلاں پتھر یا اینٹ کے نیچے جا کر اتنے نقرئی ٹکے لے لو" وہ جاتا تو واقعی اینٹ یا پتھر کے نیچے یا طاق میں طلائی اور نقرئی سکے مل جاتے۔ یہ سکے ایسے ہوتے جیسے وار الضرب سے بالکل نئے ٹکے ہوں۔

آگے چل کر مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں:

حضرت سیدی و مولیٰ کی خانقاہ کے اخراجات سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں اور بھی زیادہ بڑھ گئے تھے سلطان جلال الدین کا بڑا لڑکا خانخاناں ان کا معتقد ہو گیا تھا۔ وہ اپنے کو حضرت سیدی و مولیٰ کا بیٹا کہتا تھا امراد اور حکام کی آمد و رفت ان کے پاس بڑھ گئی تھی۔ قاضی جلال کا شانی نے جو اس زمانہ کا بڑا قاضی تھا، لیکن فتنہ انگیز تھا۔ سیدی سے تعلقات پیدا کیے۔ دو دو تین راتیں خانقاہ میں بسر کرتا، اور وہاں کے لوگوں سے گفتگو کرتا۔ بلبن کے عہد کے مولانا زادے جو امراد اور ملوک کی اولاد سے تھے۔ اس گفتگو میں شریک رہتے۔ یہ سب عہد جلالی میں بالکل بے سرو سامان بے اقطاع اور بے حشم ہو گئے تھے۔ برج تن اور مہتھیا پاپیک کے کووال جو آزادوں اور پہلوانوں کے گروہ ہیں اور بلبنی عہد میں ایک لاکھ چیتل وظیفہ پاتے تھے۔ بے وظیفہ ہو گئے تھے اور بعض دوسرے اکابر جو عہدوں سے معزول کر دیے گئے تھے۔ سیدی کی خانقاہ میں آکر رات کو سوتے اور ان سے کچھ چیزیں پاتے۔ لوگ سمجھتے کہ ان اکابر کی آمد و رفت محض حصول برکت کے لیے ہوتی ہے، لیکن معلوم ہوا کہ قاضی جلال کا شانی، خان زادے، ملک زادے، برج تن اور مہتھیا ایک کے کووال نے ارادہ کیا کہ جمعہ کے روز جب نماز کے لیے سلطان جلال الدین کی سواری نکلے تو اس پر حملہ کر دیا جائے اور سیدی کو خلیفہ بنا کر ان کا نکاح سلطان ناصر الدین کی لڑکی سے کر دیا جائے اور قاضی جلال کو قاضی خاں کا عہدہ اور ملتان کا اقطاع و از مقرر کیا جائے۔ اسی طرح اور اقطاع ملک زادوں اور خان زادوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ ان بیکار لوگوں میں سے ایک شخص نے جو مشورے میں شریک تھا ان سے منحرف ہو کر یہ تمام خبریں سلطان جلال الدین تک پہنچا دیں۔ سیدی اور ان کے ساتھی متہم کر کے سلطان کے سامنے لائے گئے۔

سلطان نے تفتیش کرنی چاہی تو سب نے انکار کر دیا۔ اس زمانہ میں یہ رواج نہ تھا کہ انکار کرنے والوں سے لات اور ڈنڈے کے ذریعے اقرار کرایا جاتا۔ چنانچہ دب کے لیے حکم جاری کیا گیا۔ سلطان اور دوسرے لوگوں کو سازش کا پورا یقین تھا، لیکن سازش کرنے والے منکر تھے۔ دوسرا کوئی ثبوت نہ تھا اور ان پر کوئی حکم نافذ نہ کیا جاسکتا تھا، اس لیے بہار پور کے میدان میں آگ روشن کی گئی۔ سلطان، ملک اور خزانہ کے ساتھ وہاں پہنچا۔ ایک کوشک خاص نصب کیا گیا۔ سلطان نے شہر کے تمام اکابر علماء و مشائخ کا محضر طلب کیا۔ اس میدان میں شہر کے خواص و عوام بھی جمع ہوئے۔ سلطان نے حکم دیا کہ سازش کو کرنے والوں کو آگ میں ڈال دیا جائے، تاکہ جھوٹ اور سچ روشن ہو جائے، لیکن اس کے بارے میں جب علماء سے استفسار کیا گیا تو متدین علماء نے کہا کہ دب نامشروع ہے اور آگ کے ذریعہ سے جھوٹ اور سچ کی تیز نہیں کی جاسکتی ہے۔ سازش کی خبر صرف ایک شخص نے دی ہے اور ایسے جرم میں ایک شخص کی تہمت قابل سماعت نہیں، اس لیے سلطان نے دب کا ارادہ ترک کر دیا اور قاضی جلال کو جو فتنہ کا سرغنہ تھا، بدایوں کا قاضی بنا کر بھیج دیا۔ خان زادوں اور ملک زادوں کو جلا وطن کر دیا اور ان کی املاک ضبط کر لیں۔ برج تن اور ہتھیار پیک کے کوتوال کو سزا دی۔ اس کے بعد سیدی و مولہ کو باندھ کر سلطان کے کوشک کے پاس لایا گیا۔ سلطان نے ان سے خود مباحثہ کیا۔ معاً بھری نامی ایک حیدری نے بڑھ کر سیدی کو استرے سے زخمی کر دیا اور کلی خان نے کوشک کے اوپر سے پتلیوں کو اشارہ کیا۔ ایک ہاتھی سیدی کی طرف دوڑا اور ان کو پاؤں تلے مسل ڈالا۔ اس کے بعد مولانا خبیب الدین برنی اپنے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایسا حلیم و بردبار بادشاہ اس معاملہ میں مشوروں کو سننے کی طاقت نہ پیدا کر سکا اور ایسا حکم صادر کر دیا، جس سے درویشی کی عزت جاتی رہی۔ مجھ کو یاد ہے کہ جس روز سیدی و مولہ کا قتل ہوا ایک سیاہ طونان آیا اور تاریکی چھا گئی۔ سیدی و مولہ کے قتل کے بعد ایک سال بارش نہیں ہوئی۔ وہی میں قحط پڑ گیا اور غلہ ایک چھتیل میں ایک سیر ملنے لگا۔ سو الگ کے غلات میں ایک قطرہ بھی بارش نہ ہوئی۔ اس زمین کے ہندو عورتوں اور بچوں کے ساتھ وہی چلے آئے۔ بیس بیس اور تیس تیس آدمی ایک جگہ رہتے اور بھوک سے بے تاب ہو کر اپنے کو جتنا میں غرق کر دیتے تھے۔ ادنیٰ لوگ سلطان اور امراء کے صدقات پر زندگی بسر کرتے تھے۔

اخبار الاحیاء کے مصنف کا بیان ہے:

”جس روز سیدی و مولہ کا قتل ہوا، بے اندازہ باد و غبار فضا میں اٹھا، دنیا تاریک ہو گئی، ایسا معلوم ہوا تھا کہ قیامت آگئی ہے۔ سلطان جلال الدین نے یہ حال دیکھا تو سیدی و مولہ سے اس کو اعتقاد پیدا ہو گیا۔

پہلے نہ تھا۔

۱۳۔ رمضان المبارک ۱۲۴۷ھ میں شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ تاریخ وفات یا شرف الدین ابدال سے نکلتی ہے۔ کرنال میں مدفون ہوئے، لیکن کہا جاتا ہے کہ اعزہ واقربا نے ایک رات پوشیدہ طور پر نعش مبارک کو پانی پت میں لپیٹ کر دفن کر دیا۔ چنانچہ کرنال پانی پت بڑھا کھیڑا اور باگھونی میں آج بھی ان کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے۔

حضرت شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے حسب ذیل تصانیف منسوب ہیں:

مکتوبات بنام اختیار الدین، حکم نامہ شرف الدین۔ مثنوی کنز الاسرار رسالہ عشقیہ۔

سلطان شمس الدین اہتمش کے شاہی حاجب کا نام بھی اختیار الدین تھا۔ شاید یہ مکتوبات اسنی کے نام ہوں۔ لیکن مکتوبات کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

”اے برادر! جب تم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی عنایت شروع ہو جائے، تم میں جذبہ پیدا ہونے لگے اور تم کو تم سے دور کیا جائے تو گویا تم میں عشق کا آغاز اور تم پر حسن کا جلوہ ظاہر ہو گیا اور جب تم کو حسن کا مشاہدہ ہو جائے تو معشوق کو پہچانو اور عاشق بن کر معشوق ہو جاؤ۔ اور جب عاشق بن کر معشوق ہو گئے تو اسی طرح کام کرو۔ معشوق کی سنت اور عاشق کے فریضہ کو قائم رکھو۔ اس وقت معشوق کو عاشق کے ذریعہ سے پہچان لو گے۔“

”اے برادر! معشوق کو تمہاری ہی صورت میں پیدا کر کے تمہارے درمیان بھیجا گیا ہے، تاکہ براہ راست تمہیں دعوت دے۔“

”اے برادر! خدائے عز و جل نے بہشت و دوزخ پیدا کیا اور اس کا حکم ہے کہ دونوں پر کیے جائیں معشوق کو عاشقوں کے ساتھ بہشت میں جگہ دی جائے گی اور شیطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوزخ کو پھرے گا۔ بہشت و دوزخ میں عاشقوں کے سوا کوئی نہیں ہوگا۔ دونوں عاشق ہی کے حسن سے پیدا ہوئے ہیں اور دونوں مقام غیر نہ ہوں گے۔ بہشت دوستوں سے وصال کا مقام ہے۔ دوزخ دشمنوں کے لیے جائے فراق ہے۔ یہ فراق کافروں اور منافقوں کو حاصل ہوگا اور وصال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں اور دوستوں کو نصیب ہوگا۔“

”اے برادر! چشم دل کو کھولو اور اچھی طرح سے دیکھو اور یہ جانو کہ عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے لیے کیا کیا چیزیں اور کیا کیا تماشے پیدا کیے ہیں۔ اپنا حسن ایکس درخت میں منتقل کر دیا ہے اور گونا گوں میوے پیدا کیے۔ ہر میوہ میں علیحدہ مزار رکھا اور اس درخت کو نہ اپنی ذات کی خیر اور نہ اپنے پھول کی خیر اور نہ اپنے میوہ کی خیر ہے۔ گنا تمہارے لیے پیدا کیا ہے اور اس کو شکر کی خیر نہیں۔ شکر کہ ہرن کی ناف میں رکھا جو تمہارے لیے ہے، ہرن کو متک کی کوئی خیر نہیں۔ گانے سے غنبر کو تمہارے لیے

پیدا کیا اور گائے کو عنبر کی خبر نہیں۔ زبا کو بتی سے تمہارے لیے پیدا کیا اور ملی کو زبا کی خبر نہیں۔ کافر کو تمہارے لیے درخت سے پیدا کیا اور درخت کو کافر کی خبر نہیں۔

اے برادر! عاشق ہو جاؤ اور دونوں عالم کو معشوق کا حسن جانو اور اپنے آپ کو معشوق کا حسن کہو۔ عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے وجود کا ملک بنایا، تاکہ اپنے محسن و جمال کو تمہارے آئینہ میں دیکھے، اور تم کو محرم اسرار جانے اور اَلْاِنْسَانُ بِسِرِّهِ (انسان میرا بھید ہے) تمہاری شان میں آیا ہے۔ عاشق ہو جاؤ تاکہ حسن کو ہمیشہ دیکھو، اور دنیا و عقبے کو پہچانو۔ عقبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک ہے اور دنیا شیطان کی ملکیت ہے۔ دونوں میں معلوم کرو کہ تمہارے لیے کس کو پیدا کیا ہے۔ اے برادر! نفس کو اچھی طرح پہچانو۔ جب تم نفس کو پہچان لو گے، تو دنیا کو بھی پہچان سکو گے اور اگر روح کو پہچان لو گے، تو عقبے کو بھی پہچان لو گے۔

”اے برادر! کفر میں جو حسن رکھا گیا ہے، عاشق جانتے ہیں کہ اس نے (یعنی حسن نے) کفر کو اپنے عاشقوں کے سامنے کس قدر آراستہ کر دیا ہے۔ جو دنیا کا عاشق ہے، اس کا معشوق کفر کا حسن ہے۔“

”اے برادر! تم جانتے ہو کہ حسن کا جو غمزہ کفر میں رکھا گیا ہے، اُس نے کس قدر پُر لطف تیر دنیا والوں پر مارا ہے اور ان کو اپنا عاشق بنا لیا ہے۔“

”اے برادر! اپنی جستجو میں رہو اور اپنے کو پہچانو، جب تم اپنے نفس کو پہچان لو گے، تو عشق کو بھی جان سکو گے اور جب عشق کو اپنے حسن پر دیکھو گے، تو حقیقی احساس کی کیفیت اپنے میں پاؤ گے۔ عاشق ہو جاؤ اور معشوق کو اپنی گود میں دیکھو اور حسن کو اپنے دل کے آئینہ میں معائنہ کرو۔“

”اے برادر! قند کا ایک گولہ لاؤ اور اس سے سو گولے بنا لو اور ہر گولہ سے ایک صورت بناؤ اور ہر صورت کا ایک نام رکھو۔ بعض کو گھوڑا اور بعض کو ہاتھی کہو تو قند کا نام جاتا رہے گا اور صرف وہ صورت باقی رہے گی۔ جب کل صورتوں کو توڑ کر قند کا گولہ بنا لو تو قند کا نام پھر ظاہر ہو جائے گا۔“

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

اے برادر! یہ نہیں معلوم کہ ہم لوگوں کو کس لیے پیدا کیا گیا اور ہم لوگوں کے ساتھ کیا ہو گا، لیکن خیال ہمیشہ فکر کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔ کبھی فکر ہمارے دل کے آئینہ کو آراستہ کر دیتا ہے اور عاشق کے سامنے معشوق کو ظاہر کرتا ہے اور عاشق کا وہ حکم جس کو معشوق نے پہچانا ہے، عاشق کے فرض اور معشوق کی سنت کے مطابق ہمیں بجا لاتا ہے، عاشق کے عشق اور معشوق کے حسن سے باطن کو مسحور رکھتا ہے اور حسن کے تماشا سے عاشق اپنے ظاہر کو بھلا دیتا ہے اور اپنے باطن کے تماشا میں مصروف ہو جاتا ہے، تاکہ عاشق کا حکم جس کو معشوق نے پہچایا ہے، نافذ ہو جائے۔“

ہو جائے۔“

اے برادر! کبھی خیالِ نفس کا دوست ہر جاتا ہے اور حالِ خیال کے ساتھ متحد ہو کر دنیا کی روزی کی طرف لے آتا ہے۔ خیالِ دنیا کی آرائشِ نفس کو دکھلاتا ہے اور اس کے شوق میں اس کو پریشان کرتا ہے اور اس کو یعنی نفس کو معشوق کے دروازے پر پھراتا ہے۔ ہر دروازہ پر ذیل کرتا ہے اور نفس (شوق اور آرائش کی آرائش کی وجہ سے اس ذلت ہے واقف نہیں ہوتا اور باز نہیں آتا اور یہ نہیں سوچتا کہ دنیا نے کسی کے ساتھ نہ وفا کی ہے اور نہ وفا کرے گی، نہ اس کو (نفس کو) موت کی فکر ہوتی ہے کہ دفعہ آ کر اس کو فنا کر دے گی۔ دنیا کی آرائش کا حسن دنیا کے عاشقوں کو اپنے عشق میں ایسا بے خبر کر دیتا ہے کہ نہ اس کو دنیا کی خبر ہوتی ہے، جس کو انہوں نے معشوق بنایا ہے اس کی بھی ان کو خبر نہیں ہوتی کہ دنیا اگر ختم ہو جائے گی تو کیا واقعات ظہور پذیر ہوں گے اور نہ ختمی کی خبر ان کو ہوتی ہے کہ ان کے سامنے کیا مہم درپیش ہے۔

اے برادر! سوچو کہ تمہارے سامنے ایک مہم درپیش ہے اور تم نے خیال اور فکر کو اپنا مونس بنایا ہے خیال کی نسبت ہوش رکھو کہ وہ نفس کا دوست ہو گیا ہے۔

اے برادر! میں نہیں جانتا ہوں کہ میں کیا کروں اور مجھ سے کون سا کام بین پڑے گا اور کیا میری زبان سے نکلے گا۔ زبانِ خدا کی قدرت میں ہے۔ اگر تم پر خدا کا فضل ہو تو تمہاری زبان سے وہ بات نکلے گی جو دونوں جہان کو پسند ہوگی۔

”اے برادر! اس قدر معلوم ہوا ہے کہ خدا نے اپنی مشیت سے تم کو پیدا کیا اور اپنی مشیت سے باقی رکھتا ہے۔ **يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُحْكُمُ مَا يُرِيدُ** (یعنی جو کچھ اس نے چاہا، اس کو کیا اور جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے) کسی کو اس کی مشیت میں دخل نہیں ہے۔“

حضرت مولانا جلال الدین رومی

ولادت ————— بلخ ۶۰۴ھ

وفات ————— قونیر (ترکستان) ۶۷۲ھ

نام و نسب و ولادت | محمد نام، جلال الدین لقب، عرف مولانا نے روم۔ حضرت ابو بکر صدیق کی اولاد میں تھے۔ حسین بلخی
تعلیم و تربیت | مولانا کے پردادا بہت بڑے صوفی اور صاحب کمال تھے۔ سلاطین وقت اس قدر ان کی عزت کتنے
تھے کہ محمد خوارزم شاہ نے اپنی بیٹی کی آن سے شادی کر دی تھی۔ بہاؤ الدین اسی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سلطان محمد خوارزم
شاہ بہاؤ الدین کا مومن اور مولانا کا نانا تھا۔

مولانا کے والد | مولانا کے والد کا لقب بہاؤ الدین اور بلخ وطن تھا۔ علم و فضل میں بیکتا نے روزگار گئے جاتے تھے۔ خراسان
شیخ بہاؤ الدین | کے تمام دود دراز مقامات سے ان ہی کے یہاں فتوے آتے تھے۔ بیت المال سے کچھ روزیہ مقرر تھا، اسی
پر گذر اوقات تھی۔ وقف کی آمدنی سے مطلقاً متمتع نہیں ہوتے تھے۔ معمول تھا کہ صبح سے دوپہر تک علوم و درسیہ کا درس دیتے، ظہر
کے بعد حقائق اور اسرار بیان کرتے، پیر اور جمعہ کا دن وعظ کے لیے خاص تھا۔

یہ خوارزم شاہیوں کی حکومت کا دور تھا اور محمد خوارزم شاہ جو اس سلسلہ کا گل سرسید تھا، مسند آرا تھا وہ بہاؤ الدین کے
حلقہ بگوشوں میں تھا اور اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اسی زمانہ میں امام فخر الدین رازی بھی تھے اور خوارزم شاہ کو ان سے بھی
خاص عقیدت تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب محمد خوارزم شاہ بہاؤ الدین کی خدمت میں حاضر ہوتا تو امام صاحب بھی ہمراہ ہوتے۔
مولانا کی ولادت | مولانا روم ۶۰۴ھ میں بلخ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ بہاؤ الدین سے حاصل کی۔ شیخ بہاؤ الدین
کے مریدوں میں سید برہان الدین محقق بڑے پایہ کے فاضل تھے، مولانا کے والد نے مولانا کو ان کی آغوش تربیت میں دیا۔ وہ مولانا
کے آئین بھی تھے اور استاد بھی۔ مولانا نے اکثر علوم و فنون ان ہی سے حاصل کیے۔ ۱۸ یا ۱۹ برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ

لہ مدینۃ العلم اربعتی۔ ۱۸۰۰ھ محمد خوارزم شاہ سلسلہ خوارزم کا بہت بڑا با اقتدار فرماں روا تھا۔ خراسان سے لے کر تمام ایران، ماوراء النہر، کاشغرا و
عراق تک اس کے زیر اثر تھا، خیر عمر میں ارادہ کیا کہ سلطنت عباسیہ کو مٹا کر اس کے بجائے سادات کی سلطنت قائم کرے۔ اس ارادے سے بغداد
کو روانہ ہوا، لیکن راہ میں اس قدر برف پڑی کہ واپس نہ آیا۔ ۶۱۶ھ میں چنگیز خانوں سے شکست کھائی اور بالآخر ناکامی کی حالت میں ۶۱۶ھ میں وفات
پائی۔ دیکھیں تذکرہ دولت شاہ سمرقندی۔

قونیہ میں آئے۔ جب ان کے والد نے انتقال کیا تو اس کے دوسرے سال یعنی ۶۲۹ھ میں جب ان کی عمر ۲۵ برس کی تھی، تکمیل فن کے لیے شام کا قصد کیا۔ اس زمانہ میں دمشق اور حلب علوم و فنون کے مرکز تھے۔ ابن جبیر نے ۵۷۸ھ میں جب دمشق کا سفر کیا تو خاص شہر میں ۲۰ بڑے بڑے دارالعلوم موجود تھے۔ حلب میں سلطان صلاح الدین کے بیٹے الملک انطاہر نے قاضی ابوالحسن کی تحریک سے ۵۹۱ھ میں متعدد بڑے بڑے مدرسے قائم کیے۔ چنانچہ اس زمانہ سے حلب بھی دمشق کی طرح مدینۃ العلوم بن گیا۔ مولانا نے اول حلب کا قصد کیا اور مدرسہ حلاویہ کی دارالافتاء (بورڈنگ ہاؤس) میں قیام کیا۔ اس مدرسہ کے مدرس کمال الدین بن عظیم حلبی تھے۔ ان کا نام عمر بن احمد بن ہبہ اللہ ہے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وہ محدث، حافظ، مورخ، فقیہ، کاتب، مفتی اور ادیب تھے۔ حلب کی تاریخ جو انھوں نے لکھی ہے اس کا ایک ٹکڑا یورپ میں چھپ گیا ہے۔

مولانا کے مدرسہ حلاویہ کے معلق حلب کے اور مدرسوں میں بھی علم کی تحصیل کی۔ طالب علمی ہی کے زمانہ میں عربیت، فقہ، حدیث، تفسیر اور معقول میں یہ کمال حاصل کیا کہ جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا اور کسی سے حل نہ ہوتا تو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ مولانا نے سات برس تک دمشق میں رہ کر علوم کی تحصیل کی اور اس وقت مولانا کی عمر چالیس برس کی تھی۔

یہ امر قطعی ہے کہ مولانا نے تمام علوم درسیہ میں نہایت اعلیٰ درجہ کی ہمارت پیدا کی تھی۔ جو اہر مضیہ میں لکھا۔ کان عالماً بالمدائح و واسع لفظہ۔ عالماً بالتحلاف و انواع العلوم خود ان کی شہنوی اس کی بہت بڑی شہادت ہے، لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے جو کچھ پڑھا تھا اور جن چیزوں میں کمال حاصل کیا تھا، وہ اشاعرہ کے علوم تھے مشنوی میں جو تفسیری روایتیں نقل کی ہیں۔ اشاعرہ یا ظاہریوں کی روایتیں ہیں، انبیاء کے قصص وہی نقل کیے ہیں جو عوام میں مشہور تھے۔ معتزلہ سے ان کو وہی نفرت ہے۔

سید برہان الدین | مولانا کے والد نے جب وفات پائی تو سید برہان الدین اپنے وطن ترمذ میں تھے یہ خبر سن کر ترمذ سے روانہ سے استغاثہ ہوئے اور قونیہ میں آئے۔ مولانا اس وقت لارند میں تھے۔ سید برہان الدین نے مولانا کو خط لکھا اور اپنے آنے کی اطلاع دی۔ مولانا اسی وقت روانہ ہوئے۔ قونیہ میں شاگرد استاد کی ملاقات ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور دیر تک دونوں پر بے خوی کی کیفیت طاری رہی۔ افاتہ کے بعد سید نے مولانا کا امتحان لیا اور جب تمام علوم میں کامل پایا تو کہا کہ صرف علم باطنی رہ گیا ہے اور یہ تمہارے والد کی امانت ہے، جو میں تم کو دیتا ہوں۔ چنانچہ نو برس تک طریقت اور سلوک کی تعلیم دی بعضوں کا بیان ہے کہ اسی زمانے میں مولانا ان کے مرید بھی ہو گئے۔

یہ سب کچھ تھا: لیکن مولانا پر اب تک ظاہری علوم ہی کا رنگ غالب تھا۔ ان کی زندگی کا دوسرا دور درحقیقت شمس تبریز کی ملاقات سے شروع ہوتا ہے، جس کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں:

شمس تبریز کی ملاقات | بواہر مضمیہ جو علمائے حنفیہ کے حالات میں سب سے پہلی اور سب سے زیادہ مستند کتاب ہے، اس میں لکھا ہے کہ ایک دن مولانا گھروں میں تشریف رکھتے تھے، تلامذہ اس پاس بیٹھے تھے۔ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اتفاقاً شمس تبریز کسی طرف سے اُٹھے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ (کتابوں کی طرف اشارہ کیے) کیا ہے۔ مولانا نے کہا یہ وہ چیز ہے جس کو تم نہیں جانتے۔ یہ کہنا تھا کہ دفعۃً تمام کتابوں میں اُگ لگ گئی۔ مولانا نے کہا یہ کیا ہے۔ شمس نے کہا یہ وہ چیز ہے جس کو تم نہیں جانتے۔ شمس تو یہ کہہ کر چل دیے۔ مولانا کا یہ حال ہوا کہ گھربارہ، مال، اولاد سب چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور ملک بہ ملک خاک چھانتے پھرے، لیکن شمس کا کہیں پتہ نہ لگا۔ کہتے ہیں کہ مولانا کے مریدوں میں سے کسی نے شمس کو قتل کر ڈالا۔

شمس تبریز کے والد کا نام علاؤ الدین تھا وہ اس بزرگ کے خاندان سے تھے جو فرقہ اسمعیلیہ کا امام تھا۔ لیکن انھوں نے اپنا اپنی مذہب ترک کر دیا تھا۔ شمس نے تبریز میں علم ظاہری کی تحصیل کی۔ پھر بابا کمال الدین خجندی کے مرید ہوئے، لیکن عام صوفیوں کی طرح پیری مریدی اور بیعت و ارادت کا طریقہ نہیں اختیار کیا۔ سوداگروں کی وضع میں شہروں کی سیاحت کرتے رہتے۔ جہاں جاتے کارواں سرا میں اُتتے اور حجرے کا دروازہ بند کر کے مراقبے میں مصروف ہوتے۔ معاش کا یہ طریقہ رکھا تھا کہ کبھی کبھی ازار بندوں بیٹے اور اسی کو بیچ کر روزی حاصل کرتے۔ ایک دفعہ مناجات کے وقت دعا مانگی کہ الہی کوئی ایسا بندہ خاص ملتا جو میری صحبت کا متحمل ہو سکتا عالم غیب سے اشارہ ہوا کہ روم کو بھاؤ اسی وقت چل کھڑے ہوئے۔ تونہ پہنچے تو رات کا وقت تھا، برج فروشوں کی سرائی میں اترے۔ سرائے کے دروازہ پر ایک بلند چبوترہ تھا۔ اکثر امرا اور عوام تفریح کے لیے وہاں آ بیٹھتے تھے، شمس بھی اسی چبوترے پر بیٹھا کرتے تھے۔ مولانا کو ان کے آنے کا حال معلوم ہوا تو ان کی ملاقات کو چلے۔ راہ میں لوگ قدمبوس ہوتے جاتے تھے اسی شان سے سرائے کے دروازے پر پہنچے۔ شمس نے سمجھا کہ یہی شخص ہے جس کی نسبت بشارت ہوئی ہے، دونوں بزرگوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور دیر تک زبان حال میں باتیں ہوتی رہیں۔ شمس نے مولانا سے پوچھا کہ حضرت بائزید بسطامیؒ کے ان دو واقعات میں کیونکر تطبیق ہو سکتی ہے کہ ایک طرف تو یہ حال تھا کہ تمام عمر خربوزہ نہیں کھایا کہ معلوم نہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کس طرح کھایا ہے؟ دوسری طرف اپنی نسبت یوں فرماتے تھے کہ سبحانی ما اعظم شانی (یعنی اللہ اکبر امیری شان گس قدر بڑی ہے) حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بائیں ہمہ جلالت شان فرمایا کرتے تھے کہ میں دن بھر میں ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ بائزید اگرچہ بہت بڑے پایہ کے بزرگ تھے، لیکن نظام ولایت میں وہ ایک خاص درجے پر ٹھہر گئے اور اس درجے کی عظمت کے اثر سے ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے، بخلاف اس کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منازل تقرب میں برابر ایک پایہ سے دوسرے پایہ پر چڑھتے جاتے تھے، اس لیے جب بلند پایہ پر پہنچتے تھے تو پہلا پایہ اس قدر پست نظر آتا تھا کہ اس سے استغفار کرتے تھے۔

چاند کشتی | سپہ سالار کا بیان ہے کہ چھ مہینے تک برابر دونوں بزرگ صلاح الدین زکریا کو بگے حجرہ میں چلے کش رہے۔ اس مدت میں آب و غذا قطعاً متروک تھی اور بجز صلاح الدین کے اور کسی کو حجرہ میں آمد و رفت کی مجال نہ تھی۔ مناقب العارفین نے اس مدت کو نصف بتایا ہے۔ اس زمانے سے مولانا کی حالت میں ایک نمایاں تغیر جو پیدا ہوا، وہ یہ تھا کہ اب تک سماع سے محترز تھے۔ اب اس کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ چونکہ مولانا نے درس و تدریس اور وعظ و پند کے اشتغال و فتنہ چھوڑ دیے اور حضرت شمس کی خدمت سے دم بھر کو جدا نہیں ہوتے تھے۔ تمام شہر میں ایک شورش مچ گئی، لوگوں کو سخت رنج تھا کہ دیوانہ بے سرو پانے مولانا پر ایسا سحر کر دیا کہ وہ کسی کام کے نہیں رہے۔ یہ بڑھی یہاں تک پھیلی کہ خود مریدان خاص اس کی شکایت کرنے لگے۔ شمس کو ڈر ہوا کہ یہ شورش فتنہ انگیزی کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ چپکے گھر سے نکل کر دمشق کو چل دیے۔ مولانا کو ان کے فراق کا ایسا صدمہ ہوا کہ سب لوگوں سے قطع تعلق کر کے عزت اختیار کی۔ مریدان خاص کو بھی خدمت میں بار نہیں مل سکتا تھا۔ مدت کے بعد شمس نے مولانا کو دمشق سے خط لکھا، اس خط نے شوق کی آگ بھڑکا دی۔ مولانا نے اس زمانے میں نہایت رقت آمیز اور پراثر اشعار کہے۔ جن لوگوں نے شمس کو آزر دہ کیا تھا، ان کو سخت ندامت ہوئی، سب نے مولانا سے اگر معافی کی درخواست کی۔

شمس تبریز کا گم یا قتل ہونا | یہ عجیب بات ہے کہ سپہ سالار نے جو بے قول خود ۴۰ برس تک مولانا کی خدمت میں رہے۔ شمس تبریز کی نسبت صرف اس قدر لکھا ہے کہ وہ رنجیدہ ہو کر کسی طرف نکل گئے اور پھر ان کا پتہ نہ لگا۔ لیکن اور تمام تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ ان کو اسی زمانے میں جب کہ وہ مولانا کے پاس مقیم تھے، مولانا کے بعض مریدوں نے حسد کی وجہ سے قتل کر دیا۔

مولانا کی شاعری | تذکرہ نویسوں نے جو تصریح نہیں کی، لیکن قرائن صاف بتاتے ہیں کہ شمس کی ملاقات سے پہلے مولانا کی ابتدا شاعرانہ جذبات اسی طرح ان کی طبیعت میں پنہاں تھی، جس طرح پتھر میں آگ ہوتی ہے۔ شمس کی جانبی گویا چمق بھتی اور شرارے ان کی پرجوش غزلیں۔ مثنوی کی ابتدا اسی سے ہوئی۔

مولانا کی کرامت | اسی زمانے میں ہلاکوناں کے سپہ سالار بچو خاں نے قونیہ پر حملہ کیا اور اپنی فوجیں شہر کے چاروں طرف پھیلا دیں۔ اہل شہر محاصرہ سے تنگ آ کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ایک ٹیلے پر جو بیچو خاں کے خیمہ گاہ کے سامنے تھا جا کر مصلاً بچھا دیا، اور نماز پڑھنی شروع کی۔ بیچو خاں کے سپاہیوں نے مولانا کو تاک کر تیر باراں کرنا چاہا، لیکن کمانیں کنچ نہ سکیں۔ آخر گھوڑے بڑھائے کہ توار سے نکل کر دیں، لیکن گھوڑے جگہ سے ہل نہ سکے۔ تمام شہر میں غل پڑ گیا، لوگوں نے بیچو خاں سے جا کر یہ واقعہ بیان کیا۔ اس نے خود خیمہ سے نکل کر کئی تیر چلانے، لیکن سب پھٹ کر ادھر ادھر نکل گئے۔ جھلا کر گھوڑے سے اتر پڑا اور مولانا کی طرف چلا، لیکن پاؤں اٹھ نہ سکے۔ آخر محاصرہ چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ پوری روایت مناقب العارفین

صاحبِ حال مدت تک مولانا کو شمس کی جدائی نے بے تاب رکھا۔ ایک دن اسی جوش و خروش کی حالت میں گھر سے نکلے۔ راہ میں شیخ صلاح الدین زرکوب کی دکان تھی۔ وہ چاندی کے ورق کوٹ رہے تھے۔ مولانا پر تھوڑے کی آواز نے سماع کا اثر پیدا کیا اور وہیں کھڑے ہو گئے اور وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ شیخ مولانا کی حالت دیکھ کر اس طرح ورق کوٹتے رہے یہاں تک کہ بہت سی چاندی ضائع ہو گئی، لیکن انھوں نے ہاتھ نہ روکا۔ آخر شیخ باہر نکل آئے۔ مولانا نے ان کو آغوش میں لے لیا اور اس جوش و مستی میں کافی دیر تک یہ شعر گاتے رہے۔

یکے گنجے پدید آمد از میں دکان زرکوبی زہے صورت، زہے معنی، زہے خوبی، زہے خوبی

شیخ صلاح الدین نے وہیں کھڑے کھڑے دکان لٹا دی اور دامن جھاڑ کر مولانا کے ساتھ ہو گئے۔ وہ ابتداء سے صاحبِ حال تھے۔ سید برہان الدین محقق سے ان کو بیعت تھی اور اس لحاظ سے مولانا کے ہم استاد اور مولانا کے والد کے شاگرد کے شاگرد تھے۔

حسام الدین چلیپی صلاح الدین کی وفات کے بعد مولانا نے حسام الدین چلیپی کو جو معتقدانِ خاص میں تھے، ہمدرد و ہمراز بنایا اور جب تک زندہ رہے، وہ بھی مولانا کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ پورے دس برس کی مدت میں ایک دن بھی مولانا کے وضو خانہ میں وضو نہیں کیا۔ شدت کے جاڑے پڑتے ہوتے اور برف گرتی ہوتی، لیکن گھر جا کر وضو کرتے۔

حسام الدین ہی کی درخواست اور استدعا پر مولانا نے مثنوی لکھنی شروع کی۔ چنانچہ تفصیل اس کی مثنوی کے ذکر میں آئے گی۔ ۶۷۲ھ میں قونیہ میں بڑے زور کا زلزلہ آیا اور مسلسل ۴ دن تک قائم رہا۔ تمام لوگ سرا سیمہ و حیران پھرتے تھے۔ آخر مولانا کے پاس آئے کہ یہ کیا بلائے آسمانی ہے۔ مولانا نے فرمایا زمین بھونکی ہے، لقمہ تر چاہتی ہے اور ان شاء اللہ کامیاب ہوگی۔

انتقالِ پُر ملال چند روز کے بعد مزاج ناساز ہوا، اکمل الدین اور غضنفر کے اپنے زمانے کے جالیونس تھے علاج میں مشغول ہوئے، لیکن نبض کا یہ حال تھا کہ ابھی کچھ ہے، ابھی کچھ ہے۔ آخر تشخیص سے عاجز آئے اور مولانا سے عرض کی کہ آپ خود مزاج کی کیفیت سے مطلع فرمائیں۔ مولانا مطلق متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ لوگوں نے سمجھا کہ اب کوئی دم کے مہمان ہیں۔

بیماری کی خبر عام ہوئی تو تمام شہر عیادت کے لیے ٹوٹا۔ شیخ صدر الدین جو محی الدین اکبر کے تربیت یافتہ اور روم و شام میں مرجع عام تھے، تمام مریدوں کو ساتھ لے کر آئے۔ مولانا کی حالت دیکھ کر بے قرار ہوئے اور دعا کی کہ خدا آپ کو جلد شفا دے۔ مولانا نے فرمایا شفا آپ کو مبارک ہو۔ عاشق اور معشوق میں بس ایک پیر میں کا پردہ وہ گیا ہے، کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ بھی اٹھ جائے اور نور نور میں مل جائے۔ شیخ روتے ہوئے اٹھے، مولانا نے یہ شعر پڑھا۔

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شامی ہم نشین دارم
دُرخ ز زین من منگر کہ پائے آہنیں دارم

شہر کے تمام امراء، علماء، مشائخ اور ہر طبقہ و درجہ کے لوگ آتے تھے اور بے اختیار چیخیں مار مار کر روتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کا جانشین کون ہوگا؟ اگرچہ مولانا کے بڑے صاحبزادے سلطان بہا الدین ولد سلوک اور تصوف میں بڑے پایہ کے شخص تھے، لیکن مولانا حسام الدین چلبی کا نام لیا۔ لوگوں نے دوبارہ سہ بارہ پوچھا، پھر یہی جواب ملا۔ چوتھی مرتبہ سلطان ولد کا نام لے کر کہا کہ ان کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ وہ پہلوان ہے۔ اس کو وصیت کی حاجت نہیں۔

مولانا پر ۵۰ دینار قرضہ تھا۔ مریدوں سے فرمایا کہ جو کچھ موجود ہے ادا کر کے باقی قرضخواہ سے نکل کر لو، لیکن قرضخواہ نے کچھ لینا گوارا نہ کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ الحمد للہ اس سخت مرحلے سے رہائی ہوئی۔ چلبی حسام الدین نے پوچھا آپ کے جنازے کی نماز کون پڑھائے گا۔ فرمایا مولانا صدر الدین۔ یہ وصیتیں کر کے جمادی الثانی ۷۶۶ھ کی پانچویں تاریخ یکشنبہ کے دن غروب آفتاب کے وقت انتقال کیا۔

رات کو تجھیز و تکفین کا سامان مہیا کیا گیا۔ صبح کو جنازہ اٹھا۔ بچے، جوان، بوڑھے، امیر، غریب، عالم، جاہل ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے آدمی جنازے کے ساتھ اور چیخیں مار مار کر روتے جاتے تھے۔ ہزاروں آدمیوں نے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ عیسائی اور یہودی تک جنازے کے آگے آگے انجیل اور تورات پڑھتے اور نوحہ کرتے جاتے تھے۔ بادشاہ وقت جنازے کے ساتھ تھا۔ اس نے ان کو بلا کر کہا کہ تم کو مولانا سے کیا تعلق؟ بولے کہ یہ شخص اگر تمہارا محمد تھا تو ہمارا عیسیٰ اور موسیٰ تھا۔ صندوق جس میں تابوت رکھا تھا، راہ میں چند دفعہ بدلا گیا اور اس کے تختے توڑ کر تبرک کے طور پر تقسیم کیے گئے۔ شام ہوتے ہوتے جنازہ قبرستان میں پہنچا۔ شیخ صدر الدین نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے، لیکن چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ آخر قاضی سراج الدین نے نماز پڑھائی۔ ۱۰ دن تک لوگ مزار کی زیارت کو آتے رہے۔

مولانا کا مزار مبارک اس وقت سے آج تک بوسہ گاہِ خلافت ہے۔ ابن بطوطہ جب تونسہ میں پہنچا ہے تو وہاں کے حالات میں لکھا ہے کہ مولانا کے مزار پر بڑا لشکر خانہ ہے، جس سے ہر آنے والے کو کھانا ملتا ہے۔

سلسلہ باطنی | مولانا کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ ان کے فرقے کے لوگ جلالیہ کہلاتے ہیں۔ چونکہ مولانا کا لقب جلال الدین تھا۔ اس لیے ان کے انتساب کی وجہ سے یہ نام مشہور ہوا ہوگا، لیکن آج کل ایشیا کے کوچک، شام، مصر اور قسطنطنیہ میں اس فرقہ کو مولویہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ نمک کی ٹوپی پہنتے ہیں، جس میں جوڑیا درز نہیں ہوتی۔ مشائخ اس ٹوپی پر عمامہ بھی باندھتے ہیں۔ خرقہ یا کرتہ کے بجائے ایک چنٹ دار جامہ ہوتا ہے۔ ذکر و شغل کا یہ طریقہ ہے کہ حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں، ایک شخص کھڑا ہو کر ایک ہاتھ سینے اور ایک ہاتھ پھیلائے ہوئے رقص شروع کرتا ہے۔ رقص میں آگے یا پیچھے بڑھنا یا ہٹنا نہیں ہوتا، بلکہ ایک جگہ جم کر متصل چکر لگاتے ہیں۔ سماع کے وقت دف ادر نے بھی بجاتے ہیں۔ چونکہ مولانا پر ایک وجد اور سکر کی حالت طاری رہتی تھی اور جیسا کہ آگے آئے گا، وہ اکثر جوش کی حالت میں ناچنے لگتے تھے۔ مریدوں نے تقلید اس طریقے کو اختیار کیا۔ اس سلسلہ میں جب کوئی شخص داخل ہونا چاہتا ہے، تو قاعدہ یہ ہے کہ چالیس دن تک

چار پائیوں کی خدمت کرتا ہے۔ چالیس دن فقراؤ کے دروازے پر جھاڑو دیتا ہے۔ چالیس دن آب کشی کرتا ہے۔ چالیس دن فراشی۔ چالیس دن ہیزم کشی۔ چالیس دن چٹیاخی۔ چالیس دن ہارالے سے سودا سلف لانا۔ چالیس دن فقراؤ کی مجلس کی خدمت گاری۔ چالیس دن داروغہ گری۔ جب یہ مدت تمام ہو چکتی ہے تو غسل دیا جاتا ہے اور تمام محرمات سے توبہ کرا کے حلقہ میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ خانقاہ سے لباس (وہی جامہ) ملتا ہے اور اسم جلالی کی تلقین کی جاتی ہے۔

اخلاق و عادات

مولانا کے اخلاق و عادات اس تفصیل سے تذکرہ نویسوں نے نہیں لکھے کہ ترتیب سے الگ الگ عنوان قائم کیے جائیں اس لیے جسے جسے جن باتوں کا پتہ لگ سکا ہے اہم بلا ترتیب لکھتے ہیں:

مولانا جب تک تصوف کے دائرے میں نہیں آئے ان کی زندگی عالما و مجاہد و جلال کی شان رکھتی تھی۔ ان کی سوزاوی جب نکلتی تھی تو امرا اور ظلا بلکہ امرا کا ایک بڑا گروہ رکاب میں ہوتا تھا۔ مناظرہ اور مجادلہ جو علما کا تمام طریقہ تھا، مولانا اس میں اوروں سے چند قدم آگے تھے۔ سلاطین اور امرا کے دربار سے بھی ان کو تعلق تھا، لیکن سلوک میں داخل ہونے کے ساتھ یہ حالت بدل گئی۔

ریاضت اور مجاہدہ حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ سپہ سالار برسوں ساتھ رہے ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے کبھی ان کو شب خرابی کے لباس میں نہیں دیکھا۔ کچھنا اور تکیہ بالکل نہیں ہوتا تھا۔ قصداً لیٹے نہ تھے، نیند غالب ہوتی تو بیٹھے بیٹھے سو جاتے۔ ایک غزل میں فرماتے ہیں:

چہ آساید بر سر پہلو کہ خسید کسے کہ خار دارد آمدتہا میں

سماع کے جلسوں میں مریدوں پر جب نیند غالب ہوتی تو ان کے لحاظ سے دیوار سے ٹیک لگا کر زانو پر سر رکھ لیتے کہ وہ بے تکلف ہو کر سو جائیں۔ وہ لوگ پڑ کر سو جاتے تو خود اٹھ بیٹھتے اور ذکر و شغل میں مصروف ہوتے۔ ایک غزل میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

ہم غمشنو من دل شدہ را خواب نبرد ہمہ شب دیدہ من بر فلک استارہ شمرد
خوابم از دیدہ چناں رفت کہ ہرگز تا یید خواب من ز ہر فراق تو ہوشید و ببرد

روزہ اکثر رکھتے تھے، آج تو لوگوں کو مشکل سے یقین آنے لگا، لیکن معتبر اولیوں کا بیان ہے کہ مسلسل دس دس ہیں

دن کچھ نہ کھاتے تھے۔

(۵)

نماز کا وقت آتا تو فوراً قبلہ کی طرف مڑ جاتے اور چہرہ کا رنگ بدل جاتا۔ نماز میں نہایت استغراق ہوتا تھا۔ سب سالانہ کتے ہیں کہ بارہا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اول عشا کے وقت نیت باندھی اور دو رکعتوں میں صبح ہو گئی۔ مولانا نے ایک غزل میں اپنی نماز کی کیفیت بیان کی ہے۔ مقطع میں لکھتے ہیں:

بخند اخیر ندادم چون نماز می گزارم کہ تمام شد رکوعے کہ امام شدن فلانے

(۶)

ایک دفعہ جاڑوں کے دن تھے۔ مولانا نماز میں اس قدر روئے کہ تمام چہرہ اور دروازہ صحنی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ جاڑے کی شدت کی وجہ سے آنسو جم کر تیج بن گئے، لیکن وہ اسی طرح نماز میں مشغول رہے۔ حج والد کے ساتھ ابتدائے عمر میں کر چکے تھے، اس کے بعد پھر اتفاق نہیں ہوا۔

(۷)

مزاج میں انتہا درجہ کی قناعت تھی۔ تمام سلاطین اور امراء نقدی اور ہر قسم کے تحائف بھیجتے تھے، لیکن مولانا اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے، جو چیز آتی تھی، اسی طرح صلاح الدین زرکوب یا چلی حسام الدین کے پاس بھجوا دیتے۔

(۸)

کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ گھر میں نہایت تنگی ہوتی اور مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد اصرار کرتے تو کچھ رکھ لیتے۔ جس دن گھر میں کھانے کا کچھ سامان نہ ہوتا، بہت خوش ہوتے اور فرماتے کہ آج ہمارے گھر میں درویشی کی بو آتی ہے۔

(۹)

نبیاضی اور ایشیا رکایہ حال تھا کہ کوئی سائل سوال کرتا تو خیال کیا کرتا جو کچھ بدن پر ہوتا اتار کر دے دیتے۔ اسی لحاظ سے کرتا، عبا کی طرح سامنے سے کھانا ہوتا تھا کہ اتارنے میں زحمت نہ ہوتی۔

(۱۰)

باوجود عظمت و شان کے نہایت درجہ بے تکلف، متواضع اور خاکسار تھے۔ ایک دفعہ جاڑوں کے دنوں میں حسام الدین چلی کے پاس گئے، چونکہ نا وقت ہرچکا تھا، اور وائے سب بند تھے، وہیں ٹھہر گئے۔ برف گر کر سر پر جمتی جاتی تھی، لیکن اس خیال سے کہ ان لوگوں کو زحمت نہ ہو، نہ آواز دی نہ دروازہ کھٹ کھٹایا۔ صبح کو بواب نے دروازہ کھولا تو یہ حالت دیکھی۔ حسام الدین کو خبر ہوئی، وہ آکر پاؤں پر گر پڑے اور رونے لگے مولانا نے گلے سے لگا لیا اور ان کی تسکین کی۔

(۱۱)

ایک دفعہ بازار میں جا رہے تھے، لڑکوں نے دیکھا تو ہاتھ چومنے کے لیے بڑھے۔ آپ کھڑے ہو گئے۔ لڑکے ہر طرف سے آتے اور ہاتھ چومتے جاتے۔ مولانا بھی ان کی دلدادگی کے لیے ان کے ہاتھ چومتے۔ ایک لڑکا کسی کام میں مشغول تھا، اس نے کہا مولانا ذرا ٹھہریے، میں کام سے فارغ ہوں۔ مولانا اس وقت تک وہیں کھڑے رہے کہ لڑکا فارغ ہو کر آیا اور دست پوی کی عزت حاصل کی۔

(۱۲)

ایک دفعہ سماع کی مجلس تھی، اہل محفل اور خود مولانا پر وجد کی حالت تھی۔ ایک شخص بیخودی کی حالت میں تڑپتا تو مولانا سے جا کر ٹکر کھانا۔ چند دفعہ یہی اتفاق ہوا۔ لوگوں نے بزور اس کو مولانا کے پاس سے ہٹا کر دور بٹھا دیا۔ آپ نے ناراض ہو کر فرمایا "شراب میں نے پی ہے اور بد مستی تم کرتے ہو۔"

(۱۳)

تو یہ میں گرم پانی کا ایک چشمہ تھا، مولانا کبھی کبھی وہاں غسل کے لیے جایا کرتے تھے۔ ایک دن وہاں کا قصد کیا۔ خدام پہلے سے جا کر ایک خاص جگہ متعین کر آئے، لیکن قبل اس کے مولانا پنچیس چند جذامی پہنچ کر نہانے لگے۔ خدام نے ان کو بٹھانا چاہا۔ مولانا نے خدام کو ڈانٹا اور چشمے میں اسی جگہ سے پانی لے کر اپنے بدن پر ڈالنا شروع کیا، جہاں جذامی نہا رہے تھے۔

(۱۴)

ایک دفعہ معین الدین پروانہ کے گھر میں سماع کی مجلس تھی، کزحی خاتون نے شیرینی کے دو طبق بھیجے، لوگ سماع میں مشغول تھے۔ اتفاق سے ایک کتے نے ہر طبق میں منہ ڈال دیا۔ لوگوں نے کتے کو مارنا چاہا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس کی بھوک تم لوگوں سے زیادہ تیز تھی، اس نے کھایا تو اسی کا حق تھا۔

(۱۵)

ایک دفعہ مولانا کی زوجہ کرا خاتون نے اپنی لوندی کو سزا دی۔ اتفاق سے مولانا بھی اسی وقت آگئے۔ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر وہ آقا ہوتی اور تم اس کی لوندی تو تمہاری کیا حالت ہوتی۔ پھر فرمایا کہ وہ حقیقت تمام لوگ ہمارے بھائی بہنیں ہیں۔ کوئی شخص خدا کے سوا کسی کا غلام نہیں۔ کرا خاتون نے اسی وقت اس کو آزاد کر دیا اور جب تک زندہ رہیں غلاموں اور کنیزوں کو اپنے جیسا کھلاتی اور پہناتی رہیں۔

(۱۶)

ایک دفعہ مریدوں کے ساتھ جا رہے تھے، ایک تنگ گلی میں ایک کتا سر راہ سو رہا تھا، جس سے راستہ رگ گیا تھا،

مولانا وہیں رک گئے اور دیر تک کھڑے رہے۔ ادھر سے ایک شخص آ رہا تھا، اُس نے کتے کو بٹا دیا۔ مولانا نہایت ناروا ہوئے اور فرمایا: نا حق اس کو تکلیف دی۔

— (۱۷) —

ایک دفعہ دو آدمی سر راہ لڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اولیٰین تو ایک کلمے کا تو دس سُننے گا۔ اتفاق سے مولانا کا گزرا ادھر ہوا، آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی بھوج کچھ کہنا ہے مجھ کو کہہ لو، مجھ کو اگر ہزار کوئے تو ایک بھی نہ سنو گے۔ دونوں مولانا کے پاؤں پر گر پڑے اور آپس میں صلح کر لی۔

— (۱۸) —

ایک دفعہ قلعہ کی مسجد میں جمعہ کے دن وعظ کی مجلس تھی، تمام امرا اور صلحا حاضر تھے۔ مولانا نے قرآن مجید کے دقائِق اور نکات بیان کرنا شروع کیے۔ ہر طرف سے بے اختیار واہ واہ اور سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اس زمانے میں وعظ کا یہ طریقہ تھا کہ قاری قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھتا تھا اور وعظ ان ہی آیتوں کی تفسیر بیان کرتا تھا۔ مجمع میں ایک فقیہ صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ ان کو حسد پیدا ہوا بولے کہ آیتیں پہلے سے مقرر کر لی جاتی ہیں، ان کے متعلق بیان کرنا کون سی کمال کی بات ہے۔ مولانا نے اُن کی طرف خطاب کر کے کہا کہ آپ کوئی سورۃ پڑھیے میں اس کی تفسیر بیان کرتا ہوں۔ انھوں نے دباضھی پڑھی۔ مولانا نے اس سورۃ کے دقائِق اور لطائف بیان کرنے شروع کیے تو صرف دباضھی کے واؤ کے متعلق اس قدر شرح و بسط سے بیان کیا کہ شام ہو گئی۔ تمام مجلس پر ایک وجد کی حالت طاری تھی۔ فقیہ صاحب ایسے سرشار ہوئے کہ کپڑے پھاڑ ڈالے اور مولانا کے قدموں پر گر پڑے۔ اس جلسے کے بعد مولانا نے پھر وعظ نہیں کہا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جس قدر میری شہرت بڑھتی جاتی ہے، میں بلا میں مبتلا ہوتا جاتا ہوں، لیکن کیا کروں کچھ تدبیر بن نہیں پڑتی۔ مثنوی میں بھی اس کی طرف اشارہ کر ہے۔

خوش راز بخور ساز و ناززار تا ترا بیرون کنند از آستانہ
کاشتہار خلق بند محکم است وہاں از بند آہن کی کم است

— (۲۰) —

سراج الدین قزوئی بڑے رتبے کے فاضل تھے، لیکن مولانا سے ملال رکھتے تھے۔ کسی نے اُن سے کہا کہ مولانا کہتے ہیں کہ میں تہتروں مذہبوں سے متنق ہوں، انھوں نے اپنے ایک مستعد شاگرد کو بھیجا کہ مولانا سے پوچھنا کہ کیا واقعی آپ کا یہ قول ہے اور اگر وہ اقرار کریں تو ان کی خوب خبر لینا، اُس نے بھرے مجمع میں مولانا سے سوال کیا۔ آپ نے کہا اں میرا یہ قول ہے، اُس نے مغلا گالیاں دینی شروع کیں۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا کہ یہ جو آپ فرماتے ہیں میں اس سے متنق ہوں۔ وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

معاش | معاش کا یہ طریقہ تھا کہ اوقاف کی مد سے پندرہ دینار ماہوار دینے مقرر تھا، چونکہ مولانا مہلت خوری کو نہایت پسند کرتے تھے اس لیے اس کے معاوضے میں فتوے لکھا کرتے تھے۔ مریدوں پر تاکید تھی اگر کوئی فتویٰ لانے تو میں گو کسی حالت

میں ہوں ضرور خبر کرو تا کہ یہ آمدنی مجھ پر حلال ہو۔ چنانچہ معمول تھا کہ عین وجد اور مستی کی حالت میں بھی مرید دوات اور قلم ہاتھ میں لیے رہتے تھے۔ اس حالت میں کوئی فتویٰ آجاتا تو لوگ مولانا سے عرض کرتے اور مولانا اسی وقت جواب لکھ دیتے۔

ایک دفعہ اسی حالت میں فتویٰ لکھا، شمس الدین مارونی نے اس کی تغلیط کی۔ مولانا نے سنا تو کہلا بھیجا کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر مسئلہ موجود ہے۔ چنانچہ لوگوں نے تحقیق کی تو جو مولانا نے کہا تھا وہی نکلا۔

ایک دفعہ کسی نے کہا کہ شیخ صدر الدین کو ہزاروں روپے کا وظیفہ ملتا ہے اور آپ کو کل پندرہ دینار ماہوار ملتے ہیں۔ مولانا نے کہا شیخ کے مہارت بھی بہت ہیں اور حق یہ ہے کہ ۵۰ دینار بھی انہی کو ملنے چاہئیں۔

امراء کی صحبت | ایک دفعہ ایک امیر نے معذرت کی کہ اشغال سے فرصت نہیں ہوتی، اس لیے کم حاضر ہو سکتا ہوں، سے اجتناب | معاف فرمائیے گا۔ فرمایا معذرت کی ضرورت نہیں۔ میں آنے کی بے نسبت نہ آنے سے زیادہ ممنون ہوتا ہوں۔

ایک دفعہ معین الدین پروانہ چند اور امراء کے ساتھ ملاقات کو گیا، مولانا چھپ بیٹھے۔ معین الدین کے دل میں خیال گزرا کہ سلاطین اور امراء اولوالامر ہیں اور قرآن مجید کی رو سے ان کی اطاعت فرض ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا باہر آئے، سلسلہ سخن میں فرمایا کہ ایک دفعہ سلطان محمود غزنوی شیخ ابوالحسن خرقانی کی ملاقات کو گیا، دیباہوں نے اگے بڑھ کر شیخ کو خبر کی، لیکن وہ باخبر نہ ہوئے۔ حسن ہیندی جو وزیر تھا اس نے کہا کہ حضرت قرآن مجید میں **اطيعُوا اللّٰهَ وَاَطيعُوا الرَّسُولَ وَاذِلّٰى الْاَمْرُ** اور سلطان تو اولوالامر ہونے کے ساتھ عادل اور نیک سیرت بھی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھ کو ابھی **اطيعُوا اللّٰهَ** سے فرصت نہیں کہ

اطيعُوا الرسول میں مشغول ہوں، اولوالامر کا کیا ذکر ہے۔

معین الدین اور تمام امراء یہ حکایت سن کر رونے لگے اور اٹھ کر چلے آئے۔
وجد و استغراق | مولانا پر اکثر استغراق وجد اور محویت کی حالت طاری رہتی تھی۔ بیٹھے یکبارگی اٹھ کھڑے ہوتے اور رقص کرنے لگتے۔ کبھی کبھی چپکے کسی طرف نکل جاتے اور ہفتوں غائب رہتے۔ لوگ ہر طرف ڈھونڈتے پھرتے، آخر کسی دیرانہ میں پتا لگتا۔ مریدان خاص وہاں سے جا کر لاتے۔ سماع کی مجلسوں میں کئی کئی دن گزر جاتے کہ ہوش میں نہ آتے۔ راہ میں چلے جا رہے ہیں کسی طرف سے کوئی آواز کانوں میں آگئی وہیں کھڑے ہو گئے اور مستانہ رقص کرنے لگے معمول تھا کہ وجد کی حالت میں جو کچھ بدن پر ہوتا، اتار کر تواریں کو دے ڈالتے۔ مریدوں میں خواجہ مجد الدین نام ایک امیر صاحب مقدرت تھا، وہ ہمیشہ کپڑوں کے کئی کئی صندوق بہیا رکھتا تھا، مولانا جب کپڑے اتار کر دے ڈالتے تو وہ ذرا نئے لاکر پہنا دیتا۔

معین الدین پروانہ نے ایک فاضل کو توفیہ کا قاضی کرنا چاہا۔ انھوں نے تین شرطیں پیش کیں، رباب (باجہ کا نام ہے) سر سے اٹھا دیا جائے، عدالت کے تمام پڑانے سپر اسی نکال دیے جائیں اور نئے جو متقرر ہوں ان کو حکم دیا جائے کہ کسی سے

کچھ لینے نہ پائیں۔ معین الدین نے اور شرطیں منظور کیں، پہلی شرط اس وجہ سے قبول نہ کی کہ خود مولانا رباب سے سن
مذکورہ بھی سہٹ کے پورے تھے۔ قضا کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مولانا نے سنا تو فرمایا کہ ”رباب کی ایک ادنیٰ کرامت یہ ہے
کہ فاضل صاحب کو قضا کی بلا میں پڑنے سے بچالیا۔“

ایک دن سلطان ولد نے شکایت کی کہ تمام صوفیہ آپس میں مل جل کر رہتے ہیں، لیکن ہمارے حلقے والے رات دن
خواہ مخواہ لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ مولانا نے کہا ہاں ہزار مرغیاں ایک مکان میں رہ سکتی ہیں، لیکن دو مرغ ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔
تصنیفات | مولانا کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:

فیہ مافیہ: یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مولانا نے وقتاً فوقتاً معین الدین پروردہ کے نام لکھے۔ یہ کتاب بالکل نایاب ہے
دو اوان: اس میں قریباً پچاس ہزار شعر ہیں۔

مثنوی: یہی کتاب ہے، جس نے مولانا روم کے نام کو آج تک زندہ رکھا ہے اور جس کی شہرت اور مقبولیت نے
ان کی تمام تصنیفات کو دبا لیا ہے۔ اس کے اشعار کی مجموعی تعداد جیسا کہ کشف الظنون میں ہے ۲۶۶۶ ہے۔
سبب تصنیف | رباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ حسام الدین چلیپی نے مولانا سے درخواست کی کہ منطق الطیر کے طرز پر ایک
مثنوی لکھی جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ خود مجھ کو بھی رات یہ خیال آیا اور اسی وقت پر چند شعر موزون ہوئے:

بشنواز نے چوں حکایت می کند

مثنوی کی تصنیف میں حسام الدین چلیپی کو بہت دخل ہے اور درحقیقت یہیے نظیر کتاب انہی کی بدولت وجود میں آئی۔
وہ مولانا کے مریدان خاص میں سے تھے اور مولانا اس قدر ان کی عزت کرتے تھے کہ جہاں ان کا ذکر کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ پیر
طریقت اور استاد کا ذکر ہے۔ مثنوی کے چھ دفتر ہیں اور ہر دفتر اول کے ہر دفتر ان کے نام سے مزین ہے۔ دفتر دوم میں لکھتے ہیں:

مدتے این مثنوی تا خیر شد

چوں ضیاء الحق حسام الدین

چوں معراج حقائق رفتہ بود

مہلتے بایست تا خوں شیر شد

باز گردانید ز اوج آسماں

بے بہارش غنچہ ہا نشگفتہ بود

مثنوی کی شہرت | مثنوی کو جس قدر مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی نارسا کی کسی کتاب کو آج تک نہیں ہوئی۔ صاحب
اور مقبولیت | مجمع الفصحا نے لکھا ہے کہ ایران میں چار کتابیں جس قدر مقبول ہوئیں کوئی کتاب نہیں ہوئی۔ شائبہ لکھتا ہے
مثنوی مولانا روم۔ دیوان حافظ۔ ان چاروں کتابوں کا موازنہ کیا جائے تو مقبولیت کے لحاظ سے مثنوی کو ترجیح ہوگی۔ مقبولیت کی
ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ علماء و فضلاء نے مثنوی کے ساتھ جس قدر اعتنا کی اور کسی کتاب کے ساتھ نہیں کی۔ جس قدر شرحیں لکھی گئیں
ان کا ایک مختصر سائقیہ ہم اس موقع پر درج کرتے ہیں۔ یہ نقشہ کشف الظنون سے ماخوذ ہے۔ کشف الظنون کے بعد اور بہت سی
شرحیں لکھی گئیں، جن کا ذکر کشف الظنون میں نہیں ہے اور نہ ہو سکتا تھا۔ مثلاً شرح محمد افضل الہ آبادی دہلی محمد عبدالعلی بکر علی

نام شارح	سن وفات	کیفیت
۱- مولیٰ مصطفیٰ بن شعبان المعروف سردی	۹۶۹ھ	۴ جلدوں میں ہے (فارسی)
۲ مولیٰ شہمی	۱۰۰۰ھ	
۳ کمال الدین خوارزمی	۸۴۰ھ	اس کا نام کنوز الحقائق فی رموز الاطلاق ہے۔
۴ شیخ اسماعیل القراوی	۱۰۲۲ھ	اس کا نام قائم الادبیات ہے
۵ عبداللہ بن محمد زبیرین الکتاب ودیش علمی	الغنائیہ ۱۰۷۲	جلد اول کی ضبوط شرح ہے
۶ سودی		
۷ ظریفی حسن چلی		بعض اشعار کی شرح ہے۔
۸ حسین واعظ کاشفی	۹۱۰ھ	خلاصہ مثنوی کی شرح ہے۔ اس کے دیباچہ میں دس مقالے ہیں جن میں اصطلاحات تصوف اور فرقہ مولویہ کے مشائخ کے حالات ہیں سلطان احمد کے حکم سے تصنیف کی۔
۹ عبدالمجید سیواسی	۱۰۴۹ھ	مثنوی کے انتخاب کی شرح ہے
۱۰ علاء الدین علی بن محمد مصنفک		
۱۱ اسماعیل دودہ	۸۷۵ھ	صرف احادیث و آیات قرانی والفاظ مشککہ کی شرح کی ہے
۱۲ مولوی یوسف معروف بہ سینرچاک	۹۵۳ھ	مولانا مرحوم کے مرقہ کی رحمت کے وقت تالیف جزیرۃ المثنوی کے نام سے کتاب ہے

مثنوی کی ترتیب | مثنوی سے پہلے جو کتابیں اخلاق و تصوف میں لکھی گئیں ان کا یہ انداز تھا کہ مصنف اخلاق و تصوف کے مختلف عنوان قائم کر کے اخلاقی حکایتیں لکھتے تھے اور ان کے نتائج پیدا کرتے تھے۔ منطوق الطیر اور بوستان کا یہی انداز ہے۔ حدیقہ میں اکثر مسائل کو مستقل طور پر بھی بیان کیا ہے۔ مثلاً نفس غفل، عمل، تزیین، صفات، معرفت، وجد، توکل، صبر و شکر وغیرہ کے عنوان قائم کیے ہیں اور ان کی حقیقت بیان کی ہے، لیکن مثنوی کا یہ انداز نہیں۔ مثنوی میں کسی قسم کی ترتیب و تہویب نہیں۔ دفتروں کی جو تقسیم ہے، وہ خصوصیت مضمون کے لحاظ سے نہیں، بلکہ جس طرح بلا تشبیہ قرآن مجید کے پارے یا ایک شاعر کے متعدد دیوان ہوتے ہیں۔

مثنوی کی خصوصیات | سب سے بڑی خصوصیت جو مثنوی میں ہے وہ اس کا طرز استدلال اور طریقہ افہام ہے۔ استدلال کے تین طریقے ہیں: قیاس، استقراء، تمثیل۔ چونکہ اسطونے بھی ان تینوں میں قیاس کو ترجیح دی تھی، اس لیے اس کی تقلید سے حکماء اسلام میں بھی اسی طریقہ کو زیادہ تر رواج ہوا۔ علامہ ابن تیمیہ نے ارد علی الخلق میں ثابت کیا ہے کہ قیاس مثنوی کو قیاس تمثیلی پر کوئی ترجیح نہیں، بلکہ بعض وجوہ سے تمثیلی کو ترجیح ہے۔ ہم اس موقع پر یہ بحث چھیڑنی نہیں چاہتے، بلکہ صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مولانا مرحوم

نے زیادہ تر اسی قیاس تمثیلی سے کام لیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عام طبائع کے افہام و تفہیم کا آسان اور اقرب الیٰہ میں طریقہ ہے۔ استدلال تمثیلی کے لیے تخیل کی بڑی ضرورت ہے جو شاعری کی سب سے ضروری شرط ہے۔ اس بنا پر مثنوی کے لیے یہی طریقہ زیادہ مناسب تھا۔ مولانا کی شاعری کو جس بنا پر شاعری کہا جاتا ہے، وہ یہی قوت تخیل ہے۔ تصوف اور سلوک کے مسائل اور مسلمات عام اور اکابر بشری سے خارج ہیں، اس لیے جو شخص خود اس عالم میں نہ آئے وہ ان باتوں پر یقین نہیں کر سکتا۔ الہیات کے اکثر مسائل بھی عام لوگوں کی فہم سے برتر ہیں، اس لیے ان مسائل کے سمجھانے کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ ان کو مثالوں اور تشبیہوں کے ذریعہ سے سمجھایا جائے۔ ایک اور نکتہ قابل لحاظ یہ ہے کہ الہیات کے مسائل میں اکثر مشکوٰۃ میں ان کے ثابت کرنے سے کام لیتے ہیں، لیکن امکان کو ایسے دلائل سے ثابت کرتے ہیں جو دل میں جان نشین نہیں ہوتے، بلکہ ان سے صرف طباعی اور زور اورمی کا ثبوت ملتا ہے، حالانکہ امکان کے ثابت کرنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ مثالوں کے ذریعہ سے ثابت کیا جائے۔ اسی بنا پر مولانا نے اس طریقہ استدلال کو اختیار کیا، وہ ان دقیق مسائل کو ایسی نادرا اور قریب الفہم تمثیلوں سے سمجھاتے ہیں، جن سے بقدر امکان ان کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے یا کم از کم ان کے امکان کا یقین ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ مسئلہ کہ خدا کا تعلق عالم سے اور روح کا تعلق جسم سے اس طرح ہے کہ نہ اس کو متصل کہہ سکتے ہیں، نہ منفصل نہ قریب نہ بعید، نہ داخل نہ خارج، ایک ایسا مسئلہ ہے جو بظاہر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ مولانا اس کو اس طرح تمثیل کے ذریعہ سے سمجھاتے ہیں۔

قرب بیچوں است عقلت را بہ تو	آن تعلق بہست بیچوں اسے عمو
اتصالے بے تکلیف بے قیاس	بہست رب الناس را با جان ناس
ز آنکہ فصل و وصل نبود در رواں	غیر فصل و وصل نندیشد گماں
نیست آن جنبش کہ در اصبع تراست	پیش اصبع یا پیش یا چپ تراست
از چہ روئے آید اندر اصبع	کا صبع بے او نہ دانند منفعت
نور چشم و مردک در دیدہ است	از چہ رہ آمد بغیر از شمش جہت
این تعلق را خرد چوں پے برد	بستہ فصل ست و وصل ست این خرد
تاب نور چشم با پیر است جنت	نور دل در قطرہ خون نہفت
مشادی اندر گروہ و علم در جگر	عقل چوں شمعے درون منہ سر
را بخورد رائف و منطق در لسان	لہو در نفس و شجاعت در جہاں

حاصل یہ کہ اگرچہ میں قوت باصرہ، ناک میں شامہ، زبان میں گویائی، دل میں شجاعت۔ تمام چیزیں اسی قسم کا تعلق رکھتی ہیں، جس کو نہ متصل کہہ سکتے ہیں نہ منفصل، نہ قریب نہ بعید۔ اسی طرح روح کا تعلق جسم سے اور خدا کا تعلق مخلوقات سے ہے۔ دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ فرضی حکایتوں کے ضمن میں اخلاقی مسائل کا جو طریقہ مدت سے چلا آتا تھا مولانا نے

اس کو کمال کے مرتبہ تک پہنچا دیا۔ اس طریقہ تعلیم کا کمال امور ذیل پر موقوف ہے۔

۱۔ نتیجہ فی نفسہ اچھوتا، نادر اور اہم ہو۔

۲۔ نتیجہ حکایت سے نہایت مطابقت رکھتا ہو، گویا حکایت اس کی تصویر ہو۔

۳۔ حکایت کے اثناء میں نتیجہ کی طرف ذہن منتقل نہ ہو سکے، بلکہ خاتمہ پر بھی جب تک خود مصنف اشارہ یا تصریح نہ

کرنے نتیجہ کی طرف ذہن منتقل نہ ہونے پائے۔ اس سے طبیعت پر ایک استعجاب کا اثر پڑتا ہے اور مصنف کی قوت تخیل ثابت ہوتی ہے۔ یہ تمام باتیں جس قدر مثنوی کی حکایتوں میں پائی جاتی ہیں، اس قسم کی اور کتابوں میں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ مولانا نے ان حکایتوں کے ضمن میں نفس انسانی کے جن پوشیدہ اور دور از نظر عیوب کو ظاہر کیا ہے، عام لوگوں کی نگاہوں میں ہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں پھر ان کو ادا اس طرح کیا ہے کہ ہر شخص حکایت کو پڑھ کر بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ یہ تو خاص میرا ہی ذکر ہے چنانچہ چند مثالیں ہم ذیل درج کرتے ہیں:

۱۔ ایک حکایت ہے کہ ایک شیر اور صحرائی جانوروں میں یہ معاہدہ ٹھہرا کہ وہ ہر روز شیر کو گھر بیٹھے اس کی خوراک پہنچا یا کریں گے۔ پہلے ہی دن جو خرگوش شیر کی خوراک کے لیے متعین کیا گیا وہ دو ایک دن کی دیر کر کے گیا۔ شیر غصہ میں بھرا ہوا بیٹھا تھا۔ خرگوش گیا تو اس نے دیر کی وجہ پوچھی۔ خرگوش نے کہا، میں اسی دن چلا تھا، لیکن راہ میں ایک دوسرے شیر نے روک لیا۔ میں نے اس سے ہتیرا کہا کہ میں حضور کی خدمت میں جاتا ہوں، لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ بڑی مشکل سے ضمانت لے کر مجھ کو چھوڑا۔ شیر نے پھر کہا کہ وہ شیر کہاں ہے؟ میں اس کو ابھی چل کر سزا دیتا ہوں۔ خرگوش اُگے اُگے ہولیا اور شیر کو ایک کنوئیں کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا، کہ حریف اس میں ہے۔ شیر نے کنوئیں میں جھانکا اور اپنے ہی عکس کو اپنا حریف سمجھا بڑے غصہ سے حملہ آور ہو کر کنوئیں میں کود پڑا۔ مولانا یہ حکایت لکھ کر فرماتے ہیں:

عکس خود را او عددے خویش دید	لاہرم بر خویش شمشیرے کشید
انے بسا علیہ کہ بینی در کسان	خوئے تو باشد در ایشان لے فلاں
اندر ایشان تافتہ ہستی تو	از نفاق و ظلم و بدستی تو
اں توئی داں زخیم بر خود می زنی	بر خود آں دم تار لعنت می تنی
در خود ایں بدر انے بینی عیساں	ورنہ دشمن بود خود را بہ جاں
حملہ بر خود می گئی اے سادہ مرد	پہچوں اں شیرے کہ بر خود حملہ کرد
پہوں بر قعر خوئے خود اندر رسی	پس بدانی کہ تو بود اں تا کسی
شیر را در قعر پیدا شد کہ بود	نقش او آں کش دگر کس می نمود
اے بدیدہ خال بدر روئے عسّم	عکس خال تست اں از عّم مرّم

یہ مضمون کہ انسان کو اپنے عیب نظر نہیں آتے اور دوسروں کے عیب اچھی طرح نظر آتے ہیں، اخلاق کا متداول مسئلہ ہے۔ اسے مختلف طریقوں سے ادا کیا گیا ہے۔ انجیل میں اُنس کو یوں بیان کیا ہے کہ اے بنی آدم تو اوروں کی آنکھ کا تنکا دیکھتا ہے، لیکن اپنی آنکھوں کا شہتیر نہیں دیکھتا۔ لیکن مولانا نے اس کو جس پیرایہ میں ادا کیا ہے، سب سے بڑھ کر موثر طریقہ ہے۔ شیر نے جب اپنا عکس کوئیں پیش دیکھا تو بڑے غصہ سے اس پر حملہ کیا، لیکن اس کو یہ خیال نہ آیا کہ میں خود اپنے آپ پر حملہ کر رہا ہوں۔ ہماری بھی یہی حالت ہے، ہم دوسروں میں جو عیوب دیکھتے ہیں ہم کو نہایت بد نما معلوم ہوتے ہیں۔ ہم کو ان سے سخت نفرت ہوتی ہے۔ ہم ایک سختی سے اس کی برائی بیان کرتے ہیں، لیکن ہم یہ نہیں خیال کرتے کہ یہی عیب خود ہم میں موجود ہے اور اس بنا پر ہم خود اپنے آپ کو برا کہہ رہے ہیں۔

اخلاق | اخلاق کا اصلی عنصر خلوص ہے، لیکن خلوص کی حیثیت و ماہیت کے متعین کرنے میں نہایت سخت غلطیاں ہوتی ہیں ہر شخص اپنے افعال کے متعلق خیال رکھتا ہے کہ خلوص پر مبنی ہے۔ ایک شخص کوئی قومی کام کرتا ہے اور نہایت جدوجہد اور سرگرمی سے کرتا ہے، خود اس کو اور نیز عام لوگوں کو اس کے کسی فعل سے محسوس نہیں ہوتا کہ اس میں خود غرضی کا کوئی شائبہ ہے، لیکن جب اصلی موقع آتا ہے تو خود غرضی کا مخفی اثر جس کی اب تک خود اس شخص کو خبر نہ تھی، ظاہر ہو جاتا ہے۔ اخلاق کے بارے میں سب سے اہم یہ ہے کہ انسان اپنے افعال کی نسبت نہایت غور و تدقیق سے اس بات کا پتہ لگاتا رہے کہ وہ کہاں تک خلوص پر مبنی ہیں۔ مولانا نے خلوص کی ماہیت و حقیقت نہیں متعین کی اور نہ اس قسم کی چیز ہے، جس میں خلوص کو مجسم کر کے رکھ دیا جائے۔ اور گویا ایک معیار قائم کر دیا ہے جس سے ہر شخص اپنے افعال کو مطابق کر کے خلوص کے ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ حکایت یہ ہے:

از علی آموز اخلاص عمل	شیر حق را اداں متزہ از دغل
در غزا بر پہلوانے دست یافت	زود شیرے بر آورد و شناخت
او خود و انداخت بر روئے علیؑ	افتخار ہر نبی و ہر ولی!
در زمان انداخت شمشیراں علیؑ	گردا و اندر غزایش کاہلی!
گشت حیراں اں مبارزہ زین عمل	از نمودن عفو و رحم بے محل
گفت بر من تیغ تیز افراشتی	از چہ انگندی مرا بگذاشتی
آنچہ دیدی بہتہ از پیکار من	تا شدی تو نست در اشکار من
آنچہ دیدی کہ چنان خست نشست	تا چنیں بر قے نمود و باز جست
گفت امیر المؤمنین با آن جوان	کہ بہ ہنگام نسیب دے پہلوان
چوں خود و انداختی بر روئے من	نفس جنید تہ شد خونے من

نیم ہر حق شد و نیمے ہوا شرکت اندر کارِ حق نبود روا
تو نگاریدہ کف مویستی آن حقے کسودہ من نیستی
نقشِ حق را ہم بہ امر حق شکن برز جاہ دوست سنگ دست ن

حکایت کا حاصل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جہاد میں ایک کافر پر قابو پایا اور اس کو تلوار سے مارنا چاہا۔ اس نے جناب موصوف کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ وہیں رگ گئے اور تلوار ہاتھ سے ڈال دی۔ کافر نے متحیر ہو کر پوچھا کہ یہ کیا عضو کا موقع تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھ کو خالصتہً بوجہ اللہ قتل کرنا چاہتا تھا، لیکن جب تو نے میرے منہ پر تھوک دیا تو میرے نفس کو نہایت ناگوار ہوا اور سخت غصہ آیا۔ اس صورت میں خلوص نہیں رہا۔ کیونکہ خواہش نفسانی بھی شامل ہو گئی۔

نیم ہر حق شد و نیمے ہوا شرکت اندر کارِ حق نبود روا

الہیات | خدا کے اثبات کے مختلف طریقے ہیں اور ہر طریقہ ایک خاص گروہ کے مناسب ہے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ آثار سے موثر پر استدلال کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ خطابی ہے اور عوام کے لیے یہی طریقہ سب سے بہتر ہے۔ یہ صاف نظر آ رہا ہے کہ عالم ایک عظیم الشان کل ہے جس کے پرزے رات دن حرکت میں ہیں۔ ستارے چل رہے ہیں، دیا بہر رہے ہیں، پہاڑ آتش فشانی ہیں، ہوا جنبش میں ہے، زمین نباتات آگار ہی ہے، اور خست جھوم رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر انسان کو خود بخود خیال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی پرزور ہاتھ ہے، جو ان تمام پرزوں کو چلا رہا ہے۔ اسے مولانا اس طرح ادا کرتے ہیں:

دست پہناں و مسلم ہیں خطا گزار قلم لکھ رہا ہے، لیکن ہاتھ چھپا ہوا ہے۔

اسپ ورجولال وناپیدا سوار سوار کا پتہ نہیں لیکن گھوڑا دوڑ رہا ہے۔

پس یقین و عقل مہر و اندہ است ہر سمجھ دار یہ یقین رکھتا ہے کہ

ایں کہ با جنبیدہ جنبانندہ است جو چیز حرکت کرتی ہے اس کا کوئی حرکت دینے والا ضرور ہوتا ہے۔

گر تو آل راے نہ بینی در نظر اگر تم اس کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے،

فہم کن اما یہ اظہار اثر تو اس کے اثر کو دیکھ کر سمجھو۔

تن یہ جاں جنبید نہ می بینی تو جاں بدن جو حرکت کرتا ہے جان کی وجہ سے کرتا ہے

لیک از جنبیدن تن جاں بدایں تم جان کو نہیں جان سکتے، تو بدن کی حرکت سے جان کو جانو۔

دوسرا طریقہ جو حکما کا ہے، یہ ہے کہ تمام عالم میں نظام اور ترتیب پائی جاتی ہے، اس لیے ضرور اس کا کوئی صانع ہے۔

اس طریقہ پر ابن رشد نے بہت زور دیا ہے۔ مولانا نے اس طریقہ کو ایک مصرعہ میں ادا کر دیا ہے۔ ع

گر حکمے نیست این ترتیب چیست !

صفات باری | اسلام میں اختلاف مذہبی کی جو بنیاد پڑی، جس نے بڑھتے بڑھتے اسلام کا تمام شیرازہ منتشر کر دیا اور یہ

اسی مسئلہ کی بدولت تھا، اسی مسئلہ نے معتزلہ، اشعریہ، حنبلیہ میں سینکڑوں برس تک وہ نزاعیں قائم رکھیں کہ لوگوں نے بجائے قلم کے تلوار سے کام لیا۔ ہزاروں آدمی اس جرم میں قتل ہوئے کہ وہ کلام الہی کو قدیم کہتے تھے۔ اشعریہ نے ان لوگوں کا استقبال کر دینا چاہا جو یہ کہتے تھے کہ خدا عرش پر جاگزیں ہے۔ یہ اختلافات ایک مدت تک قائم رہے اور آج بھی قائم ہیں، اگر عملی صورت میں اس کا ظہور نہیں۔

مولانا نے ان نزاعوں کا یہ فیصلہ کیا کہ یہ بحث سرے سے فضول ہے۔ خدا کی نسبت صرف اس قدر معلوم ہو سکتا ہے کہ ہے باقی یہ کہ کیسا ہے، کہاں ہے، اس کے کیا اوصاف ہیں؟ اور اک انسانی سے بالکل باہر ہے۔

مولانا نے اسی سلسلہ میں ایک حکایت لکھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک چرواہے کو دیکھا کہ وہ خدا سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ اے خدا تو کہاں ہے؟ تو مجھ کو ملتا تو میں تیرے بالوں میں گنگھی کرتا، تیرے کپڑوں سے جو میں نکالتا، تجھ کو مزے مزے کے کھانے کھلاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو سزا دینی چاہی، وہ بے چارہ بھاگ نکلا۔ حضرت موسیٰ پر وحی آئی۔

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا
تو برائے وصل کردن آمدی
ہر کسے را سیرتے بہادہ ایم
در حق او مدح و در حق تو ذم
ما ہرول را ننگریم و قال را
موسیا! آداب دانانہ گیر اند
در دروان کعبہ رسم قبلہ نیست
عاشقان را ہر زمانے عشر نیست
خون شہیداں را ز آب اولی تر است
ملت عشق از ہر اتی ہا جداست
بندہ مارا چرا کردی جدا؟
نہ برائے فصل کردن آمدی؟
ہر کسے را اصطلاحے واوہ ایم
در حق او شہد و در حق تو سم
ما درول را بنگریم و حال را
سوختہ جان و رواناں دیگر اند
چہ غم از غواص را پا چیلہ نیست
بروہ ویراں خراج و عشر نیست
ایں گناہ از صد ثواب اولی تر است
عاشقان را ملت و مذہب خداست

اس حکایت سے مولانا کا یہ مقصود ہے کہ خدا کے اوصاف اور حقیقت بیان کرنے کے متعلق تمام لوگوں کا یہی حال ہے۔ حکما اور اہل نظر جو کچھ خدا کی ذات و صفات کی نسبت کہتے ہیں، وہ بھی ایسا ہی ہے، جیسا وہ چرواہا خدا کی نسبت کہہ رہا تھا۔

ہاں وہاں گرجہ گونی و سپاس
حمد تو نسبت بہ تو گر بہتر است
ہمچو نافر جام آن چہ ہاں شناس
لیک آن نسبت بہ حق ہم اتر است

مولانا نے اس حکایت میں یہ بھی ظاہر کیا کہ مقصود اصلی اخلاص و تضرع ہے، طریق ادا سے بحث نہیں۔

مولانا کی اصلی تعلیم یہ ہے کہ خدا کی ذات و صفات کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہیے اور جو کچھ کہا جائے گا وہ خدا کے

اوصاف نہ ہوں گے، کیونکہ انسان جو کچھ تصور کر سکتا ہے محسوسات کے ذریعہ سے کر سکتا ہے اور خدا اس سے بالکل بری ہے۔

ہر چیز اندیشی پذیر اسے فناست
 اہل گو، چوں در اشارت نایدت
 نہ اشارت مے پذیرنے عیاں
 ہر کسے نوع و گھر، در معرفت
 فلسفی از نوع دیگر کرد شرح
 و اہل و گھر بر ہر دو طعنہ مے زند
 ہر یک از رہ این نشاںہا زان دہند
 اختلاف خلق از نام او فتاد
 چوں بر معنی رفت آرام او فتاد

نبوت | یہ مسئلہ علم کلام کے ہمت مسائل میں سے ہے اور اسی وجہ سے علم کلام کی کتابوں میں اس کے متعلق بہت طول طویل بحثیں پائی جاتی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ حشو اور زوائد پر صفحہ کے صفحہ بیاہ کیے گئے ہیں اور مغز سخن پر ایک دو سطریں بھی مشکل سے ملتی ہیں۔ مولانا نے اس بحث کے تمام اجزا پر لکھا ہے اور اس خوبی سے لکھا ہے، گویا اس راز سر بستہ کی گرہ کھول دی ہے۔

نبوت کے متعلق امور ذیل بحث طلب ہیں:

نبوت کی حقیقت،

وحی کی حقیقت،

مشاہدہ ملائکہ،

معجزہ،

نبوت کی تصدیق کیوں کرتی ہے۔

مولانا نے ان تمام مباحث کو نہایت خوبی سے طے کیا ہے، چنانچہ ہم ان سب کو برترتیب بیان کرتے ہیں:

نبوت کی حقیقت | روح کے بیان میں آگے آئے گا کہ روح کا سلسلہ ترقی اس حد تک پہنچتا ہے کہ روح انسانی اور اس اعلیٰ روح میں اس قدر فرق پیدا ہو جاتا ہے، جس قدر روح حیوانی اور انسانی میں، لیکن اس درجہ کے مراتب بھی متفاوت ہیں۔ ادنیٰ طبقہ کو ولایت اور انتہائی اعلیٰ طبقہ کو نبوت کہتے ہیں۔

عام آدمیوں کی عقل اور روح کے علاوہ

باز غیر از عقل و جان آدمی

انبیاء اور اولیاء میں ایک اور روح ہوتی ہے۔

ہست جانے ذرنبی و درولی

وحی کی روح عقل سے بھی زیادہ مخفی ہوتی ہے

روح وحی از عقل پہنہاں تر بود

کیونکہ روح عالم غیب کی چیز ہے اور عالم دوسرے سرے کا عالم ہے۔

ز انکہ او غیب است او زان سر بود

وحی کی حقیقت | مادہ پرستوں کے نزدیک ادراک کا ذریعہ صرف حواس ظاہری ہیں، جو چیزیں حواس ظاہری کی مدد سے
 بہ ظاہر خارج معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً کلیات اور مجردات ان کے ادراکات کا ذریعہ بھی حواس ہی کے محسوسات ہیں۔ ان ہی محسوسات
 کو قوت و ماغی خصوصیات سے مجرد کر کے کلی اور مجرد بنا لیتی ہے، لیکن حضرات صوفیہ کے نزدیک انسان میں ایک اور خاص
 قوت ہے جو حواس ظاہری کے توسط کے بغیر اشیاء کا ادراک کرتی ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:

پنج حسے بہست جزایں پنج حس
 واک چو ز سرخ و این حس با چوبیس
 جس ابدال قوت ظلمت سے خور
 حس جاں از آفتابے سے چرو
 آئینہ دل چوں شود صافی و پاک
 نقش باطنی بروں از آب و خاک
 پس بدانی چونکہ رستی از بدن
 گوش و بینی چشم سے تاند شدن
 فلسفی کو منکر حس نہ است
 از حواس انبیا ہیگانہ است
 پس محل وحی گرد و گوش جاں
 وحی چہ بود؟ گفتن از حس نہاں

ان پانچ حواس کے علاوہ بھی پانچ حواس ہیں۔
 یہ حواس تانبے کی طرح ہیں اور وہ سونے کی طرح۔
 حواس جسمانی کی غذا ظلمت ہے
 اور حواس روحانی کی غذا آفتاب!
 دل کا آئینہ جب صاف پاک ہو جائے۔
 تو تم کو ایسی چیزیں نظر آئیں گی جو اب و خاک سے پاک ہیں۔
 جب تم جسم سے بری ہو جاؤ گے
 تو یہ کہ سامعہ اور شامہ آنکھ کا کام بھی دے سکتی ہیں۔
 فلسفی جو حواس کے واقعہ کا انکار کرتا ہے
 وہ انبیاء کے حواس سے بے خبر ہے۔
 روح کے کان وحی کے محل ہیں،
 وحی کس چیز کا نام ہے؟ جس مخفی کے ذریعہ سے کہنا۔

یہ ادراک انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اولیا اور اصفیاء کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

مولانا نے وحی کے وجود کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ دنیا میں آج جس قدر علوم و فنون، صنایع و حرف ہیں، تعلیم و تعلیم
 سے حواس ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔ اب دو صورتیں ہیں، یا یہ تسلیم کیا جائے کہ تعلیم و تعلیم کا یہ سلسلہ ابتدا
 کی جانب کہیں ختم نہیں ہوتا، بلکہ الی غیر النہایت چلا جاتا ہے، یا یہ فرض کیا جائے کہ یہ سلسلہ ایسے شخص پر جا کر ختم ہوتا ہے، جس کو بغیر
 تعلیم و تعلیم کے محض القا اور الہام کے ذریعہ سے علم حاصل ہوا ہوگا۔ پہلی صورت میں تسلسل لازم آتا ہے جو محال ہے، اس لیے ضروری
 ہے کہ دوسری صورت، تسلیم کی جائے اور اسی کا نام وحی ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:

ایں نجوم و طب وحی انبیا است
 عقل و حس را سوے بے سورہ کجا است

لہ اس سے حواس خمسہ باطنی مراد نہیں ہیں، بلکہ روحانی حواس مراد ہے۔ چنانچہ عبدالعزیز العلوم کی شرح میں اس کو توضیح کے ساتھ لکھا ہے۔

قابل تسلیم و فہم ست این خرد
 جملہ حرفت ہا یقین از وحی بود
 لیک صاحب وحی تعلیمش وہد
 اول او لیک عقل اورا فرود
 اند او آموخت بے بیج اوستا
 پیشہ بے اوستا حاصل شدے

نبوت کی تصدیق | اس بناء پر یہ قومی شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ حالت ہے تو آخر نبی اور متنبی میں تمیز کا کیا ذریعہ ہے۔ کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی کے دل میں جو مضامین القا ہوتے ہیں، وہ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور متنبی کے دل میں شیطان کی طرف سے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح میٹھے اور کھاری پانی کے پہچاننے کا ذریعہ صرف قوت ذائقہ ہے، اسی طرح نبوت کی تمیز کا ذریعہ صرف وجدان صحیح اور ذوق سلیم ہے۔

جز صاحب ذوق کہ شناسد بیاب
 او شناسد آب خوش را از شور آب
 صاحب ذوق کے سوا اور کون پہچان سکتا ہے؟
 وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھارا۔
 جز کہ صاحب شوق کہ شناسد طعموم
 شہد را نا خوردہ کے دانی ز موم
 صاحب ذوق کے سوا مزے کی تمیز کون کر سکتا ہے،
 جب تک شہد کہ نہ کھاؤ موم اور شہد میں کیوں تمیز کر سکتے ہو۔
 بسحر را با معجزہ کردہ قیاس
 ہر دورا بر مگر پندار و اساس
 اس نے سحر کو معجزہ پر قیاس کیا،
 اور یہ سمجھا کہ دونوں کی بنیاد فریب پر ہے۔
 زر قلب و زرنیکو در عیار
 بے محاکم ہرگز نہ دانی و اعتبار
 تم کھوٹے اور کھرے روپیہ کو
 کسوٹی کے بغیر تمیز نہیں کر سکتے۔
 ہر کرا در جاں خدا بہند محاکم
 ہریشہ میں را باز و انداز و رشک
 خدا نے جس کی طبیعت میں کسوٹی رکھی ہے۔
 چوں شود از رنج و غلت دل سلیم
 طعم صدق و کذب را باشد علیم
 وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے۔
 جب آدمی کے دل میں بیماری نہیں ہوتی۔
 توہ صدق اور کذب کے مزے کو پہچان لیتا ہے۔

معجزہ | معجزہ کے تین امر بحث طلب ہیں :

(۱) خرق عادت ممکن ہے یا نہیں؟

(۲) معجزہ شرط نبوت ہے یا نہیں؟

(۳) معجزہ سے نبوت کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں؟

امام رازی نے تفسیر کبیر اور مطالبہ الہیہ میں لکھا ہے کہ خرق عادت کے متعلق تین رائیں ہیں۔ حکما کا مذہب ہے کہ کسی حالت

میں ممکن نہیں، اشاعرہ کہتے ہیں کہ ہر وقت ممکن ہے۔ یہ نزاع اصل میں اس بنا پر ہے کہ حکما کے نزدیک کائنات میں علت معلول کا سلسلہ قائم ہے اور معلول کبھی علت سے متخلف نہیں ہو سکتا۔ اشاعرہ کے نزدیک کوئی چیز کسی کی علت نہیں، نہ کسی شے میں کوئی خاصہ اور تاثیر ہے۔ معتزلہ کا مذہب ہے کہ خرق عادت کبھی کبھی اتفاقیہ وقوع میں آتی ہے۔

مولانا نے معتدل طریقہ اختیار کیا، وہ اشاعرہ کے برخلاف اس بات کے قائل ہیں کہ عالم میں ایک قانون قدرت اور ایک سلسلہ انتظام ہے اور اگر یہ نہ ہو تو انسان کسی کام کے لیے کوئی کوشش اور تدبیر نہ کر سکے، کیوں کہ جب یہ معلوم ہے کہ کوئی چیز کسی کی علت نہیں تو کسی کام کے اسباب اور علت کی تلاش کیوں ہوگی!

چوں سبب نہ بود چہرہ جو دید مرید پس سبب در راہے آید پدید

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ خدا کے تمام قانون قدرت کا احاطہ نہیں ہو چکا ہے، جن چیزوں کو تم اسباب سمجھ رہے ہو، ممکن ہے کہ ایسا قانون قدرت ثابت ہو جس کے سامنے یہ تمام سلسلہ اسباب غلط ہو جائے۔

اے گرفتار سبب بیروں میر لیک عزل ان مستب ظن میر

ہرچہ خواہد از مستب آورد قدرت مطلق سبب با برورد

اس بحث میں مولانا نے ایک اہم وقتی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سلسلہ اسباب پر زیادہ غور کرنے کا اکثر یہ بھی نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان خدا کے وجود سے بالکل منکر ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اخیر علت العطل کوئی چیز نہیں، بلکہ اسباب کا ایک سلسلہ غیر متناسی ہے، جو قدیم سے قائم ہے اور ہر لمحہ چلا جاتا ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے، اسی سلسلہ کا نتیجہ ہے۔ ان اسباب کا اخیر میں حل کر کسی علت العطل پر منتہی ہونا کچھ ضرور نہیں۔

اس ہلکے سے بچنے کے لیے انسان کو چاہیے کہ سلسلہ اسباب کے ساتھ ہر وقت اس بات پر نظر رکھے کہ گو واسطہ در واسطہ سینکڑوں ہزاروں اسباب کا سلسلہ قائم ہے، لیکن دراصل یہ تمام کلیں ایک قوت اعظم کے چلانے سے چل رہی ہیں۔ اس لیے یہ اسباب اصلی اسباب نہیں، اصلی سبب وہی قوت اعظم ہے، جہاں تک یہ سلسلہ پہنچ کر ختم ہوتا ہے۔

ایں سبب با بر نظر با پروہ ہاست کہ نہ ہر دیدار صنعتش را سزا است

دیدہ باید سبب سوراخ کن! تا حجب را بر کند از بیخ و بن

تا مستب بیند، اندر لامکاں ہرزہ بیند، جہد و اسباب و کاں

از مستب می رسد ہر خیر و شر نیست اسباب و وسائط را اثر

معجزہ دلیل نبوت | مولانا کے نزدیک نبوت کی تصدیق کے لیے معجزہ شرط نہیں۔ جس کے دل میں ایمان کا مزہ ہوتا ہے، پیغمبر ہے یا نہیں؟ کی صورت اور اس کی باتیں اس کے حق میں معجزہ کا کام دیتی ہیں:

در دل ہر امتی کذب حق مزہ است روئے داواز پیغمبر معجزہ است

لیکن مولانا نے اسی پر قناعت نہیں کی، بلکہ صاف صاف تصریح کی کہ معجزہ ایمان کا سبب نہیں ہوتا اور اس سے ایمان بھی پیدا ہوتا ہے تو جبری ایمان پیدا ہوتا ہے، نردوقی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

موجبات ایمان نباشد معجزات	معجزات ایمان کا سبب نہیں ہوتے،
بوسے جنسیت کند جذب صفات	جنسیت کی بوضافت کو جذب کرتی ہے۔
معجزات از بر قہر دشمن است	معجزے اسی لیے ہوتے ہیں کہ دشمن دبا جائیں،
بوسے جنسیت سوسے دل بردن است	لیکن جنسیت کی بوسے غرض کے لیے ہے کہ دل تک پہنچ جائے۔
قہر کرد و دشمن اما دوست نے	دشمن دبا جاتا ہے، لیکن دوست نہیں ہوتا۔
دوست کے گرد و بستہ گردنے	وہ شخص بھلا دوست کیا ہوگا جو گردن پکڑ کر لایا گیا ہے۔

مولانا نے اس بحث میں ایک اور دقیق نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ معجزہ سے نبوت پر چواستلال کیا جاتا ہے، اس کی منطقی ترتیب یہ ہوتی ہے:

اس شخص سے یہ فعل (معجزہ) صادر ہوا ہے،
اور جس شخص سے یہ فعل صادر ہوا، وہ پیغمبر ہے،
اس لیے یہ شخص پیغمبر ہے۔

اس صورت میں پیغمبر کا اثر بالذات خارجی چیز پر ہوتا ہے، مثلاً دریا کا پھٹ جانا، سنگریزوں کا بولنا وغیرہ وغیرہ، اس اثر سے پھر بواسطہ قلب پر اثر پڑتا ہے، یعنی آدمی اس بنا پر ایمان لاتا ہے کہ جب اس شخص نے دریا کو شق کر دیا تو ضرور پیغمبر ہے۔ لیکن بجائے اس کے کہ معجزہ کسی پتھر یا دریا اور جمادات پر اثر کرے، یہ زیادہ آسان ہے کہ پہلے پہل دل ہی پر اثر کرے خدا جب یہ چاہتا ہے کہ پیغمبر ہو، لوگ ایمان لائیں، تو یہ زیادہ آسان اور زیادہ دل نشین طریقہ ہے کہ بجائے جمادات کے خود لوگوں کے دلوں کو متاثر کر دے، کہ وہ ایمان قبول کر لیں اور یہی اصلی معجزہ کہا جاسکتا ہے۔ مولانا اس نکتہ کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:

معجزہ کاں بر جمادے کرد اثر	یا عصا یا حیر یا شق القمر
گرد اثر بر جاں زند بے واسطہ	متصل گردو بہ پہماں رابطہ
بر جمادات ان اثر عاریہ است	آں پے روح خوش متوار یہ است
تا ازال جامد، اثر گسیر و ضمیر	جیند انان بے ہیولائے خمیر
بر زند از جان کامل معجزات	بر ضمیر جان طالب چوں حیات

اخیر شعر میں معجزہ کی اصلی حقیقت بتائی ہے، یعنی پیغمبر کا روحانی اثر خود طالب کی روح پر پڑتا ہے کسی واسطہ اور ذریعہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

روح | روح اگرچہ تمام حیوانات میں پائی جاتی ہے اور اگرچہ حیوانات کے مختلف انواع میں اس کے مراتب نہایت متفاوت ہیں، تاہم حیوانات میں جو روح ہے، وہ ترقی کی ایک خاص حد سے بگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس حد کو روح حیوانی کہتے ہیں۔ اس سے اگے جو درجہ ہے وہ روح انسانی ہے۔

غیر فہم و جاں کہ در گاو و خراست آدمی را عقل و جانِ دیگر است

اس روح کے خواص اور اوصاف مولانا کے فلسفہ کے مطابق یہ ہیں :

۱۔ وہ ایک جو ہر مجرد اور جسمانی سے بالکل بری ہے، اس کا تعلق جسم سے نہیں، بلکہ اس روح حیوانی سے ہے، جو انسان میں موجود ہے۔ یہ تعلق اس قسم کا ہے جس طرح آفتاب کا آئینہ سے۔ آفتاب اپنی جگہ پر موجود ہے لیکن اس کا عکس آئینہ پر پڑتا ہے اور اس کو روشن کر دیتا ہے۔ اسی طرح روح عالم ملکوت میں ہے، اس کا پر تو روح حیوانی پر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان عجیب و غریب قوی کا مظہر بن جاتا ہے :

حاشا! تو برونی زیں جہاں	حاشا! تو اس جہاں سے باہر ہے،
ہم بوقت زندگی ہم بعد انراں	زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔
در ہوائے غیر مرغی سے پرد	غیب کی ہوا میں ایک مرغ اڑا جاتا ہے
سایہ او بر زمین سے گسترده	اور اس کا سایہ زمین پر پڑتا ہے۔
جسم سایہ سایہ دل است	جسم روح کے سایہ کا سایہ ہے،
جسم کے اندر خود پایہ دل است	جسم کو دل سے کیا نسبت۔
مرد خفتہ روح او چوں آفتاب	جب آدمی سو جاتا ہے تو روح آفتاب کی طرح
در فلک تاباں و در تن جامہ خراب	آسمان پر چمکتی ہے اور بدن شبِ خوابی کیڑوں میں برتا ہے۔
جاں نہاں اندر خلا ہچو سجاف	روح خلا میں سجاف کی طرح مخفی ہے
تن قلب مے کند زیر لہاف	در بدن سجاف کے نیچے کر دیش بدلتا ہے۔
روح من چوں امر بئی منتفی است	میری روح خدا کے امر کی طرح مخفی ہے
ہر مثالے کہ بگویم منتفی است	ہر مثالے کہ جو مثال دی جانے سب غلط ہے۔

۲۔ روح کی ترقی کے مراتب سلسلہ بہ سلسلہ بڑھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کا ایک ایسا درجہ آتا ہے، جو عام

روح انسانی سے اسی قدر بالاتر ہے جس قدر انسانی روح حیوانی سے۔ یہی درجہ نبوت کا ہے۔

غیر فہم و جاں کہ در گاو و خراست
باز غیر عقل و جانِ آدمی
آدمی را عقل و جانِ دیگر است
بست جانے در نہی و در ولی

روح وحی از عقل پنهان تر بود زانکہ او غیب مست و او زلال کر بود
عقول مجردہ اور روحانیت جو نظام عالم کے کام پر مامور ہیں، اسی روح کے سلسلہ میں واقع ہیں۔
۳۔ جس طرح انسان کا جسم جو کام کرتا ہے، اس وجہ سے کہتا ہے کہ اس پر روح کا پرتو ہے، اسی طرح پر عالم قدس کا پرتو ہے۔

اپنچناں کہ پرتو جاں بر تن است
پر تو جانانہ بر جان تن است
جان جاں چوں واکشد پاراز جاں
جاں چہاں گردو کہ بے تن جاں بدل
چوں تو نہ ہی راہ جاں خود بروہ گیر
جاں کہ بے تو زندہ باشد مردہ گیر

حاصل یہ ہے کہ روح ایک جوہر مجرد ہے اور انسان میں جو روح حیوانی ہے (جس کو جان بھی کہتے ہیں) یہ اس کے کام کرنے کا ایک آلہ ہے جس طرح کارگیر آلہ کے بغیر کام نہیں کر سکتا۔ روح بھی اس روح حیوانی کے بغیر کام نہیں کر سکتی، لیکن فی نفسہ وہ بالکل ایک جداگانہ شے ہے اور چونکہ وہ جوہر مجرد ہے، یعنی نہ مادہ ہے نہ مادہ سے مرکب ہے، اس لیے اس کو فنا نہیں انسان واصل اسی روح کا نام ہے اور یہ جسم اور روح حیوانی اس کا قالب ہے۔

معاد | اصل یہ ہے کہ اخلاقی حیثیت سے تو معاد کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ گفتگو جو کچھ ہے یہ ہے کہ بظاہر یہ نہایت بعید معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب مرکز سڑگل جائے تو پھر اس کو دوبارہ زندگی حاصل ہو۔ مولانا نے اس استبعاد کو تمثیلوں اور تشبیہوں سے رفع کیا ہے۔ عمر خیام نے ایک رباعی میں لطیفہ کے طور پر معاد سے انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ انسان کوئی گناہ نہیں ہے کہ ایک دفعہ کاٹ ڈالی جائے تو پھر اگے آئے۔ مولانا اس کا جواب اسی انداز بیان میں دیتے ہیں:

کدام داند فرود رفت در زمین کہ نہ رست

چرا بہ دامن انسانیت این گماں باشد

یہ استدلال اگرچہ بظاہر ایک لطیفہ ہے، لیکن دراصل یہ علمی استدلال ہے۔ چنانچہ آگے تفصیل آتی ہے۔ مولانا نے معاد کے استبعاد کو اس طریقہ سے رفع کیا کہ انسان پہلے جماؤ تھا۔ جماد سے نبات ہو اور نبات سے حیوان ہوا، حیوان سے انسان ہوا۔

آئندہ اول بہ تسلیم جماد
وز جمادی یاد نادر و از نبرد
تا مدش حال نباتی بیج یاد
خاصہ در وقت بہاد و خیمراں
تاشد اکنون غافل و انا و زنت
ہم چنین تسلیم تا تسلیم رفت
عقل ہائے اولینش یاد نیست
تار بزرگی عقل پر حرص و طلب
از جمادی در نباتی او فتاد
سالہا اندر نباتی عمر کرد
وز نباتی چوں بر حیوان او فتاد
جز ہماں میلے کہ وار و سونے آن
ہم چنین تسلیم تا تسلیم رفت
عقل ہائے اولینش یاد نیست
تار بزرگی عقل پر حرص و طلب

گرچہ خفتہ گشت و ناسی شد ز پیش
باز ازاں خوابش بر بیداری کشند

کے گز ازندش دزاں نسیان خوش
کہ کند بر حالت خود ریشخند

انسان کی خلقت کے یہ انقلابات مذہباً اور حکماً دونوں طرح سے ثابت ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ
ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ
ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ
مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا
الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۗ

اور بے شک ہم نے انسان کو گیلی مٹی سے پیدا کیا،
پھر ہم نے اس کو ایک معین مقام میں نطفہ بنایا، پھر ہم نے
نطفہ کو خون کی پھشکی بنایا، پھر اس کو گوشت کا ٹھنڈا بنا دیا،
پھر ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے
اس کو دوسری مخلوق بنایا (یعنی حیوان سے بالاتر)

فلسفہ حال کے موافق بھی یہ ترتیب درست ہے۔ ڈارون کی تھیوری کے موافق انسان پر جمادی، نباتی، حیوانی سب حالتیں
گزری ہیں، صرف یہ فرق ہے کہ ڈارون روح انسانی کا قائل نہیں۔ اس بنا پر وہ انسان کو الگ مخلوق نہیں سمجھتا، بلکہ حیوانات ہی کی
ایک نوع خیال کرتا ہے، جس طرح گھوڑا، ہاتھی، شیر، بندر وغیرہ۔

بہر حال جب یہ ثابت ہو کہ انسان پہلے جماد تھا، جمادیت کے فنا ہونے کے بعد نبات ہوا، نباتیت کے فنا ہونے کے
بعد حیوان، تو اس میں کوئی استبعاد نہیں معلوم ہوتا کہ یہ حالت بھی فنا ہو کر کوئی اور عمدہ حالت پیدا ہو، اور اسی کا نام دوسری زندگی
یا معاویا قیامت ہے۔ کسی چیز کے فنا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ سرے سے معدوم ہو جائے، بلکہ ایک ادنیٰ حالت سے اعلیٰ
کی طرف ترقی کرنے کے لیے ضرور ہے کہ موجودہ صورت فنا ہو جائے۔ مولانا نے نہایت تفصیل اور بسط سے اس مسئلہ کو بیان کیا
ہے کہ ترقی کے عجیب و غریب مدارج کے لیے فنا اور نیستی ضرور ہے۔ پہلے اس کو نہایت عام فہم مثالوں میں بیان کیا ہے، چنانچہ
فرماتے ہیں:

روح بر اول بشوید بے وقوف
آننگہی بروے نویسد ادحروف
وقت شستن لوح را بایشناخت
کہ مراں را دفترے خواہند ساخت
چون اس اس خانہ نوا گنند
اولیں بنیاد را برے گنند

نادان پہلے تختی کو دھوتا ہے،

تب اس پر حرف لکھتا ہے،

تختی کے دھونے کے وقت یہ سمجھ لینا چاہیے

کہ اس کو ایک دفتر بنائیں گے۔

جب نئے مکان کی بنیاد ڈالتے ہیں

تو پہنی بنیاد کو کھود کر ترا دیتے ہیں۔

۱۰ ان آیتوں کے بعد اعلیٰ بحر العلوم نے مولانا کے اشعار مذکورہ بالا کی شرح میں لکھا ہے اور ان سے مولانا کے دعویٰ کی صحت پر استدلال کیا ہے۔

پہلے زمین سے مٹی نکالتے ہیں
تب صاف پانی نکلتا ہے۔
لکھنے کے لیے ساوہ کاغذ تلاش کیا جاتا ہے۔
یہ سچ اس زمین میں ڈالا جاتا ہے جو بن بونی ہوتی ہے۔
ہستی غنسی ہی میں دکھائی جا سکتی ہے۔
دولت مند لوگ فقیروں پر سخاوت کا استعمال کرتے ہیں۔

ان عام فہم مثالوں کے بعد مولانا نے فطرت کے سلسلہ سے استدلال کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

تم جس دن سے کہ وجود میں آئے،
پہلے آگ یا خاک یا ہوا تھے۔
اگر تمھاری وہی حالت قائم رہتی
تو یہ ترقی کیونکر نصیب ہو سکتی۔
بدنہ دالے نے پہلی ہستی بدل دی،
اور اس کی جگہ دوسری ہستی قائم کر دی۔
اسی طرح ہزاروں بستیاں بدلتی چلی جائیں گی،
یکے بعد دیگرے اور پچھلی پہلی سے بہتر ہوگی۔
یہ بقا تم نے فنا کے بعد حاصل کی ہے،
پھر فنا سے کیوں جی جراتے ہو!
ان فناؤں سے تم کو کیا نقصان پہنچا،
جو اب بقا سے چمٹے جاتے ہو اسے بے سامان
جب دوسری ہستی پہلی ہستی سے بہتر ہے
تو فنا کو ڈھونڈو اور انقلاب کنندہ کو پوجو۔
تم سیکڑوں قسم کے حشر دیکھ چکے اسے سرکش
ابتدائے وجود سے اس وقت تک۔
پہلے تم جماد تھے، پھر تم میں توت نو پیدا ہوئی،
پھر تم میں جان آئی۔

گل بر آرنڈ اول از قعر زمین
تا بہ آخر بر کشی ماہو معین
کاغذے جوید کہ آن بنو شتر نیست
تخم کار و موصیے کہ کشته نیست
ہستی اندر نیستی بتواں نمود
ہمال داراں بر فقیر آرنڈ جوید

تو ازاں روز سے کہ در بہت آمدی
آتش یا خاک یا بادی بدی!
گر بدال حالت ترا بودے بقا
کے رسیدے مر ترا این ارتقا
از مبدل ہستی اول نشاند
ہستی دیگر بجائے اول نشاند
ہم جنہیں تا صد ہزاراں ہستہا
بعد یک دیگر، دوم برازا ابتدا
این بقا یا از فنا یا یافتے
از فنا پس رو چہ سرا بر تافتے
زراں فنا با چہ زیاں بودت کرتا
ریقتا پھنیدہ! اے بے نوا
چوں دوم از اولیت بہتر ست
پس فنا جوئے و مبدل را پرست
صد ہزاراں حشر و بیدی اسے عنود
تا کنوں ہر لحظہ از بدو وجود
از جمادی بے خبر سوئے نمسا
وز نما سوئے حیات و ابستلا

باز موسے مشکل و تیسیرت خوش
باز موسے خالق از پنج و شش
باز موسے خالق از پنج و شش
باز موسے خالق از پنج و شش
باز موسے خالق از پنج و شش
باز موسے خالق از پنج و شش
باز موسے خالق از پنج و شش
باز موسے خالق از پنج و شش
باز موسے خالق از پنج و شش
باز موسے خالق از پنج و شش

موت و کما کر استرگن بالکل جدید سائنس کے مطابق ہے، جدید تحقیقات سے ثابت ہو گیا کہ کوئی چیز پیدا ہو کر فنا نہیں ہو سکتی
بجز کوئی دوسری صورت بدل سکتی ہے۔ انسان دو چیزوں کا نام ہے: جسم اور روح۔ روح کو گو سائنس والے مصطلح مضمحل میں تسلیم نہیں
کرتے، لیکن کما کر ان کو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ وہ ایک قوت ہے۔ سائنس والوں کے نزدیک دنیا میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں
مادہ مثلاً خاک، پانی وغیرہ۔ اور قوت مثلاً حرارت، حرکت وغیرہ۔ انسان انہی دو چیزوں کا مجموعہ ہے، جسم مادہ ہے اور روح قوت
ہے اور چونکہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مادہ اور قوت کبھی فنا نہیں ہو سکتی، اس لیے ضرور ہے کہ انسان جب فنا ہو تو اس کا مادہ
اور قوت کوئی دوسری صورت اختیار کرنے۔ اسی کو ہم انسان کی دوسری زندگی یا معاد یا قیامت کہتے ہیں، اس لیے محمد سے محمد کبھی
مضحل معاد کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا۔

جبر و قدر اعتقاد کے مسائل اکثر ایسے ہیں کہ ان میں کچھ وقت اور اشکال ہے، وہ مذہبی اصول کے لحاظ سے ہے ورنہ اگر مذہب
کا لحاظ نہ رکھا جائے تو آسانی سے اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ اگر اس کا ثبوت پہلو مشکل ہو گا تو سبھی میں کچھ وقت نہ ہو گی۔ مثلاً
روح، معاد، جزا و سزا، لیکن جبر و قدر کا مسئلہ ایسا پرتوچ ہے کہ مذہبی حیثیت سے لگ بھگ بھی کر لی جائے، تب بھی یہ عقیدہ حل نہیں ہوتا
ایک طرح اس مسئلہ کا بالکل آزاد طریقہ سے فیصلہ کرنا چاہیے، تب بھی نہیں کر سکتا۔ نفسی اور اثبات سے الگ کوئی پہلو نہیں ہے اور
دونوں صورتوں میں ایسے اشکالات پیدا ہوتے ہیں جو رفع نہیں ہو سکتے۔

مثلاً اگر تم یہ پہلو اختیار کرو کہ انسان بالکل مجبور ہے تو انسان کے افعال کا اچھا اور بُرا ہونا بالکل بے معنی ہو گا، کیوں کہ جو افعال
کسی سے محض مجبوراً صادر ہوتے ہیں، ان کو نہ مدح و نہ مذموم۔ دوسرا پہلو اختیار کرو تو وہ بھی خلاف واقعہ معلوم
ہوتا ہے۔ غور سے دیکھو کہ انسان کسی کام کو کیوں کرتا ہے؟ اور کیوں ایک کام سے باز رہتا ہے؟ انسان میں خدا نے خواہش
کا ایک مادہ پیدا کیا ہے، جس کو ارادہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ خواہش خاص اسباب اور مواقع کے پیش آنے سے خود بخود
حرکت میں آتی ہے۔ انسان میں ایک اور قوت ہے، جس کو ہم قوت اجتناب سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی ایک کام سے باز
رہنا۔ جب کوئی بڑا کام ہم کو کرنا چاہتے ہیں تو ان دونوں قوتوں میں معارضہ ہوتا ہے۔ اگر قوت ارادی فطرۃً قوت اجتنابی سے
قوی تر ہے تو انسان اس نفل کا مرکب ہوتا ہے ورنہ باز رہتا ہے۔

فرض کرو کہ ایک شخص کے سامنے کسی نے شراب پیش کی۔ شراب کو دیکھ کر قوتِ ارادی کا ظہور ہوا، ساتھ ہی قوتِ اجتنابی بھی برسرِ کار آئی، لیکن چونکہ یہ قوتِ فطرۃ اس شخص میں کمزور تھی، قوتِ ارادی کا مقابلہ نہ کر سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس شخص نے شراب پی لی۔ یہ فعل بالکل فطرت کا نتیجہ لازمی تھا، اس لیے انسان اس کے کرنے پر مجبور تھا۔

اشاعر نے اپنی دانست میں ایک تیسری صورت اختیار کی، یعنی یہ کہ افعال انسانی خدا کی قدرت سے سرزد ہوتے ہیں، لیکن چونکہ انسان کے ذریعہ سے وجود میں آتے ہیں، اس لیے انسان کو ان سے کسب کا تعلق ہے۔ لیکن کسب محض چونکہ ایک عمل لفظ ہے جس کی کچھ تعبیر نہیں کی جاسکتی۔ اس بنا پر اکثر کتبِ کلام میں لکھا ہے کہ اس لفظ کی حقیقت نہیں بیان کی جاسکتی مسلم الثبوت میں ہے کہ کسب اور جبر تو اُم بھائی ہیں۔

مولانا روم نے اس مسئلہ پر مختلف حیثیتوں سے بحث کی ہے۔ سب سے پہلے مولانا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو جبر یہ و قدر یہ دونوں غلطی پر ہیں، لیکن دونوں کو نسبتاً دیکھا جائے تو قدر یہ کو جبر پر ترجیح ہے۔ کیونکہ اختیار مطلق ہدایت کے خلاف نہیں اور جبر مطلق ہدایت کے خلاف ہے۔ اس قدر ہر شخص کو بدامنتہ نظر آتا ہے کہ وہ صاحبِ اختیار ہے۔ باقی یہ امر کہ یہ اختیار خدا نے دیا، ایک نظری مسئلہ ہے، یعنی استدلال کا محتاج ہے، بدیہی نہیں:

منکرِ حسن نیست اں مردِ قدر فعلِ حقِ حسّے نباشد اسے پسر
منکرِ فعلِ خداوندِ جلیل ہست در انکار مدلولِ دلیل

اس کے بعد مولانا نے اختیار کو متعدد قوی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

مولانا نے اختیار کے ثبوت کے لیے جو دلائل پیش کیے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ ہر شخص کے دل میں اختیار کا یقین ہے اور گو سخن پروردی کے موقع پر کوئی شخص اس سے انکار کرے، لیکن اس کے تمام افعال اور اقوال سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اختیار کا معترف ہے۔ اگر کسی شخص کے سر پر چھت ٹوٹ کر گرے تو اس کو چھت پر مطلق غصہ نہیں آتا، لیکن اگر کوئی شخص اس کو پتھر کھینچ مارے تو اس شخص پر اس کو سخت غصہ آئے گا، یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ چھت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں، اور آدمی جس نے پتھر کھینچ مارا وہ فاعل مختار ہے۔

گر زسقف خانہ چوبے بشکند بر تو آفتِ سختِ مجروحیت کند
بیچِ خشمے آیدت بر چوبِ سقف بیچِ اندر کین او باشی تو وقف
کہ چرا بر من زدہ دستم شکست یا چرا بر من فنت او کردیست
وانکہ قصدِ عورت توے کند صد ہزاراں خشم از تو سرزند
در باید سیلِ درختِ تو برد بیچِ باسیلِ آورد، کینی خرد

گر بیاید باد و دستارت بود
کے ترا با باد دل نشتمے نمود
نشتم در تو شد بیان اختیار
تا نہ گوئی جب دیا نہ اعتذار
ایک نہایت لطیف استدلال مولانا نے یہ کیا کہ جانور تک جبر و قدر کے مسئلہ سے واقف ہیں نہ کوئی شخص اگر ایک
کتے کو دوڑ سے پتھر کی پینچ مارے تو چوٹ پتھر کے ذریعہ سے لگے گی، لیکن کتا پتھر سے معترض نہ ہوگا، بلکہ اس پر حملہ
کرے گا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کتا بھی سمجھتا ہے کہ پتھر مجبور تھا، اس لیے وہ قابل الزام نہیں جس شخص نے
باختیار اذیت دی وہ مواخذہ کے قابل ہے:

ہم چنیں گے برسگے سنگے زنی
بر تو آرد حملہ گرومی منشنے
گر شتر باں اشترے رامی زند
آں شتر قصد زندہ می کند
نشتم اشتر نیست بزآں چوب او
پس ز مختاری اشتر بردہ ست بو
عقل حیوانی چو دانست اختیار
ایں نگو اے عقل انساں شرم دار
روشن ست ایں لیک ارطیح سحور
آں خوردندہ چشم بر بند ز نور
چونکہ کلی میل آں ناں خورد نیست
رو بہ تاریکی کند کہ روز نیست

۲۔ انسان کے تمام افعال و اقوال سے اختیار کا ثبوت ملتا ہے۔ ہم جو کسی کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں کسی کام سے روکتے
ہیں، کسی پر غصہ ظاہر کرتے ہیں، کسی فعل پر مادم ہوتے ہیں، یہ تمام امور اس بات کی دلیل ہیں کہ ہم مخاطب کو اور اپنے آپ کو
فاعل مختار خیال کرتے ہیں:

ایں کہ فردا "آں کنم یا ایں کنم"
ایں دلیل اختیار ست اے صنم
واں پشیمانی کہ خوردی از بدی
زا اختیار خویش گشتی مہندی
جملہ قرآن امر و نہی ست و وعید
امر کردن سنگ مرر کہ دید
ہیج وانا ہیج عاشق ایں کند
با کلوخ و سنگ نشتم و کیں کند
غیر حق را گر نباشد اختیار
چوں ہی حسائی تو دنداں بر عدو
یہج نشتمے ایدت بر چوب سقف
چوں ہی بلینی گناہ و جرم دار
یہج اندر کین او باشی تو وقف

۳۔ جبر کے ثبوت میں سب سے قوی استدلال جو پیش کیا جاتا ہے اور کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا اگر ہمارے افعال
کا فاعل نہیں تو مجبور ہے اور اگر قادر ہے تو ایک فعل کے دو فاعل نہیں ہو سکتے۔ مولانا نے اس شبہ کا ایسا جواب
دیا جو جواب بھی ہے اور بجائے خود ثبوت اختیار پر مستقل استدلال بھی ہے، وہ یہ کہ جو چیز جس چیز کے ذاتیات میں

وہ اس سے کسی حالت میں منفک نہیں ہو سکتی۔ صنایع جب کسی اُرد سے کام لیتا ہے تو صنایع کی قوتِ فاعلہ اُرد کو باختیار نہیں بنا سکتی، جس کی وجہ یہ ہے کہ جمادیت جماد کی ذاتیات میں ہے، اس لیے کسی فاعلِ مختار کا عمل اس کی جمادیت کو سلب نہیں کر سکتا۔

تصوف | عموماً یہ مسلم ہے کہ مثنوی کا اصل موضوع شریعت کے اسرار اور طریقت کے مسائل کا بیان کرنا ہے، اس لیے پہلے ان الفاظ کے معنی سمجھنے چاہئیں، ان تینوں چیزوں کی حقیقت خود مولانا نے دفتر پنجم کے دیباچہ میں یہ لکھی ہے۔

شریعت پھول شمعے است کہ راہ می نماید، چوں در راہ آمدی این رفتن تو طریقت است و چوں مقصود رسیدی آن حقیقت است، حاصل آنکہ شریعت پھول علم کیمیا اموختن است از استاد یا از کتاب، طریقت استعمال کردن و زرد ہا و مس را در کیمیا مالیدن و حقیقت زرشدن مس۔

یا مثال شریعت پھول علم طب اموختن است و طریقت پرہیز کردن بموجب علم طب و وارد خوردن و حقیقت صحت یافتن۔

یعنی مثلاً ایک شخص نے علم طب پڑھا، یہ شریعت ہے۔ دوا استعمال کی، یہ طریقت ہے۔ مرض سے افادہ ہو گیا، یہ حقیقت ہے۔ حاصل یہ کہ شریعت علم ہے، طریقت عمل ہے، حقیقت عمل کا اثر ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت چار چیزوں کا نام ہے۔ اقرار زبانی۔ اعتقاد قلبی۔ تزکیۃ اخلاق۔ اعمال یعنی ادا و نواہی۔

اعتقاد دین طریقہ سے پیدا ہوتا ہے۔ تقلید سے استدلال سے کشف و حال سے۔ پہلی دونوں قسموں کو شریعت کہتے ہیں، یعنی ان طریقوں سے کسی کو اگر اعتقاد حاصل ہو تو کہا جائے گا کہ اس کو شرعی اعتقاد حاصل ہے۔ تیسری قسم کا اعتقاد طریقت ہے۔ یہ قسم بھی شریعت سے باہر نہیں، لیکن امتیازاً ایک خاص نام رکھ لیا گیا ہے، کیوں کہ یہ اعتقاد سلوک و تصوف اور مجاہدہ و ریاضت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

اسی طرح تزکیۃ اخلاق کے جو احکام شریعت میں مذکور ہیں، ان کا نام شریعت ہے، لیکن محض احکام کے جاننے سے تزکیۃ اخلاق نہیں ہوتا۔ علمائے ظاہر اخلاق کی حقیقت و ماہیت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، لیکن خود ان کے اخلاق پاک نہیں ہوتے۔ یہ مرتبہ مجاہدات اور فنا سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی کا نام طریقت ہے۔ تعمیل فرائض اور اجتناب منہیات کا بھی یہی حال ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریعت اور طریقت دو متناقض چیزیں نہیں بلکہ دونوں میں جسم و جان، جسد و روح، ظاہر و باطن، پوست و مغز کی نسبت ہے۔

تصوف میں بھی ان ہی مسائل سے بحث ہوتی ہے، لیکن تصوف میں ان عقائد کی حقیقت اور طرح پر بیان کی جاتی ہے۔ چنانچہ

لہ یہ تفصیل تاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کے مکتوب ششم سے ماخوذ ہے۔

اس کی تفصیل اگے آئے گی۔ یہی حصہ تصوف کا علمی حصہ ہے، لیکن تصوف کے اس حصہ میں جو چیز اصلی ماہر الامتیاز ہے، یہ ہے کہ اس میں علم اور ادراک کا طریقہ عام طریقہ سے مختلف ہے۔ تمام حکما اور علما کے نزدیک ادراک کا ذریعہ حواس ظاہری اور باطنی یعنی حافظہ، تخیل، حس مشترک وغیرہ ہیں، لیکن ارباب تصوف کے نزدیک ان وسائل کے سوا ادراک کا ایک اور بھی ذریعہ ہے۔ حضرت صوفیہ کا دعویٰ ہے کہ مجاہدہ، ریاضت، مراقبہ اور تصفیۂ قلب سے ایک اور حواس پیدا ہوتا ہے، جس سے ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں، جو حواس ظاہری و باطنی سے معلوم نہیں ہوتیں۔ امام غزالیؒ نے اس کی تشبیہ دی کہ مثلاً ایک حوض ہے جس میں نلوں اور جدولوں کے ذریعہ سے باہر پانی آتا ہے۔ یہ گویا علوم ظاہری ہیں۔ خود حوض کی تہ میں ایک نہر بھی ہے، جس سے نوارہ کی طرح پانی اچھلتا ہے اور حوض میں آتا ہے۔ یہ علم باطن ہے۔ یہی علم ہے جس کو علم لدنی اور کشف اور علم غیبی کہتے ہیں اور یہی علم ہے جو انبیاء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔

انبیاء اور اولیاء میں فرق یہ ہے کہ انبیاء میں علم نہایت کامل اور فطری ہوتا ہے، یعنی مجاہدہ اور ریاضت کا محتاج نہیں ہوتا، بخلاف اس کے اولیاء کو مجاہدات اور ریاضات کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

اہل ظاہر اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تحقیقات علمیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کو جو علم ہوتا ہے، صرف اس طرح ہوتا ہے کہ وہ اشیائے خارجی کو کسی حواس سے محسوس کرتا ہے، پھر اس قسم کی بہت سی چیزوں کو محسوس کر کے ان میں قدر مشترک پیدا کرتا ہے، جس کو کلی کہتے ہیں، پھر ان ہی جزئیات و کلیات کے باہمی نسبت اور مقابلہ سے سینکڑوں ہزاروں نئی نئی باتیں پیدا کرتا ہے، لیکن ان تمام معلومات کی اصلی بنیاد حواس ہی ہوتے ہیں، اس کو الگ کر دیا جائے تو تمام سلسلہ بے کار ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضرات صوفیہ کا یہ دعویٰ کہ حواس کے سوا کوئی اور ذریعہ ادراک بھی ہے، تحقیقات علمی کے خلاف ہے۔ حضرات صوفیہ کا جواب یہ ہے کہ صحیح

ذوق اس بادہ ندانی بخشد اتانہ چشتی

حضرات صوفیہ کہتے ہیں کہ جس طرح علوم ظاہری کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ مقرر ہے، جس کے بغیر وہ علوم حاصل نہیں ہو سکتے، اسی طرح اس علم کا بھی ایک خاص طریقہ ہے۔ جب تک اس طریقہ کا تجربہ نہ کیا جائے۔ اس سے انکار کرنے کی وجہ نہیں یہ امر مسلم ہے کہ بہت سے مسائل علمی ایسے ہیں جن کو کسی خاص حکیم یا عالم نے دریافت کیا اور لوگ صرف ان کی شہادت کی بنا پر ان مسائل کو تسلیم کرتے ہیں۔ اسی قیاس پر سبب سینکڑوں بزرگ جن کے فضل و کمال، صدق و دیانت، وقت نظر اور ہمت ذہن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، مثلاً حضرت بایزید بسطامی، سلطان ابوسعید، امام غزالی، شیخ محی الدین ابراہیم شہرستانی، ملا نظام الدین، شاہ ولی اللہ وغیرہ وغیرہ نہایت وثوق اور اطمینان سے اس کی شہادت دے رہے ہیں، کہ علم باطن حواس سے بالکل جداگانہ چیز ہے تو ان کی اس شہادت پر کیوں نہ اعتبار کیا جائے سینکڑوں ایسے علما گورہے ہیں جن کو علم باطن سے قطعاً انکار تھا، لیکن جب وہ اس کو چہر میں آئے اور خود ان پر وہ حالت طاری ہوئی تو وہ سب سے زیادہ اس کے معترف بن گئے۔

چونکہ یہ مسئلہ تصوف کے تمام علمی مسائل کی بنیاد ہے، اس لیے مولانا نے اس کو بار بار بیان کیا ہے اور مختلف مثالوں سے سمجھایا ہے کہ اسباب ظاہر کا اس سے منکر ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک بچہ مسائل فلسفہ سے انکار کرتا ہے یا ان کے سمجھنے سے قاصر ہے، چنانچہ ہم مختلف مقامات سے اس کے متعلق مثنوی کے اشعار نقل کرتے ہیں:

آئینہ دل چوں شود صافی پاک
نقش با بینی بروں از آب و خاک

بیخ جسے ہست جزا میں تیغ جس
اں چو ز زبرخ و این جس با چوس

بے ہر وہ دخت جس ہا سوئے غیب
دست چوں موسیٰ بروں آواز جیب

تو ز صد بیبوع شربت سے کشی
ہر چہ ز اں صد کم شود کاہد خوشی

چوں بچو شد از دروں چشمہ سنی
ز استراق چشمہ ہا گردی غنی!

قلعہ را چوں آب آید از دروں
در زمان امن باشد بر فزوں

چونکہ دشمن گرد اں حلقہ کشد
تا کہ اندر خون شاں غرقہ کشد

آب بیروں را بہ بندہ اں سپاہ
تا نباشد قلعہ را ز اں ہا سپاہ

اں ز ماں یک چاہ شوری از دروں
بہ ز صد شمع شیریں ابر بروں

علم کاں نبود نہ ہو بے واسطہ
اں نپاید بچو رنگ ماشطہ

بچو موسیٰ نور کے ماند ز جیب
سخرہ استاد و شاگرد کتیب

خولیش را صافی کن از اوصاف خود
تا بہ بینی ذات پاک عفاف خود

بینی اندر دل علوم انبیاء
بے صحیحین و احادیث و رواة

رومیان اں صوفیانند اسے پس
پاک ز آرزو حرص و بخل و کینہ ہا

یک صیقل کردہ اند اں سینہ ہا
صورت بے منتہار ا قابل ست

اں صفائی آئینہ و صف دل ست
صورتے بے صورتے بے حد و غیب

صورتے بے صورتے بے حد و غیب
تا ابد ہر نقش نو کا یہ یزدو

پس بدائی چونکہ رستی از بدن
بے حجابی سے نہ ساید رو برو

راحت گفت ست اں شیریں نہاں
گوش و بینی چشم سے تا نہ شدن

نور را با پسہ خود نسبت نہ بود
چشم گردو موسیٰ عارفان

نسبتش بخشید حلاقی و دود

علت دیدن ذراں پیہ اسے پسر
پس چراہن گرچہ تیرہ سیکلی
تا دلت آئینہ گرد پڑ صورت
آہن از چہ تیرہ و بے نور بود
گر تن حاکم کی غلیظ و تیرہ است
تا درواشکال غیبی رود ہند
صیقل عقلت بدال دادہ است حق
کہ بدال روشن شود دل را ورق

با وحدت حق ز کثرت خلق چہ باک

وحدة الوجود

صد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکسیت

علامت ظاہر کے نزدیک توحید کے یہ معنی ہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں، نہ خدا کی ذات و صفات میں کوئی اور شریک ہے، لیکن تصوف کے لغت میں اس لفظ کے معنی بدل جاتے ہیں۔ حضرات صوفیہ کے نزدیک توحید کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی چیز عالم میں موجود ہی نہیں یا یہ کہ جو کچھ موجود ہے سب خدا ہی ہے، اسی کو ہمہ اوست کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ اگرچہ تصوف کا اصل موضوع ہے، لیکن اس کی تعبیر اس قدر نازک ہے کہ ذرا سا بھی انحراف ہو تو یہ مسئلہ بالکل الحاد سے مل جاتا ہے، اس لیے ہم اس کو ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں:

صوفیہ اور اہل ظاہر کا پہلا ماہہ الاختلاف یہ ہے کہ اہل ظاہر کے نزدیک خدا سلسلہ کائنات سے بالکل الگ ایک جداگانہ ذات ہے۔ صوفیہ کے نزدیک خدا سلسلہ کائنات سے الگ نہیں۔ اس قدر تمام صوفیہ کے نزدیک مستم ہے لیکن اس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ایک فرقہ کے نزدیک خدا وجود مطلق اور ہستی مطلق کا نام ہے۔ یہ وجود جب تشخصات اور تعینات کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے تو ممکنات کے اقسام پیدا ہوتے ہیں۔

چو ہستی مطلق آمد در عبارت
بہ لفظ "من" کنند ازوے اشارت

جس طرح جناب اور موج مختلف ذاتیں خیال کی جاتی ہیں، لیکن در حقیقت ان کا وجود بحر پانی کے اور کچھ نہیں۔
گفتم از وحدت و کثرت سخنے کوئی بہ رز
گفت موج و کف و گرداب ہا نا دریاست

یہ تشبیہ کسی قدر ناقص تھی، کیونکہ جناب میں تنہا پانی نہیں بلکہ ہوا بھی ہے اس لیے ایک اور نکتہ داں نے اس فرقے کو بھی مشاویا:

با وحدت حق ز کثرت خلق چہ باک
صد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکسیت

دھاگے میں جو گرہیں لگا دی جاتی ہیں، ان کا وجود اگرچہ دھاگے سے متمایز نظر آتا ہے، لیکن فی الواقع دھاگے کے سوا کوئی نامہ چیز نہیں، صرف صورت بدل دی گئی ہے۔ دوسرے فرقہ نے وحدت و وجود کے یہ معنی قرار دیے ہیں، کہ مثلاً آدمی

کا جو سایہ پڑتا ہے، وہ اگرچہ بظاہر ایک جدا چیز معلوم ہوتا ہے، لیکن واقع میں اس کا کوئی وجود نہیں، جو کچھ ہے آدمی ہی ہے، اسی طرح اصل میں ذات باری موجود ہے۔ ممکنات جس قدر موجود ہیں، سب اسی کے اطلاق اور پر تو ہیں، اس کو توحید شہودی کہتے ہیں وحدت وجود اور وحدت شہود میں یہ فرق ہے کہ وحدت وجود کے لحاظ سے ہر چیز کو خدا کہہ سکتے ہیں جس طرح جناب اور موج کو پانی بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن وحدت شہود میں یہ اطلاق جائز نہیں، کیونکہ انسان کے سایہ کو انسان نہیں کہہ سکتے۔ وحدت وجود کا مسئلہ یہ ظاہر غلط معلوم ہوتا ہے اور اہل ظاہر کے نزدیک تو اس کے قائل کا وہی صلہ ہے، جو منصور کو دار پر ملا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وحدت وجود کے بغیر چارہ نہیں۔ اس مسئلہ کے سمجھنے کے لیے پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہیے:-

۱۔ خدا قدیم ہے۔

۲۔ قدیم حادث کی علت نہیں ہو سکتا، کیونکہ علت اور معلول کا وجود ایک ساتھ ہوتا ہے۔ اس لیے اگر علت قدیم ہو تو

معلول بھی قدیم ہوگا۔ عالم حادث ہے۔

اب نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا عالم کی علت نہیں ہو سکتا، کیوں کہ خدا قدیم ہے اور قدیم حادث کی علت نہیں ہو سکتا اور چونکہ عالم حادث ہے اس لیے اس کی بھی علت نہیں ہو سکتا۔

اس اعتراض سے بچنے کے لیے ارباب ظاہر نے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ خدا کا ارادہ یا اس ارادہ کا تعلق حادث ہے، اس

لیے وہ عالم کی علت ہے۔ لیکن سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ خدا کے ارادہ یا ارادہ کے تعلق کی علت کیا ہے؟ کیوں کہ جب ارادہ یا اس کا

تعلق حادث ہے تو وہ علت کا محتاج ہوگا اور وہ ضرور ہے کہ یہ علت بھی حادث ہو، کیوں کہ حادث کی علت حادث ہی ہوتی

ہے اور چونکہ علت حادث ہے تو اس کے لیے بھی علت کی ضرورت ہوگی۔ اب یہ سلسلہ اگر الی غیلر لہذا یہ چلا جائے تو غیر متناہی کا وجود

لازم آتا ہے، جس سے متکلمین اور ارباب ظاہر کو انکار ہے اور اگر کسی علت پر ختم ہو تو ضرور ہے کہ یہ علت قدیم ہے کیونکہ حادث ہوگی

تو پھر سلسلہ آگے بڑھے گا، قدیم ہونے کی حالت یہ لازم آئے گا کہ قدیم حادث کی علت ہو اور یہ پہلے ہی باطل ثابت ہو چکا

ہے۔ اس بنا پر تین صورتوں سے چارہ نہیں:

۱۔ عالم قدیم اور ازلی ہے اور باوجود اس کے خدا کا پیدا کیا ہوا ہے، لیکن جب خدا بھی قدیم اور ازلی ہے تو ازلی چیزوں

میں سے ایک کو علت اور دوسرے کو معلول کہنا ترجیح بلا مرجح ہے۔

۲۔ عالم قدیم ہے اور کوئی اس کا خالق نہیں۔ یہ محدود اور مہر لوں کا مذہب ہے۔

۳۔ عالم قدیم ہے، لیکن وہ ذات باری سے علیحدہ نہیں، بلکہ ذات باری ہی کے مظاہرہ کا نام عالم ہے۔ حضرات صوفیہ

کا یہی مذہب ہے اور اس پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا۔ کیونکہ تمام مشکلات کی بنیاد اس پر ہے کہ عالم اور اس

کا خالق دو جدا جدا چیزیں اور ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں۔ غرض فلسفہ کی رو سے تو صوفیہ مذہب کے بغیر

چارہ نہیں۔ البتہ یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اور نصوص قرآنی اس کے خلاف ہیں، لیکن یہ شبہ بھی صحیح نہیں۔

قرآن مجید میں بکثرت اس قسم کی آیتیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن اول و آخر جو کچھ ہے خدا ہی ہے۔ **هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔**

مولانا وحدت وجود کے قائل ہیں ان کے نزدیک تمام عالم اسی ہستی مطلق کی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں۔ اس بنا پر صرف ایک ذات واحد موجود ہے اور تعدد جو محسوس ہوتا ہے، محض اعتباری ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

گر ہزاراں اند یک کس پیش نیست	جز خیالات عدد اندیش نیست
بحر وحدانیت فرود ز نوح نیست	گوہر و ماہیش غیب مروج نیست
نیست اندر بحر، شرک تیج تیج!	لیک با احوال چه گویم بیج، بیج
اصل بسند دیدہ چوں اکمل بود	و وہے بسند چو مردا حول بود
چونکہ جنت احوال انیم لے دشمن	لازم آید مشرکانہ دم زدن
ایں دوئی اوصاف دیدا حول ست	ورز اول آخر، آخر اول ست
کل شیء ما خلا اللہ باطل	ان فضل اللہ غسیم باطل

وحدت وجود کی صورت میں بھی یہ امر بحث طلب رہتا ہے کہ ذات باری اور مظاہر کائنات میں کس قسم کی نسبت ہے۔ مولانا کی یہ رائے ہے کہ ذات باری کو ممکنات کے ساتھ جو خاص نسبت اور تعلق ہے، وہ قیاس اور عقل میں نہیں آسکتا، نہ کیف و کم کے ذریعہ سے بیان کیا جاسکتا ہے:

اتصالے بے تکلیف بے قیاس	ہست رب الناس را با جان ناس
-------------------------	----------------------------

مولانا فرماتے ہیں کہ اس قدر مستم ہے کہ جان کو جسم سے، بصارت کو روشنی سے، خوشی کو دل سے غم کو جگر سے، خوشبو کو نشا سے، گویائی کو زبان سے، ہوا پرستی کو نفس سے، شجاعت کو دل سے ایک خاص تعلق ہے، لیکن یہ تعلق بیچون و بیچگون ہے۔ اسی طرح خدا کو ممکنات سے جو نسبت ہے وہ کیف اور کم سے بری ہے:

آخر این جاں با بدن پیوستہ است	بیج این جاں با بدن مانستہ است
تاب نور چشم با پیر است جنت	نور دل در قطرہ خونی نہفت
رائحہ در انف منطق در لساں	لہو در نفس و شجاعت در جناں
شادی اندر گردہ و غم در جگر	عقل چوں شمعے درون معنہ سمر
ایں تعلقہا نہ بے کیف است چہن	عقلہا در دانش چو نے زبوں

ایسا اور موقع پر فرماتے ہیں:

قرب بے چون ہست عظمت را بہ تو	نیست از پیش و پس و سفلی و علو
------------------------------	-------------------------------

پیش اصبح یا پیش یا چپ راست
وقت بیداری قرینش سے شود
از چہ راہ آید بغیر شش جہت

نیست آن جنبش کہ در اصبح تراست
وقت خواب و مرگ از دے سے رود
نور چشم و مردک در ویدہ است

تشبیہات کے بعد کہتے ہیں:

اے تعلق ہست بیچوں اے عمر
غیر فصل و وصل نندیشد گماں
بستہ فصل ست وصل ست ہیں غم
خانم خلق ست جس ماوجہات
بے جہت تر باشد امر لاجرم
قرب حق را چو بدانی اے عمر
تو فکندی تیر فکرت را بعید

بے تعلق نیست مخلوق تے بہ او
زانکہ فصل و وصل نبود در میاں
این تعلق را خسرو چوں بے پرد
بے جہت داں عالم امر و صفات
بے جہت داں عالم امر اے صنم
جاں بتو نزدیک و تو دوری از تو
آنکہ حق ست اقرب من جبل الوریہ

نکتہ: مولانا نے عوام کو سمجھانے کے لیے جو تشبیہ دی، آج یورپ کے بڑے بڑے حکما کا وہی مذہب ہے۔ حکمائے یورپ کہتے ہیں کہ عالم میں تین چیزیں محسوس ہوتی ہیں، مادہ، قوت اور عقل (ورڈوم) یہ عقل تمام اشیاء میں اسی طرح جاری و ساری ہے جس طرح انسان کے بدن میں جان اسی عقل کا اثر ہے، کہ تمام سلسلہ کائنات میں ترتیب اور نظام پایا جاتا ہے۔ غرض تمام عالم ایک شخص واحد ہے اور اس شخص واحد میں جو عقل ہے، وہی خدا ہے، جس طرح انسان باوجود متعدد الاعضاء ہونے کے ایک شخص واحد خیال کیا جاتا ہے، اسی طرح عالم باوجود ظاہری تعدد اور تجربہ کے شے واحد ہے اور جس طرح انسان میں ایک ہی عقل ہے، اسی طرح تمام عالم کی ایک عقل ہے اور اسی کو خدا کہتے ہیں۔

فلسفہ و سائنس | اگرچہ علم کلام، تصوف، اخلاق سب فلسفہ میں داخل ہیں اور اس لحاظ سے مشنوی تمام تر فلسفہ سے، لیکن چونکہ علم اخلاق نے ایک مستقل حیثیت قائم کر لی ہے اور علم کلام و تصوف مذہب کے دائرہ میں آگئے ہیں، اس لیے فلسفہ کے عام اطلاق سے یہ علوم متبادر نہیں ہو سکتے۔ اس بنا پر فلسفہ سے فلسفہ کی دو شاخیں مراد ہیں جو علوم مذکورہ سے خارج ہیں۔

مولانا کے اگرچہ مشنوی میں فلسفہ کے مسائل کا بیان کرنا پیش نظر نہ تھا، لیکن ان کا دماغ اس قدر فلسفیانہ واقع ہوا تھا کہ بلا قصد فلسفیانہ مسائل ان کی زبان سے ادا ہوتے جاتے ہیں۔ وہ معمولی بات بھی کہنا چاہتے ہیں تو فلسفیانہ نکتوں کے بغیر نہیں کہہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کوئی مختصر سی حکایت شروع کرتے ہیں تو جڑوں میں جا کر ختم ہوتی ہے۔ ہم اس موقع پر فلسفہ اور سائنس کے چند مسائل درج کرتے ہیں جو ضمناً اور تبعاً مشنوی میں بیان کیے گئے ہیں۔

تجاذب اجسام | یعنی یہ کہ تمام اجسام ایک دوسرے کو اپنی جانب کھینچ رہے ہیں اور اسی کشش کے مقابلہ باہمی سے تمام سیلے اور اجسام اپنی جگہ پر قائم ہیں، اس مسئلہ کی نسبت تمام یورپ بلکہ تمام دنیا کا خیال ہے کہ نیوٹن کی ایجاد ہے، لیکن لوگوں کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ سیکڑوں برس پہلے یہ خیال مولانا روم نے ظاہر کیا تھا، چنانچہ فرماتے ہیں:

جملہ اجزائے جہاں نراں حکم پیش

جنت جنت و عاشقان جنت خویش

ہست ہر جزوے بعالم جنت خواہ

راست بچوں کبر باد برگ کاہ

آسماں گوید زمین را مر حبا

با تو ام چوں آہن و آہن ربا

اسی بنا پر زمین کے معلق رہنے کی وجہ ایک حکیم کی زبان سے اس طرح بیان کی ہے:

گفت سائل چوں بماند این خاک راں

در میان این محیط آسماں

بچو قندیلے معلق در ہوا

نے بر اسقل می رود نے بر غلا

اں حکیمش گفت کہ جذب سما

از جہات شش بماند اندر ہوا

چوں زمقتا طیس قہر ریختہ

در میاں ماند آہنے او بختہ

یعنی چونکہ اجرام فلکی ہر طرف سے کشش کر رہے ہیں، اس لیے زمین بیچ میں معلق ہو کر رہ گئی ہے، اس کی مثال یہ ہے اگر مقناطیس کا ایک گنبد بنایا جائے اور لوہے کا کوئی ٹکڑا اس طرح ٹھیک وسط میں رکھا جائے کہ ہر طرف سے مقناطیس کی کشش برابر پڑے تو لوہا ادھر میں لٹکارا جائے گا، یہی حالت زمین کی ہے۔

تجاذب ذرات | تحقیقات جدیدہ کی روش سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جسم کی ترکیب نہایت چھوٹے ذرات سے ہے، جن کو جزائے دیقراطیسی کہتے ہیں۔ ان ذرات میں بھی باہم کشش ہے، لیکن کشش کے مدارج یکساں نہیں، بلکہ بعض ذرات نہایت شدت سے کشش کرتے ہیں اس لیے ان میں نہایت اتصال ہوتا ہے اور اسی قسم کے اتصال ذرات کو عام محاورہ میں ٹھوس کہتے ہیں۔ مثلاً لوہا بہ نسبت لکڑی کے زیادہ ٹھوس ہے کیوں کہ ایسے ذرات سے مرکب ہے، جن میں باہمی کشش نہایت قوی ہے۔ لکڑی کے ذرات میں یہ کشش کم ہے۔ بعض چیزوں میں یہ کشش اور بھی کم ہوتی ہے اور اس بنا پر وہ بہت جلد ٹوٹ یا پھٹ سکتی ہیں۔ تھنل اور تکیا سف کے معنی بھی یہی ہیں، یعنی اجزا کے اتصال کا کم اور زیادہ ہونا۔

تجاذب ذرات کے مسئلہ کو بھی نہایت صراحت کے ساتھ مولانا نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

میل ہر جزئی بہ جزئی سے نہد

زا اتحاد ہر دو تو لیدی ہجد

ہر یکے خواہاں دگر را، بچو خویش

از پے تکمیل فعل و کار خویش

دور گردوں را از موج عشق دال

گر نبودے عشق، بفسر دے جہاں

کے جمادی محو گشتے در نسات

کے فدائے روح گشتے نامیات

بزرگے بر جافسروے، بچو تیخ ! کے بدے پراں جو یاں چوں ملخ !

ان اشعار میں مولانا نے جذب کو عشق کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہ صوفیانہ اصطلاح ہے۔ ان اشعار میں مولانا نے بیان کیا ہے کہ نباتات جن اجزا سے پرورش پاتے ہیں، وہ جمادی اجزا ہیں، لیکن چونکہ ان میں نباتی اجزا میں باہمی کشش اور تجاذب ہے اس لیے وہ اجزا نبات بن جاتے ہیں۔ اسی طرح نباتی اجزا حیوانی اجزا بن جاتے ہیں۔ اگر یہ کشش اور تجاذب نہ ہوتا تو ہر جزو اپنی جگہ جم کر رہ جاتا اور یہ مرکبات ظہور میں نہ آتے۔

تجدد و امثال | تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوا ہے کہ جسم کے اجزا نہایت جلد فنا ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے اجزا آتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایک مدت کے بعد انسان کے جسم میں سابق کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا، بلکہ بالکل ایک نیا جسم پیدا ہو جاتا ہے، لیکن چونکہ فوراً پرانے اجزا کی جگہ نئے اجزا قائم ہو جاتے ہیں، اس لیے کسی وقت جسم کا فنا ہونا محسوس نہیں ہوتا۔

مولانا نے اس مسئلہ نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے :

پس تر ہر لحظہ مرگ در جعتے ست	مصطفیٰ فرمود دنیا ساغٹے ست
ہر نفس نوے شود دنیا و ما	بے خبر از نو شدن اندر بقا
عمر بچوں جوئے نو نوے رسد	ستمرے مے نماید در جسد
اں ز تیزی مستمر شکل آمدہ ست	چوں شر کش تیز جنبانی بدست
شاخ آتش را بہ جنبانی باز	در نظر آتش نماید بس دراز

مولانا بحر العلوم ان اشعار کی شرح میں لکھتے ہیں :

بیان ست مسئلہ تجدد و امثال را و اں این است کہ صور ہمہ کائنات در ہر آن تبدیل می شود کہ در ہر آن صورتی معدوم می شود و صورتی آفری در آن موجود می شود با وحدت علین و اں نیست کہ یک صورت باقی باشد در دو اں، لیکن چونکہ صورت زائلہ شبیبہ صورت حادثہ است۔ جس میں متبدل را نمی یابد و گماں نہیں شود کہ پہلے صورت مستمرہ است۔

مسئلہ ارتقا | موجودات عالم کی تقسیم چار قسموں میں کی گئی ہے: جمادات، نباتات، حیوانات، انسان۔ لیکن ان کے مسئلہ آفرینش کے متعلق حکماء میں اختلاف رائے ہے۔ عام رائے یہ ہے کہ یہ چاروں اپنے وجود میں مستعمل ہیں، یعنی فطرت نے ان کو ابتدا ہی سے اسی صورت میں پیدا کیا۔ دوسرے فریق کا خیال ہے کہ اصل میں صرف ایک چیز تھی، وہی ترقی کرتے کرتے اخیر درجہ یعنی انسان تک پہنچی انسان پہلے جماد تھا، پھر نبات، پھر حیوان، پھر انسان یہ سلسلہ ارتقا خود ان انواع کے ماتحت انواع میں بھی جاری ہے۔ مثلاً فاختہ، قمری، کبوتر، جداگانہ نہیں ہیں بلکہ اصل میں ایک ہی پرندہ تھا جو خارجی اسباب سے مختلف صورتیں بدل گیا اور صورت کے انقلا کے ساتھ سیرت بھی بدلتی گئی۔ اس مسئلے کا موجد ڈارون خیال کیا جاتا ہے اور درحقیقت ڈارون نے جس تفصیل اور تدقیق سے اس مسئلہ کو ثابت کیا اس کے لحاظ سے وہی اس مسئلہ کا موجد کہا جاسکتا ہے۔ مولانا نے اس مسئلہ کو اشعار ذیل میں بصراحت لکھا ہے :

آمدہ اول بر استلیم جماد
 ساہا اندر نبتی عمر کرد
 وز جمادی در نبتی او فتاد
 وز نبتی چوں بہ حیواں او فتاد
 نامدش حال نبتی بیسج یاد
 جز ہماں میلے کہ وار و سونے آن
 خاصہ در وقت بہار ضمیراں
 بیچو میل کو دکاں با مادر اں
 ستر میل خورد اند در لباں
 ہچنین استلیم تا استلیم رفت
 تا شد اکنوں عاقل دانا و زنت
 مولانا کے چند چیدہ چیدہ اقوال حسب ذیل ہیں:

- اگر چیہ بجلی نور نظر آتی ہے، مگر خاصیت کے لحاظ سے بینائی کی چور ہے۔
- ذانا کی زیارت عبادت ہے جس سے نیک نعتی کے دروازے کھلتے ہیں۔
- بہت سے ابلیس انسان کی صورت پر ہیں، لہذا ہر ایک کے ہاتھ میں اپنا لاکھ ٹرو۔
- اگر ہماری جان یا د خدا ایسی بیدار نہیں تو یہ بیداری ہمارے لیے قید خانہ ہے۔
- جس میں بوسہ نگھنے کی طاقت نہیں وہ ناک کے بغیر ہے اور بوزہ بوسے جو مذہبی ہو۔
- ساری کائنات ایک ہی ذات ہے جسے دو نظر آتی ہیں وہ بھینگا ہے۔
- جب بڑوں کی قسمت میں درد و رنج ہے تو چھوٹے چین کیسے پاسکتے ہیں؟
- سورج جو آگ کی طرح دکھتا نکلتا ہے، دوسری گھڑی ڈھلنے لگتا ہے۔
- اہل علم کا علم انھیں اٹھاتا ہے اور اہل تن کے علوم ان کے لیے بوجھ ہیں۔
- اگر تیری تعریف کرنے والا تیری بچو کہے تو کئی دن تک تیرا دل اس سے جلتا رہے۔
- جب قضا آتی ہے تو عقل و فہم چلا جاتا ہے۔ خدا کے سوا قضا کو کوئی نہیں جانتا۔
- درد لیشی کا کام تیری سمجھ سے بالائے توفیقوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھ۔
- فقر کا دو ایک دن کے لیے امتحان کرنا کہ تو اس میں دگنی بے نیازی دیکھے۔
- کینہ آدمی بڑا دشمن ہوتا ہے اور ہر دوکان کا گاہک بن جاتا ہے۔
- اے پیاری عمر، ہم غذا میں مٹی کھاتے رہے، سو آخر کار ہمیں مٹی نے کھا لیا۔
- جب تو بھوکا ہوتا ہے تو کتاب بن جاتا ہے اور تند مزاج اور بڑے کے ساتھ مل کر بخصلت بن جاتا ہے۔
- جب تو سیر ہوتا ہے تو مردار بن جاتا ہے اور دیوار کی تصویر کی طرح بے خبر رہ جاتا ہے۔
- اگر تو راستہ نہیں جانتا تو جو کچھ تیرا نفس کہتا ہے اس کا الٹ کر کیونکہ وہی سیدھا راستہ ہے۔

حضرت شیخ صدرالدین عارف

ولادت _____ ملتان ۹۱۲ھ

وفات _____ ملتان ۹۸۴ھ

شیخ صدرالدین عارف خطہ ملتان کے اکابر اولیاء میں سے ہیں۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا کے فرزند ارجمند اور انھیں کے تربیت یافتہ ہیں۔ اپنے زمانہ کے سر حلقہ اولیاء سمجھے جاتے تھے۔ جب کلام پاک پڑھتے یا ختم کرتے تو معرفت کے نئے نئے اسرار و رموز ان پر عیاں ہوتے۔ اس لیے عارف کے لقب سے مشہور ہوئے۔

والد کی وفات پر لاکھوں روپے ترکہ میں ملے، مگر سب کے سب راد خدا میں خرچ کر دیے اور پھوٹی کوڑی تک پاس نہ رکھی۔ اس کے باوجود بہت روپیہ آتا تھا، مگر جو دنیا کا یہ عالم تھا کہ سب فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیتے۔ کسی نے کہا آپ کے والد بزرگوار کے خزانے تو ہر وقت بھرے رہتے تھے اور وہ ان سے دنیوی فائدے بھی اٹھاتے تھے، مگر آپ کا عمل ان کے برعکس ہے۔ فرمایا والد بزرگوار دنیا پر غالب تھے اس لیے دنیوی مال و دولت انھیں غلط راہ پر نہ ڈال سکتی تھی مگر میں دولت سے ڈرتا ہوں، اس لیے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا۔

اپنے والد بزرگوار کے مسلک پر چل کر نعمت باطنی سے مالا مال ہوئے۔ نہ صرف خود درجہ کمال کو پہنچے بلکہ کئی دوسروں کو بھی علم و عرفان کی منزلیں طے کرائیں۔ شیخ جمال خنداں جو عیسے عظیم بزرگ جو اگرچہ شیخ بہاؤ الدین زکریا کے مرید تھے، مگر انھوں نے شیخ صدرالدین کے کمالات باطن سے فیض حاصل کیا۔ ان کا مزار مبارک اوچ میں ہے۔ آپ کے مریدوں میں ایک بزرگ شیخ محمد معشوق گزرے ہیں جنھیں شیخ احمد بن محمد قندھاری بھی کہتے ہیں۔ وہ بڑے تاجر تھے، عیش پسند تھے۔ آپ کی نظر عنایت اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ وہ تربیت باطنی کی طرف متوجہ ہوئے اور کمال کو پہنچے۔

حضرت شیخ صدرالدین عارف کے خوارق و کرامات کی بہت سی حکایتیں مشہور ہیں، ان میں سے ایک واقعہ غور طلب ہے: بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان خیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے لڑکے شہزادہ محمد سلطان کو مغلوں کی یورش روکنے کے لیے ملتان بھیجا۔ شہزادہ کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی جو سلطان رکن الدین ابراہیم ابن شمس الدین التمش کی لڑکی تھی۔ یہ شہزادی اپنی نیکی، جیا اور حسن کے لیے مشہور تھی، مگر شہزادے کی شراب خوری اور بدمستی سے عاجز تھی۔ ملتان پہنچ کر ایک روز شہزادہ نے شراب کے نشہ میں بیوی کو طلاق

۱۰ سن ولادت میں اختلاف ہے۔ اخبار انصاری میں جہد ۱۱۲۰ھ تحریر ہے، مگر بعض دوسری کتابوں میں ۹۱۲ھ بتایا گیا ہے۔

دے دی اور اس سے علحدگی اختیار کر لی مگر نشہ کے بعد بیوی کی مفارقت گوارا نہ ہوئی، اور علما کو جمع کر کے مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ شہزادی اس کی زوجیت میں اس وقت تک نہیں آسکتی، جب تک کہ حلالہ نہ کرے۔ شہزادے کی تنگ مزاجی اور حمیت نے اس کو گوارا نہ کیا اور وہ خصمہ میں اٹھ کر خلوت میں چلا گیا اور قاضی امیر الدین خوارزمی کو بلا کر کہا کہ باپ کے غیظ و غضب اور رونج کے عذاب سے ڈرتا ہوں، لیکن اس کی (یعنی شہزادی) کی مفارقت اور دوری بھی گوارا نہیں۔ قاضی امیر الدین خوارزمی نے سائے دی کہ شیخ صدر الدین عارف نیک اور اچھے بزرگ ہیں، پوشیدہ طور پر ان سے شہزادی کا نکاح کر کے طلاق دلا دی جائے شہزادہ اس پر راضی ہو گیا اور حضرت شیخ صدر الدین عارف سے شہزادی کا نکاح کر دیا گیا۔ جب نکاح ہو چکا تو شہزادی نے حضرت شیخ صدر الدین عارف کے پاؤں پر گر کر کہا کہ اگر آپ مجھ کو پھر اس ظالم اور فاسق کے حوالہ کر دیں گے تو قیامت کے روز آپ کی دامن گہر ہوں گی شیخ صدر الدین عارف کو اس کی عجز و زالی پر رحم آ گیا اور انہوں نے شہزادی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ شہزادہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کے خصمہ کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ دوسرے دن شیخ کے گھر کو خون سے رنگین کر دیا جائے۔ شیخ کو اس حکم کی خبر دی گئی تو ان میں کوئی تغیر نہ ہوا اور وہ ارادہ پر قائم رہے۔ اسی دوران میں اچانک مغل حملہ آور ہو گئے۔ شہزادہ کی فوج پسپا ہوئی اور وہ خود ان کے ہاتھوں قتل ہوا۔

فرشتہ نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے، مگر تجب ہے کہ فرشتہ نے اس روایت کو صحیح سمجھ کر اپنی تاریخ میں کس طرح قلمبند کیا۔ اس نے سلطان غیاث الدین بلبن کے ذکر میں شہزادہ محمد سلطان کے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے روایت کی تکذیب ہوتی ہے۔

فرشتہ لکھتا ہے :

بلبن کے فرزندوں میں سب سے بہتر اور افضل شہزادہ محمد سلطان خاں شہید ہے۔ یہ شہزادہ سلطان غیاث الدین بلبن کا بڑا پیارا اور محبوب ترین فرزند تھا۔ تمام عمدہ صفات اور پسندیدہ عادتیں جو ایک شہزادہ میں ہونی چاہئیں، سب حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس کو مرحمت کی تھیں۔ یہ شہزادہ اپنی فضیلت، دانش اور ہنر میں بے مثل تھا۔ اس کی مجلس ہمیشہ بڑے بڑے فاضلوں اور شاعروں سے آراستہ رہتی تھی اور وہ ان کو ہر طرح کی عنایتوں اور مہربانیوں سے سرفراز کرتا رہتا تھا۔ زمانہ اس کے جو دو گرم کی وجہ سے بہار اور چمن بنا ہوا تھا اور اس کی (یعنی زمانہ کی) جیب اور دامن نسریں اور نسترے سے بھرے تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن جیسے لوگ ملتان میں اس کے ندیم خاص رہے۔ وہ دوسرے درباریوں سے زیادہ ان دونوں کی عزت کرتا تھا اور ان کی نظم و نثر سے محظوظ ہوتا تھا۔ وہ اس قدر مندر اور شائستہ تھا کہ اگر کسی مجلس میں تمام دن امدرات بیٹھنا پڑتا تو بھی اپنا زانو اونچا نہ کرتا تھا۔ قسم کے وقت صرف حقا لفظ اس کی زبان پر ہوتا۔ شراب کی مجلس اور غفلت و بدستی میں اس کی زبان سے کوئی ناملائم لفظ نہ نکلتا۔

اس کی خوشگوار علمی مجلس میں شاہنامہ اردو، دیوان خاقانی، انوری، خمسہ نظامی اور امیر خسرو کے اشعار پڑھے جاتے تھے۔

اربابِ فہم و دانش اس کی شعر فہمی کے معترف تھے۔ امیر خسرو فرماتے تھے کہ میں نے سخن فہمی، باریک بینی، ذوق
صحیح اور متقدمین اور متاخرین کے اشعار کی یادداشت میں سلطان محمد جیسا کسی کو نہ پایا۔ اس کے پاس ایک
بیاض تھی جس میں مشہور شعراء کے منتخب اشعار خوشخط منقول تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن کے اشعار کے انتخاب کی
خوبی اور اس کی شہادت کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے یہ بیاض امیر علی ہمدانی کو دی، جس کے بعد امیر
خسرو کو ملی۔ اس زمانہ کے تمام شعرا نے اس بیاض کو دیکھا، منتخب اشعار کو اپنی اپنی بیاض میں نقل کیا اور ایسے
نوجوان شہزادہ کی وفات پر عجیبہ ہوئے۔ جس زمانہ میں سلطان محمد بلتان میں مقیم تھا، شیخ عثمان ترمذی جو اپنے
وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے، وہاں تشریف لائے۔ اس نے ان کی بڑی تعظیم اور خاطر داری کی۔ ان کی خدمت
میں نذرانہ اور ہدیہ پیش کیا۔ بہت اصرار کیا کہ وہ بلتان میں قیام فرمائیں اور ان کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جائے
اور اس کے مصارف کے لیے گاؤں وقف کیے جائیں۔ مگر شیخ عثمان ترمذی نے اس کو قبول نہ کیا اور وہاں سے چل
کھڑے ہوئے۔ ایک روز شیخ عثمان اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے شیخ صدر الدین شہزادہ کی مجلس
میں تشریف رکھتے تھے۔ مجلس میں عربی اشعار پڑھے جاتے تھے۔ کسی شعر کو سن کر ان بزرگوں اور مجلس کے تمام
درویشوں پر وجد طاری ہو گیا اور وہ رقص کرنے لگے۔ محمد خاں سلطان شہید ان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا،
اور برابر زار و قطار رو تار رہا۔ اگر کوئی شخص اس کی مجلس میں کوئی نصیحت امیر شعر پڑھتا تو وہ دنیا کو دل سے بھلا کر
اس کو بڑے شوق سے سنتا اور اس پر رقت طاری ہو جاتی۔

فرشتہ کے مندرجہ بالا بیان کی لفظ بہ لفظ تصدیق مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے بھی ہوتی ہے، جو بلبن کے
عہد کی سب سے زیادہ معتبر اور مستند تاریخ ہے۔ مولانا ضیاء الدین برنی نے شہزادہ محمد سلطان کی بیوی کے طلاق اور پھر شیخ صدر الدین
سے نکاح کا ذکر مطلق نہیں کیا ہے، بلکہ وہ شہزادہ کے ان تمام محاسن و اوصاف کو لکھ کر جن کا فرشتہ نے ذکر کیا، ان الفاظ میں شہزادہ
کی وفات کا ماتم کرتے ہیں:

”میں نے بارہا امیر خسرو اور امیر حسن کو حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے سنا کہ اگر ہم لوگوں اور دوسرے ارباب ہنر
کی قسمت یاد رہتی تو خان شہید زندہ رہتا اور بلبنی تخت پر متمکن ہوتا اور ہم اور تمام ارباب روپیوں میں غرق ہو جاتے
لیکن ارباب فضل و کمال کی قسمت کھوئی تھی۔ زمانہ نے ان کی طرف کبھی انصاف کی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور
زکبھی ان کو صاحب دولت و استطاعت دیکھ سکتا ہے۔ غدار اور سفلیہ نواز فلک میں اتنی طاقت کہاں سے
آسکتی تھی کہ ایک ہریان، ہنر شناس اور ہنر پرور بادشاہ کو شاہی تخت پر بیٹھنے دیتا اور ارباب ہنر کو فروغ ہوتا۔
فلک کے کام میں یہی شتر گرگی ہے کہ زمانہ کی بے نظیر عدیم المثال شخصیتوں کو حاجت مند اور ضرورت مند بنا
رکھتا ہے اور گم نام اور ناکام لوگوں کو جن کے حلق میں گندہ پانی اور ناپاک چیزیں ہونی چاہئیں، ہزار مار و نعت

کے ساتھ پرورش کرتا ہے۔ ریچھ اور سور کو تو صبح اور مکمل اور عندلیب و بلبل کو قفس میں ذلت کے ساتھ ہجور و محبوس اور باپوس رکھتا ہے۔

خود امیر خسرو شہزادہ محمد سلطان کے ساتھ مغلوں کی ہم میں تھے اور شہزادہ کی شہادت کے بعد مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مجبور بھی رہے۔ شہزادہ کی شہادت پر ایک خوب نکال مرثیہ بھی کہا ہے مگر کہیں اس کی بیوی کے طلاق و نکاح کا ذکر نہیں کیا ہے۔ میر حسن نے بھی نثر میں شہزادہ کی وفات حسرت آیات پر آنسو بہائے ہیں مگر اس میں بھی شہزادہ کی بیوی کے حلالہ کا کہیں ذکر نہیں۔ امیر خسرو اور امیر حسن کے مرثی و ماتم نامے اس قدر مقبول ہوئے کہ لوگ شہزادہ کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے ان کو برابر اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے چنانچہ تیموری دور کے مؤرخ ملا عبدالقادر بدایونی نے میر حسن اور امیر خسرو کے مرثی کو اپنی منتخب التواریخ میں ۲۴ صفحوں میں نقل کیا ہے۔ مگر شہزادہ محمد سلطان اور شیخ صدر الدین کی کشیدگی اور ناگواری کا کہیں اشارہ بھی نہیں ہے، البتہ طبقات اکبری میں اس واقعہ کا کچھ ذکر ہے، مگر مؤلف کو خود اس کی صحت میں شک ہے، اس لیے اس روایت کی ابتدا گویند سے کی ہے۔ یعنی یہ کہ عوام کی روایت ہے راقم السطور کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ واقعہ محض عقیدت مند عوام کی روایت ہے، جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

حضرت شیخ صدر الدین کی کیمیا اثر صحبت اور تربیت سے بہت سے ارباب کمال پیدا ہوئے، جو مختلف مقامات میں مخلوق خدا کے ظاہری و باطنی اخلاق کو آراستہ کرنے میں مشغول تھے۔ شیخ جمال خنداں ان سے تربیت پانے کے بعد اوجھ میں قیام پذیر ہوئے اور وہاں کی مخلوق کو فیض یاب کرنے کے بعد اسی سرزمین میں آسودہ خواب میں۔ ایک دوسرے خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی کو بدایوں میں رہنے کا حکم ملا تھا۔ چنانچہ وہ آخر وقت تک یہیں رہے اور یہیں ان کا مزار ہے۔ ایک اور خلیفہ مولانا علاء الدین خجندی حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں چودہ سال تک رہے۔ ان کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ روز دو مرتبہ کلام پاک ختم کرتے تھے۔ ان کے مرشد ان کو محبوب اللہ کہا کرتے تھے۔ ان خلفا میں سے شیخ احمد بن قندھاری المعروف بہ شیخ احمد معشوق پر سب سے زیادہ جذب و مکر کی کیفیت طاری رہتی۔ اس کو چھ میں آنے سے پہلے وہ گھوڑوں اور دوسری چیزوں کے تاجر تھے۔ دولت کی فراوانی کی وجہ سے عیش و عشرت میں مشغول رہتے تھے۔ محفل نشاط میں شراب سے بھی شغل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں قندھار سے ملتان گئے تو حضرت شیخ صدر الدین عارف کی زیارت کے لیے بھی حاضر ہوئے۔ شیخ نے اپنا چوٹا ایک نقرہ ہن کو کھانے کو دیا۔ اس کو کھاتے ہی ان پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ اسی وقت تجارت کا سارا سامان فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیا اور مرشد کی خانقاہ میں عزت نشین ہو گئے اور سات سال تک تربیت پاتے رہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں نو اند افراد میں فرماتے ہیں:

ایک بار چلے کے جاڑے میں آدھی رات کو وہ باہر آئے اور پاس ہی بہتے ہوئے پانی میں جا کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے کہ الہی میں اس وقت تک اس جگہ سے باہر نہ نکلوں گا، جب تک مجھ کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں کیا ہوں ان کے کان میں آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ تمہاری وجہ سے قیامت کے روز بہت سے لوگ روزخ سے محفوظ رہیں گے شیخ احمد نے کہا صرف اس بابت پر اکتفا نہیں کر سکتا ہوں۔ پھر آواز سنی کہ تم وہ ہو کہ قیامت کے روز تمہاری

شہ۔ سعید صباح الدین عبدالرحمن مولف بنم لٹریچر (م س)

عنایت کی وجہ سے لوگ بہشت میں جائیں گے۔ شیخ احمد نے کہا کہ اس سے بھی تسلی نہیں ہوئی، میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔ آواز آئی ہم نے حکم کر دیا ہے کہ سارے درویش اور عارف ہمارے عاشق ہوں، مگر تم ہمارے معشوق ہو۔ یہ سن کر خواجہ احمد پانی سے نکلی کہ شہر کی طرف گئے، راستہ میں جو شخص ان سے ملتا، السلام علیکم یا شیخ احمد مشوق کہتا۔

نوائذ الفوائد میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین ہادلیار رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا واقعہ بیان کر کے زار و قطار رونے لگے۔ کسی نے اس مجلس میں کہا کہ شیخ احمد نماز نہیں پڑھتے تھے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہاں جب ان سے کہا جاتا تھا کہ وہ نماز نہیں پڑھتے، تو کہتے تھے کہ نماز پڑھوں گا مگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھوں گا۔ اس پر اعتراض ہوتا کہ یہ نماز درست نہ ہوگی اور جب ان سے اصرار کیا جاتا تو کہتے کہ سورہ فاتحہ پڑھوں گا، مگر آیاتِ نَعْبُدُكَ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کو چھوڑ دوں گا۔ پھر ان سے کہا جاتا کہ اس آیت سے کو بھی پڑھنا ہوگا۔ اس رد و قدح کے بعد وہ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے، مگر سورہ فاتحہ پڑھتے وقت جب مذکورہ بالا آیت زبان سے نکالتے تو ان کے ہرٹن ٹو سے خون جاری ہو جاتا، وہ نماز توڑ دیتے اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہتے کہ ایسی حالت میں نماز کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

حضرت شیخ صدر الدین نے ان روحانی یادگاروں کے علاوہ ایک علمی یادگار کنوز الفوائد بھی چھوڑی ہے۔ یہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو ان کے ایک مرید خواجہ ضیاء الدین نے مرتب کیا تھا۔ رقم السطور کی نظر سے یہ کتاب نہیں گزری، مگر اخبار الاحیاء میں اس کے طرہ اقتباسات ہیں۔ ان اقتباسات کی مدد سے ہم شیخ صدر الدین کی صوفیانہ تعلیمات کا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں:

فرماتے تھے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حِصْنِي فَمَنْ دَخَلَهُ آمِنَ عَذَابِي يَعْنِي اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى كِي طرف سے ارشاد ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِيرَ حِصْنٍ (قلعہ) ہے، جو کوئی اس کے اندر داخل ہوا، وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔ اس قلعہ کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قلعہ کی تین قسمیں ہیں: ظاہر، باطن اور حقیقت۔ حصن ظاہر یہ ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ خوفزدہ ہو اور نہ کسی سے کوئی امید رکھے۔ اگر تمام دنیا کے لوگ اس کے دشمن ہو جائیں تو اس سے خوش نہ ہو، کیونکہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے بغیر نفع و ضرر اور خیر و شر کا ظہور نہیں ہوتا۔ حصن باطن یہ ہے کہ یقین ہو کہ موت سے پہلے جو کچھ بھی پیش آتا ہے وہ بالکل عارضی اور آنی دہانی ہے اور دنیا کی کسی چیز کو ثبات نہیں، اس لیے اس کے وجود کی ہستی نیستی قابل التفات نہیں۔ حصن حقیقت یہ ہے کہ دل میں نہ بہشت کی آرزو ہو اور نہ دوزخ کا خوف ہو۔ صرف اللہ ہی اللہ ہو۔ دل میں جب یہ سچائی راسخ ہو جاتی ہے، تو بہشت خود بخود پیچھے چلی آتی ہے۔

ایک اور موقع پر مریدوں سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی پہلی شرط یہ ہے کہ جس پر آپ ایمان لائے۔ اس پر ایمان لا کر بندہ ثابت قدم رہے اور شک و شبہ کی بجائے رغبت، محبت اور معرفت کے ساتھ دل

میں یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا اور اپنی صفات میں بیگانہ ہے۔ وہ تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے۔ اسمائے صفات اور افعال کے لحاظ سے قدیم ہے۔ اولیام و افہام کے ادراک سے بالاتر ہے۔ حدوث اعراض اور اجسام کی علامتوں سے پاک ہے۔ تمام عالم اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس کی ذات و صفات میں چون و چرا کرنا ناجائز ہے۔ نہ وہ خود کسی سے مشابہ ہے۔ تمام پیغمبر اسی کے بھیجے ہوئے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں میں افضل ہیں اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے صحیح اور درست ہے اور اس میں کوئی تفاوت نہیں۔ خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں۔ اگر نہ آئیں تو بھی ان کو تسلیم کر لینا چاہیے تاکہ اعتقاد درست رہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم کو جانا۔ اس کی کیفیت اور باب معلوم کرنے کی کوشش نہ کی۔ اگر خداوند تعالیٰ کے حکم کی تاویل آیات و احادیث کے مطابق ہو تو تاویل کرنا جائز ہے۔ ایمان کی صحت کی علامت یہ ہے کہ اگر بندہ نیک کام کرے تو اس کو خوشی محسوس ہو اور اگر اس سے برائی سرزد ہو تو اس کو بُرائی، بُرائی معلوم ہو۔ بندہ کے ایمان کی استقامت کی علامت یہ ہے کہ وہ ظلم کے بجائے ذوق و حال کی بنا پر اللہ اور رسول کو محبوب رکھے۔

ایک دوسرے موقع پر مریدوں کو نصیحت کی کہ کوئی سانس ذکر سے باہر نہ نکالنا چاہیے؛ کیوں کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی ذکر کے بغیر سانس لیتا ہے وہ اپنا حال غنائج کرتا ہے۔ ذکر کے وقت دوسو سہ اور حدیث نفس سے گریز کرنا چاہیے اور جب یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو دوسو سے اور حدیث نفس ذکر کے نور سے جل جائیں گے، دل میں نور ذکر اترتا جائے گا۔ اور اس میں ذکر کی حقیقت متکلم ہو جائے گی، پھر ذکر مذکور مشاہدہ کے ساتھ ہو گا اور دل نور کے یقین سے منور ہو جائے گا اور یہی طالبوں اور سالکوں کا مقصود ہے۔

ایک اور موقع پر مریدوں کو تلقین کی کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو بندہ سمیٹ لکھ دیتا ہے اور اس کو زبان کے ذکر کے ساتھ قلب کی موانعت کی توفیق عطا کرتا ہے اور زبان کے ذکر سے قلب کے ذکر کی جانب ترقی دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر زبان ذکر سے خاموش رہتی ہے تو قلب خاموش نہیں ہوتا۔ یہی ذکر کثیر ہے اور اس ذکر تک بندہ اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ نفاق سے بری نہ ہو، جس کا ارشاد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ہے کہ میری امت کے اکثر منافق اس کے قاری ہیں۔ اس نفاق سے مراد غیر خدا کے ساتھ وقوف اور تعلق باطن ہے۔ اس سے پرہیز ضروری ہے۔ باطن کا لگاؤ صرف خدا کے ساتھ ہونا چاہیے۔ پس جب بندہ کو تجرید ظاہری یعنی ناپسندیدہ چیزوں سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے اور وہ برے وساوس اور اخلاق مذمومہ سے پاک و صاف ہو کر تفرید باطن سے معزز ہوتا ہے تو قریب ہوتا ہے کہ اس کے باطن میں نور کا متجلی ہو جائے اور شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات اس سے دور ہو جائیں اور اس کے باطن میں نور کے ذکر کا جو ہر نمایاں ہو جائے، یہاں تک کہ اس کا ذکر مشاہدہ مذکور کو متجلی کر دے اور یہ وہ مرتبہ بلند اور عظیم عنطی ہے جس کے حصول کے لیے امت کے اصحاب بہمت اور ارباب بصیرت کی گردنیں بڑھتی ہیں۔

حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہ کا وصال ۳۰ ماہ ذی الحجہ کو ظہر وعصر کے درمیان ہوا۔ تاریخ فرشتہ میں سن وفات ۷۷۷ھ ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ سفینۃ الاولیاء اور مرآة الاسراء میں ۶۸۲ھ درج ہے۔

حضرت بہاؤ الدین زکریا کے سن وفات کی صحیح تعیین نہیں ہو سکی ہے، اگر ۶۶۶ھ تسلیم کر لیا جائے تو حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہ رحمۃ اللہ علیہ کا سن وصال ۶۸۲ھ ہو سکتا ہے۔ مرآة الاسراء کے مؤلف کا بیان ہے کہ وفات کے وقت عمر شریف ۱۰۰ سال کی تھی، مگر بعض تذکرہ نگاروں میں ۱۰۰ سال بھی بتائی جاتی ہے، اس لیے تاریخ ولادت کی بھی تعیین مشکل ہے۔ گو بعض ردایوں کے مطابق سن ۱۰۰ھ بتائی گئی ہے۔ مرقد مبارک ملتان ہی میں حضرت بہاؤ الدین زکریا کے پہلو میں ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی

وفات ————— پانی پتی ۱۰۱۷ھ

خواجہ خواجگان شمس الاولیا خواجہ شمس الدین ترک قدس سرہ العزیز حضرت شیخ علاء الدین صابری کے خلیفہ و جانشین تھے۔ سلسلہ صابری حقیقی آپ ہی کے واسطے سے جاری ہے۔ ریاضت و مجاہدات، ذوق و شوق و استغراق میں آپ کی نظیر نہیں ملتی۔ علوم ظاہری و باطنی و کشف و کرامات میں کمال درجہ رکھتے تھے۔

آپ کا نام نامی شمس الدین اور شمس الاولیا خطاب ہے۔ خواجہ احمد لیسوی کی اولاد سے تھے۔ سلسلہ نسب حضرت محمد بن حنفیہ تک منتهی ہوتا ہے، جو سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند تھے۔

جب سن تیز کو پہنچے تو مدت تک ترکستان میں رہ کر تحصیل علم کرتے رہے۔ فارغ ہونے پر علوم باطنی کی تڑپ دل پر پیدا ہوئی۔ تمام تعلقات توڑ کر تجرید و تفرید اختیار کر لی، پھر مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے ترکستان کے متعدد بزرگوں اور مشائخ کرام سے ملاقاتیں کیں مگر کسی سے دل بستگی نہ ہوئی۔ بالآخر ہندوستان کا رخ کیا اور اجودھن (موجودہ پاک پٹن) پہنچے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں کچھ مدت رہے، پھر حضرت بابا صاحب نے آپ کو تاج الاولیا شیخ علاء الدین علی احمد صابری کی خدمت میں بھیج دیا، چنانچہ آپ کلیر شریف میں آئے اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ حضرت بابا گنج شکر سے بھی آپ کو خرقہ خلافت ملا تھا۔

شیخ علی احمد صابری کی خدمت میں رہ کر آپ نے عظیم مجاہدے کیے، طرح طرح کی مشقتیں اور ریاضتیں کیں اور پیر و مرشد کی نظر کیسا اثر سے روز بروز کسب سلوک میں ترقی کرتے گئے۔ خود درجہ کمال کو پہنچے اور دوسروں کو بھی کمالات کا عامل بنا دیا۔

پیر و مرشد کی اجازت سے آپ نے سلطان خیاث الدین بلبن کسہمی سواروں میں ملازمت اختیار کر لی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ سلطان نے قلعہ اوس کا محاصرہ کیا، طویل مدت محاصرے میں گزر گئی مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ بالآخر وہ اولیاء اللہ سے مدد کا طالب ہوا۔ آپ سے رجوع کیا۔ خدمت میں حاضر ہو کر دعا کے لیے درخواست کی، چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور قلعہ فتح ہو گیا۔ اسی واقعہ کے بعد آپ نے ملازمت ترک کر دی اور دوبارہ پیر و مرشد کی خدمت میں چلے آئے۔

جب علی احمد صابری کلیر نی کی وفات کے دن قریب آئے تو انہوں نے شیخ شمس الدین کو بلا کر خرقہ و خلافت عطا فرمایا اور وصیت کی کہ جب میں اس جہاں فانی سے رحلت کر جاؤں تو تم تین دن سے زیادہ یہاں قیام نہ کرنا، بلکہ پانی پتی میں جا کر خلق اللہ کی رہنمائی کا عمل انجام دینا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی پتی کی خدمت تمہارے سپرد کر دی ہے۔

آپ نے جواب دیا، میری تو ملی خواہش ہے کہ ساری عمر میں آپ کے قدموں میں رہوں اور خدمت بجا لائوں، لیکن اب جبکہ آپ حکم دیتے ہیں مجھے کوئی عذر نہیں، مگر پانی پیت میں حضرت شرف الدین بوعلی قلندر تشریف فرما ہیں، میرا ان سے نباہ کس طرح ہوگا۔ پیرومرشد نے فرمایا، فکر نہ کرو، ان کی مدت ختم ہو چکی ہے۔ تمہارے پہنچنے تک وہ شہر کو خالی کر چکے ہوں گے۔ پھر چند روز کے بعد انتقال کر جائیں گے۔

غرض پیرومرشد کی وفات کے بعد آپ پانی پیت تشریف لے گئے۔ حضرت بوعلی قلندر کو جب آپ کا نام معلوم ہوا تو اپنے حجرے کا دروازہ بند کر کے مسافر کا قصد فرمایا۔ صاحبہ مرآة الاسرار لکھتے ہیں کہ شیخ شرف از پانی پیت برآمدہ متوجہ موضع بودہ کو (کرناں) شد، چودر موضع رسید چند روز آنجا بودہ بر جمع حق بیوست۔ یعنی آپ کی آمد پر حضرت بوعلی قلندر پانی پیت چھوڑ کر کرناں کی طرف چلے گئے اور تھوڑے ہی دنوں بعد ان کا وصال ہو گیا۔

جب تک آپ اپنے پیرومرشد کی خدمت میں رہے انھیں غسل اور وضو کرایا کرتے تھے۔ کھانا بھی تیار کرتے تھے۔ جنگل سے لکڑیاں لاتے اور اسی قسم کی دوسری خدمات انجام دیتے۔

کہا جاتا ہے کہ اپنے وطن میں ایک مرتبہ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اور بہت سے دوسرے اکابر بھی وہاں موجود تھے بہت سے سید بھی موجود تھے۔ ایک سید نے جو کار شہر سے تھا اور بہت شہرت رکھتا تھا، آپ سے استہزا کیا کہ آپ کی سیادت کا کیا ثبوت ہے؟ آپ نے اپنا نسب نامہ بیان کر دیا۔ اس شخص نے کہا یہ بھی ثبوت کا محتاج ہے۔ یہ سن کر آپ جلال میں آگئے، فرمایا یہ بات عوام میں مشہور ہے کہ سید کے جسم کو آگ نہیں جلا سکتی، اگرچہ اس کا کبھی تجربہ نہیں کیا گیا مگر اس سے بہتر کوئی دلیل نہیں کہ ایک گڑھے میں خوب آگ روشن کی جائے اور ہم دونوں اس میں داخل ہوں جسے آگ نہ جلائے وہی سید۔ لوگوں نے یہ بات قبول کی اور ایک گڑھے میں آگ روشن کر دی گئی۔ جب اس کی گرمی خوب شدت اختیار کر گئی تو آپ اس میں داخل ہو گئے، مگر آگ نے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔

آپ نے سید کو آواز دی کہ آؤ تم بھی بیٹھ جاؤ۔ گیوں ویر کرتے ہو۔ سید لوگوں کی شرم کے مارے اور اپنی آن رکھنے کی خاطر آگے بڑھا، مگر آگ کی حدت کو محسوس کر کے بدحواس ہو گیا۔ جونہی گڑھے کے قریب پہنچا، اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہ شور و فریاد کرنے لگا۔ حضرت شمس الدین گڑھے سے باہر آگئے اور اپنا دست مبارک اس کے کپڑوں پر پھیرا، آگ فوراً بجھ گئی۔ یہ کرامت دیکھ کر وہ شخص آپ کے قدموں پر گر پڑا اور معافی مانگی۔ دوسرے لوگ بھی یہ واقعہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے۔ پانی پیت میں تشریف لانے کے بعد آپ خلق اللہ کی ہدایت میں مشغول ہو گئے اور اس علاقے کے لوگوں کو بہت فیض پہنچایا۔ یہ کثرت لوگ مرید اور معتقد ہو گئے۔ جب آخر وقت آیا تو خرقہ خلافت شیخ جلال الدین پانی پتی کو عطا فرما کر انھیں اپنا جانشین مقرر کیا۔ ۱۹ شعبان کے دن رھلت فرمائی۔ صاحبہ مرآة الاسرار فرماتے ہیں کہ آپ کا سبب وفات میری نظر سے نہیں گزرا، لیکن شیخ

نصیر الدین محمود آپ کے معصرتھے، جنھوں نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں ۷۷۰ھ میں وفات پائی۔ روضۃ الاصفیاء میں جو
مناخروں میں سے مفتی غلام سرور لاہوری کی لکھی ہوئی ہے۔ سیر الاقطاب و تذکرۃ العاشقین اور معارج الولاہیت کے حوالے سے کئی کئی
۷۱۵ء لکھا ہے۔ بعض شجروں میں ۷۱۸ء بھی ہے، لیکن مفتی صاحب مرحوم نے اول الذکر کو صحیح تسلیم کیا ہے، اور یہ
قویٰ قیاس بھی ہے۔ اس لیے کہ حضرت شیخ علی احمد صاحب کا وصال بقول صاحب مرآۃ الاشرار ۷۹۹ھ میں ہوا اور آپ کی وفات
کے تقریباً پچیس سال بعد حضرت شمس الدین ترک زندہ رہے۔ روضۃ الاصفیاء میں یہ قطعہ تاریخ درج ہے:

رفت از عالم چہ شمس الدین بر ظلم	سال وصل آن امام پیشوا!
طالب مقبول شمس الدین بگو	نیز شمس الدین ولی باصفاء
شمس دین سلطان نامی شد عیاں	باز شمس الدین امیر آمد ندا
نیز شمس الدین اکبر گفت ام	سال وصل آن ولی مقتدا

حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیاؒ

ولادت ————— ۶۳۶ ہجری

وفات ————— ۷۲۵ ہجری

سلطان اکبر نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ جنھیں عموماً محبوب الہی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان اولیائے کرام میں سے ہیں، جنھوں نے ہندوستان کو نورِ ولایت سے منور فرمایا۔ آپ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے ان خلفاء میں سے ہیں، جنھوں نے بسلسلہ نظامیہ جاری کیا اور اس کی اشاعت و ترقی کے لیے نمایاں کام کیا۔ آپ تمام مقامات قطبی و غوثی و نوری و انبوت سے گذر کر مرتبہ محبوبی پہنچے۔

نام و نسب آپ کا اسم مبارک محمد سے بسلسلہ نسب حضرت علی علیہ السلام تک اس طرح پہنچتا ہے :

محمد بن سید احمد بن سید علی بن سید عبداللہ خلیفی بن سید حسن خلیفی بن سید علی شہرہ علی بن سید احمد شہرہ علی بن سید ابی عبد اللہ بن سید شیخ اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی ہادی ثانی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سیدنا امام حسین علیہ السلام بن سیدنا امیرالمؤمنین حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام۔

ولادت | اسرار اور بعض دوسری مستند کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ آپ کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا، پھر آپ کے دادا خواجہ علی باور ناخواجه عرب اپنے اہل و عیال سمیت بدایوں آشریفنا لے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ یہ دونوں بزرگ قریبی عزیز تھے۔ خواجہ عرب کی ایک عمارت جزادی بی بی زینبہ تھیں جن کا نکاح خواجہ احمد علی کے ساتھ ہوا۔ وہ نہایت و جب نیک اولاد تھے پھر چنانچہ بادشاہ وقت نے انہیں بدایوں کا قاضی مقرر کیا۔ ان کا مزار آج بھی بدایوں میں مرجع خلافت ہے۔

حضرت محبوب الہی بدایوں میں ۲۷ صفر ۶۳۶ ہجری میں پیدا ہوئے۔

یہ سیرت پختہ میں آج کا نام محمد علی احمدی داریان کے ہے۔ شیخ محمد بن سید عبداللہ بن سید احمد شہرہ علی بن سید ابی عبد اللہ بن سید شیخ اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی ہادی ثانی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سیدنا امام حسین علیہ السلام بن سیدنا امیرالمؤمنین حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام۔

ابتدائی تعلیم | پانچ برس کے ہونے تو والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، چنانچہ والدہ ماجدہ کے زیر تربیت پرورش پائی۔

والدہ خمد بڑی غابڈہ اور نیک خاتون تھیں۔ انھوں نے اس درتیم کو مدرسے میں بیٹھا دیا۔ مولانا علاء الدین اصولی سے قدوری پڑھی انھوں نے دستار فضیلت باندھی اور اس موقع پر علماء و مشائخ کو مدعو کر کے فرمایا: اس بچے کا سر کسی انسان کے سامنے خم نہ ہوگا۔

بدایوں میں خواجہ محبوب الہی کے ساتھ | مولانا علاء الدین اصولی سے استفادہ کرنے کے علاوہ آپ نے قرآن پاک بھی ختم کر لیا اور کتب متداولہ پڑھنا شروع کیں۔ پھر علم لغت میں مشق بہم پہنچائی اور مزید تعلیم کے لیے والدہ کے ہمراہ دہلی چلے آئے۔

دہلی میں خواجہ محبوب الہی کے مشاغل | جب آپ دہلی پہنچے اس وقت آپ کی عمر سولہ برس کی تھی۔ دہلی اس زمانہ میں علماء و فضلاء کا گہوارہ تھا۔ فضل و کمال کے لحاظ سے مولانا شمس الدین دامغانی بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے اور وقت کا بادشاہ غیاث الدین بلبن بھی ان کا بے حد قدردان تھا، چنانچہ اس نے انھیں شمس الملک کا خطاب دے رکھا تھا اور مستوفی مالک کا عہدہ بھی انھیں حاصل تھا۔ یہ باکمال بزرگ درس و تدریس کے سلسلے میں بہت شہرت رکھتے تھے۔

خواجہ محبوب الہی نے دہلی پہنچ کر انھیں کے سامنے زانوئے تلمذ نہ کیا۔ مولانا شمس الدین نے بھی گویا یاب کو ایک ہی نظر میں پہچان لیا، چنانچہ پوری توجہ سے تربیت کرنے لگے اور اپنے دوسرے دو عزیز ترین شاگردوں کے ساتھ خواجہ صاحب کو بھی اپنے حجرے میں بلا کر درس دیا کرتے تھے۔

مولانا شمس الدین کی عادت تھی کہ جب کوئی شاگرد درس سے غیر حاضر ہو جاتا تو اس سے یوں سوال کرتے "میں نے تمھارا کیا قصور کیا تھا کہ تم درس میں نہ آئے۔ مجھے میرا قصور بتا دو تاکہ میں پھر وہی قصور کروں اور تم درس میں نہ آؤ" یہ فقرہ وہ مذاق کے طور پر ہر غیر حاضر ہونے والے شاگرد سے کہا کرتے تھے، مگر خواجہ محبوب الہی اگر کبھی ناغہ کر جاتے تو انھیں وہ ایسا نہیں کہا کرتے تھے بلکہ جب بعد استاد کی خدمت میں آتے تو وہ انھیں دیکھ کر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

باسے کم از انکہ گاہ گاہے . . . آئی و بمانی نکلا ہے

غرض خود یہ محبوب الہی نے مولانا سے حریری کے چالیس مقامات پڑھے۔

دہلی میں ایک اور باکمال متقی اور متدین بزرگ مولانا کمال الدین تھے جو اپنے عہد کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ خواجہ صاحب نے ان سے حدیث پڑھی اور اس علم میں بڑا درجہ حاصل کیا۔ بعض کتابوں میں نگھا ہے کہ آپ نے نظم حدیث مولانا احمد تبریزی سے سنی سیکھا اور ان سے سند حاصل کی اور اس علم میں اتنے ماہر ہو گئے کہ وقت کے تمام محدثین سے بافتت لے گئے، پھر مختلف مشاہیر

یہ اردو شاگردوں کے نام طلب الدین تامل اور برہان الدین مہر جاتی ہیں۔

تعلیم کے بعد خواجہ صاحب نے مولانا کمال الدین کے زہد و تقویٰ و زینت اور کمال علمی کے باعث انھیں بدھیمبا اور منصب امت کی پیشکش کی، مولانا نے یہ سب پرانا سے دیکھا، مگر اس سے باز رہے اور کوئی چیز نہیں اور اسے بھی آپ جو سے پسینا پاتے ہیں۔

سے علم ہیئت، فقہ، اصول، علم تفسیر اور ہندسہ میں مشق بہم پہنچائی۔

بابا فرید الدین گنجشکرؒ خواجہ محبوب الہی دہلی میں ہلالِ طشت والہ کی مسجد کے نیچے جس حجرہ میں قیام فرماتے تھے، اس کے قریب ہی سے ارادت حضرت بابا فرید الدین گنجشکرؒ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل بھی رہا کرتے تھے۔ یہ بزرگ علوم

ظاہری و باطنی سے مزین تھے۔ خواجہ صاحب کی ان سے اکثر صحبتیں رہتی تھیں۔ چنانچہ ان مراسم کے نتیجے میں خواجہ صاحب کے دل میں حضرت بابا صاحب کی عظمت گھر کرتی چلی گئی اور آپ بابا صاحب سے ملنے کے لیے بے تاب رہنے لگے۔

خواجہ غریب نوازؒ خواجہ محبوب الہیؒ کا پتا ارشاد ہے کہ میں ابھی چھوٹا ہی تھا، یعنی میری عمر قریباً بارہ برس کی ہوگی کہ میں علم لغت کا بیان پڑھتا تھا۔ ان دنوں ابو بکرؒ اور ابو بکرؒ وال بھی کہلاتے ہیں، ملتان سے تشریف لائے اور میرے استاد کی

خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے شیخ بہاء الدینؒ کو یاد کیا کہ اوصاف و کمالات بیان کیے، لیکن میرے دل پر ان کا زیادہ اثر نہ ہوا پھر انھوں نے حضرت گنجشکرؒ کی بزرگی بیان کی جسے سنتے ہی میں بے اختیار ہو گیا اور آپ کی محبت میرے دل میں موجزن ہونے

لگی۔ کیفیت یہ ہوئی کہ میں ہر نماز کے بعد حضرت گنجشکرؒ کے نام کی تسبیح پڑھتا تھا اور سونے سے پیشتر دس مرتبہ شیخ فرید اور دس مرتبہ مولانا فرید نام لیتا تھا۔ جب سولہ سال کی عمر ہوئی تو اپنی والدہ اور چھوٹے بھائی کے ہمراہ دہلی آیا اور اتفاقاً حضرت گنجشکرؒ

کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کے بڑوس میں مکان لیا۔ پھر ان کی محبت کے باعث حضرت گنجشکرؒ کی پابوسی کا شوق روز بروز بڑھتا رہا، تاہم میں مزید چار سال تک شہر میں رہا۔ بڑی کوشش سے تعلیم حاصل کی اور سندِ حدیث لی۔

اجودھن کو اس شوق نے عملی صورت یوں اختیار کی کہ ایک رات آپ شہر کی جامع مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب صبح ہوئی روانگی! تو وزن کو مسجد کے منارہ پر چڑھ کر یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا:

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (حدید - ۲۷)

(کیا اس کا وقت نہیں آیا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے دل ذکر الہی سے جھک جائیں)

یہ آیت سن کر آپ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ چنانچہ جب قدر سے روشنی پھیلی تو توکل کر کے بابا شکر گنج کو ملنے کے لیے اجودھن کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ کسی قسم کا کوئی زاہد راہ پاس نہ تھا۔ عین شباب کا زمانہ تھا، یعنی سن مبارک بیس سال سے زیادہ نہ تھا۔

بابا شکر گنج سے ملاقات اجودھن پہنچے تو حضرت بابا صاحب نے انھیں دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا۔

سیرتِ ابراہیم میں لکھا ہے کہ جب خواجہ محبوب الہیؒ کی والدہ ماجدہ وفات پائیں تو اس کے بعد آپ شیخ نجیب الدین متوکل کی خدمت میں زیادہ آئے جانے لگے اور بیشتر وقت آپ ہی کے ساتھ گزارتا۔ ایک دن آپ نے شیخ نجیب الدین کی خدمت میں عرض کیا: "ما فرمائیں کہ میں کسی جگہ کا پتہ

مقرر ہر یاؤں تاکہ لوگوں کو غافلہ پہنچا سکوں۔ شیخ نے کچھ جواب دیا: "آپ نے اپنی بات کو دہرایا۔ جواب میں شیخ نجیب الدین نے فرمایا: "انشاء اللہ تعالیٰ تو ہرگز قاضی شوقی اور چیز بے شوقی کہ من می دانم۔ اس واقعہ کے بعد آپ کے دل میں حضرت بابا صاحب کی زیارت کا شوق روز بروز بڑھنے لگا۔

اسے آتش فراق ت دہا کباب کردہ سیلاب اشتیاق ت جانہا خراب کردہ

اس ملاقات کا حال "راحت القلوب" میں آپ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ چہار شنبہ (بعض کتابوں مثلاً سیر العارفین وغیرہ میں پنج شنبہ لکھا ہے) کے روز ماہِ رجب کی دس تاریخ اور چھ سو پچیس ہجری تھا کہ دعا گو نے مسلمانانِ سلطان الطریقۃ فی الارض کا ایک ادنیٰ غلام نظام احمد بدایونی جو اس مجوسے کا جمع کرنے والا ہے، سید العابدین حضرت شیخ فرید الدین گنجشکر مسعود وجود صنی قدس سرہ العزیز کے شرف قدم بوسی سے سرفراز ہوا۔ آپ نے اسی وقت کلاہ چہار ترکی جو مبارک پر تھی دعا گو کے سر پر رکھ دی اور خرقہ خاص و تعلین چوبیس عطا کیں، پھر فرمایا کہ میری خواہش تھی نعمتِ سجادہ اور ولایتِ ہند کسی اور کو دوں مگر تم راستے میں تھے اس وقت میرے سر پر ہاتھ نے آواز دی کہ بٹھیر جاؤ نظام بدایونی آ رہا ہے، یہ ولایت اُسے دینا۔

دعا گو کی خواہش ہوئی کہ پابوسی کے اُس اشتیاق کا اظہار اور حال عرض کرے، جو حد سے بڑھا ہوا تھا، مگر آپ کا دبدبانا غالب تھا کہ کچھ بیان نہ کر سکا۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تم جتنا اشتیاق بیان کرتے ہو اس سے زیادہ ہے۔

قیامِ اجودھن | حضرت سلطان المشائخ اپنے پیر و مرشد حضرت بابا صاحب کے پاس ۱۵ رجب ۶۵۵ھ میں پہنچے اور ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ تک یعنی ساڑھے سات ماہ کے قریب ان کی خدمت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔

اجودھن کے بابا صاحب کی خانقاہ کے سارے درویش بڑی عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اکثر فاقوں سے گنہ گہنی تھی لیل و نہار | مولانا بدر الدین سلمتی اور شیخ جمال الدین ہانسوی جیسی بزرگ اور مقدس ہستیاں بھی اس درگاہ میں قریب ہی حاصل کر رہی تھیں، اور وہ بھی عسرت اور تنگی سے دن گزارتے تھے۔ مولانا بدر الدین لنگر خانہ کے لیے جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر کے لایا کرتے تھے اور شیخ جمال الدین جنگل سے وٹلے لایا کرتے تھے۔ حسام الدین کابلی کے ذمہ پانی لانے کا کام تھا۔ برتنوں کی صفائی بھی انھیں کے ذمہ تھی، خواجہ نظام الدین ترکاری پکایا کرتے تھے۔

درویشی اور قریب ہی ایک بقال رہتا تھا، نمک اس سے خریدتا تھا۔ ایک دن خریدنے کے لیے پیسے نہ تھے۔ خواجہ نظام الدین قرض؟ | نے ایک درم کا نمک اسی بقال سے اور عار لے لیا اور ترکاری تیار کر کے پیر و مرشد اور تمام دوسرے درویشوں کے سامنے حاضر کر دی۔ مولانا بدر الدین اسحاقی، شیخ جمال الدین ہانسوی اور خواجہ نظام الدین تینوں ایک ہی پیالہ میں کھایا کرتے تھے۔

جب بابا صاحب نے لقمہ اٹھانے کے لیے پیالہ میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی اور لقمہ نہ اٹھا سکے فرمایا: "ازیں برے اسراف می آید" (اس میں سے اسراف کی بڑھتی ہے) پھر دریافت فرمایا کہ نمک کہاں سے لیا۔ خواجہ نظام الدین پر بابا صاحب کے اس سوال نے ہیبت اور لرزہ طاری کر دیا۔ بڑی مشکل سے جواب دیا کہ قرض لیا تھا۔ بابا صاحب نے فرمایا درویش خاقے سے مر جانے، تیر اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے نفس کی خواہش پورا کرنے کے لیے کسی سے قرض لے۔ تو کل اول قرضوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یاد

لے وہ ایک قسم لاپچل ہے جسے نمک اور سرکہ لگا کر اس کا چار بنایا جاتا تھا اور سالن کے طور پر کھایا جاتا تھا۔

رکھو اگر مقروض درویش کو اچانک موت آجائے اور اس بے قرض ابھی باقی ہو تو قیامت کے دن قرض کے بوجھ سے اس کی گردن جھکی رہے گی۔

اس ارشاد کے بعد بابا صاحب نے حکم دیا کہ تمام سالن غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ میں نے اسی وقت سے دل میں عہد کیا کہ ائندہ کبھی کسی سے قرض نہ لوں گا اور اپنے سابقہ نفل پر ندامت اور توبہ کا اظہار کیا۔ بابا صاحب کو خواجہ صاحب کی اس توبہ کا کشف ہوا تو اپنی کلمی جس پر وہ تشریف فرماتے تھے خواجہ صاحب کو دے دی اور فرمایا ان شاء اللہ آئندہ تمہیں قرض کی کبھی ضرورت نہ پڑے گی۔

پیر اور مرید حضرت بابا صاحب نے خواجہ نظام الدین کو جو چند و نصائح اور ہدایات فرمائیں وہ پوری تفصیل کے ساتھ راحت القلب کی باتیں ہیں۔ یہ بابا صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے خواجہ صاحب نے مرتب کیا تھا۔ ایک مرتبہ پیر و مرشد کی خدمت میں تھا تھے اس کے متعلق فرماتے ہیں:

”وگاؤ نشستہ مگس می راند گنجشک بیدار شد فرمود یا راں کجا اند۔ گنتم قیلو کہ دوہ اند فرمود بیات ترا چیزے یگویم۔ آغاز کرد چو دردی بردی در مجاہدہ باشی، بیکار بودن هیچ نیست۔ روزہ داشتن نیسے راہ راست و اعمال دیگر چوں نماز و حج نیسے راہ۔“
فرماتے ہیں ایک مرتبہ پیر و مرشد نے فرمایا ”من از حق تعالیٰ خواستہ ام ہرچہ تو از حق بخوابی بیابی۔“
فرماتے ہیں ایک مرتبہ بابا صاحب اپنے حجرہ خالص میں یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

خواہم کہ ہمیشہ در ہورے تو زیم
خسا کے شوم و بزم پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی!
از بہر تو میسر م و برائے تو زیم

خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ بابا صاحب مذکورہ اشعار پڑھتے اور سر مبارک سجدہ میں لے جاتے، میں یہ دیکھ کر اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھ دیا۔ آپ نے ہر بانی فرمائی اور پوچھا ”جو مانگتے ہو مانگو، میں نے استقامت طلب کی جو آپ نے عنایت فرمائی۔ پیر و مرشد سے رخصت کرنے سے قبل بابا صاحب نے اپنا لعاب خواجہ صاحب کے منہ میں لگایا اور محتاطی وصیت فرمائی۔ فرمایا وداع ہونا نظام! اللہ نے دنیا اور دین دونوں دیے ہیں یہاں سب موجود ہے، لہذا تم ہندوستان کا ملک لو، پھر خلافت عطا کیے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تجھے علم عقل اور عشق بخشا ہے اللہ جس میں یہ تین صفتیں ہوں خلافت کے لائق بھی وہی ہے۔ پھر یہ وصیت بھی فرمائی کہ اگر کسی سے قرض لینا ہی پڑے تو اسے جلد لوٹانا۔ اور اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی کوشش کرنا انھیں دکھ نہ دینا اور نہ ہی انھیں ناراضگی کا موقع دینا۔

عظمت خلافت کا شرف ۱۳ رمضان المبارک ۶۶۹ھ (بہ قول سیر الاولیا) یا ۲۰ ربيع الاول ۶۵۵ھ (بہ قول راحت القلب)

کو حاصل ہوا۔ خواجہ صاحب خود فرماتے ہیں کہ حضرت بابا صاحب نے مجھے خلعت خاص مرحمت فرمایا، دوسرے اہل صفا بھی حاضر تھے۔ بابا صاحب نے فرمایا نظام الدین کو ہم نے ہندوستان کی ولایت دی اور خلافت عطا کی۔ چنانچہ میں نے آپ کا ارشاد سنتے ہی سر جھکایا اور زمین بوسی کی۔ حضرت بابا صاحب نے مجھے سراٹھانے کا حکم دیا۔ آپ کے فرق مبارک پر شیخ قطب الدین کی دستار تھی، وہ اتار کر مجھے مرحمت فرمائی، عصا بھی عنایت کیا اور اپنے ہاتھ سے خرقة پہنایا، پھر فرمایا دو گانہ ادا کر۔ میں حکم بجالایا، جب قبلہ کی طرف منہ کیا تو بابا صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تجھے خدا کے سپرد کیا۔

اس واقعہ کے دوسرے دن بعد مجھے رخصت کیا اور فرمایا پہلے ہانسی جانا اور یرمثال شیخ جمال الدین کو دکھانا، پھر دہلی کا رخ کرنا اور یرمثال قاضی منتخب کو دکھانا۔

میرا عارفین میں لکھا ہے "چوں از حضرت ایشاں بجانب دہلی رخصت یافتم در حین وداع نصیحتہ الزانی داشتند کہ البتہ نصیحتہاں را بہر چونکہ دانی خوشنود گردانی و از کسی کہ فرض گرفتہ باشی با دانی آل روئے نمائی، حتی تبارک تعالیٰ آسان گرداند۔" خواجہ صاحب پر و مرشد کے ارشاد کے مطابق آپ ہانسی پہنچے اور شیخ جمال الدین کو خلافت کی تحریر بتائی۔ شیخ جمال الدین اسے **کاسفہ** دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اظہار تہنیت کے طور پر یہ شعر پڑھا:

خدا نے جہاں را ہزاراں سپاس

کہ گوہر سپارو بہ گوہر شناس!

ہانسی سے آپ نے دہلی کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر وہی مثل شیخ نجیب الدین متوکل کی خدمت میں پیش کی اور کل واقعہ بھی بیان کر دیا۔ شیخ نجیب الدین نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔

قیام دہلی | دہلی میں شیخ نظام الدین ایک عزیز کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ اس عزیز سے انھوں نے ایک کتاب مستعار لے لی تھی جو گم ہو گئی تھی۔ آپ نے اس سے کہا کہ کتاب گم ہو چکی ہے، اگر آپ پسند فرمائیں تو پیر کا فائدہ فراہم کر کے اپنے ہاتھ سے اسے لکھ کر آپ کے حوالے کر دوں۔ اس عزیز نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کتاب آپ کو بخش دی۔

اس کے بعد آپ ایک بزاز کی دکان پر گئے جس سے تھوڑا سا کپڑا ادھار لے چکے تھے۔ کچھ رقم جو پاس تھی اسے دے دی اور باقی رقم پھر ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ بزاز نے باقی رقم آپ کو بخش دی۔

پھر پر و مرشد کے حکم کے مطابق ان لوگوں سے فرود آئے جو آپ سے کہیں وہ خاطر تھے اور انھیں راضی کیا۔

اجودھن کے سفر | قیام دہلی کے دوران آپ بابا صاحب کی زندگی میں تین مرتبہ پھر جا کر ملے اور سات مرتبہ بابا صاحب کی وفات کے بعد ان کے آستانہ پر حاضری دی۔

ایک مرتبہ خواجہ نظام الدین دہلی سے اجودھن گئے تو بابا صاحب نے آپ کے لیے دعا کی کہ اے اللہ! نظام الدین تجھ سے جدا نہ لگا کرے اسے دیا کر۔ یہ دعا قبول ہوئی اور اسی لیے وہ "محبوب الہی" کہلائے۔

خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ تیسری مرتبہ میں رمضان ۷۶۹ھ (یا ۷۶۸ھ) میں بابا صاحب سے ملنے ابو دھن گدیہ آخری ملاقات تھی، تو واپسی کے وقت بابا صاحب نے وعادیتے ہوئے فرمایا اللہ تجھے نیک بخت کرے۔ فرمایا:

اسعدك الله في الدارين وسر ذقتك الله علما نافعاً وعملاً مقبولاً۔

پھر فرمایا تم ایسے درخت ہو گے جس کے سایہ میں مخلوق آرام پائے گی۔ پھر نصیحت فرمائی کہ حصول استعداد کے لیے برابر مجاہدہ کرتے رہنا۔

پیر و مرشد بابا صاحب کے وصال کے وقت خواجہ نظام الدین ابو دھن میں بابا صاحب کے پاس موجود نہ تھے۔ چنانچہ بابا صاحب کی وفات نے اپنا عصا اور خرچہ جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکلی سے ملا تھا مولانا بدر الدین اسلمی کے ذریعہ (جو وہاں موجود تھے) خواجہ صاحب کے پاس دہلی بھجوا دیے۔

دہلی کے خواجہ نظام الدین مرشد سے رخصت ہو کر جب پہلی مرتبہ دہلی واپس تشریف لائے، تو مرشد کی ہدایت کے مطابق مجاہدہ لیل و نہار (دیاضت اور زہد و عبادت میں منہمک ہو گئے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، مرشد کی یہ بھی ہدایت تھی کہ مجاہدے کے ساتھ ساتھ تحصیل علم بھی جاری رہے، چنانچہ آپ ان دنوں قرآن کریم بھی حفظ کر رہے تھے۔ چونکہ آپ کا قیام شہر کی آبادی میں تو اس لیے لوگ اس کثرت سے اُنے لگے کہ آپ کے کاموں میں ہرج ہوسنے لگا اور عبادت یا تحصیل علم کے لیے وقت نہ نکلتا تھا۔ چنانچہ آپ شہر کے ہنگامہ خیز ماحل سے دور کسی پرسکون مقام پر جانے کا ارادہ رکھتے تھے تاکہ وہاں رہ کر اطمینان سے یاد الہی کر سکیں قرآن کریم حفظ کرنے کے لیے آپ جنگل میں چلے جایا کرتے تھے۔ اس آشنائیں آپ کی ملاقات ایک درویش سے ہوئی۔ دوران گفتگو درویش نے کہا کہ دہلی کا شہر فسق و فجور کا مرکز بنا ہوا ہے، وہاں رہنے سے تو اپنا ایمان بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

غیث پور درویش کی ان باتوں سے خواجہ صاحب نے یہ نتیجہ نکالا کہ کسی قیمت پر بھی شہر میں رہنا مناسب نہیں چنانچہ آپ شہر سے اٹھ کر قریب ہی ایک موضع غیث پور میں چلے آئے جو دریائے جہنا کے کنارے واقع تھا۔ یہاں چند جھونپڑیاں ڈال کر اپنے درویشوں کے ہمراہ رہنے لگے، پھر یہیں ساری عمر بسر کر دی۔

خواجہ نظام الدین تربیت حاصل کرنے کے بعد جب سلوک و دیاضت میں لگ گئے تو اگرچہ علم کا شوق جن کاتوں موجود تھا مگر بابا صاحب سے دریافت کر کے آپ اجازت دیں تو اب میں تعلیم چھوڑ دوں۔ بابا صاحب نے فرمایا میں کسی کو علم حاصل کرنے سے منع نہیں کرتا۔ تم دونوں کام کیے جاؤ (یعنی علم بھی حاصل کرو اور مجاہدہ و ریاضت میں بھی مشغول رہو) ان میں سے جو غالب ہو گا وہ رہ جائے گا۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد باطنی اشتغال کی مصروفیت اتنی بڑھ گئی اور اس قدر ہو گئی کہ تعلیم و علم کا سلسلہ خود بخود ختم ہو گیا۔ خواجہ بندہ نواز کا بیان ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے چہرہ مبارک پر زیادہ رونے کے باعث زخم جیسے نشان پڑ گئے تھے فرماتے ہیں میں نے اپنے دوستوں سے سنا ہے کہ آپ کی آنکھیں ایک ساعت کے لیے بھی خشک نہ رہتی تھیں بلکہ ہمیشہ آنسوؤں سے تر رہتی تھیں جب تک اس دنیا میں رہے۔

وہ چارویں دنیا سے رخصت ہو کر ان ہی رخصت ہوئے۔ لہ بابا صاحب کے وصال عمر ۷۶۹ھ میں ہوا۔ لگے قریب ۱۰۰ سال کے عمارت اور تہذیب و تمدن پر بڑھتی تھی (سیر العارفین ص ۱۳۱)

عسرت اور یہ بڑی عسرت اور تنگدستی کا زمانہ تھا۔ کئی کئی دن تک فاقے رہتے اور کھانے کو کچھ میسر نہ آتا۔ آپ کا اپنا بیان سنتی کا دور ہے کہ اس زمانے میں ایک من خربوزے دو چیتل کو ملتے تھے۔ خربوزوں کی ساری فصل گزر گئی، مگر ایک خربوزہ بھی چکنا نصیب نہ ہوا۔ پھر اتفاقاً ایک شخص بہت سے خربوزے اور چند روٹیاں لے کر آیا۔ میں نے انھیں اللہ کی بھیجی ہوئی نعمت سمجھ کر لے لیا۔

ان دنوں ایک چیتل کا دو سیرا ٹاملتا تھا، مگر اتنا ارزاق ہونے کے باوجود خواجہ نظام الدین کے پاس اتنے دام بھی دہرتے تھے کہ دو روٹیوں کے لیے ہی آٹا خرید سکیں، چنانچہ اکثر فاقوں سے گزر ہوتی۔

ایک دفعہ تین دن سے فاقہ تھا کہ ایک شخص نے دروازے پر دستک دی۔ آپ نے دروازہ کھولا تو کوئی شخص خشک کھجڑی دے کر غائب ہو گیا۔ آپ نے وہ کھائی۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے کئی مرتبہ اس کھجڑی کی حلاوت بیان فرمائی۔ فرماتے ہیں: ”مجھے اس کھانے کے بعد کسی اور کھانے میں کبھی اتنی لذت محسوس نہیں ہوئی۔“

جب گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو ان کی والدہ فرمایا کرتیں کہ آج ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ خواجہ صاحب کو والدہ کا یہ جملہ بہت لطف دیتا اور جب کبھی گھر میں کھانے کو کچھ ہوتا تو خواجہ صاحب افسوس کرتے کہ آج ان کی والدہ محترمہ اپنا مخصوص فقرہ نہ کہیں گی۔

شانِ استغنا | اس قدر عسرت، تنگی اور فاقہ کشی کے باوجود بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ جب سلطان جلال الدین خلجی کو آپ کی ان پریشانیوں کا علم ہوا تو آپ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اگر اجازت دیں تو خدمت گزاروں کی بسراوقات کے لیے کچھ گاؤں آپ کی نذر کر دوں۔ جب آپ کے خدمت گزاروں یعنی درویشوں کو بادشاہ کی اس پیشکش کا علم ہوا، تو سب نے یک زبان ہو کر خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ موجودہ حالات میں ہم آپ کے ہاں سے کبھی کبھی روٹی کھا لیتے ہیں، اگر یہ گاؤں قبول کر لیے گئے تو اس کے بعد ہم آپ کے یہاں سے پانی پینا بھی پسند نہ کریں گے (مقصود یہ کہ ہم بادشاہ کے مہربان منت ہو جائیں گے جو آپ کے اور ہمارے مابین جارائی کا باعث بن جائے گا)

خواجہ نظام الدین درویشوں کا یہ جواب سن کر بہت مخلوط ہوئے اور شاہی پیشکش کو قبول نہ فرمایا۔

القلابی واقعہ | اس زمانے میں خواجہ صاحب کے درویشوں میں شیخ برہان الدین غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب جیسے عظیم بزرگ بھی موجود تھے، جو بعد میں خواجہ صاحب کے خلیفہ بنے، چنانچہ ایک دفعہ چار دن کا فاقہ تھا اور کھانے کو کچھ میسر نہ آیا۔ پڑوس میں ایک نیک خاتون رہتی تھیں، جو خواجہ صاحب سے بیعت تھیں۔ انھیں درویشوں کی فاقہ مستی کا علم ہوا تو کچھ آٹا بھجوا دیا۔ شیخ کمال الدین یعقوب نے آٹھنٹی کے ایک برتن میں ڈال کر آگ پر رکھ دیا تاکہ اسے پکا کر کچھ تیار کریں، اتنے میں درویشی کے لباس میں ایک مسافر ادھر آگلا اور کھانے کو مانگا۔ خواجہ نظام الدین بھی وہیں موجود تھے، انھوں نے برتن اٹھا کر درویش کے سامنے رکھ دیا۔ کھانا سخت گرم تھا۔ درویش نے گرم گرم لقمے ہی منہ میں ڈال لیے، پھر برتن کو زمین پر پٹک دیا اور یہ کہتا ہوا غائب ہو گیا:

” شیخ فرید الدین گنجشکر نعمت باطن شیخ نظام الدین اولیا الرزانی داشت ومن ویک فقر ظاہری اوبشکستم احالا
سلطان ظاہری و باطنی شدی۔“

یعنی شیخ فرید الدین گنجشکر نے تمہیں نعمت باطنی دی اور ہم نے تمہارا فاقہ توڑا۔

خوشحالی اور اللہ والوں کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ چنانچہ اس نامعلوم درویش کی زبان سے جو کچھ ادا
فراغت کا دور ہوا تھا وہ اسی طرح پورا ہو کر رہا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں خواجہ صاحب کی عسرت اور تنگی جاتی رہی۔ کثرت سے
لوگ مرید ہو گئے اور ان کی فتوحات کا کوئی ٹھکانہ اور حصہ و اندازہ نہ رہا۔ جہاں پہلے کئی کئی دن تک فاقے ہوتے تھے۔ اب یہ عالم تھا کہ
لنگریں کھانا پکھڑا رہتا اور کوئی کھانے والا نہ ملتا۔ ”خیر المجالس“ کے الفاظ میں ”فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا دروازے کے
آگے بہتا تھا۔ کوئی وقت فتوحات سے خالی نہ ہوتا۔ صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشا تک، مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ
ہوا کرتے تھے اور جو کوئی کچھ لاتا اس سے زیادہ حضرت کی عنایت سے پاتا۔ ایک بار ایک امیر سو تنگہ زر نذر کو لایا۔ آپ نے قبول نہ
کیا۔ جب دیکھا کہ بہت رنجیدہ ہوتا ہے تو اس میں سے ایک تنگہ قبول کیا۔ باقی وہ پاس لیے ہوئے غمناک بیٹھا رہا۔ دل میں کہتا
تھا اگر حضرت شیخ سب قبول فرمائیں تو میری سعادت ہے۔ شیخ نے فرمایا میں نے یہ سب اس لیے قبول نہیں کیے کہ تیرے کام
آئیں گے۔ لے جا امیرے پاس اور مال ہے۔ پھر اس سے کہا اٹھی طرف دیکھ۔ اس نے نظر کی تو دیکھا کہ انبار اشرافیوں کا لگا ہوا ہے۔
سرقاقوں پر رکھ کر جانے کو اٹھا۔ آپ نے اسے منع کیا کہ جو کچھ دیکھا ہے اسے اور سے مت کہنا۔ وہ پوشیدہ نہ رکھ سکا، باہر آ کر یہ
حال لوگوں سے بیان کر دیا۔“

غیاث پور سے جب سلطان معز الدین کیتباد کا زمانہ آیا تو اس نے غیاث پور کے قریب کیلو کھڑی میں اپنا محل بنوایا پھر یہاں
سیرامی اچھا خاصا شہر آباد کر دیا اور بہت سے امراء نے یہاں اپنے محلات تعمیر کیے۔ ایک جامع مسجد بھی یہاں بنائی
گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ پڑ سکون اور خاموش مقام بھی دہلی شہر کی طرح بارونق اور ہنگامہ خیز بن گیا۔ بڑی کثرت سے لوگ خواجہ صاحب کے
پاس آئے لگ گئے اور خواجہ صاحب کی طبیعت اس ماحول سے گھبرانے لگی۔ چنانچہ آپ نے غیاث پور کو چھوڑ کر کسی اور جگہ جانے کا
ارادہ کر لیا۔

اتفاق سے ان دنوں مولانا احمد محدث تہریزی جن سے خواجہ صاحب نے سند حدیث حاصل کی تھی دہلی میں وفات پا گئے۔
آپ نے ارادہ کیا کہ کل استاد پیر گوار کی زیارت کو جاؤں گا تو وہاں ایسی جگہ رہ جاؤں گا، جہاں لوگ کم ہوں گے۔
خلوت و راجحی ابھی آپ جانے نہ پائے تھے کہ ایک عجیب واقعہ ہوا، جس نے آپ کو غیاث پور چھوڑنے کا ارادہ ترک کرنے پر
مجبور کر دیا۔

آپ خود فرماتے ہیں کہ میں اسی سوچ میں تھا کہ ایک حسین و بلا پتلا نوجوان میرے پاس آیا اور یہ اشعار پڑھے :

روزے کہ قومہ شدی نے دانستی
امروز کہ زلفت دل خلمے بر بود

یا گلست نمانے عملے خواہی بود
در گوشه نشست نمی دارد سود

اس کے بعد کہنے لگا :

اول شہور نمی بایستی شد، ایس کس مشہور شد، چنان سچی کند کہ در روز قیامت از روئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
شہر مندہ نہ گردد۔ از خلق گوشہ گرفتن و بحق مشغول شدن سهل است، امام دانگی و کار مردی آنست کہ خلوت در
انجن باشد و با وجود انبوه خلق در مشغولی خلل نیفتد۔ (سیر الاولیا و سیر العارفين)

مطلب یہ کہ اول تو مشہور نہ ہونا چاہیے اور اگر مشہور ہو گئے تو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کل قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندگی نہ ہو۔ یہ بھی کوئی حوصلہ ہے کہ خلق اللہ سے کنارہ کر کے گوشہ نشینی اختیار کی جائے۔ قوت اور حوصلہ تو اس کا نام ہے کہ اثر و حاکم خلافت کے باوجود ذکر حق جاری رکھا جائے۔

خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ اس شخص کی نصیحت سننے کے بعد میں نے غیبت پور چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

لنگر خانہ | جب غیبت پور میں امراء وغیرہ نے اپنے مکانات اور محل تعمیر کیے اور وہ یہاں رہنے لگے تو قریب ہونے کے باعث خواجہ صاحب کی خانقاہ میں وہ لوگ بھی اکثر آنے لگے اور ان کی آمد و رفت کے ساتھ ہی ان کی طرف سے بے انداز فتوحات آنے لگیں جس سے خانقاہ میں دنیاوی مال و متاع کا کوئی اندازہ نہ رہا۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ بعض بیانات کے مطابق آپ کے لنگر میں اتنا کھانا پکنا تھا کہ منوں کے حساب سے روزانہ صرف نمک خرچ ہوتا تھا۔ بہر حال لنگر میں جو کچھ پکتا اور فتوحات سے جو کچھ آتا وہ سب درویشوں میں تقسیم ہو جاتا۔ خواجہ صاحب کی اپنی ذات ان آلائشوں سے منزہ تھی۔ آپ ہمیشہ روزہ سے رہتے اور افطار کے وقت ایک روٹی یا ادھی روٹی، ترکاری یا کسی قدر چاول تناول فرما لیتے، پھر بڑے دسترخوان پر تشریف لاتے اور دائیں بائیں لوگوں کو تقسیم کرتے رہتے۔

امیر خسرو کی بیعت | خواجہ نظام الدین کے حالات میں امیر خسرو کا بہت ذکر آتا ہے۔ امیر خسرو خواجہ صاحب کے خلیفہ تھے۔ ان کے مفصل حالات آگے بیان ہوں گے۔ یہاں ہم ان کے وہ اہم واقعات بیان کرتے ہیں جن کا تعلق خواجہ نظام الدین کی زندگی سے ہے۔

امیر خسرو اپنے دور کے باکمال فارسی شاعر تھے۔ آپ کا کلام بے حد شیریں، موثر اور عشق انگیز ہوتا تھا، چنانچہ خواجہ نظام الدین آپ کے کلام کو بہت پسند کرتے تھے۔ امیر خسرو کو بھی حضرت سے دلی وابستگی اور عقیدت ہو گئی تھی۔

بیعت کا واقعہ | امیر خسرو کا واقعہ ہندوستان میں ہونے والی اپنی ڈائری میں یوں لکھا ہے : "امیر خسرو نے بتایا میں تو حضرت سے بہت چھٹی عمر میں بیعت ہو گیا تھا اور اس کا قصہ بھی بہت دلچسپ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک دن میرے والد امیر سیف الدین محمود مجھ کو اور میرے بڑے بھائی کو حضرت کے پاس لے گئے۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ والد نے فرمایا میں تم کو

۱۵۰۰ فارسی میں لفظ بیکو کہتے ہیں اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے (م. م. ع)

اور تمہارے بڑے بھائی کو حضرت خواجہ نظام الدین بدایونی کا مرید کرانا چاہتا ہوں۔

میں نے جواب دیا مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس جگہ دروازے پر بیٹھ جاؤں، اندر نہ جاؤں۔ آپ بڑے بھائی کو لے کر اندر جائیے اور ان کو مرید کرائیے، میں یہاں آپ کی واپسی کا انتظار کروں گا۔

میرا یہ جواب سن کر میرے والد مسکرائے اور میرے بڑے بھائی کو ساتھ لے کر مکان کے اندر چلے گئے۔ میں دروازے کے باہر بیٹھ گیا جب میرے والد اندر چلے گئے تو میں نے باہر بیٹھے بیٹھے اپنے دل میں ایک شعر موزون کیا۔ اس خیال سے کہ اگر حضرت کامل ہیں تو آپ مجھے توڑ باطن سے اس شعر کا حال معلوم کر لیں گے اور مجھے اس شعر کا جواب شعر کے ذریعے دیں گے۔ تب میں اندر جا کر حضرت کا مرید ہو جاؤں گا، ورنہ جب میرے والد اور بھائی باہر آئیں گے تو ان کے ساتھ اپنے گھر واپس چلا جاؤں گا اور جو شعر میں نے اپنے دل میں موزوں کیا تھا، وہ یہ تھا:

تو اں شلہ ہے کہ بر ایوانِ قصرت کبوتر گز نشیند باز گردو!

غریبے ستمندے بردر آند سیاید اندروں یا باز گردو

(تو ایسا بادشاہ ہے کہ اگر تیرے محل کے کنگوارے پر کبوتر اُن بیٹھے تو تیری برکت سے وہ کبوتر بازمین جائے۔ پس ایک غریب حاجت مند تیرے دروازے پر آیا ہے وہ اندر آجائے یا واپس چلا جائے)

امیر خسرو نے کہا میں یہ شعر موزون کر کے چپ چاپ بیٹھا تھا اور حضرت کے جواب کا انتظار کر رہا تھا کہ یکایک حضرت کا ایک خادم دروازے کے باہر آیا اور مجھ سے کہا کہ حضرت نے مجھے حکم دیا ہے، دروازے کے باہر ایک ترک زادہ بیٹھا ہے اس کے سامنے یہ شعر پڑھ دو اور واپس چلے آؤ:

سیاید اندرون مردِ حقیقت کہ با ما یک نفس ہمراز گردو!

اگر ابلہ بوداں مردِ نادان! ازاں راسے کہ آمد باز گردو

(حقیقت کے میدان کا مرد اندر چلا آئے تاکہ ہمارے ساتھ کچھ دیر ہمراز بن جائے اور اگر وہ اُنے والا نا سمجھ اور نادان ہے

تو جس راستے سے یہاں آیا ہے اسی راستے سے واپس چلا جائے)

امیر خسرو نے کہا جب خادم نے میرے دل کے شعر کا جواب حضرت کی طرف سے اس شعر میں سنا دیا تو میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دیوانوں کی طرح خادم کے ساتھ ساتھ حضرت کے مکان کے اندر چلا گیا۔ میرے والد اور بھائی اور حضرت سید محمد کرمانی وہاں بیٹھے تھے۔ میں نے حضرت کو دیکھا کہ وہ مسکرا مسکرا کر میری طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے دوڑ کر حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ حضرت نے فرمایا: بیا، بیا اے مردِ حقیقت! بیا بیا ایک نفس با ما ہمراز بشو۔ (آجا، آجا اے مردِ حقیقت اور ایک دم کے لیے ہمارا ہمراز بن جا)

میں نے سامنے بیٹھ کر بیعت ہونے کی درخواست کی اور حضرت نے مجھے بیعت کا شرف عطا فرمایا۔

امیر خسرو کے نانا عماد الملک اور والد بزرگوار امیر سیف الدین لاجپن بھی خواجہ محبوب الہی کے مرید تھے اور ان دونوں کا پورا خاندان حضرت سے بیعت تھا۔

مرشد سے لگاؤ | امیر خسرو نہ صرف شاعر ہی تھے، بلکہ شاہی دربار میں امیر خسرو کی بڑی قدر و منزلت تھی اور اس وجہ سے آپ بہت دولت مند بھی تھے، مگر امارت کے باوجود آپ بڑی انکساری اور سادگی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ خواجہ نظام الدین کی خدمت میں ایک ادنیٰ خدمت گار کی حیثیت سے رہتے اور پیرو مرشد کے ہر حکم کی تعمیل اپنا اولین فرض جانتے۔ خواجہ صاحب بھی دل سے ان کی قدر کرتے تھے اور ان سے بہت محبت تھی۔ فن شاعری کے باعث تمام حلقوں میں مقبول تھے۔ پیرو مرشد کی تربیت اور ان کی صحبت کا اثر تھا کہ چالیس سال تک ہمیشہ دن میں روزہ رکھتے تھے۔

آپ اپنے شعرا پیرو مرشد کو گار سنا کرتے تھے اور جو شعر خواجہ صاحب کو زیادہ پسند آتا وہ بار بار گاتے۔ قوالی کی محفلوں میں امیر خسرو بڑے اہتمام سے اپنی غزلیں سناتے۔ آپ نے خواجہ صاحب کی مدح میں قصیدے بھی کہے۔ خواجہ صاحب نے بھی امیر خسرو کی شان میں ذیل کے اشعار کہے:

خسرو کہ نظم و نثر مثلش کم خاست !
ملکیت ملک سخن خسرو راست
ایں خسرو ماست ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

مرید کا عشق | امیر خسرو کو مرشد سے نہ صرف عقیدت و محبت اور وابستگی تھی بلکہ کمال درجے کا عشق تھا، اس کی ایک نادر مثال یہ ہے کہ ایک دفعہ کسی درویش نے خواجہ نظام الدین کی خدمت میں آکر سوال کیا۔ اتفاق سے لنگر خانہ میں کوئی ایسی شے موجود نہ تھی جو اسے دی جاتی۔ خواجہ صاحب نے درویش سے کہا کہ اتفاق سے آج کوئی شے نہیں آئی البتہ کل کی فتوح تمہیں دے دی جائے گی۔ دوسرے دن بھی کوئی شے نہ آئی۔ تب خواجہ صاحب نے اپنے پاؤں سے جوتیاں اتار کر درویش کو دے دیں اور رخصت کیا۔

اتفاق سے اس وقت امیر خسرو بادشاہ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، راستہ میں وہی درویش مل گیا۔ آپ نے درویش سے اپنے پیرو مرشد کی خوب چہی۔ جب درویش گنگو کرنے لگا تو امیر خسرو بے ساختہ بول اٹھے، مرا از تو بونے پیروشن ضمیر من می آید شاید کہ از شیخ نشانی نزد خود داری۔ یعنی مجھے اپنے پیروشن ضمیر کی بوا رہی ہے، شاید ان کی کوئی نشانی تیرے پاس ہے۔

درویش نے یہ سن کر خواجہ صاحب کی جوتیاں سامنے کر دیں اور کہا یہ مجھے عنایت کی گئی ہیں۔ امیر خسرو پیر کی جوتیاں دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور درویش سے کہا کیا تم انہیں فروخت کرنے کو تیار ہو، درویش آمادہ ہو گیا۔ امیر خسرو کے پاس اس وقت پانچ لاکھ تھکے تھے جو سلطان نے ایک قصیدے کے صلہ میں دیے تھے۔ آپ نے وہ سب کے سب درویش کو دے کر اس سے

جو تیاں لے لیں اور اپنے سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا "درویش برہمیں اکتفا کر دو ورنہ اگر تمام جان و مال من بعوض این کشف طلب می کرد حاضر می کردم" یعنی درویش نے اسی قیمت پر اکتفا کر لیا ورنہ اگر وہ ان جوتیوں کے عوض میں میرا جان و مال مانگتا تو بھی دینے سے دریغ نہ کرتا۔

محبوب الہی | پیرو مرشد کو بھی امیر خسرو سے اس قدر محبت تھی کہ اکثر فرمایا کرتے تھے اگر شریعت اس بات کی اجازت دیتی تو میں کا محبوب وصیت کرتا کہ امیر خسرو کو مرنے کے بعد قبر میں میرے ساتھ دفن کرنا، تاکہ ہم دونوں ایک ہی جگہ رہیں۔ تاہم آپ نے وصیت فرمائی کہ "امیر خسرو بعد از من نخواہد زینست" اچوں رحلت کند در پہلوئے من دفن کنید کہ او صاحب امر است حسب من بے او قدم در بہشت نہم" یعنی امیر خسرو میرے بعد زندگی نہ چاہیں گے، جب وفات پا جائیں تو انھیں میرے پہلو میں دفن کرنا کہ وہ میرے پیچھے دوں گے جاننے والے ہیں اور یہی ان کے بغیر بہشت میں قدم نہ رکھوں گا۔

مرشد کی وفات کے وقت امیر خسرو پاس موجود نہ تھے بلکہ سلطان محمد تغلق کے ساتھ بنگالہ کی ہم پر گئے ہوئے تھے۔ اچانک حالت متغیر ہو گئی، اسی وقت وہی کا رخ کیا اور پیرو مرشد کا حال دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے ہیں۔ یہ سنتے ہی دل تمام کے رہ گئے، اپنا تمام مال و متاع فقراء اور مساکین میں خیرات کر دیا اور ماتمی لباس پہن کر مزار پر گئے۔ جونہی مزار کے قریب پہنچے بے اختیار ہو کر مزار سے ٹکرماری اور چیخ کر کہا:

"سبحان اللہ! آفتاب در زیر زمین و خسرو زندہ"

(آفتاب زمین کے نیچے چلا گیا اور خسرو زندہ ہے)

یہ کہا اور بے ہوش ہو گئے۔ اس دن کے بعد غم و اندوہ کا یہ عالم تھا کہ کبھی چہرے پر مسکراہٹ نظر نہ آتی۔ غمناک اور دکھنے دل کے ساتھ مرشد کے بعد صرف چھ ماہ تک زندہ رہ سکے، مگر مرشد کی وفات کے بعد ان کے پہلو میں دفن نہ کیے جاسکے۔ فرشتہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

"چوں امیر خسرو فوت شد، خواستند کہ بموجب وصیت پہلوئے قبر شیخ درون گنبد دفن کنند۔ یکے از خواجہ ہر ایاں کہ منصب وزارت داشت و مرید شیخ بود مانع شد کہ بعضے مریدان شیخ و امیر خسرو مشتبه خواہد شد۔ پس اور او را پانچ شیخ بر چہترہ باران مدفون ساختند"

بادشاہوں سے | خواجہ نظام الدین بادشاہوں کی صحبت سے ہمیشہ گریز کرتے رہے اور ان سے ملنا تک پسند نہ فرماتے تھے بے نیازی اور آخر عمر تک اسی اصول پر کار بند رہے۔ سلطان جلال الدین خلجی کو آپ سے بے حد عقیدت تھی اور آپ

لے خواجہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں: اور ان قبرین دفن نمایند تا ہر دو یکجا باشند۔ لے تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۲۱۲۔

تکے بلین کے سہنے ہر امیروں کے کئی گروہ میں گئے جو ایک دوسرے کے حریف تھے۔ نظام الدین نام ایک امیر بادشاہ کا خاص آدمی تھا اور دہلی کے گورنر کا داماد تھا (باقی اگلے صفحہ پر)

ملاقات کا بہت شوق تھا مگر جانتا تھا کہ آپ بادشاہوں سے ملنا پسند نہیں کرتے اس لیے ملاقات سے محروم رہا۔ امیر خسرو اس کے جہاز سے متعلق تھے۔ چنانچہ بادشاہ نے امیر خسرو کے ذریعہ ملاقات کرنی چاہی اور امیر خسرو سے اس خواہش کا ذکر کیا، انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ اگر خواجہ صاحب سے آپ کی ملاقات کی اجازت طلب کی گئی تو وہ ہرگز اجازت نہ دیں گے۔ البتہ میں حضرت کی اجازت کے بغیر ہی اپنے طور پر آپ کو وہاں لے جاؤں گا۔ سلطان خوش تھا کہ چلو کسی نہ کسی طرح خواجہ صاحب کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے گا مگر امیر خسرو نے کسی مصلحت کی بنا پر خواجہ صاحب سے یہ بات پوشیدہ نہ رکھی اور انھیں کہہ دیا کہ سلطان حاضر خدمت ہونا چاہتا ہے۔ خواجہ صاحب اسی وقت غیث پورہ سے اجودھن کو روانہ ہو گئے۔ تاکہ بابا شکر گنج کی زیارت کر آئیں۔

جب سلطان کو اس صورت حال کا پتہ چلا تو امیر خسرو سے دریافت کیا کہ آپ نے خواجہ صاحب سے میرے حاضر خدمت ہونے کی اجازت کیوں طلب کی، بلکہ طے شدہ تجویز کے مطابق مجھے ساتھ کیوں نہ لے گئے؟ امیر خسرو نے جواب دیا کہ آپ اگر اس بات پر ناراض ہو گئے ہیں تو مجھے زیادہ سے زیادہ اپنی جان کا خطرہ ہو گا، لیکن پیر و مرشدنا حاضر ہو جاتے تو میرے ایمان کا خطرہ تھا۔ سلطان کو امیر خسرو کا یہ جواب بہت پسند آیا اور مسکرا دیا۔

(بقیہ صفحہ سابقہ) اس نے خلیجوں کا زور بڑھتا دیکھا تو انھیں مٹانے کی تدبیریں کرنے لگا۔ چنانچہ خلیجوں نے جلال الدین فیروز کی قیادت میں اپنی پامٹی بنا لی اور ان کا زور روز بروز بڑھتا گیا۔ چنانچہ جلال الدین نے کیقباد بادشاہ کو قتل کر دیا اور دہلی کا تخت خلیجوں کے قبضہ میں آ گیا۔ فوج کے سپاہیوں اور شہریوں نے سلطان جلال الدین کی اطاعت قبول کر لی۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خلیجی افغان تھے یا ترک۔ عام خیال یہ ہے کہ وہ ترک تھے جنہوں نے افغانستان میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ سلطنت غلاماں کے دور میں ان لوگوں نے بڑے کارہائے نمایاں کیے جن میں علی مردان اور مختیار کے کارنامے ہندوستان کی تاریخ میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ انھیں لوگوں کی بہادری کے طفیل خلیجوں کو بلین اور اس سے پہلے کے بادشاہوں کے دربار میں عزت اور مرتبہ حاصل ہوا۔ اور وہ امرابین گئے۔ پھر موقع ملنے پر سلطنت پر قبضہ کر لیا۔

نئے خلیجی خاندان کا سب سے پہلا بادشاہ جلال الدین خلیجی تھا جو بہت سادہ اور نرم دل تھا۔ اس کی نرم دل کا یہ عالم تھا کہ مجرموں کو قلعی کوئی سزا نہ دیتا تھا۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ درباری امراء اور عام لوگ بھی اس سے ناراض رہتے تھے۔ ساری عمر میں اس نے صرف ایک مرتبہ سزا دینے میں سختی کی۔ یہ سزا شیدی مولانا نام ایک درویش کو دی گئی، جس پر بناوٹ کا الزام تھا۔ بلین کے بھتیجے دیکھا چھوٹے بھی بغاوت کی اور سلطنت پر اپنا قبضہ جماتا چلا، مگر جلال الدین نے اسے بھی معاف کر دیا۔

جب ہلاکو خان نے ہندوستان پر حملہ کیا تو جلال الدین خلیجی نے بغیر بہادری سے مقابلہ کیا اور وہ ناکام واپس جانے پر مجبور ہو گیا۔ علاؤ الدین اس کا بھتیجا اور داماد تھا، جسے وہ بہت چاہتا تھا اور اس پر پورا اعتماد تھا مگر جب وہ دیوگری کی مہم سے واپس آیا تو جلال الدین کو دھوکے سے قتل کر دیا اور خود تخت کا مالک بن گیا۔

سلطان علاء الدین | سلطانی کو بھی خواجہ صاحب سے بہت عقیدت تھی اور اس کی بھی خواہش تھی کہ خواجہ صاحب سے ملاقات کرے مگر جانتا تھا کہ خواجہ صاحب اپنے اصول کے مطابق اس سے ملاقات نہیں کریں گے تاہم اس نے ایک مرتبہ کہلا بھیجا کہ حضور میرے ہاں تشریف لائیں۔ آپ نے جواب بھیجا کہ میں ایک گوشے میں پڑا ہوں آپ کچھ نہیں بگاڑ رہا۔ بادشاہ اور تمام مسلمانوں کے لیے دعائے خیر کرتا رہتا ہوں، اگر بادشاہ نے اصرار کیا تو میں یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔

سلطان نے جواب پا کر دوبارہ کہلا بھیجا کہ آپ نہیں آتے تو میں خود حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ خواجہ صاحب نے جواب بھیجا کہ آپ یہاں آنے کی تکلیف نہ کریں، میں یہیں سے دعائیں مصروف ہوں۔ غیب کی دعاؤں کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ یہ بھی کہلا بھیجا کہ میرے مکان کے دو دروازے ہیں اگر آپ ایک دروازے سے آئیں گے تو میں دوسرے دروازے سے نکل جاؤں گا۔

ان تمام امور کے باوجود بادشاہ کی عقیدت میں ذرا فرق نہ آیا۔ وہ ہمیشہ آپ کا معتقد رہا اور آپ بھی ہمیشہ سلطان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہے۔ غالباً یہ خواجہ صاحب کی دعاؤں ہی کا اثر تھا کہ علاء الدین بہت بڑی سلطنت کا مالک اور فتوحات پر فتوحات حاصل کیں۔ چنگیز خان کے سپاہیوں نے جب دہلی کا محاصرہ کیا تو اس وقت شہر میں فوج نہ تھی بلکہ گئی ہوئی تھی۔ ایسے موقع پر تاتاریوں کے لیے شہر پر قبضہ کر لینا کچھ مشکل نہ تھا، مگر خواجہ صاحب کی دعاؤں کے اثر سے پراسی گھبراہٹ طاری ہوئی کہ ناکام واپس نہ گئے۔

علاء الدین کا بیٹا شہزادہ خضر خاں خواجہ صاحب کا مرید تھا اور باپ کے کہنے پر حضرت کامرید ہوا تھا۔ علاء الدین سے | مگر خواجہ صاحب سے بے پناہ عقیدت تھی اور خواجہ صاحب بھی بادشاہ کے حق میں دے کیا کرتے تھے، اس کے باوجود خواجہ صاحب نے بادشاہ سے ملنا کبھی پسند نہ کیا۔ جب کبھی بادشاہ

نے علاء الدین بڑا بہادر اور مہیلا تھا۔ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتا تو ہر طریقے سے اُسے پورا کرنے کی کوشش کرتا، اگرچہ ان پڑھ تھا مگر معاملہ فہم اور تریک تھا۔ بڑا باجبروت اور پیرشکرہ بادشاہ تھا۔ اس نے ملک میں بہترین اصلاحات کیں۔ کم خرچ پر اعلیٰ تربیت یافتہ فوج رکھی۔ اس کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ قلعہ رتھنبور کی فتح ہے جو ہندوؤں کی قوت کا مرکز تھا۔ ۱۳۰۳ء میں اس نے میواڑ پر چڑھائی کی اور دہلی کی رانی پدمینی کو گرفتار کیا، جس کا واقعہ تاریخوں میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ پھر آجین، مانڈو، دھار اور چندیری فتح کر کے تمام شمالی ہند کا مالک بن گیا۔ ۱۳۱۳ء میں اس کی حثمت پر دے غور پر تھی۔ اور ہندوستان کا تاک کا سارا ملک اس کے تصرف میں آچکا تھا۔ وہ ہندوستان کا پہلا مسلمان حکمران ہے جو مذہب کو سیاست کے تابع جانتا تھا اور علمائے دین کے مشوروں کی پابندی ضروری نہ سمجھتا تھا۔ اس کا کہنا تھا "میں جائز اور ناجائز کو نہیں جانتا بلکہ وہی کرتا ہوں جو ملکی تقاضوں کے لیے ضروری سمجھتا ہوں۔"

کچھ تحفے تحائف یا زرقہ بھیجا، آپ نے اسے قبول کرنے پر کبھی آمادگی ظاہر نہ کی۔

سلطانی نذر | محمد کاشف حاجب اور ملک قرا بیگ نام دو امراء تھے، جنہیں خلجی دربار سے تعلق تھا۔ یہ دونوں خواجہ صاحب کا حشر کے معتقدین میں سے تھے۔ ایک مرتبہ علاء الدین نے محمد کاشف حاجب کے ذریعہ پچاس ہزار تقرتی ٹنگے خواجہ صاحب کی خدمت میں نذر کے طور پر بھیجے۔ جب محمد کاشف یہ رقم لے کر پہنچا اس وقت خواجہ صاحب رشد و ہدایت کے سلسلے میں کسی عقدے کے حل کرنے کے وعدہ کا ایفا کرنے والے تھے۔ محمد کاشف نے رقم لاکر سامنے رکھ دی۔ خواجہ صاحب فوراً بول اٹھے، بادشاہ کے انعام کی طرف توجہ کروں یا عہد پورا کروں۔

مریدوں نے عرض کیا "وقائے عہد بہتر از بہشت بہشت است" چہ جائے کہ پانچ ہزار تنگے !

ورنگل کی | ایک مرتبہ سلطان علاء الدین نے ملک کافور کو ورنگل فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ جب کچھ دنوں تک سلطان کی ہم سلطانی مہم کی کامیابی یا ناکامی کی کوئی اطلاع نہ ملی تو پریشان ہو گیا اور ایک شخص کو خواجہ صاحب کے پاس بھیج کر درخواست کی کہ فوراً باطن سے کیفیت معلوم کر کے بتائیں کہ ہم کس مرحلے پر ہے۔ خواجہ صاحب نے بشارت دی کہ ہمیں کامیابی ہوگی چنانچہ دوسرے ہی دن بادشاہ کو فتح کی خوشخبری ملی۔ اس نے ملک قرا بیگ کو کچھ اشرفیاں دے کر خواجہ صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ خواجہ صاحب کے پاس ایک قلندر بیٹھے تھے آپ نے ساری اشرفیاں اٹھا کر انہیں دے دیں۔

سلطان نے اپنے دو بیٹوں خضر خان اور شادی خاں کو دو لاکھ ٹنگے دے کر محبوب الہی کی خدمت میں بھیجا کہ ان کے درمیان ارادت سے وابستہ ہو جائیں، چنانچہ محبوب الہی نے دونوں کو مرید کر لیا۔ محبوب الہی کی خانقاہ کی عمارت خضر خاں ہی نے بنوائی۔

محبوب الہی | محبوب الہی کے فیوض و برکات کے طفیل ملک میں ایک ہمہ گیر اخلاقی اور معاشرتی انقلاب پیدا ہو گیا۔ یہ علاؤ الدین کے کارنامے | خلجی کا زمانہ تھا۔ ضیاء الدین برنی نے اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں اس عہد کی جو تصویر کھینچی ہے اس کا مخلص یہ ہے کہ سلطان علاء الدین کے زمانہ میں خواجہ نظام الدین اولیا، شیخ علاؤ الدین اور شیخ رکن الدین جیسے صوفیائے کرام موجود تھے، جن کی انفاس متبرکہ سے ایک دنیا روشن ہوئی۔ ہزاروں انسانوں نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا اور دین و دنیا کی کامرانی حاصل کی۔ ابن مشائخ کرام کے اصناف حمیدہ اور کمالات باطنیہ سے لاکھوں انسانوں نے فیض حاصل کیا۔ لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے اپنے اخلاق کو بدل لیا۔ قحط اور وبا سے لوگ محفوظ ہو گئے۔ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ یعنی تاروں کی ہندوستان پر یورشیں ختم ہو گئیں۔ ان بزرگوں کے وجود سے شعائر اسلام کو بندی نصیب ہوئی۔ احکام شریعت کی سختی سے پابندی ہونے لگی۔ سلطان نے ملک کی بہتری کے لیے تمام منشی اور ممنوع چیزوں کو اور فسق و فجور و بدعات کو سختی سے روک دیا۔ سود، ذخیرہ اندوزی جیسی لعنتیں بھی دور کر دی گئیں۔ خواجہ نظام الدین اولیا نے بیعت کا نام دروازہ کھول دیا تھا، وہ گناہگاروں کو خرقہ پہناتے، ان سے توبہ کراتے اور اپنے مریدوں میں شامل کر لیتے۔ بادشاہ فقیر امیر وزیر عرض ہر شخص کو نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم دیتے اگر مرید سے کوئی لغزش ہو جاتی تو بیعت کی تجدید کراتے۔ شیخ کی مریدی کی شرم بہت سے لوگوں کو برائی سے روکے رکھتی۔ عبادت

کی طرف لوگوں کا رجحان زیادہ ہو گیا تھا۔ مرد، عورت، بوڑھے، نوجوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر سب نماز ادا کرتے تھے۔ ایک لوگوں نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے بنا دیے تھے اور چھپر ڈال رکھے تھے۔ کنوئیں کھدوانے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور ٹی کے لوٹے رکھوا دیے تھے۔ چٹائیاں بچھوا دی تھیں۔ ہر چبوترہ اور چھپر میں ایک چوکیدار اور ایک غلام مقرر تھا تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانہ تک آنے جانے میں، نماز ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لیے کوئی تردد نہ ہو اور چبوترہ اور چھپر میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا، بچوم دیکھا جاتا تھا۔ لوگوں میں ارتکاب جرم کے واقعات بہت کم ہو گئے تھے۔ اکثر لوگ چاشت، اشراق، اوابین اور تہجد ادا کیا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کسی دنیا دار کے گھر کی طرف رخ نہیں کرتے تھے۔ دنیا اور اہل دنیا کے معاملات کی داستانیں سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ کوئی محلہ ایسا نہ تھا جس میں ایک ہینہ بلیس دن کے بعد صلحا کا اجتماع اور صوفیوں کی محفل سماع نہیں ہوتی تھی۔ سلطان علاء الدین اپنے تمام گھروالوں کے ساتھ خواجہ صاحب کا معتقد ہو گیا تھا۔ بڑے بڑے گناہوں کو لوگ کفر جانتے تھے اور ان سے حتی المقدور بچتے تھے۔ شراب، زنا وغیرہ کا نام تک زبان پر نہ آتا تھا۔ کم تو لے کر رواج کم ہو گیا تھا۔ تصوف اور احکام شریعت کی کتابوں سے لوگوں کو رغبت زیادہ ہو گئی تھی۔ قوۃ القلوب، احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تصوف، رسالہ قشیری، مرصاد الخباد، مکتوبات عین القضاۃ لواعظ السنیین، تقاضی حمید الدین ناگوری، فائدہ الفواد (میر حسن سنجری) کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ کتب فروشوں سے دگ سلوک و حقائق کی کتابیں مانگتے پھرتے تھے۔ صوفیوں کی کثرت خریداری کے باعث لٹا اور جرمی طشت منگے ہو گئے تھے۔

قطب الدین خلجی | سلطان علاء الدین کے بعد قطب الدین خلجی تخت نشین ہوا، تو چونکہ اس نے خضر خاں اور شادی خاں کو قتل کی عداوت کر کے تخت حاصل کیا تھا اور وہ دونوں محبوب الہی کے مرید تھے، اس لیے قطب الدین خلجی محبوب الہی سے بدگمان رہا۔ اور ان سے دشمنی کرنے لگا۔ اس نے خانقاہ میں امراد کی آمد و رفت بند کرادی۔ اور لنگر کو جو شاہی خرچ ملا کرتا تھا وہ بھی دینا بند کر دیا۔ سلطان نے محبوب الہی کو پیغام بھیجا کہ ہفتہ میں دوبارہ بار میں آیا کریں، مگر محبوب الہی نے اسے پسند نہ کیا اور جانے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے سختی کرنا چاہی مگر اسے زندگی نے مہلت نہ دی اور جلد ہی وہ خسرو خاں کے ہاتھوں قتل ہو گیا، پھر خسرو خاں بھی تخت سے الگ کر دیا گیا اور اس کی جگہ غیاث الدین تغلق تخت پر بیٹھا۔

محفل سماع | غیاث الدین تغلق اپنے عقیدہ کے رو سے سماع کے خلاف تھا، چنانچہ اس نے ایک عام شاہی حکم جاری کر دیا، جس کے بموجب سماع کو ممنوع قرار دیا گیا، مگر محبوب الہی کے ہاں سماع بدستور جاری رہا۔ جاہ طلب علماء نے بادشاہ کے کان بھرے چنانچہ بادشاہ نے علماء کا ایک محضر طلب کیا، جس میں سماع پر بحث ہونی تھی کہ جائز ہے یا ناجائز۔ محبوب الہی بھی اس شریک ہوئے۔ فاضل گرم بحث ہوتی، آخر سماع کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ بادشاہ نے محبوب الہی کو بڑی عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

غیاث الدین کے بعد سلطان محمد تغلق اس کا جانشین بنا۔ وہ بھی محبوب الہی کا بڑا معتقد تھا۔ اسی کے زمانہ میں محبوب الہی

ملفوظات خواجہ | فوائد الفواد، فضل الفوائد، راحت المحبین اور سیر الاولیاء نام سے آپ کے چار ملفوظات یا تصانیف بیان کی جاتی ہیں۔ فوائد الفواد خواجہ حسن سنجری نے مرتب کی، جو محبوب الہی کے نامدار خلیفہ تھے۔ ان ملفوظات کو ہر زمانہ میں مقبولیت حاصل رہی۔ امیر خسرو لکھتے تھے کاش میری تمام تصانیف خواجہ حسن سے نامزد ہو جاتیں اور ان کے بدلے میں فوائد الفواد کا حسن قبول میرے لیے نامزد ہو جاتے۔

اس کتاب میں ایسے مضامین درج ہیں جو خضر راہ اہل سلوک اور مونس اہل اہل اللہ ہیں۔ **مرآة الاسرار** کے مصنف **عبدالرحمن چشتی** اور مشہور مصنف اور سیاح فرشتہ نے بھی اس کتاب کی بہت تعریف کی ہے۔
 افضل الفواد کے نام سے امیر خسرو نے بھی اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کیے، مگر یہ کتاب زیادہ مقبول نہ ہوئی۔
 خواجہ سید محمد مبارک محبوب الہی کے مرید تھے۔ انھوں نے سیر الاولیاء میں اپنے پیرو مرشد کے ارشادات جمع کیے ہیں۔ اس کتاب میں خواجگانِ چشت کے حالات بھی درج ہیں۔ محبوب الہی کے ملفوظات کتاب کا آخری حصہ ہیں۔
سماع | فوائد الفواد میں سماع کا ذکر بار بار آیا ہے۔ محبوب الہی فرماتے ہیں کہ سماع ایک صورت موزوں ہے اس لیے فی نفسہ حرام نہیں اس سے تحریک قلب ہوتی ہے۔ اگر یہ تحریک یاد الہی کے لیے ہے تو مستحب ہے اور اگر فساد کی طرف مائل ہو تو حرام ہے۔
 سماع کے لیے ذیل کی شرطیں لازمی ہیں:

- ۱۔ سنانے والا لڑکا یا عورت نہ ہو۔
- ۲۔ جو چیز سناٹی جائے وہ فواخس اور بُرائی سے پاک ہو۔
- ۳۔ صرف خدا کے لیے سنا جائے، تفریح کے لیے نہیں۔
- ۴۔ آلات موسیقی یعنی چنگ ارباب اور دوسرے مزامیر نہ ہوں۔
- ۵۔ سماع میں عورتیں شریک نہ ہوں۔

مرض الموت | ۷۲۵ھ میں آپ غلیل ہو گئے۔ چونکہ ہمیشہ ریاضت و مجاہدہ میں لگے رہتے تھے اور اکثر روزہ سے رہتے تھے اس لیے جسمانی طور پر پہلے ہی کمزور تھے، بیماری نے اور لاغر بنا دیا، پھر یہ کہ عمر مبارک نوے برس کے قریب ہو چکی تھی، چنانچہ بیماری کے دنوں میں کمزوری سرعت سے بڑھنے لگی۔ وفات سے چالیس روز قبل کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ دوا کی طرف بھی مطلق توجہ نہ فرماتے تھے۔ جیسا کہ پہلے خواجہ بندہ نواز کا بیان نقل کیا جا چکا ہے۔ خواجہ صاحب کی آنکھیں ہمیشہ نمناک رہتی تھیں اور اکثر روتے رہتے تھے، کثرت گریہ سے چہرے پر زخم جیسے نشان پڑ گئے تھے۔ علالت کے ان دنوں میں رونے کی کیفیت اور زیادہ شدت اختیار کر گئی اور آنکھوں سے آنسو جاری رہنے لگے۔ جب کھانے پینے کے لیے اصرار کیا جاتا تو فرماتے:

”کیا مشتاق حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باشد اطعام دنیا چگونہ“

جب مرض الموت کی شدت ہوئی تو آپ سے دوا پینے کے لیے اصرار کیا گیا، مگر آپ نے نہ پی اور فرمایا:

”اس کتاب میں محبوب الہی کے کسی نامعلوم مرید نے ۶۸۹ھ سے ۶۹۰ھ تک کے ملفوظات جمع کئے ہیں بزم مرفیہ (شعبہ ۲۴) (۲۰۰۸)“

درمند عشق را دار و بجز دیدار نیست۔

سلطان محمد تغلق نے خواجہ صاحب کی بیماری کو برص تھا دیکھ کر اپنا شاہی طبیب آپ کے علاج کے لیے بھیجا، ساتھ یہ بھی ملا بھیجا کہ مجھے بھی آپ کی عیادت کا اشتیاق ہے اگر اجازت ہو تو میں قدم بوسی کے لیے حاضر ہو جاؤں۔
جب طبیب آیا اس وقت خواجہ صاحب پر غشی کی حالت طاری تھی اور وہ رہ کر بے ہوشی کے دورے پڑتے تھے۔
جب ہوش آتا تو دریافت فرماتے میں نے نماز پڑھی ہے یا نہیں۔ جب عرض کیا جانا کہ آپ نے نماز پڑھی ہے تو مکر نماز پڑھنے لگ جاتے۔

وصال کے روز ننگر میں خور و نوش کا جتنی چیزیں تھیں، سب غراب میں تقسیم کر دیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گرفت نہ ہو۔
آپ نے سید حسین کرمانی سے فرمایا، میں نے اقبال سے کہا تھا کہ ننگر خانہ میں کوئی چیز باقی نہ رکھے، سب تقسیم کر دے ورنہ تو ذمہ دار ہو گا، جا کر دیکھو کہ ایسا کیا گیا ہے یا نہیں۔ خادم نے کچھ غلہ درویشوں کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ جب خواجہ صاحب کو خبر دی گئی، کہ تھوڑا سا غلہ بچا کر رکھ لیا گیا ہے تو بہت ناخوش ہوئے، فرمایا انبار خانوں کے دروازے توڑ دو اور زمین کی اس ریت (غلے) کو لٹا دو اور ہر گوشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو۔ چنانچہ اس ارشاد پر عمل کیا گیا۔

جب شاہی طبیب خواجہ صاحب کی چار پائی کے قریب آیا، اس وقت انہوں نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور عالم سکوت میں تھے۔ طبیب نے نبض پر ہاتھ رکھا تو آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ آپ کو بتایا گیا کہ سلطان نے اپنا شاہی طبیب آپ کے علاج کے لیے بھیجا ہے۔ آپ نے یہ سن کر کچھ جواب نہ دیا اور خاموشی سے طبیب کے چہرے پر نظر میں جمائے رکھیں پھر وہ بھی ادا سے فرمایا:

درمند عشق را دار و بجز دیدار نیست۔

وفات سے تھوڑی دیر پیشتر بعض خاص سے بعض اشیاء نکالیں اور مختلف خلفا کو عنایت فرمائیں اور انہیں خاص خاص مقامات پر جانے کا حکم دیا۔ خلیفہ اعظم شیخ نصیر الدین چمران دہلی کو بابا گنج شکر کا عطا کردہ خرقہ، مصلیٰ، کاسہ چوبیس اور تسبیح دے کر حکم دیا۔ شمار ادر دہلی باید بود و جفائے مردم باید کشید۔

شیخ رکن الدین سے | عنایت الدین تغلق سے شیخ ابوالفتح رکن الدین کے بہت اچھے مراسم تھے۔ بادشاہ بھی ان کا بے حد
آخری ملاقات | عقیدت مند تھا۔ شیخ ملتان سے انہیں ملنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ عنایت الدین کے بعد جب سلطان
محمد تغلق تخت پر بیٹھا تو شیخ رکن الدین سے اس نے بھی تعلقات قائم رکھے۔ شیخ رکن الدین بادشاہ سے ملنے کے لیے اکثر دہلی
آیا کرتے تھے۔ جن دنوں خواجہ نظام الدین مرض الموت میں مبتلا تھے، ان دنوں شیخ رکن الدین بادشاہ سے ملنے دہلی آئے، اور

نہ شیخ رکن الدین شیخ صدر الدین کے فرزند اور شیخ بہا الدین زکریا کے پوتے تھے۔ آپ ملتان میں رہتے تھے۔ بڑے پائے کے بزرگ اور ولی اللہ گورے ہیں۔

خواجہ صاحب کی بیماری کا سن کر ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت خواجہ صاحب عالم تھیں تھے۔ مریدوں کو پریشانی ہوئی کہ اس حالت میں دونوں کی ملاقات کیسے ہو، لیکن شیخ کے اُسنے پر خواجہ صاحب کا تجزیہ دور ہو گیا اور شیخ رکن الدین کو دیکھتے ہی تعظیم کے لیے چارپائی سے نیچے اُترنے لگے مگر کمزوری کے باعث اُتر نہ سکے اور رکن الدین کو چارپائی پر بیٹھنے کو کہا مگر شیخ صاحب نے تعظیماً آپ کی چارپائی پر بیٹھنے سے گریز کیا۔ تب ایک کرسی لائی گئی اور وہ اس پر بیٹھ گئے۔

شیخ رکن الدین نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا: انبیاء کو موت اور زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے اور اولیاء چونکہ انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں اس لیے انھیں بھی زندگی اور موت کا اختیار مل جاتا ہے۔ میری خواہش تھی کہ آپ کچھ دن اور دنیا میں رہتے تاکہ ناقصوں کو کمال تک پہنچا سکتے۔

خواجہ محبوب الہی نے یہ الفاظ سننے تو آنکھوں میں آنسو بھرا لے، فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں، نظام! تم سے ملنے کا بڑا شوق ہے۔

شیخ رکن الدین نے یہ جواب سنا تو ان پر بھی گریز طاری ہو گیا۔ اس موقع پر جو لوگ حاضر تھے ان کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔

ہندو مرید ہر دیو کی ڈائری میں خواجہ نظام الدین کے آخری وقت کے متعلق لکھا ہے کہ ساری رات یہی حالت رہی کہ ہوش آتا تھا اور پھر غشی طاری ہو جاتی تھی۔ ہوش کی حالت میں حضرت کچھ فرماتے تھے، مگر آواز کی ناتوانی کے باعث ہم اسے سننے سے محروم رہ جاتے تھے۔ صبح کی نماز پڑھ کر سب پھر حاضر خدمت ہو گئے اور ہم نے سنا کہ حضرت نے صبح کی نماز بھی کئی دفعہ پڑھی اور خواجہ سید محمد امام کو قریب بلا کر کان میں کچھ فرمایا۔

وفات | بعد ازاں حضرت نے فرمایا حضرت شیخ العالم تشریف لائے ہیں، مجھے تعظیم کے لیے اٹھاؤ۔ ہم سب اُسکے بڑھے تاکہ حضرت کو سہارا دے کر اٹھایا جائے، اچانک حضرت پر سکوت طاری ہو گیا اور سانس کی حرکت بھی بند ہو گئی۔ اس وقت ہم سب جان گئے کہ سورج غروب ہو گیا، حالانکہ وقت چاشت کا تھا اور سورج آسمان پر تیزی سے چمک رہا تھا اور روز چہار شنبہ ۱۸ ربیع الآخر ۱۰۲۵ھ کو وفات پائی، ہم سب کی حالت پہلے تو سکتے کی سی ہو گئی، جو کھڑا تھا وہ دم بخود اسی طرح کھڑا رہا اور جو بیٹھا تھا وہ بت کی طرح جیسے وحالت بیٹھا رہ گیا۔ اقبال، بشر اور عبدالرحیم کی بے قراری حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ خواجہ سید محمد امام اور قاضی سید محی الدین کاشانی اور خواجہ سید موسیٰ اور سید حسین کرمانی وغیرہ مخلصین خاص بہت زیادہ اندوگین اور مضطرب تھے۔ خلف بھی رورہے تھے مگر کوئی شخص

نہ جب نماز کا وقت آتا خواجہ صاحب ایک ہی وقت کی نماز کئی کئی دفعہ پڑھتے، پہر بھی تسکین نہ ہوتی۔

۱۸۔ اخبار الصالحین اور بعض دوسری مستند کتابوں میں تاریخ وفات ۱۸ ربیع الآخر بتائی گئی ہے مگر "بزم صوفیہ" مطبوعہ مطبع معارف، علم گڑھ ص ۲۲

۱۸ ربیع الاول تحریر ہے۔ جو غالباً کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

صبر و ضبط کی حد سے آگے نہ بڑھتا تھا یعنی چیخ چیخ کر کوئی نہ روتا تھا۔

لحد کی تیاری | اچانک اطلاع ملی کہ سلطان محمد تغلق آیا ہے اور حضرت رکن الدین سہروردی بھی تشریف لائے ہیں۔ سلطان نے حضرت کے پلنگ کے قریب آکر چہرہ مبارک کھول کر زیارت کی اور بہت رویا بھرا چھادفن کا انتظام کہاں ہو گا۔ سید حسین کرمانی نے آگے بڑھ کر بادشاہ سے حضرت کی وصیت کا ذکر کیا اور تالاب کے اندر دفن کرنے کی تجویز بادشاہ کو سنائی۔ بادشاہ نے اسے پسند کیا اور حکم دیا کہ احمد ایاز خواجہ یہاں شاہی مزدوروں کے لیے فوراً انتظام کرے۔ یہ سن کر میں اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کو گیا۔ وہاں سے مزدوروں کو لایا اور تھوڑی دیر میں تالاب بھر دیا گیا۔ وہاں قبر تیار کر دی گئی۔

حضرت شیخ رکن الدین سہروردی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بادشاہ کے علاوہ ان لوگوں نے بھی میت کو کندھا دیا جو خواجہ صاحب کی زندگی میں ازاد کے مخالف تھے۔ یہ غالباً بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے کیا گیا۔

محبوب الہی | حضرت کے خلفاء کی فہرست بہت طویل ہے۔ مشہور خلفاء یہ ہیں: شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی، شیخ قطب الدین کے خلفاء | منور، شیخ حسام الدین ملتانی، شیخ برہان الدین غریب، شیخ حسام الدین موختہ، شیخ انخی سراج الدین، خواجہ شمس الدین اہامی، شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر، شیخ منتخب الدین۔

خواجہ نصیر الدین چراغ نے دہلی، پنجاب، گجرات اور اودھ میں رشد و ہدایت کی شمع جلانی۔ شیخ انخی سراج الدین نے بہار، بنگال اور آسام کے اطراف واکنا میں شمع ہدایت روشن کی۔ برہان الدین غریب نے دکن کو اپنے فیوض و برکات سے روشن کیا۔ غرض ان سب حضرات کرام نے ہندوستان کے مختلف گوشوں کو ضیائے اسلام سے منور کیا۔

محبوب الہی کے | سیرالاولیا وغیرہ کتب قدیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محبوب الہی کو اپنے خلفاء میں پانچ بہت زیادہ عزیز تھے۔

پانچ پیارے | خواجہ حسین کرمانی، خواجہ سید محمد امام، خواجہ سید رفیع الدین ہارون، امیر خسرو اور امیر حسن سنجری۔

حضرت امیر خسرو اور حضرت سید رفیع الدین ہارون اور حضرت سید حسین کرمانی اور حضرت خواجہ حسن علا سنجری کو خلافتیں تو ملی تھیں، مگر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ لوگوں کو بیعت کرتے تھے یا نہیں۔ مگر حضرت خواجہ محمد امام کی بابت سیرالاولیا میں تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نے صرف انہی کو یہ اجازت دی تھی کہ وہ حضرت سلطان المشائخ کی موجودگی میں لوگوں سے بیعت لیں اور جب کہیں سے کسی مجلس کا بلاوا آتا تھا تو حضرت سلطان المشائخ انہی کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتے تھے اور اپنی مجلس میں بھی خواجہ سید محمد امام ہی کو سب سے اونچی جگہ بیٹھنے کے لیے عطا فرماتے تھے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی۔

خواجہ سید حسین کرمانی | سیرالاولیا میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ سید حسین کرمانی کو حضرت سلطان المشائخ کا منہ بولا بیٹا سمجھا جاتا تھا اور وہ تمام خلفاء کی عرض معروض حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ خلافت نامے بھی عموماً انہی کے قلم سے لکھوائے جاتے تھے۔ خواجہ حسین کرمانی بہت جامہ زیب تھے۔ سادات اور صوفیائے کرام کے رواج کے موافق لباس پہنتے تھے۔ مگر لباس کا پترا نہایت قیمتی اور اعلیٰ ہوتا تھا۔ اور پان بھی بہت کھاتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کسی وقت ایک پان دس روپے قیمت میں ملتا تب بھی

اسی قیمت میں پان لے کر استعمال کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ کی وفات کے بعد بہت عرصے تک زندہ رہے یعنی حضرت کا وصال ۷۲۵ھ میں ہوا تھا اور یہ ۷۲۵ھ تک زندہ رہے تھے۔ سیر الاولیاء کے صفحہ ۲۲۳ پر یہ بھی مذکور ہے کہ جب خواجہ جہاں احمد یا ز سلطان محمد تغلق کا وزیر اعظم ہو گیا، جس نے حضرت سید حسین کرمانی کا قریب حضرت سلطان المشائخ کی مجلس میں دیکھا تھا تو اس نے سید حسین کرمانی سے درخواست کی کہ آپ بھی دیوگیر میں تشریف لائیے اور میرے پاس قیام کیجیے، کیوں کہ سلطان محمد تغلق ان دنوں دیوگیر (دولت آباد) میں رہتا تھا۔ سید صاحب نے جواب دیا میں اس شرط پر وہاں آؤں گا کہ اپنا لباس نہیں بدلوں گا اور کوئی لوکر می قبول نہیں کروں گا۔ سلطان محمد تغلق کے وزیر اعظم خواجہ جہاں احمد یا ز نے ان شرطوں کو قبول کیا اور سید دہلی سے دولت آباد تشریف لے گئے اور وہاں مقیم رہے۔ ۲۱ شعبان ۷۵۲ھ جمعرات کے دن فالج کی بیماری میں وفات پائی اور اپنے والد حضرت مولانا خواجہ سید محمد کرمانی کے مزار کے قریب دفن کیے گئے۔

۲۔ خواجہ سید محمد امامؒ | ان کا تذکرہ راجہ مارہر دیورف احمد یا ز خواجہ جہاں کی کتاب چہل روزہ میں بہت تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ سیر الاولیاء کے مصنف نے جو حالات ان کے اور ان کے بھائی خواجہ سید موسیٰ کے لکھے ہیں ان سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں بھائی حضرت سلطان المشائخ کے مقبول پیاروں میں تھے۔

۳۔ خواجہ سید رفیع الدین ہارونؒ | سیر الاولیاء کے صفحہ ۲۰۹ پر لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ اپنے پوتے خواجہ سید رفیع الدین ہارون سے اتنی محبت کرتے تھے کہ جب تک وہ دسترخوان پر نہ آجاتے تھے کھانا شروع نہ کرتے تھے اور ان کے آنے کا انتظار کرتے رہتے تھے اور چونکہ خواجہ سید رفیع الدین ہارون کو تیرکمان وغیرہ فنون سپہ گری سے رغبت تھی اس واسطے حضرت ان کی دلجوئی کے لیے جب ان سے مخاطب ہوتے تھے تو سپاہیانہ شوق کی باتیں کرتے تھے اور اپنی زندگی میں ان کو اپنے خظیرے اور خانقاہ کا متولی اور منتظم بنا دیا تھا۔ ان کا مزار حضرت سلطان المشائخ کے پائیں گوشہ مشرق و جنوب میں ہے۔ قریب ہی ان کے دادا حضرت خواجہ سید صالح کا مزار ہے۔

۴۔ امیر خسروؒ | امیر خسرو کا ذکر اسی باب میں پہلے آچکا ہے۔ سیر الاولیاء اور بعض دوسری کتابوں میں ان کے جو حالات درج ہیں ان کا اقتباس یہ ہے کہ

۳۔ امیر خسرو کے والد کا نام امیر سیف الدین محمود تھا جو لاجپور نسل کے ترک تھے۔ امیر خسرو ۷۳۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت اس کے نانا رادت عرض کی عمر ۱۱۴ برس کی تھی۔ باپ نے ان کا نام ابو الحسن رکھا تھا۔ جب پیدا ہونے تو ان کے والد ان کو کپڑے میں لپیٹ کر پڑوس کے ایک مجذوب کے پاس لے گئے۔ مجذوب نے ان کو دیکھ کر کہا یہ بچہ تو خاقانی سے دو قدم آگے بڑھ جائے گا۔ ہوش سنبھالا تو حضرت سلطان المشائخ کے مرید ہو گئے۔ اُس وقت انہوں نے ایک شعر کہا تھا:

مفتخ از دے بعلامی منم خواجہ نظام ست و نظامی منم

(حضرت کی غلامی سے مجھے فخر ہے۔ میرے خواجہ نظام ہیں اور میں نظامی ہوں)

جس وقت سے حضرت امیر خسرو نے یہ شعر کہا تھا حضرت سلطان المشائخ کے مریدوں میں اپنے آپ کو نظامی کہنے کا ایک خاص جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔

حضرت سلطان المشائخ نے ایک روز امیر خسرو سے فرمایا تم اپنی نظموں میں اصفہانی شعراء کا رنگ اختیار کرو، یعنی خشق و محبت کا رنگ تمہارے کلام میں زیادہ ہونا چاہیے۔ حضرت نے اس کی فوراً تعمیل کی اور اس سے ان کے کلام کو بہت زیادہ قبولیت ہوئی۔ ایک روز امیر خسرو نے اپنا کلام حضرت کو سنایا تو حضرت نے خوش ہو کر فرمایا، مانگ کیا مانگتا ہے؟ امیر خسرو نے عرض کی، اپنے کلام میں شیرینی چاہتا ہوں۔ ارشاد ہوا میری چار پائی کے نیچے شکر سے بھرا ہوا ایک تھال رکھا ہے وہ اٹھا کر لاء۔ امیر خسرو نے اس کو پیش کیا۔ حضرت نے تھوڑی شکر امیر خسرو کو اس میں سے کھلائی اور فرمایا یہ تھال اپنے سر پر رکھ۔ چنانچہ اس وقت سے حضرت کے کلام میں عجیب لذت اور شیرینی پیدا ہو گئی۔

حضرت امیر خسرو نے اپنا دیوان "تحفة الصغیر" اور دوسرا دیوان "نہایت الکمال" مولانا رفیع الدین پانچہ کے والد مولانا قاضی معز الدین پانچہ کی معرفت حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرایا۔ اس کے بعد سے امیر خسرو کی حاضری حضرت کی خدمت میں ہونے لگی اور حضرت نے ان کو محرم راز بنانے کا شرف عطا فرمایا، یہاں تک کہ پھر امیر خسرو جس کسی مضمون کی کوئی نہی کتاب لکھتے تھے، حضرت کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے تھے۔ حضرت اس کو دیکھ کر کبھی برکت کی دعا فرماتے تھے اور کبھی کسی مضمون پر اعتراض بھی کرتے تھے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصلاح مد نظر ہوتی تھی۔

حضرت امیر خسرو دن بھر بادشاہوں کی صحبت میں رہتے تھے۔ رات کو اپنے گھر میں ہوتے تو قرآن مجید کے سات پاروں کی تلاوت کرتے اور تہجد ادا فرماتے تھے یا حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں شب باشی کرتے تو حضرت کے ساتھ شب بیداری کرتے تھے۔ ایک روز امیر خسرو نے سلطان المشائخ سے عرض کی آج کل تہجد کے وقت بہت رونا آتا ہے، ارشاد ہوا خدا کا شکر ہے کہ اب کچھ کچھ ظاہر ہونا شروع ہو گیا ہے۔

حضرت سلطان المشائخ خاص اپنے ہاتھ سے خطوط لکھ کر بھیجا کرتے تھے جن کے اندر بے بہا اور بیش قیمت باتیں ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت نے امیر خسرو سے خطاب فرمایا:

میں سب سے تنگ ہو جاتا ہوں، مگر اے ترک تجھ سے کبھی تنگ نہیں ہوتا۔ دوسری بار فرمایا کہ میں سب سے تنگ ہو جاتا ہوں، یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی مگر سوائے تیرے اے ترک۔ ایک دفعہ حضرت نے امیر خسرو سے تھلپے میں فرمایا میری سلامتی کی دعا مانگ کہ تیری سلامتی میری سلامتی پر منحصر ہے۔ کیونکہ تو میرے بعد جلدی دنیا سے رخصت ہو جائے گا اور یہ بھی دعا کہ لوگ تجھ کو میرے قریب دفن کریں، اور ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔

امیر خسرو نے یہ بھی کہا کہ میرے حضرت مجھے ہمیشہ "ترک اللہ" فرمایا کرتے تھے اور جتنے خطوط میرے نام لکھتے تھے، ان کے شروع میں ترک اللہ لقب تحریر فرماتے تھے۔

ایک روز کا ذکر ہے، حضرت نے فرمایا: میں نے خواب میں حضرت شیخ بہاؤ الدین کو دیکھا کہ وہ میرے پاس تشریف لائے ہیں۔ اسی وقت تو داما میر خسرو، وہاں آیا اور معرفت کے نکات بیان کرنے لگا۔ یکایک صالح مؤذن نے صبح کی اذان کہی اور میری آنکھ کھل گئی۔ پھر ارشاد ہوا کہ یہ بہت بڑی بات ہے کہ تجھ کو میں نے ایسے مقام میں دیکھا۔ تجھ کو چاہیے کہ بزرگوں کے کلمات ہر وقت اپنے سامنے رکھا کرے۔ اس کے بعد اپنی خاص بڑی منگانی اور میرے پر سر رکھی۔

ایک روز حضرت نے اپنی زبان مبارک سے میری نسبت یہ رباعی ارشاد فرمائی:

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم غلنت ملکیت ملک سخن آن خسرو راست
آن خسرو راست ناصر خسرو نیست زیرا کہ خدائے ناصر خسرو راست

۵۔ امیر حسن علاء سنجرمی | سیر الاولیاء کے صفحہ ۶۰۶ سے ۶۰۷ تک حضرت خواجہ حسن علاء سنجرمی کے حالات درج ہیں جن میں حضرت سلطان المشائخ کی اس خاص توجہ کا ذکر ہے جو خواجہ حسن پر حضرت کی تھی۔ مصنف سیر الاولیاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ حسن علاء سنجرمی نے جو ملفوظات حضرت سلطان المشائخ کے فوائد الفواد کے نام سے جمع کیے تھے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ حسن نے وہی الفاظ نقل کیے تھے جو حضرت کی زبان سے نکلے تھے، اس لیے یہ کتاب گھر گھر مقبول ہوئی۔ حسن علاء سنجرمی اٹھویں دن اپنے لکھے ہوئے ملفوظات حضرت سلطان المشائخ کو دکھاتے تھے اور حضرت اپنے قلم مبارک سے ان کو کبھی کبھی درست بھی فرماتے تھے۔ حضرت خواجہ حسن ساری عمر مجرور رہے شادی نہیں کی اور آخر عمر میں دولت آباد تشریف لے گئے اور وہیں انتقال ہوا۔

سلسلہ نظامیہ کی اب اس سلسلے کی گزشتہ اور موجودہ حالت بیان کی جاتی ہے۔ محبوب الہی کے خلفاء میں صرف تین چار بزرگ اشاعت | ایسے گزرے ہیں جن سے نظامیہ سلسلے کو بہت ترقی ہوئی اور یہ بات ہر بزرگ کے زمانے میں پائی جاتی تھی کہ اولاد سے سلسلہ نہ پھیلتا تھا، بلکہ خلفاء سے چلتا تھا۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیری کے بہت سے خلفاء بھی تھے اور فرزند بھی تھے مگر سلسلہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکئی سے پھیلا اور حضرت خواجہ قطب صاحب کے بھی خلفاء بہت تھے، لیکن سلسلے کو ترقی دینے والے تین بزرگ ہوئے: ایک حضرت مخدوم جمال الدین ہانسوئی، جن سے جمالیہ سلسلہ چلا۔ دوسرے حضرت سلطان المشائخ جن سے نظامیہ سلسلہ جاری ہوا۔ تیسرے حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صاحب، جن سے عمادیہ سلسلہ جاری ہوا۔ اسی طرح حضرت سلطان المشائخ کے بھی بہت سے خلفاء تھے۔ لیکن سلسلے کو بڑھانے والے صرف دو بزرگ سب سے نمایاں رہے: ایک حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلی اور دوسرے حضرت مخدوم انجی سراج۔ حضرت چراغ دہلی سے نظامیہ نصیریہ سلسلہ جاری ہوا۔

سراجیہ سلسلہ زیادہ تر صوبہ بہار و بنگال اور آسام میں پھیلا اور حضرت خواجہ سالار بن بن سے نظامیہ سلسلہ چین میں پھیلا اور حضرت چراغ دہلی کے ذریعے پنجاب، راجپوتانہ، گجرات، دکن کے علاقوں میں سلسلے کی اشاعت ہوئی۔

نظامیہ سلسلے | مغل حکومت کے آخری دور میں حضرت مولانا نظام الدین اورنگ آبادی کے فرزند حضرت مولانا فخر الدین اورنگ آباد کے مجدد | سے دہلی میں تشریف لائے۔ جو نظامیہ سلسلے کے مجدد و ثابت ہوئے۔ ان کے زمانے تک نظامیہ نصیریہ سلسلہ

تمام ہندوستان میں شائع نہیں ہوا تھا، صرف دکن میں حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز سے سلسلہ پھیلا تھا اور گجرات میں حضرت شیخ کمال الدین علامہ کے ذریعے سلسلے کی اشاعت ہوئی تھی۔ لیکن حضرت مولانا فخر صاحب نے دہلی میں بیٹھ کر اس سلسلے کی اشاعت کا بہت بڑا کام کیا۔ ان کے زمانے میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی بہت بڑے عالم اور جگت استاد عالم دہلی میں موجود تھے، جن کو حضرت مولانا فخر صاحب کی ترقی اچھی معلوم نہ ہوئی اور انہوں نے ایک رسالہ لکھا، جس میں یہ اعتراض تھا کہ چشتیہ سلسلہ حضرت علی تک متصل نہیں ہوتا، کیوں کہ حضرت خواجہ حسن بصری حضرت علیؑ کے زمانے میں بہت کم عمر تھے اور کم عمری میں ان کو روحانی خلافت کیوں کر مل سکتی تھی؟ اس کے جواب میں حضرت مولانا فخر صاحب نے ایک مختار اور محققانہ رسالہ عربی زبان میں فخر الحسن کے نام سے لکھا اور عالمانہ انداز سے ثابت کر دیا کہ حضرت خواجہ حسن بصری حضرت علیؑ کے زمانے میں کم عمر نہیں تھے بلکہ روحانی خلافت کی اہلیت رکھتے تھے۔ اس کتاب کے نتائج ہوتے ہی دہلی اور ہندوستان کے علما اور مشائخ میں حضرت مولانا فخر صاحب کی دھوم مچ گئی اور دوسرے اہل علم ان سے فیض حاصل کرنے کے لیے آنے لگے۔ حضرت مولانا فخر صاحب کی روحانی تعلیم ایسی عجیب و غریب تھی کہ ان کے خلفا جہاں بھی گئے نظامیہ سلسلے کو چار چاند لگا کر روشن کر دیا۔ چنانچہ پنجاب میں حضرت مولانا نور محمد صاحب ہمارویؒ کو بھیجا گیا، جن سے سارا پنجاب منور ہو گیا اور آج تونسہ شریف، چاچڑاں شریف، سیال شریف، اگر لڑہ شریف اور جلال پور شریف وغیرہ خالق ہیں حضرت مولانا نور محمد صاحب ہمارویؒ کے فیض سے روشن ہیں۔ روہیل کھنڈ میں حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحب نیاز پوری نے نظامیہ سلسلہ چمکایا اور پھیلا دیا۔ دہلی میں حضرت حاجی لال محمد صاحب اور حضرت حافظ اقبال صاحب سے سلسلے کی بڑی اشاعت ہوئی۔ جے پور میں حضرت مولانا ضیاء الدین شریف نے گئے اور تمام راجپوتانہ کو روشن کر دیا۔ حضرت مولانا فخر صاحب کے فرزند حضرت میان قطب الدین صاحب تھے اور ان کے فرزند حضرت میان نصیر الدین کالے صاحب تھے۔ ان سے بھی سلسلہ چلا تھا، مگر زیادہ ترقی حضرت مولانا فخر صاحب کے خلفاء سے ہوئی۔

حضرت مولانا نور محمد صاحب ہمارویؒ کے خلیفہ حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسوی ہوئے، جن کے جانشین حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تھے اور ان کے جانشین حضرت حافظ موسیٰ صاحب تھے اور ان کے جانشین حضرت حامد صاحب تھے اور ان کے جانشین حضرت مولانا سید بدر الدین صاحب ہوئے۔

حضرت مولانا شاہ سلیمان صاحب کے بہت خلفا ہوئے جن میں حضرت مولانا شمس الدین صاحب سیالوی نے سلسلے کو بہت بڑھایا، جن کے ایک خلیفہ گورڈہ راولپنڈی میں حضرت مولانا سید پیر میر علی شاہ صاحب تھے، جن کے فرزند حضرت مولانا سید غلام محی الدین صاحب ہیں اور دوسرے خلیفہ پیر سید حیدر شاہ صاحب تھے، جن کا مزار جلال پور پنجاب میں ہے۔ ان کے سجادہ نشین حضرت مولانا پیر فضل شاہ صاحب ہیں۔ لیکن حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسوی کے فرزند حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب نے سلسلے کو اتنا پھیلا دیا کہ حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسوی کے خلفا ان کے زمانے تک اتنا سلسلہ نہیں پھیلا سکے تھے۔

چاچڑاں ریاست بہاول پور میں حضرت مولانا نور محمد صاحب ہمارویؒ کے خلیفہ حضرت قاضی محمد عاقل صاحب تھے۔ ان کے

۱۔ ایک وفات ۲۷ جون ۱۹۴۳ء بمقام حنفی اثنائی ۱۳۶۷ھ کو راولپنڈی میں ہوئی اور ان اگر لڑہ شریف میں اپنے والد کے پہلو میں پروٹھا کر دے گئے اب آپ کے صاحبزادہ غلام معین الدین جلدہ قتب ہیں

۲۔ ایک وفات ۲۷ جون ۱۹۴۳ء بمقام حنفی اثنائی ۱۳۶۷ھ کو راولپنڈی میں ہوئی اور ان اگر لڑہ شریف میں اپنے والد کے پہلو میں پروٹھا کر دے گئے اب آپ کے صاحبزادہ غلام معین الدین جلدہ قتب ہیں

جانشین حضرت خواجہ غلام فرید صاحب ہوئے، جن سے نظامیہ سلسلے کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی۔ ان کے جانشین حضرت محمد بخش صاحب ہوئے۔

ہزاراں شریف میں جہاں حضرت مولانا نور محمد صاحب کا مزار ہے وہاں بھی نواب بہاولپور نے جاگیریں دی ہیں۔ اس سلسلے حضرت مولانا نور محمد صاحب ہاروی کی اولاد میں کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جو سلسلے کو ترقی دیتا۔

گجرات میں حضرت شیخ کمال الدین علامہ کی اولاد جب تک دنیا داری سے الگ رہی سلسلہ پھیلتا رہا۔ دکن میں حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی درگاہ میں بھی ایک لاکھ روپے کے قریب جاگیر ہے۔ اس لیے وہاں بھی سلسلے کی اشاعت کا کام رک گیا ہے اور ناقابل اظہار خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اورنگ آباد میں بھی ایک بڑی جاگیر ہے جو حضرت میاں کالے صاحب کی اولاد کے قبضے میں ہے، اس لیے وہاں بھی سلسلے کی اشاعت کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ کیوں کہ جاگیر کی مقدمہ بازیوں کے سبب کسی کو اس طرف متوجہ ہونے کا وقت نہیں ملا۔

نظامیہ سراجیہ سلسلہ | حضرت مخدوم انجی سراج کا مزار مالوہ بنگال میں ہے۔ ان کے سلسلے کی یوپی اور بہار اور بنگال اور آسام میں بہت سی خانقاہیں ہیں، مگر سلسلے کی اشاعت سب سے زیادہ پھولاری شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا محی الدین کے ذریعے سے ہوئی۔ کٹرہ ہانک پورا اور سہرام وغیرہ مقامات میں بھی نظامیہ سراجیہ سلسلے کے مشائخ سلسلے کی اشاعت کر رہے ہیں۔ سلون ضلع رائے بریلی یوپی میں بھی ایک بڑی خانقاہ نظامیہ سراجیہ سلسلے کی ہے، جہاں جاگیر نے غفلت اور بے حسی پیدا کر دی ہے۔

الغرض مولانا فخر صاحب سلسلہ نظامیہ کے مجدد تھے اور آج کل تمام ہندوستان میں نظامیہ سلسلے کی ترقی اور رونق حضرت مولانا فخر صاحب کی مدعا نیت سے وابستہ ہے۔

صفی پور ضلع آنا د میں بھی نظامیہ سلسلے کی بہت بڑی خانقاہ ہے۔ اور یوپی میں صفی پوری مشائخ کے ذریعے نظامیہ سلسلے کی بہت اشاعت ہوئی ہے اور حیدر آباد دکن میں بھی حضرت مولانا فخر صاحب کے خلفا کی شاخیں موجود ہیں، جن سے نظامیہ سلسلہ بہار دکن میں پھیل رہا ہے۔ حضرت شاہ سلیمان تونسوی کے ایک خلیفہ حضرت حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی تھے، جن کا مزار خیر آباد ضلع سینا پور میں ہے۔ ان کے جانشین حضرت حافظ محمد اسلم صاحب بہت بڑے بزرگ تھے۔ ان کے بعد ان کے جانشین میاں امتیاز حسین صاحب ہوئے تھے۔ حضرت حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی کے خلفا حیدر آباد میں بڑے بڑے کامل گزرے ہیں، جن میں ایک خلیفہ مولانا حسن الزماں صاحب تھے، جنہوں نے رسالہ فخر الحسن کی ایک ضخیم شرح عربی زبان میں القول المستحسن کے نام سے لکھی تھی اور شائع کی تھی۔ بارہ جلدیں ضخیم اہل بیت کی لکھی تھیں، جن میں سے بعض شائع ہو چکی ہیں اور باقی تمبی ہیں اور دوسرے خلیفہ حضرت حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی کے حضرت حبیب علی شاہ صاحب حیدر آباد میں آباد تھے۔ ان سے بھی یہ سلسلہ بہت پھیلا اور تیسرے خلیفہ حضرت سردار بیگ صاحب تھے۔ ان سے بھی حیدر آباد دکن میں نظامیہ سلسلے کی بہت اشاعت ہوئی، مگر ان میں سے کوئی بھی جاگیر دار نہیں ہے۔

آستانہ عالیہ اور حضرت سلطان المشائخ خواجہ سید نظام الدین اولیا محبوب الہی کا مزار جہاں ہے، اس کے اطراف میں دیگر عمارتیں | چاروں طرف کئی کئی میل تک بے شمار قبوریں ہیں، کیونکہ یہ عقیدہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے کہ جو شخص حضرت سلطان المشائخ کے جوار اور پڑوس میں دفن ہو گا اللہ تعالیٰ اس کو نجات دے گا۔ آستانہ عالیہ اور اس کے قریب جوار کی چند مشہور قبور کا حال درج ذیل ہے:

حضرت کے مزار کے شرق میں ادھیل کے فاصلے پر جننادریا کے کنارے شہنشاہ ہمایوں کا مقبرہ ہے، جس کے گوشہ شرق و شمال میں حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ ہے اور اس خانقاہ کے غرب میں حضرت سید شمس الدین اوتار اللہ کا مزار مبارک ہے جو حضرت سلطان المشائخ کے زمانے میں تھے اور اسپین کا مشہور سیاح ابن بطوطہ بھی ان سے ملا تھا۔ یہاں منت ماننے والے لوگ چاندی کے پتے چڑھاتے ہیں اور مچھلی پکا کر نیا ز دلاتے ہیں۔ اس مزار اور مقبرہ ہمایوں کے قریب جنوب و مغرب میں عرب سرائے ہے، جہاں ہمایوں بادشاہ کی بیوی نے عربوں کو آباد کیا تھا، جو ہمایوں کی قبر پر قرآن شریف پڑھتے تھے۔ اب یہ سرائے ویران ہو گئی ہے یہ عرب لوگ سب مر گئے یا دہلی جا کر آباد ہو گئے اور غیر مسلم باشندے قریب کی نئی آبادی جنگ پورے میں چلے گئے۔ عرب سرائے کے گوشہ شمال و مغرب میں حلیمہ کا باغ ہے۔ یہاں عیسیٰ خاں کا مقبرہ اور ایک مسجد بھی ہے۔ عیسیٰ خاں شیر شاہ سوری کے امرا میں تھا۔ عرب سرائے کے غرب اور متھرا کی سڑک کے شرق میں عربوں کا قبرستان ہے، جس کو تڑب کہتے ہیں۔ اسی جگہ مولوی سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ اصفیہ کی قبر بھی ہے۔ اس کے غرب میں وہ سڑک ہے جو دہلی سے متھرا کو جاتی ہے اور سڑک کے کنارے پر شہنشاہ اکبر کے مشہور امیر اور ہندی زبان کے نامور شاعر عبدالرحیم خان خاناں کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ بھی حضرت سلطان المشائخ کے قریب کی وجہ سے بنایا گیا تھا۔ اس کے قریب انگریزوں نے نئی آبادی جنگ پورہ کے نام سے بسائی ہے۔ متھرا روڈ کے غرب میں بنگلے والی مسجد ہے جو مرزا الہی بخش صاحب مرحوم نے بنوائی تھی اور جہاں حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب رہتے تھے اور تعلیم دیتے تھے۔ وہیں ان کے اور ان کے فرزند حضرت مولانا میاں محمد صاحب کے مزارات ہیں۔ اس مسجد کے غرب میں حضرت سلطان المشائخ کا بنوایا ہوا چبوترہ تھا، جس پر حضرت کے خلفاء کے مزارات تھے۔ یہ مزارات اب بھی موجود ہیں۔ سنگ خارہ کے بڑے بڑے مقبرے ہیں گڑھی میں دب گئے ہیں۔ کیوں کہ یہاں مرزا الہی بخش صاحب نے اپنا اصطبل بنوایا تھا اور ان کے وارثوں نے یہ زمین فروخت کر دی تھی، جس کے بعد یہاں رہائش کے مکان بن گئے ہیں۔

بسنٹی برج کے غرب میں ملاہما جلال الدین خلجی کا گوشک لال ہے جہاں ابن بطوطہ ٹھہرا تھا اور عباسیوں کے آخری خلیفہ کا پوتا بھی ٹھہرا تھا اور اسی جگہ سلطان محمد تغلق کی بہن کی شادی عباسی خلیفہ کے پوتے سے ہوئی تھی۔ جنوب میں نواب لوہارو کے خاندان کی قبریں ہیں اور انہی قبروں میں مرزا غالب بھی مدفون ہیں اور مرزا غالب کی پائیں نصیل کے اندر سنگ مرمر کی ایک شاندار عمارت ہے جس کو چونسٹھ کھمبہ کہتے ہیں، جس میں شہنشاہ اکبر کے دودھ بھائی مرزا عزیز کو کلناش اور ان کے خاندان کی قبریں ہیں۔ چونسٹھ کھمبے کے جنوب میں باہر کے رخ بہت سی قبریں ہیں جو غائبانہ ڈھائی سو برس پہلے کی ہیں۔ ان میں ایک قبر مرمت کے وقت کھل گئی تھی اور اس

اندر سے سفید داڑھی کے ایک بزرگ کی لاش نکلی تھی جن کا کفن بھی سلامت تھا اور چہرے کی کھال اور بال بھی سلامت تھے۔
 بری کے گنبد کے غرب میں خان اعظم سید شمس الدین خاں اتک کا خوبصورت مقبرہ ہے، جو سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اس مقبرے
 کے غرب میں حضرت مولانا حافظ خواجہ سید موسیٰ کا مزار ہے جو درگاہ کی جالیوں سے ملا ہوا ہے۔ مزار کے شرق میں احمد یاز خواجہ جہاں
 کی بنائی ہوئی قبرجی ہے اور جالیوں کے غرب میں حضرت سلطان المشائخ کا مزار شریف ہے۔ حضرت کے مزار کے گوشہ شمال و مشرق
 میں مرادوں کا پیالہ ہے۔ یہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے، اس میں گیارہ من دودھ آتا ہے۔ اس کے قریب شمال میں نواب اعتقاد عثمان کا مقبرہ
 ہے جو عالمگیر کے زمانے میں ایک امیر تھے اور صوبہ بہار کے رہنے والے تھے۔ اس حجرے کے پاس ایک بڑی اہلی ہے۔ اس سے
 ملا ہوا درگاہ کا مالین دروازہ ہے، جس کے سامنے ایک اونچے چبوترے پر امرائے دہلی کے تاریخی اور سنگی مزارات ہیں۔ مالین دروازے
 کے غرب میں سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ہے جس پر محمد شاہ کے پوتوں کی قبریں ہیں اور ان قبروں کے شمال میں مغلوں کا بنایا ہوا
 سماع خانہ ہے۔ اس سماع خانہ کے غرب میں نواب محمد اسحق خاں صاحب اور ان کے اجداد کے مزارات ہیں اور ان سے ملے ہوئے چند
 حجرے ہیں۔ اس کے بعد علاء الدین خلجی کے ولی عہد خضر خاں کی بنوائی ہوئی مسجد ہے، جہاں حضرت سلطان المشائخ کے زمانے کا ذہ تاریخی
 سنگی چراغ دان ہے، جس میں چھ سو برس سے آج تک مرادیں ماننے والے اولاد کی مرادوں کے لیے چراغ روشن کرتے ہیں۔ اس
 چراغ دان کو مرادوں کی جھل ملی کہا جاتا ہے۔ اس چراغ دان میں بارہ طاق ہیں اور چراغ دان کے اوپر مسجد کا نشان بنا ہوا ہے اور۔۔۔
 اس چراغ دان کے غرب میں مسافر خانے کے غربی دروازے سے ملا ہوا حضرت خواجہ سالار بن
 کا مزار ہے، جو سلطان المشائخ کے مرید و خلیفہ تھے اور جن کے ذریعے چین میں نظامیہ سلسلہ پھیلا تھا۔

خضر خاں کی مذکورہ مسجد کی جنوبی دیوار سے ملحق اور حضرت سلطان المشائخ کے پائیں چشتی منزل ہے، جس کے شرق میں درگاہ کے
 اندر شاہ جہان بادشاہ کی بیٹی جہاں آرا بیگم کا مقبرہ ہے۔ اس کے شرق میں محمد شاہ رنگیلے کا مقبرہ ہے اور اس کے شرق میں بہادر شاہ کے
 بھائی مرزا جہانگیر اور مرزا بابر کا مقبرہ ہے اور اس کے شرق میں حضرت سلطان المشائخ کے منادیم خاص خواجہ عبدالرحمن کا مزار ہے، جس
 کے اطراف میں مرزا الہی بخش اور ان کی اولاد کی قبریں ہیں۔ مقبرہ مرزا جہانگیر کے جنوب میں حضرت مولانا خواجہ سید رفیع الدین ہرور
 کا مزار ہے اور ان کے برابر ان کے دادا خواجہ سید صالح کا مزار ہے۔ اس احاطے کے جنوب میں حضرت خواجہ سید ابو بکر مصطفیٰ بردار اور ان کے
 بھائی اور اولاد کے مزارات ہیں اور درگاہ میں آنے کا مشرقی دروازہ ہے اور اس دروازے کے اندر آتے ہی سنگ مرمر کا بنا ہوا حضرت
 حاجی لال محمد کا مزار ہے اور ان کے پائیں حضرت قطب الدین کاشانی کا مزار ہے اور اس کے پائیں اور بہت سے سنگی مزارات ہیں جن
 میں سے بعض پر کتبے لگے ہوئے ہیں۔

حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین

ولادت ————— ملتان ۶۴۷ھ

وفات ————— ملتان ۷۳۵ھ

ابتدائی حالات | شیخ ابوالفتح رکن الدین خطہ ملتان کے اولیائے مشائخ میں سے ہیں۔ شیخ صدر الدین کے فرزند۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتان کے پوتے اور حضرت جہانیاں جہاں گشت کے پیرو مرشد ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی راستی تھا، جو زہد و تقدس میں اونچا درجہ رکھتی تھیں۔ شیخ رکن الدین کی ولادت سے قبل حضرت بہاؤ الدین زکریا نے ان کے متعلق اشارہ کیا تھا۔

ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور جدا مجد نے باطنی علوم سے آراستہ کیا۔ باپ اور دادا دونوں کو بہت پیارے تھے چونکہ شیخ رکن الدین اپنے باپ اور دادا دونوں کا حد سے زیادہ احترام کرتے تھے اور کبھی ان کے سامنے آنکھیں نہ اٹھاتے تھے، اس لیے خواجہ شمس الدین تبریزی نے متاثر ہو کر انھیں رکن الدین عالم کا خطاب دیا تھا۔ اور وہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ انھیں دونوں بزرگوں کی صحبت میں انھوں نے صوری اور معنوی کمالات حاصل کیے۔ علم، تواضع، شفقت، حلم، موافقت، بشاشت، مروت، عفو، حیا، وقار، حسن ظن اور تصغیر نفس جملہ صفات ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں اور انھوں نے مکاشفہ و محاسبہ سے اتنے مدارج طے کر لیے تھے کہ ان کو "مخزن مشہود الہی" مینبج جو نامتناہی، اور بیس خلوت و وحدت، برجیس برج معرفت، گوہر معدن، صفات لاریب، لورے سہم اور یائے غیب، زبدۃ المشائخ، مفتاح قفل حق الیقین، کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ سیر العارفین کے مؤلف نے ان کے روحانی مرتبہ کی مدح ان الفاظ میں کی ہے:

جہان معرفت سلطان معنی	وجودش آیتے در شان معنی
دلش از طلعت امرا مسرور	ہمیشہ جانش از انوار محمور
باطن در حقیقت رفتہ بے باک	بہ ظاہر در شریعت چست چالاک
بریدہ گردن شیطان خناس	قریدلش ز تیغ پاسی افناس
بلک فقر از کشف و کرامات	زود بر عرش کوشش استقامات
کلامش پاک از طامات و از شطح	یگانہ شیخ رکن الدین ابوالفتح
بلک فقر جز نعمت نبودش	جمالی ریزہ چین خوان بودش

زہد و ریاضت | شیخ کے متعلق ان کے خلیفہ حضرت جہانیاں جہاں گشت لکھتے ہیں کہ آپ تہجد کے وقت سے دوپہر تک عبادت

دریاضت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ جب والد کی مسند خلافت پر تشریف فرما ہوئے تو عمر مبارک چھتیس برس کی تھی۔ اس وقت تک درجہ کمال کو پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیضیاب ہوتے۔ حاجت مندوں کی حاجت اٹائی فرماتے۔ چنانچہ لوگ انہیں قبلہ حاجات کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ کشف کی یہ حالت تھی کہ دل کی بات جان لیا کرتے تھے اور جو حاجت مند آتا اس سے کچھ سنے بغیر اس کی دلجوئی فرما دیا کرتے تھے۔

عوام کے علاوہ بادشاہوں سے بھی آپ کے تعلقات تھے اور امراء بھی آپ کے معتقد اور غلام تھے۔ آپ کے زمانہ میں علاؤ الدین خلجی دہلی کے تخت پر متمکن تھا۔ آپ ایک مرتبہ ملتان سے دہلی تشریف لے گئے تو سلطان نے شاہانہ شان و شوکت سے آپ کا استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنے محل میں لے گیا، بہت سارے وزیر و پیر نذر کیا۔ رخصت کے وقت مزید رقم پیش کی۔ شیخ نے رقم قبول فرمائی مگر ساری کی ساری وہیں فقرا میں تقسیم کر دی، ساتھ کچھ نہ لے گئے۔

خواجہ نظام الدین اولیا حضرت نظام الدین اولیا سے آپ کو بہت محبت تھی۔ خواجہ نظام الدین بھی آپ کی بہت عزت کیا کرتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں، میں ملتان سے دہلی صرف خواجہ کی زیارت کے لیے گیا تھا، چنانچہ جب سلطان علاؤ الدین استقبال کو آیا تو خواجہ نظام الدین اولیا بھی آپ کی عزت افزائی کے لیے وہاں تشریف لائے تھے، اگرچہ آپ سلطان کے ہاں جہان ٹھہرے مگر زیادہ وقت خواجہ نظام الدین اولیا کے ساتھ بسر کیا کرتے تھے۔

ایک اور موقع پر جب آپ دہلی تشریف لائے تو نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے۔ خواجہ نظام الدین اولیا وہاں پہلے سے موجود تھے۔ نماز ختم ہو گئی تو خواجہ نظام الدین اپنی جگہ سے اٹھے اور شیخ رکن الدین کے پاس آئے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے بڑی گرم جوشی سے معانقہ کیا۔ باتیں ہوتی رہیں پھر دونوں بزرگ اپنے اپنے ڈولے میں سوار ہو کر چلے گئے۔

چند واقعات ایک مرتبہ شیخ رکن الدین خواجہ صاحب سے ملاقات کے لیے ان کی خانقاہ میں تشریف لے گئے۔ شیخ کے پاؤں میں تکلیف تھی اس لیے جب ڈولے سے باہر آنے لگے تو خواجہ صاحب نے انہیں باہر آنے سے روک دیا اور خود اپنے مریدوں کے ساتھ ڈولے کے پاس ہی بیٹھے رہے اور باتیں ہوتی رہیں۔ اس گفتگو کا حال بیان کرتے ہوئے بزم صوفیہ کے مصنف لکھتے ہیں: شیخ رکن الدین کے بہائی شیخ عماد الدین اسمعیل کے دل میں بعض علمی نکات حل کرنے کا سوال پیدا ہوا اور دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کیا کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا مصالحت تھی۔ حضرت شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت ہی پر موقوف و منحصر تھی اس لیے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب جلوہ فرما ہوئے۔ حضرت محبوب الہی نے ارشاد فرمایا کہ اس مسئلہ میں میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب کو مدینہ طیبہ اس لیے بھیجا کہ وہ اصحاب مدینہ جو نبی بے بضاعتی کی وجہ سے مکہ معظمہ حاضر ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات باریکات سے مستفیض و مستفید ہو کر ظاہری و باطنی کمالات میں مکمل ہو جائیں۔

اس گفتگو کے بعد حضرت محبوب الہی نے ڈولے کے پاس کھانا منگا دیا اور کھانے کے بعد اعلیٰ درجہ کا کپڑا ادا سوا شرفیاں

شیخ رکن الدین کی خدمت میں بہ طور نذر پیش کیں۔ اشرافیوں کو دیکھ کر حضرت رکن الدین نے حضرت نظام الدین اولیا کو مخاطب کر کے فرمایا اُسْتُرْ ذَهَبَكَ (یعنی آپ اپنا سونا چھپائیے)، لیکن حضرت محبوب الہی نے جرتہ جواب دیا اُسْتُرْ ذَهَبَكَ وَ ذَهَابَكَ وَ صَدُّ هَبَكَ (یعنی اپنے سونے کو جانے کو (مراد وارسلوک) اور جانے کی جگہ کو چھپائیے، اس میں تجنیس لفظی بھی قابل غور ہے۔ حضرت شیخ رکن الدین نے ان نذرانوں کو قبول کرنے میں تامل کیا تو حضرت محبوب الہی نے ان کے بھائی شیخ عموالدین اسمعیل کے حوالے کر دیا۔

شیخ رکن الدین کے قیام دہلی کے زمانہ میں بابا گنج شکر کے عرس کے دن اُگنے، چنانچہ پاک پٹن کی طرح دہلی میں بھی عرس منایا گیا۔ عرس میں شیخ رکن الدین اور خواجہ نظام الدین دونوں شریک تھے۔ مجلس سماع میں خواجہ صاحب پر وجد طاری ہو گیا اور اضطراب کی حالت میں کھڑا ہونے لگے، لیکن شیخ رکن الدین نے انہیں پکڑ کر بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر خواجہ صاحب پر وہی کیفیت طاری ہو گئی اور کھڑے ہو گئے۔ اس مرتبہ شیخ رکن الدین نے انہیں بٹھایا نہیں بلکہ دوسرے بزرگوں کی طرح خود ہی دستہ نوؤب کھڑے ہو گئے۔ جب محفل سماع ختم ہوئی تو کسی نے شیخ رکن الدین سے دریافت فرمایا کہ کیا وجہ تھی پہلی مرتبہ جب خواجہ صاحب کھڑے ہونے لگے تو آپ نے انہیں بٹھا دیا، مگر دوسری مرتبہ آپ نے ایسا نہ کیا۔ شیخ نے فرمایا پہلی مرتبہ خواجہ کی رسائی عالم ملکوت تک ہوئی تھی جہاں تک میرا بھی گزر ممکن تھا اس لیے میرا ہاتھ وہاں تک پہنچ گیا اور انہیں بٹھا دیا۔ دوسری مرتبہ ان کی رسائی عالم جبروت میں ہوئی اور وہاں تک میں نہیں پہنچ سکا، اس لیے خاموش رہا۔

ایک اور موقع پر شیخ رکن الدین ملتان سے دہلی آئے تو خواجہ نظام الدین سے بھی ملنے گئے۔ عشرہ ذی الحجہ کا دن تھا۔ جب ملاقات ہوئی تو شیخ نے خواجہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا، یہ حج کا زمانہ ہے میں حج سے بہرہ ور تو نہیں ہو سکا مگر آپ کی زیارت سے مجھے حج کا ثواب ضرور پہنچ سکتا ہے۔ خواجہ نظام الدین یہ سن کر ابدیدہ ہو گئے اور شرمندگی کا اظہار کیا۔

ایک شخص نے خواجہ نظام الدین سے کہا کہ میں آپ کے پاس آتا ہوں تو آپ ہمیشہ مجھے کچھ نہ کچھ کھلاتے ہیں مگر شیخ رکن الدین کے پاس کئی مرتبہ گیا انہوں نے کبھی مجھے کچھ نہیں کھلایا۔ خواجہ صاحب نے جواب دیا میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں:

مَنْ نَرَا رَحِيماً ذَكَرَ مِنْهُ شَيْئاً كَانَتْ نَاراً رَئِيَةً (یعنی جو شخص زندہ کی زیارت کرے اور اس کے یہاں کچھ نہ چکھے تو گویا اس نے مردے کی زیارت کی) اس شخص نے پوچھا کیا شیخ رکن الدین تک یہ حدیث نہیں پہنچی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا، شیخ عمل معنوی کرتے ہیں اور ذوق روحانی چکھاتے ہیں۔

اس شخص کی شیخ رکن الدین سے ملاقات ہوئی تو اس نے شیخ سے کہا خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ شیخ رکن الدین ذوق روحانی دیتے ہیں اور میں ذوق جسمانی دیتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا، بھائی! نظام الدین نے تو اصرار کیا ہے اور ان میں دونوں وصف ہیں وہ ذوق روحانی بھی عطا کرتے ہیں اور ذوق جسمانی بھی۔

شیخ عثمان | چونکہ شیخ رکن الدین کو خواجہ صاحب سے بہت الفت تھی، اسی لیے اپنے محبوب غلیفہ شیخ و جیہہ الدین عثمان سیاح سنائی

کو ان کے قریب دہلی ہی میں قیام کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ شیخ وچہرہ الدین کا مزار مبارک بھی دہلی ہی میں ہے۔ آپ سنام سے سیاحت کے لیے نکلے اور دہلی پہنچے تو ایک جگہ نہر کے قریب شیخ رکن الدین کو نماز پڑھتے دیکھا۔ جب ان کے چہرہ مبارک پر نظر پڑی تو عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور وہیں ان سے ارادت ہو گئی۔ شیخ انہیں اپنے ساتھ ملتان لے گئے، یہاں وہ دو سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ کلام پاک حفظ کیا اور شیخ شہاب الدین کی کتاب عوارف بھی شیخ سے پڑھی۔ شیخ رکن الدین خود فرماتے ہیں کہ شیخ عثمان جس دن میرے مرید ہوئے اسی دن سے انہوں نے ترک دنیا اور تجرد کلی اختیار کر لیا۔ بدن پر ایک چھوٹے سے کپڑے کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ حج بھی اسی بے سرو سامانی کی حالت میں کیا۔ ایک سال مدینہ منورہ میں رہ کر دو مرتبہ حج بیت اللہ شریف کیا، پھر دوسرے ملکوں کی سیاحت کو چلے گئے۔

سات سال کے بعد ملتان آ کر مرشد سے ملے۔ مرشد نے گلے سے لگایا اور سر کو بوسہ دیا۔ اپنا پیراہن انہیں پہنایا اور اپنی دستار ان کے سر پر رکھی۔ کچھ روز اپنے پاس رکھا پھر دہلی بھیج دیا۔ فرمایا وہیں رہنا جہاں خواجہ نظام الدین اولیا تشریف رکھتے ہیں۔ فرمایا وہاں جا کر خواجہ سے میرا سلام کہنا اور جو جگہ تمہارے رہنے کے لیے پسند کریں وہیں قیام کرنا۔ چنانچہ آپ نے اسی طرح کیا اور خواجہ صاحب کی صحبت میں رہ کر دین و دنیا کی کامرانی حاصل کرتے رہے۔

خواجہ صاحب کو سماع کا بہت شوق تھا اور اکثر سماع کی مجلسیں منعقد کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے شیخ عثمان بھی سماع کے بہت دلدادہ واقع ہوئے تھے چنانچہ دونوں بزرگوں کی صحبت بہت اچھی رہی۔ ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اپنی قیام گاہ پر تشریف فرما تھے کہ سامنے سے امیر حسن قوال اپنے ساتھیوں کی معیت میں گزرا۔ امیر حسن حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کو بہت عزیز تھا اور اس کے گانے پر فریفتہ تھے۔ امیر حسن کو بھی علم تھا کہ شیخ اور حضرت خواجہ میں گہرے تعلقات قائم ہیں۔ چنانچہ شیخ کی خدمت میں آکر دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ شیخ عثمان قوال کے ساتھ بڑی اچھی طرح پیش آئے اور کچھ سنانے کی فرمائش کی۔ اس زمانے میں سلطان دہلی غیاث الدین تغلق نے سلمہن پر پابندی لگا رکھی تھی۔ چنانچہ امیر حسن نے گانا سنانے میں تامل کیا۔ شیخ عثمان نے دروازہ بند کر دیا اور اصرار کیا کہ ضرور کچھ سنا یا جائے۔ چونکہ سماع خلاف قانون تھا، اس لیے امیر حسن نے نہایت دھیمی آواز میں گانا شروع کیا اور اس مصرعہ کو

زاہد زویں برآمد و صوفی زاعتقاد
ترسا محمدی شد و عاشق بہاں کہ بہت

بار بار پڑھا تو شیخ بے خود ہو گئے اور قوال سے فرمائش کی کہ زور زور سے گائے۔ قوال بھی شیخ کے جذبے اور بے خودی کو دیکھ کر بے اختیار ہو گیا اور اونچی آواز سے گانے لگا۔ شیخ نے دروازہ کھولنے کا حکم دے دیا۔ جونہی دروازہ کھلا کئی اور قوال بھی وہاں پہنچے پھر دوسرے مشائخ اور صوفیہ بھی محفل میں آگئے۔ سماع بڑے زور شور سے ہونے لگا۔ کئی ہزار تماشاہی بھی جمع ہو گئے اور کئی لوگوں کو وجد آنے لگا۔ شیخ عثمان مذکورہ بالا شعر پڑھتے ہوئے بے خودی کے عالم میں مجلس سے نکل کر تغلق آباد کی جانب چل دیے۔ قوال بھی ساتھ ساتھ گاتے چلے جا رہے تھے اور لوگوں کا مجمع ان کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ شیخ تغلق آباد میں شاہی محل کے پاس پہنچے۔ بادشاہ نے دیکھا تو خیال گزرا کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اہل کاروں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ شیخ عثمان نے صوفیوں اور قوالوں کی ایک کھلی مجلس سماع منعقد کر رکھی ہے۔ یہ

سننے ہی سلطان برہم ہو گیا، مگر جلد ہی ان سے ایسا متاثر ہوا کہ حکم دیا انھیں اور ان کے ساتھیوں کو لا کر محل میں ٹھہرایا جائے۔ بادشاہ نے ان سب لوگوں کو تین دن تک شاہی مہمان کے طور پر رکھا اور خوب تواضع کی۔ جب رخصت ہونے لگے تو بادشاہ نے شیخ عثمان کو نذر پیش کی، مگر انھوں نے لینے سے انکار کر دیا اور غیث پور کی طرف چلے گئے۔

بادشاہوں کے ساتھ شیخ رکن الدین کے تعلقات محض خدا کی خاطر اور لوگوں کی خدمت کے لیے تھے۔ جب علاؤ الدین خلجی کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین خلجی تخت نشین ہوا تو خواجہ نظام الدین اولیا سے اسے عناد ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے دوسرے علماء اور شیوخ سے تعلقات بڑھالیے۔ اس نے شیخ رکن الدین سے بھی اپنی شیفتگی کا اظہار کیا اور وہ بلی بلایا۔ جب وہ تشریف لائے تو بادشاہ نے پوچھا وہ بلی میں سب سے پہلے کس نے آپ کا استقبال کیا تھا۔ شیخ کو اچھی طرح علم تھا کہ بادشاہ کے دل میں خواجہ صاحب کی طرف سے عناد پیدا ہو چکا ہے تاہم آپ نے اس بات کی پروا نہ کی اور جواب دیا کہ میرا استقبال اس شخص نے سب سے پہلے کیا جو اس شہر کا سب سے اچھا آدمی ہے، یعنی خواجہ نظام الدین اولیا۔

شیخ رکن الدین کا یہ معمول تھا کہ جب کبھی بادشاہ کے ہاں جاتے راستے میں اپنی سواری ٹھہراتے جاتے تاکہ جو لوگ بادشاہ کی خدمت میں عرضیاں دینا چاہتے وہ ان کے حوالے کر دیتے۔ بعض کی معروضات زبانی بھی سننے اور بادشاہ سے بیان کرتے۔ شاہی محل کے پاس پہنچ کر دو دروازوں تک سواری چلے جاتے، تیسرے دروازے پر سلطان ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اس دروازے پر پہنچ کر سواری سے اتر جاتے اور سلطان بڑی عزت کے ساتھ انھیں دربار میں لے جاتا اور موٹوب دوزانو ہو کر بیٹھ جاتا۔ پھر شیخ ان کے سامنے لوگوں کی درخواستیں پیش کرتے۔ بادشاہ ہر درخواست کو غور سے پڑھتا اور اس کے اوپر ہی اسی وقت حکم لکھ دیتا۔ واپسی پر شیخ ان تمام درخواستوں کو ساتھ لے جاتے اور راستہ میں درخواست دینے والوں کو دیتے جاتے۔

غیث الدین تغلق سے بھی شیخ رکن الدین کے تعلقات خوشگوار رہے۔ ایک مرتبہ جب بادشاہ بنگالہ کی مہم سے کامیاب کراہا واپس آ رہا تھا تو شیخ خاصی دُور تک اس کے استقبال کے لیے گئے تھے۔ رات کو سلطان کے ساتھ جس جگہ کھانا کھا رہے تھے اس جگہ سے متعلق کشف باطن سے شیخ کو معلوم ہوا کہ اس کی دیوار اچانک گر جائے گی، چنانچہ شیخ کھانا چھوڑ کر باہر چلے آئے۔ سلطان سے بھی فریاد کیا گیا مگر اس نے باہر آنے میں دیر کر دی، دیوار گر گئی اور سلطان اس کے نیچے دب کر ہلاک ہو گیا۔

غیث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق دہلی کا بادشاہ بنا تو اس سے بھی شیخ کے خوشگوار مراسم رہے۔ اس کے ہاں اگر وہاں بھی رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب خواجہ نظام الدین اولیا مرض الموت میں مبتلا تھے۔

وفات | جمعرات ۱۶ رجب ۷۳۵ھ نماز مغرب کے بعد ادا بین پڑھ رہے تھے اور مسجد میں تھے کہ اسی حالت میں روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ مکان میں والد ماجد اور جد ماجد کے مزار کے قریب ہی دفن کیے گئے۔ وفات سے تین ماہ قبل لوگوں سے میل جول اور بات چیت بالکل ترک کر دی تھی، صرف نماز جماعت کے لیے کمرہ سے باہر تشریف لاتے۔

کشف و کمالات | کہا جاتا ہے کہ آپ کو لوگوں کے دل کی باتوں کا از خود علم ہو جایا کرتا تھا، گویا کشف سے دونوں کا حال جان لیا

کرتے تھے، اسی لیے ابو الفتح لقب پایا۔ شیخ کے ایک مرید نے مجمع الاخبار کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی (اس کتاب کا ذکر مولانا عبدالحق دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخبار میں بھی کیا ہے) جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے ایک مرتبہ مولانا ظہیر الدین بیگ سے پوچھا کہ کیا تم نے شیخ رکن الدین کی کوئی کرامت بھی دیکھی ہے؟ مولانا نے کہا کہ ہاں ایک دفعہ جمعہ کے دن ہم ان سے ملاقات کے لیے گئے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ میں بھی عالم ہوں، مگر میری طرف کوئی رجوع نہیں کرتا شاید شیخ رکن الدین کے پاس کوئی عمل ہے۔ میں نے سوچا کہ دوسرے دن صبح شیخ سے پوچھوں گا کہ وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں کیا حکمت ہے۔ چنانچہ جب میں رات کو سو گیا تو خواب میں دیکھا کہ شیخ رکن الدین مجھے ملو کھلا رہے ہیں اور اس کی شیرینی صبح تک میری زبان پر قائم رہی۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر یہی کرامت ہے تو اس طرح تو شیطان بھی لوگوں کو گمراہ کر سکتا ہے۔ پھر جب میں شیخ کی خدمت میں پہنچا تو دیکھتے ہی فرمایا میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ گفتگو شروع ہوئی تو فرمایا، جنابت دو طرح کی ہے: جسم کی جنابت اور دل کی جنابت۔ جسم کی جنابت کا سبب تو صاف ظاہر ہی ہے، مگر دل کی جنابت نامہوار لوگوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے، مگر دل کی جنابت آنکھوں کے پانی سے دور ہوتی ہے۔ پھر فرمایا، پانی میں تین صفتیں ہیں، رنگ، بو اور مزہ، اسی لیے شریعت نے وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے۔ کلی سے پانی کا مزہ معلوم ہو جاتا ہے اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی بو کا پتلا چل جاتا ہے۔ پھر فرمایا جس طرح شیطان کسی نبی کی شکل اختیار نہیں کر سکتا، اسی طرح وہ شیخ حقیقی کی صورت بھی اختیار نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل مطابعت حاصل ہوتی ہے۔

مولانا ظہیر الدین کا بیان ہے کہ جب شیخ یہ باتیں بیان فرما رہے تھے میرے تمام جسم سے پسینہ جاری تھا۔

تواضع کے بارے میں آپ کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عرب درویش آپ کی خانقاہ میں ٹھہرا۔ آپ نے اپنے خادم خاص کے ذریعہ سے اسے کھانا بھجوا دیا۔ خادم نے درویش سے پوچھا کیا تم حضرت شیخ کو دیکھنا چاہتے ہو۔ اس نے کہا میری کیا مجال کہ میں انہیں دیکھوں۔ خادم واپس آیا تو شیخ رکن الدین سے یہ ماجرا بیان کر دیا۔ شیخ نے فرمایا میں خود اس کے پاس جاؤں گا چنانچہ جب دیکھا کہ درویش نازع بیٹھا ہے تو اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے منزل مقصود تک پہنچا کر سرفراز فرمایا۔

ایک شخص شیخ کی خدمت میں آیا اور کہا میں آپ کے استاد کے لڑکوں میں سے ایک لڑکا ہوں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کے باپ سے آپ نے سورہ اخلاص پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا تم میرے آقا زادہ ہو تم مجھے اس طرح حکم دو جس طرح ایک آقا اپنے غلام کو حکم دیتا ہے۔ اس نے کہا مجھے دنیا کا مال چاہیے۔ آپ نے اسی وقت اسے بہت سامان دے کر رخصت کیا۔

آپ کی غذا بہت کم ہوتی تھی۔ دودھ میں کچھ میوے ڈال کر کھالیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ گھر والوں نے ایک طبیب سے کہا کہ شیخ بہت کم غذا کھاتے ہیں۔ طبیب نے آپ کی غذا منگوائی اور اس میں سے چند لقمے کھائے مگر گرانی محسوس کی۔ کہنے لگا اب سات دن تک کھانے کی ضرورت محسوس نہ ہوگی۔ کیوں کہ بندگوں کے کھانے میں کمیت سے زیادہ کیفیت ہوتی ہے۔

حضرت شیخ رکن الدین کی کسی تصنیف کا کہیں کوئی ذکر نہیں، مگر مجمع الاخبار میں ان کے وصایا و ملفوظات درج ہیں، جن کے کچھ

اقتباسات اخبار الاخبار میں نقل کیے گئے ہیں۔ مؤخر الذکر کتاب کی مدد سے حضرت شیخ رکن الدین کی صوفیانہ معلومات بہرہ ناطقین کی طرف سے
ہیں: اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں:

آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے، صورت اور صفت۔ ان میں سے قابل اعتنا آدمی کی صفت ہے۔ خدائے عزوجل صورتوں کو نہیں بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے۔ اگر کسی کا دل اوصاف ذمیرہ سے بڑھے تو اس کا شمار بہائم میں ہے۔ اوصاف ذمیرہ کو دور کرنے کے لیے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے اور تزکیہ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک بندہ خدائے عزوجل سے التجا و استعانت نہ کرے، یعنی اس کی بارگاہ میں گڑگڑائے اور اس سے مدد طلب کرے۔ التجا و استعانت سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے فضل اور رحمت حاصل ہوتی ہے۔ فضل و رحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم بنیاد میں اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں اور عظمت الہی کے انوار کے پرتوں سے ساری کائنات اس کی نظر میں بیچ ہو جاتی ہے۔ دنیا کے پھندوں میں پھنسے رہنے والوں کی وقعت اس کے دل سے بالکل جاتی رہتی ہے اور جب اس کے قلب پر یہ کیفیت مستولی ہو جاتی ہے، تو اس کے اوصاف فرشتوں کے اوصاف میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور اس میں ظلم کے بجائے عفو و غضب کے بجائے علم، کبر کے بجائے تواضع، بخل کے بجائے سخاوت اور حرص کے بجائے ایثار کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں، مگر یہ خوبیاں عقوبی کے طلب کرنے والوں کے لیے ہیں۔ طالبان حق کے اوصاف اور بھی بلند تر ہیں۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ہر شخص کی عقل کام نہیں دیتی۔

عہد سیت مررا کہ نگیرم بجز تو دوست شریطیت مررا کہ نخواستہم بجز تو بیچ

ایک دوسرے موقع پر اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آج تک کسی کے ساتھ نہ نیکی کی نہ بدی۔ حاضرین نے استعجاب سے پوچھا کہ امیر المؤمنین! بدی تو خیر آپ سے نہیں ہو سکتی، مگر نیکی کے متعلق آپ کیا فرما رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ حق و عملاً کا قول ہے کہ جس نے اچھے کام کیے اپنے نفس کے لیے کیے اور بڑے کام کیے تو بھی اپنے نفس کے لیے کیے۔ پس جو کچھ نیکی یا بدی مجھ سے صادر ہوئی وہ درحقیقت میرے لیے تھی نہ کہ دوسروں کے لیے۔ اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین لکھتے ہیں:

ایک مائل کو دنیا و آخرت کے لیے اتنی نصیحت کافی ہے، بزرگوں نے کہا

سلاح این کس صلاح اولین است

یعنی ایک شخص کا ہتھیار اس کی نیکی ہے۔

چون ہی دانی ہر آنچه کاری دروے آخر بہہ حال نکو کاری بہ

فرماتے تھے کہ اعضاء و جوارح کو شرعی ممنوعات سے قائل و عملاً باز رکھنا چاہیے۔ لایعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے اس سے مراد

ایسی مجلس ہے جو حق تعالیٰ سے برگشتہ کر کے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے۔ بطالوں سے بھی احتراز ضروری ہے۔ بطال وہ لوگ ہیں جو طالب حق نہیں۔

حضرت مولانا ضیاء الدین نخشیؒ

وفات ۷۵۱ھ

حضرت مولانا ضیاء الدین نخشی ہندوستان کے گوشہ نشین بزرگ، سلوک و طریقت کے بادشاہ اور بہت بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ تصوف اور معرفت و حکمت پر کئی تصانیف چھوڑیں۔

نام و نسب اور ابتدائی حالات | آپ کا نام ضیاء الدین اور نخشی تخلص تھا۔ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ ظاہری اور باطنی کمالات کے باعث بہت شہرت پائی۔ شیخ حمید الدین ناگوری کے پوتے شیخ فرید سے بہت عقیدت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ خواجه نظام الدین اولیاء کے مرید تھے، مگر اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

”حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے زمانے میں تین شخص ضیاء الدین نام کے تھے۔ ضیا سنانی جو منکر شیخ تھے، ضیا برنی جو شیخ کے معتقد اور مرید تھے، ضیا نخشی جو شیخ کے منکر تھے اور نہ معتقد۔“

ضیاء الدین نخشی نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی اور لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ تنہائی میں عبادت کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے کام میں گئے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کے حالات کی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔ اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء میں آپ کا سال وفات ۷۵۱ھ بتایا گیا ہے۔ سن پیدائش کا صحیح علم نہیں ہو سکا۔

تصانیف | آپ نے کئی تصانیف چھوڑیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱۔ سلک السلوک ۳۔ کلیات و جزئیات

۲۔ عشرہ مبشرہ ۴۔ شرح دعائے سریانی

۵۔ طوطی نامہ

آپ کی ایک تصنیف کا نام گلریز بتایا جاتا ہے۔ ناموس اکبر کے نام سے بھی آپ نے ایک کتاب تالیف کی جس میں صوفیانہ انداز سے بدن کے اعضا یعنی آنکھ، کان، ہاتھ، ناک، پاؤں وغیرہ کے اوصاف بتانے گئے ہیں۔

ان میں سے سنک السلوک اور طوطی نامہ زیادہ مقبول ہوئیں۔ طوطی نامہ ۳۳۷ھ میں لکھی گئی۔ اس میں عبرت آموز اور نتیجہ خیز کہانیاں ہیں۔ ۱۷۹۲ء میں ایک انگریز نے اسے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ترکی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکی ہے۔

سلک السلوک معرفت و سلوک سے متعلق ہے۔ اس میں الگ الگ عنوانات کے تحت تصوف کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ ہر مسئلہ الگ باب کے طور پر لکھا گیا ہے۔ کل ۱۵۱ ابواب ہیں۔ ابتدا میں تصوف کی اصطلاحات بتائی گئی ہیں اور ان کی تشریح کی گئی

ہے۔ صوفیاء نکات و رموز کو حکایتوں کے انداز سے واضح کیا گیا ہے۔ مثلاً جہاں آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رات کو یاد الہی کرنی چاہیے وہاں فرماتے ہیں:

ایک دن ایک خواجہ نے ایک لونڈی خریدی۔ جب رات ہوئی لونڈی سے کہا اے کنیز! میرا بچھونا درست کر دے۔ لونڈی نے کہا اے مولیٰ! کیا تمہارے بھی مولا ہے۔ خواجہ نے کہا ہاں۔ لونڈی نے پوچھا کیا وہ بھی سوتا ہے؟ خواجہ نے کہا نہیں۔ لونڈی نے کہا تمہیں شرم نہیں آتی، تمہارا مولا تو جاگے اور تم سو رہو۔

اسی طرح یہ تلقین کرنا چاہتے ہیں کہ نفس کا محکوم ہونے کی نسبت کسی کا محکوم ہونا بہتر ہے۔ تو فرماتے ہیں:

”ایک سادہ نشین بر جمعہ کو اپنی خانقاہ سے مسجد جانے کے لیے باہر نکلتے تھے، جس کسی کو دیکھتے پوچھتے کہ مسجد کا راستہ کونسا ہے، ایک بار ایک شخص نے کہا تم کو برسوں مسجد جاتے ہو گئے، لیکن راستہ یاد نہیں۔ انہوں نے کہا میں جاتا ہوں، مگر محکوم ہو کر چلنا حاکم ہونے سے بہتر ہے۔ چاہیے کہ اپنی ذات کو دوسروں کی طفیل میں سمجھے۔“

یہ انداز بیان اور زیادہ دلچسپ اور دل پذیر بن جاتا ہے، جب ہر حکایت ”بشنو“ ”بشنو“ سے شروع ہوتی ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں:

”سنو سنو! ایک دفعہ موسیٰ کو حکم ہوا تھا کہ تمہاری قوم میں جتنے نیک ہیں ان کو بدوں سے الگ کر دو۔ موسیٰ نے آواز دی، بہت سے لوگ باہر آئے۔ حکم ہوا ان میں سے نیکوں کو چن لو۔ موسیٰ نے ان میں سے ستر آدمی نکالے۔ فرمان ہوا موسیٰ! ان میں سے بھی چنو۔ چنانچہ آپ نے ستر میں سے سات چنے۔ پھر حکم ہوا کہ ان میں سے بھی چنو۔ تب ان میں سے تین چنے۔ حکم ہوا اے موسیٰ! میرے نزدیک یہ تینوں سب سے بڑے ہیں، کیوں کہ جب انہوں نے سنا کہ تم نیکوں کو پکارتے ہو تو یہ اپنے کو نیک سمجھ کر باہر آئے۔“

اے عزیز اگر کوئی عبادت نہ کرے تو اس سے بہتر ہے کہ عبادت کرے اور فخر کرے۔ شریعت میں مدعا علیہ کو قید کرتے ہیں، لیکن طریقت میں مدعی کو قید خانہ بھیجا جاتا ہے۔

ایک اور حکایت سنئے:

”سنو سنو! ایک بقال نے ایک شخص کو شیر پر سوار اور سانپ کو کوزا بنائے ہوئے دیکھا۔ دیکھ کر کہا یہ آسان ہے لیکن ترازو کے دونوں پلڑوں میں بیٹھنا مشکل ہے۔“

اور ایک حکایت بیان کرتے ہیں:

”سنو سنو! ایک بزرگ نے چاہا کہ بازار جا کر کچھ خریدے۔ دینار کو گھر میں تو لا، جب بازار لے گئے تو دینار گھر کے

وزن سے کم نکلا۔ رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا کیوں روتے ہو۔ فرمایا جب گھر کی چیز یہاں ٹھیک نہیں ہوئی تو قیامت میں دنیا کی باتوں کا کیا حال ہوگا۔

ان حکایات میں زیادہ سے زیادہ تاثر پیدا کرنے کے لیے جا بجا ان میں اپنے قطعات بھی لکھتے ہیں۔ مثلاً:

”سنو سنو! وہ سب بن منبر کہتے ہیں کہ کعب احبار مسجد میں سب صفوں کے پیچھے کھڑے ہوتے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس میں کیا بھید ہے۔ فرمایا میں نے تورات میں دیکھا ہے کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے لوگ ہوں گے کہ جب وہ مسجد میں سجدے کریں گے اور انھوں نے سر بھی نہ اٹھایا ہوگا کہ ان سے پیچھے والوں کو خدا بخش دے گا۔ میں اسی سبب سے سب سے پیچھے کھڑا ہوتا ہوں تاکہ ان کے سجدے سے میرا کام بن جائے۔“

نخشہ درمیاں میں خود را قطرہ را چہ سیلے مے خوانی

ہم کس در طفیل تو گذرد گر تو خود را طفیل کس دانی

”ایک بار ایک خلیفہ نے ایک بوڑھی عورت کے لڑکے کو قید کر دیا۔ بوڑھی عورت نے خلیفہ کے پاس پہنچ کر فریاد کی اور کہا کہ میرے لڑکے کو رہا کر دیجیے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ جب تک میں خلیفہ ہوں تیرا لڑکا قید سے رہا نہیں کیا جائے گا۔ بوڑھی عورت نے یہ سن کر آسمان کی طرف دیکھا اور درد بھری آواز سے بولی:

اے سلطان عالم! دنیا کی قید و رہائی تیری قدرت میں ہے، لیکن تیرے خلیفہ نے جو حکم دیا ہے کیا تو نے اسے سنا نہیں معلوم کہ اب تو کیا حکم دے گا۔ بوڑھی عورت کی یہ بات خلیفہ نے سنی تو اس کے دل میں حسم پیدا ہوا اور اس کے لڑکے کو قید خانہ سے باہر لانے کا حکم دیا۔ اس کو ایک خلعت دیا اور گھوڑے پر سوار کر کے بغداد کی گلیوں میں پھرایا اور ساتھ ساتھ یہ منادی کی جاتی تھی کہ ہذا اعطاء اللہ تعالیٰ علی سرخم خلیفہ و مقامہ و محلہ، یہ خلیفہ اس کے درجے اور مرتبے کے علی الرغم اللہ تعالیٰ کی عطا ہے) قطعہ

نخشہ حکم خلق چیزے نیست! مرد این راہ کجا سب در عالم

در جہاں گفت بیچکس نشود حکم حکم خداست در عالم

”سنو سنو! بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا، ستر سال عبادت کی۔ ایک دن کسی حاجت روائی کے لیے دعانا لگی لیکن دعا قبول نہ ہوئی، اپنے نفس سے برہم ہوا کہ اے نفس! اگر تیری عبادت میں اخلاص ہوتا تو میری دعا ضرور قبول ہوتی حق تعالیٰ کے یہاں سے اس زمانہ کے پیغمبر کے پاس فرمان آیا کہ اس زاہد سے کہو نفس پر ایک ساعت کا عتاب ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ قطعہ

نخشہ در عتاب خود می باش ورنہ خود باطن تو خون گرد و!

ہر کہ با نفس خود عتابے کرد از عتاب ہمہ معذورن گرد

بعض دوسری حکایتیں ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں:

• رابعہ بصری سے لوگوں نے پوچھا کیا تو ابلیس کو دشمن سمجھتی ہے۔ فرمایا نہیں۔ لوگوں نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب ملا: میں دوست کی محبت میں اس قدر مشغول ہوں کہ مجھے دشمن کی خبر ہی نہیں۔“

• سنو سنو! جب کمان کش قاب قوسین اور ادنیٰ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عالم بالا سے واپس تشریف لائے تو جبریلؑ نے پوچھا: اے محمد! جس عالم سے آپ آئے ہیں وہاں آپ نے کیا کچھ دیکھا؟ آپ نے فرمایا اس سوال کا کیا عمل ہے؟ کہ محمدؐ محمدؐ ہی سے پوچھ رہا ہے کہ تم نے کیا دیکھا۔ عَلِمَ صَنِّ عَلِمَ صَنِّ فَهِمَ صَنِّ فَهِمَ (جان لیا جس نے جان لیا، سمجھ لیا جس نے سمجھ لیا)۔“

خواجہ علی سیاح فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے سوا کوئی تمنا نہیں کہ کوئی شخص حق بات کہے اور میں اس کو سنوں یا میں حق بات کہوں اور کوئی سنے۔“

• دولت مندوں کو دولت سے چار چیزیں ملتی ہیں: جسمانی رنج، اول کی مشغولی، دین کا نقصان اور قیامت کا حساب۔ اور درویشوں کو درویشی سے چار چیزیں ملتی ہیں: جسمانی آسائش، دل کی فراغت، دین کی سلامتی اور حساب قیامت سے نجات۔“

اے درویش! ایک روز صبح سے شام تک اپنے نفس کے ساتھ جنگ کر اور دیکھ کہ کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔ مرد وہ ہیں جو اپنے نفس کے ساتھ جنگ کرتے ہیں، کیوں کہ اس کے ساتھ صلح نہیں ہو سکتی۔ میرے عزیز! یہ شخص ہمیشہ اپنے نفس کا احتساب کرتا رہتا ہے اس کے کوئی خواہش نہیں رہتی۔“

• خواجہ جنیدؒ کو لوگوں نے خواب میں دیکھا تو پوچھا آپ کا معاملہ کہاں تک پہنچا۔ انھوں نے جواب دیا: عقوبی کا کام اس سے کہیں زیادہ دشوار ہے جتنا ہم دنیا میں خیال کرتے ہیں۔“

حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ

ولادت ————— ہالنسی ۶۵۲ھ

وفات ————— دولت آباد ۷۳۸ھ

نام و نسب حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ ہندوستان کے قطب وقت اور سلطان الاولیاء کے اجل خلفاء میں سے تھے قطب المذاہبائیزید ثانی وغیرہ القاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ شہر برہان پور آپ ہی کے نام پر آباد کیا گیا۔ صاحب تصنیف بزرگ تھے۔
اسم گرامی برہان الدین تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے: برہان الدین غریب بن شیخ محمد محمود بن ناصر ہالنسی بن سلطان مظفر بن سلطان ابراہیم بن شیخ ابوبکر بن شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالرشید بن شیخ عبدالصمد بن شیخ عبدالسلام بن امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ۔
وطن آپ کا خاندان شہر ہالنسی میں آباد تھا، جہاں ۶۵۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ یہ خاندان روحانی لحاظ سے بہت اونچا درجہ رکھتا تھا۔ والد بزرگوار بڑے مقبول اور بااثر تھے۔ آپ کے حقیقی بھائی شیخ منتخب الدین خواجہ نظام الدین اولیاء کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ خواجہ گنج شکر کے خلیفہ خواجہ جمال الدین ہالنسی جن سے جمالیہ سلسلہ شروع ہوا، آپ کے ماموں تھے اور حضرت محبوب الہی کے خلیفہ مولانا قطب الدین منور آپ کے ماموں زاد بھائی تھے۔

تعلیم بچپن میں اپنے چچا سے قدوری پڑھی، فقہ، معانی، تفسیر اور حدیث کی تعلیم حاصل کی اور ہم عصروں میں جید عالم مانے جاتے تھے۔ تمام زندگی تجرؤ میں گزاری۔

قیام دہلی ان دنوں حضرت محبوب الہی کے چشمہ فیض سے ایک دنیا سیراب ہو رہی تھی، شیخ نے بھی اسی چشمہ سے منفعت حاصل کرنے کے لیے دہلی کی راہ لی اور وہاں پہنچ کر ایک مسجد میں قیام فرمایا۔ آپ کے ظاہری و باطنی کمالات دیکھ کر لوگ آپ کی خدمت میں آنے لگے۔
مقبولیت ایک دن محبوب الہی کی خانقاہ میں تشریف لے گئے اور ان کی خدمت میں تقرب حاصل کیا۔ محبوب الہی نے انہیں باورچی خانے کا نگران مقرر کر دیا۔ محبوب الہی کے مریدوں میں امیر خسرو، امیر حسن سنجر، مولانا ابراہیم طشت دار، سید خاموش، خواجہ مبشر، سید حسین وغیرہ بھی تھے۔ شیخ برہان الدین ان کی صحبت میں بھی رہا کرتے اور ان کی شیریں کلامی سے حظ اٹھاتے۔ ان دنوں شیخ نصیر الدین چنانچہ دہلی اور ہند میں تھے۔ وہ بھی کبھی کبھی اس خانقاہ پر آتے اور شیخ برہان الدین کے پاس رہ کر ان سے درس لیتے۔

لے آپ کی وفات دولت آباد (دیوگیر) میں ہوئی اور جس جگہ مزار ہے وہ جگہ خند آباد کے نام سے مشہور ہے۔ دولت آباد اب ایک ویران قصبہ ہے۔

جو اورنگ آباد کے ضلع میں واقع ہے۔

جب شیخ برہان الدین درجہ کمال کو پہنچے تو حضرت محبوب الہی نے خلافت سے سرفراز فرمایا اور کئی موقعوں پر محبوب الہی حضرت
حضرت شیخ کے کمالات کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی مجلس میں بایزید بسطامی کی بزرگی کا ذکر ہو رہا تھا، محبوب الہی نے
فرمایا ہم بھی ایک بایزید رکھتے ہیں۔ کسی نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ فرمایا "جماعت خانہ میں"۔ اس شخص نے جماعت خانے میں جا کر دیکھا
تو برہان الدین وہاں بیٹھے تھے۔

معرفت شیخ برہان الدین کو بھی مرشد سے بہت محبت تھی۔ ان کے بھائی منتخب الدین کی وفات کے بعد محبوب الہی نے انھیں دکن
جانے کا حکم دیا کہ وہاں تبلیغ دین کریں۔ آپ کو مرشد سے جدا ہونا گوارا نہ تھا، مگر حکم سن کر فرمایا کہ نعلین مبارک سے جدا ہو جاؤں گا۔ مرشد
نے فرمایا، نعلین بھی ساتھ لے جاؤ۔ پھر فرمایا مجلس سے الگ ہو جاؤں گا۔ محبوب الہی نے فرمایا مجلس میں جتنے لوگ بیٹھے ہیں ان کو بھی
ساتھ لے جاؤ۔ اس وقت مجلس میں سات سو کے قریب لوگ بیٹھے تھے جن میں امیر حسن سنجری، بابا کمال خجندی، شیخ جام اور شیخ فخر الدین
بھی تھے۔ چنانچہ آپ سات سو آدمیوں کو لے کر دولت آباد روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر اٹھائیس انتیس سال تک قیام فرمایا۔ وفات
بھی وہیں ہوئی۔

آپ اور آپ کی ساتھیوں کی کوشش سے دکن میں بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ عام مسلمانوں نے بھی ان
حضرات کے طفیل علم و اخلاق اور سلوک و تصوف کی راہیں طے کیں۔ ہزاروں لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ اور آپ نے ان کی معاشرتی
اور اخلاقی حالت سنوارنے کی بہت کوششیں کیں۔

ذیل میں چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں جن سے آپ کی تعلیمات کا خاکہ ذہن میں آسکتا ہے۔

تعلیمات ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کئے لگائیں دو چیزوں کے لیے آیا ہوں، ایک تو دین حاصل کرنے کے لیے، اس لیے
کہ آپ صاحب ولایت اور صاحب کشف و کرامات ہیں۔ دوسرے دنیا حاصل کرنے کے لیے، اس لیے کہ بادشاہ اور امراء آپ
کے مطیع ہیں۔ آپ نے فرمایا ایک خدا تمہیں دونوں چیزیں دے دے گا۔ خدا کو حاصل کر لو ساری چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی
کمال انسان مولانا وجیہ الدین یوسف نے ایک مرتبہ عرض کیا میں نفس کے عیبوں کو جتنا دور کرتا ہوں، اسی قدر زیادہ عیب مجھے نظر
آنے لگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ انسان کا کمال ہے، جب آدمی کمال کو پہنچتا ہے تو اس کی نظر اپنے عیبوں پر زیادہ پڑنے لگتی ہے۔
دنیا کی کیفیت ایک دفعہ مریدوں سے مخاطب ہو کر فرمایا، دنیا سایے کی مانند ہے۔ جب آدمی سایے کی طرف منہ کرتا ہے تو وہ آگے ہی
آگے چلتا ہے اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو پیچھے پیچھے آتا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا مجھے شرق سے غرب تک تمام عالم ایسے نظر آتا ہے جیسے
آٹھیلی پر مرغی کا انڈا۔

محببت فرمایا دل ایک طرف کی مانند ہے جب تک ظرف خالی ہو تو اسے بھرا رہتا ہے۔ جب اس میں کوئی شے رکھ دی جائے
تو اسے خالی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دل دنیا کی خواہشات سے بھرا رہتا ہے، لیکن جب اس میں محبت بھر جاتی ہے تو خواہش نفسانی
چلی جاتی ہے پھر اللہ کی محبت بھر جاتی ہے۔

راحت رسانی | آپ اپنے معتقدوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کی راحت کے لیے کوشش کرتے رہیں۔ فرمایا ایک درخت خود تو دھوپ میں کھڑا رہتا ہے لیکن دوسروں کو سایہ دیتا ہے۔ لکڑی خود تو جلتی ہے مگر دوسروں کو آرام پہنچاتی ہے۔ اسی طرح آدمی خود تکلیف اٹھائے اور اپنی تکلیف کا خیال نہ کرے، لیکن دوسروں کو فائدہ اور آرام پہنچائے۔

عیب جوئی | فرمایا اگر کوئی شخص تم میں کوئی عیب نکالے تو دیکھو کہ تم میں وہ عیب ہے یا نہیں، اگر ہے تو اسے دور کرو اور عیب نکالنے والے سے کہو کہ تم نے مجھ پر احسان کیا اور اگر وہ عیب تم میں نہیں تو دعا کرو کہ الٰہی اس عیب نکالنے والے کو عیب جوئی سے بچا اور مجھے بھی بدکلامی سے محفوظ رکھ۔

نخل و سخاوت | فرمایا ایک سخی ہوتا ہے اور ایک نخل۔ سخی وہ ہے جو ہمان کو دوست رکھتا ہے اور نخل وہ ہے جو دولت کو ہمان رکھتا ہے۔ فرمایا لوگوں کو ہمیشہ عدل کرنا چاہیے اور احسان بھی۔ عدل یہ ہے کہ کھانے کے وقت ہم پیالہ کے ساتھ لقمہ کا انصاف کئے یعنی برابر برابر کھائے اور احسان یہ ہے کہ ہم پیالہ کے ساتھ لقمہ چھوٹا اٹھائے اور جو چیز لذیذ اور اچھی ہو اس سے ایثار کرے۔

فرمایا بیوی بچے باغ اور بوستان ہیں، جب اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کوئی طول ہو تو اسے اپنا دل بیوی بچوں سے بہلانا چاہیے، کیوں کہ یہ بھی عبادت ہے۔

آپ کے کلام میں بڑی مٹھاس، فصاحت اور بلاغت ہوا کرتی تھی۔ زبان میں بڑی تاثیر تھی، اس لیے سامعین جب آپ کی باتیں سن کر اٹھتے تو اپنے قلب کو پاکیزہ اور ذہن کو صاف پاتے۔

سماخ | آپ کو سماخ سے بہت رغبت تھی، وجد میں آتے تو غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اگرچہ زیادہ وقت رشد و ہدایت اور مریدوں کو تلقین کرنے میں گزارتا تاہم عبادت و ریاضت میں کوئی فرق نہ آتا۔ عشا کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے اور پچیس سال تک یہی معمول رہا۔

عادت | تیس سال تک دائوری روزے رکھے۔ افطار کبھی پانی سے کرتے کبھی وہی سے اور کبھی سر کے ساتھ۔ لباس نہایت سادہ ہوتا۔ وفات کے وقت کوئی ذاتی املاک نہ چھوڑی۔ ہر چیز اپنی زندگی ہی میں غریبوں میں تقسیم کر دی۔ جس مصالحت پر ناز پڑھتے تھے، کبھی اسی پر سو جاتے اور کبھی وہی اور پڑھ لیتے۔

آخری عمر میں بہت کمزور ہو گئے تھے۔ تین سال تک بیمار رہے، مگر اس بیماری میں بھی لوگوں کو تلقین کرتے رہتے تھے۔ عبادت و ریاضت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اپنے علاج کی طرف کبھی توجہ نہ دی، اس لیے کہ علاج کرانے کے قائل ہی نہ تھے۔ فرماتے تھے "میرے دوست کی یاد ہی میرا طبیب ہے"۔ کبھی کبھی رونے لگتے، مگر لوگوں سے کہتے کہ یہ نہ سمجھنا میں بیماری سے گھبرا کر روتا ہوں، بلکہ ایک لمحہ بھی خدا کی یاد سے غافل رہتا ہوں تو رونے لگتا ہوں۔

مریدوں نے آپ کو دہلی لے جانا چاہا مگر انکار کر دیا اور جس جگہ آپ کا مزار ہے اس کی طرف اشارہ کرتے فرماتے ہیں، یہاں رہنا چاہتا ہوں۔

وصال جب وفات کے دن قریب آئے تو مریدوں کو بلا کر کسی نصیحتیں کہیں۔ اپنے ہاتھ سے انہیں کپڑے عنایت کیے۔ وفات کے دن پیر و مرشد کی تسبیح منگائی، اُسے سامنے رکھا اور دستار مبارک گلے میں ڈال کر کہنے لگے، "مسلمان ہوں، امت رسول ہوں، شیخ کا مرید ہوں۔ میں نیک نہ تھا، نیک زندگی بھی بسر نہ کی، اپنا انصاف خود کرتا ہوں۔ پھر مرشد کی تسبیح سے تجدید سعادت کی اور زار زار رونے لگے۔ چاشت کے وقت خادم سے کہا دوستوں کو باورچی خانہ میں لے جا کر کھانا کھلا دو، اور وہاں کچھ باقی نہ رہے۔ جب لوگ کھانا کھا رہے تھے تو آپ نے مرشد کا خرقة اور تبرکات لانے کو کہا، اسی وقت جان جان انہیں کے سپرد کر دی۔ یہ صفر ۳۸۸ء کا واقعہ ہے۔

آپ کے ملفوظات میں سے تین کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ حصول الوصول، جسے آپ کے مرید خواجہ حماد کاشانی نے جمع کیا۔
 - ۲۔ ہدایت القلوب، جسے آپ کے ایک مرید شیخ حسین نے مرتب کیا۔
 - ۳۔ نفائس الانفاس، اسے بھی ایک مرید خواجہ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی نے مرتب کیا۔
- مؤخر الذکر تصنیف میں تصوف کے اسرار و رموز بے نقاب کیے گئے ہیں۔

خواجہ رکن الدین بن عماد الدین دیر کاشانی نے مرشد کی فرمائش پر شمال الاقطیا لکھی، جو تصوف پر ایک نادر کتاب سمجھی جاتی ہے اور چار قسموں میں تقسیم ہے۔ تصوف کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو اس میں نہ ہو۔ اس کتاب کے مطالعہ سے رہروان سلوک و تصوف کے تمام مسائل کو مختلف مصنفوں کے خیالات کی روشنی میں علمی نقطہ نظر سے مطالعہ کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اہل نظر نے اسے جامع مفصل اور دلچسپ تصنیف قرار دیا جائے۔

"رسالہ غریب" نام سے بھی ایک تصنیف آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اس میں شیخ نے وہی تعلیمات پیش کی ہیں، جو آپ نے جو جگان چشت سے حاصل کی تھیں۔ نماز، تلاوت قرآن کریم، روزہ، زکوٰۃ، حج، عبادت، سلوک، ملکوتی ذکر، جمع و تفرقہ، علم الیقین، عین الیقین، رویت، رموز الوالدین، رضا و صبر، موت، فقر، صحو و سکر، جلال و جمال، تلوین و تمکین، جیسے موضوعات اس رسالے میں جمع کر دیے گئے ہیں۔

خواجہ رکن الدین کے دو بھائی خواجہ حماد الدین اور خواجہ مجد الدین بھی صاحب تصنیف تھے۔ خواجہ حماد الدین کی کتابوں کے نام یہ ہیں: حصول الوصول، اسرار الطریقت، احسن الاقوال (ملفوظات خواجہ برہان الدین غریب)

خواجہ مجد الدین کی دو تصانیف کے نام معلوم ہوئے ہیں: غرائب الکرامت، بقیۃ العراشب۔ ان دونوں میں خواجہ برہان الدین غریب کے حواری و کرامات کا ذکر ہے۔

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ

ولادت ————— اودھ —————

وفات ————— دہلی ۷۵۷ھ

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خلفائے کبار میں سے بڑے عابد و زاہد، حالات عالیہ و بکاشفات جلیلہ رکھتے تھے۔ طریقہ آپ کا صبر و شکر، فقر و فاقہ، رضا و تسلیم تھا۔ آپ حسنی سید تھے۔ آپ کے بزرگ دارو بند و ستان ہو کر لاہور میں قیام پذیر ہوئے اور آپ کے والد سید عیسیٰ لاہور میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد اودھ آکر قیام پذیر ہوئے۔ چونکہ صحیح النسب سادات سے تھے تمام شہر با عظمت پیش آتا تھا۔ حضرت کی پیدائش اودھ میں ہوئی۔ جب عمر حضرت کی نو برس کی ہوئی تو آپ کے والد صاحب نے قنعا کی اور پھر آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ کی تربیت اور تحصیل علم میں بہت کوشش فرمائی۔ چنانچہ پہلے مولانا عبد الکریم شیروانی کے زیر تعلیم رہے ان کے انتقال کے بعد مولانا افتخار الدین گیلانی سے علوم ظاہری حاصل کیے، مگر عالم طفلان سے اتنا ترک و تجرید و نفس کشی کے حضرت کی پیشانی سے ہویدا تھے۔ ہمیشہ صائم رہتے تھے۔ کبھی نماز باجماعت فوت نہیں ہوئی۔ اکثر روزے سے رہا کرتے تھے۔ سات برس متواتر ایک درویش کامل کے ساتھ نماز جماعت سے ادا کی۔ بعد ریاضت اور مجاہدہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب چالیس برس کا سن ہوا دہلی میں تشریف لائے۔ زیارت اور خدمت حضرت سلطان المشائخ سے مشرف ہوئے اور خدمات شائستہ بجالا کر خطاب محمود گنج شرف سے مخاطب ہوئے۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ شب و روز کمر بستہ خدمت پیر مرشد میں حاضر رہتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ اس وقت کیلوکٹری میں تشریف فرما تھے اور دریا کے کنارے ایک بالاخانہ تھا، اس میں عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اس جگہ سوائے حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی کے دوسرا نہ جاسکتا تھا۔ یہ بھی اسی بالاخانہ میں مشغول رہتے تھے۔ ایک بار چند درویش خاندان شیخ بہاؤ الدین کے آکر شب باتش ہوئے۔ صبح ان میں سے ایک درویش دریا پر غسل کرنے لگا۔ کوئی اچکا آیا اور اس کے کپڑے اچک لے گیا۔ وہ بیچارہ رنگا نل مچانا آیا حضرت اس جگہ آئے اور اپنے کپڑے اس کو دے کر فرمایا کہ غل نہ مچا، یہ لے جا۔ اس میں مقصد یہ تھا، ایسا نہ ہو کہ اس کے غل سے پیر کی مشغولیت میں فرق آوے۔ حضرت سلطان المشائخ نے یہ معاملہ اپنے کشف سے معلوم فرما کر بعد نماز چاشت آپ کو بلایا اور نہایت ہرانی سے اپنی خامس پوشاک میں سے ان کو پوشاک عطا کی۔ اخبار الاخیار سے نقل ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کبھی کبھی حسب اجازت پیر مرشد اپنی بڑی بہن سے ملنے اودھ جایا کرتے تھے آپ کے ہمیشہ زادہ ایک روز حضرت مخدوم نصیر الدین نے امیر خسرو قدس سرہ سے کہا کہ تم سفارش کرو کہ جب میں اودھ میں ہوتا ہوں، بہ سبب مزاحمت خلق مشغول نہیں رہ سکتا۔ اگر شیخ کا حکم ہو تو جنگل میں رہ کر عبادت ہی میں مشغول رہا کروں۔ امیر صاحب یہ سن کر وقت معینہ پر بعد نماز عشا جب

خدمت حضرت سلطان المشائخ عرض معروض کے لیے حاضر ہوئے تو جو انھوں نے کہا تھا، عرض کیا۔ اس پر حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے کہو تجھے درمیان خلق میں رہنا ہے، ان کے جو رجحان اٹھانے ہوں گے، اس کے عوض میں رہانی کرنی ہوگی، اور پھر حضرت شیخ نصیر الدین کو حجرہ شریف میں طلب فرما کر ارشاد کیا کہ تیرے دل میں کیا ہے اور جھگڑ میں رہنے سے تیرا مقصود کیا ہے۔ تیرا باپ کیا کام کرتا تھا۔ آپ نے عرض کیا کہ مقصود میرا مدعا مزید حیات خواجہ ہے اور کفش برداری درویشوں کی۔ میرے والد روٹی کے سوداگر تھے۔ اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں اجود صحن میں بابا صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ میرا ایک دوست اور ہم سبق آگیا۔ میرے رنگین کپڑے اور وہ بھی پھٹے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا کہ تمہارا یہ کیا حال ہو گیا۔ اگر اس شہر میں مٹلی کرتے تو اسباب معیشت سے انفراغ رہتا۔ میں نے یہ سن کر کچھ جواب نہ دیا، لیکن جب خدمت بابا صاحب میں گیا تو مجھ کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ نظام الدین! اگر کوئی تیرا دوست آکر کہے کہ تو نے اپنا کیا حال کر رکھا ہے، مٹلی ہی کر جو فراغت حاصل ہو تو کیا جواب دے گا، میں نے عرض کیا جو حکم عالی ہو فرمایا کہ کہو ۵

نہ ہمسری تو مرید خویش گیر دبرو تما سعادنے بادا مرا نگو نساری

بعد فرمایا کہ کھانے کا خوان لا۔ جب میں لایا تو ارشاد فرمایا کہ اس کو سر پر رکھ کر جہاں تیرا دوست ٹھہرا ہوا ہے لے جا، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب اُس دوست کے رو برو لے گیا، اس نے کہا مبارک باد، تجھ کو یہ صحبت حضرت شیخ نصیر الدین فرماتے ہیں کہ اس طرح بندہ کو تلقین فرمایا۔ بعد ریاضت اور مجاہدہ فرمایا۔ کبھی مجھ کو دس دس روز گزار جاتے تھے، جب بُرا حال ہوتا تو ترشی کھاتا۔ نقل ہے کہ ایک روز ان کے کسی پیر بھائی کے گھر میں مجلس مٹھی اور آپ بھی اسی مجلس میں موجود تھے کہ باجے کے ساتھ سماع شروع ہوا۔ آپ وہاں سے اٹھ کر چلے۔ دوستوں نے کہا، بیٹھو۔ آپ نے فرمایا میں نہ بٹھروں گا۔ یہ امر خلاف سنت ہے۔ لوگوں نے کہا کیا سماع سے منکر ہو اور مشرب پیروں سے پھر گئے ہو؟ آپ نے فرمایا یہ کوئی حجت نہیں۔ دلیل تو کتاب و حدیث سے چاہیے۔ آخر بعض نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ ان کا اتفاق بڑھتا ہوا ہے۔ سیرا اولیا سے نقل ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کی مجلس سماع میں مزامیر نہیں ہوتا تھا، اگر کوئی ذکر بھی کرتا کہ فلاں صاحب کے یہاں سماع مزامیر کے ساتھ ہوتا تو آپ منع فرماتے تھے۔ نقل ہے کہ شیخ بہان الدین غریب کہ حضرت مخدوم صاحب کے ہم مجلس تھے ان کے پاس سے وہ کلاہ مندی کہ جو عطیہ شیخ مٹھی گم ہو گئی، یہ بہت ننگین ہو گئے۔ ان کی تشویش دیکھ کر حضرت نے فرمایا کہ مولانا اس سے عمدہ تحفہ عطیہ تم کو آج بخشش ہو گا اور کلاہ گم کر وہ بھی ملیے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت پیر روشن ضمیر نے مولانا کو مصلیٰ مرحمت کیا اور گٹھری میں سے کلاہ بھی مل گئی۔

ایک بار کوئی آپ کی پوشاک چرانے گیا۔ آپ نے دم نہ مارا، بر وصیت مرشد پابند رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن بعد نماز ظہر حضرت حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے اور مراقبہ میں سر جھکائے ہوئے تھے۔ تو اب نام ایک قلندریہ بیاک کہ برسوں سے آپ کا دشمن تھا۔ خالی رقع پا کر حجرہ میں گھس آیا اور گیارہ زخم چھڑے سے جسم مبارک پر لگائے۔ سمجھا کہ کام پورا کر چکا اور وہاں سے بھاگا۔ مریدوں نے دیکھ کر اسے گرفتار کر لیا اور حضرت کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کوئی اسے مزامرت نہ کرے اور شیخ صدر الدین حکیم

اور شیخ زین الدین کو قسم دی کہ ہرگز اس کو ایذا نہ دیں اور اس قلندر کو نزدیک طلب فرما کر بہت کچھ دے کر نصبت فرمایا۔ اور دوستوں سے کہا کہ اگر اس کو ایذا دی جاتی تو خلاف وصیت شیخ ہوتا۔ کیا حجب ہے اس کا ہاتھ دکھا ہو۔ بعد اس واقعے کے تین برس اور بقید حیات رہے۔ سیر الاصفیاء سے نقل ہے کہ سلطان محمد تغلق نے جو عمر قندی و علی قندھاری کے ورغلائے سے ناخوش ہو رہا تھا، ایک روز دعوت کے حیلہ سے شیخ کو بلایا اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا سامنے رکھا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر شیخ نے ان برتنوں میں کھانا تو بحیلہ شرعی پکڑ لیں گے، اگر نہ کھایا تو تو بہین سلطان میں پکڑیں گے۔ حضرت نے نور باطن سے دریافت فرما کر تھوڑا کھانا ہاتھ پر لے کر پہلے زبان پر رکھا، پھر اس کو نوش کیا۔ حاسد مجبور اور شرمندہ ہو کر رہ گئے۔ بعد ازاں سلطان نے دو تڑے زر سبز اور دو تھان پارچہ شیخ کو پیش کیے۔ آپ نے ان کی طرف التفات نہ فرمایا اور کھڑے ہو گئے۔ اس اثنا میں خواجہ نظام الدین وزیر بادشاہ نے دیکھا۔ یہ خواجہ بادشاہ کا عزیز اور حضرت سلطان المشائخ کا مرید صادق تھا۔ اس نے اٹھ کر تھان اور دونوں تڑے اٹھا کر خدام شیخ کے حوالہ کیے اور کفش حضرت کی اپنے رومال سے جھاڑ کر سامنے رکھی اور دروازہ تک ہمراہ آیا۔ جب وہ واپس سلطان کے پاس آیا، سلطان نے دست بر قبضہ ہو کر خشکی سے کہا کہ تم نے عطیہ سلطانی کیوں ہاتھ سے اٹھایا، کیوں پاپوش جھاڑیں اور کیوں ان کے ننگے رکھیں۔ خواجہ نظام الدین نے جواب دیا کہ میرا فخر ہے کہ ان کی جوتی کو اپنا تاج سر بناؤں کہ میں غلام نظام الدین اولیا کا ہوں اور میری جان ناتوان ان کی خاک پر نفا ہے۔ یہ سن کر سلطان کو بہت غصہ آیا، مگر حضرت کی توجہ کی وجہ سے کچھ نہ کر سکا۔

صاحب جوامع الکلم راوی ہیں کہ حضرت شیخ نصیر الدین کو خانقاہ میں اس بیت پر وجد ہوا:

جناب عاشقان گفتمی نحو ہم کرد ہم کردی

قلم بر بے دلاں گفتمی نحو ہم راند ہم راندی

مولانا مغیث شاعر نے ایک رسالہ لکھا اور اس مجلس کی تمام کیفیت لکھی اور لکھا کہ شیخ کو اس بیت پر حالت ہوئی کہ جس میں خداوند تعالیٰ کی نسبت جو رجس سے اشارہ کرتے ہیں، اس میں کفر لازم آتا ہے۔ اس میں چند کلمے ایسے ہی جمع کر کے مولانا معین الدین عمرانی کے پاس بھیج دیجیے۔ انھوں نے دیکھ کر حضرت کی خدمت میں ارسال کی۔ آپ نے مولانا عمرانی کو طلب فرمایا، وہ کتاب ان کو واپس دے کر دستار خلافت عطا کی۔ دوسرے روز پھر سماع تھا حضرت کو اس رباعی پر اضطراب ہوا۔ رباعی

باطیل معانہ دوش بیباک زودیم

از ہر یکے بچنے مے خوارہ

عالی علمش بر سر انداک زودیم

صد بار کلاہ تو بر خاک زودیم

بعد اضطراب بسیار بالائے بام تشریف لاکر بیٹھے اور مولانا مغیث کو طلب کیا۔ جب وہ رو برو آئے تو فرمایا کہ مولانا لکھیے کہ اس جگہ کیا جمل ہے یہ کہ مولانا کو نکال دیا مولانا پھر خانقاہ میں نہیں آئے اور جلد ہی انتقال کر گئے۔ اخبار الاخیار سے نقل ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میں کس لائق ہوں کہ شیخی کروں۔ آج

ازیں آئیں پیدیاں پشیمان پشیمانی

مسلمانان مسلمانان مسلمانان

فرمایا کہ ایمان کا غم کھانا چاہیے۔ درپے کرامت نہ ہونا چاہیے۔ حیران ہوں کہ خلق بے مشاہدہ کیونکر جنتی ہے حضرت سید محمد گیسو دراز سے نقل ہے کہ خواجہ نے فرمایا کہ میں بچہ تھا ایک مسجد میں قرآن پڑھتا تھا۔ اس مسجد میں ایک درخت تھا، ایک کوا آکر اس پر بیٹھا جو کچھ اس نے براواز بند کہا میں نے اس کو سمجھا۔ خیر المجلد اس سے نقل ہے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر حضرت سے سوال کیا کہ کچھ فقیروں کے حال کے متعلق ارشاد فرمائیں کہ یہ کیوں ہوتا ہے۔ فرمایا کہ حال نتیجہ صحبت و اعمال ہے اور عمل کی دو قسمیں ہیں۔ اول عمل جوارح و ظاہر ہے اور دوم عمل قلب اس کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اول انوار عالم علوی سے روحوں پر نازل ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اس کا اثر قلب پر ہوتا ہے۔ بعدہ جوارح پر۔ جوارح تابع قلب ہیں۔ جب قلب متحرک ہوتا ہے۔ جوارح بھی حرکت میں آتے ہیں وفات حضرت کی ۱۷ یا ۱۸ رمضان شب جمعہ ۱۰۵۵ھ میں ہوئی۔ مزار قریب شہنشاہی آباد درگاہ چراغ دہلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

خلفاء حضرت کے حسب ذیل ہیں:

۱۔ قاضی محمد سعدی فاضل

۱۔ حضرت شیخ کمال الدین (احمد آباد)

۱۱۔ شیخ سلیمان لودھی

۲۔ علامہ میر سید محمد گیسو دراز دہلوی (گلبرگہ شریف)

۱۲۔ شیخ محمد متوکل کشوری بہرائچ

۳۔ میر سید محمد ابن جعفر مکی (مرسد شریف)

۱۳۔ شیخ دانیال دسترکھ

۴۔ ملک زادہ احمد

۱۴۔ شیخ قوام الدین (لکھنؤ)

۵۔ مولانا معین الدین عمرانی (مرگنا)

۱۵۔ قاضی عبدالقادر (جوینوہ)

۶۔ میر سید علاؤ الدین برادر زادہ مخدوم جلال الدین

۱۶۔ مولانا خواجگی کاپلی

جہانیاں جہاں گشت

۱۷۔ مولانا احمد تھانیسری کاپلی

۷۔ شیخ یوسف مصنف تحفۃ المصالح

۱۸۔ شیخ زین الدین مشیر زادہ حضرت شیخ صدر الدین

۸۔ محمد وحید الدین اوب

۱۹۔ حکیم شیخ سعد اللہ گیسو دراز

۹۔ سید جلال الدین کشوری

نقل ہے کہ جس زمانہ میں جواہر سنگھ جاٹ نے دہلی کو لوٹا اور اس کے اطراف میں جو قبریں اور موضع تھے، سب کو تاراج کیا، چراغ دہلی میں ایک برہمن رہتا تھا، اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ ملک لٹ رہا ہے ہم بھی تباہ ہوں گے۔ مزار شیخ پر چل کر عرض کیجیے کہ یہ بستی کسی طرح بچے۔ مرادوائے دور دور سے آتے ہیں اور اس مزار کے حدقم ہیں دہلی مراد پاتے ہیں۔ یہ سوچ کر اس نے اپنا لوٹا برنجی مانجھا، غسل کیا اور پانی سے بھر کر مزار معنی پر آیا، لوٹا رکھ کر عرض کیا کہ میں برہمن ہوں، میری نذر قبول ہو اور آپ پر روشن ہے کہ تمام علاقہ پر باد ہو رہا ہے۔ ہم لوگ جو اس چار دیواری کے اندر بستے ہیں، آپ کی رعایا ہیں اور سوائے آپ کے وہ سراسر سیلہ نہیں رکھتے۔ یہ وقت مدد کا ہے۔ یہ عرض کر کے اپنے مکان پر آیا۔ تمام دن حضرت سے لو لگائے رہا۔ شب کو جب وہ سویا خواب میں دیکھا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ تم دروازہ بند کیے دیجیے

بیٹھے رہو، اگر تمہاری طرف وہ آویں گے تو اندھے ہو جاویں گے۔ چنانچہ جاٹ چراغ دہلی کے لوٹنے کو آتے تھے، اعظم چراغ دہلی ان کو نظر نہ آتا تھا۔ تمام جنگل میں پھر کر چلے جاتے تھے۔ جب کئی بار انھوں نے حملے کیے اور نا کام رہے تو اطراف کے لوگوں سے پوچھا کہ اٹھ چراغ دہلی نہیں ملتا۔ ان لوگوں نے کہا دیکھ لو یہ سامنے دکھائی دیتا ہے۔ وہ پھر گئے جب قریب پہنچے، حصار چراغ دہلی پھر نہ دکھائی دیا۔ انھوں نے تجسس کیا کہ کیا وجہ ہے کہ جو ہم قریب جاتے ہیں حصار چراغ دہلی نظر نہیں آتا۔ لوگوں نے کہا کہ وہاں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کا مزار ہے، وہ بستی ان کے نام پر مشہور ہے۔ وہ اپنی بستی پر بہت مہربان ہیں اور بستی والے ان کے بہت معتقد ہیں۔ یہ ان حضرت کا تصرف ہے یہ سن کر وہ معتقد ہو گئے اور خلوص ارادہ سے واسطے زیارت کے آئے۔ شیرینی، عطر، پھول اور چادر جڑھائی اور اپنی تمام کمینیت تمام اہل بستی سے بیان کی۔ چنانچہ گورنمنٹ انگریزی نے جب دہلی پر تسلط پایا تو مسلمانان شہر جہاں ملتے گفٹار کیے جاتے، پھانسی دیے جاتے۔ ہر ایک قریہ اور قصبہ و دیہہ میں مصیبت زدہ پناہ گزین تھے حصار چراغ دہلی میں بھی بہت سے آدمی تھے۔ بعضے فوجی زخمی بھی تھے۔ مشکاف صاحب سوار لیے ہر طرف گھومتے لوٹتے امارتے، گرفتار کرتے پھرتے۔ اہل شہر کے ساتھ بعض اہل دیہہ بھی برباد ہوئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر خدام آستانہ شریف اور دیگر اہل بستی نے اسی برہمن کی اولاد سے ایک شخص تھا کہا کہ تیرے دادا نے پہلے بھی حضرت سے عرض کیا ہے، اور وہ عرض قبول ہوئی اور لٹنے سے بستی بچی۔ ہماری رائے ہے کہ جس طرح تیرا دادا گیا تھا تو بھی اسی طرح مزار حضرت پر جا کر عرض کرتا کہ اس آفت سے بستی بچے یا جیسا حکم ہو عمل میں لائیں۔ وہ برہمن بدستور نہاد ہو کر لوٹا پانی کا مزار پر انوار پر آیا اور بہت دیر تک گریہ و ناری کرتا رہا۔ اسی شب کو خواب ہوا، کیوں گھبراتا ہے، بستی والوں سے کہہ دے کہ جو آگنے ان کو نہ نکالو، نہ اب اور کسی کو اپنی بستی میں آنے دو۔ یہاں سے کوئی گرفتار نہ ہو گا، نہ اور کوئی آفت آوے گی۔ چنانچہ ایک متنفس بھی چراغ دہلی سے گرفتار نہیں ہوا۔ صاحب معدن المعانی نے لکھا ہے کہ جب وقت انتقال شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کا نزدیک پہنچا، شیخ رکن الدین برادر شیخ کمال الدین (اپنے ہمیشہ زادہ) کو بلا کر فرمایا کہ خواجه گان چشت کی نعمتوں میں سے جتنا جس کو نصیب تھا وہ میں نے مریدوں کو دے دیا۔ تم کو چاہیے کہ جب مجھ کو قبر میں رکھو تو خرقة میرے سینے پر اور کاسہ جو میں سر کے نیچے اورے تسبیح زیر انگشت اور ایک طرف نعلین اور ایک طرف عصا رکھنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بعد فاتحہ سوم میر سید گیسو دراز کو دہلی میں رہنا اور خرقة کا نہ ملنا شاق گزرا۔ آخر جس چار پائی پر حضرت کو غسل دیا تھا اس کے ہاں کونکال کر وہ جھلنگا اپنے گلے میں ڈالا اور کہا میرا یہی خرقة ہے اور دکن کی طرف کوچ کیا۔

کہتے ہیں کہ راستہ میں جس کسی پر اس جھلنگے میں سے نکال کر ذرا سا بان ڈال دیا، وہی ہو گیا۔ صاحب مرآة الاسرار لکھتے ہیں کہ بار دوم جب میں دہلی شریف میں روزہ پنجم اور شب جمعہ روضہ اقدس حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی پر گزرا، تمام شب بیدار اور مشغول رہا، انواع سعادت حاصل کیں۔ جب حضور باروحانیت پاک بیدار ہوئے، بندہ نے گستاخی سے عرض کیا کہ اکثر خلفاء حضرت کے صاحب مقامات اور کرامات ہوئے، مگر خرقة دخلافت کسی کو بھی مرحمت نہیں ہوا۔ فرمایا کہ سچ ہے، بعض میرے مرید صاحب مقامات نالی ہوئے ہیں، مگر اس وقت ان میں تھوڑا سا تعصب کا اثر باقی تھا اس واسطے متمصلے دیانت و امانت نہ تھا کہ خرقة اپنے پیر کا اس شخص کو دیا جو قید تعصب سے باہر نہ ہو۔ اس وجہ سے خرقة پیر کسی کو نہیں دیا گیا، مگر بعض مریدوں کو میں نے اپنا خرقة دیا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ بسلسلہ

پیران چشت ان سے جاری رہے گا کہ اب وہ قیدِ تعصب سے باہر ہوئے اور حجابِ تعصب اٹھ گیا بمرتبہ توحیدِ مطلق کے پہنچے۔ کہتے ہیں کہ بعد اس کے میرے اوپر تجلی ہوئی۔ ایسی کیفیت میں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ پس میں سجدہ شکر بجالایا اور تصرفاتِ روحانیت حضور پر تجریر ہوا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے پتا چلتا ہے کہ حضرت چراغ دہلی ان علماء و مشائخ کے ساتھ شریک تھے جنہوں نے ٹھٹھ میں بالاتفاق فیروز شاہ کو سلطان محمد کا جانشین بنایا، لیکن شمس سراج عقیف کی تاریخ فیروز شاہی کے بیانات نسبتاً زیادہ واضح ہیں۔ فیروز شاہ کی تخت نشینی کے بارے میں لکھا ہے۔

”جب سلطان محمد تغلق طغی کی بغاوت فرو کرنے کے لیے ٹھٹھ گیا تو حضرت شیخ نصیر الدین کو اپنے ساتھ لے گیا سلطان محمد نے ٹھٹھ میں وفات پائی اور سلطان فیروز شاہ بادشاہ ہوا۔ حضرت شیخ نصیر الدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ آپ وعدہ کریں کہ خلق کے ساتھ عدل و انصاف کریں گے، ورنہ ان بیکس بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے دوسرا فرمانروا طلب کیا جائے۔ سلطان فیروز نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں خدا تعالیٰ کے بندوں سے علم و بروباری سے پیش آؤں گا۔ اور ان پر انصاف و محبت سے حکومت کروں گا۔ حضرت شیخ نے یہ جواب سنا تو کہلایا کہ اگر آپ خلق کے ساتھ خلق و مردت سے پیش آئیں گے تو ہم بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے آپ کے لیے چالیس سال کی حکومت کے لیے دعا کریں گے۔ آخر کار وہی ہوا جو حضرت شیخ نے فرمایا تھا۔ سلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود نے سلطان فیروز شاہ کو انا لیس خرے بھیجے جو بشارت پر بشارت خیال کی گئی۔“ ص ۲۹

سلطان فیروز شاہ کا وزیر خان جہاں بھی حضرت چراغ دہلی کا مرید تھا جو نسب کے لحاظ سے تلنگی ہندو تھا۔ سلطان محمد تغلق کے پاس حاضر ہو کر اسلام لایا اور اپنی قابلیت کی بنا پر ترقی کر کے محمد تغلق ہی کے زمانہ میں وزارت کے منصب پر فائز ہوا۔ فیروز شاہ کے زمانے میں بھی وزارت اسی کے ہاتھ میں رہی۔ جب حضرت چراغ دہلی کا مرید ہوا تو ان سے عبادت و ریاضت کے متعلق پوچھا۔ مرشد نے فرمایا تمہاری عبادت یہی ہے کہ تم مملکت کے وزیر ہو۔ حاجت مندوں کی حاجت براری میں کوشش کیا کرو خان جہاں نے اور دو وظائف کے متعلق پوچھا۔ فرمایا تم ہمیشہ با وضو رہو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ با وضو رہتا اور اتنی احتیاط برتا کہ اگر دربار میں مسند وزارت پر وضو کی ضرورت پیش آجاتی تو فوراً اٹھ کر وضو کرتا اور رات کو سوتے وقت پانگ کے قریب ایک آفتاب اور ایک طشت رکھوا لیتا۔ جب آنکھ کھلتی فوراً اٹھ کر وضو کرتا۔ وفات کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے قریب دفن ہوا

جان جہاں کی خداترسی اور عدل گستری حضرت چراغ دہلی کی صحبت کا نتیجہ تھی۔ اس کے اوصاف میں شمس سراج عقیف

لکھتا ہے:

”خان جہاں وزیر صاحب مدبر اور خلاترسی تھا، ہر وقت رعایا کی بہتری اور فلاح میں لگا رہتا۔ کسی پر ذرہ برابر ظلم

نہ ہونے دیتا۔ اگر کوئی مقطع ظلم کرتا اور مال لے کر آتا تو خان جہاں اس کے سال کو پسند نہ کرتا۔ ہر وقت رعیت کی راحت و سبائی میں سرگرم رہتا۔ کام کرنے والے گروہ کی حمایت کرتا اور دل و جان سے اس کے قصور کی پردہ پوشی کرتا اور اگر کسی عامل سے کوئی قصور سرزد ہو جاتا تو نہایت عمدہ طریقہ پر اس کا حال بادشاہ سے عرض کر کے اسے شاہی باز پرس سے بری کر دیتا۔ خان جہاں کی وفات پر تمام خلقت خدا نے ماتم کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اثنا ساس کی مغفرت کی دلیل ہیں۔

حضرت چراغ دہلوی سلطان فیروز کے ساتھ ٹھٹھ سے واپس ہو رہے تھے، تو انہوں نے حضرت قطب الدین منور کی ملاقات کے لیے ہانسی کا رخ کیا۔ جب قطب الدین منور کو پتا چلا تو برہنہ پاؤں کی طرف دوڑ کر آئے اور دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ حضرت قطب الدین منور نے ان کے قدموں کی طرف ہاتھ بڑھایا اور حضرت چراغ نے ان کے قدم لینے کا ارادہ کیا۔ اس تواضع کے بعد دونوں بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے خانقاہ میں آئے۔ اور اپنے پیرومرشد کو یاد کر کے بہت روئے، پھر محفل سماع منعقد ہوئی۔

سید محمد بن جعفر | شیخ نصیر الدین کے خلفاء میں سید محمد جعفر بڑے پایے کے بزرگ گزرے ہیں۔ توحید و تفرید میں اونچا مقام رکھتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنے زمانہ کے کاملین میں سے تھے۔ آپ نے اپنے ظاہری و باطنی احوال کے متعلق بعض ایسی باتیں لکھیں ہیں جنہیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔

"بحر المعانی" کے نام سے آپ کی تصنیف ملتی ہے، جس میں حقائق توحید، علوم دین اور اسرار معرفت بہت عمدہ طریقہ سے بیان کیے گئے ہیں۔ روح کے بیان میں ایک رسالہ بھی لکھا۔ ایک رسالہ بیخ نکات ہے۔ ایک کتاب کا نام بحر الانساب ہے جس میں بیست و ہفت رسالت کے حسب نسب کا بیان ہے اور ان کے ساتھ اپنے ابا و اجداد کی نسبت تحریر کی ہے۔ بہت لمبی عمر پائی صحیح تاریخ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ اتنا معلوم ہے کہ آپ سلطان محمد تغلق کے عہد سے سلطان بہلول کے عہد تک زندہ رہے۔

آپ کے ابا و اجداد مکہ معظمہ کے شرفا میں سے تھے۔ وہاں سے وہی آئے، پھر سرہند میں سکونت اختیار کر لی۔ بحر المعانی میں فرماتے ہیں: میں ساٹھ سال تک تحصیل علم ظاہری میں لگا رہا۔ اس دوران میں محبوب ازل اور مقصود حقیقی سے غافل رہا۔ اب تیس برس ہوئے ہیں کہ جو کچھ میری آنکھیں دیکھتی ہیں ان کو چشم دل دیکھتا ہوں اور جو کچھ میرے کان سنتے ہیں اس کو گوش ہوش سنتا ہوں۔

"بحر المعانی" میں آپ نے اقطاب ادا و ابدال اور تمام رجاء اللہ اور ان کے اجداد، مراتب الاسامی، اور احوال قبیلین اس طرح تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں: میں نے ان سب سے ملاقات کی ہے اور ہر ایک سے

فیض حاصل کیا ہے اور سب کے مقامات کا مشاہدہ کیا ہے۔

فرماتے ہیں ان کے علاوہ ۳۵۷ ابدال اور میں نے چشمہ نیل کے پہاڑ پر ان سے ملاقات کی ہے۔ وہ پہاڑ میں بہتے ہیں، درختوں کا گوند اور جنگل کے کیڑے مکوڑے ان کی خوراک ہیں۔

ایک جگہ لکھتے ہیں: قطبیت کے مقام میں تمام اولیا میں سے دو شخص معشوقی کے درجہ تک پہنچے اور یہ مقام کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔ ایک شیخ عبدالقادر جیلانی اور دوسرے شیخ نظام الدین ہدایونی۔ یہ دونوں بزرگ روح احمدی کے سرچشمے سے سیراب تھے۔

بحر المعانی میں فرماتے ہیں: جو کچھ میری زبان سے قلم پڑاتا ہے، اسے میری زبان میرے دل سے اقتباس کرتی ہے اور میرا دل اسے میری روح سے اقتباس کرتا ہے اور میری روح اسے روح ملی سے اقتباس کرتی ہے یہ حضرت علی کی روح ہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے اقتباس کرتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح رب العزت و علا کے کلام بے عرف و صوت سے اقتباس کرتی ہے۔ فرماتے ہیں جس قدر میں زیادہ لکھتا ہوں اتنا ہی زیادہ مشکلات میں پھنس جاتا ہوں۔

فرماتے ہیں ابراہیم صاحب ذوق تھے، موسیٰ صاحب لذت اور حبیب اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب حلاوت۔ فرماتے ہیں، روح کی معراج راگ ہے اور دل کی معراج نماز ہے۔

آپ کی ایک غزل ملاحظہ ہو:

اے صورت تو جان معنی	با صورت تست جان معنی
یکسر شاخ گلے نہ بستہ صورت	مثل تو بہ بوستان معنی
از صورت تست خراب طرما	منزل گہ کاروان معنی
ہر عضو کند بصد زباں پیش	از صورت تو بیان معنی
در صورت و عفت تو مستند	تا حشر نہادہ خوان معنی

حضرت پیراغ دہلوی حضرت خواجہ پیراغ دہلوی کے چند چیدہ چیدہ ارشادات درج ذیل ہیں:

کے ارشادات — اپنے ایمان کا غم کمانا چاہیے اور کرامت کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے۔

بیداری میں انسان کو جو خیالات لاحق ہوتے ہیں، سوتے وقت خواب میں بھی وہی پیش آتے ہیں، اسی طرح زندگی میں جن

باتوں سے شغل رہتا ہے یا جو چیزیں مرغوب ہوتی ہیں مرنے پر وہی پیش آتی ہیں۔

دل تمام اعضائے جسمانی پر حکومت کرتا ہے اور خدا نے تعالیٰ دل کا قلیب ہے اگر دل ہی اپنے قلیب کی طرف متوجہ نہ ہوگا تو دوسرے

اعضا جو اس کے تابع ہیں کیسے متوجہ ہوں گے۔

جو شخص ذکر الہی کرتا ہے خدا اس کا چلیس ہوتا ہے۔

— اگر دنیا ہی مطلوب ہو تو پارسانی اختیار کرو، اس لیے کہ تقویٰ کے ساتھ رزق کو متعلق کیا گیا ہے۔
 — آدمی کے ہر کام کے لیے ایک سرمایہ ہوتا ہے اور فقیری کا سرمایہ وہ مجاہدہ ہے، جو صدق دل سے اللہ کے لیے کیا جائے۔
 — لوگ مطلوب کی قدر نہیں جانتے، اس لیے سخت اور دشوار مجاہدے اختیار نہیں کرتے، اگر مطلوب کی قدر جانتے تو ان پر دشوار سے دشوار مجاہدہ بھی آسان ہوتا۔

— راتوں کو بیدار رہو، اس لیے کہ نزولِ انوار اکثر راتوں میں ہی ہوا کرتا ہے۔
 — جو اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے اسے طاعت میں لذت حاصل ہوتی ہے۔
 — فقرا بہت ہیں، مگر چاہیے کہاں کا فقر، خوشی ہو۔

— سالک کو عبادت میں ذوق و شوق حاصل ہو تو یہی اس کی غذا بن جاتا ہے، اگر یہ حاصل نہ ہو تو پھر عبادت اس کے لیے شہتا کا باعث ہوتی ہے۔

— علم سے مراد عمل ہے، علم حسن تقسیم نہیں بلکہ حسن لغیرہ ہے۔ جیسے وضو، یعنی وضو سے مقصود نماز ہے اسی طرح علم سے مراد عمل ہے۔

— اگر طلب دنیا میں خیر کی نیت ہو تو وہ فی الحقیقت طلبِ آخرت ہے۔

حضرت شیخ سراج الدین عثمانؒ

وفات _____ لکھنؤی (بنگالہ) ۷۷۵ھ

قطب ولایت حضرت شیخ سراج الدین عثمان کمالات صوری و معنوی کے جامع تھے۔ عشق و محبت اور ذوق و سماع میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ حضرت سلطان جی کے خلیفہ تھے۔ عام طور پر انہی سراج کے نام سے مشہور ہیں۔

انہی آپ نوجوان تھے ڈاڑھی مونچھ بھی نہ نکلی تھی کہ حضرت شیخ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے اور ان کی خدمت بجالانے لگے۔ کبھی کبھی اپنے والدین کی ملاقات کے لیے اپنے وطن لکھنؤی چلے جایا کرتے پھر واپس آجایا کرتے تھے۔

صاحب اخبار الاخبار کے نزدیک آپ کا اصل وطن لکھنؤی تھا، اس کی تحقیق میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ "لکھنؤی کہ آلان پر گور مشہور است"

مرآة الاسرار کا بیان ہے "ظاہر اجداد اول در اودھ سکونت داشتہ باشند بعد ازاں پدرش در لکھنؤی متوطن شدہ باشد۔" اودھ سے شاید اچودھیا (فیض آباد) مراد ہے۔ اس زمانہ میں اودھ کا اطلاق اُجکل کے صوبہ اودھ پر نہ تھا، جس کا صدر مقام لکھنؤ ہے اسی اودھ کی رعایت سے لطائف اشرفی میں آپ کو اودھی لکھا ہے۔

روضۃ الاصفیاء نے آپ کے نام کے ساتھ بدایونی کا لفظ بھی لکھا ہے۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ "اول کسی کہ از دیار اودھ و ولایت ہندوستان بشرف ارادہ و خلافت شرف شدہ وے بودہ" مگر مشہور ہے کہ آپ کا وطن لکھنؤی تھا جو بنگالہ میں واقع ہے۔ حضرت سلطان الاولیاء آپ پر بہت نظر عنایت رکھتے تھے مگر علم متداولہ میں آپ کو ملکہ نہ تھا، اس لیے خلافت زویبا چاہتے تھے، تاہم سلطان الاولیاء نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ یہ ہندوستان کے ائینہ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا ہی بنایا۔

صاحب مرآة الاسرار لکھتے ہیں:

"انہ جمیع کمالات صوری و معنوی اگر استہ بود و در عشق و محبت و ذوق و سماع نظیرے نہ داشت و نہایت ترک معجزید و ازادی وجود قرار دادہ بود۔ بذل و اخلاق نہایت پسندیدہ داشت و در تربیت مریداں میان یاران اعلیٰ ممتاز بود۔"

مرآة الاسرار میں لکھا ہے کہ تمام ہندوستان میں آج تک انہیں دو بزرگوں (شیخ نصیر الدین اودھی اور شیخ انجی سراج) کے سلسلے جاری ہیں اور ان شاء اللہ تیا مت تک جاری رہیں گے۔

لہ لطائف اشرفی میں بجائے لکھنؤی کے لکھنؤ لکھا ہے۔ یہی قرین قیاس ہے۔ چنانچہ اسی نظر سے آپ کو اودھی بھی کہا ہے (اخبار الصالحین ص ۷۷۵)

چونکہ علم باطنی کے لیے علم ظاہری بہت ضروری ہے، اس لیے حضرت سلطان جی نے آپ سے فرمایا کہ "اول درجہ این کار علم است" اس موقع پر مولانا فخر الدین رازی نے جو خود حضرت سلطان جی کے مرید اور خلیفہ تھے، عرض کیا کہ میں چھ ماہ کے اندر اندر انہیں تعلیم دے دوں گا۔ چنانچہ حضرت سراج الدین نے مولانا فخر الدین سے پڑھنا شروع کر دیا۔

غیاث پور میں رہ کر آپ نے مولانا کن الدین سے کافی مفصل، قدوری اور مجمع البحرین پڑھی۔ میرا اولیا کے مصنف سید محمد کرمانی لکھتے ہیں:

"شیخ سراج الدین در کبر سن تعلیم برابر من میزان و تصرف و قواعد و مقدمات ال تحقیق نمود۔"

حضرت سلطان جی نے ان کے خلافت نامہ پر خود اپنا نشان مبارک دستخط یا مہر ثبت فرمایا تھا۔ آپ نے خلافت نامہ نصیر الدین اودھی کے پاس واپس اودھ بھیج دیا اور خود حضرت سلطان جی کی خدمت میں رہے۔ تعلیم بھی جاری رکھی یہاں تک کہ حضرت شیخ کی وفات کے بعد اسی تعلق سے مزید تین سال تک غیاث پور میں رہے۔ بعد ازاں حضرت شیخ کے وقف کیے ہوئے کتب خانہ سے چند کتابیں اور تبرکات جامہ ہائے مبارک ساتھ لے کر وطن کو واپس آئے۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ خود حضرت سلطان جی کی زندگی میں آپ کو لکھنؤ جانی جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب آپ کو لکھنؤ (واقعہ بنگالہ) جانے کا حکم ملا تو آپ نے فرمایا، وہاں ایک بڑے متبحر عالم شیخ علاء الدین ہیں ان کی اور میری کیسے بنے گی؟ پیرو مرشد نے فرمایا فکر نہ کرو وہ تمہارے مرید بنیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب آپ وہاں پہنچے تو شیخ علاء الدین آپ کے مرید ہوئے اور اس طرح یہ سلسلہ بنگالہ میں پھیلا۔

سیرا اولیا میں مذکور ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو اپنے وطن لکھنؤ میں ایک مقام پر اپنی قبر کے لیے جگہ پسند فرمائی، پیرو مرشد کے تبرکات ایک جگہ دفن کیے اور وصیت کی کہ مجھے ان کے پائیس دفن کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آپ نے ۷۵۸ھ میں وفات پائی۔

شیخ علاء الحق والدین | حضرت انجی سراج کے مرید شیخ علاء الحق والدین کا ذکر اوپر آیا ہے۔ آپ اپنے وقت کے اولیاء اللہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ پورا نام شیخ علاء الحق والدین بن اسعد لاہوری بنگالی ہے۔ ابتدائے حال میں اپنے زمانہ کے دولت مند اور صاحب اثر لوگوں میں سے تھے۔ خوام میں بڑی قد کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

شیخ علاء الدین کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے پاس بے انداز روپیہ آتا تھا اور بے دریغ اسے خرچ کرتے تھے یہاں تک کہ بادشاہ اور امرا تک حیران ہوتے اور رشک کرتے تھے۔ بادشاہ اکثر کہا کرتا تھا کہ میرا خزانہ شیخ کے باپ کے پاس ہے۔ اردہ ان کو دیتا ہے۔

ایک مرتبہ بادشاہ نے شیخ کو شہر سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ سنار گاؤں چلے گئے اور دو سال تک وہاں رہے۔ شہر سے نکلنے کے بعد آپ نے اپنے خادم سے کہہ دیا کہ اب خرچ کو پہلے سے دگنا کر دو۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ کی آمدن کی بظاہر کوئی صورت نظر نہ آتی تھی مگر اتنا روپیہ نہ جانے کہاں سے آجاتا تھا۔ آپ کے بزرگوں کے دو بارغ تھے، جن سے خاصی آمدنی تھی، مگر وہ کسی اود کے قبضے میں تھے اور آپ نے انہیں اپنے قبضے میں لینے کے لیے کبھی کوئی بات تک نہ کی۔ بے انداز خرچ کرنے کے باوجود فرمایا کرتے تھے: "میرے مخدوم جو کچھ خرچ کرتے تھے، میں اس کا عشر عشر بھی خرچ نہیں کرتا۔"

شیخ علاء الحق والدین نے ۸۰۰ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک پنڈوا میں ہے۔

حضرت خواجہ محمد جلال الدین کبیر الاولیا پانی پتی

ولادت ————— ۵۹۵ھ

وفات ————— پانی پت ۷۶۵ھ

قطب الاقطاب، حجت الاولیا خواجہ محمد جلال الدین شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کے مرید و خلیفہ تھے۔ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی سے بھی فیض حاصل کیا۔ ریاضات و مجاہدات میں بلند درجہ رکھتے تھے، صوری و معنوی صفات سے سرفراز ہوئے اور اولیاء اللہ میں اونچا درجہ پایا۔

اصل نام خواجہ محمد تھا، جلال الدین و کبیر الاولیا آپ کے خطابات ہیں۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ ۵۹۵ھ کو پیدا ہوئے اور ایک سو ستتر برس کی عمر پا کر ۱۳ ربیع الاول ۷۶۵ھ میں سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ہر مقام پانی پت عالم جاوہاں کو سدھارے۔ مزار پر انوار پانی پت میں مرجع خلافت ہے۔

آپ ارباب تجرید کے سر حلقہ اور مادر زاد ولی تھے، جو کچھ زبان مبارک سے فرماتے وہ ہو کر رہتا۔ بچپن ہی میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ چچانے آپ کی پرورش کی۔ ایام طفولیت ہی میں حضرت خواجہ بوعلی قلندر کے منظور نظر تھے۔ حضرت خواجہ آپ کے دیکھنے کے لیے روزانہ آیا کرتے تھے اور آپ سے بے انداز محبت تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن بوعلی قلندر ایک دیوار پر تشریف فرما تھے کہ خواجہ جلال الدین گھوڑے پر سوار وہاں سے گزرے۔ بوعلی قلندر کی نظر ان پر پڑی تو بے ساختہ زبان سے نکلا "زہے اسپ" زہے سوار" یہ فرمانا تھا کہ خواجہ جلال الدین کی حالت متغیر ہونے لگی۔ بے خودی کے عالم میں گھوڑے سے گر پڑے اور گریبان پھاڑ کر بے تحاشا جنگل کو نکل گئے۔

چالیس سال تک جنگلوں میں پھرے، طرح طرح کی مشقتیں اور ریاضتیں کیں، عبادت الہی میں لگے رہے اور کمال کو پہنچے۔ دو مرتبہ عربین شریفین بھی تشریف لے گئے اور حج کا شرف حاصل کیا۔ وہاں بے انداز علماء و مشائخ اور اولیاء کرام سے ملے اور ان کی مجلس میں رہ کر کسب فیض کیا۔ حضرت جلال الدین قطب عالم ہانسوی کے اشارے پر وطن واپس تشریف لائے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

آپ حضرت بوعلی قلندر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ مجھے رشد و ہدایت سے مستفیض فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اے بیٹے! تیری کشائش ایک مرد خدا پر موقوف ہے، وہی تمہیں نور باطن سے مالا مال کریں گے۔ کچھ دن میں وہ تمہیں مل جائیں گے۔ آپ نے تعمیل کی اور صبر کیا۔ چنانچہ جب شمس الاولیاء شمس الدین ترک پانی پتی پانی پت

میں تشریف لائے تو خواجہ جلال الدین ان کی صدیقی و معنوی عنایات سے مالا مال ہو کر ان کے مرید ہوئے۔ خاصی مدت ان کی حضور می نہیں گزاری۔ اس دوران میں خوب مجاہدہ و ریاضت کی یہاں تک کہ بہت اونچے درجہ کو پہنچے۔ حضرت شمس الدین نے آپ کو خلافت کا درجہ عطا کیا اور اپنی خانقاہ کا سجادہ نشین مقرر کیا۔

روایت ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسا درجہ عطا فرمایا تھا کہ دو دروازے کا سفر طرفۃ العین میں طے کر لیتے، پھر اپنی جگہ پر واپس آجاتے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ آپ جمعہ کی نماز اکثر خانہ کعبہ میں ادا کیا کرتے تھے۔ صحرا فردوسی کا بہت شوق تھا، چنانچہ بہت مدت تک جنگلوں میں رہ کر ریاضتیں کیں۔ اگرچہ آپ کے ہاں سے روزانہ سینکڑوں آدمی کھانا کھاتے تھے اگر اپنا یہ حال تھا کہ اکثر قافلوں سے بسر ہوتی۔ بڑے سخی اور بلند حوصلہ تھے۔ کبھی کسی کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے، ہمیشہ کچھ نہ کچھ دیا ہی کرتے تھے۔

آخری عمر میں استغراق بہت بڑھ گیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ جب دیکھو استغراق کی حالت میں ہیں۔ نماز کا وقت آنے پر خادم آپ کے کان میں تین مرتبہ حق حق کہتا تو آپ ہوش میں آجاتے اور نماز ادا کرتے پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی۔ استغراق سے عالم ہوش میں آنے پر نماز کے لیے ہر مرتبہ تازہ وضو کرتے۔

آپ کے صاحبزادے بھی فقرو فاقہ سے زندگی گزارتے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک کیمیا گرنے ان سے کہا کہ کیمیا گری سیکھ لو بہت روپیہ کیا ڈگے۔ انھوں نے یہ بات اپنے والد بزرگوار سے بیان کر دی۔ حضرت خواجہ نے یہ سن کر قریب کی ایک دیوار پر تھوک دیا۔ ساری دیوار سونا بن گئی۔ پھر بیٹوں سے فرمایا تم کیمیا گری کیا کرو گے کہ اس میں جان کا بھی خوف ہے وہ کیمیا نے سعادت حاصل کر کے تمہارا تھوک جس شے پر پڑے وہ سونا بن جائے۔

خواجہ خواجگان حضرت شیخ احمد عبدالحق رودلوئی جن کا مزار مبارک قصبہ رودلی میں ہے آپ کے مرید اور خلیفہ اعظم تھے وہ بڑے پاپیے کے بزرگ اور ولی اللہ گزرے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کے حالات بھی بیان کر دیے جائیں:

احمد عبدالحق حضرت شیخ احمد عبدالحق رودلوئی شان عظیم حال مستقیم رکھتے تھے، قہر و لطف سے جو کچھ آپ کے خیال میں آتا اسی وقت اس کا ظہور ہوتا۔ ریاضت اور مجاہدہ ایسا کیا کہ چھ ماہ ایک قبر میں پوشیدہ یا وحی میں رہے۔ آپ کو بھی ہر وقت استغراق رہتا تھا کہ نماز جمعہ کو جماعتی خادم حق حق کہتا ہوا آگے چلتا تھا، تب آپ آگے قدم رکھتے تھے۔ اگر وہ کبھی چپ ہو جاتا، آپ بھی کھڑے رہ جاتے تھے۔ شیخ عبدالرحمان چشتی مصنف مرآۃ الاسرار اور ادریشی میں نقل کرتے ہیں کہ اسم حق میں ان حضرت مخدوم شیخ احمد عبدالحق و مریدان شیخ کی کیفیت تھی کہ کوئی سانس بغیر ذکر حق کے خالی نہ آتا تھا۔ ہر موقع ہر محل ہر کاروبار میں حق کہتے تھے۔ چنانچہ اسم حق اور جمال حق میں مستغرق رہتے تھے اور آج تک آپ کے سلسلہ میں ذکر حق جاری ہے۔ جاننا چاہیے کہ جب روح عارف کی دریا سے توحید میں غوطہ زن ہوتی ہے تو انا نیت گم ہو کر تنہا لفظ حق حق کہنے لگتا ہے اور حقیقت توحید معائنہ کر کے حقیقتاً اشیاء ہیزہ ہزار عالم کو ایک وجود جانتا ہے۔ اس سبب سے حق بحقیقت پہنچ جاتا ہے۔ سلسلہ نسب حضرت کا چند اصطلاحوں سے

امیر المؤمنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منتهی ہوتا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے دادا شیخ داؤد معہ چند مردمان قبیلہ کے حادثہ ہلاکوں میں بلخ سے نکل کر وارد ہندوستان ہوئے اور بعد سلطان علاء الدین خلجی اور مصر میں اہل مدہ ہوئے اور قصبہ رودنی کی سکونت اختیار کی۔ شیخ داؤد مرد عظیم القدر تھے اور مرید حضرت مخدوم نصیر الدین چیراغ دہلی کے تھے۔ اپنے حالِ جمال باطنی کو کسوت اہل ظاہر میں پوشیدہ رکھتے تھے۔ مزار ان کا رودنی سے جنوب میں نہایت غریباً واقع ہے۔ بعد انتقال ایک پسر شیخ عمر کو چھوڑا۔ یہ بھی مشائخ سیرت اور متقی تھے۔ ان کا مزار بھی اپنے والد کے پاس ہے۔ شیخ عمر کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک شیخ تقی الدین دوسرے حضرت شیخ احمد عبدالحق شیخ تقی دہلی میں آ رہے تھے اور حضرت شیخ احمد عبدالحق رودنی میں والدہ کے پاس تھے۔ صاحب انوار نور العیون تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ احمد قدس سرہ سات برس کے تھے۔ ہمیشہ اپنی والدہ کے ہمراہ نماز تہجد ادا کرتے۔ ایک روز آپ کی والدہ نے شفقت مادی سے کہا کہ عبدالحق ابھی تم پر نماز فرض نہیں۔ تم تقویٰ میں اتنی کوشش کرتے ہو۔ چونکہ آپ عاشق الہی تھے، گھر سے بے سرو سامان نکل کر چل دیے، مگر زبان پر لفظ حق جاری ہو گیا اور بعد ڈیڑھ دو ماہ کے اپنے بھائی شیخ تقی الدین کے پاس دہلی آئے، انھوں نے ان پر بہت شفقت کی اور ان کو ایک مولوی کے پاس لے گئے کہ تعلیم حاصل کریں۔ انھوں نے ان کو میزان الصرف شروع کرائی۔ جب سبق میں ضرب ضرباً آیا اس کے معنی پڑھے، استاد سے کہنے لگے کہ راہ حق میں زون اور زوہ شدن کا کیا کام۔ مجھے ایسا علم پڑھاؤ جس سے معرفت حق حاصل ہو کہ سوائے اس کے میں اور کو دوست نہیں رکھتا۔ مولوی صاحب یہ سن کر متحیر ہوئے اور ان کی طلب صادق پر روئے اور حذر کیا۔ ان کے بھائی سے کہا کہ اس عزیز کا مطلب دوسرا ہے۔ ہم کو اس امر میں کچھ دخل نہیں۔ اور اول سے ایسا استغراق تھا کہ ایک روز جو شیخ تقی الدین نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم اس کو کیوں نہیں پڑھاتے یا کہیں اسے پڑھنے بٹھاؤ کہ علم جو ہر انسان ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ کچھ اور ہی پڑھا ہوا ہے، دیکھو میں تمہیں دکھائے دیتا ہوں، پھر ایک بٹوہ میں پانچ روپے ڈال کر ان کو دیے اور ان سے کہا کہ ان کو بحفاظت تمام رکھنا۔ آپ نے وہ بٹوہ لے کر دروازہ کی دہلیز میں گاڑ دیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ کی بھانج نے پوچھا کہ بھائی عبدالحق وہ بٹوہ روپیہ کا کہاں ہے؟ یہ سن کر کہنے لگے کہ کیسا بٹوہ میں کیا جانوں۔ انھوں نے کہا ابھی جو تمہارا بھائی نے دیا ہے۔ روئے لگے کہ مجھ پر ہتان لگاتی ہو، مجھ کو بٹوہ نہیں دیا۔ انھوں نے وہ جگہ بتائی جہاں آپ نے بٹوہ گاڑا تھا۔ اس وقت یاد آیا اور فرمایا کہ میں بھول گیا تھا۔ آخر آپ کو صحبت دنیا داران خوش نہ آئی۔ دہلی سے نکل گئے۔ بزرگوں سے بھی آپ کے درد کو کسی نے نہ تشخیص کیا۔ ایک مدت جنگل میں عبادت میں مشغول رہے اور ریاضت اور مجاہدہ بے سجد گمال کو پہنچایا۔ بعد الہام غیبی پانی پیت میں وارد ہو کر شیخ جلال الدین پانی تپتی سے مل کر عارف حق ہوئے۔ اس کی کیفیت اس طرح پر ہے کہ شیخ جلال الدین نے شیخ عبدالحق کا آنا نور باطن سے معلوم کر کے چند گھوڑے باساز زریں کسو کر درخانقاہ پرستادہ کر دیے اور خادم کو حکم دیا کہ آج دسترخوان نہایت تکلف سے تیار ہو۔ الغرض جب شیخ عبدالحق دروازہ پر آئے، گھوڑے اور آرائش مکان اور تزک و احتشام دیکھ کر اپنے دل میں کہنے لگے کہ جو شخص ایسا باحتمیت اور دنیا دار ہو، محبت الہی سے اس کو کیا فدا ہوگا۔ جب

اندر آئے تو دسترخوان کو دیکھ کر اور بھی حیران ہوئے اور وہاں سے نکل کر چل دیے۔ تمام دن چلے، شام کو قریب ایک آبادی کے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ پانی پت ہے۔ یہ سن کر بہت ہی حیران ہوئے۔ وہ شب باہر بسر کر کے صبح پھر راہی ہوئے تھوڑی دیر چلے تھے کہ راہ گم کر گئے۔ دیکھا کہ ایک خشک درخت پر ایک شخص کلاہ سر پر رکھے بیٹھا ہے۔ انھوں نے اس سے راستہ دریافت کیا، اس نے کہا کہ اسے گمراہ اصلی راستہ دروازہ شیخ جلال الدین سے گم کر کے آیا ہے، اگر یقین نہیں تو دو شخص اور آتے ہیں ان سے پوچھ لے۔ جب یہ چند قدم اور آگے بڑھے، دیکھا کہ دو شخص بشلک مشائخ آتے ہیں، ان کے نزدیک پہنچ کر راستہ دریافت کیا۔ انھوں نے بھی کہا تو دروازہ شیخ جلال الدین سے راہ گم کر کے آتا ہے۔ تیرا راستہ دروازہ شیخ پر ہے۔ اب تو ان کو یقین ہوا کہ یہ نہایت غیبی ہے۔ پس براعت تمام وہاں سے واپس ہوئے اور دل میں کہا کہ اگر وہ اپنی کلاہ مزار خواجہ شمس الدین سے مس کر کے میرے سر پر رکھیں اور حلوادیں تو کیا خوب ہو۔ جب یہ قریب خانقاہ کے پہنچے، ان کے آنے کا حال نور باطن سے معلوم کر کے روضہ پیر مرشد میں تشریف لے گئے۔ خانقاہ پر ان کو معلوم ہوا کہ شیخ روضہ خواجہ شمس الدین میں ہیں، یہ بھی نہایت اشتیاق سے وہاں پہنچے اور اندر روضہ کے جا کر شیخ کی قدمبوسی کی۔ شیخ نے اپنی کلاہ روضہ شیخ سے مس کر کے ان کے سر پر رکھی، اسی وقت برائے نیاز ایک شخص حلوالایا۔ شیخ نے ناخود سے کہ ان کو اور دیگر حاضرین کو تقسیم فرمایا۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ کل حلو ان کے حوالے فرما کر کہا کہ یہ تمھاری آرزو تھی۔ یہ حلو لے کر خوش ہوئے اور تین بار دونوں نے حق حق کہا اور شیخ نے ان کو مرید فرمایا۔ بعدہ جب کارہ بیکسیل پہنچا خرقہ خلافت عطا فرمایا اور ارشاد کیا کہ میں خدا سے چاہتا ہوں میرا سلسلہ تجھ سے جاری ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ کی توجہ اور برکت سے ہزاروں خلفائے نامدار درجہ ولایت کو پہنچے اور اس سلسلے نے بڑا فروغ پایا۔

بعض نے لکھا ہے کہ جب شیخ احمد دوبارہ آئے ہیں تو شیخ ان کے شوق میں در خانقاہ پر کھڑے تھے اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی فرماتے ہیں، جب شیخ عبدالحق آئے اور مرید ہوئے تو شیخ کی خدمت میں رہنے لگے، مگر ان کے دل میں بوجہ اسباب معیشت تنفر تھا، کیونکہ انھیں تجرید سے الفت تھی۔

حضرت شرف الدین احمد منیری

ولادت ————— منیر ضلع پٹنہ ۱۱۲۶ھ

وفات ————— بہار ————— ۱۱۸۲ھ

حضرت شرف الدین احمد منیری خطہ ہند کے ان صوفی بزرگوں اور اولیائے کرام میں سے ہیں جنہوں نے اتباع سنت، خدمت خلق اور تعلیمات دین کی ترویج و ترقی کے لیے بہت کوششیں کیں اور خواص و عوام دونوں کو اپنے نور باطن سے مستفید کیا بہت سی کتابیں تصنیف کیں، جن میں تصوف اور فقہ کے مسائل پر سیر حاصل بحث کی اور ان کی شرحیں لکھیں۔

نسب اور ۲۶ شعبان ۱۱۶۶ھ میں پٹنہ (بھارت) میں منیر کے مقام پر پیدا ہوئے، سلسلہ نسب یہ ہے:

خاندان شرف الدین احمد بن شیخ یحییٰ بن اسرائیل بن مولانا محمد تاج فقیہ بن ابی بکر بن ابی الفتح بن ابی القاسم بن ابی الصائم بن ابی دہر بن ابی لیث بن ابی سہم بن ابی الدین بن ابی سعید بن ابی ذر بن زبیر المکنی بابی الصعب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف۔

آپ کی والدہ محترمہ کا نسب نامہ چودھوی پشت میں حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام سے ملتا ہے۔ آپ کا خاندان بیت المقدس سے ہندوستان آیا اور منیر کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ یہ خاندان زہد و تقویٰ کی بنا پر بہت ممتاز تھا اور منیر کے پاس بہت سے لوگ اسی خاندان کی بدولت اسلام لائے۔

شرف الدین احمد نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ سن شعور کو پہنچے تو والد بزرگوار نے انہیں ایک مشہور عالم دین ابو توامہ کے پاس سنار گاؤں بھیج دیا، جہاں انہوں نے کلام پاک، تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی۔ ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہا کرتے تھے۔ علم تصوف پر بھی آپ نے بہت کتابیں پڑھیں۔ وہیں اپنے استاد کی دختر سے شادی کر لی جن سے تین اولادیں ہوئیں۔

سنار گاؤں میں قیام کے دوران والد بزرگوار کی وفات کی خبر ملی تو وطن آئے اور کچھ دن وہاں قیام کیا، پھر مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ بڑے بھائی شیخ جلال الدین بھی ساتھ گئے۔

دہلی پہنچ کر دیگر بزرگان کرام کے علاوہ حضرت نظام الدین اولیاء سے بھی ملاقات کی۔ پھر سلطان المشائخ کی ہدایت کے بموجب شیخ نجیب الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کی۔ انہوں نے کچھ نصیحتیں کر کے رخصت کیا۔
مرشد کی وصیتیں | پیرو مرشد نے بیعت کے وقت جو نصیحتیں فرمائیں وہ یہ تھیں:

اے عزیز، یہ بات بڑے غور و فکر کے بعد ظاہر ہوتی ہے کہ ترک خودی میں مشغولیت کے علاوہ دنیا کی کسی چیز میں مشغول رہنا غلطی ہے۔ انسانی حرکات، سکنا، آواز اور افعال ہی سے خودی پیدا ہوتی ہے۔ کھانا، بولنا، سونا میل جل پیدا کرنا، سنا، دیکھنا وغیرہ انسانی فطرت کا اقتضا ہے۔ لیکن یہ تمام باتیں بقدر ضرورت ہونی چاہئیں اگر ضرورت سے زیادہ ہوں تو حتیٰ سے دوری ہو جاتی ہے۔ اس لیے دن رات اس فکر میں رہنا چاہیے کہ خودی میں سے کیا چیز باقی رہ گئی ہے یہاں تک کہ اللہ کے فضل سے خودی سے بالکل چھٹکارا ہو جائے۔ اگر بال برابر خودی باقی رہ گئی ہے تو حجاب باقی ہے۔ جب تک اس سے فراغت حاصل نہ ہو جائے، دوسرے کام میں مشغول ہونا صحیح نہیں کیونکہ خودی سے چھٹکارا پانے سے پہلے کسی کام میں مشغول ہونا شیطنیت ہے۔ اس لیے کسی حال میں دوسرے کام کی طرف مشغول نہیں ہونا چاہیے۔ مجاہدہ اور ریاضت نفس اس طرح ہونی چاہیے کہ خودی بالکل جاتی رہے اور انتہائی درجہ کا تقویٰ حاصل ہو اور بشریت کی پوری صفائی ہو جائے۔ کسی وقت بے وضو رہنا مناسب نہیں، اگرچہ اوصی رات جاڑے کا موسم اور ٹھنڈا پانی ہی کیوں نہ ہو۔ وضو کے بعد دو رکعت نماز کسی حالت میں فوت نہ ہونی چاہیے۔ کھانا کھانے اور پانی پینے سے صرف تین چیزوں کی بقا ہوتی ہے، حیات، عقل اور قوت۔ کھانا اس وقت تک ترک کرتے رہنا چاہیے جب تک حیات اور عقل میں خلل پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو، خشک روٹی، خشک چاول یا خشک کھجور جو کچھ بھی مل جائے ضرورت کے مطابق کھالیا جائے۔ نان خوردن (جیسے سالن وغیرہ) کی فکر نہ کرے۔ اسی طرح پانی پینا بھی ترک کر دے، یہاں تک کہ جب اسے معلوم ہو کہ زندگی یا عقل میں خلل پڑے گا، اس وقت تھوڑا سا پانی جو صرف اس قدر ہو جس سے حلق تر ہو سکے، پی لے، تاکہ پیاس بجھ جائے لیکن قوت کے کم ہونے کی وجہ سے ہرگز نہ کھائے پیئے۔ اور قوت کے زائل ہونے کی طرف ہرگز توجہ نہ کرے، اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہو سکے گی کہ نہ کھانے کی وجہ سے کتنے دنوں میں زندگی اور عقل میں خلل پڑنے کا خوف پیدا ہوگا اور جب یہ تجربہ سے معلوم ہو تو اس بات کا لحاظ رکھے۔

رات اور دن میں کسی وقت نہ سوئے اور نماز، قرآن کی تلاوت اور کتاب کے مطالعہ سے نیند کو دور کرے۔ اس کام کا تمام تر مدار اس پر ہے کہ رات اور دن میں کسی وقت نہ لیٹے، بلکہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر رات دن گزارے۔ کسی شخص سے بات چیت نہ کرے، البتہ سائل کا جواب دے سکتا ہے، لیکن سائل اگر عالم ہو تو اس کا جواب نہ دے بلکہ کبھی علمی جواب میں مشغول نہ ہو کہ اس میں بہت سی آفتیں ہیں، لیکن اگر جواب علمی نہ ہو تو اس کا جواب بالکل مختصر دے اور صرف ضروری بات کرے اور وہ بھی اس وقت جب بجز بولنے کے اور چارہ نہ ہو۔ تو جو کچھ ہو سکے گفتگو کرے، لیکن خود کوئی بات نہ کرے۔

کسی کے ساتھ بالکل ملاقات اور میل جول نہ کرے اور ایک خالی گوشے میں بیٹھا رہے اور جو چیز موجود ہو

اسے باقی رہنے دے اپنے کام کے لیے اپنے گوشے سے باہر نہ نکلے اور کسی کو اپنے پہلو میں آنے کی اجازت نہ دے
ہمیشہ نظر نیچے زمین کی طرف رکھے۔ بے ضرورت دائیں بائیں نہ دیکھے۔ کسی کی بات نہ سنے اور نہ اس کی کوشش
کرے کہ دوسرا کیا کہتا ہے۔

دل کو عمداً اور قصداً کسی چیز میں نہ لگائے۔ کوئی بات کان میں پڑے اور سمجھ میں نہ آئے تو اس کی
فکر بھی نہ کرے۔ ضرورت کے وقت سوکھی روٹی کھالے اور پانی پی لے۔ کوئی چیز اس لیے نہ کھائے کہ وہ
موجود ہے۔ کیونکہ اس طرح محض خودی کا پابند ہونا ہے۔ دوپہر کے وقت روزانہ قضائے حاجت کے لیے
جائے اور اگر قلتِ طعام کے باعث اس کی حاجت نہ ہو تو بہتر ہے، لیکن اس سے زیادہ نہ جائے ورنہ
ضائع نہ کرے، اگرچہ اس کی ضرورت محسوس ہو اور وضو مشکوک ہو، یہاں تک کہ اس کی عادت ہو جائے۔
تمام وقت ایک کبل کے سوا اور کچھ نہ اڑھے، لیکن جاڑے کے دن لبالچہ کئینہ (شاید استین والا
لبادہ مراد ہو) فرقہ کے اوپر پہنے اور اس پر دن رات میں کسی چیز کا اضافہ نہ کرے۔ کسی کے آنے جانے
پوچھنے اور کام کرنے پر ناخوش نہ ہو اور نہ کوئی اعتراض کرے۔ یہ معلوم نہ ہونے دے کہ اس کو ظاہر زو باطناً
کسی چیز سے انکار ہے خواہ سر پر آگ ہی کیوں نہ برسے، لیکن چون دہرا نہ کرے اور نہ اپنے میں کیت و
کیفیت ظاہر ہونے دے، یہاں تک کہ اس کو مقام وحدت اور حال و ذوق حاصل ہو جائے۔

سماع کے وقت جاں تک نمکن ہو، آبدیدہ نہ ہو اور جسم کو حرکت نہ دے، یہاں تک کہ مغلوب نہ
ہو جائے اور اپنی حفاظت آپ نہ کر سکے، لیکن سماع میں احوال کے ظاہر ہونے سے بڑی آفتیں ہیں۔ ان کا
چھپانا بہت اہم باتوں سے ہے۔ قلب پر بہتی بھی آگ برسے اس کی خبر نہ ہو اور یہیں وہ مقام عظیم ہے
جو بڑی مشقت، بڑے مجاہدے اور بے انتہا ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ تم اپنی طرف سے کوشش
کو خدا عطا کرے گا۔ برسوں کے بعد مشقت اٹھانے والے کو راستہ ملتا ہے اور اگر یہ سعادت حاصل
نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دیتا ہے۔

سنگ زبرین آسیا بودن

کار نازک تنان رعنائیت

شجرہ شیوخ | آپ کا شجرہ شیوخ یہ ہے:

شرف الدین احمد منیری، خواجہ نجیب الدین فردوسی، خواجہ رکن الدین فردوسی، خواجہ نجم الدین کبریٰ، خواجہ ضیا الدین
ابو نجیب، خواجہ وجیہ الدین ابوحنس، خواجہ محمد بن عبداللہ، خواجہ احمد سپاہ دہلوی، خواجہ محمد شاہ غلوی، خواجہ جنید بغدادی

لے وصیت دار حضرت خواجہ نجیب الدین شائع کروہ میں منیہ نام اگر ۱۳۲۰ء بہ حال بزم صوفیہ:-

خواجہ سرہی مستطی، خواجہ معروف کرخی، سیدنا امام علی رضا، سیدنا امام موسیٰ کاظم، سیدنا امام جعفر صادق، سیدنا امام محمد باقرین
سیدنا امام زین العابدین، سیدنا امام حسین، سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

سفر غرض بیعت کے بعد شرف الدین احمد دہلی سے چل دیے اور بہار (ضلع آرہ) کے جنگل میں پہنچے تو مور کی آواز سن کر دل
میں ایسا اضطراب پیدا ہوا کہ گریبان چاک کر کے جنگل میں ٹائپ ہو گئے۔ بڑے بھائی ساتھ تھے، انھوں نے ہر چند تلاش کیسا
مگر کچھ پتہ نہ چلا۔

مجاہد کے آپ بارہ سال تک اسی جنگل میں رہے پھر راجگیر (ضلع پٹنہ) کے جنگلوں میں پھرتے پھرتے رہے۔ کامل تیس سال
تک جنگلوں میں رہ کر ریاضت کرتے رہے۔ کھانا پینا چھوٹ گیا تھا۔ درختوں کے پتے کھالیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں بعض
ہندو جوگیوں کے ساتھ سفر کے بھی ہوئے۔

جب آبادی کی طرف آئے تو خلق خدا آپ کی طرف آڈ پڑی۔ لوگ جو درجہ خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہونے
لگے۔ آپ بہار شریف کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ بہار شریف ہی میں
سکونت رکھیں، چنانچہ وہیں رہنے لگے اور ۶۰ سال تک وہاں رہ کر تشنگان معرفت کو سیراب کرتے رہے۔
رشد و ہدایت سلطان محمد تغلق نے آپ کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کروائی اور اس کے اخراجات کے لیے پرگنہ راجگیر کی جائیداد
بھی عطا کر دی۔ آپ اس میں بیٹھ کر تقریر و تحریر کے ذریعہ رشد و ہدایت کا کام کرتے رہے۔ آپ کا کچھ مجموعہ ملفوظات اور کتابت
کی شکل میں محفوظ ہے۔ خانقاہ میں سالکان راہ طریقت کی مجلسیں منعقد ہوا کرتی تھیں علماء اور محدثین بھی جمع ہوتے تھے، محفلت
مسائل پر گفتگو ہوتی تھی۔ شرف الدین منیری ہر مسئلہ وضاحت سے بیان فرمایا کرتے تھے اور سامعین بڑے اشتیاق سے
سنا کرتے تھے۔ ایک بیان کے مطابق:

ہر مجلس میں مریدوں۔ نیک بندوں اور سچی طلب رہنے والے لوگوں کا مجمع ہوتا ان میں سے ہر ایک اپنے
حال اور کام کے مطابق ایک سوال کرتا۔ جس کا تعلق طریقت، شریعت، حقیقت اور معرفت سے ہوتا۔
حضرت مخدوم ہر سوال کا شافی جواب دیتے۔ ان کا بیان دلپذیر اور ان کے اشارے کنایے بے نظیر ہوتے
تھے۔ ہر بیان میں سیکڑوں معانی، ہر اشارہ میں ہزاروں لطیفہ لاریبی اور ہر معنی میں بے انتہا مفہوم اور ہر
لطیفہ میں لاتعداد اور اکات اور ہر مفہوم میں بے شمار سمالات اور ہر ادراک میں بہت سے مقامات اور ہر حال
میں ناقابل بیان ذوق اور ہر مقام میں اتنی خبریں ہوتیں جن کی گنجائش دنیا میں نہیں۔

آپ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی جو مرید مجلسوں میں حاضر نہ ہو سکتے تھے انھیں کتابت کے ذریعہ ہدایت
و تلقین کی جاتی تھی۔ عوام اور خواص دونوں آپ کے چہرہ معرفت سے مستفیض ہوتے تھے سلطان فیروز شاہ تغلق کو بھی آپ ہندو
نصائح فرمایا کرتے تھے۔ سلطان کے داماد اور ملک کو بھی عملی تعلیم دیا کرتے تھے۔ قاضی شمس الدین حاکم چوسر نے بھی آپ کو

تعلیمات سے بہت استفادہ کیا۔ قاضی صاحب کے نام آپ نے جو مکتوبات لکھے وہ غرناہ و تصوف کا دریا ہیں۔ ان موضوعات پر کوئی مسئلہ ایسا نہ ہوگا جس کی وضاحت ان ملفوظات میں نہ ہو۔ علاوہ ازیں اور کئی امرائے یعنی قاضی صدیق الدین، مالک بصرہ، ملک معز الدین، شمس الملک شمس الدین خوارزمی وغیرہ کے نام آپ نے کئی خطوط لکھے جن میں انھیں عالمانہ وقار اور سنجیدگی کیساتھ مختلف معاملات کی نصیحتیں کی گئی تھیں۔ یہ سب مکتوبات آج تک محفوظ ہیں۔

پندرہ نصاب کے سلسلے میں آپ کے بعض مکتوبات کے ٹکڑے نمونہ کے لیے پیش کیے جاتے ہیں جو قابل غور ہیں سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں خواجہ عابد ظفر آبادی نے آپ سے فریاد کی کہ میرا مال ظلم و تعدی کے باعث تلف کر دیا گیا ہے آپ نے سلطان کی توجہ اس طرف دلائی۔ چنانچہ انھیں بڑے عالمانہ انداز سے ایک خط لکھا:

حضرت بلال مؤذن سے روایت ہے کہ میں حضرت رسول خدا کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق کے گھر مکہ میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا۔ رسول خدا نے مجھ سے فرمایا باہر جا کر دیکھو کون ہے۔ میں گیا تو ایک نصرانی کھڑا تھا اس نے پوچھا محمد یہاں ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ گھر کے اندر آیا اور کہا یا محمد! تم کہتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں اور خدا کا پہنچا ہوا ہوں، مجھ کو اور لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہو۔ اگر تم رسول برحق ہو تو اس کو دیکھو کہ قوی ضعیف پر ظلم نہ کرے۔ پیغمبر نے پوچھا تم پر کس نے ظلم کیا ہے۔ اس نے کہا ابو جہل نے میرا مال لے لیا ہے یہ وقت آپ کے قبیلہ کا تھا اور بڑی گرمی پڑ رہی تھی، لیکن آپ اسی وقت روانہ ہوئے تاکہ مظلوم کی مدد فرمائیں میں نے (حضرت بلال نے) عرض کیا یا رسول اللہ! قبیلہ کا وقت ہے، گرمی پڑ رہی ہے، ابو جہل بھی قبیلہ کر رہا ہوگا، وہ برہم ہوگا۔ مگر آپ نہ رکنے اور اس طرح ^{نشتمگیں} ابو جہل کے دروازے پر پہنچ کر اس کو کھٹکھٹایا۔ ابو جہل کو غصہ آیا۔ اس نے اپنے بتوں لات و عزنی کی قسم کھا کر کہا کہ جس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے اس کو جا کر ڈالوں گا۔ باہر آیا تو دیکھا حضرت رسالت مآب کھڑے ہیں۔ بولا کیسے آئے۔ کسی آدمی کو کیوں نہ بھیج دیا؟ پیغمبر علیہ السلام نے غصہ میں فرمایا اس نصرانی کا مال تم نے کیوں لے لیا ہے۔ اس کا مال واپس کر دو۔ ابو جہل نے کہا اگر اسی کے لیے آئے ہو تو کسی آدمی کو کیوں نہ بھیج دیا، مال واپس کر دیتا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باتیں نہ بناؤ اس کا مال واپس کر دو۔ ابو جہل اس کا تمام مال باہر لایا اور اس کے والے کیا۔ نصرانی سے پیغمبر نے فرمایا اب تو تمہارا مال تمہارے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کہا لیکن ایک ادنیٰ تھیلا رہ گیا ہے۔ پیغمبر نے ابو جہل سے فرمایا تھیلا بھی دو۔ ابو جہل نے کہا کہ اے محمد! تم واپس جاؤ میں اس کو پہنچا دوں گا۔ حضرت رسالت مآب نے فرمایا میں اس وقت تک واپس نہ جاؤں گا جب تک کہ تم تھیلا بھی واپس نہ کر دو گے۔ ابو جہل گھر کے اندر گیا اس کو وہ تھیلا نہ ملا لیکن اس سے بہتر تھیلا لایا اور بولا وہ تو مجھ کو نہیں ملا مگر اس سے بہتر لایا ہوں اور اسی کو اس کے بدلے میں دیتا ہوں پیغمبر نے فرمایا اے نصرانی یہ تھیلا بہتر ہے یا وہ بہتر تھا۔ اس نے کہا اے محمد یہ بہتر ہے۔ پیغمبر نے فرمایا اگر تم

کہتے کہ وہ بہتر تھا تو میں اس وقت تک واپس نہ جاتا، جب تک میں قیمت لے کر تمہارے حوالے نہ کرتا۔
ایک دوسری روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے، خدا تعالیٰ قیامت کے
روز چھ لاکھ عجز کرنے میں اس کی مدد کرے گا اور بہشت میں جگہ دے گا اور جو کوئی کسی مظلوم کو دیکھتا ہے اور
وہ مظلوم اس سے فریاد کرتا ہے، لیکن وہ فریاد نہیں سنتا تو قبر کے اندر سے آگ کے سوکڑے مارے جائیں گے۔
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے اس کے لیے
تشریف منگرت لکھی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک تو اسے دنیا میں مل جاتی ہے اس سے اس کا کام سدھرتا ہے اور
بقیہ بہتروں کے لیے عقیقی میں ملتی ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک کاروان شہر سے باہر ٹھہرا، عمر بن خطابؓ نے عبدالرحمان بن عوفؓ سے
سے فرمایا۔ کاروان شہر سے باہر ٹھہرا ہے چلو ہم اس کی پاسبانی کریں ایسا نہ ہو کہ کاروان والے سو جائیں اور کوئی ان
کا سامان اٹھالے جائے۔ چنانچہ رات بھر پاسبانی کرتے رہے۔ سنی تعالیٰ نے پیغمبر کے دوستوں کو یہ اوصاف خطا
فرماتے تھے سَأَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ وہ تمام مسلمانوں پر مہرباں تھے اور ان کے لیے غم کھاتے تھے۔

الحمد لله انہ آپ (سلطان فیروز شاہ کی ذات معظمہ و کرم مظاہرین اور درماتوں کی جائے پناہ ہے اور آپ
کی بارگاہ کا عدل و انصاف دنیا میں ظاہر ہو چکا ہے، اور انصاف کو یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام
نے فرمایا ایک ساعت کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

اس شخص کے بعد ہی ایک دوسرا خط سلطان کے داماد و اوڈ ملک کے نام بڑی تواضع اور خاکساری کے ساتھ لکھا جس
میں ان اوصاف کی عملی تعلیم بھی دی۔ خط یہ ہے:

”لا ازالا ہو شرف منیری جو کہ علماء کے آستانہ کا کتابت و شایستگی اور خدمت کے ساتھ آستانہ
صدر کی خدمت میں سلام و محبت کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس سیاہ روکتے کی ہستی کیا ہے جو صدر نے اس کی خدمت
کا ذکر اس تواضع کے ساتھ کیا ہے، البتہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک سے کہا جائے کہ تجھ میں ایک برائی
ہے۔ پوچھا وہ کیا؟ کہا گیا تو سب کو خوشبو دیتا ہے۔ جواب دیا میں یہ نہیں دیکھتا کہ کون خوشبو پاتا ہے میں دیکھتا
ہوں کہ میں کیا ہوں، ایسی میرا حال ہے۔ میری کیا حیثیت کہ صدر میرے معتقد ہوں اور مجھ کو ملک امتیاز تظاہر
کھیں۔ افسوس ہے کہ اس بد بخت کا کام خاکساری، نگرانی سبت پرستی اور زنا و داری میں اہل شقاوت
و لعنت سے زیادہ نہیں بڑھا، پھر بھی اس بد بخت اور منافق کے متعلق لوگوں کا خیال اچھا ہے۔

کتے ہیں کہ ایک بزرگ نے ایک شخص کے جنازہ کی نماز پڑھائی نماز کے بعد کسی کی زبان سے سنا کہ وہ شخص

شہر میں نیک نام تھا، بزرگ نے کہا اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھاتا۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے کہا، جب تک کوئی شخص منافق نہیں ہوتا لوگوں میں نیک نام نہیں ہوتا۔ اگر آپ کی تواضع میری شہرت کی وجہ سے ہے تو دنیا میں اس بے نعت سے زیادہ مشہور شیطان ہے۔ اے صد بزدلو! اسلام ایسا دین نہیں ہے جو ہر گندے اور ناپاک شخص کو اپنا جمال دکھائے لایَسُّهُ إِلَّا الْمَطَهَّرُونَ۔ (اسے چھو نہیں سکتے مگر پاکیزہ لوگ) یہ آیت ایک دنیا کی عامل ہے وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ۔ (ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے، مگر بحالت شرک) اس آیت نے ایک جہان کو حیدر سے ہٹا دیا ہے۔ دین کا کام اتنا آسان نہیں جتنا لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔ جو لوگ دین پناہ ہیں اور اس کی ہر حقیقت سے واقف ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدایا ہم کو عدم بنا دے، جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بعض لوگ زنا را بنا کر کراؤش خانے میں آتے ہیں اور علم و عقل کو ایک طرف رکھ کر کہتے ہیں:

اد علم نمی شنید لب بریستم اور عقل نمی خرید دیوانہ شدم

اور جس شخص نے یہ کہا ہے کہ ہا خدا دیوانہ باش، با شریعت ہر شیار تو اس کا مطلب یہی ہے، اگر آج کوئی اپنی رسم و عادت کو اسلام کہتا ہے تو یہ بالکل لالچ چیز ہے اس کا جواب یہ ہے:

فردات کند خمار کا شب مستی!

اور جب موت کے دروازے پر فکشفنا عنک غطاٹک کا پردہ ہوتا ہے تو پھر پتا چلتا ہے کہ کوئی دستار رکھتا ہے یا زنا، اخلاص یا نفاق، خانقاہ میں تھا یا بت خانہ میں۔ اسی لیے کہا گیا ہے

سوف تری اذا تجلے الغبار الخنک فر بن ام حجاز

جب خبار دور ہو گا تو دیکھو گے کہ تم گھوڑے پر سوار ہو یا گدھے پر قاضی شمس الدین حاکم جو سہ کو لکھتے ہیں:

برادر شمس الدین! خدائے تعالیٰ کی اطاعت میں مستقل مزاج رہو۔ کاتب حروف کے سلام و دعا کے بعد اے برادر یہ ضروری ہے کہ تم اپنے اخلاق کی بُری باتوں کو اچھی باتوں میں تبدیل کرنے میں روزانہ ہر ممکن کوشش کرو اور اسے ایک اہم کام سمجھو۔ اس کام کو تم نے چھوڑ دیا یا اس سے غافل ہو گئے تو پھر بلائیں پیش آئیں گی نفوذِ بادشاہ۔ اس دنیا کے جانوروں اور چوپایوں میں تو صفات ہیں ان میں سے ہر ایک صفت انسان میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور اس قسم کی جو صفت انسان میں غالب رہتی ہے وہی قیامت کے دن صورت بن کر ظاہر ہوتی ہے۔

یہ ضروری ہے کہ کپڑا جسم اور لقمہ پاک اور حلال ہو، اس خمسہ بھی حقیقت سے پاک ہوں۔ دل بھی اور صاف
ذمیر یعنی بخل، حسد وغیرہ سے پاک ہو۔ پہلے کی پاکی سے مزید راہ دین میں دو قدم آگے بڑھ جاتا ہے اور تیسرے
دول کی پاکی حاصل ہوتی ہے تو مزید تین قدم آگے بڑھ جاتا ہے اور مزید پر تو بر کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔
اور وہ حقیقتہً ثابت ہوتا ہے۔

آپ کی زندگی درویشانہ تھی۔ نہایت سادہ غذا کھاتے۔ لباس بھی بالکل سادہ ہوتا۔ لباس کے کچھ ترکات آج بھی ان
کی خانقاہ میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہر وقت روتے رہتے اور بعض اوقات عجب وارفتگی کا عالم طامازی ہو جاتا۔ اتنا باریک
کا بہت خستیاں رکھتے تھے۔ اور مریدوں کو بھی سختی سے اس کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ حقوق العباد ادا کرنے میں بہت کوتاہ
رہتے اور خدمت خلق کو بہت بڑا کام جانتے تھے۔

آپ کا ارشاد ہے "مسلمانوں کا کام انجام دینا اور ان کے کام میں لگے رہنا بڑی دولت ہے۔ یہ کام پیغمبروں کا ہے۔
انہوں نے مسلمانوں کے کام کیے اور ان کی بلائیں اپنے سر پہنچنے رہے۔"
ایک جگہ لکھتے ہیں "اس تاریک دنیا میں قلم زبان، مال اور جاہ سے جہاں تک ہو سکے محتاجوں کو راحت پہنچاؤ۔ صوم و عسلوۃ
و نوافل اپنی جگہ پر اچھی ضرور ہیں، مگر دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ سود مند نہیں۔"
بہار شریف میں رو کر آپ نے یہی کام انجام دیا۔ درس و تدریس، پند و عظمت اور تقریر و تحریر غرض تمام ذرائع سے لوگوں
کے اخلاق کو سدھارنے کا کام انجام دیا۔

سماع | آپ سماع کی مجلسیں بھی منعقد کیا کرتے تھے۔ بزم صوفیہ کے بیان کے مطابق "مرشد کی نصیحت تھی کہ سماع کے وقت
باطنی احوال ظاہر نہ ہوں، اس لیے جب کبھی مجلس سماع ہوتی اور اس میں حضرت مخدوم الملک (حضرت شرف الدین احمد) کو جو
ہمات و خلوت میں چلے جاتے اور دروازہ بند کر لیتے۔ وہاں کسی کو آنے کی اجازت نہ ہوتی۔

سماع کی حلت و حرمت پر معدن المعانی باب ہفتم (ص ۴۱-۴۲) اور مکتوبات سہ صدی (مکتوب نو و سوم ص ۴۱)
۲۶۳ میں مستقل بحثیں ہیں، جن کا ماحول یہ ہے کہ اگر سماع سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی تحریک ہو اور احوال شریف یعنی مکاشفات
اور لطافت ظہور پذیر ہوں تو یہ حلال ہے اور اگر اس سے طبیعت فسق و فجور کی طرف مائل ہو تو یہ حرام ہے۔ سماع حلال بھی حرام بھی
ہو کر رہ سکتا ہے اور مباح بھی۔ اگر سماع کے سننے سے دل صرف حق کی طرف مائل ہو تو یہ حلال ہے، اگر مجاز کی طرف مائل ہو تو یہ
حرام ہے اور اگر کچھ حق اور کچھ غیر حق کی طرف متوجہ ہو تو یہ مکروہ ہے اور حق و مجاز دونوں کی طرف مائل ہو لیکن حق کی طرف زیادہ
رجحان رکھے تو یہ مباح ہے (معدن المعانی ص ۴۳-۴۴)

سماع اہل حق کے لیے مستحب، اہل زہد کے لیے مباح اور اہل نفس کے لیے مکروہ ہے (مکتوبات سہ صدی ص ۴۶)
سماع اگر طلب منفعت کے لیے ہے تو یہ مذموم ہے اور اگر طلب حقیقت کے لیے ہے تو یہ محمود ہے (معدن المعانی ص ۴۶)

مجلس سماع کے لیے تین شرطیں ضروری ہیں: مکان، اخوان اور زمان۔ مکان یعنی جہاں مجلس سماع ہوتی ہو وہ مشائخ کی جگہ ہو اور پاکیزہ، کشادہ اور روشن ہو۔ اخوان یعنی مجلس سماع میں جو شریک ہوں وہ درویش، یاد دہش کے دوست ہوں۔ اہل تہمت صحبت یافتہ اور راضی ہوں۔ زمان یعنی سماع کے وقت دل تمام چیزوں سے خالی ہو۔

مجلس سماع کے آداب کی پابندی بھی ضروری ہے۔ مثلاً شکر، دو زانو بیٹھیں۔ سر کو آگے جھکائے رکھیں۔ دائیں بائیں نہ دیکھیں، ہاتھ اور سر کو جنبش نہ دیں۔ پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پیئیں۔ آپس میں گفتگو نہ کریں۔ قوال کی نموش گوئی کی داد نہ دیں۔ اشعار کو بہتر طریقہ پر پڑھنے کی فرمائش نہ کریں۔ دل کو حق سبحانہ کی طرف مائل رکھیں الخ (مکتوبات سنہ صدی ۱۱ - ۲۱ - ۲۶۰)

وفات | آپ نے پنجشنبہ ۶ شوال ۱۲۶۲ھ کی رات کو وفات پائی۔ اس روز صبح ہی سے یہ عالم تھا کہ مریدوں کو پاس بلائے اور گلے لگاتے، بعض سے معاف فرماتے، دعائیں دیتے، وصیتیں کرتے، بار بار قرآن کریم کی آیات تلاوت فرماتے اور ہاتھ

دعائیں پڑھتے اور کلمہ ادا کرتے ہوئے جان جان افریں کے سپرد کر دی۔

تصانیف | کہا جاتا ہے کہ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں مگر صرف حسب ذیل کتابوں کا علم ہو سکتا ہے:

مکتوبات: مکتوبات صدی۔ مکتوبات دو صدی۔ مکتوبات بست و ہشت

ملفوظات: معدن المعانی۔ رخ المعانی۔ راحت القلوب۔ خوان پر نعمت۔ کنز المعانی۔ معجز المعانی۔ سخن لایقینی۔

مونس المریدین۔ تحفہ نبوی۔ لطیف الصفا اور برات المتقین۔

تصانیف: فوائد رکنی۔ شرح آداب المریدین۔ عقائد شرفی۔ ارشاد الساکین۔ ارشاد الطاہرین۔ اجوبہ۔ ادراد خورد۔

ادراد وسط۔ فوائد المریدین۔ اجوبہ زاہدیر۔ رسالہ اشارات۔ رسالہ مکہ۔ اوراد کمال۔

مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر بحث کی گئی ہے۔ مکتوبات دو صدی میں ۱۵۱ مکتوبات ہیں جو

۱۷۹۹ء میں ترتیب دیے گئے۔ یہ ان مکتوبات کا مجموعہ ہے جو مختلف مریدوں کے نام لکھے گئے۔

مکتوبات بست و ہشت، یہ خطبہ مولانا امام منظر کے نام میں ان کی تعداد اٹھائیس ہے۔

معین الاحوال۔ یہ ملفوظات مولانا زین ہدوی نے مرتب کیے۔ دو جلدوں میں ہے۔ ان میں معنی نیکات کے

غلاوہ مذہب، حدیث اور ظہیم کلام پر بھی مباحث ملتے ہیں۔ وغیرہ نصیحت، ارشاد ہدایت، امام زواہی اور اوصاف حمیدہ

کی جگہ جگہ تلقین پائی جاتی ہے۔

خوان پر نعمت۔ اس کتاب میں زیادہ تر فقہی و شرعی مسائل اور تصوف کے متعلق بحثیں ملتی ہیں۔

رخ المعانی۔ یہ رسالہ شیخ شہاب الدین عماد نے مرتب کیا اس میں روزہ، توبہ، لیلۃ القاضی، تلاوت قرآن، ادعیہ،

شب برات، نماز، تراویح اور کھانے کے آداب وغیرہ کے متعلق مباحث ملتے ہیں۔ تلاوہ ازبیر خواب، تفسیر و تزیین نفس،

رجوع، فکر اور کئی دیگر معانی سے بحث کی گئی ہے۔

راحت القلب۔ یہ دس مجلسوں کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ پندرہ بیس صفحوں سے زیادہ کا نہیں۔ اس میں رعنا سنج خواجہ ہر میس قرنی، مسجد اہم صغی السنہ، تعلیم تلاوت قرآن، نماز جمعہ کی فضیلت، روزہ عاشدہ وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔ قرآن کریم کی بعض آیتوں کی تفسیر میں بھی ہیں۔

فوائد رکنی۔ یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں آپ نے اپنے ایک مرید کو حج کعبہ کے وقت سفر میں مطالعہ کے لیے ہدایات دی تھیں۔

ارشاد الطالبین۔ یہ بھی ایک مختصر رسالہ ہے جس میں آپ نے طالب حق کو بعض ہدایات دی ہیں۔ اسے انگریز آفس

لاہور میں کی فہرست میں اس کا نام برہان العارفین ہے۔

ارشاد السائلین۔ چار پانچ صفحوں کے اس رسالے میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء ایک ہی نور کی مختلف شکلیں ہیں۔ نور عالم لاہوت سے جبروت میں آیا تو روح ہوا اور جبروت سے ملکوت میں گیا تو قالب کہلایا اور ملکوت سے ہوسوت میں گیا تو جسم۔ نام پایا۔ اسی طرح نور عالم کثیف میں آیا تو نار ہوا۔ نار کثیف ہو کر باد ہوئی اور باد کثیف ہو کر آب ہوئی اور آب کثیف ہو کر خاک بن گیا۔ پس انسان اور عناصر اربعہ ایک ہی شے کی مختلف صورتیں ہیں۔

رسالہ مکبہ و ذکر فردوسیہ، اس رسالہ میں اذکار کے اقسام اور طریقے بیان کیے گئے ہیں۔

شرح ادب المریدین۔ یہ کتاب شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی کی مشہور عربی کتاب ادب المریدین کی شرح ہے۔

فوائد المریدین۔ اس رسالہ میں مندرجہ ذیل باتیں بتائی گئی ہیں: کلمہ طیبہ کی فضیلت، نماز باجماعت کی برکت، گورستانِ منکر نکیر، بہشت، دوزخ، قیامت، ایمان، حقوق ہمسایہ، حقوق الوالدین، حقوق الزوجین اور بعض آیتوں کی برکتیں۔

آجرہ۔ یہ سوالات و جوابات کا مجموعہ ہے جو زاہد بن محمد بن نظام اور دوسرے مقررین حضرت سے جو وقتاً فوقتاً سوالات کیا کرتے تھے اور جو جوابات آپ انھیں دیتے تھے، ان کو اس رسالہ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اس رسالہ میں تعویف کے بہت سے مسائل ملتے ہیں۔

لطائف المعانی۔ یہ رسالہ معدن المعانی کا خلاصہ ہے۔

آپ کی تمام تصانیف میں سب سے زیادہ اہمیت آپ کے مکتوبات کو حاصل ہے جن میں تعویف پر بے شمار مسائل اور ان کے حل ملتے ہیں۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ

ولادت ————— سمنان (عراق) ۵۶۸۸ھ

وفات ————— کچھوچھو ۸۰۶ھ

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی ان اکابر اولیاء میں سے ہیں جنہوں نے گاؤں گاؤں اور شہر شہر پھیر کر جہالت اور گمراہی کو دور کیا اور خلقِ خدا میں رشد و ہدایت کی تبلیغ کی۔ عوام الناس اور اربابِ ثروت کی اصلاح فرمائی اور انہیں دینی اور دنیوی سرفرازی کے راستے بتائے۔

آپ کا اسم گرامی محمد اشرف اور لقب جہانگیر تھا۔ عراق کے ایک علاقہ سمنان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سمنان کے حاکم تھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ سن بلوغ سے قبل معقولات و منقولات کی کتابیں پڑھ لیں اور تمام عراق میں ان کی شہرت پھیل گئی۔

والد بزرگوار کی وفات پر ان کی جگہ سمنان کی حکومت سنبھالی اور بڑے عدل و انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ حکومت کے دوران بھی ذکر الہی سے غافل نہ ہوئے اور بیشتر وقت اور اوقاتِ ظائف میں گزارتا۔ راہِ سلوک کی طرف زیادہ مائل تھے۔

کہا جاتا ہے کہ خواب میں آپ کو اشارہ ہوا کہ بادشاہی چھوڑ کر ہندوستان جاؤ اور وہاں رہ کر رشد و ہدایت کا کام کرو، چنانچہ والدہ سے اجازت لے کر صلحیت کا کاروبار اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کیا اور خود عازم ہندوستان ہوئے۔

ماوراء النہر ہوتے ہوئے بخارا پہنچے، پھر سمرقند آئے پھر اوچہ (علاقہ ملتان) میں تشریف لائے، جہاں اس زمانہ میں محمد جہانیاں جہاں گشت تشریف فرما تھے، ان سے ملے اور فیضیاب ہو کر دہلی پہنچے۔ وہاں کے مشائخ سے ملاقاتیں کیں اور بہار کے قصبے نمبر میں آئے۔ اتفاق سے اس وقت وہاں مشہور بزرگ شرف الدین محمد یحییٰ نمبری کا جنازہ رکھا تھا، آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، پھر کچھ عرصہ تک ان کے مزار اقدس پر مقیم فرماتے رہے۔ بعد ازاں بنگالہ کا رخ کیا۔

اس زمانہ میں بنگالہ میں مشہور شیخی بزرگ شیخ علاؤ الدین علاء الحق تشریف فرما تھے اور ایک دنیا ان کے چشمہ رشد ہدایت سے سیراب ہو رہی تھی۔ ان کے دوسرے عزیز اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز تھے، مگر خود انہوں نے درویشی اختیار کی تھی۔ بہت بڑے عالم تھے۔ بہت سخی تھے۔ ان کی خانقاہ میں ہزاروں لوگ کھانا کھایا کرتے تھے۔ جب حضرت اشرف جہانگیر وہاں گئے تو اس وقت وہ آرام فرما رہے تھے۔ بول اٹھے: یار کی بو آ رہی ہے، پھر شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا۔ حضرت اشرف جہانگیر انہیں

تے ہیں انے دو، وہ حاکم ہیں۔ جب قاضی کو خدمت کیا تو فرمایا کہ ہندوستان میں اتنی فضیلت و جتنی کراچی میں ہے، کم دیکھی گئی ہے۔ دوسرے دن حضرت قدوۃ الکبیرا اپنے وظائف میں مصروف تھے کہ معلوم ہوا سلطان خواجین اور دوسرے لوگوں کے ساتھ آ رہا ہے۔ جب مسجد کے دروازے پر جماعت پہنچی تو حضرت قاضی نے سلطان سے عرض کی کہ اتنے اذو حاکم کے ساتھ حضرت سید کی ملاقات کے لیے جانا مناسب نہیں، ان کو تکلیف ہوگی۔ آخر سلطان نیچے اتر آیا اور اپنی جماعت سے میں اہل فضیلت و اہل فراست کو منتخب کر کے پائے بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ اس نے حضرت کے دل کو ہاتھ میں لینے کے لیے زیادہ ادب اور احترام کیا۔ اس نے قلعہ بنادہ کی فتح کے لیے ایک بہت بڑا لشکر بھیجا تھا، اس کے لیے وہ مشرود تھا، اس نے حسب حال حضرت قدوۃ الکبیرا کے سامنے یہ اشعار پڑھے:

دلی کان انورست از جام جمشید
چہ حاجت عرض کو دین بر خمیرش
رواں روشنی تر از خورشید باشد
کے گور ایتیں اسید باشد

حضرت قدوۃ الکبیرا نے فرمایا:

اگر بیقین شد خدمت استوار
گر دزد بر باغم از آتش برآر

اور حسب سلطان خدمت ہونے لگا تو حضرت نے ایک مسد عطا کی جس سے وہ بہت خوش ہوا۔ اور جب قیام گاہ پر پہنچا تو بولا:

چہ سیدیت عالی جناب و مقاصد آب الحدیث کہ در ہندوستان چہیں ہر دم در آمدہ اند۔

تین روز کے بعد سلطان تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ حضرت قدوۃ الکبیرا کو خدمت میں بھرا آیا۔ روٹی کا ٹکڑا اور شربت ساتھ لایا۔ لوگوں نے قلعہ کی فتح پر مبارک باد دی، لیکن حضرت نے فرمایا سلطان کو مبارکباد دیکر بند دروازے کو کھول دے۔ اس مرتبہ سلطان کی عقیدت ہزار گنا زیادہ ہو گئی اور عرض کیا کہ بندہ تجھ سے

پاؤں پر بیعت ہو چکا بندہ زاوے بھی طلقہ بیعت میں داخل ہوں گے چنانچہ اسی روز تین شہزادے شرف بیعت سے

مشرّف ہونے سلطان نے بہت سے نذرانے دینے کی کوشش کی، لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمایا۔۔۔۔۔

بعد وند نام ایک مقام پر ایک ہندو جوگی سے آپ کا مقابلہ ہو گیا۔ جوگی کو دعویٰ تھا کہ وہ ہوا میں اڑ سکتا ہے، لیکن اشرف

جہانگیر کی روحانیت سے ایسا متاثر ہوا کہ اپنی تمام مذہبی کتابوں کو جلا دیا اور بائبل ہزاروں سبت اسلام میں داخل ہو گیا۔ اسلام

لانے کے بعد جوگی بابا کمال پنڈت کے نام سے مشہور ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اشرف جہانگیر نے اسی جوگی کی مڑھی میں خانقاہ بنوائی۔

ملک الامرا محمود اس کی اولاد اور اس کے دوسرے تمام ساتھیوں نے حضرت اشرف جہانگیر سے بیعت کی تھی۔ اسی نے

ذریعہ روح آباد بسایا گیا، جسے سچ کل کچھو پھیر لیتے ہیں۔ اسی جگہ ایک خانقاہ بنا لی گئی جس کا نام کثرت آباد رکھا گیا۔ ایک

حجرہ بھی تعمیر کیا گیا، جو وحدت آباد کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی حجرہ کے قریب آپ شریف فرما ہوتے اور سلوک و معرفت کے روز بیان کرتے۔ یہ جگہ والا الامان کے نام سے موسوم ہوئی۔

آپ مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر لوگوں کو رشد و ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ اودھ کے حاکم نواب سیف خاں نے بھی آپ سے فیض حاصل کیا۔ اس نے آپ سے فرقہ خلافت بھی حاصل کیا۔ شمس الدین جو اس وقت کے بہت بڑے عالم مانے جاتے تھے انہوں نے آپ ہی کے فیض سے روحانیت کے درجات طے کیے، وہ بھی آپ کے خلیفہ تھے۔ اشرف جہانگیر کو ان پر بڑا ناز تھا اور ان کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ فرماتے: "اشرف شمس و شمس اشرف از ہم جدا نند"

ردولی میں شیخ صفی الدین اور شیخ سہاد الدین نے آپ سے فیض حاصل کیے ان کی خاطر آپ چالیس دن تک ردولی میں رہے اور انہیں سلوک کی منزلیں طے کرائیں۔ یہ دونوں بزرگ آپ کے بڑے خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔

ردولی کے قریب ایک گاؤں میں مولانا کریم الدین نام ایک بہت بڑے بزرگ رہتے تھے۔ جب اشرف جہانگیر سے ان کی ملاقات ہوئی تو فرمایا: "اشرف جہانگیر ایسے شہباز ہیں، جس کے کونین دو بازو ہیں، وہ دریا ہیں جس کا کوئی ساحل نہیں"۔ رجموں دو ہزار کے قریب آدمی آپ کے مرید ہوئے۔ تصبہ جائس کے بھی دو تین ہزار افراد نے آپ سے بیعت کی اس علاقہ کے ایک بزرگ مولانا غلام الدین بہت بڑے عالم اور فاضل تھے، انہوں نے بھی آپ سے تعلیم پائی اور خلافت حاصل کی۔ غرض اس طرح مختلف تصبوں کے لوگ آپ کے مرید ہوتے گئے اور ان کی تعداد کئی ہزار تک جا پہنچی۔

بنارس گئے تو وہاں پجاریوں سے مذہبی بحث ہوتی رہی۔ آخر آپ کی کرامت سے متاثر ہو کر ایک ہزار کے قریب ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا۔ سلطان ابراہیم شاہ آپ کی تعلیمات سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنی سلطنت میں شریعت کی ترویج کے لیے قوانین رائج کیے۔ اس مقصد کے لیے قاضی شہاب الدین نے فتاویٰ ابراہیم شاہی کے نام سے ایک ضابطہ مرتب کیا۔ آپ بادشاہوں اور حکمرانوں کو بھی سلطنت کے نظم و نسق اور ان کے نظام اوقات کے متعلق ہدایات دیا کرتے تھے اور انہیں بتایا کرتے تھے کہ ان کے مشاغل کیا ہونے چاہئیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"بادشاہ اپنے اوقات کو اس طرح ترتیب دیں کہ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد اشراق تک وظیفہ پڑھیں پھر علماء و صلحاء کے ساتھ صحبت رکھیں اور چاشت کے وقت تک ان سے عدل و انصاف کے متعلق قرآنی آیتوں کے مطالب پوچھیں۔ اسی جگہ وزیروں، ماورند میوں کو بلائیں اور یہ لوگ فوجوں کے جو معروضات پیش کریں ان کا مناسب جواب دیں۔ ہر شخص کے مدعا کو پورا کریں۔ اس کے بعد دربار عام ہو، جس میں رعایا اور مسلمانوں کے قضایا اور عادی پیش ہوں اور شریعت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو۔ مشائخ اور سلوک کے معروضات کو حتی الوسع کسی کے توسط سے سنیں۔ ساواۃ افضاء اور مشائخ کی درخواستوں کو صدر پہنچائے۔ اس گروہ کے لیے ایک ایسے شخص کو صدر مقرر کریں جو متدین اور ہمدرد ہو، بلکہ اسے صوفی مشرب بھی ہرنا چاہیے۔"

وزیر تمام علوم و فنون سے آراستہ ہونے کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ دیندار ہو۔ وکالت کا منصب ایسے شخص کو دیں جو پسندیدہ اخلاق کا حامل، نہایت عقلمند، سربسب انعم اور حاضر جواب ہو۔ اس قسم کے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی مناسب جگہ دیں۔ حکومت کو چلانے میں تخلیصاً مناصب سے کام نہ لیں۔ ایک کے کام کے متعلق دوسرے سے نہ پوچھیں۔ قیلولہ کے وقت آرام کے لیے چلے جائیں۔ قیلولہ کے بعد نماز پڑھیں اور کبھی نماز نہ چھوڑیں۔ ظہر کی نماز کے بعد جس قدر ہو سکے قرآن کی تلاوت کریں۔ خصوصاً سورہ قد سمع اللہ کی مواظبت کریں، کیونکہ سلاطین اس سورہ کی مواظبت کرتے آئے ہیں۔ سلطان محمود غازی انا اللہ بولہ برابر اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ کو دولت اور شوکت اس سورہ کی بدولت نصیب ہوئی۔ حضرت ابراہیم شاہ بھی ایسا ہی فرماتے تھے۔ خود میں نے جو سلطنت چھوڑی تو پہلی چیز جو میں نے اپنے برادر عزیز محمد شاہ سے کہی وہ یہ تھی کہ اس سورہ کی برابر تلاوت کریں اور درجاء الغیب کے مقابلے سے اجتناب کریں۔ کوئی کام شریعت کے خلاف انجام نہ دیں اور عدل و انصاف کے اصول میں ایک نقطہ سے بھی انحراف نہ کریں تاکہ سلطنت میں خلل واقع نہ ہو۔

ایک اور موقع پر فرمایا :

تمام ارکان دولت اور اعوان ممالک ایک نہ ایک عضو اور ایک نہ ایک حاسہ یا قوت کے مرتبہ میں ہیں مثلاً مستوفی، مشرب، ناظر، عارض، طغرائی، فشی، دبیر، حاجب، خازن، استاد الدار اور دوسرے عہدے وارجواس خمسہ و قوائے بشری مثلاً آنکھ، کان، ناک، زبان، لمس، فکر، خیال، دہم، حافظہ، ذاکرہ جس مشترک کے مانند ہیں۔ امرائے سلطنت، اپنی قوت، شوکت، ہمت، اجولیت وغیرہ کے ساتھ اعضائے ریشیہ اور ادنیٰ درجے کے امرائے مثل ہاتھ، بازو، بران، پنڈلی اور پاؤں کے ہیں۔ حاشیہ نشین قوم اور عام رعایا وغیرہ اپنے مدارج کے مطابق رگ اور پٹھے وغیرہ ہیں۔ جس طرح ایک انسان اپنے ہر عضو کا محتاج ہے اور ہر ایک کے بغیر اس کے جسمانی نظام کو نقصان پہنچ جاتا ہے، اسی طرح ایک بادشاہ کو چاہیے کہ ارکان دولت و اصحاب مناصب کو ان کی اہلیت اور استعداد کے مطابق ان کی دیانت اور نیک سیرت کو معلوم اور اچھی طرح پرکھ کر ان کو مختلف حصوں میں مقرر کر لے اور اختیار دے تاکہ وہ اپنے کاموں کو پورے شرائط کے ساتھ ملک کے مصلح اور دربار کی بہبودی کے مطابق انجام دیں اور بادشاہ ان کے کاموں سے باخبر رہے۔ (لطائف الشرفی ص ۱۷)

آپ کی تعلیمات کا آپ کے مرید سلطان ابراہیم شاہ پر بہت اثر تھا، تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ :

ابراہیم شرقی کے زمانہ میں جو پورا کا پھر چھوٹا پڑا بادشاہ کے وجود کو باعث برکت سمجھتا تھا اور بے حد عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا تھا۔ شاہ و گدا سب خوش و خرم تھے اور ملک میں حزن و اندوہ کا نام و نشان نہ تھا

ابراہیم شرقی قاضی شہاب الدین کی بے حد تعظیم و توقیر کرتا تھا۔ چنانچہ متبرک ایام میں قاضی صاحب شاہی مجلس میں چاندی کی کرسی پر بیٹھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی صاحب بیمار ہوئے، ابراہیم ان کی خیانت کو گیا۔ مزاج پرسی اور ضروری باتوں کے دریافت کرنے کے بعد پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ منگوا یا۔ مولانا کے سر سے پیالہ کو تصدق کر کے خود پی لیا اور دعا کی اسے خدا جو بلا مولانا کے لیے مقرر ہے وہ مجد پر نازل فرما اور ان کو شفا دے۔ اس روایت سے باوجود دین پناہ کا نہ یہی خلوص اور علمائے شریعت محمدی کے ساتھ اس کی عقیدت مندی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

کچھ چھپر میں کچھ مدت گزارنے کے بعد آپ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ کی زیارت کی، نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ گئے۔ پھر روم گئے، جہاں بعض جید علماء اور بزرگوں سے ملاقات کی۔ بعد ازاں دمشق جا کر شیخ فتح الدین عربی کی زیارت کی پھر مکہ معظمہ آکر حج کیا۔ حج کے بعد بغداد تشریف لے گئے۔ بورگان دین کے مزارات کی زیارت کی پھر کاشان ہوتے ہوئے اپنے وطن سمنان پہنچے اور اپنی ہمیشہ سے ملے پھر شہدائے اور حضرت امام علی رضا کے آستانہ پر عطف ہے ان دنوں امیر تیمور گورگانی بھی آستانہ مبارک پر آیا ہوا تھا۔ وہ اشرف جہانگیر سے بڑی عقیدت کے ساتھ ملا۔ وہاں سے ہرات تشریف لے گئے اور ماوراء النہر پہنچ کر شیخ بہاء الدین نقشبندی کی صحبت میں رہ کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔ وہاں سے ترکستان گئے پھر بخارا، قندھار، غزنی اور کابل ہوتے ہوئے وادی بلخان ہوئے۔ بلخان سے اجودھن آئے اور شیخ فرید الدین گنج شکر کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ پھر دہلی ہوتے ہوئے، امیر ہینچ اور خواجہ غریب نواز کے مزار اقدس کی زیارت کی، پھر دکن گئے اور گلبرگہ میں خواجہ سید گیسو دراز سے ملے، وہاں سے مرادہ پش تشریف لے گئے پھر گجرات ہوتے ہوئے کچھ چھپر واپس اپنی خانقاہ میں پہنچے۔

کچھ مدت گزارنے کے بعد دوبارہ سیاحت کے لیے نکلے اور دنیا بھر کی سیاحت کر ڈالی۔ بہت سے جزیروں اور ملکوں میں گھومے اور مختلف علاقوں کے اولیاء اللہ سے مل کر کسب فیض کیا۔ اس سیاحت کے دوران تیسری مرتبہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتا سے ملے۔ اسی سفر میں اپنے پروردگار کے آستانہ پر بھی گئے، پھر کچھ چھپر واپس آئے اور زندگی میں بسر کردی۔ ۶۷۰- محرم ۱۰۰۰ میں وفات پائی۔ وفات سے کچھ روز قبل مسکن کی حالت طاری رہی۔ نماز کے وقت عالم صوفیوں آجاتے

بیاری کے ایام میں بھی رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ سید عبدالرزاق الملقب بہ نورالعین کو وفات کے وقت اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر فرمایا اور بزرگانِ چشت کے تمام تبرکات بھی ان کے سپرد کیے۔

حضرت اشرف جہانگیر کامرتبہ علمی لحاظ سے بھی بڑا اونچا تھا۔ معقولات و منقولات کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔ صوفیانہ نکات و رموز بیان کرتے وقت معرفت کے دریا بہا دیتے تھے۔ شریعت کے سختی سے پابند تھے۔ آپ کا ارشاد تھا کہ کوئی شخص اس وقت تک ولی کامل نہیں بن سکتا جب تک وہ ظاہراً 'باطناً' 'قولاً' 'فعلاً' اعتقاداً اور عملاً شریعت کا پابند نہ ہو۔

آپ کی تعلیمات ان تین کتابوں میں پائی جاتی ہیں: ۱۔ بشارت المریدین ۲۔ مکتوبات اشرفی ۳۔ لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی۔ مؤخر الذکر کتاب کو حضرت نظام الدین بسنی الملقب بہ نظام حاجی غریب المیثی نے مرتب کیا۔ وہ حضرت کے مرید تھے اور تیس سال خدمت میں رہے۔

اس کتاب میں حضرت اشرف جہانگیر کے سوانح حیات ہیں اور ان کی تعلیمات کی ائینہ دار ہے۔ کہیں تصوف کی اصطلاحات کی پوری تشریح و توضیح ہے تو کہیں ذکر و فکر کی تمام تفصیلات درج ہیں، کہیں صوفیانہ غوامض پر مباحث ہیں تو کہیں صوفیہ کرام کے مختلف خانوادوں کی تاریخ کہیں رسول اللہ کہیں آل رسول کہیں خلفائے راشدین اور کہیں ائمہ کبار کے حالات ہیں کہیں صوفی شاعروں پر لچپ تبصرے ہیں غرض اسے تصوف کا قاموس کہا جاسکتا ہے۔

آپ سلسلہ پیشیہ سے منسلک تھے اس لیے آپ کی تعلیمات وہی ہیں جو اکابر بزرگانِ چشت کی تھیں۔ بعض مسائل کی تشریح و توضیح بڑے خوبصورت انداز سے کی ہے۔ حضرت خواجہ بوداد چشتی کے قول کی تائید میں فرماتے ہیں کہ علم کے بغیر زیادہ شیطان کا مسخرہ ہے۔ فرمایا راہ سلوک کے لیے توحید معرفت ایمان، شریعت اور طریقت وغیرہ سے آگاہ ہونا ضروری ہے علم دین کا ایک ضروری مسئلہ جاننا ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے۔ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ اس کی زندگی کے صرف سات دن باقی ہیں تو اسے علم فقہ حاصل کرنا چاہیے۔

وحدت الوجود کے مسئلہ پر فلسفیانہ انداز سے بحث کرتے ہوئے فرمایا:

وحدت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وحدت مطلقہ من حیث الذات والصفات۔ یعنی صرف ایک ذات اپنی صفات کے ساتھ موجود اور دوسری تمام

ذاتیں اپنی ذات و صفات کے ساتھ معدوم ہوں۔

۲۔ وحدت باری۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا موجود تھا اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ صفات کے لحاظ سے وحدت کا مطلب یہ ہے

کہ صرف ایک ہی ذات ایسی صفات سے منصف ہو کر کہا ہو کہ ان صفات میں شریک نہ ہو سکے۔

وحدت باری قدم اور ترقی کی صفت سے منصف ہے۔ وحدت مطلقہ میں غیر کا وجود اصلاً معدوم ہوا ہے۔ وحدت

متقیدہ میں مثل کا وجود معدوم ہو جاتا ہے۔

شریعت میں صفات کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اطلاق و اثبات اس طرح کیا جاتا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے واحد ہے کہ اس کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں۔

(۲) وہ اس لحاظ سے واحد ہے کہ وہ تمام اشیاء کا خالق اور کائنات کا موجد ہے۔

(۳) وہ اس اعتبار سے واحد ہے کہ کوئی اس کا شبیہ نہیں۔

(۴) وہ اس لیے واحد ہے کہ کوئی اور ذات قدیم نہیں۔

(۵) اس کی ذات ترکیب سے پاک ہے، کیونکہ ترکیب اجسام کے عوارض سے ہے اور باری تعالیٰ کا جسم نہیں۔

وجود کی آپ نے تین منزلیں قرار دی ہیں:

(۱) وجود بشرط شے یا وجود مقید، یعنی ایک چیز کا اس شرط کے ساتھ پایا جانا کہ ایک چیز اور بھی ہو اس میں ہمہ اوست

کی گنجائش نہیں اور کوئی اس کا قائل نہیں۔

(۲) وجود بشرط شے۔ یعنی وجود تو ہے، لیکن اس کے ساتھ دوسری شے کا وجود ضروری نہیں۔

(۳) وجود بشرط اشیاء۔ یعنی وجود مطلق۔ یہ وجود اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔ وجود کی

اس منزل میں ہمہ اوست مانا جاتا ہے۔

ولی کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ جاہل نہ ہو، اس کے افعال و حرکات پسندیدہ اور شریعت کے مطابق ہوں۔ وہ شریعت نبوی

اور اوصاف مصطفویٰ کا تابع ہو۔ لطافت زبان، حسن اخلاق، شفقت، فیاضی اور بے غرضی سے بہرہ ور اور اوصاف حمیدہ

سے ہم کنار ہو، اور خدا کے علاوہ ہر چیز سے بے نیاز ہو چکا ہو۔ اولیاء اللہ جب تک ظاہر، باطن، قول، فعل اور حالاً حضرت محمد

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع نہ ہوں، فنا فی اللہ و باقی باللہ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔

خلافتِ پیغمبر کے راہ گزیدہ کہ ہرگز بمنزلِ نخواستہ رسید

ولی کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی راہ پر لے چلے اور یہی صورت میں مکن ہے کہ اس کے شیخ نے اس کو شیخ

کی اجازت مرحمت کی ہو۔ وہ دل میں خدا کا حضور اور آگاہی حاصل کر چکا ہو۔ اپنے مریدوں کے تمام اعمال کا مواخذہ اور

ان کے افعال کا محاسبہ کر سکتا ہو۔ مریدوں کے سامنے تقدس کی پوری شان سے ظاہر ہوتا ہو۔

مریدوں کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مرید کی تعلیم کا آغاز صفائے قلب سے شروع ہوتا ہے، جوں جوں اس کے دل کی تاریکی کم ہوتی جاتی ہے اس

کی رُوح کو نور حاصل ہوتا جاتا ہے، وہ چشمِ بینا سے دیکھتا ہے تو شروع میں یہ نور سرخ نظر آتا ہے۔ پھر مجاہدہ کی کثرت سے سفید ہو جاتا

ہے۔ جب آئینہ دل کا کلیتاً صاف ہو جاتا ہے، نور آفتاب کی طرح نور افشاں ہو جاتا ہے اور اس پر نظر مشکل سے جستی ہے۔ جب اس نور

کا عکس نورِ روح پر پڑتا ہے تو دل و روح کے تمام حجابات ٹوٹ جاتے ہیں۔ پھر ایسے نور کا شہود ہوتا ہے جس میں رنگ، کیفیت

حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ

وفات ۲۸۳۲ھ

آباد اجداد | تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین کے عہد میں دو بزرگ مشہور تھے۔ ایک شیخ سید فرید الدین مسعود گنجشکری دوسرے شیخ سید بہاؤ الدین زکریا ملتانی۔ سید بہاؤ الدین کے دو فرزند تھے۔ سید شیخ صدر الدین اور سید شیخ بر الدین۔ سید بر الدین اہل تصوف میں بہت مانے جاتے ہیں۔ آپ مرید اور خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکلی کے تھے۔

غزنین میں آپ کا بہت شہرہ تھا اور اکثر لوگ دور دور سے آپ سے فیض حاصل کرنے آتے تھے۔

یہی بزرگ حضرت شاہ صاحب کے اجداد میں سے تھے۔ جب سلطان شہاب الدین نے رائے پھور پر فوج کشی کی اور فتح نصیب نہ ہوئی۔ دوبارہ فوج کثیر لے کر آیا۔ لیکن پھر ناکامیاب رہا تو درویشان با خدا کی طرف متوجہ ہو کر دعا کا خواستگار ہوا۔ غزنین آیا، میر سید بر الدین جو بندگی میاں کے نام سے مشہور تھے ان کی قدمبوسی حاصل کی اور عرض کیا۔ دو مرتبہ فوج کشی کی، لیکن لشکر اسلام کو فتح نہ ہوئی، تمام مسلمان زحمت میں پڑے، نہیں معلوم اس کا کیا سبب ہے؟

آپ نے فرمایا، تمہارے لشکر میں ظلم بہت ہے اور عدل نہیں ہے، اس سبب سے فتح نہیں ہوئی۔ بادشاہ نے نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ حضرت اقدس ہماری اعانت اور مدد کریں کہ ہم کو فتح ہو اور حق اسلام کا آپ پر بھی ہے۔ بادشاہ کی التجا سے آپ نے منصب

اور ایسا سخت انتظام کیا کہ کوئی شخص شریعت سے قدم باہر نہ رکھ سکے۔ اکتھا۔ تیسری مرتبہ سلطان کو فتح نصیب ہوئی اور وہلی کو اپنا دارالسلطنت بنا لیا۔ قاضی سید بدر الدین نے اپنا قیام ہانسی میں اختیار کیا اور اسی کو اپنا وطن قرار دیا۔ سلطان شہاب الدین کے زمانہ سے اکبر بادشاہ کے زمانہ تک قاضی صاحب کی کئی پشتیں گزریں اسب کا قیام ہانسی میں رہا۔

لیکن حضرت سید مشرف جو شاہ صاحب کے دادا تھے، ہمایوں بادشاہ کے عہد میں انھوں نے منصب قضا سے انکار کر دیا۔ ہمایوں نے ان کے حقوق پر نظر کر کے ان کی جاگیر مقرر کر دی۔ آپ کے تمام قبیلے کی روزی اسی جاگیر پر تھی۔

اکبر بادشاہ ایک مرتبہ صوفیائے کرام کی زیارت کو ہانسی میں آیا۔ سید صاحب کے یہاں بھی آیا، ان میں سے ایک بزرگ موجود تھے جو شرائط تعظیم بادشاہ بجا نہ لائے۔ بادشاہ کے وقتانے عرض کیا کہ یہ سرکار کے نمک خوار ہیں، ان کو جاگیر معاف ہے، بادشاہ نے فرمایا کہ

ان کی املاک ضبط کر لی جلتے۔
 ریح میر سید شرف کو معلوم ہوئی تو فرماں ہمایوں لے کر اکبر کے پاس گئے اور بادشاہ کے اس فرمان کو چاک کر ڈالا۔ اکبر نے
 حکم لے اس فرمان کو کیوں چاک کیا۔ اگر اس قدم کو کافی نہ تھا اور تمہارے کہنے کے خرچ کے لائق نہ تھا تو ہم کچھ زیادہ کر دیتے۔
 سید شرف نے فرمایا کہ یہ ہمارے لیے کافی تھا، لیکن ہم کو پسند نہیں ہے کہ اس معاوضے میں کوئی ہمارے دروازے
 پر آئے اور ہم سے تعظیم کا خواہاں ہو۔

بادشاہ نے مبالغہ اور اصرار کیا، لیکن قبول نہ ہوا اور محض لوگ کی زندگی اختیار کی۔ بعد وصال بندگی میر سید شرف
 کے شاہ صاحب کے والد ہانسی سے مارنول چلے آئے۔

ولادت شاہ صاحب حضرت شاہ صاحب کی ولادت کی صحیح تاریخ کا تو پتہ نہیں ملتا، لیکن جب بندگی میر سید عطار اللہ
 مارنول میں تشریف لائے اور راجو خاں ترکمان جو تازہ ولایت مارنول میں وارد ہوئے تھے۔ ان کے عہد میں حضرت شاہ نعمت
 ولی پیدا ہوئے تو بندگی میر سید عطار اللہ صاحب میلاد فرزند کی خوشی میں کچھ شیرینی لے کر حضرت شاہ نظام الدین مارنول کی
 خدمت میں بطلب دعا حاضر ہوئے۔

شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں شادی اور غمی کی کوئی چیز نہیں کھاتا ہوں، لیکن تمہارے فرزند کے پیدا ہونے کی مجھ کو
 بہت خوشی منظور ہے، یہ کہہ کر ایک ڈلی اٹھا کر کھالی اور کہا تم دعا کے طالب ہو۔ میں دعا کر دں گا، خدا کے نزدیک تمہارے فرزند
 کا بہت مرتبہ ہے۔

شاہ صاحب جب آپ کی دودھ بڑھائی ہو چکی تو سید صاحب نے قرآن کی تعلیم دینا شروع کی۔ چار برس اور چار مہینے کے
 کی ذہانت اس میں آپ نے قرآن ختم کیا۔ آپ کے درس کی بسم اللہ گلستان سے ہوئی۔ ابھی شاہ صاحب سن تین کو
 نہ پہنچنے پائے تھے کہ یتیم ہو گئے۔

آپ کے والد صاحب جس کا ذکر اس طرح ہے کہ راجو خاں سے سید عطار اللہ کی بہت دوستی تھی ان کی بی بی آپ کو بھائی
 کا انتقال انتہی میں۔ راجو خاں مارنول سے سرور چلے آئے تو ان کو

شدت مرض میں راجو خاں کی بی بی کو بلایا اور کہا، بہن تم سے ایک وصیت ہے اس کو ضرور پورا کرنا۔ نہیں تو میں
 قیامت میں دانگمیر ہوں گا۔

اس نیک نعت بی بی نے کہا، بھائی جو کچھ آپ فرمائیں گے بسر و چشم بجالاؤں گی۔ فرمایا: اس عالم سے جب میرا انتقال
 ہو منہ سیاہ کے پاؤں میں سی باغیچہ کے چوراہے پر پہنچا دینا کہ مجھ ایسے سیاہ کار کی بی بی سزا ہے، یہ کہہ کر کلمہ شہادت پڑھا اور
 راہی ملک بقاء ہوئے۔

بہن کو بھائی کی وصیت نے کشمکش میں ڈال دیا۔ آخر بشورہ لاش کے منہ پر سیاہ کپڑا لپیٹ کر اور پاؤں میں ایک
 چٹ بانڈھ کر تھوڑا کھینچا اور غسل، کفن دے کر چوراہے پر دفن کر دیا۔ ان کی قبر کے سر پر ایک چراغ روشن کیا جاتا تھا اور
 پانچویں شب سے ایک چراغ روشن ہوتا تھا۔ مزار مرجع خاص دعام ہو گیا۔ دور دور سے لوگ مراد مانگنے آتے تھے۔

آپ کی تربیت | اس یتیم بچے کی تربیت اور پرورش اہلیہ راجو خاں نے اپنے ذمہ لی اور اپنے لڑکوں کے ساتھ ان کی تعلیم شروع کی۔ تیرہ برس کی عمر میں تیسرا عہدہ ازمی اور شمشیر زنی اور تمام فنون سپہ گری میں طاق ہو گئے۔

ایک روز دوست محمد خاں کے پاس آپ تشریف رکھتے تھے کہ ایک مقدم زمیندار آیا، جس کے ذمہ زر مالگزاری باقی تھا۔ دوست محمد خاں نے تقاضا شدید کیا۔ اس نے کہا میرے ساتھ کسی آدمی کو کر دیجیے، میں روپیہ بیباق کر دوں گا۔ ملازمین نے اس کے ساتھ جانے سے ہذر کیا، اس خیال سے کہ اس زمانے میں زمیندار اپنے گاؤں میں سرکاری ملازمین سے بدسلوکی کرتے تھے۔

شاہ صاحب نے کہا میرا دل سیر کرنے کو راغب ہے مقدم کے ساتھ سیر کر کے واپس آؤں گا۔ دوست محمد خاں نے ہر چند اشارہ منع کیا، لیکن آپ نے نہ مانا اور سوار ہو کر گاؤں چلے گئے۔ جب زمیندار کے مکان پر پہنچے اس سے تاکید کی کہ روپیہ کی فکر جلدی کرو۔ وہ ان کی دعوت کے سامان میں مصروف ہو گیا اور کھانا لے کر آیا تو آپ نے کہا روپیہ لایا، اس نے کہا کھانا حاضر ہے، نوش فرمائیے، روپیہ بھی اچالے گا۔ آپ نے غصے سے اس پر چند تازیانے مارے کہ پشت زخمی ہو گئی، لیکن اس نے نہایت خندہ پیشانی سے آپ کا ہاتھ دھلایا اور جب آپ کھانا کھانے بیٹھے تو پنکھا جھلنے لگا۔

اس اخلاق سے آپ نے ایک تصوف کا عمدہ نسخہ اخذ کیا کہ میں نے اس قدر اس پر ظلم کیا اور بے حرمتی کی، لیکن یہی طرح دل و جان سے میری خدمت کر رہا ہے۔ اگر بندہ اپنے معبود سے ایسا ہی ڈرے اور رضائے الہی پر شاکر رہے، صد لائق میں شمار ہو۔ اسی وقت آپ کے دل میں خیال آیا کہ دنیا چند روزہ ہے۔ اس میں اپنے پروردگار سے غافل رہنا خلاف شمسندی ہے۔ مقدم روپیہ لایا، آپ اس کو ہمراہ لے کر دوست محمد خاں کے پاس آئے اور روپیہ حوالے کیا۔

ترک دنیا | اس وقت سے آپ کے دل میں یہ بات جم گئی کہ دنیا ترک کر کے محبت الہی میں بسر کرنا چاہیے، لیکن ایسا اصول مقرر ہو جو ہر کام میں رہبر ہو۔ آخر دل میں فیصلہ کر لیا کہ ہمت کو ہاتھ سے دینا چاہیے۔ جب ہمت دل میں آئی تو اس نے کہا یہ کون سا طریقہ ہے کہ اپنے اوقات عزیز ضائع اور برباد کرتے رہو۔ اٹھو اور رخصت کی جستجو کرو۔ پھر پہرات باقی تھی، تلوار اور کٹار

ادکان اور چند تیرتوش میں رکھ کر سب

ہو کر ایک شرفی اور پانچ روپیہ لے کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ رات کو دیا پر باد خدا میں مشغول رہے۔ صبح کی نماز سے فراغت کر کے

چاہتے تھے کہ قدم آگے بڑھائیں کہ ناگاہ ایک ملازم نے ان کو دیکھ لیا۔ قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ آپ گھر چلیے، نہیں تو مجھ کو بھی

ہمزہ لیجیے۔ آپ نے کہا مجھ کو دو روپیہ دو میں گھر چلوں۔ اس نے کہا روپیہ یہاں کہاں گھر چلیے تو میں دوں۔ آپ نے کہا

گھر سے روپیہ لے آؤ۔ وہ تو ادھر روپیہ لینے روانہ ہوا، آپ نے جھگڑا کر اسے لیا۔ ایک جگہ دریا پر چند آدمی جمع تھے اور خربوز

والا بیٹھا تھا، آپ نے سب خربوز خرید کر تمام لوگوں کو کھلا دیے اور تھپتھپاہ لوگوں کو بانٹ دیے اور راہ دیرانے کی اختیار کی بہت

دنوں کے بعد اطراف حیدرآباد میں پہنچے۔ وہاں حضرت شیخ محمد قدوس سرہ کے مرید ہوئے، آپ نے پوچھا، کیا تم علم ظاہری سے

فراغت کر چکے، عرض کیا مکمل نہیں ہوئی۔ فرمایا ایسے بھی خدا کے بندے ہیں کہ علم ظاہر تحصیل نہیں اور خدا کی طلب میں آتے ہیں تحصیل علم ظاہری آپ نے پیر سے اجازت مانگی کہ مجھ کو حکم ہو تو تحصیل علم ظاہری کروں۔ رخصت ہو کر دولت آباد میں آئے وہاں ایک مشہور حکیم جبرئیل علم و حکمت میں مشہور عالم تھا اس کی خدمت میں گئے اس نے بہت خاطر کی اور آپ نے شرح ملا جامی شروع کی۔ استاد کے مطلق اور ہر بانی سے بہت جلد آپ فلسفہ اور منطق سے فراغت کر کے حکمت پڑھنے لگے۔ حکیم جبرئیل نے کہا کہ اخوند! میں چاہتا ہوں کہ تمام علوم کا ایک لقمہ بنا کر تم کو کھلا دوں اور ایسا ہی ہوا کہ آپ بہت جلد درس و تدریس سے فراغت کر کے بجائے استاد مطب کرنے لگے۔

حکیم نے دل میں کہا کہ ایسا شریف اور نیک شاگرد ملنا مشکل ہے۔ بہتر ہے کہ اپنی دختر کی شادی اس سے کر دوں۔ لیکن بی بی اور اس کی لڑکی ولایت میں تھیں۔ ان سے کہا کہ اخوند! تم ہمارا ایک کام کر دو، اپنی والدہ کو ولایت سے لے آؤ اور کچھ روپیہ کی ہنڈی ان کو کر دی۔ بوجب ارشاد استاد ولایت میں آئے اور اہلیہ کو لے کر دولت آباد واپس آئے حکیم بہت خوش ہوا۔

صوبہ دار دولت آباد کے وزیر نے انتقال کیا اور وہ اس فکر میں تھا کہ اس کی جگہ پر کسے وزیر مقرر کرے حکیم صاحب سے مشورہ لیا۔ آپ نے کہا کہ میرا ایک شاگرد نعمت اللہ ہے میں کل اس کو حاضر کروں گا۔ وہ لائق منصب وزارت کے ہے اور دعوٰی کیا کہ میں کل شاگرد کو لے کر حاضر ہوں گا۔ یہ ذکر شاہ صاحب سے کیا اور کہا اخوند! خدا کا فضل ہے کہ تمہارے واسطے صورت مخفول نکل آئی۔ وزارت کے عہدے پر تمہارا تقریب ہو جائے گا۔ شاہ صاحب کا دل دنیا سے سرد ہو چکا تھا۔ وہ ایسی باتوں کی طرف کب توجہ کرنے والے تھے۔ سنتے ہی شبائشہ وہاں سے کوچ کیا اور چند مدت میں اپنے پیر شیخ محمدریس سرہ کے قدموں ہوئے جب شغل اشغال اور لوازم سفر سے آگاہ ہوئے فرمایا کہ تم فیروز پور میں سکونت اختیار کرو۔

پیری نصیحت | چلتے وقت پیر نے نصیحت کی کہ خدا کے بندوں کو ہدایت کرنا اور نصیحت جو تم کو ملی ہے اپنے کو غنی نہ سمجھنا۔ جس بزرگ سے ملاقات ہو کاسہ گدائی پیش کرنا اور جو کچھ ملے حاصل کرنا اور نفس کو کشتہ کرنا۔ آپ رخصت ہو کر فیروز پور آئے سولہ برس تک جنگل میں عبادت کی اور جنگل کی پتیوں پر بسر کی۔ ایک روز زبان فیض ترجمان سے ارشاد کیا اللہ چار برس تک جنگل میں ننگا پھرا لیکن ایک وقت کی ناز قضا ہوئی۔ پوچھا کہ برسنہ ناز کہاں روا ہے، آپ نے ارشاد کیا کہ وہاں آدمی کا نام نہ تھا۔ ناز تک ریگستان میں دھس جاتا تھا اور پتے کی ٹوپی میں کریم جگانہ ادا کرتا تھا اور تیمم کر کے نماز پڑھتا تھا۔ بعد اس کے آبادی دیکھنے کو جی چاہا، کچھ چھپڑے جمع کر کے ان کو دھویا۔ ایک شخص سے سوئی اور تاکا مانگ کر ایک تہ بند سی کر ستر پوش ہوا۔ پھر فیروز پور میں کچھ دنوں رہ کر پیر کی خدمت میں قدموں حاصل کرنے کے اکبر آباد آیا۔ اسی طرح پھر تاج پھرا تا خانہ نشین میں پہنچا۔

دو تین جوان رنگیاں گیت گاکر چلی پس رہی تھیں مجھ کو آواز ان کی اچھی معلوم ہوئی، کچھ دیر بٹھہ گیا۔ پھر دل میں خیال آیا کہ دیا ہے لوگ کچھ اور خیال نہ کریں سپنے کا قصد کیا۔ ان میں سے ایک پسنہاری ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی شاہ صاحب بیٹھے ہیں نے کہا

تھوڑا پانی پلا دے۔ پانی پی کر دعاوی، خدا تجھ کو اولاد دے۔ وہاں سے پیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے بہت مہربانی
 کی۔ کھانا منگوایا۔ عرض کیا مدت سے ترک طعام ہے۔ آپ نے کہا جو کیا اچھا کیا، لیکن قبول دعوت میں متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
 ہے۔ مجبوراً ایک نوالہ کھایا۔ دوسرا نوالہ حضرت نے اصرار سے کھلایا۔ آخر پیر کے حکم سے پانچ نوالے کھا کر شکر خدا کیا۔ پیر کی خدمت
 میں شاہ صاحب ایک مدت تک رہے اور پانچ لقمے روزانہ کھایا کیے۔ آخر پیر سے رخصت ہو کر شیخ شاہ عالم درویش کی خدمت
 میں تجارت آئے۔ ان کے فرزند سید جلال سے بہت دوستی ہو گئی۔ شاہ عالم نے سید جلال کو ان کی خدمت میں تربیت طریقہ سلوک
 کے واسطے دے دیا۔ اس مدت میں حضرت شاہ عالم کا وصال ہو گیا۔ میر سید جلال الدین کی محبت سے حضرت نے تجارت میں قیام
 کیا۔ جب جہانگیر بادشاہ گجرات میں آیا، میر سید جلال الدین نے ملازمت شاہی اختیار کی۔ بادشاہ سے مقربین خاص نے اوصاف
 حضرت شاہ نعمت دار کے بیان کیے، بادشاہ نے ملاقات کو طلب کیا۔ آپ نے قبول نہ کیا۔ مجبوراً بادشاہ حضرت شاہ عالم کے مزار
 پر فاتحہ خوانی کے بہانہ سے ان سے ملنے آئے۔ آپ وہاں سے چلے گئے۔ ایک روز بادشاہ نے خان جہان سے کہا، خان بابا! میری ملی
 خواہش ہے کہ شاہ نعمت دار اللہ سے ملوں۔ لیکن یہ امر امکان سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ خان جہاں نے وعدہ کیا کہ میں اس کام کو انجام
 دوں گا۔ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اثنائے کلام میں بادشاہ کی دینداری اور فقر کے ساتھ حسن حقیقت کا بیان
 کر کے عرض کیا کہ بادشاہ کو آپ کی زیارت کا بے حد شوق ہے۔ اگر حضرت کو تشریف لے جانے میں تکلیف ہو تو اجازت دیجیے کہ
 وہ خود حاضر ہو کر استفیض زیارت ہوں۔ جب یہ اصرار حد سے زیادہ گزر گیا تو آپ نے فرمایا "خان جیو" یہ بتاؤ کہ صحبت میں اثر ہے
 کہ نہیں۔ خان جہاں نے عرض کیا، بے شک اثر ہے۔ کہا پھر وہ بادشاہ میں فقیر، اگر اس کی صحبت مجھ پر اثر کرے، میری گڈی چھین
 جائے اور اگر میری صحبت کا اثر بادشاہ کو پہنچے تو امر سلطنت میں غرابی پھیلے اور رعیت تباہ ہو۔ حضرت خان جہاں خاموش ہو گئے۔
 رخصت کے وقت عرض کیا، پھر بادشاہ کو کیا جواب دوں؟ آپ نے کہا تم میری طرف سے وکیل ہو، بادشاہ سے کہو، اس خدمت
 کی مجھ کو تکلیف نہ دے۔

ایک مرتبہ جہانگیر نے حکم دیا کہ قرآن شریف کا ترجمہ فارسی تحت اللفظ ہو جس قدر حرف قرآنی شریف میں ہیں اتنے ہی حرف
 ترجمہ میں ہوں۔ تمام متوسلان دولت نے جو اہل علم تھے بہت کوشش کی۔ آخر مجبور ہو کر لڑھائی اسپارہ کا ترجمہ پیش کر کے عرض کیا ایسا
 ترجمہ ہمارے امکان سے باہر ہے، شاید شاہ صاحب لکھ سکیں تو لکھ سکیں۔ بادشاہ نے کہا شاہ صاحب نے مجھ سے ملاقات تو کی
 نہیں، ترجمہ قرآن کیا کریں گے۔ لوگوں نے عرض کیا میر سید جلال جو سرکار میں ملازم ہیں، شاہ صاحب کے مرید ہیں، شاہ صاحب ان کو
 بہت عزیز رکھتے ہیں۔ ان کے توسط سے یہ کام انجام پا سکتا ہے۔ بادشاہ نے یہ حکم میر سید جلال کو بھیجا۔ میر صاحب اس حکم سے
 بہت کٹھن خاطر شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام قصہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اچھا، تمہارا تعلق بادشاہ سے ملازمت
 کا ہے، میں ترجمہ کروں گا۔ لفظی ترجمہ حرف بہ حرف عبارت آسان میں با محاورہ ہوگا، لیکن قرآنی میں جہاں جہاں روایتیں طلب
 تھے ہیں ان کی تشریح گروں یا نہ کروں۔ اس امر کو بادشاہ سے دریافت کر لینا۔

جہانگیر نے جواب میں کہلا بھیجا کہ قصہ طلب مقامات کی تفسیر کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ترجمہ کے حروف اصل قرآنی کے حروف سے زیادہ نہ ہوں۔ حضرت نے ایسا ہی ترجمہ دو جینے میں کیا اور نام اس کا ترجمہ "جہانگیری" رکھا۔ ترجمہ ایسا فارسی میں تھا کہ فضلاء وقت نے دیکھ کر گردن جھکائی۔ ترجمہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو بادشاہ کو حضرت کی ملاقات کا شوق بڑھ گیا۔ میر سید جلال سے تاکید پر تاکید کی اور آخر غصے میں میر صاحب کی مدد معاش کا معافی نامہ ضبط کر لیا کہ جب تک شاہ صاحب کو راضی کر کے ہمارے پاس نہ لاؤ گے جاگیر ضبط رہے گی۔

میر صاحب مگر گھروں آئے اور شاہ صاحب سے تمام قصہ دربار کا بیان کیا۔ فرمایا اچھا اگر تمہاری کار سازی میری فطرت پر موقوف ہے تو میں بادشاہ کے حضور میں چلوں گا، تم رنج نہ کرو، دھوپ سے چلے آتے ہو، تھوڑی دیر آرام کرو۔ ایک خدمت گزار کو بٹھا بھاننے کا حکم دیا۔ میر صاحب سو گئے تو آپ نے قلمدان اٹھا کر میر صاحب کے نام خط لکھا:

جناب من۔ میں تمہاری ہر مشکل اور ہم کا غوث الثقلین کی طرف سے ذمہ دار ہوں، تمہارے کام مطابق خواہش کے بن جائیں گے، مجھ کو اپنا معین سمجھو، کچھ دوسرے دل میں نہ لانا، اب ہم نخصت ہوتے ہیں، حشر میں ملاقات ہوگی۔ فقیر نعمت اللہ رقعہ قلمدان میں رکھ کر آپ صحرا کو نکل کھڑے ہوئے۔ مدت تک سیاحت میں رہے۔ پھر حکم شیخ فیروز آباد تبلیغ اسلام کرنے لگے۔ میر صاحب کو بہت صدمہ ہوا۔ شاہ صاحب کو بہت ڈھونڈا کہیں پتا نہ ملا۔ شاہ صاحب کا خطر روز ایک مرتبہ بڑھتے تھے اور ناز و قطار روتے تھے۔

شاہ صاحب | ایک مرتبہ آپ اس گاؤں میں آئے جہاں ایک سپنہاری لڑکی نے پانی پلایا تھا اور آپ نے دعا دی تھی۔ دیکھا کی کر امتیں! | تو وہاں ایک نفیس عمارت بنی ہوئی ہے اور سپنہاری کا چھپر محل سے بدل گیا ہے۔ شاہ صاحب کو پہچان کر ایک عورت نے اس لڑکی سے اطلاع کی وہ خبر سنتے ہی اپنے محل سے نفیس پریشاک پہنے سر پہا برہنہ دوڑی آئی۔ قدموں پر کر پڑی اور منت سے کہا، غریب خانہ پر کرم بخشی کیجیے، میرا شوہر شکار پر گیا ہے وہ بھی حاضر ہو کر قدموں پر بیٹھتا ہے، گاہکوں سے آنکھیں ڈھونڈتی تھیں، ہم کو تو جو کچھ ملا، آپ کی بدولت ملا۔ آپ نے فرمایا، بس بابا تم کو خوش دیکھ لیا اب فقیر ٹھہر نہیں سکتا۔ ہر چند منت کی قبول نہ فرمایا۔ آخر مجبور ہو کر اس نے کہا تھوڑی دیر یہاں ٹھہریے میں ابھی آتی ہوں۔ یہ کہہ کر گھر میں گئی سو روپے کی تمغلی اور اپنے لڑکے کو گود میں لے کر حاضر ہوئی، لڑکے کو تو قدموں پر ڈال دیا اور روپیہ بطریق نذر پیش کر کے عرض کیا، جو کچھ ہمارے پاس ہے، سب آپ کا دیا ہوا ہے اور آپ کے طفیل ہے، ہم خدمت کو حاضر ہیں۔ آپ قیام نہیں فرماتے تو اس قلیل رقم کو راستے کے خرچ کے لیے قبول فرمائیے۔ آپ نے کہا میں نے تمہارے روپے قبول کیے اور میری طرف سے اپنے لڑکے کو دے دو۔ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو ایک روپیہ لے کر اسی محلہ کے تکیہ دار فقیر کو دے دیا۔

ایک روز آپ جنگل کو جا رہے تھے ایک شیر سامنے دکھائی دیا، آپ ٹھہر گئے اور فرمایا، اے یار عزیز اگر مشیت خدا یہی ہے فقیر حاضر ہے، مطابق حکم کے عمل کرنا اور اگر بھی حکم نہیں تو اپنی ماہ لے اور مجھ کو راستہ دے۔ شیر ایک طرف کو جست کرتا ہوا

چلا گیا۔

سخت گرمی کے زمانہ میں سرور پابریہ نے ایک درخت سایہ دار کے نیچے آپ مراقبہ میں مشغول تھے۔ ایک کالا سانپ آپ کے پاؤں پر سر رکھ کے سورا۔ آپ نے اس معاملہ کو دیکھا اور پھر مراقبہ میں مشغول ہو گئے سانپ کچھ دیر کے بعد کہیں چلا گیا۔ کچھ دنوں فیروز پور میں قیام رہا۔ پھر بخش اور علاقوں سے ہوتے ہوئے ہمارے قیام فرمایا۔ ہمارے کو دین آٹے وہاں سے قریب ٹانڈے میں دو بزرگ تھے، ایک شاہ کرم اللہ۔ دوسرے میر سید احمد ہالقی پوری۔ شاہ کرم اللہ ظاہری دولت اور عت بہت کچھ رکھتے تھے۔ سولہ ہاتھی دروازے پر چھوڑتے رہتے تھے۔ اس مرتبہ پر بھی اگر کوئی اہل غرض غریب عاجز مظلوم آتا اور کہتا میرا کام نکالیں، آگم سے پڑا ہے، اگر حضرت سفارش کریں تو کام بن جائے۔ آپ فرما جاتے اور اس کے کام میں کوشش کرتے۔

میر سید احمد محبت الہی میں مستغرق تھے، اپنی خانقاہ کے حجرے سے باہر نہیں آتے تھے۔ دونوں درویش اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔

ایک روز شاہ کرم اللہ نے اپنے دوستوں کے جلسے میں بلند آواز سے کہا آج ہم دونوں صاحب ولایت کا تغیر ہو گیا۔ اور ایک شخص ہماری جگہ پر آتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کب تک آئیں گے۔ آپ نے کہا بہت جلد آنے والے ہیں۔ چند روز کے بعد ایک دن آپ نے کہا کہ صاحب ولایت آج گنگا کے کنارے پہنچ گیا ہے، ہم پیشواؤں کو جاتے ہیں۔ لوگ ساتھ ہو رہے۔ جب وہاں کے کنارے پہنچے، لوگوں نے پوچھا کون آدمی ہے۔ آپ نے فرمایا، سائے جو کشتی آرہی ہے اس پر سوار ہیں۔ جب کشتی نزدیک آئی سب سے پہلے شاہ کرم اللہ نے دست بوسی کی سعادت حاصل کی اور حضرت شاہ صاحب کو اپنی خانقاہ میں نہایت عزت سے لپٹے اور بہت ترخیا اور تکریم کی حضرت نے پوچھا میر سید احمد کہاں رہتے ہیں، شاہ کرم اللہ نے عرض کیا وہ ہالقی پور میں قیام رکھتے ہیں۔ دو تین ہفتوں کے بعد حضرت نے فرمایا ہم میر سید احمد سے ملنے جاتے ہیں۔ جب ہالقی پور میں میر سید احمد کے مکان پر پہنچے، میر سید احمد حجرے سے باہر آئے اور دو ڈگر بغل گیر رہے، مصافحہ کیا، مبارک باد دی اور حضرت کو دست بدست حجرے میں لے گئے اور اس قدر خاطر کی کہ حضرت بہت دنوں وہاں رہے۔ بعد چند روز کے حضرت نے سیر کا قصد کیا۔ میر سید احمد نے فرمایا کہ میرا وقت قریب ہے میں چاہتا ہوں کہ نماز جنازہ آپ پر پڑھا جائے۔ آپ نے کہا کیا مضائقہ ہے، فقیر نماز جنازہ کے وقت پہنچ جائے گا۔ یہ کہہ کر آپ شکار گو تشریف لے گئے۔ بعد چند روز کے میر صاحب نے انتقال فرمایا اور وصیت کی تمیرے جنازہ کی نماز کوئی دہریہ محلے حضرت صاحب خود آکر پڑھا لیں گے۔ جنازہ رکھا ہوا تھا اور قبر تیار تھی کہ حضرت صاحب آگئے۔ نماز جنازہ پڑھا کر دفن کیا۔ اور متعلقین کو دلاسا دیا اور میر صاحب کے فرزند میر سید نظام شاہ کو سجاوہ کشین کیا۔

اور آپ میر صاحب کے خویش میرا سلاطین کے یہاں چلے گئے۔ اور بہت زمانہ تک وہاں قیام کیا۔ اور ادخال انسانی حضرت کے مرید ہونے اور خدمت پیر کی بہت کرتے تھے۔ فیروز پور کے قریب جھنگل میں عہد سلف سے ایک تالاب تھا، اس کا پانی جو کوئی پیتا

تھامر جانا تھا۔ وہ تالاب شاہ برج سے کوس بھر کے فاصلہ پر ہے۔ ایک روز حضرت نے فرمایا ہم اس تالاب پر جائیں گے۔ اور
معتقدین بھی ہمراہ ہو لیے۔ تالاب کے قریب پہنچ کر حضرت نے اللہ داد خاں سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے۔ آپ نے ایک روپیہ
پیش کیا۔ فرمایا اس کے مزدور بلوا کر تھوڑی زمین ہمارے قیام کے لیے ہموار کر دو۔

حسب ارشاد مزدور آئے۔ دوپہر کے بعد آپ نے کہا اب سب لوگوں کو بھوک لگی ہوگی اسی روپیہ میں اوگرہ پکا کر
کھلاؤ۔ اوگرہ تیار ہوا تو آپ نے سب مزدوروں کو اور حاضرین کو کھلا دیا۔

شام کے قریب ایک دولت مند کشتی میں جا رہا تھا۔ اس نے خبر پائی کہ اس جنگل میں ایک درویش آیا ہے۔ کشتی سے
اُتر کر حضرت کی قدمبوسی کو کیا اور پانچ روپیہ نذر کیے۔ آپ نے فرمایا ایک روپیہ مزدوروں کو دے دو اور چار روپیہ میں عمدہ کھانا
پکا کر سب کو کھلا دو۔ آپ کی برکت سے روز دروز دور سے لوگ آتے تھے اور نذریں دیتے تھے جس قدر آمدنی ہوتی اتنا آپ
خرچ رکھتے تھے۔ غیب سے روپیہ چلا آتا تھا۔

اسلام خاں حقیقی صوبہ دار جہانگیر نگر نے بیچ رائے بھنڈاری کی صلاح سے بیس گاؤں کا وقف آپ کے نام کرنا چاہا آپ
نے انکار کیا۔ بہت صبر سے وقف نامبرالہ داد خاں کے حوالہ کیا گیا۔ بیچ رائے وقف کا انسداد چودھری بنا گیا اور وقف
ایک پرگنہ بنائیں کا تھا۔

بنگلہ کے ہفت ہزاری اور پنجہزاری نواب خانخاناں و خان اعظم ہابٹ خاں آپ کی قدمبوسی میں حاضر رہتے تھے۔
نواب قاسم خاں نواب اعظم خاں نواب سیف خاں بہت معتقد تھے۔

ہابٹ خاں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ مجھے قیافہ سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت کی خانقاہ میں ہاتھی جھولیں گے اور آپ کا شکر
و چشم بہت ہوگا۔ وہ لوگ خوش نصیب ہیں جن کی نذر آپ قبول کر لیتے ہیں، مجھ بد نصیب کی آرزو کبھی پوری نہ ہوئی۔

آپ نے فرمایا سید اسماعیل داماد میر سید احمد مالتی پوری کی خانقاہ میں درویش بہت ہیں اور خانقاہ کی کوئی آمدنی نہیں ہے
تم کچھ مدد معاش مقرر کر دو۔ ہابٹ خاں نے ایک پروانہ معافی پرگنہ کا سید اسماعیل کے نام لکھ دیا اور ایک پروانہ جو گید اس رجحوت
جاگیر دار کے نام دخل دہانی کا لکھ دیا۔

ہابٹ خاں کو بادشاہ نے اپنے پاس بلوایا اور ان کے بیٹے خان زاد خاں کو صوبہ دار بنگالہ مقرر کیا۔

ہابٹ خاں آپ سے رخصت ہونے آئے تو عرض کیا، حضرت کا غلام میری جگہ پر آئے گا۔ امیدوار ہوں کہ اس پر توجہ ہے
کہ اپنے ہاتھ پاؤں بچا کر راست روی اختیار کرے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس کو ایک مہینہ پیشتر سے خطرناک واقعات کی اطلاع کر دوں گا
ماننا ماننا اس کا کام ہے۔

خانہ زاد خاں نے چند روز میں حضور کے فیض صحبت سے اپنی طبیعت کا رنگ بدل دیا اور اچھا خاصا صوفی مشرب بن گیا۔

یہ سب شاہ صاحب کی صحبت کا اثر تھا۔

آپ کا اخلاق | حضرت ایک لوز خانہ زاد خاں کی بارہ درمی میں رونق افروز تھے اور تنہائی میں نفس کشی کی ہدایت فرما رہے تھے ایک پیروسی فقیر ڈیڑھی پر آیا اور خانہ زاد سے ملنے کی آرزو کی (یہ بہت درویش پرست آدمی مشہور تھا) جو بدار نے خانصاحب کو اطلاع کی، فرمایا، اس کا نام پوچھو۔ درویش ایک مکار آدمی تھا اور سن چکا تھا کہ حضرت صاحب قبلہ سے خانصاحب کو بہت حسن ظن ہے (لیکن یہ خبر نہ تھی کہ حضرت کی تذبذب میں خانصاحب دن رات رہتے ہیں۔ نہ یہ معلوم تھا کہ اس وقت حضرت صاحب رونق افروز ہیں) کہا بابا مجھ کو فقیر سید نعمت اللہ کہتے ہیں۔ فیروز پور میں سائیں کا قیام رہتا ہے۔ جو بدار نے خانصاحب سے یہ الفاظ پراچھے خاں صاحب غصے میں لال ہو گئے اور چاہا اس مکار کی اچھی طرح مرمت کریں کہ آئندہ کسی کو دھوکا نہ دے، لیکن حضرت نے فرمایا کہ اخلاق محمدی سے بعید ہے، خدا جانے بیچارہ کس ضرورت سے آیا ہے اور تمہارے حسن ظن کو دریافت کر کے ایسی حرکت کی کہ تم اس سے سلوک کرو۔ غریب اگر اپنا پیٹ پالنے کے واسطے جھوٹ بولتا ہے تو کیا نقصان ہے۔ اس کو لڑا کر کچھ نیک سلوک کرو۔

حضرت کے ارشاد سے فقیر کو بلوایا حضرت تعظیم کو کھڑے ہو گئے اپنے برابر مسند پر بٹھایا۔ نام پوچھا، کہا سید نعمت اللہ شاہ کہتے ہیں۔ فیروز پور میں خانقاہ بنوائی ہے، وہیں قیام ہے۔ حضرت نے کچھ اشارہ کیا، خانصاحب نے فوراً دو سو روپیہ منگو کر شاہ صاحب کی نذر کیا۔ فقیر و عادی سے کرم نصیب ہوا۔

حضرت کی پیشین گوئی | خانہ زاد خاں رسوخ اور عقیدت حضرت سے بہت زیادہ رکھتے تھے اور اکثر آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ حضرت بھی بہت ہرمانی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ خانصاحب کی مدح میں ایک قصیدہ فرمایا، جس میں ایک شعر میں ایک تغیر کی اطلاع بھی تھی۔ شعر یہ تھا۔

من در ہدایت سے گل خنداں چو عنسیب اسے تو بہار تماشا شائے دیگر اں

خانصاحب نے قصیدہ سن کر اس شعر پر کان کھڑے کیے اور اسی وقت اپنے تصدیق کو حکم دیا کہ یہ شعر کھڑو، ہمارا قیام اب یہاں غیر ممکن ہے۔ قریب ہے کہ بادشاہ طلب فرمائے۔ وہی ہوا کہ ایک مہینے کے اندر بادشاہ نے خانہ زاد خاں کو اپنے پاس بلوایا۔

حضرت میر سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت

ولادت ————— اچہ (ریاست بہاول پور) ۱۷۰۷ء

وفات ————— ۱۷۸۵ء

آپ سید جلال شرح اوچی کے پوتے تھے اور سید احمد کبیر کے بیٹے تھے۔ ولی مادر زاد تھے۔ لڑکپن سے آثار بزرگی کے جلوہ نما تھے۔ کہتے ہیں ان کی سات برس کی عمر تھی کہ ان کے والدین ان کو شیخ جلال الدین خندان رو کے رو برو لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ایک طباق کھجوروں کا بھلا رکھا تھا، فرمایا کہ حاضرین میں تقسیم کرو۔ مخدوم جہانیاں نے اپنا حصہ مع گٹھلیوں کے کھانا شروع کیا۔ شیخ جلال نے یہ دیکھ کر تبسم فرمایا کہ سید مع گٹھلیوں کے کیوں کھاتے ہو۔ مخدوم نے باوجود خورد رسالی کے جواب دیا کہ یہ کھجوریں آپ کے ہاتھ سے نصیب ہوئی ہیں، ان کی گٹھلیاں بھی فیض سے خالی نہیں، اس واسطے نہیں پھینکتا۔ یہ سن کر شیخ جلال بہت خوش ہوئے اور ان کے حق میں دعا کی۔ لکھا ہے کہ مخدوم نے پہلے بیعت سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد سے کی، بعدہ اپنے چچا شیخ صدر الدین محمد غوث سے خرقہ تبرک حاصل کیا، اس کے بعد شیخ رکن الدین ملتانی سے خرقہ خلافت پایا۔ بعد اس کے شیخ اسلام شیخ عقیف الدین عبداللہ شہترودی سے مکہ معظمہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا، اور دو برس ان کی خدمت میں رہ کر غوارف اور دوسری کتابیں سلوک میں پڑھیں۔ شیخ عقیف نے ان کو گازرون میں جانے کا حکم دیا۔ جب یہ گازرون میں پہنچے تو شیخ امین الدین گاررونی نے فرمایا کہ تمہارے دادا نے مجھ سے ملنے کا قصد کیا تھا مگر شیطان نے میرے مرنے کی جھوٹی خبر ان کو دی اور وہ مکہ معظمہ کو چلے گئے اب تو میرا سجادہ ہے اور مقراض ان کو دے کر فرمایا کہ یہ حق تیرا ہے۔ پس ان سے خرقہ خلافت حاصل کر کے چندے ان کی خدمت میں لے کر مصر اور شام عراق بلخ اور خراسان وغیرہ ملک کا سفر کرتے ہوئے اور چھ جگہ کر کے ہندوستان میں آئے اور بیت اللہ شریف میں امام عبداللہ بانس کی خدمت میں رہے اور حکم امام دہلی میں اگر حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید ہو کر چندے ان کی خدمت میں رہے اور فیضان چشتیہ حاصل کیا۔ جانتا چاہیے کہ مخدوم جہانیاں چودہ خانوادوں کے خلیفہ ہیں اور تمام اولیائے وقت سے ملے ہیں اور حضرت غوث پاک سے نہایت عقیدت تھی۔ سید شرف جہانگیری تحریر فرماتے ہیں کہ جس قدر خوارق اور کرامت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے صادر ہوئے۔ اولیائے متاخرین میں سے ایک کو بھی حاصل نہیں ہوئے۔ چنانچہ جس روز میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، اسی روز اطوار قطبیت و غوثیت سے مشرف ہوا۔ شیخ علاء الدین چشتی قطب بنگالی نے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ میرے جنازہ کی نماز مخدوم جہانیاں پڑھائیں گے اور کوئی نہ پڑھائے۔ یہ سن کر تمام مرید حیران تھے کہ مخدوم اوج ہیں، کیونکہ آپ کے جنازہ کی نماز کے وقت حاضر ہوں گے۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو لوگوں نے مخدوم جہانیاں کو وہاں حاضر دیکھا اور جنازہ کی نماز پڑھائی اور چند روز

وہ کہ نور قطب عالم کو تربیت کیا اور سجادہ بر بٹھایا، وہاں پر بہت سے اکابر حضرت کے مرید ہوئے۔

آزاد اعظمیہ سے نقل ہے کہ ایک روز مخدوم اپنی خانقاہ میں بیٹھے تھے کہ یکایک گھاس کی گٹھڑی میں آگ لگی اور اس میں سے شعلہ اٹھ کر مخدوم نے ایک چٹکی خاک کی اٹھا کر یا شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی بر آواز بلند پڑھ کر اس طرف پھینکی، اس آگ بجھ گئی۔ ایک روز خان جہاں مرزا وزیر سلطان فیروز شاہ حضرت کی خدمت میں آیا۔ اس نے ایک منشی کے لڑکے کو قید کیا تھا۔ اس لڑکے نے آپ کی طرف توجہ کی، آپ نے نور باطن سے معلوم فرما کر وزیر سے فرمایا کہ اس مظلوم کو چھوڑ دے، اس میں تیری خیر ہوگی۔ وزیر نے بموجب حکم عالی رہا کیا۔

اخبار الاولیاء سے نقل ہے کہ شب عید کو مخدوم جہانیاں روضہ شیخ الاسلام بہاؤ الدین پر جا کر مستعدی عیدی کے ہوئے۔ مزار سے آواز آئی کہ تیری عیدی یہی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تجھ کو مخدوم جہانیاں کیا۔ بعد اس کے شیخ صدر الدین عارف کے مزار پر عیدی کی التجا کی۔ وہاں سے بھی جواب با صواب پایا۔ خزینہ جلالی میں لکھا ہے کہ ایک بار شیخ ابوالفتح طسانی زینہ پر سے اترتے تھے۔ مخدوم نے دوڑ کر اپنے کو زینہ پر ڈالا۔ اس لیے کہ قدم پیر کا سینہ پر پڑے۔ یہ دیکھ کر شیخ نے کہا یا سید مرتبہ ولایت تمہارا اپنے مرتبہ کو پہنچ چکا ہے، تم مخدوم جہانیاں ہو گئے اور اپنے ہاتھ سے اٹھا کر سینہ سے لگایا۔ اور بہت نعمتیں عطا کیں۔ اس روز سے مخاطب بہ خطاب مخدوم جہانیاں ہوئے۔ چونکہ سیاحت بہت کی تھی اس لیے جہاں گشت بھی کہلائے۔ ایک بار مخدوم جامع مسجد اوج میں مع چند علماء درویشوں کے معتکف تھے، ساجد کلمہ حضرت کی زیارت کے لیے آیا۔ حضرت کے گرد ہجوم درویشوں کا دیکھ کر کئی درویشوں کو جھٹک کر مسجد سے باہر نکلا۔ مخدوم نے یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ اے بد بخت تو دیوانہ ہوا ہے کہ درویشوں کو تکلیف پہنچاتا ہے، یہ فرماتے ہی ساجد دیوانہ ہو گیا۔ کپڑے پھاڑ کے مسجد سے نکل کر لوگوں کو پتھر مارتا ہوا باہر پھرنے لگا۔ سبز بمشکل اس کو پاؤں زنجیر کر کے اس کا بڑھا باپ حضرت کی خدمت میں آیا اور اس کی معافی چاہی۔ آپ نے ازراہ رحم فرمایا کہ اس کو غسل دو اور نئے کپڑے پہناؤ اور زیارت مزار شیخ جمال الدین خندہ رو کر اکبر سے پاس لاؤ۔ پس بعد زیارت مزار وہ حضرت کے پاس آئے ہی اچھا ہو گیا اور مرید ہو کر واصلاح تہی سے ہوا۔ آپ غیر شرعی رسوم سے بہت پرہیز کرتے تھے یہاں تک کہ غیر شرعی تعظیم تک پسند نہ تھی۔ اگر کوئی مرید عورت کی خاطر پاؤں تھمے کی کوشش کرتا تو چومنے نہ دیتے تھے، نہ ہی کسی مرید کو اس بات کی اجازت تھی کہ پاؤں پر سر رکھے۔ ایک مرید نے آپ کی تعریف میں نظم لکھی اور اس میں انھیں سید السادات کہا۔ آپ نے فرمایا مجھے سید السادات نہ کہو، بلکہ گداٹے عالم کہو۔

کسٹرنسی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ خواجہ شرف الدین احمد منری نے آپ کے پاس کفش بھیجی، جس کا مطلب یہ تھا کہ میں آپ کا کفش پا ہوں۔ آپ نے اس کے جواب میں اپنی دستار ان کے پاس بھیج دی، جس سے مراد یہ تھی کہ تم میرے سر تاج ہو۔

معاذ سے بہت پرہیز کرتے تھے اور فرماتے تھے سماع میں اختلاف ہے، لیکن اس شخص کے لیے مباح ہے جو اس کی اہلیت

رکھتا ہو۔

غیر مسلم خصوصاً ہندو بہت زیادہ آپ کی خدمت میں آکر اسلام قبول کرتے۔ ایک ہندو عورت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ

آپ ہی سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئی اور ولایت کے درجہ کو پہنچی۔ جب کبھی آپ ایچ سے دہلی جاتے راستے میں بہت سے غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتے۔

آپ کی حرم محترم بھی بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں۔ آپ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ تہجد کے لیے مجھ سے پہلے اٹھا کرتی تھی اور جب تہجد کی نماز پڑھ لیتی تو مجھے بیدار کرتی۔ بی بی ایسی ہی ہونی چاہیے۔

فرمایا: ایک مرتبہ وہ عبادت کر رہی تھیں کہ بے ہوشوں کی طرح سجدہ میں گر پڑیں۔ جب ہوش آیا تو سجدہ سے اٹھیں۔ میں نے ان سے کہا جا کر وضو کر لو، کیونکہ بے ہوشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کہنے لگیں مجھے بے ہوشی نہ تھی میں نے دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، پھر تعظیم میں کیوں سجدہ نہ کرتی۔ مجازی بادشاہ کے لیے ہزاروں تعظیمیں کی جاتی ہیں، حقیقی بادشاہ کی تعظیم سجدہ سے کیوں نہ کرتی۔

آپ کے بعض لڑکوں کے نام یہ ہیں: سید شمس، سید ماہ، سید ناصر، سید صدیق الدین۔
مرآة الاسرار کا بیان ہے:

حضرت سید جلال الدین کی بہت سی اولاد تھی اور ان کے اکثر فرزند ولایت کے درجہ کو پہنچے، ان میں سے ایک شاہ جلال بھی تھے جو اپنے بھائیوں کے جھگڑوں کی وجہ سے ایچ سے قنوج آگئے تھے اور اسی شہر میں سکونت اختیار کر لی تھی اپنے کشف و کرامات کی وجہ سے بڑی شہرت پائی۔ ان کے صاحبزادے بھی صدیقی اور حنوی کمالات کے باعث مشہور ہوئے۔ قنوج اور نواح قنوج کے لوگ ان ہی کے سلسلہ ارادت سے منسلک رہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ حضرت کے بعض فرزند دہلی کے نواح شکارپور میں مہر خواہ ہیں، ان میں شاہ عمر، شاہ محمود اور شاہ کبیر بڑے صاحب کشف و کرامات تھے اور بہت مشہور ہوئے۔ حضرت کے ایک فرزند شاہ قطب عالم گجرات میں مدفون ہیں۔

جہاں گشت کے پوتے شیخ کبیر الدین بہت بڑے اولی اللہ تھے۔

۷۸۵ھ کو چار شہنشاہ عبدالاضلی کے دن وفات پائی اور ایچ میں مدفون ہوئے۔ یہ مقام ریاست بہاول پور میں ملتان کے

شترپیل کے فاصلہ پر جنوب مغرب میں واقع ہے۔

آپ کے ملفوظات کے نام یہ ہیں:

۱۔ خزائن جلالی ۲۔ سراج الہدایہ ۳۔ جامع العلوم

سراج الہدایہ کو احمد برنی نے مرتب کیا۔ اس میں ۲۷ حصے کے دس ہیونوں کے ملفوظات ہیں، جو مختلف ابواب پر مشتمل ہیں۔

جامع العلوم تمام ملفوظات میں زیادہ دلچسپ اور مختصر ہے۔ اس میں تصوف کے تمام حقائق و معارف درج ہیں اور کثرت

کے ساتھ ایسے شرعی فقہی اور اخلاقی مسائل درج ہیں جن سے روحانی، مذہبی اور اخلاقی اصلاح عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

سید اشرف جہانگیر سمنانی حضرت مخدوم جہانیاں کے معزز خلیفہ تھے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے خلفاء یہ تھے :
 ۱۔ سید عبدالدین راجو قتال، جو حضرت مخدوم جہانیاں کے سگے بھائی تھے۔ ان کا مزار مبارک دہلی میں ہے۔
 ۲۔ حضرت سید علم الدین، جو سادات تہذیب میں تھے۔ اصل وطن قنوج تھا۔ مخدوم جہانیاں کے مرید ہو کر جو نہد گئے اور شاہی ملازمت میں رہے۔

۳۔ شیخ سراج الدین۔ آپ حافظ قرآن تھے۔ مخدوم جہانیاں نے کئی برس تک ان کے پیچھے نماز ادا کی۔ ان کا مزار کاپلی میں ہے۔

۴۔ سید اشرف الدین مشہدی

۵۔ سید علاؤ الدین بن سید حسینی

۶۔ سید محمود شیرازی

۷۔ شیخ بابر تاج الدین بکھروی

۸۔ مولانا عطاء اللہ

۹۔ سید سکندر بن سعد

۱۰۔ سید شرف الدین شاہی

حضرت خواجہ بہاؤ الدین محمد نقشبندؒ

ولادت _____ تھریاں (پنجاب) ۷۱۸ ھ

وفات _____ ۷۹۱ ھ

ہاں طریقت، قبلہ اولیائے جہاں خواجہ خواجگان اور اہل خانہ صلیبا خواجہ بہاؤ الدین محمد نقشبندؒ بن غارگان سلوک و معرفت میں
اٹل جھولنے والی عمر فرود آتے ہیں اور حرام اس کے اذان و ثنوب کو معرفت نامی کے انداز سے روشن کیا۔

اس نام محمد بن محمد البخاری تھا۔ حسین سید تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

خواجہ بہاؤ الدین محمد نقشبند بن امیر سید بھول الدین بن سید برہان الدین بن سید عبدالشہین امیر سید زین العابدین

بن سید امیر کاہن سید برہان الدین بن سید محمد بن سید علی بن امیر سید نقیب بن امیر سید خلوقی بن امیر سید

محمد بن سید محمد بن سید علی اکبر بن امام حسن عسکری صلوات اللہ علیہ۔

آپ محرم ۷۱۸ ھ میں تھریاں میں پیدا ہوئے اور پنجار سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر ایک مقام ہے۔ نقشبند نام ہے
مشہور ہونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب خواجہ محمد بہاؤ الدین کو سید امیر گلخانہ کے سپرد کیا تو فرمایا: "نقش بہاؤ الدین را بر بندہ"
اسی بیچہ سے آپ کو نقشبند کہا جانے لگا۔ بعض کہتے ہیں کہ جو طالب حق آپ کی خدمت میں جاتا، آپ کی تعلیم اس کے دل پر اس طرح
نقش ہو جاتی کہ وہ شخص اپنے متعصب کو پہنچ جاتا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ اپنے مریدوں کو اسم اللہ کا نقش لکھ کر دیتے تھے کہ دل سنو بری پر
اس کا تصور کریں تاکہ قرب بیت اللہ کی صفت ہو جائیں۔ نقشبند کہلانے کی ہی وجہ ہے۔ واللہ اعلم۔

طریقت میں آپ کی تربیت حضرت سید امیر گلخانہ سے تھی، اگر خیریت میں آپ اسی تھے۔ آپ کی تربیت خواجہ بہاؤ الدین
معدوانی کی روحانیت سے ہوئی تھی۔ آپ متعصبانے شریعت اور بیٹھانے بی سنت و الجماعت تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی ولادت
سے قبل خواجہ بہاؤ الدین نے آپ کی ولادت کی خبر دے دی تھی۔ جب پیدا ہوئے تو خواجہ صاحب نے انھیں اپنی فرزندگی میں لے لیا
اور حضرت سید امیر گلخانہ کو وصیت فرمائی کہ میرے فرزند بہاؤ الدین کے حق میں تربیت و شفقت سے ہرگز گریز نہ کرنا۔ انھوں نے حکم
بسرور پشم قبول کیا۔

آپ خود فرماتے ہیں کہ جب میں اٹھارہ برس کا ہوا تو میرے والد کو شاہی کا خیال ہوا اور مجھے خواجہ محمد بہاؤ الدین کی خدمت
میں بھیج دیا۔ میں لات بھر آپ کی خدمت میں رہا۔ پچھلی رات کو میں سجد میں آیا اور دو گانہ ادا کیا۔ سرسکھ میں رکھ کر ٹی و عاجز ۱۲ سے
دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے اپنی مصیبت کا بوجھ اٹھانے کی مزید طاقت عطا فرما۔ صبح ہونے پر جب حضرت بہاؤ الدین کی خدمت میں حاضر ہوا

لے اسطرح صوفیہ میں اولیاد ان حضرات کو کہتے ہیں جو باطنی طور پر آنحضرتؐ یادگیر اور اح کا سے براہ راست تربیت پائی

تو انھوں نے فرمایا 'اے بیٹے! دعا کے وقت یہ کہنا چاہیے کہ الہی جو تیری رضا ہو اپنے اس ضعیف بندے کو اسی پر قائم رکھ۔ خدا کی مرضی یہی ہے کہ بندے پر کوئی مصیبت نہ آئے، لیکن اگر حکمتاً وہ کوئی مصیبت اپنے بندے پر نازل کرتا ہے تو اسے اٹھانے کی قوت بھی اُسے عطا کر دیتا ہے۔ اختیار سے بلا نہیں طلب کرنا چاہیے، یہ گستاخی ہے۔

حضرت بابا ساسیؒ کی زندگی میں آپ نے شادی نہ کی۔ بعد ازاں سمرقند گئے اور وہاں کے اولیاء اللہ سے فیض یاب ہونے کے بعد بخارا تشریف لے گئے۔ وہیں شادی کی اور قصر غارخان میں سکونت اختیار کی۔ اس دوران میں حضرت سید میر کلالؒ وہاں تشریف لائے اور ان سے آپ نے بیعت کی اور انھیں سے تربیت حاصل کرنے لگے۔

جب تربیت ختم ہو چکی تو سید میر کلالؒ نے آپ سے فرمایا کہ میں نے اپنے پیر و مرشد کے حکم کے مطابق تمہارا کام کر دیا، مگر تمہاری استعداد بہت اعلیٰ ہے، اس لیے تمہیں اجازت ہے کہ جس سے بھی فیض حاصل کرنا چاہو کرو۔ چنانچہ آپ شیخ فتح اور خلیل آقا کی خدمت میں گئے اور فیض باطن حاصل کیا۔ شیخ فتح فرمایا کرتے تھے کہ بہاؤ الدین کے سینے میں طلب کی جو آگ بھڑک رہی ہے شاید ہی بخارا کی سرزمین میں کسی کے نصیب میں آئی ہو۔ خلیل آقا کی خدمت میں آپ بارہ سال رہے۔ انھیں کے ہمراہ دو دفعہ حجاز کا سفر بھی کیا۔ خلیل آقا کو کچھ مدت بعد ماوراء النہر کی بادشاہی مل گئی اور وہ سلطان خلیل کے نام سے مشہور ہوئے۔ بہاؤ الدین فرماتے ہیں کہ زمانہ بادشاہت میں بھی آپ کے متعلق بہت سی باتیں دیکھنے میں آئیں، جن سے میں آپ کی طرف اور زیادہ راغب ہو گیا۔ اور سلطانی کے دور میں چھ سال تک ان کی خدمت میں رہا۔ اس دوران میں بھی آپ مجھے اُداب سلوک سکھاتے رہے اور آپ نے جو کچھ مجھے سکھایا میرے بہت کام آیا۔ فرماتے ہیں جب ان کی سلطنت زوال پذیر ہوئی، حکومت درہم برہم ہو گئی، تو یہ حادثہ دیکھ کر میرے دل سے دنیا کی تمام قدر و قیمت اٹھ گئی اور میں دل برداشتہ ہو کر بخارا آ گیا اور وہاں کے ایک قصبہ یورتون میں رہنے لگا۔

فرماتے ہیں ایک دفعہ ابتدائی زندگی میں میری ملاقات ایک مرد خدا سے ہوئی۔ وہ کہنے لگا تم آشنا معلوم ہوتے ہو۔ میں نے عرض کیا میں اس بات کا امیدوار ہوں کہ خدا کے دوستوں کی نظر کی برکت سے حق آشنا ہو جاؤں۔ اس نے رزق کے بارے میں پوچھا۔ میں نے جواب دیا، مل جائے تو کھا لیتا ہوں ورنہ صبر و شکر کر لیتا ہوں۔ وہ مسکرا کر کہنے لگا یہ کام تو بڑا آسان ہے کام تو یہ ہے کہ نفس کو توبہ کے مقام میں لاؤ تاکہ روٹی نہ ملے تو سرکشی نہ کرے۔ میں نے نصیحت چاہی اس نے کہا جنگل کی طرف چلے جاؤ اور اہل دنیا سے نفس کی خواہش بالکل منقطع کر لو۔ تین دن تک اس زمین پر چلو، چوتھے روز ایک پہاڑ کے دامن میں تم گھوڑی کی ننگی پیٹھ پر ایک سوار کو دیکھو گے، اسے سلام کر کے آگے جانا جب تین قدم آگے بڑھو گے تو وہ پکار کر کہے گا میرے پاس ایک روٹی ہے لے لو، مگر تم توجہ نہ کرنا۔

بہاؤ الدین فرماتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا اور یہ ساری باتیں اسی طرح ظہور میں آئیں۔ اس مرد خدا نے فرمایا کہ لوگوں کی چوٹی اور کمزوری اور خستہ حالوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا، تمہیں ان کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور عاجزی سے پیش آنا چاہیے۔ میں اس

نصیحت پر سختی سے کار بند رہا۔ پھر فرمایا حیوانات بھی خدا کی مخلوق ہیں۔ ان پر بھی رحم کرنا چاہیے۔ اگر ان میں سے کسی کے زخم ہو تو اس کا علاج کرنا چاہیے۔ میں نے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ رستے میں جہاں کہیں مجھے کوئی جانور نظر آتا، جب تک وہ گزر نہ جاتا میں اپنی جگہ پر کھڑا رہتا۔ سات سال میں نے اسی طرح گزارے۔

فرماتے ہیں میں نے ایک گرگٹ کو دیکھا جو آفتاب کی طرف ٹھٹھی جمانے کو نظر آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھ پر بھی حالت فوق طاری ہو گئی اور دل میں کہا اس بارگاہ میں اس سے سفارش کی خواہش کروں۔ میں نے ادب سے کھڑے ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر گرگٹ نے استغراق چھوڑ کر اپنی پیٹھ زمین پر رکھ دی اور آسمان کی طرف منہ کر دیا، گویا میرے لیے دعا کر رہا ہے۔ میں دیر تک اُٹھ کر کھڑا رہا۔

خواجہ بہاؤ الدین فرماتے ہیں، میں جذبات بے خودی میں ہر طرف گھومتا رہتا تھا اور میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ ایک پرانی پوستین پہنے رہتا تھا۔ جاڑے کا موسم آیا اور سرد ہوا چلنے لگی، اسی حالت میں ایک شب سید امیر کللال کی خدمت میں پہنچا، اور درویش بھی وہاں بیٹھے تھے۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کون ہے؟ کسی نے بتایا فلاں شخص ہے۔ آپ نے فرمایا اسے یہاں سے نکال دو۔ جب میں وہاں سے نکلا تو نفس نے سرکشی شروع کر دی، لیکن میں نے صبر کیا کہ چونکہ یہ ذلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اور دل میں ٹھان لیا کہ کچھ بھی ہو اس درگاہ سے سر نہ اٹھاؤں گا۔ اس وقت برف گر رہی تھی اور ہوا سخت سرد تھی۔ میں نے تمام رات وہیں پڑے گزار دی۔ صبح کے وقت سید امیر کللال آ کر مجھے اپنے مکان پر لے گئے، فرمایا اے فرزند باسعادت کلباس تیرے ہی قدر درست ہے۔ پھر اپنے ہاتھ سے میرے پاؤں سے کانٹے نکالے۔ زخم صاف کیے اور بڑی شفقت سے پیش آئے۔

فرماتے ہیں ہیک روز میں بخارا سے نسف کی طرف جا رہا تھا تاکہ حضرت سید امیر کللال سے ملاقات کروں کہ ایک نئے ہوش سولہ سالے آگیا۔ اس نے کچھ گفتگو کی مگر میں نے توجہ نہ دی۔ جب میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا تو نے خضر علیہ السلام کی طرف توجہ نہ کی۔ میں نے عرض کیا آپ کی خدمت میں حاضر ہونے آ رہا تھا، اس لیے ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔

فرماتے ہیں کہ ابتداءً حال میں ایک رات زیور تون کی مسجد میں ایک ستون کے پاس قبلہ رو بیٹھا تھا کہ فنا کا اثر مجھ پر ظاہر ہونے لگا اور فنا اثر ہوا کہ فنا کے کامل حاصل ہو گئی۔ مجھ سے کہا گیا کہ تو نے اپنا مقصود پایا۔ پھر کچھ دیر بعد میں اصلی حالت پر آ گیا۔

فرماتے ہیں منازل و مقامات طے کرنے میں مقام حضرت حسین منصور کی صفت میرے وجود میں ظاہر ہوئی، قریب تھا کہ وہی آواز میرے منہ سے بھی نکلے، جو ان کے منہ سے نکلی تھی۔ بخارا میں ایک سولی تھی جس میں دونوں بار اس کے قریب گیا اور کہا میرا اسی سولی کا سر ہے، لیکن خدا کے فضل سے میں اس مقام سے گزر گیا۔

جب حضرت سید امیر کللال میری تربیت سے فارغ ہو گئے تو فرمایا اے بیٹے! جب استاد اپنے شاگرد کو تعلیم دیتا ہے

تو اس کی یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ اپنی تعلیم کو اپنے شاگرد کے اندر دیکھے۔ چنانچہ وہ اس کا امتحان لیتا ہے تاکہ اس کی تعلیم پر
 کلی اعتماد حاصل ہو اور کسی کی صورت میں اسے پورا کرے۔ پس میرا لڑکا امیر برہان حاضر ہے اور کسی نے ابھی تک اس کی
 تعلیم معنوی نہیں کی تو میرے سامنے اس کی تعلیم معنوی میں متوجہ ہوتا کہ میں اس کا اثر دیکھوں اور مجھے تیری تعلیم دہی پر پورا
 اعتماد ہو۔ آپ اس وقت مراقبے میں بیٹھے تھے اس لیے ادب کی غایت رعایت کے باعث اس امر کی اشغال میں توقف
 کیا۔ حضرت سید نے فرمایا کہ تجھے اس بارے میں توقف نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ آپ نے حضرت سید کے ارشاد کی تعمیل میں
 برہان الدین کی تربیت کی طرف توجہ فرمائی اور اسی وقت سکر حقیقی اور حال بزرگ ان میں پیدا ہو گیا۔
 آپ ذکر علانیہ سے احتراز کرتے اور ذکر مخفی فرمایا کرتے تھے، بلکہ جب حضرت امیر کے مرید ذکر بہر شروع کرتے تو آپ اٹھ
 کے چلے جاتے۔ اگرچہ یہ بات آپ کے دوسرے پیروکاروں کو ناگوار گزرتی، مگر آپ اس کی کچھ پروا نہ کرتے۔ نہ ہی دوسروں کی
 عیاشی و دور کرنے کی طرف توجہ دیتے۔ ساتھ ہی حضرت امیر کی خدمت اور ان کے احکام کی تعمیل میں کبھی فروگزاشت نہ کرتے
 حضرت امیر کی توجہ بھی آپ کی طرف روز بروز زیادہ ہوتی گئی۔

آپ کے بعض ارشادات اخبار الصالحین سے ملخصاً پیش کیے جاتے ہیں:
 آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں فضل کے دروازے سے اندر لائے اور ہمارا طریقہ فرض، واجب اور سنت مؤکدہ کا ادا کرنا ہے
 جو ہمارے اصحاب میں سے ہے اسے ہماری پیروی کرنی چاہیے۔ ورنہ ہم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ فرمایا بے اختیار ہو جاؤ،
 اور عمل اس طرح کرو کہ اس کی رضا حاصل ہو اور دیش کے لیے خدمت مشائخ نفل سے افضل سے۔ جب کوئی ملاقاتی آپ سے
 ملنے آیا تو پہلے اس کی خدمت کرتے پھر اس کے جانہ کی خدمت کرتے۔ فرماتے آنے والے کا احسان ہماری گردن پر ہے۔ جب
 کبھی اپنے کسی درویش کے گھر جاتے تو اس کے لڑکوں بالوں اور ملازموں، بہر ایک کی خیریت پوچھتے۔ جانوروں تک کا حال
 دریافت کرتے۔

فرماتے ہیں جسے یار کا وصل نصیب ہوا، ادب کے باعث نصیب ہوا اور جو محروم ہوا، ترک ادب کی وجہ سے محروم
 رہا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے، ہمارے طریقہ میں ریاضت نہیں ہے۔ مباحات میں آپ مخالف نفس کے لیے ارشاد فرمایا کرتے
 جو شخص مخالفت نفس کی توفیق رکھتا، اس کے تھوڑے کام کو بہت خیال کیا جاتا۔ اس راہ کے چلنے والے بہت ایسے ہوئے
 ہیں جنہوں نے دوسروں کے گلاہ کا لہجہ خود برداشت کیا ہے اور ظاہر و باطن میں اپنے آپ کو اس دوست پر سے نکالیا ہے
 آپ کا قیل ہے کہ اللہ جل شانہ کے کلام یا ایھا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ میں یہ اشارہ ہے کہ اس طبعی
 وجود کی نفی کرو اور عبودیت حقیقی کا اثبات کرو۔ اگرچہ نماز، روزہ، ریاضت و مجاہدہ سب اللہ کی درگاہ کے راستے ہیں مگر زیادہ
 سے زیادہ توحیدی راہ نفی وجود ہے۔

وجودک ذنب لایقاس بہا ذنب

یہ بات صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب آدمی ترک اختیار کرے اور اپنے اعمال میں تصور دیکھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ کے باقی تمام تعلقات قطع کر دے اور جس شے کی طرف دل مائل ہو اس سے اجتناب کرے۔ جب بھی ایک راہ علامت وجودی نظر آئے تو برعناہ حق ان سے نفی لازم ہے اس لیے کہ جب تک وہ احوال، صفات، حرکات، سکناات، خطرات و تعلقات قلبی و دماغی و دوسری سے قطع تعلق کر کے خدائے جل شانہ کی طرف مشغول نہ ہوگا اس وقت تک بندہ کا اطلاق پیر نہ ہوگا اور احوال کی سعادت سے مشرف نہ ہو سکے گا۔

بخارا کے ایک عالم نے آپ سے پوچھا کہ نماز میں حضور کی کس شے سے حاصل ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حلال روزی سے جو اذراہ و قوف کھائی جائے۔ فرماتے ہیں، الْقَصُومُ نِیَّۃٌ حَقِیْقَیْ رِوْزَہِ کِی طَرْفِ اِشْاَرِہِ ہِے، جس سے قطع تعلق ماسوی اللہ مراد ہے۔

فرماتے ہیں ولایت ایک نعمت ہے، ولی کو اپنی ولایت کا جاننا لازم ہے تاکہ وہ اس نعمت کا شکر ادا کر سکے۔ ولی عنایت الہی کی مدد سے محفوظ ہوتا ہے۔ تمام آفات سے اسے بچاتے ہیں۔ خوارق عادت اور احوال و کمالات قابل اعتنا و نہیں ہیں۔ کام کی بات اقوال و افعال پر قائم رہتا ہے۔ اس راہ کے چلنے والے کو اللہ جل شانہ کے حکام کی تعمیل سے ولایت خاصہ عنایت ہوتی ہے۔ اس گروہ کی تین قسمیں ہیں، مقلد، کامل اور کامل مکمل۔ مقلد سے ہونے پر عمل کرتا ہے اور کامل اپنی ذات سے تجاوز نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ ارادہ تسلیم و عدم اختیار بڑی صفتیں ہیں اور ان کا پیدا کرنا بڑا کام ہے۔ ارادہ سے مراد ترک ارادہ ہے۔ مرید کو چاہیے کہ مقتدا کی مرضی پر اپنی مرضی کو بالکل چھوڑ دے، یہ تسلیم ہے۔

فرماتے ہیں مرشد بنزلہ طبیب عاذق کے ہے۔ ضرورت کے مطابق مرید کا علاج کرتا ہے۔ مرید کو اپنے علاج میں اختیار ستم قائل ہے۔ فرمایا ہمارا طریقہ سنت رسول کی پیروی اور صحابہ کرام کے آثار کا اقتدار کرتا ہے، اس راہ میں فضل کے دروازے سے ہمیں اندر لائے۔ اول سے لے کر آخر تک یہی خدا کا فضل ہم نے مشاہدہ کیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں ذکر کی تلقین کامل و مکمل پیر سے ہونی چاہیے، تاکہ اس کا اثر نظر آئے اور نتیجہ ظاہر ہو۔ ذکر کا مقصد یہ ہے کہ ذکر کلمہ توحید کی حقیقت کو پہنچ جائے۔ اس کا بہت کہنا شرط نہیں۔ کلمہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے تکرار سے ماسما کی کلیتہً نفی ہو جائے۔ آپ فرماتے ہیں جن اسیاب کی بنا پر عارف لوگ خدا کی راہ پالیتے ہیں تین ہیں: مراقبہ، مشاہدہ اور محاسبہ۔ مراقبہ کی تعریف ہے نسیان رویۃ المخلوق بدوام النظر الی الخالق، یعنی خالق پر اس طرح ہمیشہ نظر جمی رہے کہ مخلوق پر نظر پڑے ہی نہیں مشاہدہ سے مراد ہے ادوات غیبیہ کا دل پر نازل ہونا۔ چونکہ گزرنے والے زمانے کی طرح اسے بھی قیام نہیں۔ اس لیے تم ان کا ادراک نہیں کرتے۔ ہاں، مگر قبض و بسط کی صورت میں ہو تو دریافت کر سکتے ہیں اس لیے کہ حالت قبض میں ہم جلالی صفت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حالت بسط میں جمالی صفت کا۔ محاسبہ یہ ہے کہ ہر نیک کام کا ہم حساب کرتے رہیں کہ حضور کی گزرا یا غیر حضور کی ہیں۔ اگر غیر حضور کی ہیں دیکھیں کہ نقصان ہی نقصان ہے تو ہمیں بازگشت کرنی چاہیے اور نماز سر تو عمل شروع کرنا چاہیے۔ عمل

کرنے میں یہ خیال نہ ہو کہ ہم نے کوئی عمل کیا بلکہ اپنے آپ کو ہمیشہ فقیر اور پراز تقصیر سمجھنا چاہیے۔
آپ فرماتے ہیں کہ عبادت میں وجود کی طلب ہے اور عبودیت میں وجود کا تلف کرنا ہے۔ جب تک خودی باقی ہے
کسی عمل کا نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا۔

فرماتے ہیں جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس کا غیر سے التجا کرنا شرک میں داخل ہے۔ یہ شرک عام لوگوں
کے لیے قابل مواخذہ نہیں مگر خواص کے لیے قابل مواخذہ ہے۔ فرماتے ہیں متوکل کو چاہیے کہ اپنے آپ کو متوکل خیال نہ کرے اور
اپنے توکل کو کسب میں بچھپائے رکھے۔ فرماتے ہیں ہم نے تو اس راہ میں اپنے لیے خواری کو پسند کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے
فضل سے ہمیں عزت عطا فرمائی۔ فرماتے ہیں عادت محبت ہو جایا کرتی ہے۔ سالک کے لیے نفلوں کے ترک کی اہمیت کبھی کبھی
چاہئے ہے تاکہ اسے عادت سے انس نہ ہو جائے۔ فرماتے ہیں باہر سے بے رنگ اور اندر سے بے جنگ ہونا درویشی ہے۔
فرماتے ہیں اول اول ہم نے اپنے آپ کو مطلوب بنایا اور دوسروں کو طالب لیکن اب ہم نے یہ طریقہ چھوڑ دیا ہے۔ اصل
مرشد وہی اللہ ہے اور جس راہ کی طلب ہوتی ہے اسے وہی ہمارے پاس بھیج دیتا ہے جو اس کا حصہ ہوا سے مل جاتا ہے
فرماتے ہیں المجاز قنطرہ (مجاز حقیقت کا پل ہے) سے مراد ہے کہ تمام عبادتیں خواہ ظاہر ہوں خواہ باطنی اور خواہ قوی اور خواہ
فعلی سب مجاز ہیں۔ جب تک سالک ان سے گزر نہ جائے وہ حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا۔

ایک شخص نے آپ سے پوچھا سیر و سلوک کیا مقصود ہے؟ فرمایا تفصیلی معرفت اس نے پوچھا وہ کیا ہوتی ہے۔ فرمایا جو اد
کچھ مخبر صادق سے بطور اجمال قبول کیا گیا ہے اسے منقل پہنچایا جائے اور دلیل و برہان کے مرتبے سے کشف و عیاں کے مرتبے
کو پہنچ جائے کسی نے پوچھا بلا اور بلوی میں کیا فرق ہے۔ فرمایا بلا ظاہری ہوتی ہے اور بلوی باطنی۔

پوچھا گیا اگر اللہ تعالیٰ کسی فقیر سے حال چھین لے تو اسے کیا کرنا چاہیے۔ فرمایا اگر اس کا حال ذرہ بھر بھی اس میں باقی
ہے تو اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ فقیر سے تضرع اور نیاز مطلوب ہے اور اگر بالکل جانا رہا ہے تو اس سے صبر و رضا مطلوب ہے۔
ذہنیہ محبت کے لیے یہ لازم ہے کہ محب محبوب کو تلاش کرتا رہے۔ محبوب جتنا زیادہ عزیز ہوگا اتنی ہی اس کی طلب کی راہ
میں مصائب زیادہ ہوں گے۔ فرماتے ہیں اس راہ کے طلب کا کمال یہ ہے کہ طالب بے قرار و بے آرام رہے۔

کسی نے پوچھا اَلْفَقِيرُ يَجْتَا جِرَالِي اَللّٰہ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اس سے سوال کی ضرورت کی نفی مراد ہے۔ حَسْبِي
من سوالی علم بحالی۔ کسی نے پوچھا اذا تم الفقسا فهو اللّٰہ سے کیا مراد ہے۔ فرمایا اس سے مراد بندے کی ہستی اور

نہ اور اللہ کی صفات میں مٹ جانا ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب طالب کی روحانیت کا پروردگاری صاحب دولت

کی تربیت کے وسیلہ سے بیضہ بشریت سے باہر نکل آتا ہے تو یہ اس کی پروردگاری تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ فرماتے ہیں مغز کی حفاظت چھلکے

ہوتی ہے اگر چھلکے میں کوئی مٹال ہو تو مغز پر بھی اثر پڑتا ہے شریعت چھلکا ہے اور طریقت مغز۔ اگر شریعت میں خلل ہوگا تو طریقت پر ضرور اس کا اثر پڑے گا۔

آپ کے پاس اکثر بڑے بڑے علماء آکر بیٹھا کرتے تھے۔ بخارا میں مولانا حسام الدین اصیلا اور مولانا حمید الدین شامی دو بڑے عالم تھے اور یہ دونوں

حضرت خواجہ صاحب کے پاس آکر بیٹھا کرتے تھے۔ آپ نے امیر تیمور کے زمانہ میں ۳۲ ربیع الاول ۸۹۱ھ میں فاطمہ پانی اور قصر عارفان میں دفن ہوئے۔

حضرت سید محمد گیسو دراز

ولادت ————— دہلی ۷۲۱ھ

وفات ————— گلبرگہ ۸۲۵ھ

صوفیہ کرام میں حضرت سید محمد گیسو دراز بہت بلند مرتبت بزرگ گزریے ہیں۔ سید اشرف جہاگیر سمنانی جیسے عظیم الشان بزرگ بھی ان کی خدمت میں رہ کر روحانی فیض حاصل کرتے رہے۔ آپ کی تصانیف و تالیفات شیع فیوض و برکات ہیں۔ نام و نسب | آپ کا اصل نام سید محمد اور کنیت ابوالفتح تھی۔ عام طور پر خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسو دراز کے نام سے مشہور اور خاندان | ہوئے۔ شجرہ نسب یہ ہے: محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف بن حسن بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابوالحسن جنیدی ابن حسین بن ابی عبداللہ بن محمد بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید المظلوم بن علی اصغر بن زین العابدین بن امام حسین علیہ السلام۔۔

آپ کے مرثیہ اعلیٰ ہرات سے دہلی تشریف لائے۔ آپ کے والد بزرگوار سید یوسف حسینی سید راجا کے نام سے مشہور تھے۔ انھیں خواجہ نظام الدین اولیائے عتیدت تھی۔ نانا بھی خواجہ صاحب کے مرید تھے۔ سید گیسو دراز ۲۱۰ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی حالات | آپ کے والد سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں دہلی سے دیوگیر چلے گئے۔ اس وقت گیسو دراز کی عمر تین چار سال کی تھی۔ وہاں شیخ بابونام ایک بزرگ تھے۔ گیسو دراز کے والد بزرگوار ان کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ گیسو دراز بھی ان کے ساتھ ہوا کرتے، چنانچہ اس دینی صحبت نے ان پر اپنا رنگ جمایا اور بچپن ہی میں گیسو دراز کو دینی شغف ہو گیا۔ نماز پابندی

لے گیسو دراز نام کی وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنے پیر و مرشد شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کی پاکی دوسرے مریدوں کے ساتھ اٹھائے چلے جا رہے تھے۔ چونکہ بال بے تھے وہ پاکی کے پاب میں پھنس گئے۔ آپ کو بہت تکلیف ہوتی رہی مگر مرشد کے ادب سے خاموش رہے، اسی حالت میں پاکی دور تک اٹھائے چلے گئے اور بال کو پاب سے نہ نکال سکے۔ جب پیر و مرشد کو اس واقعے کا علم ہوا تو اپنے مرید کی اس محبت اور عقیدت سے متاثر ہو کر یہ شعر پڑھا۔

داغ غلاف نیست کہ از عشق بار شد

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد!

چنانچہ اس کے بعد گیسو دراز نام سے مشہور ہو گئے۔

سے ادا کرنے لگے۔

دس سال کے ہوئے تو والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ دولت آباد میں انھوں نے وفات پائی اور وہیں سپرد خاک کیے گئے۔ ان کا مزار آج بھی وہاں مرجع خلافت ہے۔

والد کی وفات کے بعد تانا نے آپ کی تربیت فرمائی اور مختلف اساتذہ سے تعلیم دلوائی۔ ان ایام میں انھیں خواجگانِ چشت سے عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ چراغِ دہلوی کے خاص طور پر مشتاق تھے۔ پندرہ برس کے تھے جب ان کی والدہ دولت آباد چھوڑ کر دوبارہ دہلی چلی آئیں۔ آپ بھی والدہ کے ہمراہ وہاں آ گئے۔

دہلی میں جمعہ کی نماز سلطان قطب الدین کی جامع مسجد میں ادا کیا کرتے تھے۔ وہیں حضرت چراغِ دہلوی سے ان کی ملاقات ہوئی۔ چنانچہ ۱۶ جب ۱۲۸۷ھ میں ان سے بیعت کر لی۔ چراغِ دہلوی ان کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے تھے اور یہ بھی ان کا بہت احترام ہوتے تھے اور ان کے حکم کے مطابق برابر عبادت و ریاضت میں لگے رہتے تھے۔ اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں:

زبرد و ریاضت ایک بار اشراق کے بعد پابوسی کے لیے حاضر ہوا (خواجہ صاحب نے) فرمایا سح کی نماز کے لیے جو وضو کرتے ہو کیا وہ آفتاب نکلنے کے بعد تک باقی رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ کے صدقہ میں باقی رہتا ہے، فرمایا اچھا ہو جو اسی وضو سے دو گانہ اشراق بھی پڑھ لیا کرو۔ میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا، آپ کے صدقہ میں پڑھوں گا۔ پھر فرمایا اسی کے ساتھ شکر النہار ادا استخارہ بھی پڑھ لیا کرو۔ جب چند روز اس کی پابندی کر چکا تو ایک دن فرمایا دو گانہ اشراق پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا بلا ناغہ پڑھتا ہوں۔ فرمایا اگر اس میں چاشت کی بھی چار رکعت ملا دیا کرو تو یہ نماز بھی ادا ہو جایا کرے گی۔ میں نہیں کہتا کہ اور کسی وقت پڑھو، بلکہ بعد اشراق ہر وقت چاشت پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔

میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ دریافت فرمایا کیا تم رجب میں روزے رکھا کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ پھر پوچھا شعبان میں بھی؟ میں نے عرض کیا شعبان میں نور روزے رکھتا ہوں۔ فرمایا اگر اکیس دن اور رکھ لیا کرو تو پوسے ایک مہینہ کے روزے ہو جایا کریں گے۔ میں نے عرض کیا آپ کے صدقہ میں رکھوں گا۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا وہ اس وقت تک حضرت شیخ سے بیعت نہ ہوئی، بعض فحہ پر برہم ہوئیں، کچھ سخت سخت بھی کہا۔ میں نے عرض کیا آپ جو چاہیں کہیں، لیکن شیخ نے جو کچھ فرمایا ہے اس پر عمل کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔

میں رمضان کے بعد شش عید کے روزے بھی رکھا کرتا تھا۔ انھیں ایام میں ایک دن حضرت شیخ کی قدم پوسی کے لیے گیا آپ نے فرمایا ہمارے خواجگان صوم داؤدی نہیں رکھا کرتے تھے، بلکہ صوم دوام رکھتے تھے تم بھی صوم دوام رکھا کرو۔

ہر تنگ ذکر و فکر میں مشغول رہے، پھر گھر بار چھوڑ دیا اور حطیرہ شیرخان جہاں پناہ کے ایک جھو میں اکر مقیم کرنے لگے دس برس تک یہاں ریاضت میں لگے رہے۔ پھر شد کی خدمت میں گئے۔ مرشد سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو علوم ظاہر کی تعلیم اپنے چھوڑ دوں اور علم باطن کی تعلیم حاصل کروں۔ اجازت ملنے پر علم باطن کی تحصیل میں لگ گئے۔ پھر ریاضت شاد وود گا نہ بھگانہ

پانزدہ گانا دا فرماتے رہے اور طہی کے روزے رکھتے تھے۔ پیر و مرشد اپنے مرید کی ان خوبیوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے۔ ایک بار چراغ دہلوی خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور کچھ روپے نذرانہ کے طور پر دیے۔ اس وقت سے گیسو دراز کی بہت شہرت ہو گئی اور لوگ انھیں کامل بزرگوں میں شمار کرنے لگے۔ ریاضت و مجاہدہ کا حال یہ تھا کہ آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں چلے جایا کرتے تھے اور وہیں عبادت کیا کرتے تھے۔

معمولات | کچھ مدت اسی طرح گزری پھر پیر و مرشد کے پاس چلے آئے۔ پیر و مرشد کو علی الصبح اٹھ کر وضو کرانا آپ کا معمول تھا پھر خود بھی وضو کر کے ان کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرتے۔ اور جب تک پیر و مرشد نماز اور اوراد و وظائف میں مصروف رہتے آپ طالبان حق کو سلوک کی تعلیم دیتے۔ جب چراغ دہلوی کی مجلس منعقد ہوتی تو آپ بھی اس میں شریک ہوتے فراغت پانے پر کسی کو نہ میں بیٹھ کر ذکر و فکر میں لگ جاتے۔ چاشت کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لیے قیلو کر تے بیدار ہونے پر کلام پاک کی تلاوت فرماتے۔ ظہر کی نماز کے وقت پہلے خود وضو کرتے پھر مرشد کو وضو کراتے۔ نماز سے فارغ ہونے پر حجر میں تشریف لے جاتے اور وظائف میں مشغول ہو جاتے۔ سہ پہر کو مرشد کی مجلس دوبارہ منعقد ہوتی جس میں آپ بھی شرکت کرتے پھر مرشد کے ساتھ ہی عصر کی نماز ادا کرتے اور نماز مغرب تک تسبیح فرماتے۔ مغرب کی نماز اور اذان کے بعد عشا تک طالبان حق کو سلوک کی تعلیم دیتے پھر عشا کی نماز سے فارغ ہو کر آرام فرماتے اور نصف شب کو بیدار ہو کر تہجد ادا کرتے۔

سینتیس سال کی عمر میں بیمار ہو گئے۔ خون تھوکنے لگے۔ بچکیاں بھی آتی تھیں۔ مرشد نے ان کے علاج کی طرف خاص توجہ فرمائی اور شفا یاب ہو گئے۔ مرشد نے اپنا کبیل انھیں مرحمت فرمایا۔ شفا یابی کے بعد مرشد سے اللہ کی جو ملاقات ہوئی اس کا حال سیر محمدی کے مصنف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”اپنا کبیل اپنے سامنے سے اٹھا کر حضرت مخدوم کو عطا فرمایا اور حضرت مخدوم کے ہاتھ مضبوط پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے لیے عنایت و مشقت کرتا ہے تو کسی چیز کے لیے کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ سید محمد میری طرف سے اس چیز کو قبول کرو یعنی لوگوں سے بیعت لیا کرو۔ حضرت مخدوم نے سر نیچا کر لیا اور خاموش رہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے قبول کر لیا، حضرت مخدوم نے عرض کیا میں نے قبول کیا۔ پھر ارشاد فرمایا قبول کر لیا حضرت مخدوم نے عرض کیا قبول کیا۔ اس کے بعد آپ نے دو وصیتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک توجہ کہ اپنے ظاہری اوراد ترک نہ کرنا۔ دوسرے یہ کہ میرے متعلقین کے ساتھ رعایت و مراعات کرنا۔

مسند نشینی پیر و مرشد کی وفات پر اللہ کی میت کو آپ نے خود غسل دیا۔ اور اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں ڈال لیں کہ میری فرقت ہے۔ سیر محمدی کے مصنف کا بیان ہے کہ چراغ دہلوی نے وفات سے قبل گیسو دراز کو اپنی

لے سیر محمدی کا مصنف لکھتا ہے: بعد زیارت سیوم بندگی شیخ یعنی حضرت چراغ دہلوی (سجادہ دار) سے پیر و مرشد نے ارشاد فرمایا کہ میرے بڑے حواہی۔

طالبان حق کو تلقین ملد ملد فرماتے لگے، جیسے کہ حضرت بندگی شیخ نصیر الدین محمود نقیہ دارشاد فرمایا کرتے تھے۔

تاریخ شریعت میں بہت سے علما، صلحاء، سلاطین، اخواتین اور قسم قسم کی مخلوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھی (۲۵-۲۶)

جانشینی کے لیے منتخب کیا تھا۔ چنانچہ آپ ان کی جگہ مسند نشین ہوئے۔

دوسرے علما دہلی کے علماء میں مولانا حسین نام ایک بزرگ بھی تھے جو خواجہ گیسو دراز سے بیعت تھے۔ ان کی بہن کے ایک داماد نے خواجہ گیسو دراز سے بد عقیدگی کا اظہار کیا اور مولانا حسین سے کہا کہ آپ کیوں ان کے مرید ہوئے۔ انہوں نے جواب دیا تم نے گیسو دراز کو دیکھا نہیں۔ اگر دیکھتے تو تمہیں معلوم ہو جاتا وہ کیا ہیں۔ چنانچہ اگلے روز مولانا حسین انہیں ساتھ لے کر گیسو دراز کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ ایک تخت پر بیٹھے تھے، سر پر عمامہ بندھا تھا، ہاتھ میں سرخ چمڑے کا پنکھا تھا مولانا حسین کے داماد کے دل میں خیال آیا کہ اگر گیسو دراز صاحب نعمت ہوں گے تو پنکھا اور عمامہ مجھے عنایت کر دیں گے۔ خواجہ گیسو دراز کو کشف سے اس کے دل کی بات معلوم ہو گئی۔ انہوں نے اسے دیکھتے ہی فرمایا، مولانا! ابتداء میں ایک بازگیر تھا وہ مجمع میں ایک گدھے کو لاکر کھڑا کر دیتا اور اس کی دونوں آنکھوں پر کپڑا باندھ دیتا اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہنا تم میں سے کسی شخص کسی کی چیز چراسے تو میں اسے پکڑ لوں گا۔ مجمع میں سے ایک آدمی دوسرے کی چیز چرائیتا تو بازی کر گدھے کی ایک آنکھ پر کپڑا ہٹا دیتا اور اس سے کہتا کہ فلاں شخص کی چیز کوئی لے گیا ہے، گدھا سب کو سونگھتا پھرتا اور جب چور کے پاس پہنچتا تو اس کے کپڑے دانتوں سے پکڑ لیتا۔ اور اسے کچھ کر بازی کر کے پاس لے جاتا۔ حضرت گیسو دراز نے یہ قصہ بیان کر کے فرمایا یہ بڑا مشکل ہے کہ کوئی کرامت دکھائے اور اس گدھے کی مانند بنے اور اگر کرامت ظاہر نہ کرے تو لوگ اسے بے نعمت کہیں یہ فرمایا اور مولانا حسین کے داماد کو اپنا پنکھا اور عمامہ دے دیا کر لے جائے۔ وہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا اور اسی وقت بیعت میں داخل ہو گیا۔

دہلی میں نصیر الدین قاسم ایک جید عالم تھے، حضرت گیسو دراز کے بچے ان سے درس لیا کرتے تھے۔ بچے کبھی خود ان کے ہاں چلے جاتے کبھی وہ خود خانقاہ میں پڑھانے آجاتے۔ مولانا کو کسی بزرگ سے اعتقاد نہ تھا، مگر آخری عمر میں سید گیسو دراز کے معتقد ہو گئے تھے اور ان سے بیعت کر لی تھی۔ ان کے استاد کو جب اس بات کا علم ہوا تو بلا کر پوچھا تم تو خود عالم ہو گیسو دراز کے مرید کیوں ہو گئے؟ مولانا نے جواب دیا پہلے میں عالم تھا، مگر اب حضرت مخدوم کے سامنے مسلمان ہوا ہوں۔

ایک ملک زادہ آپ کے پاس آیا، گیسو دراز کے ہاتھ میں ان ہی کا لکھا ہوا ایک رسالہ تھا۔ ملک زادے نے وہ مانگ کر پڑھا تو ایک جگہ لکھا تھا اللہ تعالیٰ کو ہمارے ساتھ معیت ذاتی ہے، ملک زادہ اس رسالے کو دہلی کے ایک عالم عبد المتقندر کے پاس لے گیا اور بتایا کہ گیسو دراز نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کی معیت ذاتی ہے حالانکہ کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت علمی ہے۔ عالم اس بات کا کوئی جواب نہ دے سکا اور بات بادشاہ فیروز تغلق تک پہنچ گئی۔ سلطان نے ملک عماد الملک کو بلا کر پوچھا کہ کہیں گیسو دراز شریعت سے ہٹ تو نہیں گئے۔ علماء کو جمع کر کے ان سے پوچھو۔

جمعہ کے روز جس مسجد میں گیسو دراز نماز ادا کیا کرتے تھے، عماد الملک وہاں گیا، دوسرے علماء بھی ساتھ تھے۔ جب عماد الملک پہنچا، گیسو دراز نماز پڑھ کر واپس جا رہے تھے۔ عماد الملک نے مشہور عالم سید علاء الدین کو گیسو دراز کی خانقاہ میں

بھی کہ اس مسئلہ کے متعلق ان سے بات کریں۔ وہ گئے اور حضرت سے بات کی کہ بعض لوگ کہتے ہیں آپ نے معیت سے معیت ذاتی مراد ونی ہونے۔ آپ نے فرمایا، ہاں یہی میری مراد ہے۔ علماء نے معیت صفتی کہا ہے۔ صفت ذات سے علاوہ نہیں ہو سکتی اور نہ جدا ہو سکتی ہے۔ تو اللہ کی جو معیت از روئے صفت ہوئی وہ از روئے ذات بھی ہوئی۔ اس کے علاوہ یہ معیت صفتی اعتباری ہے حقیقی نہیں۔ پس اعتبار ذات میں ہو یا صفات میں اس میں کیا ہرج ہے۔ مولانا علاء الدین کی اس جواب سے تشفی ہو گئی اور ان کے ساتھی بھی اس دلیل کو رد نہ کر سکے۔

بعض لوگوں نے بادشاہ کو یہ خبر پہنچائی کہ گیسو دراز کی مجلس سماع میں ان کے مرید زمین پر سر رکھتے ہیں اور شور مچاتے ہیں بادشاہ نے حضرت کو کھلا بھیجا کہ مجلس سماع خلوت میں منعقد کیا کریں۔ چنانچہ آپ سماع کی مجلس اپنے حجرہ میں منعقد کرانے لگے۔ اپنے اور مریدوں کے درمیان ایک پردہ ڈال دیتے۔ جب آپ پر وجد طاری ہوتا تو خادم حجرے کا دروازہ بند کر دیتا۔ دکن کا سفر آپ چوالیس سال تک دہلی میں رہے پھر گلبرگ چلے گئے۔ دہلی سے روانہ ہوتے وقت راستہ میں کئی مقامات پر تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے قیام فرماتے اور ان مقامات کے لوگ جوق در جوق آپ کی زیارت کے لیے آتے۔ بعض علاقوں کے حاکموں نے آپ کی آمد پر آپ کا استقبال بھی کیا۔ آپ آنے والوں کو رشد و ہدایت کی تلقین کرتے اور بعض کو حلقہ بیعت میں بھی داخل فرماتے۔

ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ چندیری کے مقام پر پہنچے تو وہاں کے مفتی کے بیٹے قاضی خواجگی نے جو خود بھی بڑا عالم تھا، آپ سے بیعت کی اور ہدایت چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ تلقین میں میری خاص روش ہے وہ یہ کہ طالب ذکر جنگل سے لکڑیاں سر بردھٹھا کر لائے۔ تم خود شیخ اور شیخ کے بیٹے ہو۔ تم سے یہ کام نہ ہو سکے گا۔ جس شغل میں ہو اسی میں لگے رہو۔ سید گیسو دراز دکن پہنچے تو عوام و خواص نے انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا۔ لوگ آپ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ دکن کا بادشاہ بھی آپ کا بہت زیادہ عقیدت مند تھا اور آپ پر اور آپ کے درویشوں پر بڑی نوازشیں کیا کرتا تھا۔ آپ کا طریقہ بیعت یہ تھا کہ بیعت کرنے والے کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر فرماتے: تم نے اس ضعیف اس ضعیف کے خواجہ اور اس ضعیف کے خواجہ اور اس سلسلہ کے دوسرے مشائخ کے ساتھ عہد کیا کہ اپنی نگاہ اور اپنی زبان کی حفاظت کرو گے اور شریعت کے سختی سے پابند رہو گے۔ کیا یہ تمہیں قبول ہے۔ مرید عرض کرتا، ہاں مجھے قبول ہے تو فرماتے الحمد للہ پھر ہاتھ میں قبضہ لیتے اور تکبیر کہتے ہوئے دائیں طرف سے کان کے قریب تھوڑے سے بال کاٹ لیتے، اسی طرح بائیں طرف کرتے پھر تکبیر پڑھتے ہوئے اسے ایک ٹوپی پہناتے، پھر اسے دو رکعت نماز ادا کرنے کو کہتے۔ جب وہ نماز پڑھ لیتا تو فرما کہ اگر اس شخص نے سچے دل سے توبہ کی ہوگی تو اس کا نام توبہ کرنے والوں میں لکھا جائے گا اور روز قیامت توبہ کرنے والوں کے ساتھ سے جڑاٹے گی۔ پھر مرید کو پانچوں وقت پابندی سے نماز پڑھنے کی تلقین کرتے۔ غسل جمعہ اور نماز جمعہ کی بھی تاکید کرتے پھر اوراد و وظائف بتاتے۔ برہینہ ایام بیض کے روزے رکھنے کی تاکید کرتے پھر فرماتے جس طرح ایک سپاہی کے لیے کمان،

تلوار اور ڈھال وغیرہ ضروری ہیں اسی طرح ایک صوفی کے لیے بھی ان تمام باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے ورنہ کوئی نائدہ نہیں رہے گا۔
اگر کسی عورت کو مرید کرنا ہوتا تو ایک پیالے میں پانی منگا کر اپنی شہادت کی انگلی پانی میں ڈالتے، عورت بھی اپنی انگلی پانی
میں ڈالتی، اس کے بعد بیعت کرتے۔ عورت اس پانی کو پی لیتی۔ پھر آپ کپڑا یا اپنا دامن اس کے سر پر رکھ دیتے، اگر عورت
پردہ والی ہوتی تو اس کے سامنے ایک چادر ڈال دیتے، پانی کا پیالہ درمیان میں رکھ کر اس کے کسی محرم کو وکیل بنانے وہ بیعت
کرا دیتا۔ لڑکے اور میرا کو بیعت نہیں کرتے تھے۔

سماع | سماع سے آپ کو بہت رغبت تھی۔ ایک مرتبہ ایک مجلس سماع منعقد کی جس میں خاص خاص یا دارن طریقت کو بلایا۔
مجلس میں ہر قسم کے مزاحیہ جو جو تھے۔ یہ مجلس تین دن تک ہوتی رہی۔ مکان کا دروازہ بند رکھا مگر لوگ مکان کے باہر بھی جمع تھے۔
مجلس کے بعد اپنے پیروں کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ اس قسم کا سماع نہ سنا کرو۔

سماع کی مجلس میں عموماً کثرت سے جلیا جاتا اور خاصی روشنی ہوتی، اگر وجد کی حالت میں کوئی گر جاتا تو سماع روک دینے
فارسی غزلیں سننے کا شوق زیادہ تھا۔ سماع کے وقت مریدوں کو غیر معمولی کیفیت کے اظہار سے منع کیا کرتے تھے مگر خود بعض اوقات
بے قابو ہو کر اضطراب کی حالت میں رقص کرنے لگ جاتے تھے۔

اولاد | آپ نے چالیس سال کی عمر میں شادی کی۔ بی بی کا نام رضا خاتون تھا جو سید احمد بن مولانا جمال الدین مغربی کی صاحبزادی
تھیں۔ ان سے دو لڑکے سید حسین عرف سید محمد اکبر حسینی اور سید یوسف عرف سید محمد ناصر حسینی پیدا ہوئے۔ تین بیٹیاں بھی تھیں
دونوں بیٹے مجید عالم نکلے۔ انھوں نے قاضی عبدالمقدر، مولانا خواجگی نوری، مولانا محمد نیر اور مولانا نصیر الدین قاسم سے علم حاصل
کیا۔ بڑے صاحبزادے روحانی کمالات میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے اور گیسو درازان سے بہت متاثر تھے۔ سید محمد اکبر نے
فارسی اور عربی میں بعض کتابیں لکھیں۔ ان کی تصانیف میں معارف، علم نحو پر عربی زبان کا ایک رسالہ تھا۔ شرح لفظ نام سے ایک
کتاب میں والد بزرگوار کی تفسیر کلام پاک کی شرح لکھی۔ عقیدہ، اباحت، سماخ، رسالہ اباحت پر شہیدان کفش، در مسجد، مقامات صوفیہ
تصریف، مالکی، شرح سوانح، مسئلہ زبان فارسی، رسالہ علم صرف وغیرہ ان کی تصانیف بیان کی جاتی ہیں۔ سید محمد اکبر نے والد بزرگوار
کے ملفوظات کے دو مجموعے بھی مرتب کیے، جن میں جوامع القلم زیادہ مشہور ہے۔ سال ۱۰۰۰ھ میں والد بزرگوار سے خلافت پائی مگر سات
ماہ بعد انتقال کر گئے۔ ان کا مزار بھی گلبرگہ میں ہے۔ چھوٹے بیٹے محمد یوسف کو بھی خلافت سے نوازا، جو ان کے بعد سجادہ ارشاد پر
متنکن ہوئے۔ ان کا مزار بھی گلبرگہ میں ہے۔ والد بزرگوار کے مزار کے پائیس میں دفن ہوئے۔

وفات | سید محمد گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ گلبرگہ میں بائیس سال تک رہے اور ۱۰۱۵ھ ذی قعدہ ۱۰۲۵ھ کو وفات پائی۔ سلطان احمد شاہ
بہمنی کو حضرت سے بہت عقیدت تھی۔ چنانچہ اسی نے آپ کے مزار پر عالی شان گنبد تعمیر کرایا، جس پر سنہری نقش و نگار تھے۔ روضہ
کی دیواروں پر سنہری حروف میں قرآن کریم کی آیات نقش کرائیں
حسرتیہ اور تصانیف | سید گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ سید شرف جہا نگیر سمنانی رح

جنہوں نے آپ کی خدمت میں رہ کر فیض روحانی حاصل کیا تھا، اپنے مکتوبات میں جگہ جگہ اپنی کا ذکر کیا ہے۔ عربی اور فارسی میں آپ نے کئی رسالے اور کتابیں تصنیف کیں۔ حسب ذیل کتابیں آپ کے سخاوت قلم کا نتیجہ بتائی جاتی ہیں:

- ۱۔ ملقط: صوفیانہ رنگ میں کلام پاک کی تفسیر ہے۔
- ۲۔ تفسیر کلام پاک: یہ تفسیر کشاف کے طرز پر لکھی شروع کی تھی، لیکن صرف پانچ پاروں ہی تک تحریر فرما سکے۔
- ۳۔ خواشی کشاف: تفسیر کشاف پر حواشی ہیں۔
- ۴۔ شرح مشارق: حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی شرح ہے۔
- ۵۔ ترجمہ مشارق: مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے۔
- ۶۔ معارف: شیخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور کتاب عوارف المعارف کی عربی شرح ہے۔
- ۷۔ ترجمہ عوارف: عوارف کی فارسی شرح ہے، لیکن ترجمہ عوارف کے نام سے مشہور ہے۔
- ۸۔ شرح: شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری کی کتاب تعرف کی شرح ہے۔
- ۹۔ شرح آداب المریدین: (عربی) یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابراہیم نجیب عید القادر سہروردی کی مشہور کتاب آداب المریدین کی عربی شرح ہے۔
- ۱۰۔ شرح آداب المریدین (فارسی): آداب المریدین کی ایک فارسی شرح بھی لکھی تھی، جسے مولوی سید حافظ عطاء حسین نے اوٹ کر کے حیدرآباد سے شائع کیا۔
- ۱۱۔ شرح نصوص الحکم: شیخ محی الدین بن عربی کی مشہور کتاب کی شرح ہے۔
- ۱۲۔ شرح تمہیدات علی اقتضاہ ہمانی: حضرت ابراہیم الخلیفۃ المعروف بہ علیہ اقتضاہ کی مشہور صوفیاد تصنیف تمہیدات کی شرح ہے۔
- ۱۳۔ ترجمہ رسالہ نقشبندیہ: امام ابراہیم القاسم عبدالکریم بن ہمان بن نقشبندی کے رسالہ کا فارسی ترجمہ ہے۔
- ۱۴۔ خطاۃ القدس: اسے عشق نامہ بھی کہتے ہیں جس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں بھی ہے۔
- ۱۵۔ رسالہ استقامۃ الشریعۃ بطریقۃ الحقیقۃ: اس میں شریعت مطہقت اور حقیقت سے بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کا ذکر آقا یارانہ کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے۔
- ۱۶۔ ترجمہ رسالہ شیخ محی الدین ابن عربی
- ۱۷۔ رسالہ سیرۃ انبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
- ۱۸۔ شرح نقہ اکبر: عربی و فارسی دونوں میں ہے۔
- ۱۹۔ خواشی توتہ القلوب: حضرت ابی طالب محمد بن ابی الحسن بن علی کی مشہور کتاب توتہ القلوب پر حواشی ہیں۔

۲۰۔ اسماء الاسرار: یہ کتاب مولوی سید عطا حسین صاحب نے حیدرآباد سے شائع کی تھی۔ اس کتاب کے متعلق خواجہ

گیسو دراز فرماتے ہیں: میری کتاب اسماء الاسرار میں باطل کو نہ لگے سے آنے کا موقع ہے نہ پیچھے سے

کوئی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ اس میں توحید کی تجرید اور تفرید کے افراد کے سوا کچھ نہیں

مولانا عبدالحق اپنی کتاب اخبار الاحیاء میں فرماتے ہیں: یکے از تصنیفات مشہور میر سید گیسو دراز کتاب اسماء است کہ حقائق

و معارف بزبان برزوا و ایما و الفاظ و ارشادات بیان کر وہ صحت ہے۔

اس کے متعلق مولوی سید عطا حسین کہتے ہیں کہ اس کتاب کے متعلق بعض بزرگوں کا خیال بالکل صحیح ہے کہ فن تصوف و سلوک

و معارف میں ہندوستان میں اس سے بہتر اور اعلیٰ تر کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ مبتدی، متوسط اور متہی سب کے لیے مفید

ہے۔ اس میں ذکر ہے، مشغل ہے، مراقبہ ہے، مراتب سلوک کا بیان ہے، عشق ہے، توحید ہے، حقائق ہیں، معارف ہیں۔ غرض

سب ہی کچھ ہے۔

۲۱۔ حقائق الانس: اس میں معرفت کے کچھ اسرار بیان کیے گئے ہیں۔

حسب ذیل کتابوں کے موضوع ان کے نام سے ظاہر ہیں:

۲۲۔ ضرب الامثال ۲۳۔ شرح قصیدہ امانی ۲۴۔ شرح عقیدہ حافظیہ ۲۵۔ عقیدہ چند ورق۔

۲۶۔ رسالہ در بیان آداب سلوک ۲۷۔ رسالہ در بیان اشارات محبان ۲۸۔ رسالہ در بیان ذکر۔

۲۹۔ رسالہ بیان راسخیت ربی فی احسن صورۃ ۳۰۔ رسالہ در بیان معرفت ۳۱۔ رسالہ در بیان بود و ہست و باشد۔

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے فارسی مخطوطات میں خواجہ صاحب کے بعض رسائل کے نام بھی ہیں، رسالہ در تصوف،

شرح بیت امیر خسرو دہلوی، اسامہ اذکار خانوادہ چشتیہ، وجود العاشقین۔ انہیں مخطوطات میں آپ کی ایک تصنیف "خاتم"

کا بھی ذکر ہے۔

آپ کے کسٹم مکتوبات بتائے جاتے ہیں جنہیں آپ کے خلیفہ شیخ ابوالفتح علاؤ الدین نے مرتب کیا ہے۔ کبھی کبھی آپ

اشعار بھی کہہ دیتے تھے، چنانچہ آپ کے پوتے سید ید اللہ عرف سید قبول اللہ نے آپ کی غزلوں اور رباعیوں کا ایک دیوان بھی

مرتب کیا۔

تعلیمات | حضرت گیسو دراز نے اپنی تصانیف اور خطوط میں تصوف کے بعض غوامض اور دقائق پر عالمانہ بحثیں کی ہیں،

یہاں ان میں سے چند ایک بزم صوفیہ سے مخصوص ہیں:

فرماتے ہیں، سالکوں کو ہمیشہ با وضو رہنا چاہیے۔ ہر فرض نماز کے لیے تازہ وضو کرنا بہتر ہے۔ وضو کے بعد تہنیت وضو

ادا کریں، بے وضو نہ سوئیں۔ اگر رات کے وقت بیدار ہو جائیں تو وضو کر لیں اور دو گانہ ادا کریں۔ وضو کرنے

بزم صوفیہ ص ۵۱ تا ۵۴ خاتمہ کا اردو ترجمہ خزینہ تصوف کے نام سے محبوب المطابع دہلی سے ۱۹۳۴ء میں بار دوم

شائع ہوا جس کے مترجم سید حسین علی نظامی ہیں۔ ایک اور کتاب معراج العاشقین بھی ہے جسے پہلی مرتبہ سر ڈاکٹر مولوی

عبدالحمید نے ۱۹۳۳ء میں اللہ ٹبر کے اورنگ آباد سے شائع کیا۔

میں کسی سے بات چیت نہ کریں اور اس کا خیال رکھیں کہ ان کا ہر عضو دوسرے سے غلط نہ ہو۔ اور ملا ہوا بھی صبح ہونے سے قبل اگر رات کی تاریکی باقی ہے تو رات کے باقی ماندہ نفلوں کو پورا کر لیں۔ فجر کی نماز اول وقت ادا کریں۔ فجر، عشا اور مغرب کی نمازوں میں قرأت لمبی نہ ہو۔ نماز میں حضور قلب مقدم ہے۔ فجر کی سنت پڑھنے کے وقت سے اشراق کی نماز پڑھنے تک حتیٰ الوسع کسی سے نہ بولیں۔

اشراق سے پہلے ہلکی سی نیند لے کر آرام کریں تاکہ بیداری شب کی تکان دور ہو جائے اور دوسرے وقت کے اوراد و وظائف میں گرانی پیدا نہ ہو اور مضمل نہ رہیں۔ کچھ آرام کے بعد اشراق کی نماز ادا کریں۔ اشراق کے بعد اور چاشت سے پہلے اوراد و وظائف میں مشغول رہیں۔ تلاوت قرآن پاک بھی کریں۔ تلاوت کے بعد سلوک کی کتابیں پڑھیں، پھر چاشت کی نمازیں اس طرح ادا کریں کہ چار رکعتیں تو اشراق سے متصل پڑھی جائیں، چار چاشت سے کچھ دیر بعد اور چار چاشت کے زوال پر ادا کی جائیں۔ زوال کے وقت قلیلہ کریں تاکہ شب بیداری میں سہولت ہو۔

زوال کے وقت دو رکعت نماز ادا کر کے اوراد میں مشغول ہوں، اس کے بعد تلاوت یا مراقبہ کریں۔ مراقبہ بہتر ہے۔ ظہر، عصر اور مغرب کی نمازوں میں سے ہر نماز اول وقت ادا کریں۔ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد مخصوص وظائف پڑھیں۔ عصر کی نماز سے اذان تک کسی سے نہ بولنا بہتر ہے۔

مغرب کی نماز کے بعد اور نمازوں کے پڑھنے سے اگر طبیعت میں کچھ گرانی محسوس ہو تو تھوڑی دویامہ کر لیں پھر عشا کی نماز پڑھیں۔

آداب سماع کے متعلق فرماتے ہیں کہ مجلس سماع کے لیے ایک علیحدہ مکان ہو۔ ادباً دنیا، امراء کے لڑکے، بچے اور عورتیں اس میں شریک نہ ہوں۔ اس میں ساکوں اور مریدوں کو غسل کر کے طاہر اور با وضو ہو کر اور سفید کپڑے پہن کر شریک ہونا چاہیے۔ اور وقار کے ساتھ بیٹھیں اور مراقبہ میں رہیں۔ گانے والوں پر نظر نہ رکھیں اور نہ ان کی موسیقی پر دھیان دیں۔ اشعار کی ترکیب کو بھی خیال میں نہ لائیں۔ نہ ہر لمحہ واہ وا کہیں اور نہ آہ آہ۔ گہری طاری ہو تو۔ . . . ضبط کریں۔ زبان سے کچھ کہنا چاہیں تو پریز کریں۔ اضطراب میں یہاں معلوم ہو تو پانی نہ پیئیں۔ حتیٰ الوسع اپنے اعضا میں جنبش پیدا نہ ہونے دیں۔

مزا میر کے متعلق فرمایا کہ فقہاء کے نزدیک یہ حرام ہے، اس لیے ان سے سنتی کے ساتھ احتراز کرنا چاہیے۔ سماع کو پیشہ نہیں بنانا چاہیے۔ سماع کے بعد دل کو سماع کے مقصد کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے اس کے بعد بہت سے ماز معلوم ہوتے ہیں۔

خلفاء آپ کے متعدد خلفاء تھے۔ بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

- ۱۔ مولانا علاؤ الدین گوالیہری
- ۲۔ شیخ صدر الدین خوندیر
- ۳۔ قاضی اسحاق ٹٹہ
- ۴۔ قاضی محمد سلیمان
- ۵۔ قاضی علیم الدین بن شرف
- ۶۔ حضرت سید محمد اکبر (آپ کے بڑے صاحبزادے)
- ۷۔ حضرت ابوالعالی بن سید احمد (آپ کے سارے خادم)
- ۸۔ خواجہ احمد وسیر
- ۹۔ مولانا ابوالفتح بن مولانا علاؤ الدین گوالیہری

سے آپ بعض دیگر رسائل کے نام یہ ہیں۔

(۱) تلاوت الوجوز

(۲) شکار نامہ

(۳) وجودیہ

(۴) وصیت نامہ

(۵) دار الاسرار

(۶) تلاوت المورج

(۷) ارشاد نامہ

(۸) گفتار خواجہ معین الدین چشتی

آپ بعض قارئین رسائل مع اردو ترجمہ از قاضی احمد عبدالصمد صاحب کراچی سے ۱۹۶۶ء میں شائع ہو چکے ہیں۔

حضرت خواجہ خواجگان شیخ احمد دہلوی

وفات _____ ردولی زادہ ص ۸۳۷ھ

قطب الاولیاء، خواجہ خواجگان حضرت شیخ احمد زادہ دہلوی صاحب قہر و ذوق و شوق اور صاحب مکر و تجربہ تھے۔
حضرت خواجہ محمد جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی کے مرید اور خلیفہ اعظم تھے۔

آپ کا اسم گرامی احمد اور عیدالحی خطاب تھا۔ فاروقی اعظم کی اولاد میں سے تھے۔ سن ولادت کا علم نہیں ہو سکا۔ ۱۱۰۱
جمادی الثانی ۸۳۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک قصبہ رودلی میں ہے۔

آپ بڑی شان اور ترقی کے بزرگ تھے۔ نگاہوں میں بڑی عاقبت تھی۔ جو کچھ زبان مبارک سے فرماتے اسی طرح ظہور میں
آجاتا۔ آپ کے جدا مجددی کے رہنے والے تھے۔ بلاکو خان کی تباہ کاریوں کے زمانہ میں ہندوستان آگئے تھے۔ اس زمانے میں
سلطان علاء الدین خلجی دہلی کے تحت پرستار تھے۔ اس نے صوبہ اودھ میں ان کی وجہ معاش مقرر کر دی تھی۔ چنانچہ وہ قصبہ
رودلی میں مقیم ہوئے۔ بڑے عظیم القدر اور صاحب کمال تھے۔

شیخ احمد کے والد بزرگوار بھی بڑے اہل علم، پاکیزہ سیرت اور خوش شکل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ رات کو
نماز تہجد کے وقت اٹھا کرتی تھیں تو آپ بھی جبکہ آپ کا سن مبارک سات سال سے زیادہ نہ تھا۔ لگ بھگ نماز ادا فرماتے
پھر اللہ کا ذکر کرنے لگتے۔ اتنی چھوٹی عمر میں آپ کا یہ طریق کار بڑا تعجب عجز تھا۔ والدہ ماجدہ عمر کا خیال کر کے انھیں بچھڑے ہوئے
مگر آپ نہ رکتے اور باقاعدہ تہجد کے لیے اٹھنے والہ ماجدہ سے کہا کرتے تھے کہ آپ مجھے ایسا کرنے سے نہ روکا کریں کہ اس طرح رلو
حق سے دور بڑ جاؤں گا۔

بالآخر آپ نے سفر کا ارادہ کیا اور بارہ سال کی عمر میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ مقصد یہ تھا کہ گھر سے دور جا کر تحصیل علم
کروں اور ذکر و فکر میں وقت گزاروں۔ اس زمانہ میں آپ کے بڑے بھائی جن کا نام شیخ نعمتی الدین تھا دہلی میں رہتے تھے۔ آپ ان
کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میں علم سیکھنا چاہتا ہوں۔ برادر معظم نے علوم ظاہری کی تعلیم پر آمادگی ظاہر کی، مگر آپ نے فرمایا کہ میں تو علم
باطنی کا شوق رکھتا ہوں، چنانچہ آپ بھائی کے ہاں سے چلے گئے اور سیر و مشق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

پھرتے پھرتے پانی پت پہنچے، جہاں ان دنوں شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء تشریف رکھتے تھے۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر
ہوئے اور حضور میں رہنے کی درخواست کی۔ حضرت شیخ نے بڑی عزت و کرم اور شفقت و محبت سے اپنے پاس رکھ لیا اور شرف
ہیبت سے مشرف فرمایا اور اپنی کلاہ انھیں عطا کی۔

آپ کے لقب عبدالحق کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی عادت تھی اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، غرض ہر وقت اونچی آواز سے حق فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ پیر و مرشد نے ان کا لقب عبدالحق رکھ دیا۔ اور اسی نام سے پکارے جانے لگے۔ پیر و مرشد فرمایا کرتے تھے اے احمد عبدالحق میرا بسلسلہ تجھ سے جاری ہوگا اور تیرے نور ہدایت سے ایک دنیا منور ہوگی۔ پس ایسا ہی ہوا۔ آپ حضرت کبیر الاولیاء کے صحیح جانشین بنے اور ہزاروں افراد کو اپنے چشمہ فیض سے سیراب فرمایا۔

پیر و مرشد کی خدمت میں آپ نے تھوڑا ہی عرصہ گزارا مگر سیاحت کرتے رہتے تھے۔ مختلف شہروں اور قصبوں میں گھومتے اور علماء و شیوخ سے ملاقاتیں کرتے۔ پیر و مرشد کی وفات کے وقت بھی ان کے پاس موجود نہ تھے، تاہم مرشد نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی تھی کہ میرا خرقہ اور دوسرا مال و اسباب احمد عبدالحق کی امانت ہے انھیں پہنچا دینا، اور فرمایا تمہاری دستگیری کو احمد عبدالحق کافی ہے۔

پیر و مرشد کی وفات کے تھوڑے دنوں بعد آپ پانی پت تشریف لے آئے اور مرشد کے فرزندوں کو تعلیم دے کر مرتبہ کمال کو پہنچایا۔ پانی پت سے آپ روولی تشریف لے آئے اور اپنے والد بزرگوار کے مکان میں سکونت اختیار کی۔

آپ کے حالات بیان کرتے ہوئے خلیفہ محمد سعید اپنی کتاب تذکرہ میں لکھتے ہیں، اس وقت روولی کی آبادی بہت کم تھی، تمام جنگل و بیابان تھا۔ الحاصل جب آپ مسند ارشاد پر متمکن ہو کر ہدایت خلق میں مشغول ہوئے تو ہزاروں طالبانِ خدا کو خدا سے ملایا اور بہتوں کو درجہ ولایت تک پہنچایا۔ آپ زہد و تقویٰ و عبادت و ریاضت میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے ایسی ایسی ریاضتیں اور مجاہدے کیے ہیں کہ اس فرقہ میں کسی دوسرے نے کم ہی کیے ہوں گے۔

آپ نے کمال تیس برس تک تکلیف پور نہ رکھا اور تمام عمر صرف ایک خرقہ میں بسر فرمائی۔ جہاں سے بھٹ جاتا بیوند لگا کر درست کر لیتے تھے۔ آپ کو دنیا و اہل دنیا سے سخت نفرت تھی۔ یہاں تک کہ اگر آپ کے حضور میں دنیا و اہل دنیا کا ذکر آتا تو آپ کے جسم مبارک میں لرزہ بڑھ جاتا۔ آپ کا معمول تھا کہ جامع مسجد میں سب سے پہلے جاتے تھے اور دست مبارک سے جھاڑو دیتے اور صاف کرتے تھے۔ چالیس برس کے قریب جامع مسجد میں نماز پڑھی مگر یہ نہ جانا کہ جامع مسجد کونسی ہے۔ اور کہہ رہے۔ آپ حالت ذوق و شوق میں اکثر شعر پڑھا کرتے تھے۔

سننے شکستہ از ہمہ عالم برائے یار
آرے برائے یار دو عالم تو اس شکست

محویت کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی قرابتی یا ہمسایہ جسے آپ اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے آپ کے پاس آتا تو اس سے پوچھتے کہ تم کون ہو اور تمہارا کیا نام ہے، پھر آباؤ اجداد تک پوچھتے چلے جاتے تب کہیں جا کر سمجھتے کہ یہ فلاں شخص ہے۔ پھر عالم محویت میں غرق ہو جاتے۔ غرض عالم ظاہری کی طرف سے آپ کی توجہ بالکل اٹھ گئی تھی اور آپ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو گئے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو خادم تین مرتبہ حق حق حق برآواز بلند کہتے تو آپ اٹکھ کھولتے اور پوچھتے کہ بھائی تم کیا کہتے ہو؟

آپ نے ایک روز مجمع عام میں فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے ان لوگوں کی فرست عنایت فرمائی ہے جو مجھ سے مرید ہوں گے اور

یہ بھی فرمایا کہ قسم ہے مریدوں کے حق میں میری حمایت ایسی ہے جیسی آسمان کی حمایت زمین کے حق میں اور قسم ہے جب تک میرے مرید اور دوست جنت میں نہ جائیں گے، میں ہرگز جنت میں نہ جاؤں گا، اور اگر میرا مرید مشرق میں ہو اور میں مغرب میں تو بھی اسے ضرور پہنچنے دوں گا۔

شیخ احمد عارف | خواجہ خواجگان حضرت خواجہ شیخ احمد عارف حضرت شیخ احمد رودولی کے فرزند، خلیفہ اعظم اور سجادہ نشین تھے۔ آپ ۸۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۵۹ھ کو چالیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار پُرانوار بھی قصبہ رودولی میں ہے۔

شیخ محمد | شیخ احمد عارف کے فرزند دلبند کا اسم گرامی خواجہ شیخ محمد تھا۔ یہ بھی بڑے پاپے کے بزرگ تھے، اپنے والد دلبند کے خلیفہ اور سجادہ نشین ہوئے، ۸۵۸ھ میں سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں وفات پائی اور قصبہ رودولی میں دفن ہوئے۔ آپ کی بلند شخصیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ قلب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پیرورشد تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو آپ نے اپنے صاحبزادہ شیخ الاولیاء شیخ بڑھا کو یاد فرمایا جو شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پاس شاہ آباد میں تھے۔ چنانچہ وہ شیخ عبدالقدوس کے ساتھ رودولی تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ نزع کے عالم میں تھے اور استغراق کا پورا غلبہ تھا۔ شیخ عبدالقدوس نے عرض کیا یہ وقت مردانِ خدا کی ہوشیاری کا ہے۔ آپ نے فرمایا تم اس سے بالکل بے فکر رہو۔ میرے سینہ میں اب اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ فرمایا اور اٹھ بیٹھے۔ پیرانِ چشت کی امانت حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے سپرد کی اور اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ شیخ عبدالقدوس نے عرض کیا آپ کے بعد میں کیونکر رہوں گا مجھ میں آپ سے وفارقت کی طاقت نہیں۔ آپ نے فرمایا اندیشہ نہ کرو، تم منجملہ اولیاء نے حق ہو اور میرا مقام تمہارا مقام ہے۔ تم جہاں رہو گے میں تم سے جدا نہ ہوں گا۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ

ولادت ————— باغستان (تاشقند) ۸۰۶ھ

وفات ————— سمرقند ۸۹۵ھ

مقتدائے ظرافت درمنائے حقیقت حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ ماوراء النہر کے بہت بلند پایہ بزرگ اور سر حلقہ اولیا تھے۔ آپ کی بزرگی اور فضیلت مسلمہ تھی۔ اپنے وقت کے شیوخ میں بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے حضرت خواجہ یعقوب چرخانیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔

آپ کا نام عبید اللہ اور لقب ناصر الدین تھا۔ مگر خواجہ احرار کے نام سے شہرت پائی۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام خواجہ محمود بن مولانا شہاب الدین تھا۔ آپ کے والد حضرت عبد الباقی بغدادی کی اولاد سے تھے اور والدہ صاحبہ حضرت خواجہ عمر باغستانی کی اولاد سے تھیں۔ خواجہ عمر کا سلسلہ نسب سولہ واسطوں سے حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔

رمضان ۸۰۶ھ میں باغستان (علاقہ تاشقند) میں پیدا ہوئے اور ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ میں سمرقند میں وفات پائی۔ مزار مبارک اسی جگہ پر ہے۔

آپ ماوراء النہر کی بیان کیے جاتے ہیں اور صغر سنی ہی میں ولایت کے نشانات آپ میں پائے جاتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے جد امجد مولانا شہاب الدین شاشی صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ جب ان کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو اپنے دونوں بیٹوں خواجہ محمد اور خواجہ محمود سے کہا کہ اپنے بیٹوں کو میرے سامنے لاؤ۔ چنانچہ خواجہ عبید اللہ لائے گئے آپ اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ مولانا نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ چنانچہ لوگوں نے پکڑ کر مولانا کو بٹھا دیا اور انہوں نے خواجہ عبید اللہ کو گود میں بٹھالیا۔ پیار کیا اور فرمایا یہی لڑکا ہے جس کے متعلق مجھے بشارت ملی ہے کہ یہ عنقریب بڑے درجے کو پہنچے گا۔

اور شہرت پائے گا شریعت اور طریقت کو ترویج دے گا۔ وقت کے بلو شاہ اس کے تابع ہوں گے اور یہ بہت بڑے کام کرے گا۔ چنانچہ یہ سب باتیں بعد میں درست ثابت ہوئیں۔

ابتداء میں خواجہ عبید اللہ نے حضرت قاسم تبریزی سے رجوع کیا اور ان کی خدمت میں حاضری دی۔ قاسم تبریزی اپنے وقت کے اولیائے نامدار اور مشائخ کبار میں سے تھے۔ انہوں نے خواجہ عبید اللہ کی طرف پوری توجہ دی اور بڑی شفقت سے پیش کرتے تھے۔ کوئی شخص قاسم تبریزی کے حضور میں بے روک ٹوک اجازت سکتا تھا۔ صرف خواجہ عبید اللہ ہی کو آپ نے اجازت دے رکھی تھی کہ جب جی چاہے آئیں اور جب جی چاہے چلے جائیں۔

سید قاسم بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ نوجوان نادیدہ مانہ ہے۔ ایک زمانہ اس کے نور باطن سے روشن ہو گا اور مردہ دلوں کو اپنے عجازِ سبحانی سے زندہ کرے گا۔

جب آپ تحصیل علم کی خاطر سمرقند میں قیام پذیر تھے تو مولانا سعد الدین کاشغری اور مولانا نظام الدین خاموش قدس سرہ کی ملازمت کرنی اور اکثر حاضر خدمت ہوتے رہتے تھے۔ سمرقند میں باپ کی آمد سے قبل ایک روز مولانا نظام الدین مراقبہ میں تھے کہ اچانک چیخ ماری آپ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا پردہ کی طرف سے عبید اللہ نام ایک بزرگ ظاہر ہوا ہے جس نے سارے عالم کو اپنے تحت کر لیا ہے۔

خواجہ عبید اللہ کچھ مدت سمرقند میں رہے پھر بخارا، خراسان اور مرو ہوتے ہوئے ہرات گئے اور چار سال تک وہاں رہے۔ اپنے متعلق خود فرماتے ہیں کہ قیام ہرات کے دوران ایک مرتبہ مجھے خواجہ یعقوب چرخانی کی ملازمت کا شوق ہوا۔ چنانچہ میں سفر کی مصیبتیں اٹھاتا ہوا آپ کی خدمت میں بلغنوں پہنچا۔ پہلی ملاقات کے موقع پر میں نے آپ کے چہرے پر ایک ایسا سفید داغ دیکھا جسے دیکھ کر نفرت آتی تھی۔ آپ نے مجھ سے ایسی ترش ردی اور سختی کے ساتھ باتیں کیں اور ایسا خراب رویہ دکھایا کہ میری طبیعت کو سخت ناگوار گزارنے اور مجھے انسوس ہوا کہ میں کیوں یہاں آیا۔ چنانچہ میں آپ سے مایوس ہو کر چلا گیا۔

ایک اور موقع پر میں دوبارہ آپ کی خدمت میں گیا۔ اس مرتبہ آپ نے شفقت و محبت کا ایسا اظہار کیا اور ایسی خدمت و پشانی اور مروت سے پیش آئے کہ میں حیران رہ گیا۔ آپ نے میری بڑی عزت کی، مجھے بھی آپ کی صورت بہت پیاری معلوم ہونے لگی۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ نے جب بیعت کے وقت ہاتھ پکڑا تھا تو فرمایا تھا میرا ہاتھ نکلا ہوا ہے۔ جس نے میرے ہاتھ کو پکڑا اس نے گویا تیرے ہاتھ کو پکڑا۔ پس تم خواجہ بزرگ کا دست مبارک پکڑو۔ میں نے ہاتھ مبارک کو پکڑا اور بیعت میں داخل ہو گیا۔ آپ نے مجھے تعلیم دینے کے بعد فرمایا جو کچھ مجھے خواجہ بزرگ سے پہنچا تھا وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا۔ اگر تم طالبان حق کی تربیت بہ طریق جدید کرنا چاہو تو تمہیں اس بات کی اجازت ہے۔ جسب بعض لوگوں نے حضرت مولانا سے پوچھا کہ آپ نے جس طالب کو بھی اس طریقہ کی تعلیم دی ہے اس سے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ طریق جدید پر تعلیم دے۔ فرمانے لگے جہاں اللہ کسی عزیز کی صحبت کو پہنچے اسے خواجہ عبید اللہ کی طرح ہونا چاہیے کہ چراغِ ہمایا کیے اور روغنِ حقیرہ قلیلہ تیار کیے ہوئے وہ

صرف اسے جلانے اور روشن کرنے کی ضرورت ہو۔

یہ سفر تین ہفتے کا تھا، اس کے بعد ہرات واپس آئے اور سال بھر وہاں رہے۔ پھر واپس آکر تاشقند میں قیام فرمایا۔ ایک اور شخص کے ساتھ مل کر زراعت شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام میں برکت دی اور اس قدر مال و متاع، مویشی اور اسباب جمع ہو گیا جس کا حساب نہ تھا۔ ہزاروں ایکڑ زمین آپ کے زیر کاشت رہتی۔

مولانا جامی نے اسی بارے میں یہ شعر کہا ہے۔

ہزارش ہزار در زیر کشت است کہ زاد رفتن را بہشت است

آپ واقف نامواقف سب کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے۔ کبھی کسی سے کوئی بد پیر یا نذرانہ قبول نہ کرتے تھے دوست دشمن سب کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔ جس زمانہ میں سمرقند میں مولانا قطب الدین کے مدرسہ میں تھے۔ بیماروں کی تیمارداری اور علاج میں سرگرم رہتے تھے۔ خود ہی ان کے کپڑے وغیرہ دھو دیا کرتے تھے اور ان کی آسائش کا پورا خیال رکھتے تھے۔ قیام ہرات کے دوران آپ نے ایک حمام اور گرم خانہ کی خدمت اپنے ذمہ لے لی تھی اور نہانے والوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد تھا ہر شخص کسی نہ کسی دروازہ سے لایا گیا ہے اور میں خدمت کے دروازہ سے لایا گیا ہوں یہی وجہ ہے کہ مجھے لوگوں کی خدمت زیادہ مغرب ہے۔ مجالس میں ظاہری اور باطنی آداب کی رعایت ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے۔ آپ نہ صرف دوسروں کی مدد کیا کرتے تھے بلکہ اکثر دوسروں کی تکلیفیں خود برداشت کر کے انھیں راحت پہنچاتے تھے۔ عبادت و ریاضت میں بھی آپ کا کوئی ہسر نہ تھا۔ عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد تہجد کے وقت تک دو زانو بیٹھ کر ذکر میں لگے رہتے اور زانو بھی نہ بدلتے۔ تہجد سے فارغ ہونے پر پھر اسی طرح دو زانو بیٹھ کر ذکر کرنے لگتے یہاں تک کہ صبح کی نماز کا وقت ہو جاتا۔ رات میں ایک لحظہ کے لیے بھی اسکندہ دگلتی۔ عشا ہی کے وضو سے صبح کی نماز بھی ادا کرتے تھے۔

آپ کے بعض کلمات طیبات تذکرہ سے نقل کیے جاتے ہیں :

انکیا بر لازم ہے کہ دل کو دونوں جہانوں کی گرفتاری سے کہ در حقیقت یہی حجاب ہے اس آشنا کے ساتھ تمسک کر کے جو خلاصی کا سبب ہوتا ہے، قبل از مرگ خلاصی بخشین۔

ارباب شہود کی صحبت دل کو گرفتاری سے جلد خلاصی بخشتی ہے۔ پس اسی صحبت کو صحبت کی نگہداشت کے ساتھ اپنے اوپر لازم رکھیں۔ اپنی استعداد کے مطابق اشتغال ذکر میں تقصیر کو راہ نہ دیں۔ دل کا غیر کی گرفتاری سے خلاصی پانا در حقیقت وصول شہود ہے۔ جب دل وجود غیر کی مزاحمت شعور سے خلاصی پاتا ہے تو شہود حق کی گرفتاری کے سوا اور کچھ نہیں رہتا۔

غیر حق سبحانہ کی آگاہی سے دل کی تخلیس و تجرید ہے۔ وحدت علم و شہود وجود غیر حق سے دل کی خلاصی ہے۔ اتحاد حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کی ہستی میں استغراق ہے۔ سعادت حق سبحانہ کی دید میں اپنے سے نکل جانا ہے۔ شقاوت اپنے میں رہنا ہے اور حق سبحانہ سے نکل جانا ہے۔ وصل شہود نور وجود حق سبحانہ تعالیٰ میں اپنے کو بھول جانا ہے۔

عمل کو محبوب رکھنا چاہیے نہ حضور و جمعیت کو، اس لیے کہ حضور و جمعیت اختیاری نہیں اور اس میں فتور کو بہت کچھ دخل ہے۔
 بخلاف عمل کے کہ کسب کی چیز اور اختیاری ہے۔ مواظبت یا مداومت جمعیت و حضور کی موجب ہے۔
 اہل صحبت کی تعلیم میں فرماتے ہیں کہ زیادہ گرسنگی اور زیادہ بیداری دماغ کو منحرف و ضائع کرتی ہے اور حقائق کے ادراک سے
 باز رکھتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ بعض اہل ریاضت سے کشف میں غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ البتہ زیادہ بیداری اس شخص کو ضرر نہیں دیتی
 جس کے لیے اس بیداری میں فرحت و اطمینان منتج ہو چکا ہو۔ کیونکہ وہ فرحت و سرور خواب کا کام دیتی ہے۔ اور دماغ کو پرست سے
 بچاتی ہے۔

ذکر میں اس طرح کا مستغرق ہونا چاہیے کہ ذکر کو نہ ذوق ہشت کا ہو نہ خوف و وزخ کا اور اس کے نزدیک خواب بیلاری
 یکساں ہو جائے۔ پھر شیطان کی مجال نہیں جو اس کے نزدیک پھٹکے۔

خواجہ خواجگان حضرت مولانا محمد زاہد خشتی آپ کے مرید و خلیفہ تھے جو کبرائے مشائخ سلسلہ نقشبندیہ اور عظمائے علمائے عہد
 سے تھے۔ فقر و تجرید، زہد و ریاضت اور ورع و تقویٰ میں لاتانی تھے۔

خواجہ عبید اللہ سے آپ کی بیعت کا واقعہ اس طرح ہے کہ جب آپ پیر و مرشد سے بیعت کے لیے روانہ ہوئے اور
 حضرت خواجہ کے مسکن کے قریب پہنچے تو خواجہ صاحب آپ کے استقبال کے لیے خود باہر تشریف لائے اور راستہ میں آیا۔ دونوں باہم
 بے لگیر ہوئے۔ خواجہ علیہ الرحمۃ ان کے ساتھ ایک دخت کے سایہ میں بیٹھ گئے اور وہیں شرف بیعت سے شرف فرمایا اور تلقین و
 اجازت کا فرقہ عطا فرما کر اسی جگہ سے رخصت کر دیا۔ اس کے علاوہ آپ کو اور کوئی موقع پیر و مرشد سے ملاقات کا نہ ملا۔

خواجہ محمد زاہد مولانا یعقوب چرخئی کے نواسے تھے۔ آپ نے ربیع الاول ۹۳۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک موضع
 خٹش میں ہے جو مضافات حصار کا ایک مقام ہے۔

حضرت شیخ امان پانی پتی

وفات ۱۹۵۵ء

عارف ربانی، واقف اسرار حقیقت، سرچشمہ علوم ظاہر و باطن حضرت شیخ امان پانی پتیؒ مؤجد علمائے صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں علم تصوف میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ مسئلہ توحید کے بیان میں بڑی دسترس حاصل تھی۔ تصوف میں آپ کا مشرب ملائیت تھا۔ ذکر حق اور نشر علوم میں وقت بسر ہوتا تھا۔

آپ کا نام رومی عبد الملک تھا۔ امان اللہ لقب تھا۔ امان پانی پتی کے نام سے مشہور ہوئے۔ تصوف میں شیخ ابن عربی کی متابعت کرتے تھے۔ تصوف سے بہت شغف تھا اور اکثر اسی موضوع کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔

شیخ محمد حسنؒ کے مرید اور شیخ مودود الوری کے شاگرد تھے۔ علم تصوف اور توحید پر بہت سی کتابیں اور رسالے لکھے آپ کے کلام سے آثار تحقیق ظاہر ہیں۔ ایک رسالے کا نام اثبات الاحدیت ہے۔ آپ نے لائح مولانا عبدالرحمن جامیؒ پر شرح بھی لکھی جو نہایت بسیط اور طویل ہے۔

آپ تہذیب اخلاق اور محبت اہل بیت رسول کی تلقین کیا کرتے تھے آپ کا ارشاد ہے کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ محبوب سے

نہ شیخ محمد حسنؒ عارف روزگار تھے۔ شیخ حسن ظاہر کے فرزند تھے۔ علم و حال کے جامع تھے۔ مظاہر صورت سے بھی تعلق تھا۔ آپ کی اصل نسبت والد بزرگوار کی طرف سے سلسلہ چشتیہ ہے، مگر غالب ارتباط سلسلہ قادریہ سے تھا۔ حرم مدینہ کے محاور بھی رہے۔ یمن کے فاندان قادریہ سے بیعت و اجازت حاصل کی شیخ حاجی عبدالہادیؒ کے ساتھ مدینہ منورہ سے واپس وطن تشریف لائے۔ ولادت جوپور کی ہے، مگر آگرہ میں سکونت اختیار کر لی۔ دہلی میں جے منڈل کے نیچے اپنے والد بزرگوار کے مزار کے قریب مدفون ہیں۔

آپ کے بعض مکتوبات صحیح کیے گئے ہیں، کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ بعض مرید آپ کو شاہ خیال کہا کرتے تھے۔ آپ کے ایک مکتوب کا نمونہ یہ ہے: "جان لے کہ ایک عالم ایسا ہے جسے حواس کے سوا اور کوئی چیز معلوم نہیں کر سکتی۔ ایک دوسرا عالم ہے جسے عقل کے سوا اور کوئی چیز نہیں پہچان سکتی اور ایک عالم ایسا ہے جس کا اور کلمہ علم کے سوا نہیں ہو سکتا۔ ایک عالم اور بھی ہے جسے عشق کے سوا اور کوئی نہیں جانتا!" آپ نے ۲۶۔ رجب ۱۳۴۴ھ کو وفات پائی۔

یہ شیخ مودود الوریؒ ماہر علم توحید اور زہد مشرب تجربہ و تفریب تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو گیمیا اور بعض دیگر عجیب و غریب علوم میں دسترس تھی۔ مدت تک آگرہ میں رہے، پھر پانی پت چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔

اس کے متعلقین تک تجاوز کر جائے۔ پس حب الہی کے کمال کی علامت یہ ہے کہ ان کے اہل بیت سے محبت کرے۔
 آپ فرمایا کرتے تھے، ہر شخص کو کسی نہ کسی چیز میں کشائش دی گئی ہے، ہماری کشائش صوفیہ کی کتابوں میں ہے۔ جو
 طالب حق آپ کے پاس آتا اس سے فرماتے کچھ پڑھو کیونکہ ہمارا طریق یہی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے عوام الناس آپ کے پاس
 کم آتے تھے اور آپ کی کوئی خانقاہ بھی نہ تھی۔

طالبوں کو عشقِ صورت سے منع فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد تھا کہ اس کام میں مبتلا ہونا بتدی کو اصل کام سے باز رکھتا
 ہے آپ اپنے پاس کھانا پینے کا سامان اور دوسرا اسبابِ ضرورت نہ رکھتے تھے۔ اکثر واسطوں سے رابطہ تھا۔ مشرب قلندر ہیں
 دو واسطوں سے شاہِ نعمت اللہ ولی تک پہنچتے ہیں۔

آپ کی وفات ۱۳ ربیع الثانی ۹۵۷ھ کو ہوئی۔ پانی پت میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ مولانا درویش محمدؒ

وفات ————— سفر (ماہوار النہر) ۹۶ھ

خواجہ خواجگان حضرت مولانا درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ بڑے عابد و زاہد اصحاب ذکر و فکر اور کشف و کرامات میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، تجربہ و تفسیر اور ارشاد و ہدایت میں بہت شہرت تھی۔

۱۹ محرم الحرام ۹۶ھ میں، وفات پائی۔ مزار پر انوار موضع اسفزار میں ہے جو ملک ماہوار النہر میں شہر سبز کے مضافات میں واقع ہے۔ مولانا محمد زاہد خشی کے مرید اور خلیفہ تھے۔

پیر و مرشد کی بیعت سے قبل ہر وقت عبادت اللہ یا ضمت میں مصروف رہتے، جنگوں اور ویرانوں میں گھومتے، کھانے پینے کا مطلق خیال نہ ہوتا تھا۔ کئی کئی دن فاقوں سے گزر جاتے۔

ایک دن بھوک نے سخت غلبہ کیا تو پریشان ہو گئے، مگر اس شدید پریشانی میں بھی زبردست صبر کا ثبوت دیا، چنانچہ انہر باطنی سے آپ کا دل روشن ہوتا گیا۔ کسب کمال کے لیے مولانا محمد زاہد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تکمیل مراتب کے پہنچنے اور چہ خوارق و کرامات سے متصف تھے مگر آپ ان کے اظہار سے ہمیشہ اجتناب کرتے تھے اور کبھی خوش نہ ہوتے تھے، مریدوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی روحانی ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ بے شمار مخلوق نے آپ سے کسب فیض کیا۔

جذب و استغراق، شوق و ذوق میں درجہ کمال اور اس طائفہ عالیہ کے حالات و مقامات میں کامل بہرہ تھا۔ گناہ زری بس کرنے کی عادت تھی۔ اپنا حال لوگوں سے ہمیشہ پوشیدہ رکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

آپ کے فرزند مولانا خواجگی الکنگی بیان کرتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار کی شہرت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ایک روز ایک درویش نے ان کے سامنے شیخ نور الدین خوافی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ بہت بڑے بزرگ ہیں، اگر اس طرف ان کے آنے کا اتفاق ہو تو آپ ان سے ضرور ملنا۔

اس بات کو سمجھ ہی رہی دیر گزری تھی کہ شیخ نور الدین کا اس طرف سے گند ہوا، میرے والد کو ان کے آنے کی اطلاع ملی تو میلے کھیلے کپڑے جو وہ پہنے ہوئے تھے انھیں میں باہر نکلے۔ کچھ بدیے ساتھ لے کر شیخ کی ملاقات کو چلے دیے۔

جب شیخ کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے میرے والد کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے معانقہ کیا۔ دیر تک دونوں ملاحظہ میں رہے۔ جب میرے والد ان سے مل کر خدمت ہونے لگے تو شیخ چند قدم ان کے ساتھ گئے اور خدمت کر کے چلے گئے۔

والد بزرگوار کے چلے جانے کے بعد حضرت شیخ نے لوگوں سے کہا کہ اس علاقے کے طالبان حق مولانا درویش محمد کی خدمت

میں آتے جاتے ہوں گے۔ لوگوں نے کہا یہ شیخ نہیں ہیں بلکہ قرآن پڑھایا کرتے ہیں۔
شیخ نور الدین یہ سن کر بولے سبحان اللہ! یہاں کے لوگ بھی عجب نابینا اور مروہ ہیں کہ ایسے کامل شخص سے استفادہ نہیں کرتے۔

شیخ کی یہ بات لوگوں میں مشہور ہو گئی اور لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض کرنے لگے، مگر میرے والد لوگوں کی آمد و رفت سے پریشان ہی رہتے تھے۔
مولانا خواجگی دکنلی حضرت مولانا درویش محمد کے فرزند ان کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ موضع اٹکنگ کے رہنے والے تھے جو مضافات سمرقند میں واقع ہے۔ ۹۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۲ شعبان ۱۰۰۸ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار پر انوار اٹکنگ میں ہے۔

مولانا اٹکنگی بڑے عابد و زاہد اور صاحب ذکر و فکر و بزرگ حالات و کشف و کرامات تھے۔ اپنے والد بزرگوار کی طرح وہ بھی لوگوں سے چھپ کر ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے اور اخفائے حال کو پسند فرماتے تھے۔ تیس سال تک اپنے والد بزرگوار کی مسند پر بیٹھ کر اور خلق خدا کی رشد و ہدایت میں سرگرم رہے۔ آپ کی خوارق و کرامات بہت مشہور ہیں۔ امرا اور فقرا علما و صلحا آپ کی خدمت میں کسب فیض کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔ بادشاہ بھی آپ کی درگاہ عالیہ پر حاضر ہو کر قدم بوسی کا شرف حاصل کیا کرتے تھے۔ تواضع اور ہمان نوازی میں آپ بے مثل تھے۔ بڑھاپے میں اگرچہ ہاتھ کانپتے تھے تاہم مہانوں کے لیے خود کھانا لے کر لے کر لے کر ان کے سامنے پیش کرتے۔ خادموں سے یہ کام نہ لیتے تھے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ کی آزمائش اور امتحان کے ارادہ سے آئے۔ پیشتر اس کے کہ وہ کچھ کہتے آپ نے خود ہی ان کے دلی خیالات ان کے سامنے بیان کر دیے۔ فرمایا اس گروہ کا حال مختلف ہے۔ ان کی آزمائش کی غرض سے نہیں آنا چاہیے تاکہ فاسد خیالات کی وجہ سے ان کی برکات سے محرومی نہ ہو بلکہ جب ان کے پاس آئیں خالصاً اللہ آئیں تاکہ کچھ فیض حاصل ہو سکے اپنی وفات کے قریب آپ نے ایک خط اپنے خلیفہ خواجہ باقی باللہ کو لکھا جس کے آخر میں یہ اشعار لکھے۔

زماں تازماں رگ یاد آیدم مدانم کنوں تاچہ پیش آیدم
جدائی سب ادا مرا از خدا وگر ہرچہ پیش آیدم شایدم

حضرت شیخ داؤد کرمانی

ولادت _____ علاقہ ملتان

وفات _____ شیرگرٹھ ۹۸۲ھ

شیخ داؤد کرمانی خطہ پنجاب کے ان اولیائے کرام اور صوفیہ عظام میں سے ہیں جنہوں نے اس سرزمین کو الوارِ باطنی سے متور کیا اور شریعت و طریقت کی ترویج فرمائی۔ آپ کے سن ولادت کا علم نہیں ہو سکا۔ آپ کی نسبت چند واسطوں سے امام موسیٰ کاظمؑ تک اس طرح پہنچتی ہے،

سید داؤد کرمانی بن سید فتح محمد کرمانی بن سید مبارک بن سید فیض اللہ باقی بن سید صفی الدین آدم کرمانی بن سید نعیمی الدین احمد بن سید عبدالحمید بن سید عبدالحمید بن سید عبدالرشید بن سید ابو الفتح بن سید ابو المکارم بن سید ابو الحسن بن سید ابو الفیض بن سید ابو الفضل بن سید عبدالباقی بن ابو المعالی محمد بن سید ابو الوہب بن سید ابو الیجات بن سید ماہ بن سید شاہ محمد بن سید مسعود بن سید محمود بن سید ابو الاحد بن سید داؤد بن سید ابو ابراہیم اسماعیل بن سید محمد بن موسیٰ میر قح بن امام موسیٰ کاظمؑ

ابتدائی حالات حضرت شیخ داؤد کرمانی کے بزرگ عرب سے ہندوستان آئے تھے اور ملتان کے قریب کسی جگہ سکونت اختیار کر لی تھی۔ شیخ داؤد ایام شبیر خوارگی ہی میں مقیم ہو گئے تھے۔ ان دنوں لاہور میں مشہور شاعر اور عالم مولانا جامی کے ایک شاگرد مولانا اسماعیل رہتے تھے۔ شیخ داؤد نے علوم ظاہری میں ان سے تربیت حاصل کی، پھر جلد ہی علوم باطنی کی طرف مائل ہو گئے، چنانچہ حضرت غوث اعظمؑ سے اسی طریقہ سے تربیت پائی۔

بیعت قادیان سلسلہ کے مشہور عالم شیخ عبدالقادر ثانی (دوفات ۹۴۰ھ) کے پوتے سید حامد سے جو حامد گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں، بیعت کی اور ان کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔

۱۔ خواجہ یعقوب چرخ بڑے عالی بزرگ اور اولیاء اللہ تھے۔ غزنی کے قریب موضع چرخ کے رہنے والے تھے۔ غزنی میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا نام عثمان بن محمد انصاری تھا جو شیخ بہاء الدین نقشبند کے اصحاب میں سے تھے۔ شیخ بہاء الدین نے آپ کو خواجہ علاؤ الدین عطار کے سپرد کیا تھا۔ انہیں کے نظر کر مہ سے درجہ کمال کو پہنچے۔ علوم ظاہری و باطنی اور روزِ صوری و وحوی کے جامع تھے۔ بڑے زبردست محقق و مفسر تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ میں بڑی دسترس حاصل تھی۔ آپ نے قرآن کریم کے آخری دو پاروں کی تفسیر مرتب فرمائی جو روزِ تصوف سے بھری ہے۔ آپ نے ۵ سفر بعد از شنبہ وفات پائی۔ مزار پر اولیاءِ مفلحون میں ہے جو ملک خراسان میں حصار کے علاقہ کا ایک مقام ہے۔

عبادت و عبادت و ریاضت میں بہت مصروف رہنے لگے۔ بڑی بڑی ریاضتیں کیں۔ تنہا جنگل میں پھرتے رہتے۔
ریاضت خاصی مدت اسی طرح گزری پھر شیر گڑھ میں سکونت اختیار کر لی۔

بزرگی اور آپ بڑے باکمال اور ہاکرامت بزرگ تھے شیخ عبدالرحمن محدث دہلوی نے اُس زمانے کے مشہور چشتی بزرگ شیخ قطب عالم
کرامت کا ایک بیان نقل کیا ہے کہ جب میں (شیخ قطب عالم) شیخ داؤد کی خدمت میں پہنچا تو خیال گزرا کہ کہیں آپ ہمدوی نہ
 نہ ہوں۔ ادھر میرے دل میں یہ خیال گزرا ادھر شیخ نے میرے اظہار کے بغیر فرمایا کہ ہمدوی فرقہ گمراہ ہے اور ان کے پاس اپنے طریقے
 کی کوئی سند نہیں۔

آپ بڑے پابند خیریت تھے۔ قرآن اور حدیث کے خلاف کوئی کام نہ کرتے تھے۔ آپ کی روحانیت اور تقدس کی شہرت
 سارے ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔

اکبر کا نامہ ایک مرتبہ شہنشاہ اکبر نے شہباز خان کو بھیج کر انھیں اپنی خدمت میں طلب کیا، لیکن آپ نے کہلا بھیجا کہ میں یہیں بیٹھا
وپیام تمہیں غائبانہ دعا دیتا ہوں، میں یہی کچھ کر سکتا ہوں۔

تبلیغی کام اگرچہ آپ کے ملفوظات اور تذکروں میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ نے اشاعت اسلام
 کے سلسلہ میں کوئی باقاعدہ اور باضابطہ کام کیا ہوتا ہے اسے آپ کی روحانی عظمت سمجھیے کہ روزانہ پچاسوں کی تعداد میں
 غیر مسلم اپنے کنبے سمیت حاضر خدمت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے تھے۔

مشہور مؤرخ بدایونی مشہور مؤرخ شیخ عبدالقادر بدایونی نے شیر گڑھ جا کر آپ سے ملاقات کی۔ وہ تین چار روز آپ کے پاس رہا۔ پھر اپنے
کی ملاقات تذکروں میں حضرت کے متعلق اس نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی آپ کی عظمت اور بزرگی کا قائل تھا
 اور آپ کے تقدس سے بہت متاثر ہوا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ گفتگو کے وقت شیخ کے چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک اور نور نظر آتا تھا۔ بدایونی نے
 آپ کے چہرے کے جلال کی بھی بہت تعریف کی ہے۔

وفات آپ کی وفات ۹۸۴ھ میں ہوئی اور شیر گڑھ میں دفن ہوئے جو ضلع منٹگمری کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ
 کے جانشین شیخ ابوالمعالی قادری لاہوری (وفات ۱۰۲۴ھ) نے جو صاحب تصنیف بزرگ گزری ہیں پنجاب میں قادریہ سلسلے کا فیض گھر کھر بنجایا۔

۱۰۲۴ھ سے ملاوہ لوگ ہیں جو سید محمد جنپوری کے پیرو تھے۔ سید محمد جنپوری ۱۰۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں کیتائے زمانہ تھے۔ حج کرنے گئے تو مکہ میں ہمدوی کا
 دعویٰ کیا پھر اجماعاً باوجود حجرات واپس آئے تو یہاں بھی ہمدویت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ جو میرے دعویٰ پر ایمان نہ لائے کہ کافر ہے۔ چنانچہ ان کے لیے تھل کا دعویٰ دیا گیا اور تشدد ہمارے چلے
 یہاں بھی ملانے ان کی مخالفت کی پھر خراسان کے شہر فراہ کی طرف چلے گئے اور ان میں ۱۰۲۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد کئی بااثر اور مشہور علمائے ہمدوی طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ بتا
 کہ ہمدوی ہر وقت قیامت کے انتظار میں رہتے تھے۔ دنیا کی ہر پائندی پر نعد دینے تھے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اپنا تمام دنیوی ساز و سامان غریبوں و اہل کسرت کی زندگی بسر کرنے
 لگے تھے۔ شرع کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ خلاف شرع امور کو رد کرنے میں کسی جاہل سے جاہل حاکم کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔

۱۰۲۴ھ ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان۔ ۱۰۲۴ھ حضرت نے اپنی گواہی بدایونی کو عنایت کی تھی۔ بلکہ خزینۃ الاصفیاء (جلد اول) ۱۰۲۴ھ اب اسکا نام ساہنوال

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی

ولادت ۸۶۱ھ

وفات ۹۴۵ھ گنگوہ

یہ حضرت محمشان روزگار و عارفان صاحب اسرار میں سے تھے۔ نیز صاحب کرامت و خوارق تھے۔ اول خرقة و درویشی اپنے پیر شیخ محمد صاحب صابر سے حاصل کیا۔ بعدہ شیخ الاسلام شیخ درویش محمد بن قاسم اودھی سے خرقة خلافت پہنچا اور سلسلہ مدار سے سرور ویر اور نظامیہ میں اجازت یافتہ ہوئے۔ نظامیہ سلسلہ تین طرح پر عطا ہوا۔ ایک شیخ صدرالدین طیب سے مل کر حضرت سلطان سے ملتا ہے۔ دوسرے سید محمد گیسو دراز سے مل کر شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے ملتا ہے۔ تیسرا مخدوم جانیوں سے مل کر مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی سے ملتا ہے۔

صاحب مرآة الاسرار فرماتے ہیں کہ شیخ صفی الدین حنفی جد شیخ عبدالقدوس میر سید اشرف سمنانی کے مرید تھے۔ قیام ان کا ردولی میں تھا۔ ایک بار سید صاحب کچھ چھم تشریف لائے۔ آپ نے ان کو پیار کیا اور فرمایا کہ یہ بھی میرا مرید ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ فرزند عطا کرے گا، جو قطب عالم ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بعد انتقال شیخ احمد عبدالحق کے پیدا ہوئے۔ جب ذرا سیانے ہوئے چاروب کشی روضہ شیخ کا شوق پیدا ہوا۔ ایک روز کتاب کا فیہ لیے روضہ کے اندر گئے۔ اندر سے حق حق کی آواز آئی اور ایسی کیفیت پیش آئی کہ یہ بے ہوش ہو گئے۔ زیارت روضہ روحانیت حضرت سے مشرف ہوئے۔ فرمان ہوا کہ مطالعہ علم ظاہری حجاب اکبر ہے۔ اس روز سے پڑھنا لکھنا چھوڑ کر کار باطنی میں مشغول ہوئے۔ تمام شب اطاعت حق میں بسر کرتے اگر کبھی نیند آ بھی جاتی تو شیخ کھڑے ہوئے جگاتے معلوم ہوتے اور دن کو شیخ پیارہ سے صحبت رہتی۔ لطائف قدسی میں لکھا ہے کہ جب قصہ اپنے دادا بھائی شیخ غلام الدین کاسنا کہ پچاس برس انھوں نے پانی نہیں پیا، آپ نے بھی پانی پینا ترک کر دیا اور خود سالی میں یہ کیفیت تھی کہ اول وقت نماز کے مسجد میں جا کر اول صف میں بیٹھتے۔ جن جوں نمازی آتے جاتے آپ پیچھے بیٹھتے جاتے تھے، یہاں تک کہ سب سے پیچھے ہو جاتے بعد فراغ نماز کے نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھتے۔ سبحان اللہ کیا انکسار تھا۔ لطائف قدسی سے نقل ہے کہ جب آپ نے پڑھنا ترک کیا تو آپ کے والد نے آپ کے ماموں قاضی دانیال سے کہا کہ بھانجے کی خبر لے اس نے پڑھنا بالکل چھوڑ دیا۔ انھوں نے ان کو بلا کر بہت تاکید کی اسی عرصہ میں ایک میراثن دائرہ لیے گاتی نکلی۔ اس پر آپ کو وجد ہوا۔ انھوں نے یہ کیفیت دیکھ کر آپ کے والد سے کہا کہ کچھ اندیشہ نہ کرو، یہ نیک ہوگا، اس کو معلم دوسری طرح کا چاہیے کہ جو علم باطن پڑھاوے۔ اس وقت مخدوم شیخ خواجگی کہ خلیفہ شیخ عمیدھا کے تھے اور وہ خلیفہ شیخ شمس الدین اودھی کے اور وہ خلیفہ میر سید اشرف سمنانی کے تھے اور ساڈھوہ میں مقیم

تھے۔ آپ ان کی خدمت میں ساڈھوہ آئے اور کہا میں نے علم نہیں پڑھا۔ شیخ نے فرمایا کہ شغل باطن کر، جب علم اصول آگیا فروعات کیا چیز ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس قسم کا مسئلہ حضرت کے روبرو پیش ہوتا تھا آپ اس کو حل فرماتے۔ لطائف تہذیب سے نقل ہے کہ حضرت کے مجاہدہ اور ریاضت کی نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ اکل و شرب مطلق چھوٹ گیا تھا اور آتش روحانی میں ایسے فروختہ ہوئے تھے کہ سانس سے بوئے کباب آتی تھی۔ کبھی سانس میں سے عود و عنبر کی خوشبو آتی تھی۔ یعنی عشق الہی میں اپنے کو سوختہ کر دیا تھا۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

تانسوزد بر نیامد بوسے خود در نہ او ہم چوب مثل دیگر است

اور سارا اور کمال میں سے دھواں اٹھتا معلوم ہوتا تھا۔ جب شیخ محمد صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ آتش عشق اور مجاہدہ میں جل چکا ہے ارشاد فرمایا کہ اس کے سر پر باسی پانی روز ڈالا کریں اور کثرت درود شریف کے واسطے حکم دیا کہ ترویج قلب ہو۔ اول اول آپ کو خلق سے نہایت نفور تھا۔ مرشد کے گھر کے کاروبار تمام بجالاتے تھے اور ہمیشہ پوشاک درویشی زیب تن رکھتے۔ ایک بار شیخ خواجگی نے بہت اصرار سے دوسرے کپڑے پہنوائے۔ بعد ان کے پھر لباس درویشی اختیار کیا۔ بعد نماز عشا کے ذکر جہر شروع کر کے صبح کرتے۔ اقتباس الانوار سے روایت ہے کہ جس وقت حضرت گنگوہ میں آئے وہاں ایک سنیاسی کا سٹھ نہایت دلکشا تھا، آپ کے پسند آیا، چاہا کہ اسی جگہ قیام ہو۔ اندر اس کے جا کر جلیوں سے پوچھا کہ گوروجی کہاں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ایک برس گزرا کہ گچھا میں ہیں فقط ایک روزن دیوار میں ہوا کے واسطے رکھا ہے کسی کی مجال نہیں کہ ان کے پاس جاسکے۔ الغرض اس روزن کو معلوم نہ بنا کر قریب اس کے بیٹھ کر مرقبہ فرمایا۔ روحانیت کی صفت نے جس مبارک برغلبہ پایا اور ذات کی طرف توجہ کی، چنانچہ جس دن رنگ لطافت پہ آیا۔ اس روزن سے گزر کر گچھا کے اندر آئے دیکھا کہ فقیر جس دم کیے ہوئے اپنے کام میں مشغول ہے۔ پھر مرقبہ فرما کر اپنی روح سے اس کی روح کو حرکت دی، معاً ہوشیار ہوا اور حضرت سے پوچھا کہ تو کون ہے اور یہاں کیوں آیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور اسی کی قدرت سے یہاں آگیا، مگر تو نے اپنا کام کہاں تک پہنچایا۔ اس نے جواب دیا کہ دیکھو ابھی پانی ہوا جاتا ہوں، اور پانی ہو گیا۔ حضرت نے اس پانی میں قدرے پارچہ تر کر لیا۔ جب وہ ہیئت اصلی پر ہوا آپ نے فرمایا کہ میں بھی پانی ہوتا ہوں تو اس میں کپڑا تر کر لیجیو۔ چنانچہ جب حضرت پانی ہوئے اس نے بھی کپڑا تر کیا۔ جب آپ ہیئت اصلی پر آئے اور فرمایا کہ اپنے پارچہ اور میرے پارچہ کو سو گندھ پہلے اس نے اپنے پانی کا پارچہ سو گندھا، جس سے دماغ اس کا پریشان ہوا، پھر حضرت کے پانی کے پارچہ کو سو گندھا، دماغ مسطر ہو گیا۔ اسی وقت معتقد ہوا اور کہا کہ میں تو اپنے فن میں کامل ہوں مگر تم بھی کامل نکلیے۔ البتہ بد بڑا اور خوشبو کا تفاوت رہا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خوشبو اسلام کی ہے اور وہ بد بو کفر کی تھی۔ اس فقیر نے کہا کہ مجھ کو بھی اسلام سے شرف کیجیے۔ آپ نے اس کو کلمہ پڑھایا اور وہ صدقہ دل سے مسلمان ہوا اور حضرت سے بیعت کی۔ اس جوگی کو بعد تکمیل مذہب مع اس کے جلیوں کے برائے ہدایت خلق مقرر فرمایا۔ روضہ حضرت کا اور آبادی آپ کی ایلا کی اسی فقیر کی جگہ ہے۔ وہ اب سرانے شیخ مشہور ہے۔ لکھا ہے کہ شیخ حمید الدین صاحبزادہ کلاں ردولی میں تولد ہوئے۔ ان کی گیارہ برس کی عمر تھی کہ شاہ آباد میں آئے وہاں شیخ رکن الدین مصنف

لطائف قدسی پیدا ہوئے، وہ لکھتے ہیں کہ ایک بار میں نے برائے تعلیم عرض کیا۔ کچھ تلقین نہ فرمایا۔ میں نے بے اجازت کے کتب خانہ سے ایک کتاب نکالی اور اس کی تحریر کے موافق نماز چاشت اور اشراق ادا کرنے لگا۔ جب میں حاضر خدمت ہوا فرمایا کہ ابھی شغل نہ کر، جو میں کہوں اسی طرح مشغول ہو۔ سبحان اللہ کیا کشف باطن تھا۔

ایک بار حضرت نے خود فرمایا کہ میرا رافہ خلق میں مخلوط ہونے کا وقت تھا، بلکہ ارادہ تھا کہ پہاڑوں میں عمر بسر کروں مگر مجبور ہوں کہ مشائخ وقت نے حیات میں بکوشش تمام خرقہ خلافت دے کر مجھ فقیر کو سجادہ پر بٹھایا، خاص کر روح حضرت شیخ احمد عبدالحق دروہانیت حضرت سلطان المشائخ و حضرت شیخ شکر و دیگر مشائخان قدس اللہ سرہم نے بجز اس فقیر کو سجادہ پر بٹھایا۔ خلق اللہ کو بیعت دینی پڑی۔ لطائف قدسی سے نقل ہے کہ انتقال سے تین برس پہلے آپ خاموش ہو گئے تھے۔ ہمیشہ احدیت میں مستغرق رہتے تھے۔ کسی سے بات نہ کرتے تھے۔ شیخ احمد نے ایک روز عرض کیا، سکوت کس وجہ سے ہے۔ فرمایا کہ جو میرا دیرانے ذکر ہو گیا ہے، ہر وقت بحر فنا کی موجیں آتی ہیں اور غرق کر کے شہود حق میں لے جاتی ہیں۔ اس طرف آنے نہیں دیتیں۔ لکھا ہے کہ

۱۵۔ جمادی الآخر روز دو شنبہ کو عرس مخدوم شیخ احمد عبدالحق قلاسی روز حضرت کو تپ لڑھا یا اور روز جمعہ کو پانچواں روز تھا۔ قدسے صحت ہوئی، نماز جمعہ ادا کی، بعد نماز کے پھر تپ شروع ہوا اور چار روز اور تپ آیا، بروز شنبہ وقت نماز چاشت ۲۳ بجے جمادی الآخر ۹۲۵ھ میں رحلت فرمائی۔ مزار گنگوہ شریف میں فیض بخش عالم ہے۔ شیخ رکن الدین فرماتے ہیں، تادم مرگ عبادت میں فرق نہیں آیا، قبل از انتقال تجرید وضو کیا اور دو گانہ ادا کر کے بے ہوش ہوئے اور حق حق کہتے ہوئے انتقال کیا۔ عمر شریف ۸۴ برس کی ہوئی، جس میں ۳۵ برس روہلی میں مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول رہے۔ ۲۵ سال شاہ آباد میں قیام فرمایا اور ۱۳ سال گنگوہ میں بسر فرمائے۔

شیخ رکن الدین کہتے ہیں جب کفن پہنا چکے ہیں نے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا تو قلب کو حرکت تھی، اوکر جاری تھا۔ آپ کے سات لڑکے تھے، سب کے سب عالم اور عارف ہوئے۔

کیفیت شیخ عبدالبکیر ^{رحمۃ اللہ علیہ} کی یہ ہے کہ آپ مرید و فرزند شیخ عبدالقدوس کے تھے۔ ذوق اور شوق، سخاوت اور شجاعت، خوارق و کرامت میں بے مثل تھے۔ ایک بار سلطان وقت آپ کی زیارت کو چلا دو وزیر اس کے ہمراہ تھے۔ تینوں نے اپنے واسطے ایک ایک کھانا مقرر کیا کہ اگر ہم کو ہماری خواہش کے موافق شیخ نے کھا تا دیا تو ضرور شیخ اہل کمال ہیں۔ جب بادشاہ نزدیک آیا، حضرت نے ہرن کے گوشت کے بھرے ہوئے سمو سے سلطان کے رو برو رکھے۔ نان نخی میاں بڑھے کے آگے۔ ملک محمد کے آگے حلوہ رکھا۔ یہ کشف و کیمہ کر تینوں صاحب حیران رہے۔ آپ نے فرمایا کہ بابا کیا حیرت کی بات ہے خداوند تعالیٰ اپنے دوستوں کو اہل دنیا کے سامنے شرمندہ نہیں کرتا، جو چاہتے ہیں مرحمت فرما دیتا ہے۔

بعد وفات والد و برس زندہ رہے۔ ۹۲۷ھ میں وفات پائی اور ایک کتاب کے حاشیہ پر لکھا دیکھا ہے کہ آپ کے پانچ سو خلیفہ ہوئے مگر جو صاحب ارشاد اود مشہور ہوئے ہیں اول شیخ جلال الدین محمود القاروق بقانیسری، ان کا ذکر آگے آئے گا۔

دوسرے شیخ عبدالغفور اعظم پوری عالم اور کامل سیاح تھے اور مرید اپنے نانا کے بھی تھے۔
ایک بار آپ کو جن اٹھارے گئے۔ ایک مدت ان کے ملک میں رہے ان کی زبان کے ماہر تھے۔ ان کے ملک کی کیفیت
بیان فرمایا کرتے تھے، مگر بوجہ اختلاف آب و ہوا کے ہیئت میں کسی قدر فرق آگیا تھا۔ ہندوستانی نہیں معلوم ہوتے تھے۔
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ شیخ ہمارے قبیلہ سے تھے۔

وفات حضرت کی ۹۹۸ھ میں ہوئی اور یہ بھی لکھا ہے کہ رسول مقبول نے آپ کو بحالت خواب یہ درود تعلیم فرمایا تھا:
اللہم صل علی محمد و آلہ بعد اسمائک الحسنى امدان کے خلفا سے چند صاحب باکمال ہوئے ہیں شیخ ابوہما
فرزند شیخ عبدالغفور و بندگی شیخ احمد میر سید علاء الدین ساکن کٹانہ۔ جب ان کا انتقال ہوا ہے تو مزار میں سے تین بار کلمہ حق کی
آواز آئی اور ایک شعلہ نور سر ہانے سے ایک پائنتی سے پیدا ہو کر دونوں باہم مل کر قبر میں سما گئے۔ تیسرے خلیفہ شیخ عبدالقدوس
کے شیخ بھولا نور بات سہارن پور کے درویش کامل گزرے ہیں۔ ایک بار ان کو جنون ہو گیا تھا۔ اس حالت میں غیب کی باتیں کرتے
تھے۔ حضرت نے ان سے آگاہ ہوا ایک تو بیذممت فرمایا۔ اس کے ہاتھ سے ہی اچھے ہوئے اور جو غیب کی باتیں کرتے تھے
ان کا مشاہدہ ہونے لگا۔ چوتھے شیخ محمود کہ پہلے یہ دائم الخمر تھے۔ جب جذبہ الہی دامگیر ہوا، ایک روز حضرت سے ملے روئے
مبارک پر نظر پڑتے ہی توبہ کی اور مرید ہو کر کافر کو انجام پہنچا کر اولی ہوئے۔ پانچویں خلیفہ حضرت کے شیخ بہاء الدین کہ اعلیٰ درجہ
کے پر دوست تھے۔ چھٹے خلیفہ شیخ عبدالستار سہارن پوری۔ ساتویں خلیفہ شیخ عبدالاحد پور شیخ احمد مجدد الف ثانی سرسندی
آٹھویں خلیفہ میر سید رفیع الدین اکبر آبادی۔ نویں خلیفہ شیخ عبدالرحمن اکثر نکتوات ان کے نام عمار ہوئے۔ دسویں شیخ عبدالنبی
اور از روئے تحریر تذکرۃ العارفين ہمایوں بادشاہ نے دوسرے جشن جلوس میں حضرت سے بیعت کی۔ گیارھویں بندگی شیخ
جان مسطور کہ مقرب بارگاہ مرشد تھے اور آپ کو مقام فنا فی الرسول حاصل تھا۔ یہ ہمدم شیخ عبدالقدوس سرہ کے اور محرم
اسرار تھے۔ حضرت کی اکثر روایات آپ سے سند ہوئی ہیں۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی شیخ محمد روڈوی کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے۔ وہ صابریہ سلسلہ کے پہلے بزرگ ہیں جن
کے حالات مسافر تذکروں اور تاریخوں میں ملتے ہیں۔ جو شہرت اور عظمت ان کو حاصل ہوئی وہ اس سے پہلے صابریہ سلسلہ کے
کسی بزرگ کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔

شیخ عبدالقدوس ابتدائے حال میں روڈلی میں مقیم رہے ۱۲۹۰ھ میں روڈلی کے حالات خراب ہوئے اور وہ ترک وطن
کر کے شاہ آباد آگئے۔ جہاں ۳۸ سال تک انہوں نے ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا رکھا۔ آخری عمر میں گنگوہ (ضلع سہارن پور) تشریف
لے گئے اور وہیں ۱۵۳۰ھ میں وفات پائی۔

لہ لطائف قدسی میں لکھا ہے: طرف ہندوستان غلبہ کاٹراں بود۔ در پرگنہ روڈلی علی کافراں شدہ شاعر اسلام مندوس شدہ۔ در بازار گوشت فوق فرد
کاشد۔ حضرت قطبی دیگر شدہ بیرون آمد۔ مطبع مجتبیٰ دہلی ۱۳۰۸ھ

جن حالات و گرد و پیش میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی کو بسلسلہ کی تبلیغ و اشاعت کا کام کرنا پڑا، وہ بڑے ہوشیار تھے۔ ہندوستان کی سیاسی فضا غیر یقینی تھی۔ مستحکم مرکزی نظام ختم ہو چکا تھا۔ سلطنتِ دہلی سائنس توڑ رہی تھی۔ اس کا سیاسی اور سماجی ڈھانچہ بجا ہو چکا تھا۔ صوبوں میں خود مختار حکومتیں تھیں اور دارالسلطنت کے چاروں طرف ہنگامہ آرائی اور فتنہ فساد ہندوستان کی ان تمام سیاسی طاقتوں میں جو اس وقت اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے کوشاں تھیں۔ راجپوت سب سے زیادہ منظم اور سیاسی بصیرت رکھنے والے تھے۔ پروفیسر شپورک دلیس نے لکھا ہے کہ اگر بابر ہندوستان نہ آتا تو راجپوت یقیناً اپنا اقتدار قائم کر لیتے۔ چندیری، ناگور، اجیر، رودلی وغیرہ مقامات پر حالات ایسے نازک ہو گئے تھے کہ مسلمان ان علاقوں کو خیر باد کہہ کر دوسری جگہ بسنے لگے تھے۔ ان حالات گرد و پیش میں سائنس لینے والے بزرگ کا سیاست سے علیحدہ رہنا ممکن نہ تھا۔ سیاست اور سلاطین سے علیحدہ بھی اسی وقت رہا جاسکتا ہے جب کم از کم سماجی توازن تو درست ہو۔ سماجی انتشار کی صورت میں سیاست سے بچنا تقریباً ناممکن تھا۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ابتدائے حال میں مشائخِ چشت کے قدیم اصول کے مطابق سیاست و سلطان سے علیحدہ رہتے تھے، چنانچہ لطائفِ قدوسی میں ایک واقعہ لکھا ہے:

• قاضی محمود تھا نیسری داروغہ رودلی بود۔ چوں بھجت ملاقات می آید حضرت قطبی گریختہ درویرانے می رفتند کہ تبری از اہل دنیا بر کمال بود۔ اختلاط با ایشان زہر قاتل می دانستند و منی فرمودند کہ از اہل دنیا بوسے کر بہ می آید لا چار می گریزم۔

لیکن بعد کو انھیں سیاست میں حصہ لینا پڑا اور سلاطین سے ربط پیدا کرنا پڑا۔ ایک طویل مکتوب کے میں انھوں نے سکندر لودھی کو غم خواری خالق بالخصوص ائمہ اور علماء کی تیمارداری پر خاص طور سے توجہ دلائی ہے۔ اور بتایا ہے کہ حالات کی بہت کچھ درستگی ان کے ذریعے ممکن ہے۔ کچھ عرصہ بعد جب بابر کا تسلط ہو گیا تو انھوں نے منغل شہنشاہ کو بھی خط لکھا اور ہدایت کی۔

• بابر و سزہ کہ برائے شکر نعمت منعم سایہ عدل بر عالمیاں چنان کشند بیچ کس بزیج کس ظلم کنند و ہمہ خلق و ہمہ سپاہ با و امر و نہا ہی شرع مستقیم و مستدیم بود نماز، جماعت، بگزارند و علم علماء را دوست و در بازار ہر شہرے محتسب بگزارند ہاشم و بازار را بحال عدل شرع محمدی بنیادیند و روشن و منور گردانند۔ . . . چنانکہ مدد عہد سلف و خلفائے

AN EMPIRE BUILDER OF INDIA IN THE SIXTEENTH CENTURY
R. WILLIAMS

نہ ملاحظہ ہو:

باب اول:

کہ لطائفِ قدوسی ص ۱۹-۱۸ آئین اکبری ص ۲۱۴ مرتبہ سر سید محمد خاں میں لکھا ہے: دانش مہدی، معنی: اندوخت و دراز و ذی شناس والا پاپوش

خزائن حقائق از ویرگریڈ، چنٹ آسٹینی با برخی کارا کہاں بزاویر اور شدے وانجن آگے گرسے پذیرفتے۔ نیز ملاحظہ ہو گلزارِ ابرار ص ۲۴-۲۵

لکھ مکتوبات قدوسیہ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی، مکتوب ۳۱ ص ۲۶-۲۷

راشدین باجمع شرائط بے شبہ بود^۱

افغانوں اور مغلوں سے ان کے تعلقات پر تفصیلی بحث کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے معاصر تذکرہ، طغورخاں اور تاریخوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

شیخ عبد القدوس گنگوہی صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ ان کی تصانیف سے ان کے مطالعہ کی وسعت اور نگاہ کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے عوارف کی شرح لکھی تھی۔ اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی مشہور تصنیف فصوص الحکم پر حاشیہ تیار کیا تھا۔ ان کی دیگر تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ رسالہ قدسیہ

۲۔ غرائب القوائد^۲

۳۔ رشد نامہ

۴۔ منظر العجائب

۵۔ مکتوبات قدوسیہ

انھوں نے اپنی تصانیف میں وحدۃ الوجود پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ رشد نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوی پرناچھا عبودیت کھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف میں ہندوی دوسرے بہت کثرت سے ملتے ہیں۔

اتباع شریعت و سنت کا ان کو خاص خیال رہتا تھا۔ شیخ رکن الدین نے رشد نامہ کے حاشیہ میں لکھا ہے:

”حضرت ایشاں چناں در شرع محمدی و در عقیدہ اہل سنت و جماعت باسخ القدم بودند کہ ذرہ از شرع تجاوز نہ بود“

ان کے مکتوبات میں بھی اس جذبہ کا جگہ جگہ اظہار ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے بعض امرا کو خاص طور سے اتباع شریعت کی تلقین ہے۔ خواص خاں، ہیبت خاں، شیروانی، ابراہیم خاں شیروانی، تروی بیگ وغیرہ کے نام ان کے مکتوبات بہت اہم ہیں اور اس زمانے کے حالات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

^۱ مکتوبات قدوسیہ ص ۳۲۷۔ اس سلسلہ میں لطائف قدوسی کا مطالعہ خاص طور پر مفید ثابت ہوگا۔

^۲ لطائف قدوسی میں لکھا ہے: ”اما بعلم لدنی و فیض الہی چنداں استعداد بود کہ در ہر غلے بچھا قویب کردند و تصانیف بسیار کردندی فرمودند کہ در ابتداءے حال نسخہ عارف بخت برکت در مجموعہ مای بود، دلائل نسخہ چندان دخل تہجد عاقبت الامر کار تا بعد سے رسید کہ نسخہ عارف را بشرح عربی کردند و نکات و اسرار غریب نشاند“

چنانچہ مشہور معروف دست ۸ ص ۸۔ لکھ گلزار برادری ۲۳۹

^۳ مختصر رسالہ ہے مولیٰ غلام احمد خاں بریاں نے مسلم پریس مجبور سے شائع کیا تھا۔

^۴ یہ رشد نامہ شیخ عبد القدوس کے ابتدائی زمانہ کی تصنیف ہے۔ شیخ رکن الدین پر شیخ نے اس پر ایک حاشیہ لکھا تھا۔

جہاں تک صابریہ سلسلہ کا تعلق ہے اس کے نظام کو ترتیب دینا اور پھیلانا شیخ عبدالقدوس گنگوہی ہی کا کام تھا۔ مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف ان کی خاص توجہ تھی۔ مریدوں کے نام ان کے یہ خطوط یہ بتاتے ہیں کہ وہ ان کی روحانی تعلیم کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ کسی حال میں ان کی طرف سے غفلت نہ برتی جائے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے تین فرزند تھے: شیخ حمید الدین، شیخ عبدالمجید اور شیخ رکن الدین۔ شیخ رکن الدین کے بیٹے شیخ احمد تھے اور ان کے بیٹے شیخ عبدالنبی جو اکبر کے صدر الصدور بھی رہے تھے۔

حکومت و وقت سے تعلق صوفیہ کے لیے ہمیشہ ہلکا رہا ہے۔ غالباً اسی بنا پر مشائخ متقدمین نے ہمیشہ اس سے علاحدہ رہنے کی تلقین کی ہے۔ اگر کوئی بزرگ کسی ضرورت اور مصلحت وقت سے مجبور ہو کر حکومت سے ذرا بھی رابطہ پیدا کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس کے متعلقین اسی میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا اور شیخ رکن الدین ملتانی نے حکومت سے وابستگی رکھی، لیکن اپنے روحانی پروگرام کو نظر انداز نہیں کیا۔ ان کی مثال سے ان کی اولاد نے غلط فائدہ اٹھایا اور سرورِ دیہ سلسلہ کا سارا نظام درہم برہم کر دیا۔ یہی حال حضرت گنگوہی کی اولاد کا ہوا۔ شیخ عبدالقدوس نے اصلاح و تربیت کی خاطر حکومت سے رابطہ پیدا کیا تھا، ان کی اولاد نے حب جاہ و زر کی خاطر شاہانِ مغلیہ کے آستانوں پر اپنی جبینوں کو جھکا دیا۔ شیخ عبدالنبی کے حالات عہد اکبری کی تاریخوں میں تفصیل سے درج ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حب جاہ و زر نے ان کے دینی جذبے کو بالکل ختم کر دیا تھا اور وہ مشائخ سلسلہ کے اصولوں کا قطعاً احترام نہ کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیخ عبدالقدوس کی اولاد ان کے کام کو جاری نہ رکھ سکی، مگر ان کے کچھ خلفاء ایسے عظیم المرتبت اور عالیٰ جہلہ تھے کہ انہوں نے سلسلہ کی نشرو اشاعت کی طرف خاص توجہ کی۔ شیخ جلال الدین تھا نیسری، شیخ عبدالغفور اعظم پوری، شیخ عبدالعزیز کیراوی، شیخ عبدالتاریہ سہارنپوری، شیخ عبدالاحد پیر حضرت مجدد الف ثانی نے ارشاد و تلقین کو اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد قرار دے کر سلسلے کے اثرات کو دور دور پھیلایا۔

۱۔ مصنف نا شیخ گنگوہی کی اولاد پر جو جب جاہ کا الزام لگایا ہے اس کا جواب ملاحظہ ہو صفحہ ۵۳ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات۔ انداز الحق قدوس، مطبوعہ ایڈمی آف ایجوکیشن ریسرچ کراچی ۱۹۶۱ء (م ۷)

حضرت میاں میر لاہوری قادریؒ

ولادت ————— سہوان (سندھ) ۵۹۵۷ھ

وفات ————— لاہور ۱۰۲۵ھ

حضرت میاں میر محمد شاہ بھجانی کے سب سے بااثر شیخ تھے۔ انھیں نہ صرف عوام الناس میں بلکہ علمی اور درباری حلقوں میں میں بھی بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ ہندوستان میں قادریہ سلسلے کو انھیں کے دم قدم سے دوبارہ فروغ نصیب ہوا۔ نام و نسب اور حضرت میاں میر کا اصل نام میر محمد تھا۔ بعض نے شیخ محمد نام بتایا ہے۔ ۱۰۲۵ھ میں سندھ کے قدیم شہر سہوان ابتدائی حالات میں پیدا ہوئے۔ قاضیوں کے اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو علم و فضل کے لحاظ سے اپنے دور میں بہت ممتاز تھا۔ والد بزرگوار کا نام سائیں دتھا اور دادا کا نام قاضی قلندر فاروقی تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ بی بی فاطمہ قاضی قادن کی دختر تھیں۔ حضرت میاں میر کا سلسلہ نسب حضرت عترتؒ سے ہے، چنانچہ آپ فاروقی کہلاتے ہیں۔

سات سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، مگر خاندان میں علم و فضل کا چرچا تھا، اس لیے آپ کی والدہ ماجدہ نے سلسلہ قادریہ میں تعلیم دلانی اور اچھی طرح تربیت دی۔ سن بلوغ کو پہنچنے تک علم و عرفان کی کئی منزلیں طے کر لیں۔ والدہ بھی جلد و لہجہ مفار دے گئیں۔ چار بھائی اور بہنیں تھیں۔ بھائیوں کے نام یہ ہیں: میاں قاضی، قاضی عثمان، قاضی محمد اور قاضی طاہر۔ بہنوں کے نام بی بی بادی اور بی بی جمال خاتون ہیں۔ مؤخر الذکر اپنے وقت کی ولیہ عارفہ تھیں۔

مجاہد سے آپ قدیم طرز کے صوفی بزرگوں میں سے تھے جو فنا فی اللہ ہوتے ہیں اور شرع کی ترویج پر زیادہ سختی سے کاربند نہیں ہوتے۔ چنانچہ آپ بھی ہر وقت مجاہد اور بیاضت میں لگے رہتے تھے، دنیا سے الگ تھلاگ گوشہ تنہائی میں بیٹھے رہتے، رفتہ رفتہ دنیا سے بالکل ہی کنارہ کر لیا۔

لے شیخ محمد اکرام اپنی کتاب رود کوثر میں لکھتے ہیں: شیخ عبدالحق محدث نے ابتداءً ملوک میں بلوچ کے ایک قادری بزرگ سے فیض حاصل کیا تھا، لیکن تقویٰ و پرہیزگاری و خیریت کی کشش نے انھیں آہستہ آہستہ ایک ایسے سلسلے کی طرف کھینچ لیا جس میں اتباع شریعت پر قادریہ سلسلے سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے عزیز دوستوں میں سے تھے۔

جس عمل سے شیخ عبدالحق متاثر ہوئے اس کا اثر محمد جہانگیری میں دوردور پہنچا اور حضرت مجدد الف ثانی کی عالمگیر شخصیت نے اس زیادہ میں نقشہ سلسلے کو بہتر قبول بنا دیا لیکن ان کی زندگی میں ہی لوہند کے قریب میں ایک ایسا شیخ سلوک کی منزلیں طے کر رہا تھا جس کے اثر سے ایک بار پھر قادریہ سلسلہ جگ اٹھا۔

بیعت | علائق دنیا سے منہ موڑ کر آپ شیخ خضر سید مستانی کے مرید ہو گئے، جو اپنے زمانہ کے مشہور صوفی بزرگ تھے اور سہولت سے کچھ قاصدے پہاڑ پر سکونت رکھتے تھے۔ وحدت الوجودی فلسفے سے آپ کو خاص لگاؤ تھا اور بہت قابل فقیہ تھے۔ ہم عصروں میں کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔

وہ در لاهور | پچیس سال کی عمر میں لاهور آئے اور ریاضت و عبادت اور تلقین و ہدایت شروع کی۔ اس وقت یہاں آپ کے پایے کا کوئی بزرگ موجود نہ تھا۔ آپ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر مصروف عبادت ہوتے تھے، چنانچہ پچیس سال تک کسی کو علم ہی نہ ہو سکا کہ اس پایے کا ایک بزرگ یہاں موجود ہے۔ پھر جب اہل لاهور کو آپ کے متعلق علم ہوا، تو ایک خلقت انڈسٹری اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ آ کر مرید ہونے لگے۔

عظمت اور | عام لوگوں کے علاوہ درباری حلقوں میں بھی آپ کا بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے امراء بھی آپ مقبولیت کے مرید تھے۔ بادشاہ اور شہزادے بھی آپ کے ارادت کیش تھے۔ جہانگیر آپ کا حد سے زیادہ عقیدت مند تھا۔ اس نے دو مرتبہ آپ سے خط و کتابت بھی کی۔ یہ خطوط داراشکوہ کی کتاب "سفیۃ الاولیاء" میں درج ہیں۔ جہانگیر ان کا ذکر کرتے ہوئے ترک جہانگیری میں لکھتا ہے:

"چوں بعرض رسید کہ در لاهور شیخ محمد میر نام و رویشے است سندی الاصل۔ بقائیت فاضل و مرتاض مبارک نفس و صاحب حال در گوشہ توکل و عزلت منزوی گشتہ۔ از فقر غنی و از دنیا مستغنی نشسته است۔ بنا برین خاطر حق طلب بے ملاقات ایشان قرار نگیرد۔ و بدیدار ایشان رغبت افزود۔ چوں بر لاهور من متعذر بود، رقعہ بخدمت ایشان نوشته شوق باطن را ظاہرے ختم و آن عزیز با وجود کبر سن و ضعف بینہ تصدیق کشیدہ تشریف آورد و مدت مند تنہا با ایشان نشستہ صحبت مستونی داشته شد۔ الحق ذات شریف است و درین عہد بقائیت غنیمت و عزیز الوجود ہیں نیاز مند از خود بر آمدہ با ایشان صحبت داشت و بسا سخنان بلند از حقائق و معارف استماع افتاد۔ ہر چند خواستم نیازے بگذرانم۔ چوں پایہ ہمت ایشان بر ازاں عالی تریافتم، خاطر باظہار این مطلب رخصت نداؤ۔ پوست آہر سفید بخت جائے نماز با ایشان گزارانیدم۔"

شاجہان نے بھی دو مرتبہ میاں میر سے ملاقات کی بادشاہ نامہ میں شاجہان نے ان ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ

لکھا ہے:

"خدیو خدا آگاہ بکا شاہ فیض آشیانہ پیشواے ارباب صفوت و صفا، رہنمائے اصحاب معرفت و تقویٰ اقدوس
حق شناسان مافی ضمیر میاں میر کہ پیشتر نیز بقدم سعادت لزوم ہمبطن انوار گشتہ بود۔ تشریف فرمودہ بگنار ش
بسا و قائل حقائق و غوامض معارف باعث نشر و صدور دانسا ط قلب ان نامور نشین تجر و گزین گشتند۔
عمل صالح میں لکھا ہے:

حضرت بادشاہ حقائق آگاہ بہ نحوے شیفتہ صحبت ال مقتدائے اصحاب عرفان شدند کہ مزینے بران متصور
تر باشد۔ چنانچہ بارہا اطوار محمودہ و احوال ستورہ ایشان را ستودہ من فرمودند کہ از مشائخ متصوفہ این کشور
میاں میرزا کامل تر یافتہم و از ایشان گوشتہ شیخ المشائخ شیخ فضل اللہ۔

شاجہان کا بیٹا داراشکوہ بھی حضرت کا بڑا معتقد تھا۔ اس نے حضرت کے روحانی ذوق و شوق کو ترقی دینے کے لیے
بہت کچھ کیا۔ اس نے سکینۃ الاولیاء نام سے ایک کتاب لکھی جس میں حضرت میاں میرزا عدنان کے خلفا کے حالات و درج
ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت کی کئی کرامات بھی بیان کی ہیں۔

داراشکوہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں بیمار ہو گیا اور طبیب میرے علاج سے عاجز آ گئے۔ میری عمر اس وقت بیس
برس کی تھی۔ بادشاہ (والد) مجھے حضرت میاں میر کے پاس لے گئے اور کہا یہ میرا بڑا لڑکا ہے، طبیبوں نے اس کے علاج سے
ہاتھ کھینچ لیا ہے، آپ توجہ فرمائیں۔ حضرت میاں میر نے پیالے میں پانی لیا اور دم کر کے مجھے پینے کے لیے دیا۔ اسی ہفتے مجھے
صحت ہو گئی۔

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں: "داراشکوہ نے حضرت میاں میر اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی (جو حضرت مجدد کے مرید تھے) ایک
گفتگو کا ذکر کیا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ حضرت میاں میر اور مجدد یہ طریقہ کے بزرگوں میں اختلافات نمودار ہو رہے تھے۔
اس گفتگو کے وقت بادشاہ بھی موجود تھا اور حضرت میاں میر سے خدا تک پہنچنے کے طریقے بتا رہے تھے۔ اس ضمن میں انھوں
نے کہا کہ جب سالک پر عالم حکومت کشف ہو جاتا ہے تو ہم اسے جگلوں میں بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ تنہائی میں یا والی کرے اور
مولا عبدالحکیم نے اعتراض کیا کہ اس طرح تو نماز باجماعت فوت ہوتی ہے۔ حضرت میاں میر نے اس کا مناسب جواب دیا
لیکن اس اعتراض اور جواب سے بھی خیال ہوتا ہے کہ شرع کی غیر مکمل پابندی کی نسبت جو اعتراض مجددیوں کو قادریوں پر
تھے اور جنھوں نے آگے چل کر داراشکوہ اور عالمگیر کی مخالفت کو چمکا دیا۔ وہ حضرت میاں میر کے زمانہ میں ہی رونما ہو چکے تھے۔"

وفات | حضرت میاں میر نے سہ شنبہ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۳ء) لاہور کے محلہ خاں پور میں وفات پائی۔ آپ نے
عزیز شادی نہ کی اس لیے کوئی اولاد نہ تھی۔ شیخ شاہ محمد المعروف ملا شاہ قادری آپ کے سب سے بڑے خلیفہ تھے جو آپ کی
وفات کے بعد جانشین ہوئے۔ ان کے علاوہ آپ کے چند خلفا یہ تھے:

شیخ نقتا خوجہ، شیخ اسماعیل، میاں حامد قادری، ملا عبد الغفور، میراں شاہ سعید، (جن کا مزار ڈیرہ بابا نانک کے قریب
دھرم کوٹ کے مقام پر ہے)، عبد العتی، شیخ نعمت اللہ سرہندی اور حاجی صالح۔

داراشکوہ نے حضرت میاں میر کی زندگی میں ہی سے بیعت نہ کی تھی مگر ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ ملا شاہ
قادری سے بیعت ہوا۔

ملا شاہ قادری | ملا شاہ قادری کا اصل وطن بدخشاں تھا۔ شیخ محمد اکرام ان کے حالات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

ابتداءً شباب ہی میں کشمیر آگئے اور وہاں سے لاہور آکر حضرت میاں میر کے مرید ہوئے۔ چونکہ لاہور کی گرمی آپ کو کمزور کر دیا جس کے لیے ناقابل برداشت تھی اس لیے آپ مرشد کی اجازت سے موسم گرما میں کشمیر تشریف لے جاتے جہاں داراشکوہ اور جہاں پانے آپ کے لیے دامن کوہ میں ہایک شاندار خانقاہ تعمیر کرا دی تھی۔ اور موسم سرما میں (جب تک مرشد زندہ رہے) لاہور آجاتے۔ تذکرہ نگار آپ کی ریاضتوں اور مجاہدوں کا اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ حیرانی ہوتی ہے۔ داراشکوہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ شروع میں آپ نے سات سال تک عشا کی نماز کے بعد سے صبح تک جس نفس سے ذکر خفی کیا ہے۔ ایک اور جگہ کہتا ہے (ترجمہ) آپ کی ریاضتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اب (۱۵۶ھ) تک تیس سال سے کچھ اوپر آپ نے ایک لفظ اور ایک لمحہ بھی نیند نہیں کی۔

ان غیر معمولی ریاضتوں کی وجہ سے آپ کی شخصیت میں بڑی کشش اور بات میں بڑی تاثیر پیدا ہو گئی تھی۔ جن دنوں آپ شہر میں مقیم تھے تو وہاں شیعہ سنی اختلافات زوروں پر تھے۔ آپ برسر مجلس چاروں خلفا کی تعریف کرتے۔ مخالفین بحث و مناظرہ کے لیے آتے، لیکن آپ اس خوش اسلوبی سے پیش آتے اور آپ کی بات میں اتنی تاثیر تھی کہ وہ متامل ہو جاتے۔۔۔ تصوف میں آپ کا طریقہ وحدۃ الوجود کا تھا۔ دوسرے مذاہب کے ہم مشرب لوگوں سے ملنے سے آپ کو احتراز نہ تھا۔ اور بسا اوقات ان پر نیک اثر ڈالتے، چنانچہ ایک کاشتہ کی نسبت جو ولی رام کے نام سے مشہور ہوا، کہتے ہیں کہ وہ پہلے فیصلہ حکومت کے تابع ایک برسر اقتدار امیر تھا۔ داراشکوہ اور ملا شاہ کے فیض صحبت سے اسے عشق الہی دامنگیر ہوا، اور سب جاہ و مال ترک کر کے شیخ ملا شاہ کے ہاتھ پر مرید ہوا۔۔۔۔۔

ملا شاہ کے کلام میں وحدت الوجودی رنگ ہے۔ بعض اوقات ان کے اشعار ایسے ہوتے جن پر لوگ شدید اعتراض کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ علما نے ان کے کافر اور واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا اور شاہان کو حد شرعی جاری کرنے کے لیے استدعا کی، مگر داراشکوہ نے معاملہ رنج دہش کر دیا۔

جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا، تو حالات نے پلٹا لکھایا اور علماء کے آواز اٹھانے پر اورنگ زیب نے ملا شاہ کو جواب دہی کے لیے طلب کیا۔ پھر حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ اورنگ زیب نے اپنا پہلا حکم منسوخ کر دیا اور شیخ کو پیغام بھیجا کہ کشمیر چھوڑ کر لاہور چلے آئیں اور ہمیں قیام کریں۔ چنانچہ ۱۰۴۰ء میں ملا شاہ لاہور چلے آئے۔ اب عمر زیادہ ہو گئی تھی اس لیے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ۱۰۶۱ء میں چند روز کی علالت کے بعد راہی ملک عدم ہوئے۔

حضرت میاں میرؒ حضرت میاں میر کی وفات کے بعد داراشکوہ نے روضہ کی تعمیر کے لیے مسالہ وغیرہ جمع کیا مگر قضا نے کار روضہ اسے تعمیر کا موقع نہ دیا۔ بعد ازاں اورنگ زیب خود قبور حاضر ہوا تھا اور روضہ اسی نے تعمیر کرایا۔ پہلے یہ روضہ ایک بلع کی شکل میں تھا، بعد ازاں ہمدی شاہ سجادہ نشین (متوفی ۱۰۹۸ھ) نے حضرت کے نام پر یہاں ایک گائڈ آباد کیا۔

روضہ کی چار دیواری میں قبروں اتنی زیادہ ہیں کہ وہ ایک اچھا خاصا قبرستان بن گیا ہے۔ یہ قبروں زیادہ تر حضرت میاں میر کے عزیزوں اٹھارہوں اور سجادہ نشینوں کی ہیں۔ انھیں قبروں میں حضرت کی دو بہنوں بی بی جمال خاتون اور بی بی جمال باوی کی قبریں بھی ہیں۔ ایک قبر شاہان کی بیٹی اور داراشکوہ کی بہن نادرہ بیگم کی ہے۔ یہ قبر بارہوی کے نام سے مشہور ہے اور حضرت میاں میر کے عہد میں تعمیر ہوئی تھی۔

ایک روایت آپ کے عقیدت مندوں میں ہر مذہب اور فرقے کے لوگ شامل تھے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جب کوہ پورہ ارجم دیو نے امرت سرائی دربار صاحب کی بنیاد رکھنا چاہی تو پہلے لاہور آکر حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی اس عبادت گاہ کا سنگ بنیاد رکھنے کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ امرتسر گئے اور دربار صاحب کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھا۔

۱۔ احاطہ مزار میں قبروں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ سوانح حیات میاں میر صاحب از پیر غلام دستگیر نامی۔ مدنی کتب خانہ لاہور (۱۹۱۲ء)
 ۲۔ نادرہ بیگم کی قبر حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ دو سال تک آپ کی خدمت کرتی رہی، پھر حضرت میاں میر نے انھیں اپنی خدمت سے روک دیا اور فرمایا کہ تم جہاں چلو گی ہو اس لیے اب گھر چلی جاؤ، مگر بارہویوں نے اس میں قدم رکھنے سے پہلے یعنی ۱۶۴۳ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔
 ۳۔ نادرہ بیگم کی حقیقت شہزادہ پرویز بن جہاںگیر کی بیٹی از بطن جہاں بیگم بنت سلطان مراد بن اکبر بادشاہ ہے۔ نادرہ بیگم کے شکم سے نادرہ شکوہ کے ہاں جہاں زینب بانو بیٹی ہوئی جسے بعد از قتل داراشکوہ اس کی بھوپھی جہاں آسا بیگم نے پرورش کیا۔ نادرہ بیگم کی شادی بڑی دھوم دھام سے شاہ جہاں نے ۱۶۴۳ء میں کی بھی۔ حوالہ بالا (م۔ع)

حضرت شیخ ابوالمعالی قادری لاہوری

ولادت _____ شنگھرہ (شیرگڑھ) - ۱۷۹۶ء

وفات _____ لاہور - ۱۰۲۴ھ

شیخ ابوالمعالی قادری پنجاب کے مشہور صوفی بزرگ تھے، جنہوں نے پنجاب میں قادریہ سلسلہ کی اشاعت کے لیے بہت کام کیا۔ شیخ داؤد کرمانی شیرگڑھی کے مرید اور خلیفہ اعظم تھے۔

اس کا نام خیر الدین تھا۔ کرمانی سادات میں سے تھے۔ جدی سلسلہ اٹھائیس واسطوں سے حضرت موسیٰ المبرقعہ بن امام محمد تقی الجوادؑ سے پہنچتا ہے۔ والد کا نام سید رحمت اللہ اور دادا کا نام میر سید فتح اللہ شاہ تھا۔ مرشدی سلسلہ چودہ واسطوں سے سید الاولیا شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔

۱۰ ذی الحجہ ۱۱۹۴ھ کو شیرگڑھ کے قصبہ میں پیدا ہوئے اس وقت ہندوستان پر بہائیوں کی حکومت تھی۔

آپ کے آبا و اجداد میں سے سید فیض اللہ اپنے بیٹے سید مبارک کرمانی کے ہمراہ ۱۱۹۴ھ میں کرمان سے ہندوستان تشریف لائے، اوچر میں سکونت اختیار کی جسے آج کل اورج شریف کہتے ہیں اور ریاست بہاول پور میں واقع ہے، بعد ازاں ملتان کے نواح میں داؤد جال نام ایک قصبہ میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ خاندان ۱۱۹۳ھ میں قصبہ شنگھرہ میں منتقل ہو گیا۔ اور یہیں شیخ ابوالمعالی پیدا ہوئے۔

ورور لاہور | شیخ داؤد شیرگڑھی سے جو آپ کے چھتی بڑا درزاوہ تھے، بیعت کی اور انہیں کے حکم سے لاہور تشریف لاکر خلق اللہ کی ہدایت میں مصروف ہوئے۔ وہ دو چلاہور کے وقت ۵۰ سال کی عمر تھی۔

آپ نے اپنے والد محترم کی صحبت میں رہ کر علوم ظاہری میں کمال حاصل کیا تھا پھر جب دل میں عشق حقیقی اور مجنون ہوا تو مستانہ وار نکل پڑے حضرت غوث پاکؒ کے عشق میں اویس طریقہ اختیار کر لیا اور جنگلوں کی غاک چھانتے رہے۔ بعد ازاں وہی گئے۔ وہاں سے لوٹنے پر شیخ داؤد کی مقاربت اختیار کی اور مسند قادریہ پر رونق افروز ہوئے۔ چنانچہ لاہور آ کر اسی سلسلے کی اشاعت میں سرگرم ہوئے۔ اس کا قلب الاقطاب کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔ لوگ جو قیامت و جوق خدمت میں حاضر ہونے لگے اور آپ انہیں علم و معرفت کی دولت سے مالا مال کرنے لگے۔

کرامتیں | آپ کے متعلق بہت سی کرامتیں بیان کی جاتی ہیں، منجملہ ان کے ایک نمایاں کرامت یہ ہے کہ جو بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا اسے اسی شب خواب میں حضرت غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔

۱۱۹۴ھ خلیفہ جیلانیؒ سے ریاست بہاولپور اب صوبہ پنجاب میں ضم ہو چکی ہے۔

تذکرۃ العارفین میں آپ کی کئی اور کرامتوں کا حال بھی درج ہے۔

تصانیف | حضرت شاہ ابوالمعالی نے یہ پانچ کتابیں لکھیں:

دیوان غربتی، تحفۃ القادری، رسالہ گلہ ستہ باغ ارم، رسالہ مونس جاں، زعفرانِ زار۔ ایک کتاب ان کے اشعار

پر مشتمل ہے۔

وفات | آپ کی ولادت دو شنبہ ۱۰ ذی الحجہ ۹۶۰ھ میں ہوئی اور ۱۶ یا ۱۷ ربیع الاول ۱۰۲۳ھ کو جہانگیر کے عہد میں آپ کی

وفات ہوئی۔

اولاد | شاہ ابوالمعالی کے ایک نواسے اور ایک پوتے ان کے حادثہ تھے۔ ان کی کچھ اولاد پنڈھارن خان اور پشاور کی طرف

بھی بتائی جاتی ہے۔

روضہ | آپ کا مزار لاہور میں فلیمنگ روڈ نزد میکو ڈروڈ واقع ہے۔ مزار کے قریب ایک مسجد ہے جو حضرت شاہ ابوالمعالی نے

اپنی زندگی میں تعمیر کرائی تھی۔ مسجد کے مشرق میں ایک کنواں ہے وہ بھی آپ نے خود تعمیر کرایا تھا۔ مقبرہ کے گرد نواح میں بہت

سب سے پہلے آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ محمد درویش نے جو برقعہ پوش کے نام سے مشہور تھے کبوتر پالنے

میں آتے ہیں۔ سب سے پہلے آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ محمد درویش نے جو برقعہ پوش کے نام سے مشہور تھے کبوتر پالنے

پھر رفتہ رفتہ اس کا رواج پڑ گیا۔

آپ کے مزار پر سال میں چار میلے لگتے ہیں۔ پہلا میلہ عرس کے موقع پر ۱۷ ربیع الاول کو منعقد ہوتا ہے، پھر عیدین اور شب

رات کے موقعوں پر بھی مزار پر میلے منعقد ہوتے ہیں جن میں دوکانیں سجائی جاتی ہیں۔ قوالی اور رقص و سرود کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں

ان تمام میلوں میں کثرت سے لوگ آتے ہیں۔

۱۰۲۳ھ میں آپ کا تخلص تھا۔ ۱۰۲۳ھ میں آپ کی دو اور تصانیف بھی ہیں (۱) حلیۃ سرور عالم (۲) ہشت محفل (ملفوظات میاں میر صاحب

مرتبہ محمد باقر) اولیاء لاہور مرتبہ محمد لطیف ملک سنگ میل پہلی کیشنر لاہور ۱۹۶۶ھ (۳) ۱۰۲۳ھ (۴) سفینہ الاریاء اور انگریزوں

کا کشی محمد بن زرقی کی کتابا باد و فتاکان میں من و فات ۱۰۲۳ھ تحریر ہے۔

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی

ولادت ————— سرہند ۹۷۱ھ

وفات ————— سرہند ۱۰۳۵ھ

ابوالبرکات امام ربانی شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ نقشبندی سلسلہ کے مشہور عسوقی بزرگ اور عالم ہیں۔ اور اس طریقہ میں بھی تجدید کر کے مجددیہ سلسلہ جاری کیا، چونکہ اس زمانے میں اسلام کی آبرومٹ رہی تھی اور حضرت شیخ سرہندی نے تجدید اسلام کی، اس لیے آپ کو مجدد الف ثانی کہا جاتا ہے۔

سرہند شریف | ہندوستان میں جہاں آج کل سرہند کا شہر آباد ہے، یہ کسی زمانہ میں جنگل تھا اور یہاں شیر رہتے تھے۔ جب شہر آباد ہوا تو اس مقام کا نام "سرہند" رکھا گیا، جو بعد ازاں "سرہند" ہو گیا۔

شیر ہند کی بنیاد فیروز شاہ تغلق نے رکھی۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب فیروز شاہ تغلق پنجاب کا خزانہ لے کر وہاں جا رہا تھا تو اس مقام پر پہنچا۔ لشکر میں ایک ولی اللہ بھی تھے، انہیں کشف سے معلوم ہوا کہ یہاں ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزار سال بعد ایک ایسا شخص پیدا ہو گا جو اپنے کمالات کے باعث وحید پلا مت ہو گا۔ چنانچہ فیروز شاہ نے اس کی بنیاد اسی وجہ سے رکھی۔ اس کی بنیاد حضرت امام رفیع الدین جو حضرت امام ربانی کے اسلاف سے نہایت باورع اور ولی اللہ ہیں اور حضرت بوعلی قلندر کے ہاتھوں سے رکھی گئی۔

ولادت اور نسب | حضرت مجدد ۲۶ جون ۱۵۶۲ء، ۱۴ شوال (۹۷۱ھ) کو شہنشاہ اکبر کے عہد میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مخدوم شیخ عبدالاحد حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید اور بڑے صاحب نسبت اور اہل علم بزرگ تھے۔ حضرت مجدد اپنے تین بھائیوں سے چھوٹے اور تین بھائیوں سے بڑے تھے۔ آپ کا نسب مبارک اٹھائیس واسطوں سے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اور طریقہ نقشبندی میں آپ کی ارادت حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی سے تھی۔ طریقہ عالیہ قادریہ میں شاہ سکندر کیتھلی سے وابستہ تھے۔ طریقہ عالیہ چشتیہ دسروردیہ میں اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد فاروقی قدس سرہ العزیز سے ارادت تھی۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد سرہندی نے اکثر کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں اور کچھ سرہند شریف کے دوسرے علما سے تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور سترہ برس کی عمر میں تمام علوم سے فارغ ہو گئے اور پھر تھوڑا سا درس و تدریس دینے کے بعد آپ آگرہ تشریف لے گئے اور ابوالفضل اور فیضی سے ملاقات کی۔ ان دونوں نے آپ کے

۱۰ سہرنہ یعنی بیشہ پلنگ (شیراں کا جنگل - شیراں کا مکن) (م. ح.)

تبحر علمی اور بے پایاں قابلیت کا اعتراف کیا۔

شروع میں آپ سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے اور ان سے تعلیم باطنی حاصل کی۔ خلافت حضرت شاہ سکندر کیتھلی سے حاصل ہوئی۔ حضرت شاہ سکندر ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بہت بڑے مشائخ میں سے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر بزرگوں سے بھی آپ نے باطنی تعلیم حاصل کی اور ترقی فرماتے رہے۔ غرض صرف سترہ سال کی عمر میں آپ ظاہری و باطنی کمالات کے جامع بن چکے تھے۔

قد مبارک متوسط، چہرہ انور باوجاہت، رنگ گندمی مائل سفیدی، پیشانی کشادہ، دائرہ گہنی اور آنکھیں بڑی بڑی۔ صورت اقدس انوار ولایت سے تاباں۔ خوبصورتی اور ملاحظت کے ساتھ آثار رعب و سمیت نمایاں۔ جو کوئی آپ کی زیارت کرتا، بے اختیار کہتا تھا: **اللہ اکبر! اللہ اکبر!**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا، جس کو صلہ کہیں گے یعنی دو چیزوں کو ملانے والا یہ حدیث شریف حضرت امام ربانی پر پوری صادق آتی ہے اور آپ ہی کے طفیل ظاہر و باطن جس کو زمانے نے الگ الگ سمجھ رکھا تھا۔ ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔

سیدنا غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے ایک جگہ میں ایک مراقبہ کے دوران ساعت بہ ساعت بڑھنے والے نور کا مشاہدہ فرمایا، القا ہوا کہ اس نور کا صاحب وہ عزیز امت ہے جو پانچ سو سال بعد ہمارے پیغمبر کی تجدید کرے گا اور اس کے فرزند و خلفا بارگاہِ احدیت کے صد نشینوں میں سے ہوں گے۔ حضرت غوث پاک قدس سرہ نے اس مشاہدہ کے بعد اپنا ایک خرقہ اپنے خلیفہ اکبر کے سپرد کیا اور کہا کہ یہ خرقہ امانت ہے اس شخص کی جس کے متعلق یہ القا ہوا۔ چنانچہ وہ خرقہ حضرت امام ربانی کو حضرت شاہ کمال کیتھلی کی وساطت سے پہنچا۔ ان کے علاوہ اور بھی بزرگان دین سے اس قسم کی بہت سی پیش گوئیاں حضرت امام ربانی کے متعلق منقول ہیں۔

والد صاحب کے انتقال کے بعد حضرت امام ربانی حج کے ارادے کے لیے دہلی تشریف لائے۔ وہاں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے کمالات کی شہرت سن کر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کے بانی ہیں حضرت خواجہ صاحب بڑی شفقت سے پیش آئے اور رہنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ حضرت امام ربانی حضرت خواجہ صاحب کی فرمائش پر ٹھہر گئے اور خواجہ صاحب سے بیعت ہو گئے۔ حضرت خواجہ صاحب نے اپنے ایک مرید کو حضرت امام ربانی کی آمد پر تحریر فرمایا:

” شیخ احمد نامی ایک عالم باعمل سرہند سے آئے ہیں۔ چند دن اس فقیر کے ساتھ اٹھے بیٹھے، عجیب و غریب حالات

ان کے دیکھنے میں آئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک چراغ ہوں گے جس سے سارا عالم روشن ہو جائے گا۔“

حضرت امام ربانی نے اڑھائی ماہ دہلی میں قیام فرمایا، اس کے بعد دوسری مرتبہ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو خلعتِ خلافت عطا کی گئی اور خاص خاص اصحاب کو تعلیم کے لیے حضرت خواجہ صاحب نے حضرت

امام ربانی کے سپرد کر دیا۔ تیسری مرتبہ حضرت نے چند قدم چل کر حضرت امام ربانی کا استقبال فرمایا اور بڑی بڑی بشارتیں سنائیں اور بہت کچھ اعزاز و اکرام کیا۔ چوتھی مرتبہ جب حضرت امام ربانی اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے ہندوستان آنے سے قبل استخارہ کیا، جس میں مجھے معلوم ہوا کہ ایک شیروں نعمتہ خوبصورت طوطا میرے ہاتھ پر اکر بیٹھ گیا ہے، میں اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال رہا ہوں اور وہ لبی چوچ سے میرے منہ میں شکر ڈال رہا ہے۔ میں نے یہ استخارہ اپنے مرشد حضرت شیخ خواجہ گلنگی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص اٹھے گا جس سے ایک عالم متور ہوگا اور تم کو بھی اس سے حسرت ملے گا۔ خواجہ صاحب نے اس کا مصداق حضرت امام ربانی کو فرمایا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ احمد (حضرت امام ربانی) ایک آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اس کی روشنی میں گم ہو جائیں۔ آسمان کے نیچے ان کی نظیر نہیں ہے اور ان جیسے اس امت میں چند ہی آدمی گزرے ہیں۔ ایک بار حضرت خواجہ نے حضرت امام ربانی سے فرمایا کہ ہم نے یہاں (سرہند میں) ایک بہت بڑا چراغ روشن کیا۔ اس کی روشنی آٹا نانا بڑھنے لگی، پھر ہمارے جلائے ہوئے چراغ سے بیسیوں چراغ جل گئے، اس سے مراد تم ہو۔

ادھر مغل بادشاہ اکبر تخت سلطنت پر تھا۔ بے دینی اور شرک کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ کفار نے بے خوف و خطر کئی مساجد کو شہید کر کے وہاں مندر بنایا۔ کاکوشی کے دن (جو کہ ہندوؤں کے برت کا دن ہے) کے لیے بادشاہ نے یہ اہتمام کیا تھا کہ اس دن شہروں میں کوئی مسلمان دن کو روئی نہ پکائے۔ برعکس اس کے رمضان شریف میں کھلے بندوں کھانا پکایا جاتا اور فروخت کیا جاتا اور اہل اسلام کی پستی کے سبب کوئی مزاحم نہ ہو سکتا تھا۔ علماء اور فقراء کے ہاتھ میں عوام کی اصلاح ہوتی ہے۔ علماء تو آپس کے حسد کا شکار ہو گئے تھے اور جو اس فتنہ سے بچے تھے ان کے پاس اقتدار نہ تھا۔ اور جن نام نہاد فقراء کو خطابات اور نوازشات سے نوازا جاتا تھا ان میں سلوک کے عروج و زوال کی خبر تک کسی کو نہ تھی اور عیش پسندی اور ہوا پرستی کے خاردار صحرا میں جھٹک رہے تھے۔ یہی نہیں بلکہ نااہل اشخاص کو مرشد اور ولی اللہ اور قطب جیسے جلیل الشان خطابات سے نوازا گیا۔ اور ان تن آسان اور اغراض پرستوں نے عوام کے خیالات سے شریعت کی پیروی کی اہمیت مٹادی اور سنت نبوی کا احیا مشکل ترین ہو گیا۔

ایسے تاریک دور میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز ہی ایک ایسی شخصیت تھی جو اعلیٰ کلمتہ النجی میں مشغول تھی۔ چنانچہ آپ سرہند سے آگرہ پہنچے، ان دنوں اس کا نام اکبر آباد تھا اور اکبر کے مقربین کو بلوا کر ارشاد فرمایا: "بادشاہ اللہ اور اس کے رسول کا باغی ہو گیا ہے، جاؤ میری طرف سے اسے کبہ دو کہ اس کی بادشاہی اس کی طاقت، اس کی فوج سب کچھ ایک دن مٹ جانے والی ہے، وہ تو بہ کر کے خدا اور رسول کا اجدار بنے ورنہ اللہ کے غضب کا انتظار کرے۔"

ان لوگوں نے جا کر بادشاہ سے کہا، لیکن اکبر جو اپنے سینے دین کے عروج کے خواب دیکھ رہا تھا، اس نے حضرت امام ربانی سے چاند کی گیارہویں تاریخ

کے پیغام کی کچھ پروا نہ کی اور اپنے فتنہ کی کامیابی کے اظہار کے لیے خاص دن مقرر کر کے دربار اکبری سجایا۔ دوسری طرف بارگاہ محمدی بنایا۔ اکبر کا خیال تھا کہ میری بادشاہت اور سلطنت کے مقابلہ میں پرانے اور بوسیدہ مذہب کے پیرو کہاں باہر نکلیں گے۔ اور اس طریق سے ہی فخر الاولین والاخرین سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے مقابلہ میں اپنے شیطانی مسلک کو فروزا کر سکیں گے۔ اور انے والی نسلیں میرے رعب و داب کا رنگہ مانیں گی۔ اسے کیا خبر تھی کہ امام ربانی مجدد الف ثانی ایسا ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع اس دنیا کو اپنی آمد سے منور کر چکے ہیں۔ چنانچہ اکبر نے اپنے دربار میں بواہوسوں کی جہرب زبانی کے لیے نہایت پورے تکلف کھانے تیار کروائے تاکہ شکم کے بندوں کا گروہ گدھوں کی طرح اس مردار دنیا کی طلب میں اکٹھا ہو جائے اور ایسا ہی ہوا کہ اکبر اور اس کے ہاشمیہ نشین خوشامدی، چاچوس اور ڈیوڈ میٹک لوگ جن کے نفس نے انہیں شرعی احکام کی تکلیفوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے دین سے باغی ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس دہانہ میں اکٹھے ہو گئے۔

دوسری طرف دربار محمدی لگایا گیا، اجوان تمام تکلفات سے بری تھا، لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی غیرت اسلامی ایک گوارا کر سکتی تھی کہ شہنشاہ اکبر آقائے اہل جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی تذلیل کرے۔ چنانچہ حضرت مجدد اپنے چند عزیز دوستوں کے ساتھ اس کے دربار میں جلوہ افروز ہوئے۔ تھوڑی دیر گزری کہ ہوا کا ایک سخت طوفان آیا اور اکبری دربار تہ و بالا ہو گیا۔ خیموں کی چوبیس اس زور سے اکٹھریں کہ ہزار خانہ طوتوں کے باوجود اکبر بھی ان کی زد سے نہ بچ سکا اور زخمی ہو گیا، لیکن مجدد صاحبؒ کی قیامگاہ بالکل محفوظ رہی اور ذرا سا بھی نقصان نہ ہوا۔

اکبر کی موت کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت کا وارث ہوا، اتفاق سے جہانگیر کی بیوی نور جہاں شیعہ مذہب رکھتی تھی، اگر بہت خوبصورت تھی، اس وجہ سے جہانگیر نور جہاں کے حسن کا متوالا ہو گیا اور امور سلطنت تقریباً قریباً نور جہاں ہی کے سپرد کر دیے اور یہاں تک وارفتہ ہو گیا کہ اکثر کہا کرتا تھا، میں نے سلطنت نور جہاں کو بخش دی۔ ایک سیر شراب اور آدھ سیر گوشت کے سوا مجھے کچھ نہیں چاہیے۔

حضرت امام ربانیؒ احیاء سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوشاں تھے اور آپ نے تبلیغ حق کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر شروع کر دیا تھا۔ بواہوس لوگ آپ سے جلنے لگے اور آپ کے خلاف غلط شہرت پھیلانی شروع کر دی۔ آپ کے مکتوبات میں طرح طرح کی بے بنیاد اور غلط عبارتیں شامل کر کے علماء کو آپ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا اور بادشاہ کا بھی آپ کے خلاف بھردیے۔ سب سے پہلے نور جہاں کا شیعہ ہونا اس بات کا مقتضی تھا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک کہیں جہانگیر اختیار نہ کرے اور اس میں ایک سیاسی پہلو بھی تھا کہ نور جہاں اپنے داماد کو تخت و تاج کا وارث بنانے میں کوشاں تھی اور حضرت امام ربانی کی روافض کے رد میں بے باکانہ جرات نور جہاں کو سیخ پا کر رہی تھی اور مجدد صاحبؒ اور آپ کے ساتھ نور جہاں کی نگاہ میں معتوب و مقہور ہو چکے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ رقص و سرود کی محفلوں کے شیدائوں کے لیے طریقہ نقشبندیہ جس میں اتباع سنت کی تاکید تھی ابرا فروختہ کر دیا تھا۔ مکتوبات شریف کی دو جلدیں اس وقت مرتب ہو چکی تھیں۔ چنانچہ ایک شخص حسن خاں نامی کابن کا رہنے والا

حضرت مجدد صاحبؒ کی بیعت ہوا۔ چند دن بعد آپ کے ایک متوسل سے اس کی آزدگی ہو گئی۔ تھوڑے ہی دن اسے حلقہ ارادت میں آئے ہوئے تھے، طبیعت کی کجی اور نفس کی شرارت میں مبتلا ہو کر اس نے ناراضگی کا بدلہ حضرت امام ربانی سے لینے کی ٹھان لی۔ چنانچہ اس نے مکتوبات شریف میں تحریف کر کے کفر اور زندیقانہ عبارتوں کے اضافہ کے ساتھ بیس نقلیں مرتب کیں اور ہندوستان و افغانستان کے مشہور مشہور علما اور مشائخ کے پاس وہ نقلیں بھیج کر ان سے فتاویٰ طلب کیے۔

یہ ایک زبردست فتنہ تھا، ہندوستان کے جلیل القدر اور صاحب علم و فضل حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور آپ کے حضرت مجدد کی تردید میں چند رسالے اور مضامین لکھ ڈالے۔

حضرت امام ربانی کی مخالفت میں اچھا خاصا محاذ بن گیا۔ جہانگیر نے آپ کو دربار میں طلب کیا۔ آپ تشریف لے گئے اور چند سوالات و جوابات کے بعد بادشاہ کی تسلی کر دی۔

حضرت امام ربانی کی مخالفت میں ذاتی اقتدار، حسد اور غلط فہمیاں تینوں اپنی اپنی جگہ کام کر رہی تھیں، جس کے نتیجے کے طور پر حضرت امام ربانیؒ کو دربار میں طلب کیا گیا تھا، مگر دشمنوں کی چال کار گرتہ ہوئی۔

مخالفین نے جب یہ دیکھا کہ ہمارا کیا کرایا سب بیکار ہو گیا اور بادشاہ امام ربانی کی طرف سے مطمئن ہو گیا ہے تو انہوں نے جہانگیر کو حضرت مجددؒ کے خلاف سیاسی رنگ میں بھڑکانا شروع کر دیا اور اسے خائف کرنا شروع کر دیا کہ:

” احمد سرہندی حکومت کا باغی ہے، بڑا سرکش اور خطرناک آدمی ہے۔ دربار میں مسجد کا رواج جو شاہ اکبر کے وقت سے آ رہا ہے، اس کے خلاف فتوے بھی دے چکا ہے اور اس کے پاس ایک لاکھ زرہ پوش سوار موجود ہیں، یہ کسی نہ کسی وقت بغاوت کر دے گا۔“

جہانگیر کے لیے یہ سیاسی خطرہ مذہبی خطرہ سے بھی زیادہ تشویشناک تھا، مکتوبات کی تحریف شدہ عبارتیں اور حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی کے تردیدی مضامین بھی حاسدوں نے بادشاہ کی نظروں سے گزارے ہوئے تھے۔

جہانگیر نے امراد واراکین کو جمع کیا اور حضرت امام ربانی کے متعلق مشورہ کیا۔ مختلف راؤں کے بعد بادشاہ نے اپنے وزیر آصف جاہ (جو کہ شیعہ تھا) کی رائے پر اتفاق کیا کہ جو امراد حضرت امام ربانی کے حلقہ بیعت میں آچکے ہیں انہیں دور

دور علاقوں پر تنخواہیں بڑھا کر تبدیل کر دیا جائے اور اس کے بعد جو کارروائی کی جائے بہتر رہے گی۔ چنانچہ خانخانان کو ملک کن پیر، سید صدر جہاں کو مشرقی ممالک پر، خان جہاں لودھی کو ناوہ پیر اور ہما بت خاں کو کابل پر تعینات کیا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی

امراد اسی طرح آگ آگ علاقوں کی گورنری پر مقرر کر کے روانگی کا حکم دے دیا اور پھر دوسری بار حضرت امام ربانیؒ کو بادشاہ نے طلب کیا اور آداب شاہانہ یعنی سجادہ کا مطالبہ کیا۔ مگر خدائے قدوس کی بارگاہ میں جھکنے والا سر نہیوی بادشاہوں کے دربار میں

کب جھک سکتا ہے۔ حضرت امام ربانی نے اس غیر شرعی تعظیم سے سختی سے انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ

”سوائے خدا کے کسی کو سجدہ جائز نہیں اور اسے جہانگیر کیا یہ کھلی ہوئی حماقت نہیں کہ میں اپنے ہی جیسے ایک

بے بس اور مجبور انسان کو سجدہ کروں :-

جہانگیر یہ الفاظ سن کر غیظ و غضب سے بھر گیا۔ وہ کبھی یہ باور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ میرے پرہیزگاروں کو جرات ہو سکے گی کہ میرے حکم کی خلاف ورزی کرے اور اتنی بے باکی اور بے غوفی سے گفتگو کرے اور حقیقت بھی یہی تھی کہ آج تک سچی بات کہنے والا اس کے ہاں آیا ہی کون تھا۔ جو لوگ اس وقت اسلام کے پاسبان اور نگہبان ہونے کے مدعی تھے وہ صرف بادشاہ جہانگیر کی خوشی کے خواہاں تھے، انھیں احکام الحاکمین کی رضا سے کیا واسطہ تھا، لیکن خدا کی زمین پر ستاربان توحید اور شریعت نبوت کے پرہیزگاروں سے کبھی خالی نہیں ہوتی اور پھر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسا عظیم البرکت انسان جو محبوبیت کے گوارے میں پلا ہوا اور آتاتِ اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یخفون کا صحیح مصداق ہو اور جہانگیر ایسے پروا بادشاہوں کو راہ بد لگانے کے لیے پروردگار عالم نے جسے قبولیت کی خلعت سے نوازا ہو، نبوی جاہ و جلال، رعب و داب سے کیسے مرعوب ہو سکتا تھا۔

دشمنوں نے اپنی چال کامیاب ہوتے دیکھ کر بغلیں بجانی شروع کیں۔ وہ اسی تاک میں تھے کہ اگر امام ربانی سجدہ تعظیمی سے انکار کریں گے تو بادشاہ کے معتوب ہوں گے اور اگر سجدہ کر گئے تو مریدین کی نظروں سے گر جائیں گے۔ اور عوام المسلمین بھی انھیں ساقط الاعتبار سمجھیں گے۔

علماء نے ان امراء کی پاس خاطر حضرت امام ربانی کے قتل کا فتویٰ دے دیا، جن میں شاہ عبدالحمید محدث دہلوی بھی شامل تھے، لیکن بعد میں اپنے کیے پر پھٹتے اور حضرت امام ربانی کے کمالات کے معترف ہو گئے۔ قدرت کاملہ نے اس عظیم المرتبت جامع کمالات ہستی کو ایک جہان کی ہدایت و رشد کا ذریعہ بنایا تھا۔ جہانگیر نے بھی موت کا حکم تو دے دیا، مگر تھوڑی دیر کے بعد مقلب القلوب نے اس کے دل کو اس حکم سے ٹوٹنے کی توفیق بخشی اور کچھ سوچ کے بعد حضرت امام ربانی کو جیل بھیج دینے پر اکتفا کی۔

قدرت الہی کا کرشمہ سمجھیے کہ جہاں نور جہاں کی شیعیت کی وجہ سے بعض مفسر اس فتنہ میں مبتلا تھے۔ وہیں اکثر امراء سلطنت حضرت امام ربانی کی عقیدت اور محبت دل میں رکھتے تھے، حتیٰ کہ شہزادہ خرم جو بعد میں شاہ جہاں کے نام سے موسوم ہوا، آپ سے خاصی عقیدت رکھتا تھا، اس نے اپنے خاص الخاص دو محمد افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمن کو حضرت امام ربانی کی خدمت میں بھیجا اور فقرے کی کتابیں جن میں سجدہ تعظیمی کی اباحت بتائی گئی تھی، ساتھ کیں۔ اور کہا بھیجا، اگر جناب بادشاہ سے ملاقات کے وقت سجدہ کر لیں تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچ سکے گی۔

اس پیغام کے جواب میں حضرت امام ربانی نے جو ارشاد فرمایا وہ یہ ہے :

”جان بچانے کے لیے یہ بھی جائز ہے، مگر عزیمت اسی میں ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے :-“

جہانگیر نے آپ کو قید و بند کی صعوبتوں میں ڈالنے کے حکم کے علاوہ آپ کے دولت کدہ کو بھی ٹوٹنے کا حکم دیا، مگر صبر و تسلیم کے اس مجسمہ نے آف تک بھی زبان سے نہ نکالا۔ پروردگار حقیقی پر کامل ایمان رکھنے والے پیکر نور اور اخلاق محمدی کی زندہ تصویر نے تکلیف

دینے والوں کے حق میں بددعا تک نہ کی، بلکہ اپنے متوسلین کو اسی اخلاقِ محمدی کا منظر بننے کی تلقین کی۔

قید خانہ سے پہلے حضرت امام ربانیؒ اپنے دوستوں سے فرمایا کرتے تھے کہ معترب ہم پر ایک بلا نازل ہوگی جو ہمارے لیے مقامات و ولایت کی ترقی کا باعث ہوگی، کیوں کہ امتحانات کی بڑی منزلیں گزرنے کے بغیر ان ترقیوں کا حصول ممکن نہیں۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد حضور اکرم فدواہ ابی و امی کے اس ارشاد کے معنی سمجھانا ہے کہ

اَلْقَوُّوْا نَسَا سَبَّ الْمُوْصِنِ فَاِنَّهُ يَنْظُرُ بِتُوْبَرٍ اِلٰہِ

مختصر یہ کہ حضرت امام ربانیؒ کو اجین (ریاست گویا) کے قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ گویا یہ قید خانہ ان لوگوں کے

لیے مخصوص تھا، جن کو حکومت کا باغی قرار دیا جاتا تھا۔ حضرت امام ربانیؒ جب وہاں پہنچے تو کئی ہزار نفوس کو وہاں پایا جن میں ہزار

غیر مسلم بھی تھے۔ آپ کے قدم میمنت لزوم اس جیل خانہ کے قیدیوں کے لیے رشد و ہدایت کا باعث ہوئے۔ غیر مسلم اسلام کی

لازوال دولت سے مالا مال ہوئے اور باقیوں نے حسب استعداد ظاہری و باطنی کمالات کے خزانوں سے جھولیاں بھر بھر کر اپنے

سینوں کو مالا مال کیا۔ جیل خانہ میں کوئی قیدی ایسا نہ رہا جسے امام ربانیؒ کے دستِ سخا نے علم کی دولت اور کمالات روحانی سے

محروم رکھا ہو۔ وہ قیدی جو قید خانہ کی غیرانوس زندگی کو اپنے لیے ایک لعنت کا طوق سمجھتے تھے، حضرت امام ربانیؒ کی موجودگی کے

باعث اسی قید خانہ کو جنتِ ارضی کا واحد مقصد عیش و طرب کی محفلیں سمجھے ہوئے تھے اور قید خانہ کی دیواریں ان کے راستے میں ہانکی

تھیں، حضرت امام ربانیؒ کے فیوض و برکات کی بدولت عشقِ الہی کی سرمدی نعمت کو دلوں میں سمیٹ کر لات کی تار کیوں ہی خائے

لم یزل کی بارگاہ میں سر جھکانے کے مشتاق بن گئے۔ مجدد الف ثانیؒ ایسے مسخا نے چشمِ زدن میں ان کی کاپا پلٹ دی اور انہیں

تانبے سے کندن بنا دیا۔

جہاں گیری سلطنت کے عمائدین جو کہ حضرت امام ربانیؒ سے عقیدت رکھتے تھے، انہیں پہلے ہی و در مقامات پر تعینات کر

دیا تھا۔ یہ بھی سلطنت کی ایک سیاسی چال تھی، تاکہ امام ربانیؒ سے عقیدت رکھنے والے یہ صاحبِ اقتدار کوئی ایسا قدم نہ اٹھا سکیں

جس سے سلطنت کی عمارت و مہرلام سے نیچے آگے اور حقیقت بھی یہی تھی۔

چنانچہ حضرت امام ربانیؒ کی قید کی خبر سن کر خانانہاں، اخلانِ اعظم، سید صدر جہاں، اسلام خاں، مہابت خاں، ترضی خاں

قریب خاں، خان جہاں لودھی، سکندر خاں، حیات نہیں، ریاض خاں جو سلطنت جہاں گیری کے ممتاز رکن تھے، سمیت بے چین

ہو گئے اور بغاوت پر تیار ہوئے۔ آپس میں خط و کتابت کی اور سب نے متفق ہو کر مہابت خاں کو جو کابل کی گورنری پر متعلق تھا اپنا

سرگروہ تسلیم کر لیا اور اسے فوج و خزانہ سے مدد دی۔ مہابت خاں نے بادشاہ کی اطاعت سے سر بھیر لیا اور بادشاہان بدخشان و

خراسان اور توران سے امداد لے کر جہاں گیری پر فوج کشی کا حکم دے دیا خطیر اور سیکہ سے بادشاہ کا نام کھل دیا جہاں گیری بھی اپنا لاشکر

لے کر مہابت خاں کے مقابلہ کو کابل کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں گیری کے کابل کی طرف جانے کے

بعد باقی امر بادشاہ کے باغی ہو گئے۔ انھوں نے بھی انحراف کر کے ملک پر قبضہ کر لیا اور شاہی طرفداروں کو جو کہ تور جہاں کے مسئلہ

تھے برطرف کر دیا۔

اب معاملہ صاف تھا۔ بادشاہ کے باغی امراء نے حضرت امام ربانی سے استدعا کی کہ ہماری شاہی مسند کو رونق بخشی جائے اور اس کے ساتھ ہی اپنے سمرانجام دیے ہوئے کام کی تفصیل آپ تک پہنچائی۔ مگر حضرت امام ربانی نے اس کے جواب میں تمام امراء کو تحریر فرمایا:

”مجھے سلطنت کی ہوس نہیں اور میں تمہارے فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتا۔ میں نے جو قید کی تکلیف اٹھائی وہ اور کام کے لیے ہے۔ جب وہ کام پورا ہو جائے گا میں خود بخود تمہاری کوشش کے بغیر ہی قید سے رہا ہو جاؤں گا۔ یہ فساد میرے کام کے لیے رکاوٹ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم بغاوت سے باز آ جاؤ اور فوراً اپنے بادشاہ کی اطاعت قبول کر و میں بھی ان شاء اللہ جلد ہی قید سے آزاد ہو جاؤں گا۔“

ادھر ہابٹ خاں بادشاہ جہانگیر کے مقابلہ پر تھا۔ اس اثنا میں جہانگیر کی فوج میں سے بہت سے آدمی ہابٹ خاں کے ساتھ جا ملے اور بادشاہ محصور ہو گیا۔ اصف جاہ کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور اس کی ابھی خاصی درگت کی گئی۔ تمام شرارتوں کی بڑھی یہی تھا اور اسی کے پڑھائے ہوئے سبق نور جہاں کی معرفت جہانگیر کی اصلاح میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ جہانگیر اور اصف جاہ کی گرفتاری کی خبر نور جہاں کو ملی تو وہ بھی امداد کے لیے پہنچی۔ ہابٹ خاں نے اسے بھی قید کر لیا اور چاہتا تھا کہ ان تینوں کو حضرت امام ربانی کے قید کرنے کا مزہ چکھائے کہ عین اسی وقت حضرت امام ربانی کا وہ مکتوب جو آپ نے امراء کو لکھا تھا، ہابٹ خاں کو پہنچا اور اپنے ساتھ امراء کی طرف سے بھی حضرت امام ربانی کے مکتوب سے مشرف ہونے اور اس کے مضمون کے متعلق خطوط ملے۔ ہابٹ خاں حضرت امام ربانی کا حکم پڑھ کر جہانگیر کے پاس آیا اور کہا کہ میں حضرت کے حکم سے آپ کو رہا کرتا ہوں اور جہانگیر کو تخت پر بٹھا کر سوائے سجدہ کے تمام شاہی آداب بجالایا۔

بڑے بڑے افسران فوج، حکام اور عہدیداران حضرت امام ربانی کے متوسلین میں شامل تھے جن میں شیخ فرید، ہابٹ خاں، اسلام خاں، سکندر خاں، حکیم فتح اللہ خاں، شیخ عبدالوہاب، سید محمود اختر، سینا احمد، خضر خاں لودھی، مرزا بدیع الزمان، جبار خاں، خان جہاں، علی خاں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کی اصلاح کے لیے کس کس طبقہ کو چنا، یہ چیز آج بھی مسلمانوں کی رہنمائی کرے گی۔

سب سے اول آپ نے ان غریب و فقراء کی جماعت تیار کی جو عملی نمونہ بن کر لوگوں کے سامنے اسلامی روایات پیش کر سکیں اس لیے آپ نے روحانی کمالات سے کام لیا۔

دوسرے درجہ پر آپ نے اہل علم اور سنجیدہ طبقہ کے ذہنوں میں انقلاب پیدا کیا اور صحیح عقائد اسلامیہ ان تک پہنچائے۔ اس کے لیے آپ علم و استدلال کی طاقت حرکت میں لائے۔

تیسرے درجہ پر ان امراء کو جو خالص سنی المذہب تھے اور با اختیار تھے، اپنی ذمہ داریاں محسوس کرنے کی تلقین کی اور ان کی عزت کو ملحوظ رکھتے ہوئے انھیں اپنے مکتوبات شریف سے نوازا اور ان کی تسلی و تشفی فرماتے رہے۔

چوتھے طبقہ پر بادشاہ جو کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ با اختیار تھا اس کی اصلاح کے لیے آپ کو مختلف صعوبتوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن یہ ایک نفیس نکتہ تھا جس کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ النَّاسُ عَلَى دِينِ مُلُوكِهِمْ پہلے تین درجوں میں حضرت امام ربانیؒ بہترین کامیابی حاصل کر چکے تھے۔ اب صرف آخری درجہ باقی تھا اور اس میں کامیابی کے لیے آپ نے قید و بند کی مصیبتیں اٹھائیں۔

حقیقت میں اصلاح کے لیے قدم اٹھانا بواہوسوں کی نظر میں ایک سیاسی شغل سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور وہ لوگ عمداً یا سہواً اس نیک نیتی کو سیاست میں کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت عرب کی زمین میں خدا کا نام بلند کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تو بد باطن لوگوں نے یہی اتہام آپ پر لگایا کہ آپ بادشاہی چاہتے ہیں یا مال۔ جس چیز کی آپ کو تمنا ہو لیجیے، مگر ہماری اصدنام پرستی میں دخل نہ دیجیے۔ اس وقت آپ نے کفار سے فرمایا کہ مجھے ان چیزوں کی خواہش نہیں، میں تو حکم الحاکمین کی وحدانیت کا سبق پڑھانے آیا ہوں۔ بالکل یہی طریقہ حضرت امام ربانیؒ کے متعلق مخالفین نے اختیار کیا حضرت امام ربانیؒ کو ایک سیاسی ہرہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔

اصلاح کا کام جب ایک منظم طور پر ہو رہا ہو تو یقیناً تخت نشین خائف ہوتے ہیں اور درپے اُزار ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام ربانیؒ کا طریق اصلاح اس طور سے بے غرض اور ریا سے پاک تھا کہ بادشاہ باوجود اپنے جاسوسوں کی رپورٹوں کے کوئی ایسی چیز اخذ نہ کر سکا، جس میں سوائے خدا کا نام بلند کرنے اور شریعت محمدی کے اجرا، زہد و تقویٰ اور کفر و طغیان سے بیزاری کا وہ کچھ مل سکتا اور سب سے بڑھ کر یہ چیز کہ جن متوسلین نے جوشِ محبت میں آکر بادشاہ سے بغاوت کی تھی انھیں حضرت امام ربانیؒ نے اس کام سے روک دیا اور وہ بدستور بادشاہ کو بادشاہ کی حیثیت سے دیکھنے لگے۔ اس سے بڑھ کر اخلاص کا امتحان جہانگیر کو کیا چاہیے تھا۔ طبیعت کچھ مٹی اور حضرت امام ربانیؒ کے متعلق سیاسی شکوک رفع ہو گئے اور آپ کی رہائی کے احکام جاری کر دیے۔

حضرت امام ربانیؒ رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ جہانگیر کو جو عقیدت ہو گئی تھی، اس کا ذکر کتابوں میں یوں لکھا ہے:

کہ کشمیر سے آتے جاتے دو دفعہ بادشاہ نے حضرت امام ربانیؒ کے لنگریا باورچی خانہ سے کھانا کھانے کا شرف حاصل کیا۔ کھانا اگرچہ سادہ تھا مگر بادشاہ نے کہا کہ میں نے ایسا لذیذ کھانا آج تک نہیں کھایا۔

نیز یہ بھی لکھا ہے کہ جہانگیر آخر عمر میں کہا کرتا تھا:

”میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو، البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے، اس کو اللہ کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ دستاویز یہ ہے کہ مجھ سے ایک روز شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے۔“

امام ربانی علیہ الرحمۃ کی تصنیفات میں سے حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں:

(۱) مکتوبات شریف (۲) مبدا و معاد (۳) معارف لذنیہ (۴) مکاشفات غیبیہ (۵) شرح رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ (۶) رسالہ تہلیلہ (۷) رسالہ فی اثبات النبوة (۸) رسالہ بسلسلہ حدیث وغیرہ۔

اب ہم آپ کی بلند پایہ تصنیف مکتوبات شریف سے چند مکتوب پیش کرتے ہیں مقصد یہ ہے کہ آپ کی تعلیمات کا صحیح مزق ذہن میں آجائے۔

توحید

چاہیے کہ پہلے باطل خداؤں کی نفی کر کے معبود برحق جل شانہ کا اثبات کرے اور جو کچھ جوئی و چندی کے داغ سے موسوم ہو اس کو لاد کے نیچے داخل کر کے خدا سے بیچون کے ساتھ ایمان لائے۔ سب سے بڑھ کر عبادت کلمہ طیبہ لَدَّالْمَوَالِیَّ اللّٰہُ کی نفی و اثبات میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ اگر میرے سوا سات آسمانوں اور سات زمینوں کو ایک پتہ میں اور کلمہ لا الہ الا اللہ کو دوسرے پتہ میں رکھا جائے تو کلمہ والا پلہ بھاری ہوگا۔ کیوں افضل و راجح نہ ہو جب کہ اس کا ایک کلمہ تمام ماسوائے حق یعنی آسمانوں، زمینوں اور عرش و کرسی و لوح و قلم و علم و آدم کی نفی کرتا ہے اور اس کا دوسرا کلمہ معبود برحق کا اثبات کرتا ہے، جو زمینوں اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ نفس و افاق میں ہے سب جوئی چندی کے داغ سے لٹھڑا ہوا ہے۔ پس جو کچھ نفس و افاق کے اُتینوں میں جلوہ گر ہوا، بطریق اولیٰ چند و چون ہوگا، جو نفی کے لائق ہے۔

حضرت خلیل علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں اَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِمَّا تَعْمَلُونَ (کیا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو تم اپنے ہاتھ سے بناتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا ہے) ہمارا اپنا تراشا ہوا اور بنایا ہوا خواہ ہاتھ کے ذریعے ہو خواہ عقل و وہم کے ساتھ سب حق تعالیٰ کی مخلوق ہے اور عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق وہی خدا ہے بیچوں و بیچگوں ہے، جس کے دامن ادراک سے ہماری عقل و وہم کا ہاتھ کوتاہ ہے۔ اور ہماری کشف و شہود کی آنکھ اس کی عظمت و جلال کے مشاہدہ سے خیرہ اور تباہ ہے۔ ایسے خدا ہے بیچوں و بیچگوں کے ساتھ غیب کے طریق کے سوا ایمان بیسز نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ایمان شہود حق تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں ہے بلکہ اپنی تراشیدہ اور بنائی ہوئی چیز کے ساتھ ہے کہ وہ بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ گویا ایمان شہود وغیرہ کے ایمان کو حق تعالیٰ کے ایمان کے ساتھ شریک کرنا ہے۔ اَعَادْنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہُ عَنِ ذَالِکَ۔

ردّ شرک

حق تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بنایا جائے۔ نہ ہی وجوب وجود میں اور نہ ہی عبادت کے استحقاق میں جس شخص کے

لے ان کے علاوہ آپ کے مندرجہ ذیل رسائل کے نام بھی کتابوں میں ملتے ہیں (۱) رسالہ آداب المریدین (۲) تعلیقات عوارث

(۳) رسالہ علم حدیث۔ (۴) رسالہ جذب و سلوک (م۔ ع۔ م)

اعمال ریا و سمع سے پاک ہوں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اجر طلب کرنے کے خشنہ سے صاف نہ ہوں۔
 اگرچہ وہ طلب قول اور ذکر جمیل سے ہو وہ شخص دائرہ شرک سے باہر نہیں ہے اور نہ ہی وہ موحد و مخلص ہے۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شرک میری امت میں اس چوٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے
 جو سیاہ رات میں سیاہ پتھر پر چلتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرک اصغر سے بچو۔ یاروں نے عرض کیا کہ شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا ریا۔
 شرک و کفر کی رسموں کی تعظیم کو شرک میں بڑا دخل اور رسوخ ہے اور شرک کی تصدیق اور اظہار کرنے والا اہل شرک
 میں سے ہے اور اسلام و کفر کے مجموعہ احکام پر عمل کرنے والا ہے۔ کفر سے بیزار ہونا اسلام کی شرط ہے اور شرک
 سے پاک ہونا توحید کا نشان۔ دکھ، درد اور بیماریوں کو دور کرنے کے لیے اصنام اور طاغوت یعنی بتوں اور
 شیطانوں سے مدد مانگنا جو جاہل مسلمانوں میں شائع ہے، عین شرک و گمراہی ہے اور تراشیدہ اور ناتراشیدہ
 پتھروں سے حاجتوں کا طلب کرنا یہ واجب الوجود جل شانہ کا محض کفر و انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض گمراہوں
 کے حال کی شکایت بیان فرماتا ہے:

يُرِيدُونَ أَن يُتَّكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهَا وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن
 يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۗ لَئِن لَّمْ يَظْهَرِ لَهُمْ أَنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۗ
 اس کا انکار کریں، لیکن شیطان چاہتا ہے کہ ان کو سخت گمراہ کرے (اکثر عورتیں کمال جہالت کے باعث اس
 قسم کی ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں۔ اور ان بے مسمیٰ اسموں سے بلیہ و مصیبت کا دفع ہونا طلب کرتی ہیں،
 اور شرک اور اہل شرک کی رسموں کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں۔ خاص کہ مرض چھپک کے وقت نیک و بد عورتوں
 سے یہ بات مشہور و محسوس ہوتی ہے۔ شاید ہی کوئی عورت ہوگی جو اس شرک سے خالی ہو اور شرک کی کسی نہ کسی
 رسم میں مبتلا نہ ہو (مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے) ہندوؤں کے دنوں کی تعظیم کرتی دوران کی مشہور رسموں کو بجا
 لاتی ہیں اور اپنی عید مناتی ہیں، اور کافروں اور مشرکوں کی طرح ہدیہ اور تحفہ اپنی بیٹیوں، بہنوں کو بھیجتی ہیں اور اس
 موسم میں اپنے برتنوں کو رنگ کر کے ان کو سرنج چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا بڑا اعتبار اور شان بناتی
 ہیں۔ سب شرک اور دین اسلام کا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا يَوْمُنَّ كَثْرَتُهُمْ بِاللَّهِ اَلَا وَهُمْ مَشْرُكُونَ ۗ اِنَّ
 اَكْثَرَ النَّاسِ لَآ يَشْعُرُونَ ۗ اِنَّ لِلّٰهِ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۗ اور حیوانات کو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر فوج کرتے
 ہیں۔ روایات فقہیہ میں اس کو بھی شرک میں دانا کیا ہے اور اس بارہ میں بہت مبالغہ کیا ہے اور اس فوج کو
 جن کے ذبیحوں کی قسم سے خیال کیا ہے جو ممنوع شرعی ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔ اس عمل سے بھی
 پرہیز کرنا چاہیے کہ اس میں بھی شرک کی بو پائی جاتی ہے۔ نذرانہ اور منت کے وجہ اور بہت ہیں، کیا حاجت ہے

کہ حیوان کے ذبح کی منت و نذر مانیں اور حق کے ذبیحوں سے ملائیں اور جن کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں۔ اسی طرح وہ روزے جو عورتیں پیر محل اور بیبیوں کی نیت پر رکھتی ہیں اور اکثر ان کے ناموں کو اپنے پاس سے گھڑ کر ان کے نام پر روزے کی نیت کرتی ہیں، ہر روزہ کے لیے خاص ہاتھام کرتی ہیں اور خاص طور پر افطار کرتی ہیں اور روزوں کے لیے دنوں کا تعین بھی کرتی ہیں اور اپنے مطلوبوں اور مقصدوں کو ان روزوں پر موقوف کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتی ہیں، یہ سب عبادت میں شرک ہے اور غیر کی عبادت کے ذریعے اس غیر سے اپنی حاجتوں کا طلب کرتا ہے۔ (مکتوب ۱۱ جلد ثالث)

اتباع سنت

وظائف بندگی کو ادا کرنا اور حضرت جل مجدہ کی جانب ہمیشہ اور ہر وقت متوجہ رہنا پیدا انش انسان کا مقصود ہے۔ یہ بات صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے کہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر و باطن ہر طرح سے پوری پوری اتباع کی جائے۔ (مکتوب ۱۱ جلد ثالث)

آخری نجات اور ابدی فلاح سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے۔ اس لیے ایک مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے ہی درجہ محبوبیت پر فائز ہوتا ہے اور آپ کی متابعت کے ذریعے سے ہی مرتبہ عبودیت پر شرف ہو سکتا ہے جو تمام مراتب کمال سے بالا ہے اور مقام محبوبیت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے، جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں کامل تر ہوتے ہیں ان کو انبیاء بنی اسرائیل سے تشبیہ دی گئی۔ اولوا العزم انبیاءے مسلمین بھی اتباع قائم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی متا کرتے رہے۔ بلاشبہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی پڑتی۔

آپ کی اتباع افضلیت کے باعث ہی آپ کی امت تمام امتوں سے افضل اور بہتر ہے۔ اسی سبب سے تمام امتوں میں سب سے زیادہ اور سب سے پہلے یہ امت داخل جنت ہوگی اور خداوند عالم کی اعلیٰ ترین نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوگی۔ (مکتوب ۲۹ جلد اول)

سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل دو قسم پر ہوتے تھے۔ ایک بر طریقی عبادت۔ دوم بر بیجا عبادت۔ رسول اللہ کے جو عمل عبادت کے طور پر ہوتے تھے ان کے مخالف عمل کو بدعت منکر سمجھتا ہوں اور اس کی نمانعت اور بندش میں بہت زیادہ جدوجہد کرتا ہوں کیونکہ دین میں ایجاد ہی ہے جو مردود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو افعال بر سبیل عرف و عادات ہوتے تھے ان کے مخالف عمل کو بدعت منکر نہیں سمجھتا اور نہ ان کی ممانعت اور بندش میں ضرورت سے زیادہ جدوجہد کرتا ہوں، کیونکہ یہ عمل دین سے متعلق نہیں

ان کا وجود و عدم عرف کے سبب سے تھا۔ دین اور ملت کے سبب سے نہیں اور عرف و رواج سے مختلف ہوا کرتا ہے اور ایک شہر میں بھی زمانوں کے تفاوت سے عرف و عادت میں تفاوت واقع ہو جایا کرتا ہے، مگر اس کے باوجود اس قسم کی سنت کی پاسداری اور ایسی سنتوں پر عمل بھی بہترین نتیجہ پیدا کرتا ہے اور نتیجہ سعادت ہے۔
(مکتوبات ۲۳۱ جلد اول)

فرزند اقیامت کو کام آنے والی چیز اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ صوفیہ کے حال، وجد، عدم، معارف، روز و اشارات اگر اس متابعت اور اتباع کے مطابق ہوں تو بہت بہتر روزہ سراسر خسروین اور عتاب ربانی کا مزہ ہیں۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا، ان کی حالت دریافت کی تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ سارے روز و اشارات ختم ہو گئے، جملہ علوم و معارف ہیچ ثابت ہوئے، صرف ان چند کعتوں نے کام دیا جو درمیان شب پڑھ لیا کرتا تھا۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلنے کو ضروری سمجھو۔ کیونکہ یہ برکت اور سراسر برکت ہے اور شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے پوری پوری احتیاط برتو، نہ تو قولاً مخالفت اور نہ عملاً نہ اعتقاداً، کیونکہ یہ مخالفت سراسر نحوست اور بربادی ہے۔
(مکتوب ۱۸۵ جلد اول)

اس مبارک اور پسندیدہ متابعت کا ایک ذرہ دنیا کی تمام لذتوں اور آخرت کی تمام سختیوں سے بہتر ہے۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے فضیلت حاصل ہو سکتی ہے اور ہر ایک عظمت کی صرف یہی ایک صورت ہے۔ قبیلہ (دو پہر کو آرام کرنا) جو متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے ہو ان کر وڑوں شب بیداریوں سے افضل ہے جو متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم ہوں۔ عید الفطر کا افطار جس کا شریعت نے حکم دیا ہے ابلاً بادر روزے رکھنے سے افضل ہے۔ اہل ریاضت بہت کچھ مجاہدے کرتے ہیں، لیکن اگر وہ شریعت مطہرہ کے مطابق نہ ہوں تو بے کار ہیں اور بے سود۔ اگر ان اعمال شاقہ پر کوئی اجر مرتب بھی ہوتا ہے تو وہ صرف دنیاوی۔
(مکتوب ۱۱۲ جلد اول)

انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور تکلیفات شرعی کا مقصود اور حکمت نفس مادارہ کی تعجیز و تخریب ہے۔ خواہشات نفسانی کو مٹانے اور دفع کرنے کے لیے احکام شرع وارد ہوئے ہیں۔ تقاضاً، شریعت پر جس قدر عمل کیا جائے اسی قدر خواہش نفسانی میں زوال ہوتا ہے۔ لہذا خواہش نفس کے ازالہ میں کسی ایک حکم شرعی پر عمل کرنا ان ہزار سالہ مجاہدوں اور ریاضتوں سے بہتر ہے جو اپنی رائے سے ہوں بلکہ یہ تمام مجاہدے اور ریاضتیں جو شریعتِ عبرا کے بموجب نہ ہوں، خواہش نفسانی کے لیے مؤید و مقوی ہیں۔

(مکتوب ۲۵ جلد اول)

درستی عقیدہ

حکماء اور اطباء کے نزدیک مسلم ہے کہ جب تک مریض کا مرض زائل نہ ہو، کوئی غذا مفید نہیں بلکہ مقوی مرض ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے مرض کا ازالہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ مناسب غذا دیتے ہیں۔ اسی طرح جب تک کوئی شخص قلبی امراض میں مبتلا ہے کوئی عبادت یا کوئی اطاعت نفع نہیں دے سکتی بلکہ مضر ہے۔

(مکتوب ۱۵ جلد اول)

قرآن پاک اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بموجب جس طرح علما اہل حق نے عقائد کو سمجھا ہے اسی کے بموجب اپنے عقائد کو صحیح کرنا ہمارے اوپر لازم ہے۔ ہماری اور آپ کی سمجھ درجہ اعتبار سے ساقط ہے جب تک ان بزرگوں کی توضیح اور تفسیر کے بموجب نہ ہو۔ ہر بدعتی اور مہرگراہ اپنے عقائد باطلہ کے لیے کتاب اور سنت ہی کی آڑ لیا کرتا ہے، حالانکہ قطعاً بے سود اور بے معنی ہے۔ لہذا سب سے پہلے عقائد کو صحیح کرنا ضروری ہے، اس کے بعد حلال و حرام، فرض، واجب وغیرہ شرعی احکام کا علم۔ پھر اس کے بموجب عمل۔ اس کے بعد تزکیہ اور تصفیہ کا نمبر ہے۔ جب تک عقائد صحیح نہ ہوں احکام شریعت کی واقفیت ناٹھ مند نہیں اور جب تک یہ دونوں نہ ہوں صفائی قلب ناممکن ہے۔

(مکتوب ۲۵ جلد اول)

فضائل صحابہ و حب اہلبیت

حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو بزرگواران کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری جو اہل سنت کے رئیس ہیں فرماتے ہیں کہ شیخین کی افضلیت باقی امت پر نکلی ہے۔ سوائے جاہل یا متعصب کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔

(مکتوب ۶۷ جلد ثانی)

شیخین کی فضیلت اور حسنین کی محبت اہل سنت و جماعت کی علامتوں میں سے ہے، یعنی شیخین کی فضیلت جب حسنین کی محبت کے ساتھ جمع ہو جائے تو یہ امر اہل سنت و جماعت کے خاصوں میں سے ہے شیخین کی فضیلت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو اکابر ائمہ نے نقل کیا ہے۔

عبدالرزاق نے جو اکابر شیخین سے ہے جب انکار کی مجال نہ دیکھی تو بے اختیار شیخین کی فضیلت کا قائل ہو گیا اور کہنے لگا کہ جب حضرت علی شیخین کو اپنے اوپر فضیلت دیتے ہیں تو میں بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد کے بموجب شیخین کو حضرت علی پر فضیلت دیتا ہوں۔ اگر وہ فضیلت دیتے تو میں بھی نہ دیتا۔ یہ بڑا گناہ ہے کہ حضرت علیؑ کی محبت کا دعویٰ کروں اور پھر ان کی مخالفت کروں۔ چونکہ حضرت حسنینؑ کی خلافت کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان بہت فتنہ اور فساد ہو گیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں کدورت پیدا ہو گئی تھی اور مسلمانوں کے دلوں میں عداوت اور

کیسے غالب آگیا تھا، اس لیے حسنینؑ کی محبت کو بھی اہل سنت و جماعت کی شرائط میں شمار کیا گیا تاکہ کوئی جاہل اس سبب سے حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب پر بدظنی نہ کرے اور آپ کے جانشینوں کے ساتھ بغض و عداوت حاصل نہ کرے۔ پس حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی محبت کو بھی اہل سنت و جماعت کی شرائط میں شمار کیا گیا تاکہ کوئی جاہل اس سبب سے حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب پر بدظنی نہ کرے اور آپ کے جانشینوں کے ساتھ بغض و عداوت حاصل نہ کرے۔ پس حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی محبت اہل سنت و جماعت کی شرط ہے اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا وہ اہل سنت سے خارج ہے، اس کا نام خارجی ہے اور جس نے حضرت امیر المؤمنینؑ کی محبت میں افراط کی طرف کو اختیار کیا اور جس قدر کہ مناسب ہے اس سے زیادہ اس سے وقوع میں آتی ہے اور محبت میں غلو کرتا ہے، حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو سب و طعن کرتا ہے اور صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق کے برخلاف چلتا ہے وہ رافضی ہے۔ پس حضرت امیر المؤمنینؑ کی محبت میں افراط و تفریط کے درمیان جن کو رافضی اور خارج نے اختیار کیا ہے، اہل سنت و جماعت متوسط ہیں اور شک نہیں کہ حق وسط میں ہے اور افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں۔

چنانچہ حضرت امام حنبل ^{احمد بن} رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر المؤمنینؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علیؑ تجھ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے جس کو یہودیوں نے یہاں تک دشمن سمجھا کہ اس کی ماں پر بہتان لگایا اور عیسائیوں نے یہاں تک دوست رکھا کہ اس کو اس مرتبہ تک لے گئے جس کے وہ لائق نہیں تھا۔ یعنی خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

پس خارجیوں کا حال یہودیوں کے حال کے موافق ہے اور رافضیوں کا حال نصاریٰ کے مطابق، کہ دونوں حق وسط سے برطرف جا پڑے ہیں۔ وہ شخص بہت جاہل ہے جو اہل سنت و جماعت کو حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے محبتوں سے نہیں جانتا اور حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی محبت رافضی نہیں ہے، بلکہ خلفائے ثلاثہ سے تبری اور بیزاری رافضی ہے اور اصحاب کرام سے بیزار ہونا مذموم اور ملامت کے لائق ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر آل محمدؑ کی محبت رافضی ہے تو حق و انس گواہ نہیں ہیں رافضی ہوں۔

اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا، اہل سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جاتا ہے، جب کہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک ایمان کی جزو ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے۔

اہل بیت کی محبت اہل سنت و جماعت کا سرمایہ ہے۔ مخالف لوگ اس معنی سے غافل اور ان کی محبت متوسط سے جاہل ہیں۔

رام اور رحمن

خوب سمجھ لو کہ نہ صرف ہمارا اور تمہارا بلکہ ساری ارضی و سماوی کائنات کا رب ایک ایسا خداوند ہے جو سب سے بڑا ہے۔ جہاں تو والد و تناسل، کفایت و تماثل کو کبھی رسائی نہیں ہو سکتی اور موجودات علم کا کوئی شعبہ نہ تو اس کے ساتھ کیفیت اتحاد پیدا کر سکتا ہے اور نہ اسے اپنے اندر جذب کر سکتا ہے۔

بارگاہ قدس اس سے کہیں بلند و برتر ہے کہ کائنات کا کوئی فروشان صمدیت کو اپنے وجود میں نہماں کر لے یا کوئی ہستی بعینہ ذات احدیت کا ظہور ذاتی ہو۔ زمان و مکان کے تقیذات سے قطعاً بے نیاز ہے، اس لیے کہ یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں۔ ہستی ازلی کی نہ کوئی ابتداء اور بقائے ابدی کی نہ کوئی انتہا ہے۔ پس پرستش کا حق دار وہی اور صرف وہی ہے۔

ہندو جس رام و کرشن کی پرستش کرتے ہیں، یہ تو ماں باپ کے ذریعے پیدا ہوئے ہیں۔ رام و سریتھ کا بیٹا و لچھن کا بھائی اور سیتا کا خاوند ہے۔ رام جب سیتا کو بچا نہ سکا تو پھر کسی اور کی کیا امداد کرے گا۔ درحقیقت اس تمام لعزش کی ذمہ دار تقلید محض ہے۔

پس یہ کہنا کہ رام و رحمن ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں کسی طرح بھی ٹھیک نہیں۔ ایک شے خود ہی خالق اور خود ہی مخلوق ہے جو جسمی مشابہت سے واحد نہ ہو، پھر وہ بے شبہ و بے مثال کس طرح ہو سکے، رام و کرشن کی پیدائش تک خداے قدوس کو کسی نے رام و کرشن نہ کہا۔ ان کے پیدا ہونے کے بعد ذات احدیت پر رام کرشن کا اطلاق کیا۔ اس دعویٰ کی روشن دلیل نہیں کہ ان ناموں کے پردے میں خدا تعالیٰ کے عوض رام و کرشن کی پرستش کی جاتی ہے وَمَا عَبَدُونَ عِندَ دُونِ عَيْنِ دُونِ عَيْنِ اللہ کے ماسوا جن کی پرستش کرتے ہو یہ تو ایسے نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے از خود رکھ لیے، اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہ فرمائی۔

اللہ کے سچے رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام جو قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں، مبعوث ہوئے۔ یہ سب خلقت کو خالق کی عبادت کی ہدایت فرماتے رہے۔ انہوں نے لوگوں کو خیر اللہ کی عبادت سے منع کیا اور خود ایک بانیا بندے کی طرح عظمت و جلال بے نیاز سے لہذا بر اندام رہے اور ہندوؤں کے اوتار مخلوق خدا کو اپنی پرستش کی ترغیب دلاتے رہے۔ یہ بات اور بھی عجیب ہے کہ پروردگار عالم کا وجود تسلیم کر لینے کے باوجود ساتھ ساتھ اس اعتقاد پر بھی قائم ہیں کہ احدیت مطلقہ ہمارے جسم میں نزول فرما کر مقید ہو کر رہ گئی ہے اور ان کی برقیق ذہنی اختراع ان کے استحقاق عبادت کا جائز ذریعہ بنی رہی اور اسی بنا پر کہ معبودیت والوہیت کا دائرہ تصرف محدود نہیں ہے ان کے کردار میں محرومات کو بھی حلت کا درجہ حاصل ہو گیا۔

اس کے برعکس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جن کے کردار ان کی گفتار کا آئینہ دار ہیں۔ انہوں نے جس چیز کو اوروں

کے لیے ناجائز کہا۔ اس سے وہ خود پوری پابندی سے مجتنب رہے اور ترکیب بشریت کو اپنے اور اپنے ماسوا
سب لوگوں کے لیے مساوی درجہ کی شے قرار دیا۔
(مکتوب ۶۷ جلد اول)

حقوق اللہ و حقوق العباد

اگر گناہ اس قسم کے ہیں کہ جن کا تعلق اللہ کے حقوق کے ساتھ ہے، جیسے کہ زنا، گناہ شراب پینا، سرور اور بلاہی
کاسنا، غیر محرم کی طرف بظہر شہوت دیکھنا، بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا، بدعت پر اعتقاد رکھنا
وغیرہ وغیرہ، تو ان کی توبہ نہ امت اور استغفار اور حسرت و افسوس اور بارگاہ الہی میں عذر خواہی کرنے سے
ہے اور اگر فرائض میں سے کوئی فرض ترک ہو گیا ہو تو توبہ میں اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اور اگر گناہ اس قسم
کے ہیں جب بندوں پر مظالم اور ان کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں تو ان سے توبہ کا طریق کار یہ ہے کہ بندوں کے حقوق
اور مظالم ادا کیے جائیں، ان سے معافی مانگیں اور ان پر احسان کریں اور ان کے حق میں دعا کریں۔ اور اگر مال
اسباب والا شخص مر گیا ہو تو اس کے لیے استغفار کریں اور اس کا مال اُس کے وارثوں اور اولاد کو دے دیں اور
اگر اس کا وارث معلوم نہ ہو تو مال اور گناہ کے مطابق صاحب مال اور اس شخص کی نیت کر کے جس کو ناحق ایذا دی
ہو، فقراء و مساکین پر صدقہ خیرات کر دیں۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ حرام کے
ایک پیسے کا پھیر دینا سو پیسوں کے صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ بعض بندگان نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک رتی
چاندی کا پھیر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ سو حج قبول سے افضل ہے۔

بعض علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان ان دس چیزوں کو اپنے اوپر فرض نہ کر لے کامل و برع حاصل
نہیں ہوتی:

۱۔ زبان کو غیبت سے بچانے

۲۔ بدظنی سے بچنے

۳۔ مسخرہ پن یعنی سنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرنے۔

۴۔ حرام سے آنکھ بند کر لے۔

۵۔ سچ بولے۔

۶۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کا احسان جانے تاکہ اُس کا نفس مغرور نہ ہو۔

۷۔ اپنا مال راہ حق میں خرچ کرے اور باطل میں خرچ کرنے سے بچے۔

۸۔ اپنے نفس کے لیے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے۔

۹۔ نماز کی محافظت کرے۔

۱۰۔ اہل سنت و جماعت پر استقامت اختیار کرے۔

(مکتوب ۶۶ جلد ثانی)

ولایت کا نشان اتباع شریعت ہے۔

وہ علامت جس سے اس گروہ کا سچا یا جھوٹا جدا ہو سکے یہ ہے کہ جو شریعت پر استقامت رکھتا ہو اور اس کی مجلس میں دل کو حق تعالیٰ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہو جائے اور اسوا کی طرف سے دل سرد ہو جائے وہ شخص سچا ہے اور درجات کے اختلاف کے بموجب اولیاء کے شمار میں ہے۔ مگر یہ بھی ان لوگوں کے لیے ہے جو اس گروہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور جن کو اس گروہ کے ساتھ مناسبت نہیں وہ محروم مطلق ہیں۔ (مکتوب ۹۲ جلد ثانی)

حق تعالیٰ کی طرف پہنچانے کے دو راستے۔

وہ راستے جو جناب قدس جل شانہ کی طرف لے جانے والے ہیں دو ہیں: ایک وہ راستہ ہے جو قرب نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور اصل الاصل تک پہنچانے والا ہے۔ اس راستے کے پہنچنے والے بالاصالت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب ہیں اور امتوں میں سے بھی جس کسی کو چاہیں اس دولت سے سرفراز کرتے ہیں مگر یہ لوگ قلیل بلکہ اقل ہیں۔ اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ نہیں۔ ان واسطوں میں سے جو کوئی فیض حاصل کرتا ہے کسی کے واسطہ کے بغیر حاصل کرتا ہے اور کوئی ایک دوسرے کا حامل نہیں ہوتا۔

دوسرا وہ راستہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتا ہے۔ اقطاب، اوتاد اور بدلاؤ نجیاء اور عام اولیاء اللہ سب اسی راستے سے حاصل ہوئے ہیں۔ راہ سلوک اسی سے مراد ہے، بلکہ جذبہ منعارضہ بھی اسی میں داخل ہے۔ اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ ثابت ہے۔ اس راہ کے واسطوں کے پیشوا اور ان کے گروہ اور ان بزرگواروں کے فیض کا سرچشمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور یہ عظیم الشان مرتبہ انہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس مقام میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک قدم حضرت علی المرتضیٰؑ کے سر مبارک پر ہیں اور حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنینؑ بھی اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں، اور اس راہ سے جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا ہے، انہی کے وسیلے سے پہنچتا ہے، کیونکہ اس راہ کا آخری نکتہ ہی ہے اور اس مقام کا مرکز انہی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا دورہ تمام ہوا، عظیم الشان مرتبہ ترتیب وار حسنین رضی اللہ عنہما کے سپرد ہوا اور ان کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے ساتھ ترتیب و تفصیل وار قرار پایا۔ ان بزرگوں کے زمانہ میں اور ایسے ہی ان کے انتقال فرما چکنے کے بعد جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا رہا۔ انہی بزرگوں کے واسطہ اور حیلولہ سے ہی پہنچتا رہا۔

گو اپنے زمانہ کے اقطاب و نجبا ہی ہوئے ہیں، لیکن سب کا مبادی و ماویٰ یہی بزرگوار ہوئے ہیں۔ کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملحق ہونے سے چارہ نہیں۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی نسبت پہنچی، اور منصب مذکور اس بزرگ قدس سرہ کے سپرد ہوا۔ مذکورہ بالا اماموں اور حضرت شیخ قدس سرہ کے درمیان کوئی شخص اس مرکز پر مشہور نہیں ہونا اس راستہ میں تمام اقطاب و نجباء کا فیوض و برکات کا پہنچنا شیخ قدس سرہ ہی کے وسیلہ شریف سے مفہوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ مرکز شیخ قدس سرہ کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔

(مکتوب ۱۲۳ جلد ثالث)

باطن کی صفائی بھی ضروری ہے۔

غرض ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، تاکہ غفلت کے ساتھ اللودہ نہ رہے، کیونکہ باطن کی امداد کے بغیر احکام شرعی سے آراستہ ہونا مشکل ہے۔ علما فتوے دیتے ہیں اور اہل اللہ باطن کا کام کرتے ہیں۔ باطن میں کوشش کرنا ظاہر کی کوشش کو مستلزم ہے اور جو کوئی باطن ہی کی دستی میں لگا رہے اور ظاہر کی پروا نہ کرے، وہ ملحق ہے اور اس کے وہ باطنی احوال استدراج ہیں۔ باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کرنا ہے، استقامت کا طریق یہی ہے۔

(مکتوب ۸۷ جلد ثانی)

اتباع شریعت ہی کرامت ہے۔

جب خوارج کا ظاہر ہونا ولایت میں شرط نہیں، ولی اور غیر ولی میں امتیاز کس طرح ہوگا۔ اور حق مبطل سے کس طرح جدا ہوگا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ متمیز نہ ہو اور گو حق بجانب اور مبطل بلا جلا رہے۔ حق و باطل کا بلا جلا رہنا اس دنیا میں لازم ہے اور ولی کی ولایت کا علم کچھ ضروری نہیں۔ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ ان کو خود اپنی ولایت کا علم نہیں۔ پس دوسرے کو ان کی ولایت کا علم کس طرح ضروری ہو سکتا ہے۔ نبی میں خوارج کا ظہور ضروری ہے تاکہ نبی اور غیر نبی میں امتیاز ہو جائے، کیونکہ نبی کی نبوت کا علم واجب ہے اور ولی چونکہ لوگوں کو اپنے نبی کی شریعت کی دعوت دیتا ہے۔ نبی کا مجزہ اس کے لیے کافی ہے۔ اگر ولی اپنے نبی کی شریعت کے سوا کسی دعوت دیتا تو اس کے لیے خوارج کا ہونا ضروری تھا۔ چونکہ اس کی دعوت اپنے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے خوارج کی کچھ ضرورت نہیں۔ علمائے ظاہر شریعت کی دعوت دیتے ہیں اور اولیاء ظاہر شریعت اور باطن شریعت کی بھی۔ وہ پہلے مریدوں اور طالبانِ خدا کو توبہ و انابت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور احکام شریعت کی بجا آوری کی ترغیب دیتے ہیں پھر ذکر حق سبحانہ کی راہ دکھاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ اپنے تمام اوقات کو ذکر حق سبحانہ سے ایسا معمور رکھے کہ ذکر غلبہ پائے اور مذکور کے سوا

کسی چیز کو دل میں نہ رہنے دے۔ یہاں تک کہ مذکور کے سوا تمام سے ایسی فراموشی حاصل ہو جائے کہ اگر تکلف سے اشیا کو یاد کرے تو یاد نہ آئیں۔ یقینی امر ہے کہ دلی کے لیے اس دعوت کے واسطے کہ جس کا تعلق ظاہر شریعت اور باطن شریعت سے ہے۔ خوارق کی ضرورت نہیں۔ پیری و مریدی سے مراد یہی دعوت ہے جو خوارق سے سرور کار اور کرامت سے تعلق نہیں رکھتی۔ باوجود اس کے کہ ہم کہتے ہیں مرید رشید اور طالب مستعد سلوک کے طریق میں ہر گھڑی اپنے پیر کے خوارق و کرامات کا احساس کرتا ہے اور معاملہ غیبی میں ہر وقت اس سے مدد مانگتا اور پاتا ہے اور دوسروں کے لیے ظہور و خوارق ضروری نہیں۔ مگر مریدوں کے لیے خوارق پر خوارق اور کرامات پر کرامات ہیں۔ مرید اپنے پیر کی خوارق کا احساس کس طرح نہ کرے کہ پیر نے مرید کے مردہ دل کو زندہ کیا ہے اور مشاہدہ و مکاشفہ تک پہنچا دیا ہے۔ عوام کے نزدیک ایک مردہ جسم کا زندہ کرنا بڑی بات ہے اور خواص کے نزدیک قلب و روح کا زندہ کرنا قاطح دلیل ہے۔ خواجہ محمد پارسیا قدس سرہ رسالہ قدسیہ میں لکھتے ہیں کہ چونکہ مردہ جسم کا زندہ کرنا اکثر لوگوں کے نزدیک بڑا اچھا کام سمجھا جاتا تھا، اہل اللہ ایسے زندہ کرنے سے منہ پھیر کر روح کے زندہ کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں اور طالب کے مردہ دل کو زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ حقیقت میں مردہ جسم کو زندہ کرنا قلب کے زندہ کرنے کے مقابلہ میں اس چیز کی مثل ہے جو راستے میں پھینک دی گئی ہو۔ کیونکہ جسم کا زندہ کرنا چند روزہ ہی زندگی کا سبب ہے اور قلب کا زندہ کرنا ہمیشہ کی زندگی کا وسیلہ ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اہل اللہ کا وجود حقیقت میں کرامات میں سے ایک کرامت ہے اور لوگوں کو حق سبحانہ کی طرف ان کی دعوت حق تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دلوں کا زندہ کرنا بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اہل اللہ بین والوں کے لیے امان اور زمانہ کے لیے غنیمت ہیں۔ ان کی شان میں ہے کہ ان کے طفیل سے لوگوں کے لیے بارش ہوتی ہے اور ان ہی کے طفیل سے لوگوں کو رزق ملتا ہے، ان کا کلام دوا ہے اور ان کی نظر شفا ہے، وہ اللہ کے ہم نشین ہیں اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہمنشین بننا سخت نہیں رہتا اور ان کا محبت یاں کار نہیں ہوتا۔ وہ علامت کہ جس سے اس گروہ کا حق مبطل سے ممتاز ہو جائے، یہ ہے کہ اگر ایسا شخص ہو جو شریعت پر ثابت قدم ہو اور اس کی صحبت میں دل کو حق سبحانہ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہوتی ہو اور داسوائے حق سے بے توجہی مفہوم ہوتی ہو۔ وہ شخص حق بجانب ہے اور حسب تفاوت درجات اولیاء کے شمار میں ہے۔ یہ علامت امتیاز بھی متناسبت والوں کے لیے ہے جو شخص محض بے تناسبت ہو وہ بالکل محروم ہے۔

(مکتوب ۸۲، جلد ثانی)

دنیاوی کاروبار بھی ذکر الہی ہیں

جاننا چاہیے کہ ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے، جس طرح کہ ہو سکے، نہ یہ کہ ذکر کلمہ نفسی و اثبات کے تکرار یا اہمیت

کے مکرار میں منحصر ہے جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے۔ پس اوامر شرعیہ کی بجا آوری اور نواہی شرعیہ کی رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ کیونکہ رعایت مذکورہ کے ساتھ ان کاموں کے کرنے کے وقت امر کرنے والا اور منع کرنے والا (اللہ جل شانہ) ان کے کرنے والے کے مد نظر ہوتا ہے۔ پس غفلت کی گنجائش نہیں، لیکن وہ ذکر جو مذکور (یعنی حق سبحانہ) کے اسم و صفت کے ساتھ واقع ہو، جلدی اثر کرنے والا اور مذکور کی محبت بخشنے والا اور مذکور تک جلد پہنچانے والا، بخلاف اس ذکر کے جو اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے باز رہنے کے ساتھ واقع ہو۔ وہ ان اوصاف سے چنداں بہرہ ور نہیں۔ اگرچہ بعض افراد میں کہ جن کا ذکر اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے باز رہنے کے ساتھ ہوتا ہے یہ اوصاف کی طرح پراپاٹے جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا باباوی قدس سرہ علم کی راہ سے خدا تعالیٰ تک پہنچتے ہیں اور نیز وہ ذکر جو اسم اور صفت کے ساتھ واقع ہو وسیلہ ہے اس ذکر کا جو عروج شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حاصل ہو۔ کیونکہ سب کاموں میں احکام شرعیہ کی رعایت کرنی ناصب شرع کی محبت کے بغیر بیسر نہیں اور یہ کامل محبت اللہ تعالیٰ کے اسم و صفت کے ذکر سے وابستہ ہے، لیکن پہلے وہ ذکر چاہیے تاکہ اس ذکر کی دولت سے مشرف ہو جائے۔ (مکتوب ص ۱۰ جلد ثانی)

خلاف شرع کشف۔

جاننا چاہیے کہ صوفیوں کے اعتقادات آخر کار یعنی منازل سلوک کے پورا ہونے اور ولایت کے درجوں کی نہایت کو پہنچنے کے بعد وہی ہیں جو علمائے اہل حق کے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ علماء کو نقل یا استدلال سے حاصل ہوئے ہیں اور صوفیوں کو کشف یا الہام سے اگرچہ صوفیائے کرام سے بعض کو اثنائے راہ میں سکرو غلبہ حال کے سبب سے ان اعتقادات کے خلاف امور ظاہر ہوتے ہیں، لیکن اگر اس کو ان مقامات سے گزار کر نہایت کار کو پہنچادیں تو وہ امور نسبتاً و نابود ہو جاتے ہیں، ورنہ وہ اسی مخالفت پر باقی رہتے ہیں۔ پس سالک کو چاہیے کہ حقیقت کار پر پہنچنے سے پہلے باوجود اپنے کشف و الہام کی مخالفت کے علماء اہل حق کی تقلید کو لازم جانے اور علماء کو حق بجانب اور اپنے تئیں خطا کرنے والا خیال کرے، کیونکہ علماء کی دلیل نبیاً علیہم الصلوٰت والسلام کی تقلید ہے، جو قطعی وحی کے ساتھ مؤید اور خطا اور غلط سے معصوم ہیں اور سالک کا کشف و الہام جو وحی کے ساتھ ثابت شدہ احکام کا مخالف ہو خطا اور غلط ہے۔ پس اپنے کشف کو علماء کے قول پر مقدم رکھنا حقیقت میں احکام قطعاً منترکہ پر مقدم رکھنا ہے اور یہ عین مکرر ہی اور محض خسارہ ہے اور نیز جس طرح کتاب و سنت کے بموجب اعتقاد ضروری ہے، اسی طرح ان مقتضایہ عمل کرنا اس طریق پر کہ مجتہدین نے کتاب و سنت سے استنباط کیا ہے اور ان سے احکام نکالے ہیں۔ یعنی حلال و حرام و فرض و نواہی و سنت و مستحب و مکروہ و مشتہر اور ان احکام کا جاننا بھی ضروری ہے۔ مقلد کے لیے جائز نہیں کہ مجتہد کی

رائے کے خلاف کتاب و سنت سے احکام اخذ کرنے اور ان پر عمل کرے۔ اُسے چاہیے کہ عمل میں اس مجتہد کے مذہب سے جس کا یہ مقلد ہے۔ قول مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے بچ کر عزیمت پر عمل کرے۔

(مبادء و معاد)

آخری ایام | حضرت امام ربانیؒ نے وفات سے چند ماہ پہلے اکثر دوستوں سے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عمر تریسٹھ سال کی معلوم ہوتی ہے اور یقیناً ایسا ہونا تھا۔ آفتاب نبوت سے ضیا حاصل کرنے والا بدرِ منیر بھی اتباع سنت سے کیسے غفلت کرے۔ اختیاری معاملات میں جب اُس کا یہ حال ہوگا تو غیر اختیاری معاملات میں من جانب اللہ سنت کی اتباع اسے حاصل ہوگی۔

چنانچہ حضرت امام ربانیؒ ایامِ مرض میں تنہائی بہت پسند کرتے تھے۔ ایک روز حرمِ سرا کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے کہ فرمایا، اس موسمِ سرما میں جو دو مہینے تک اُنے گا، ہم اس گھر میں نہ سوئیں گے۔ حاضرین نے عرض کیا کہ آپ شاید خلوت گاہ میں آرام فرمائیں گے۔ فرمایا نہیں، ان گھروں میں سے کسی میں بھی نہیں۔ حاضرین نے عرض کی کہ پھر کس جگہ؟ آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کچھ ہونے والا ہے۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد و ہدایت کا سب کام صاحبزادوں کے سپرد فرمایا اور اپنا تمام وقت تلاوتِ قرآن مجید اور اذکار و اشغال میں مشغول فرمانے لگے۔ سوائے نماز کے خلوت سے باہر نہ آتے۔ نوافل اور صدقات و خیرات کی بھی اس زمانہ میں بہت کثرت فرمائی۔ درویشوں کو کپڑے بھی تقسیم فرمائے۔ ذوالحجہ میں آپ کو ضیقِ النفس کا دورہ ہو گیا۔ اگرچہ آپ پر ضعف غالب آ گیا تھا، لیکن عبادات و وظائف کے اوقات میں سرِ مو فرق نہ آیا، بدستور نماز باجماعت ادا فرماتے رہے۔

وفات | وصال سے پہلی رات آپ نے اپنے خادموں کو ارشاد فرمایا کہ تم نے بہت محنت کی، صرف آج کی رات اور محنت ہے۔ اس رات آپ نے کئی دفعہ پنجابی مصرعہ پڑھا:

آج ملا و اکونت سول سکھی سب جگہ دیواں وار

اسی رات آپ نے وہ تمام دعائیں پڑھیں جن کا صحیحین میں ذکر ہے۔ رات کے آخری حصہ میں وضو فرمایا اور تہجد کھڑے ہو کر ادا کی اور فرمایا یہ ہماری آخری تہجد ہے۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کی، حسبِ عادت مراقبہ اور اشغال بھی فرمایا۔ نماز اشراق اور اذعیہ ماثورہ بھی پڑھیں۔ اور اسی دن یعنی ۲۸ صفر ۱۰۲۲ھ کو تریسٹھ سال کی عمر میں اپنے محبوبِ حقیقی کو یاد کرتے کرتے خدا کے یہ سچے عاشق حقائق کے دریا میں تیرنے والے کو وصول الی اللہ کے زینہ، حکمت کے دقینہ، رحمت کے خزینہ، کاملین کی محبتِ لائقہ کے نور، علماء کے سردار اور اہل جہان کی زینت اس دارِ فانی سے رفیقِ اعلیٰ سے جاواصل ہوئے۔

خلفا | حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفا بہت زیادہ ہیں اور ان کے فیض یافتگان کا سلسلہ بھی بہت وسیع ہے۔ ان خلفائیں شیخ آدم بنوریؒ اور خواجہ محمد معصوم خاص طور پر مشہور ہیں۔ شیخ آدم بنوری پہلے شاہی لشکر میں ملازم تھے۔ پھر ترک ملازمت کے بعد حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نعمتِ باطنی حاصل کی۔ قرآن مجید پڑھا اور علوم ظاہری حاصل کیے، پھر ایسے درجہ

کو پہنچے کہ ہزاروں کی تعداد میں طلبہ آپ کی خانقاہ میں حاضر ہو کر درس پاتے۔ لنگر کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں افراد مفت کھانا کھاتے لاکھ کے قریب مرید اور سو کے قریب آپ کے خلفا ہیں۔ آپ کے مریدوں میں پٹھانوں کی کثرت تھی۔ ۵۲ھ میں لاہور تشریف لے گئے۔ چونکہ آپ کے ساتھ سینکڑوں کی جمعیت رہتی تھی اس لیے بعض لوگوں نے شاہان بادشاہ سے کہا کہ شیخ کسی وقت بھی حکومت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ شاہان نے اپنے وزیر اعظم نواب سعد اللہ خان اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو دریافت حال کے لیے بھیجا۔ ان کی تحقیقات کے نتیجے میں شاہان متردد ہو گیا اور شیخ کو مشورہ دیا کہ وہ حج کر چلے جائیں تاکہ بادشاہ کے خدشات دور ہو جائیں۔ شیخ نے تعمیل کی اور مدینہ منورہ چلے گئے۔ وہیں وفات پائی۔

حضرت مجدد کے دوسرے مشہور خلیفہ شیخ محمد معصوم ہیں، جو حضرت مجدد کے فرزند تھے۔ کہا جاتا ہے اورنگ زیب بھی آپ کا مرید تھا۔ آپ نے اپنے فرزند شیخ سیف الدین کو شاہی لشکر کی رشد و ہدایت پر مامور کر رکھا تھا۔ نواب کرم خاں گدڑ لاپور بھی آپ کا بڑا معتقد تھا اور سب کچھ چھوڑ کر شیخ کی خدمت میں رہنے لگ گیا تھا۔

فارسی کا مشہور شاعر ناصر علی سرہندی بھی شیخ معصوم کا مرید تھا، اس نے آپ کی تعریف میں کئی شعر کہے۔ شیخ معصوم اورنگ زیب کے دسویں سال جلوس ۱۰۰۰ھ میں فوت ہوئے۔ مزار مبارک سرہند میں ہے۔ یہ مزار اورنگ زیب کی بیٹی روشن آرا نے تعمیر کرایا تھا۔

حضرت کے اقوال | حضرت مجدد کے ارشادات عالیہ بے شمار ہیں ان کے مکتوبات میں علم و عرفان کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ آپ کی مختلف تصانیف سے بعض نادر اقوال و ارشادات انتخاب کر کے پیش کیے جاتے ہیں اور ارشادات

فرماتے ہیں:

_____ گناہ کے بعد شرمندگی بھی توبہ ہی کی ایک شاخ ہے۔

_____ جو شخص صبح و شام توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔

_____ مومن ہو یا کافر کسی کی دل آزاری نہ کر، اس لیے کہ کفر کے بعد ہی سب سے بڑا گناہ ہے۔

_____ اپنی حاجت پر دوسروں کی حاجت کو مقدم رکھنا ہی حقیقی کرم ہے۔

_____ آخرت کے کام آج ہی کرو اور دنیا کے کام کل پر چھوڑ دو۔

_____ تمام مخلوقات میں انسان ہی سب سے زیادہ محتاج ہے۔

_____ جو شخص کافروں کو عزیز رکھتا ہے اس نے اہل اسلام کو ذلیل کیا۔

_____ لوگوں کے ساتھ زیادہ میل جول رکھنا اذیت کا باعث ہوتا ہے۔

_____ بڑے علماء وہ ہیں، جو لوگوں سے عزت کے طالب رہتے ہیں۔

_____ جب تک کوئی شخص قلبی امراض میں مبتلا ہے کوئی عبادت اور اطاعت فائدہ نہیں دے سکتی، بلکہ مضر ہے۔

گوشہ نشینی یہ ہے کہ تو عبت اور بے کار کاموں سے منہ موڑے دیکھے اور ترک دنیا سے مراد یہ ہے کہ تجھے دنیا سے کوئی رغبت نہ ہو نہ کسی شے کے ملنے کی خوشی ہو اور نہ کسی شے کے چلے جانے کا غم۔
 جب تک عقائد صحیح نہ ہوں احکام شریعت سے آگہی نائزہ مند نہیں اور جب تک یہ دونوں نہ ہوں قلب کی صفائی ممکن نہیں۔

نفس کے لیے سب سے مشکل کام شریعت کی پابندی ہے۔

کمال اسلام یہ ہے کہ اس دنیا ہی غرض کو چھوڑ دیا جائے جو کفار کے ساتھ وابستہ ہو۔

بہترین احسان وہ ہے جو ہمسایے کے ساتھ کیا جائے۔

خدا کے دشمنوں کے ساتھ دوستی خدا اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کی طرف لے جاتی ہے۔

مغروروں کے ساتھ تکبر سے پیش آنا صدقہ ہے۔

پیغمبر کی بات کے مقابلہ میں حکما کے اقوال چھوڑ دو۔

اہل اللہ زمین والوں کے لیے امان اور زمانہ کے لیے غنیمت ہیں۔

ظاہری ولادت کی زندگی چند روزہ ہے اور ولادت معنوی کی زندگی ابدی ہے۔

عوام کے نزدیک ایک مردہ جسم کو زندہ کرنا بڑی بات ہے اور خواص کے نزدیک قلب و روح کو زندہ کرنا بڑی قاطع

دلیل ہے۔

جسم کا زندہ کرنا چند روزہ زندگی کا سبب ہے اور قلب کا زندہ کرنا دائمی زندگی کا وسیلہ ہے۔

اہل اسلام کی عزت کفر اور اہل کفر کی ذلت میں ہے۔

حضرت خواجہ قیوم ثانی محمد معصومؒ

ولادت _____ سرہند ۱۰۰۷ھ

وفات _____ ۱۰۷۹ھ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ امام ربانی حضرت محبوب سبحانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے تیسرے فرزند اور آپ کے دوسرے مشہور خلیفہ تھے۔ ان کے متعلق حضرت مجدد فرمایا کرتے تھے کہ میرے فرزند محمد معصوم کی دنیا میں آمد ہمارے لیے بڑی مبارک ثابت ہوئی۔ حضرت مجددؒ ان کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔

۱۱ سوال ۱۱۰۰ میں شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ آپ جامع علوم معقول و منقول، قطب الوقت اور بڑے صاحب درجات و کشف و کرامات بزرگ تھے۔ قیوم ثانی آپ کا لقب تھا۔ آپ کے والد نے آپ کے عملی شوق کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ نہایت شفقت اور محبت سے خود ہی انھیں تعلیم دی۔ مختلف کتابیں آپ کو پڑھائیں۔ فرمایا کرتے تھے، تعلیم سے جلد فراغت حاصل کرو، مجھے تم سے بہت کام لینے ہیں۔ چنانچہ آپ نے تین ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور سولہ برس کی عمر میں تمام علوم ظاہری سے فارغ اور سب علوم میں کامل و اکمل ہو گئے۔ پھر تحصیل حال میں لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم اور والد بزرگوار کی توجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں احوال و اسرار سے واقف ہو کر قطبیت کے بڑے درجہ کو پہنچ گئے۔ آپ کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ دہلی کے سفر کے دوران حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہمراہ مخدوم زادے بھی تھے۔ ایک دن حضرت مجدد حجرو سے باہر تشریف لائے کہ تھوڑی دیر آرام کریں، دیکھا کہ آپ کی جگہ حضرت قیوم ثانی آرام فرما رہے ہیں۔ آپ فوراً واپس چلے گئے۔ خدام نے عرض کیا اجازت ہو تو ہم انھیں بیدار کر دیں۔ فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ سے خوف آتا ہے کہ خدا کا ایک دوست آرام کر رہا ہے اور میرے جانے سے اسے رنج پہنچے۔ عرض حضرت مجدد و خاصی دیر تک دھوپ میں تشریف فرما رہے مگر چھ مسجد کا فرش خاصا گرم تھا، مگر آپ دھوپ ہی میں بیٹھے رہے، یہاں تک کہ خواجہ قیوم ثانی خود بیدار ہوئے اور والد بزرگوار کو دھوپ میں دیکھ کر ان کے لیے جگہ خالی کر دی۔

کہا جاتا ہے کہ قریباً نو لاکھ افراد نے آپ کے دست حق پخت پر گناہوں سے توبہ کی اور مرید ہوئے۔ آپ کے خلفا کی تعداد بھی سات ہزار کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ آپ کی صحبت کیمیا اثر کا یہ عالم تھا کہ طالب حق کو ایک ہفتے میں فنا حاصل ہو جاتی تھی اور ہینہ بھر کے عرصہ میں درجہ ولایت کو پہنچ جاتا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی نظر میں طالب کو جمع مقامات سے گزار دیتے۔ کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر بھی آپ کا مرید تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مرید نہ تھا بلکہ صرف عقیدت مند تھا اور

جب بھی آپ کی مجلس میں جاتا دوسرے عوام کی طرح جہاں جگہ ملتی وہاں بیٹھ جاتا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا رعب اس قدر غالب تھا کہ اورنگ زیب آپ سے زبانی گفتگو نہ کر سکتا تھا، جو کچھ کہنا ہوتا لکھ کر خدمت میں پیش کر دیتا۔ اورنگ زیب کی لڑکی زیب النساء کو بھی آپ سے بہت عقیدت تھی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہا کرتی تھی۔ ایک دن آپ نے اس سے خوش ہو کر فرمایا تیرا حشر حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کے دسترخوان پر چار ہزار آدمی کھانا کھایا کرتے تھے، چار ہزار خدام تھے، جو ہر وقت خدمت کے لیے حاضر رہتے تھے۔ جب آپ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو عرب اور عجم کے بھی متعدد لوگ آپ سے بیعت ہوئے۔ جب آپ نے جاز سے اتر کر خشکی کا سفر اختیار کیا تو فرمایا آخر کعبہ بکمال بشاشت مجھ سے بے لگیر ہوا ہے۔ فرمایا کرتے تھے مکہ معظمہ کے قیام کے دوران مجھ پر امر و عیب و غریہ ظاہر ہوئے ہیں اور اکثر کعبہ مجھ سے گلے لگ کر ملتا ہے۔

آپ کے زمانہ میں ایک جوگی جادو کے زور سے آگ باندھ دیتا تھا اور اس طرح آگ نقصان نہ پہنچاتی تھی۔ اس شعبہ باز کو دیکھ کر لوگ جوگی کے پرستار ہو گئے تھے۔ آپ کو پتا چلا تو لوگوں کو آگ سلگانے کا حکم دیا۔ جب شعلے بھڑکنے لگے تو آپ نے آیت کریمہ پڑھ کر آگ پر دم کیا اور ایک شخص سے کہا کہ آگ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرو۔ وہ خاصی دیر تک آگ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا رہا، آگ نے اسے کوئی ضرر نہ پہنچایا۔

آپ نے اپنے صاحبزادے شیخ سیف الدین کو اورنگ زیب کے لشکر میں ارشاد و ہدایت کے لیے بھیجا تھا۔ اورنگ زیب ان کے ارشادات کو بڑی توجہ سے سنا کرتا تھا۔

فرحت الناظرین میں لکھا ہے کہ شیخ محمد معصوم کے دوسرے بھائی شیخ محمد بیگی، شیخ محمد سعید اور نورالذکر کے دو فرزند شیخ سعد الدین اور شیخ عبدالاحد المعروف بہ میاں گل، کئی بار "بادشاہ دین پناہ" کی بارگاہ میں پہنچے اور اللطاف شاہ منشی سے فیضیاب ہوئے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالمگیری کو صرف شیخ محمد معصوم ہی سے نہیں بلکہ اس سارے خاندان سے عقیدت تھی۔ نواب مکرم خاں لاہور کا گورنر تھا، وہ شیخ کا بہت معتقد تھا، چنانچہ ملازمت ترک کر کے اور سب کچھ چھوڑ کر شیخ محمد معصوم کی خدمت میں رہنے لگ گیا تھا۔ اس سلسلے میں واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ اورنگ زیب نے گورنر سے ترک ملازمت کے بعد ایک موقع پر اس کی عمر پوچھی، اس نے کہا چار سال۔ اورنگ زیب مسکرا دیا۔ مکرم خاں نے کہا حضور مسکرا نے کی کوئی بات نہیں میری اصل مدت عمر وہی ہے جو میں نے اپنے شیخ کی خدمت میں گزار دی۔ باقی سب وہاں آخرت ہے۔ نواب مکرم خاں وہی ہے جس کے دربار سے مشہور شاعر غنیمت وابستہ تھا۔

مآثر الامراء میں لکھا ہے کہ جب نواب آصف جاہ نے بہادر شاہ اول کے زمانہ میں کچھ عرصہ کے لیے گوشہ نشینی اختیار کی تو وہ نواب مکرم خاں کی خدمت میں استفادہ کے لیے جایا کرتے تھے۔ فارسی کا مشہور شاعر ناصر علی سرہندی بھی خواجہ محمد معصوم کا مرید تھا۔ اس نے آپ کی تعریف میں کئی اشعار کہے۔ مثلاً:

چراغِ ہفت محلِ خواجہ مصوم
منور از فروغِ شہسود تا روم
رود جائے کہ جا آنجانہ گنجد
نظر بے کار ماند پانہ گنجد
ردائے ماہتابی شرع بردوش
چوں صبح از پاکہ باطن قطب بے ش
ستون بارگاہِ شرع اسلام
بر افعالِ ہمیشہ گام بر گام
زہے عزت کہ رب العزتش داد
کہ بر سر تاج قیومیش بہاد!

خواجہ محمد مصوم کی وفات ۱۰۷۹ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک سرہند میں ہے جسے شاہان کی بیٹی روشن ارا نے تعمیر کرایا تھا۔ اس روز خیر کے متعلق ناصر علی نے ایک قصیدہ لکھا ہے۔

اے زمین مولدِ قدسی نسب و ہفت سما
رفعتِ بام تو از عالم ایک دورا
مظہر نورِ خداست مزارِ ملکوت!
مرتدِ خواجہ کرم نام تو با عرضِ خدا

روضہ کی شان میں ناصر علی نے ایک غزل بھی کہی جس کا مطلع ہے۔

در فیضِ است نشیں از کشائش نا امید اینجا
برنگِ دانہ از ہر فصل مے روید گلید اینجا

آپ کی وفات کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آخری عمر میں بہت کمزور ہو گئے تھے۔ وفات سے تین روز قبل دو ستونوں کو دنا کے لیے لکھا کہ خاتمہ بالخیر کی دنا کریں۔ ایک دن پہلے جمعہ کے روز مسجد میں تشریف لے گئے۔ حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا امید نہیں کل اس وقت تک میں دنیا میں رہوں۔ اس کے بعد حاضرین کو بہت سی نصیحتیں کیں اور گھر واپس تشریف لے آئے۔ صبح جیسے گوری گزار دی۔ صبح کے وقت نماز فجر ادا کی اور مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ سورہ شہین تلاوت فرماتے رہے۔ اسی روز صبح کے وقت اس عالم فانی سے عالم جاوداں کو خصت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اورنگ زیب کے زمانہ شہزادگی کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ مصوم دکن سے گزر رہے تھے اورنگ زیب بارہ ہزار کی تھیلی لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آئے اور سلطنت کی بشارت دی۔ جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو اس کی بہن نخر سے کہا کہ تی تھی کہ میرے بھائی نے تو سلطنت بارہ ہزار میں خریدی ہے۔

ایک شخص اپنے بیٹے کو لے کر حاضر خدمت ہوا کہ یہ لڑکا دنیا کے سارے کام چھوڑ کر ایک عورت پر فریفتہ ہو گیا ہے۔ آپ اسے نصیحت فرمانے لگے۔ وہ بولا میں تو نیکی کے کوچہ سے گزر ہی نہیں سکتا۔ یعنی اس عورت کے عشق سے باز نہیں آسکتا ہاں اگر آپ میرے حال کو ناپسند فرماتے ہیں تو میری حالت بدل دیں۔ حضرت نے فرمایا اچھا، ہم نے تمہاری حالت بدل دی۔ اس شخص نے اسی وقت عورت کے عشق سے دستبرداری اختیار کر کے توبہ کر لی۔

حضرت شیخ رحمکار (کا کا صاحب)

ولادت ————— ۹۸۳ھ

وفات ————— زیارت کا صاحب ۱۰۶۳ھ

حضرت شیخ رحمکار سرحد کے ان عظیم المرتبت اولیائے کرام میں سے ہیں جنہوں نے سرحد میں دین اسلام کی اشاعت کے سلسلے میں بہت گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔

نام و نسب حضرت کا کا صاحب کا اصل نام کستیر گئی تھا، مگر ہر خاص و عام کے ساتھ رحمانہ برتاؤ کے باعث شیخ رحمکار کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اس نام نے اتنی شہرت پائی کہ آپ کا اصل نام بہت کم لوگ جانتے تھے۔ پشتو زبان میں بزرگ یا بہت قابل عزت شخص کو 'کا کا' بھی کہا جاتا ہے۔ شیخ رحمکار کی چونکہ بہت زیادہ عزت کی جاتی تھی اس لیے عزت کے طور پر لوگ آپ کو 'کا کا' کہہ کر بھی پکارتے تھے۔ مزید تعظیم کے لیے صاحب کا لفظ بڑھا کر 'کا کا صاحب' کہہ کر پکارنے لگے۔ اسی نام کی نسبت سے آپ کی اولاد 'کاکھیل' کہلاتی ہے۔

والد ماجد کا نام نامی شیخ بہادر بابا ہے، جو ایک صاحب کے نام سے مشہور تھے اور اپنے وقت کے قطب گزرے ہیں۔ حضرت کا کا صاحب حسین بن سید ہیں سلسلہ نسب تیسویں پشت میں حضرت امام حسین سے اس طرح ملتا ہے:

شیخ رحمکار بن شیخ سید بہادر بن سید نادر صاحب بن سید غالب بن سید آدم بن سید بشیر بن سید محبت بن سید باقر بن سید محمود بن سید احمد بن سید سیف الدین بن سید سعد الدین بن سید علی اکبر بن سید لقمان بن سید رجال بن سید قاف بابا بن سید فاتح بن سید خاتم بن سید اسماعیل بن حضرت امام جعفر بن حضرت امام باقر بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت بن حضرت سیدنا حسین علیہ السلام۔

۳ شعبان یا یکم رمضان ۹۸۳ھ میں ولادت ہوئی۔ اس وقت ہندوستان پر شہنشاہ اکبر کی حکومت تھی۔

تعلیم اور عبادت زمانہ طفولیت ہی میں علوم ظاہری کی کتابیں پڑھ لی تھیں، پھر حدیث و تفسیر اور دوسرے علوم و فنون و ریاضت! میں دسترس حاصل کی۔ آپ کے استاد کا نام اخون دین بتایا جاتا ہے۔ عبادت و ریاضت کا شوق

لہذا ہمارے لفظ کستوری کو پشتو میں کستیر بنا دیا گیا جس کا معنی مشک ہے۔ بعض کسی خوشبودار پھول کا نام کستیر بتاتے ہیں۔

حضرت شیخ بہادر صاحب موجودہ قصبہ زیارت سے چھ میل جنوب مغرب کی طرف تنگل میں رہتے تھے، یہیں حضرت کا کا صاحب کی ولادت ہوئی۔

بچپن ہی میں ترقی کر گیا تھا، حالت یہ تھی کہ ہر وقت تنہائی میں اللہ کی عبادت کیا کرتے۔ کھانے پینے کا بہت کم خیال رکھتے چنانچہ ضعف اور ناطاقتی اکثر غالب رہتی۔

نقل مکانی | والد کی وفات کے تین سال بعد آپ اُس جگہ چلے آئے جیسے اب میلہ کہتے ہیں اور زیارت کا صاحب سے ڈیڑھ میل جنوب مغرب کی طرف واقع ہے۔ یہاں پہاڑیوں میں ایک چشمہ کے پاس قیام فرمایا۔ یہ آپ کی جوانی کا زمانہ تھا۔ آپ کے زہد و تقویٰ اور ولایت کی خبر دور دور تک مشہور ہو چکی تھی، چنانچہ اُس پاس کے علاقوں سے لوگ آپ کی زیارت کے لیے آنے لگے اور میلہ میں اچھی خاصی رونق ہونے لگی۔

شہنشاہ اکبر | اتفاق سے شہنشاہ اکبر دہلی سے پشاور آیا۔ اُس نے کا صاحب کی بزرگی کا حال سُن رکھا تھا۔ چنانچہ نو شہرہ سے ملاقات کے مقام پر حضرت سے ملاقات کی اور بہت عزت و کرم کی۔ ایک تک حضرت کو اپنے ساتھ لے گیا۔ بار بار پوچھا کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں مگر حضرت نے ہر مرتبہ یہی کہا کہ میں غیر اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔ آپ کے انکار کے باوجود اکبر نے علامہ خٹک اور اتمان بلاق آپ کو جاگیر کے طور پر دے دیے۔ آپ نے وہی جاگیر اپنے مرید شہباز خٹک کو جو مشہور شاعر اور سردار خوش حال خاں خٹک کا باپ تھا، مرحمت کر دی۔

طریقت | آپ نے صرف اپنے والد بزرگوار سے بیعت کی تھی۔ دوسرے مشائخ کرام سے صحبتیں ہوئیں اور ان سے روحانی استفادہ بھی کیا، مگر بیعت کسی سے نہ کی۔ گویا آپ کا طریقہ ایسی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے مست بابائے طریقہ سہروردیہ میں بیعت کی تھی۔ مست بابائے انہیں خرقہ خلافت بھی عطا فرمایا تھا۔ بعد ازاں آپ نے متعدد علما و مشائخ سے ملاقاتیں کیں اور آخر میں طریقہ چشتیہ میں بیعت کی۔

عادات | اکثر خاموش رہتے۔ بہت کم قبیل و قال فرماتے، اگر عقیدت مندوں کی خواہش پر خلوت میں کبھی کبھی ارشاد فرماتے تو نہایت نرم اور آہستہ زبان میں مختصر طور پر بات کرتے۔ کبھی سنہسی یا عقہ نہ لگایا۔ سنہسی کے موقع پر صرف تبتم فرماتے۔ کام اور اپنی نگرانی اور سرپرستی میں سات مدرسے جاری کیے۔ تین میں قرآن مجید کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ قائم کیا گیا تھا۔ **طرز زندگی** | اور باقی چار میں دوسرے علوم پڑھائے جاتے تھے۔ آپ کی اپنی مجلس میں علمائے کرام اکثر حاضر رہتے تھے۔ علمی اور دینی بحثوں میں آپ کا فیصلہ آخری سمجھا جاتا تھا۔ تمام متنازعہ فیہ مسائل میں علماء آپ ہی سے رجوع کرتے تھے۔ آپ کے کتب خانے میں ہزاروں کتابیں تھیں جن سے طلبہ استفادہ کرتے تھے۔ ہر جمعہ اور پنجشنبہ کے روز اہل علم کے لیے خصوصی وعظ ہوتا۔ اتنی مدغم آواز میں وعظ فرماتے کہ دور بیٹھے ہوئے لوگ مشکل سے سُن سکتے تھے۔ غربا کے لیے ایک وسیع نگر فاری رکھا تھا۔ عقیدت مند جو کچھ پیش کرتے وہ نگر کے لیے وقف ہو جاتا، اپنے پاس کبھی کبھی نہ رکھا۔

وفات | ۲۴ رجب ۱۰۶۳ھ (۲۰ یا ۲۱ جون ۱۶۵۲ء) بروز جمعہ المبارک شاہجان کے عہد میں وفات پائی۔ عمر مبارک اسی برس کی تھی۔

عجیب واقعہ | کا صاحب کی وفات کے موقع پر علاقے کے مرید موجود تھے اور ہر کوئی چاہتا تھا کہ کا صاحب اسی کے علاقے میں دفن کیے جائیں۔ آخر طویل بحث کے بعد طے پایا کہ آپ کی نعش قبیلہ یوسف زئی اور خشک کی سرحد پر دفن کی جائے۔ چنانچہ جنازہ اٹھایا گیا۔ جب جنازہ اس جگہ پہنچا جہاں آپ کا مزار ہے تو لوگ سستانے کے لیے ٹھہر گئے اور جنازہ رکھ دیا گیا۔ جب دوبارہ اٹھانے لگے تو جنازہ اٹھایا نہ جاسکتا تھا۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ایک مرید نے کہا کہ میں نے کا صاحب کی زبانی ایک مرتبہ سنا تھا انھوں نے فرمایا اس جگہ کی زمین نے مجھ سے عرض کیا تھا کہ مجھے آپ کا مدفن بننے کا شرف بخشا جائے جو میں نے منظور کر لیا۔ غالباً اسی لیے جنازہ یہاں سے اٹھ نہیں سکا۔ بالآخر آپ کو اسی جگہ دفن کیا گیا۔

زیارت کا صاحب | جس جگہ آپ کا مزار ہے وہ جگہ زیارت کا صاحب کے نام سے مشہور ہے اور اچھا خاصا قصبہ ہے پشاور کی تحصیل نوشہرہ سے قریباً چھ میل جنوب میں ہے اور نوشہرہ سے زیارت کا صاحب تک نیم پختہ سڑک ہے جس پر تانگوں اور لاریوں کے ذریعہ آمد و رفت ہوتی ہے۔

خلفاء | آپ کے خلفاء بہت ہیں جن میں کئی مشہور بزرگ تھے۔ یہاں طوالت کے ڈر سے ان کے حالات نظر انداز کیے جاتے ہیں۔ **اولاد** | کا صاحب کے پانچ فرزند تھے۔ سب سے بڑے فرزند کا نام شہید بابا تھا جو والد بزرگوار کے جانشین تھے۔ شہید بابا نام کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو حق و صداقت کی حمایت کی پاداش میں شہید کیا گیا تھا۔ آپ کا مزار بھی زیارت کا صاحب ہی میں ہے۔ شہید بابا کے علاوہ حضرت صاحب کے چار صاحبزادے اور تھے، حاجی محمد مرزے خاں، حلیم گل اور نجم الدین۔

کا صاحب کے والد بزرگوار دادا اور پردادا تینوں مشہور بزرگ گزرے ہیں اور یہ تینوں سرحد کی سرزمین میں مدفون ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی ضمن میں ان تینوں کا بھی تھوڑا تھوڑا حال بیان کر دیا جائے۔

بہادر بابا | آپ کا نام سید بہادر ہے مگر بہادر بابا یا ایک صاحب کے نام سے مشہور ہیں یہ کا صاحب کے والد بزرگوار تھے۔ نیز ان کے ظاہری مربی اور مرشد بھی ہیں۔ اپنے زمانہ کے قطب تھے۔ ہزاروں لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ آپ کا مزار پرنوار قصبہ زیارت کا صاحب سے قریباً ۱۰ میل جنوب مغرب میں واقع ہے (کا صاحب کی ولادت یہیں ہوئی تھی)۔ اگرچہ مزار تک پہنچنے کے لیے پہاڑوں اور گھنے جنگلات سے گزرنا پڑتا ہے اور راستہ بہت دشوار گزار ہے تاہم بہادر بابا کے عقیدت مندوں کو بابا صاحب کا والدانہ عشق وہاں کھینچے لے جاتا ہے۔ چنانچہ مزار مقدس پر ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

مست بابا | آپ کا صاحب کے دادا اور بہادر بابا کے والد بزرگوار ہیں۔ اصل نام سیدناور ہے، مگر مست بابا ہی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ زیارت کا صاحب کے شمال کی طرف پہاڑوں میں رہا کرتے تھے۔ چونکہ آپ مستانہ رنگ کے بزرگ تھے اس لیے مست بابا نام پڑ گیا۔ اپنے وقت کے بڑے خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ مزار پرنوار زیارت کا صاحب سے سات اٹھ میل دور جنوب مغرب میں غیر آباد جگہ پر جنگل میں واقع ہے۔ مگر زائرین کے قیام و طعام، پانی اور دوسری ضروریات کا خاطر خواہ انتظام ہے۔

غالب بابا | غالب بابا کا نام سید غالب ہے۔ غالب بابا کہلاتے ہیں۔ مست بہاؤ کے والد بزرگوار ہیں۔ آپ ضلع پیشوا کی تحصیل ڈو شہرہ کے جنوبی علاقہ خورہ میں رہتے تھے۔ ابا پی سلسلہ سروردیہ تھا، مگر سلسلہ چشتیہ میں بھی بیعت کی اور علاج سلوک طے کیے۔ ہندوستان کے بعض شہروں کی سیاحت کے بعد وطن واپس آئے اور فیض و برکات سے لوگوں کو مستفید کرنے لگے۔ علاقہ خورہ میں مرد بہ نام ایک گاؤں کے قریب آپ کا مزار بتایا جاتا ہے۔ یہ مزار قصبہ زیارت کا صاحب سے قریب ۱۸ میل جنوب مغرب میں جراث کی پہاڑی سے تین چار میل دور واقع ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حضرت نظام الدین اورنگ آبادی

ولادت ————— نگر اڈن متصل لکھنؤ ۱۰۶۰ھ

وفات ————— اورنگ آباد (دکن) ۱۱۴۲ھ

حضرت نظام الدین اورنگ آبادی خطہ پاکستان و ہند کے ان مشائخ کرام میں سے ہیں جنہوں نے اس بزرگوار میں اسلام کی اشاعت کی اور اس کفرستان کو ضیائے اسلام سے منور کیا۔

آپ ۱۰۶۰ھ میں کاکوری موضع نگر اڈن متصل لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب حضرت شیخ شہاب الدین بہروردی کے واسطے سے حضرت صدیق اکبرؓ سے جا ملتا ہے اور والدہ ماجدہ کی طرف سے سلسلہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز تک پہنچتا ہے۔ تحصیل علم کے لیے آپ دہلی آئے اور طالب علمی کا زمانہ یہیں گزارا۔ پھر تحصیل علم کے شوق میں شیخ کلیم اللہ جلال آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ شیخ کلیم اللہ کی مجلس میں رہ کر علوم ظاہری میں کمالات حاصل کیں اور انہیں آپ سے بہت محبت ہو گئی۔ شیخ نے مرید کو اپنے خاص رنگ میں رنگ کر صاحب ولایت کر دیا۔ اور خرقہ خلافت عطا کر کے روحانی تعلیم دینے کے لیے دکن کی طرف بھیج دیا۔ ہدایت تھی کہ اورنگ آباد میں قیام کریں، چنانچہ مرشد کے ارشاد کی تعمیل میں دولت آباد ہوتے ہوئے اورنگ آباد پہنچے اور اشاعت اسلام میں مصروف ہو گئے۔ ٹھوڑے ہی عرصہ میں چاروں طرف آپ کے علم و عرفان کی دھوم مچ گئی۔ اور ہزاروں لوگ بارگاہ میں حاضر ہو کر حلقہ مریدین میں شامل ہونے لگے۔ آپ نے اس سرزمین کفر میں اسلام اور سلسلہ چشتیہ کبیرا رخ روشن کیا، سارے دکن میں آپ کا نام زبان زد خاص عام ہو گیا۔ آپ بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ سادہ غذا کھاتے اور سادہ لباس پہنتے، بہت زیادہ ہمان نواز تھے۔ آپ کا شاگرد ہر خاص و عام کے لیے کھلا رہتا۔ سماع سے بہت دلچسپی تھی۔ اکثر سماع کی محفلیں منعقد کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی مرید نے عرض کیا، میں نے رباب بجانے والے ایک توال کو آپ کے لیے نوکر رکھ لیا ہے، اگلی مجلس میں حاضر کروں گا، سیر اولیاء کے مستشف خواجہ گل محمد احمد پوری بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے پوچھا آیا صدائے رباب دوسرے سازوں سے زیادہ موثر ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

از کاسہ رباب مرا نعمتے رسید ! !

شد آفتاب ہر کہ ازاں ذرۂ چشمید !

پھر مکرر دو اشعار فرمائے :-

خشک تار و خشک چوب و خشک محبت از کجائے آید این آواز دوست
نے ز تار و نے ز چوب و نے ز پوست خود خود می آید این آواز دوست

سلطنت حیدرآباد دکن کے بانی قمر الدین علی خاں کو ۱۱۲۴ھ میں دکن کی تسخیر کا خیال آیا۔ اس وقت وہ مغلیہ فوج میں
صوبیدار تھا۔ چنانچہ شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے روحانی مدد چاہی۔ آپ نے فرمایا ہم نے دکن
کے لیے نظام الدین کو مقرر کیا ہے، تم ان سے جا کر لو۔ قمر الدین نے عرض کیا کہ کوئی سفارش عطا فرمائیں۔ شیخ نے ایک ٹھیکری پر یہ
عبارت لکھ دی:

”سکتا آ رہا ہے ہڈی ڈال دو“

قمر الدین نے یہ سفارش لے کر دکن پر چڑھائی کر دی، پھر دکن کے ضلع اورنگ آباد میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔
صبح کا وقت تھا اور آپ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ قمر الدین نے کسی شخص کے ذریعہ وہ ٹھیکری یا نادر پہنچادی اور بتایا کہ ایک شخص
آیا ہے اور حضرت شیخ کلیم اللہ کی طرف سے یہ ٹھیکری لایا ہے۔ شیخ نظام الدین نے ٹھیکری کی تحریر جو می، انگلیوں سے لگائی
اور جو روٹیاں سامنے رکھی تھیں ان میں سے سات روٹیاں اٹھائیں ان پر ایک ہڈی رکھی اور ملازم کو دی کہ قمر الدین کو دے دے۔
آپ نے ملازم سے کہا ہمان کو پہلے کھانا کھلا دو، ہم آتے ہیں۔

قمر الدین خاں اولیاء اللہ کے ایسے نکات و رموز سے واقف تھے۔ وہ روٹی لے کر کھانے لگے۔ جب فارغ ہو گئے تو
خواجہ نظام الدین تشریف لے آئے اور دریافت حال کے بعد پوچھا روٹیاں ختم ہو گئیں یا اور چاہئیں؟ قمر الدین نے عرض کیا،
حضرت خوب سیر ہو کر کھا لیا اب حاجت نہیں رہی۔ آپ نے اُسے قریب بلایا وہ دوڑا نو ہو کر ادب سے بیٹھ گیا اور اپنا مدعا بیان
کیا۔ آپ نے ماجرا سن کر اپنے پیر میں خاص سے ایک زرد حصہ پھاڑا اور اس کے سر پر باندھ کر فرمایا جا آج سے تو ”نظام“ ہے۔
قمر الدین دال سے رخصت ہو کر اڑائی میں شریک ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں میں دکن فتح کر لیا۔ قمر الدین کی بجائے
نظام الملک اصف جاہ اول کہلانے لگا۔ اور شاہی لباس میں زرد رنگ کی دستار کو اپنا طرہ امتیاز بنایا۔ پھر اسے مزید کئی
فتوحات حاصل ہوئیں اور حیدرآباد کی سلطنت وسیع ہوتی گئی۔

قمر الدین کو یہ سب شان و شوکت خواجہ نظام الدین ہی کی بدولت حاصل ہوئی تھی، چنانچہ وہ آپ کا بہت زیادہ عقیدت مند
ہو گیا اور کبھی فراموش نہ کیا۔ ایک مدت کے بعد اورنگ آباد آیا اور بہت سا روپیہ خواجہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور عرض کیا
کہ میں آپ کی سکونت کے لیے ایک محل تعمیر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے دریافت فرمایا تم میرے لیے کتنے عرصے میں محل تیار کرنا چاہتے
ہو اور دو سال کے عرصے میں آپ نے حکم دیا کہ خانقاہ کے سامنے اس چبوترہ پر سارا روپیہ ڈال دو۔

اس زمانہ میں نوٹ وغیرہ نہ تھے صرف روپے ہوتے تھے اور ان کا وزن ہوتا تھا۔ وزن اور تعداد دونوں زیادہ ہوتے
تھے اور انہیں ڈھیر کی صورت میں رکھ لیا جاتا تھا۔ چنانچہ قمر الدین نے سارا روپیہ گاڑیوں پر لادوا ہوا تھا، حکم ملے ہی اس نے

گاڑیوں پر سے روپیہ اترا کر چبوترے پر ڈال دیا۔ جب سارا روپیہ جمع ہو گیا تو حضرت خواجہ نے فقرا اور مساکین کو جمع کیا اور انہیں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ پھر مسکرا کر قمر الدین کی طرف دیکھا اور فرمایا تم نے تو دو سال میں ایک محل تعمیر کرنے کا کہا تھا اور ہم نے بارہ ہل میں کئی محل تعمیر کر دیے۔ قمر الدین آپ کی اس سخاوت سے بہت متاثر ہوا۔

دوسری مرتبہ اس نے تیرہ موصعات آپ کی خدمت میں نسلاً بعد نسل بغرض پرورش خاندان بطور نذر پیش کیے۔ اس وقت سے آج تک خواجہ نظام الدین کے عرس کے موقع پر جو تبرک شاہ وقت کو جاتا ہے وہ نان کی سات ٹہلیں اور ایک ہڈی ہوتی ہے جو زرد رنگ کے کپڑے میں باندھ کر درگاہ سے بھیجی جاتی ہے۔ جو بادشاہ حضرت کے مزار پر آتا ہے وہ زرد رنگ کا کپڑا سر پر باندھ کر آتا ہے۔

خواجہ نظام الدین کو اپنے پیرو مرشد سے بہت محبت تھی۔ اتفاق دیکھیے کہ آپ کا اور آپ کے پیرو مرشد کا سن وصال بھی ایک ہی ہے۔ یعنی خواجہ صاحب ۱۲ ذی قعدہ ۱۱۲۶ھ سنہ شنبہ کی رات کو فوت ہوئے، عمر مبارک ۸۲ سال کی تھی اور پیرو مرشد کا وصال ۲۴ ربیع الاول ۱۱۲۶ھ میں ہوا۔ پیرو مرشد اور مرید دونوں کی عمر بھی ایک ہی سال تھی۔

آپ کے پانچ فرزند تھے، سب سے بڑے کا نام محمد فخر الدین فخر جہاں تھا جو آپ کے خلیفہ اعظم تھے۔ دوسرے چار فرزندوں میں حضرت محمد عماد الدین، حضرت محمد معین الدین، حضرت مخدوم بہاء الدین اور حضرت غلام اللہ تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد حضرت کی اولاد ترک وطن کو کے اورنگ آباد میں اپنے دادا کے مزار پر رہنے لگی۔ نظام آصف جاہ کے عطا کردہ ۱۳ موصعات کی آمدن پر ان کی زندگی بسر ہوتی تھی، آپ کی اولاد میں سے شاہ نصیر الدین فخری، شاہ نظام الدین فخری و حضرت شاہ کمال الدین فخری ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔

نست ایبٹین

نست ایبٹین ایک ایسی دوا ہے جو کئی کئی صدیوں سے مشہور ہے۔ اس کا تعلق عربی دواؤں سے ہے۔ یہ دوا کئی طرح کے امراض کے لیے مفید ہے۔ اس کا ذائقہ خوش ہے اور اسے کھانا کی طرح کھا سکتے ہیں۔

اس دوا کی تاثیر کئی طرح کی ہے۔ اس سے کئی طرح کے امراض دور ہوتے ہیں۔ اس کا استعمال کئی طرح سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کا ذائقہ خوش ہے اور اسے کھانا کی طرح کھا سکتے ہیں۔

اس دوا کی تاثیر کئی طرح کی ہے۔ اس سے کئی طرح کے امراض دور ہوتے ہیں۔ اس کا استعمال کئی طرح سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کا ذائقہ خوش ہے اور اسے کھانا کی طرح کھا سکتے ہیں۔

اس دوا کی تاثیر کئی طرح کی ہے۔ اس سے کئی طرح کے امراض دور ہوتے ہیں۔ اس کا استعمال کئی طرح سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کا ذائقہ خوش ہے اور اسے کھانا کی طرح کھا سکتے ہیں۔

اس دوا کی تاثیر کئی طرح کی ہے۔ اس سے کئی طرح کے امراض دور ہوتے ہیں۔ اس کا استعمال کئی طرح سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کا ذائقہ خوش ہے اور اسے کھانا کی طرح کھا سکتے ہیں۔

اس دوا کی تاثیر کئی طرح کی ہے۔ اس سے کئی طرح کے امراض دور ہوتے ہیں۔ اس کا استعمال کئی طرح سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کا ذائقہ خوش ہے اور اسے کھانا کی طرح کھا سکتے ہیں۔

اس دوا کی تاثیر کئی طرح کی ہے۔ اس سے کئی طرح کے امراض دور ہوتے ہیں۔ اس کا استعمال کئی طرح سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کا ذائقہ خوش ہے اور اسے کھانا کی طرح کھا سکتے ہیں۔

اس دوا کی تاثیر کئی طرح کی ہے۔ اس سے کئی طرح کے امراض دور ہوتے ہیں۔ اس کا استعمال کئی طرح سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کا ذائقہ خوش ہے اور اسے کھانا کی طرح کھا سکتے ہیں۔

اس دوا کی تاثیر کئی طرح کی ہے۔ اس سے کئی طرح کے امراض دور ہوتے ہیں۔ اس کا استعمال کئی طرح سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کا ذائقہ خوش ہے اور اسے کھانا کی طرح کھا سکتے ہیں۔

اس دوا کی تاثیر کئی طرح کی ہے۔ اس سے کئی طرح کے امراض دور ہوتے ہیں۔ اس کا استعمال کئی طرح سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کا ذائقہ خوش ہے اور اسے کھانا کی طرح کھا سکتے ہیں۔

نماز عصر سے فارغ ہو کر مشکوٰۃ شریف و مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا درس دیتے۔ غرض یہی آپ کا رات دن کا معمول تھا اور اسی طرح ساری عمر گزاری۔

آپ کے خلفا میں حضرت خواجہ سید قطب الدین بہت اونچا درجہ رکھتے ہیں اور خاص شہرت کے مالک ہیں۔ عالم باعمل اور فاضل بے بدل تھے۔ بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ کئی زبانوں کے عالم تھے اور ان زبانوں میں بے تکلف گفتگو کر لیا کرتے تھے۔ پہلے کسی اور سلسلہ میں اپنے والد کے ساتھ رشتہ انتساب رکھتے تھے۔ پھر خواجہ محمد زبیرؒ کے مرید و خلیفہ ہو گئے۔ تنہائی اور گوشہ نشینی آپ کو بہت پسند تھی۔ امیروں کے ساتھ میل جول ناپسند تھا۔ رات دن قرآن مجید کی تلاوت اور دوسرے شریف اور ذکر و فکر سے شغف تھا۔ کبھی سر ہند شریف جا کر اپنے پیغمبر شد کے روضہ پر کچھ دن گزارتے اور کبھی دہلی میں خواجہ باقی باللہؒ کے مزار پر انوار پر قیام فرماتے۔

۱۱۷۳ھ میں جب احمد شاہ درانی نے سندھیا سپہنشاہ لشکر مہٹہ کو قتل کیا، آپ شہر کے باشندوں کے ساتھ جو فتنہ سے پہلے شہر چھوڑ چکے تھے، یکسر میں آ گئے۔

چونکہ زیارت رسولؐ کا بہت اشتیاق تھا۔ اس لیے حضرت حافظ جمال اللہ رام پوریؒ کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کر کے حرمین شریفین کو روانہ ہو گئے۔ سعادت حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ گئے اور پابزینہ شہر میں داخل ہوئے۔ غایت اشتیاق و محبت میں درود یار کو چومتے۔ مدینہ میں کچھ مدت تک رہے اور ذکر و فکر میں مشغول ہو گئے۔ وہاں بہت سے لوگ آپ کے حلقہ عقیدت میں شامل ہو گئے۔ وہیں آپ نے ۱۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ مزار پر انوار جنت البقیع میں حضرت خواجہ محمد پارسا کی قبر کے قریب ہے۔ اور یردوں قبریں سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام کے روضہ مبارک کے شمال مغربی گوشہ میں واقع ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جس طرح ہندوستان میں حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ ہندالوی مشہور ہیں، اسی طرح خواجہ سید قطب الدین بھی مدینہ منورہ میں ہندالوی کہلاتے ہیں۔

حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوریؒ

وفات _____ لاہور ۱۱۵۲ھ

لاہور میں دہلی دروازہ اور اکبری دروازہ کے باہر لب مرگ لاہور کے مشہور عالم دین اور ولی کامل حضرت شاہ محمد غوثؒ کا مزار مرجع خلایق ہے۔ پنجوں نے پنجاب میں سلسلہ عالیہ قادریہ کو بہت فروغ دیا اور ہزاروں تشنگان معرفت کو رشد و ہدایت سے سرفراز فرمایا۔

خاندان اور حضرت شاہ محمد غوث پشاور کے ایک جید عالم اور بزرگ سید حسین کے فرزند تھے۔ سلسلہ اعلیٰ حضرت خلافت غوث اعظم سے ملتا ہے۔ سید حسین کا تعلق قادری سلسلے سے تھا۔ علوم ظاہری و باطنی کے پیکر، رموز طریقت و حقیقت کے مظہر اور زہد و عبادت میں یکتائے زمانہ تھے۔ آپ کے جد امجد سید عبداللہ گیلان سے ہندوستان آئے تھے اور پشاور میں سکونت اختیار کی تھی۔

حضرت شاہ محمد غوثؒ والد بزرگوار کی صحبت میں رہ کر شریعت و حقیقت کے جامع بن گئے تھے۔ معرفت الہی سے دل روشن ہو گیا تھا۔ خاندان قادریہ میں خلافت کا پروردگار کی طرف سے ملا۔ اور ان کی اجازت سے مزید فیض روحانی کی خاطر گھر سے نکلے۔

سیاحت اور ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ ہو کر سیاحت کے لیے گھر سے اس غرض سے نکلے کہ مختلف علاقوں میں لوگوں کو دین فیضان صحبت اور مشائخ عظام سے ملاقات کریں اور معرفت الہی کے چشموں سے قلب و روح کی سیرابی اور دولت ایمان کی فیض یابی کی صورت پیدا ہو۔ چنانچہ ہندوستان کے متعدد شہروں میں پھرے۔ حضرت شاہ دولہ سید بھیکیر چشتی، عبدالغفور نقشبندی اور حاجی محمد زین شاہ وغیرہ کئی بزرگان و کمالان وقت کی مجالس میں وقت گزارا اور ان کی صحبت سے روحانی فیض اور باطنی شرف حاصل کیا، پھر سلسلہ نقشبندیہ اور چشتیہ میں تلقین کی اجازت حاصل کی۔

رسالہ غوثیہ کی تصنیف آپ نے غوثیہ نام سے ایک رسالہ بھی لکھا جس میں اپنی زندگی کے بہت سے واقعات تحریر کیے ہیں۔ خواب میں حضرت رسالہ غوثیہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں تلاش حق میں لاہور پہنچا تو رات بسر کرنے کے لیے حضرت میاں میرؒ کی خانقاہ میں گیا۔ خواب میں حضرت میاں میرؒ مجھے ملے اور فرمایا تم طلب حق میں نکلے ہو اور قرب خداوندی کا وسیلہ تلاش کر رہے ہو، میں تمہیں وعدہ کا ایک ایسا طریقہ بتاتا ہوں جس سے تمہاری تمنا پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت میاں میرؒ نے مجھے مصروف عبادت رہنے کے لیے ایک ورد بتایا اور فرمایا کہ اس پر عمل کیے جاؤ۔

شیخ حامد لاہوری | شیخ عبدالقادر ثانی کے پوتے شیخ حامد لاہوری یا حامد گنج بخش جن کا ذکر شیخ داؤد کرمانی شیر گڑھی کے ضمن سے ملاقات میں بھی آیا ہے اپنے عہد میں شیخ زمانہ مانے جاتے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوث اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ میں اپنے عہد کے بالکل بزرگ شیخ حامد لاہوری کی خدمت میں گیا اور حضرت میاں میر سے خواب میں ملاقات کا واقعہ سنایا۔ حضرت نے فرمایا کہ میاں میر نے جو کچھ تمہیں دیا ہے وہی تمہارے لیے کافی ہے اسی پر عمل کیے جاؤ۔

نادر شاہ کی شاہ | کہا جاتا ہے کہ شاہ محمد غوث کے مریدوں میں بھی ایک شخص کا نام محمد غوث تھا جو پشاور میں رہتا تھا، محمد غوث سے برہمی | محمد غوث ایک صالح مرد اور خدا رسیدہ بزرگ تھا۔ ان دنوں نادر شاہ ہندوستان پر چڑھائی کرنے کے خیال سے پشاور آیا تو محمد غوث کی باطنی کالمیت کا علم ہونے پر اس کا عقیدت مند ہو گیا۔ کسی نے نادر شاہ کو بتایا کہ لاہور میں اسی نام کا ایک بزرگ ہے جو اس سے بھی زیادہ کامل ہے۔ چنانچہ نادر شاہ نے حضرت شاہ محمد غوث کو ملاقات کے لیے پشاور بلایا۔ شاہ محمد غوث نے جو ابا کہلا بھیجا کہ بادشاہ کے بلانے پر اس کے پاس جانا میرے اقا و مرشد کے طریقے کے خلاف ہے جس پر نادر شاہ غصے میں آگیا اور کہا اچھا لاہور پہنچ کر پہلے شاہ محمد غوث کی خبر لوں گا پھر وہاں کی طرف قدم بڑھاؤں گا۔

جب نادر شاہ نے لاہور کا رخ کیا تو راستے میں دریائے اٹک عبور کرنا پڑا۔ جو اتنی شدید طغیانی پر تھا کہ نادر شاہ کے لیے اسے عبور کرنا ناممکن ہو گیا۔ اور وہ کئی دن تک لشکر سمیت وہاں پڑا رہا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ کہیں یہ شاہ محمد غوث سے برہمی کا نتیجہ تو نہیں۔ چنانچہ اپنے ارادہ پر افسوس کیا اور شاہ محمد غوث کی مخالفت کا خیال دل سے نکال دیا۔ نادر شاہ کی اس سوچ کے ساتھ ہی طغیانی جاتی رہی اور اس نے اٹک کو عبور کر لیا۔

بعض کہتے ہیں کہ نادر شاہ کو محمد غوث پشاور میں مشورہ دیا تھا کہ تم شاہ محمد غوث کے خلاف جذبات کو دل سے نکال دو تو یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ چنانچہ اس کے مشورہ پر نادر شاہ تائب ہوا اور طغیانی جاتی رہی۔

نادر شاہ کی | بہر حال اس واقعہ سے نادر شاہ پر شاہ محمد غوث کی بہیبت چھا گئی اور وہ ان کی عظمت اور بزرگی کا قائل و عقیدت مند! ہو گیا۔ لاہور پہنچ کر شرف باریابی حاصل کیا اور عقیدت سے سر تسلیم خم کر دیا۔

وفات | حضرت شاہ محمد غوث نے ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کی اولاد پشاور اور کشمیر میں بتائی جاتی ہے۔

یہ واقعہ نیز الاصفیاء اور بعض دوسری کتابوں میں بھی درج ہے۔ "یاد رفتگان" میں بھی حضرت کی ایک کلامت کا حال بہ سزا کنور نہ نمل لکھ

نسبت شریفہ عبداللطیف بجٹا

تالیف مولانا عبداللطیف بجٹا

پہلی جلد

میں نے اپنے والدین سے سیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کو جو علم عطا فرمایا ہے وہ میرے لیے ہے۔ میں نے اس علم کو اپنے لیے نہیں رکھا ہے بلکہ اسے اپنے والدین کے لیے رکھا ہے۔

میرے والدین نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کو جو علم عطا فرمایا ہے وہ میرے لیے ہے۔ میں نے اس علم کو اپنے لیے نہیں رکھا ہے بلکہ اسے اپنے والدین کے لیے رکھا ہے۔

میرے والدین نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کو جو علم عطا فرمایا ہے وہ میرے لیے ہے۔ میں نے اس علم کو اپنے لیے نہیں رکھا ہے بلکہ اسے اپنے والدین کے لیے رکھا ہے۔

میرے والدین نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کو جو علم عطا فرمایا ہے وہ میرے لیے ہے۔ میں نے اس علم کو اپنے لیے نہیں رکھا ہے بلکہ اسے اپنے والدین کے لیے رکھا ہے۔

لکھنؤ میں شائع ہوا ہے۔ لکھنؤ کے مولانا عبداللطیف بجٹا نے لکھا ہے۔

اور بڑی شدت کے ساتھ اسلام کے صحیح اصولوں کی تبلیغ کرنے لگے۔

سندھی علماء حسب و نسب اور ذات پات کے جھگڑے کھڑے کر کے ایک دوسرے کو بچھاڑنے میں مصروف تھے۔ شاہ صاحب نے علی الاعلان کہا کہ اسلام کسی حسب و نسب یا ذات پات کو نہیں مانتا۔ آپ نے بتایا کہ خدا کے نزدیک یہی بہتر ہے جس کے اعمال بہتر ہوں۔ لوگوں میں جو غیر اسلامی رسمیں مروج تھیں، شاہ صاحب نے ان کے خلاف جہاد کر کے ان کا قلع قمع کیا۔ سندھی مسلمانوں میں ہندوؤں کی بیشتر رسوم رواج پا چکی تھیں۔ اور عام مسلمان اسلام سے نااہل ہونے کے باعث ان رسموں کو اسلامی رسمیں سمجھتے تھے، شاہ صاحب نے ایسی تمام رسموں کا خاتمہ کر کے دم لیا۔

عملی کام کا نتیجہ | شاہ صاحب کی ان سرگرمیوں کے نتیجے میں عام لوگ اسلام کی صحیح اور سچی تعلیم سے واقف ہونے لگے ہندو رسمیں یا غیر اسلامی طریقے ختم کر دیے گئے۔ ذات پات کی تمیز اڑ کر صحیح اسلامی مساوات اور اسلامی اخوت کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ علماء آپس کے جھگڑے ختم کر کے ایک پلیٹ فارم پر آنے لگے۔ اور شاہ صاحب کے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے گئے۔ ذاتی کیفیت | شاہ صاحب کا بیشتر وقت تبلیغ دین کے علاوہ عبادت الہی میں گزرتا تھا۔ مریدوں کو علیحدہ طور پر بھی دینی مسائل سمجھاتے۔ کبھی کبھی خاص کیفیت طاری ہوتی تو زبان مبارک سے حقائق اور معرفت کے چستے پھوٹ نکلتے، وہ وہ باتیں بیان فرماتے جو علم و دانش کا خزانہ ہوتی تھیں۔ ایسی حالت میں زبان سے نکلی ہوئی باتیں سننے والوں پر خاص اثر کرتیں۔ ان کی بڑی خصوصیت ان کی خدا پرستی ہے۔

شاعری | آپ کو اشعار کہنے بھی خاص ملکہ تھا، آپ نے اپنی نظموں کا مواد عوامی کہانیوں سے اخذ کیا اور بہت سی کام کی باتیں اشعار میں کہی ہیں۔ اسی طرح وہ انسانی کردار کی عظمت کی تصویر کشی کرتے رہے۔ مگر سارے کے سارے اشعار جمع نہ ہو سکے۔ مریدوں نے جو کچھ سنا اسے حفظ کر لیا یا لکھ کر محفوظ رکھ لیا۔ آپ کی وفات کے بعد مریدوں نے آپ کا سارا شاعرانہ کلام اکٹھا کیا جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا۔ آپ کا مطبوعہ کلام "شاہ جو رسالو" (شاہ صاحب کے رسالے) کے نام سے مشہور ہے جو سندھی میں ہے۔ آپ نے نتیجہ خیز کہانیاں اور قصے ان شعروں میں بیان کیے ہیں۔ سندھ کی رومانی داستانیں یعنی کسمی بنوں، عمر ماروی اور کول رانو وغیرہ کی داستانیں بڑے عمدہ طریقہ سے نظم کیں جھیں آج بھی سندھ کے عوام بڑے شوق سے گاتے ہیں۔ چونکہ کلام کا اندازہ کرنے کے لیے ہر نظم کا پس منظر بھی معلوم ہونا چاہیے، لہذا ذیل میں ہم عمر ماروی، لیلان اور بھیسیر کے بارے میں شاہ صاحب کی نظموں کے چند اقتباسات محمد اکرام رہبر کے ایک مضمون سے ملخصاً پیش کرتے ہیں، جس میں مذکورہ بالا نظموں کے چیدہ چیدہ اشعار کا ترجمہ اور ساتھ ہی داستان کا خلاصہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ صاحب مضمون لکھتے ہیں:

"سندھ میں عمر اور ماروی کا قصہ بہت مشہور ہے۔ یہ داستان محبت عرف افسانہ ہی نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ ماروی مالیر گاؤں کے ایک غریب گلہ بان کی لڑکی تھی۔ یہ بہت حسین تھی اس کی نسبت اس کے قبیلہ مارو کے ایک نوجوان سے ہو چکی تھی۔ عمر کوٹ کا راجہ سمر کسی کے ہکانے سے اور اسے حسین دیکھ کر اسے اٹھالے گیا۔

اسے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہا، لیکن ماردی راضی نہ ہوئی۔ سمرو نے اسے ایک دو منزلہ مکان میں بند کر دیا۔ وہ پیکر و فائز ثابت قدم رہی۔ سمرو نے سختی سے کام لیتا چاہا تو ماردی نے اسے دھمکی دی کہ وہ چھلانگ لگا کر نیچے کود جائے گی اور خودکشی کر لے گی۔ آخر یہ طے پایا کہ اگر بارہ مہینے کے اندر اندر اس کے عزیزوں نے اگر اسے چھڑا لیا تو ٹھیک ورنہ ماردی کو اس سے شادی کرنا پڑے گی۔ وہ اس بالاخانے میں بارہ ماہ قید رہی اس کہانی کی نظم میں اس کے انہی جذبات کی آئینہ داری کی گئی ہے کہ قید میں اپنے دیس کی یاد میں گھلتی ہے اور اپنے رشتہ داروں کے انتظاریں چشم براہ ہے جو اگر اسے قید سے چھڑالیں گے۔

عمر ماردی کی داستان سے شاہ صاحب نے وطن پرستی، عصمت و عفت اور سچی محبت کی تعلیم دینے کی کوشش کی ہے۔ اپنے رشتہ داروں، محبوب اور وطن سے دور ماردی اپنی عصمت و عفت کو ہر ممکن طریقہ سے محفوظ رکھتی ہے وہ دولت و حشمت، ریشم و زربفت، محلات اور جھولوں کی طلب گار نہیں۔ وہ اپنی گودڑی کو ان سے زیادہ قیمتی سمجھتی ہے۔

”اے قوم کے سردار! میں ان چیزوں کی طلب گار نہیں، میں اپنی گودڑی کو اس شہانی شال پر ترجیح دیتی ہوں۔“
 ”اس حاکم عمر کے اچھے اچھے کھانے اور خوان گڑھے میں جائیں، میرے لیے تو اپنے قبیلہ والوں کی خشک روٹی ان سے بہتر ہے۔“

”ماردی اپنے محبوب سے دور ہے وہ اس قید کی زندگی کو زندگی نہیں سمجھتی۔“

”میرے کپڑوں میں سیکڑوں پیوند ہیں، میری کبلی پرانی اور بھٹی ہوئی ہے، میں نے کسی دن بال بھی نہیں سنوارے، میری زلف اپنی قدرتی خوشبو کھو چکی ہے۔ اسے کاش میں اپنے محبوب چرواہے کو دیکھوں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے، جس میں میں ہوں۔“

”ماردی نے نہ کبھی بال سنوارے نہ نئے کپڑے پہنے تاکہ جب ماردی اسے دیکھیں تو یہ اندازہ کر لیں کہ یہ امیدواروں کے سہارے زندہ تھی۔“

ماردی سے کہتی ہے:

”اے سمرو تو مجھے قید کر کے کیا لے گا۔ میرا من تیری طرف انا مشکل ہے۔ اے سمرو تو مجھے دفن کر دے تو اچھا کیونکہ تو مجھے حاصل نہیں کر سکتا۔ کاش کہ میں پیدا نہ ہوتی، اگر پیدا ہوتی تھی تو مر جاتی تاکہ میرے قبیلہ والوں کو یہ بڑی تڑپ نہ ہوتی (کہ ماردی کو سمرو اٹھا کر لے گیا)“ شاہ صاحب سبق دیتے ہیں کہ

”اے حسینہ! جہاں سکھ ہے وہاں دکھ بھی ہے، اگر تو وفا پر قائم ہے تو پھر یہ قید کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بس یہ خیال رکھنا کہ نا امید نہ ہونا چاہیے، یہ قید کی مدت تو جلد ہی ختم ہو جائے گی۔“

لیلاں اور چنسیر

لیلاں اور چنسیر کا قصہ بہت دلچسپ اور مشہور ہے۔ اس قصہ میں انسانی کمزوریوں، عام جذبات اور ان غلطیوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ جہاں انسان لالچ میں اکر کر بیٹھتا ہے۔ چنسیر دیول کوٹ کا نامور اور شجاع حاکم تھا، اپنی شجاعت کی وجہ سے بہت مشہور تھا، لیکن جس طرح جہانگیر نور جہاں کے آگے بے بس تھا اسی طرح یہ اپنی حسین و جمیل رانی لیلاں کی دلفریب ادائوں کے آگے بالکل بے بس تھا۔ زندگی بڑی کامرانی اور مسرت سے گزر رہی تھی۔ اسی زمانے میں ایک راجہ تھا، جس کی لڑکی کندو بہت خوب صورت اور صدفی تھی۔ ایک دن اس کی سہیلیوں نے طعنہ کے طور پر اسے کہا کہ اگر تو اتنی ہی خوب صورت ہے تو جا کر لیلاں کو ہٹا کے چنسیر سے شادی کر لے۔ لڑکی تھی صدفی، اس نے تمہیر کر لیا کہ وہ چنسیر کو ضرور ہی اپنے دام میں لے آئے گی۔ وہ ایک ملازمہ کے بھیس میں محل میں آئی اور لیلاں کی خدمت گزار مقرر ہو گئی۔ جب لیلاں کے دل میں گھڑ کر لیا تو ایک دن اسے ایک نہایت قیمتی ہار دکھا لیلاں کے منہ میں پانی بھرا آیا۔ کندو نے کہا کہ اس کی قیمت یہ ہے کہ چنسیر کے ساتھ ایک رات بسر کرنے کی اجازت مل جائے۔ زیور عورت کی سب سے بڑی کمزوری ہے، لیلاں کا دل اس ہار پر آ گیا تھا، اس نے کہا کہ اچھا ایک رات کی بات ہی کیا ہے، اتنا اچھا ہار اسے مل جائے گا۔

”میں یہ سمجھتی تھی کہ یہ مرصع ہار جب میرے پاس ہو گا تو اس سے میرا حسن دو بالا ہو جائے گا، مجھے کیا خبر تھی کہ ظالم کندو نے یہ کوئی جال بچھایا ہے۔“

بات یہ تھی کہ اس نے اپنے محبوب پر سد سے زیادہ بھروسہ کر لیا تھا۔ جب چنسیر کو اس لالچ والے سودے کی خبر ملی تو وہ انتقاماً کندو کے پاس چلا گیا۔ لیلاں کو چھوڑ دیا اور اسے اس کے گاؤں بھیج کر کندو سے شادی کر لی۔ لیلاں کہتی ہے:

”اے میرے محبوب میں کیا کرول تیری تو سوراخیاں ہیں، لیکن میرے تو صرف تم ہی محبوب ہو۔“

”اے میرے محبوب اگر میں نے غلطی کی تھی تو تیرا کام تو غلطیاں چھپانا ہے۔“

شاہ کی نظموں میں لیلاں کی نامرادی اور بچپتا و سے کا ذکر ہے۔ آخر میں لیلاں چنسیر کے بازوؤں میں اس احساس کے ساتھ کہ وہ اب بھی اس سے محبت کرتا ہے خوشی کی زیادتی سے دم توڑ دیتی ہے۔“

رہنمائی نور محمد | سندھ کے ایک رئیس میاں نور محمد کو شاہ صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔ اس نے عقیدت کے طور پر یہ
کا واقعہ | شہسوی مولانا روم کا ایک بہت عمدہ نسخہ منگا کر شاہ صاحب کی خدمت میں نذرانہ گزارا۔ نور محمد کے
ہاں اولاد نہ تھی۔ اس نے شاہ صاحب سے اپنے حق میں اولاد کے لیے دعا چاہی۔ شاہ صاحب نے دُعا فرمائی۔ چنانچہ
نور محمد کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ نور محمد نے شاہ صاحب کے نام کی مناسبت سے اپنے بیٹے کا نام غلام شاہ رکھا۔ یہی غلام شاہ

بڑا ہو کر سندھ کا حکمران بنا۔ غلام شاہ کے عہد حکومت میں شاہ صاحب وفات پا چکے تھے۔

بھٹ شاہ | پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شاہ صاحب بچپن ہی میں والد کے ہمراہ کوٹری چلے آئے تھے جو حیدرآباد سندھ کے قریب دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ پھر عمر کے آخری حصے میں ایک اچھی جگہ نئی آبادی کی بنیاد رکھی۔ اس کی تعمیر میں آپ کو بھی مزدوروں کی طرح کام کرتے رہے۔ آبادی کے سب مکانات ریت کے ٹیلوں پر بنائے گئے۔ سندھی زبان میں ریت کے ٹیلے کو "بھٹ" کہتے ہیں، اس لیے اس آبادی کو "بھٹ شاہ عبداللطیف" کہا جانے لگا۔ اب اسے صرف "بھٹ شاہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔ بستی حیدرآباد سے ۳۳ میل مشرق میں ریت کے چند تودوں پر واقع ہے۔ بھٹ شاہ، شاہ صاحب کی زندگی ہی میں آباد ہو گیا تھا، دور دور تک کچے پکے مکان بن گئے تھے۔ کھجوریں، بڑے جھنڈے، ہری بھری کھنیاں اور ہریالی نظر آنے لگی تھی۔ اب بھی وہاں یہی کیفیت ہے۔

مزار کی کیفیت | سندھ کے حکمران غلام شاہ نے آپ کی قبر پر خوبصورت روضہ تعمیر کرایا۔ اسی نے سکھ کے ایک مشہور خطاط اور نقاش سے روضہ پر نقاشی کرائی۔ قیام پاکستان کے بعد بھٹ شاہ میں ایک ثقافتی مرکز کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ بھٹ شاہ کے قریب کرار نام ایک جھیل ہے جس کا پانی بہت ٹھنڈا اور میٹھا ہوتا ہے۔ ڈرائیون اس جھیل کے کنارے خیمہ زن ہوتے اور سفر کی کوفت دور کرتے ہیں تاکہ عرس کے لیے تیار اور تازہ دم ہو جائیں۔ قیام پاکستان سے پہلے ہندو بھی کثیر تعداد میں عرس میں شریک ہونے کے لیے آتے تھے۔ عرس سے کچھ دن پہلے آمدورفت کا ایسا اتنا بندھتا ہے جو عرس کے چند دن بعد ہی ٹوٹتا ہے۔

بھٹ شاہ کی پرسکون اور سادہ بستی عرس کے دنوں میں دور دور تک پھیل جاتی ہے۔ جاہر جانچھے مکھائی دیتے ہیں۔ قصبے کے اطراف میں بڑے شہر کی سی کیفیت نظر آتی ہے۔ منڈیاں لگتی ہیں، بازار سجائے جاتے ہیں۔ دن کو منڈیوں اور بازاروں میں خوب چہل پھل ہوتی ہے مگر رات کے وقت یہ ساری رونق مزار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

مزار کے صحن میں موسیقی کی محفل منعقد ہوتی ہے جس میں مغربی پاکستان کے قوال خصوصاً سندھ کے قوال حصہ لیتے ہیں شاہ صاحب کی کہی ہوئی کہانیاں، دوہے اور کافیاں لگا کر سنائی جاتی ہیں اور عقیدت مند "واہ سائیں"، "بٹھا سائیں" کے نعرے لگاتے ہیں۔

اس ثقافتی مرکز کی رسم افتتاح مورخہ ۱۵ صفر ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۸ جنوری ۱۹۶۲ء کو جناب ذوالفقار علی بھٹو وزیر صنعت حکومت پاکستان (بعد میں وزیر اعظم پاکستان) نے ادا کی۔ یہ عمارت نئی و پیرانی طرز تعمیر آئینہ دار ہے۔ جس میں سندھی طرز تعمیر کو تازگی حاصل ہے۔ عمارت کے شعبوں میں ایوان فنون لطیفہ، ایوان شاہ عبداللطیف، دارالمطالعہ اور کتب خانہ شامل ہیں عمارت عمارت کے احاطہ میں ایک تالاب اور پلیٹ فارم بھی تعمیر کیا گیا ہے۔

حضرت بلھے شاہؒ

ولادت _____ قصور

وفات _____ قصور ۱۱۷۱ھ

حضرت بلھے شاہ پنجابی زبان کے وہ مشہور صوفی شاعر اور بزرگ ہیں جن کی کافیاں آج بھی پنجاب کے مختلف علاقوں میں بڑی مشہور و مقبول ہیں۔ ان قافیوں میں بلھے شاہ نے تصوف اور معرفت کے دریا بہائے ہیں۔ ان کا نام خدا رسیدہ بزرگوں میں لیا جاتا ہے۔

حالات | بچھے شاہ حضرت سید عنایت شاہ شطاری کے مرید بتائے جاتے ہیں۔ جو شاہ رضا قادری شطاری لاہوری کے بڑے خلفا میں سے تھے۔ مرشد نے خرقہ خلافت عطا کرنے کے بعد سید عنایت کو قصور کی طرف بھیج دیا، تاکہ وہاں رہ کر خدا کی خلق اور اعلیٰ دین حق کا فرض انجام دیں۔ چنانچہ قصور میں بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے اور ہر وقت عقیدت مندوں کا ہجوم رہنے لگا۔

شاعری | جب بلھے شاہ نے شاعری شروع کی اور مرشد کو اس کا پتہ چلا تو انھوں نے اسے پسند نہ کیا بلکہ ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ مگر جب انھوں نے ان کے اشعار سنے تو ان کی غلط فہمی دور ہو گئی اور بلھے شاہ کی عالی دماغی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ مریدوں نے شاگرد کی کافیاں میں علم و معرفت اور حکمت کی باتیں دیکھیں تو انھیں شاعری کی پوری پوری اجازت دے دی۔ مرشد کی اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلھے شاہ نے سینکڑوں کافیاں کہہ ڈالیں اور وہ اس قدر مقبول ہوئیں کہ آج بھی لوگ انھیں بڑے شوق سے گاتے اور سنتے ہیں۔ انھیں کافیاں کے طفیل بلھے شاہ کو لافانی شہرت نصیب ہوئی۔ ۱۱۸۱ھ

۱۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کی تحقیق کے مطابق یہ سال وفات غلط ہے بلھے شاہ کی ایک مہر کی بنا پر بلھے شاہ ۱۱۸۱ھ تک بقید حیات ہر تالیفات ہونا

کہ رضا شاہ قادری شطاری بہت بڑے عالم دین اور اولیاء اللہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور صاحب کشف و کلمات تھے۔ ان کے متعلق مشہور تھا کہ جو بات زبان سے نکالتے ہیں وہ ہو کر رہتی ہے۔ اولاد و وظائف سے بہت محبت تھی اور ہمیشہ اسی شغل میں لگے رہتے تھے۔ بہت سی کلمات ان سے سرزد ہوئیں۔ پنجاب میں ان کے پاسے کا کوئی بزرگ نہ تھا۔ ان کے مرشد کا سلسلہ چند واسطوں سے شاہ محمد غوث قادری شطاری گوالیار کی ایک پنپتا ہے۔ سلسلہ یہ ہے شاہ رضا قادری مرید قاضی شیخ محمد ناسل لاہوری مرید سلطان احمد داد قادری مرید شیخ محمد جمال مرید سید نور مرید محمد غوث گوالیار قادری شطاری۔ لاہور میں مدفون ہیں۔

۲۔ خزینۃ الامنیاء میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں شاہ عنایت قصور کے افغان حاکم حسین خان سے کبیدہ خاطر ہو کر لاہور چلے آئے اور وہیں ۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

کافیوں کے نمونے | نمونے کے طور پر آپ کی دو کافیاں درج کی جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں:

پڑھ پڑھ علم لگاویں ڈھیر

قرآن کتاباں چار چو فیر

گردے چائن وچ انھیر

باجھوں رہر خبر نہ سار

علموں بس کریں اویار

پکوالف ترے درکار

اس کافی میں علمائے سؤ کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ کہ عالم کے چاروں طرف کتابوں کے ڈھیر لگے ہیں، گویا اس کے ارد گرد کتابوں کی شکل میں علم کی روشنی پھیلی ہوئی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ خود اس کے اندر اندھیرا ہے، کیونکہ مرشد کے بغیر وہ بعض کتابوں سے کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ ایسے علم سے بہتر ہے کہ وہ اس سے کنارہ کش رہے۔ اُسے اگر ضرورت ہے تو ایک 'الف' کی ضرورت ہے۔

پھر اس الف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الف اللہ نال رتنا دل میرا مینوں 'ب' دی خبر نہ کافی

'ب' پڑھدیاں مینوں سمجھ نہ آوے، لذت الف 'دی آئی

'عین' تے 'غین' نون سمجھ نہ جاناں گل 'الف' سمجھائی

بلکھا شاہ قول الف 'دے پورے جیڑے دل وچ رکھن صفائی

اس کافی کا مطلب یہ ہے کہ الف اور ب کے اصل معنی وہ نہیں جو سکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے

'ب' کے پڑھنے میں وہ لطف نہیں ملتا جو الف کے پڑھنے میں حاصل ہوتا ہے اور افسوس ہے کہ میرا یہ مطلب لوگ نہیں سمجھتے۔ سمجھنا

چاہیے کہ توحید کے عاشقوں کی اصطلاح میں الف اللہ کہتے ہیں اور ب عالم کو۔ پس یہ طے شدہ اور آزمودہ بات ہے کہ الف

یعنی اللہ ہی کے ذکر سے دل کی صفائی ممکن ہو سکتی ہے اور کسی طریقہ سے نہیں۔

غرض بلکھا شاہ کی کافیاں معرفت و حکمت، دانائی اور عبرت کی باتوں سے لبریز ہیں۔ آپ نے تصور میں وفات پائی وہیں

ان کا مزار مرجع خلافت ہے۔ سن ولادت اور وفات کی تصدیق نہیں ہو سکی۔

تصور بجا طور پر ایسے باکمال شخص کے مدفن پر فخر کر سکتا ہے۔

حضرت شاہ ابوسعید مجددی

ولادت ————— رام پور —————

وفات ————— ٹونک ۱۲۰۵ھ

شاہ ابوسعید اپنے وقت کے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ فقر و فاقہ اور درویشی میں اپنی مثال آپ تھے۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ سیف الدین کے واسطے سے حضرت خواجہ محمد معصوم و حضرت امام ربانی سے ملتا ہے۔ آپ کا اصل نام شریف شاہ ابوسعید تھا۔

ابتداءً عمر سے ہی طبیعت فقیری کی طرف مائل تھی اور ذکر و فکر کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ لکھنؤ گئے۔ جس محلہ میں رہتے تھے وہاں کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جایا کرتے تھے، راستہ میں ایک برہنہ مجذوب رہتا تھا۔ وہ آپ کو دیکھ کر اپنا سر چھپانے لگتا۔ لوگوں نے اس سے وجہ دریافت کی تو کہنے لگا۔

”اللہ کے اس شیر کو ایسا منصب ملنے والا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ مرجع خلائق ہو گا اور دنیا اس سے رشد و ہدایت حاصل کرے گی۔“

مجذوب کا یہ کہنا بالکل صحیح ثابت ہوا۔

شاہ ابوسعید نے دس برس کی عمر میں ہی قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ قرأت ایک بہت اچھے اور صاحب کمال شخص سے سیکھی۔ قدرت نے بہت اچھی آواز دے رکھی تھی؛ چنانچہ جو سنتا و آرفتا ہو جاتا۔ حفظ قرآن کے بعد آپ نے علم و ادب، فقہ، حدیث اور دیگر علوم میں کمال حاصل کیا۔ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی سے بھی فیض پایا اور بعض علوم انھیں سے سیکھے۔

اب آپ باطنی علوم حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہوئے۔ اس مقصد کے لیے حضرت درگا ہی شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو بیٹے پاپے کے بزرگ اور دلی اللہ تھے۔ ان پر ہر وقت سکر کی کیفیت طاری رہتی۔ حضرت درگا ہی شاہ مرزا مظهر جان جاناں کی مجالس میں بھی رہ چکے تھے۔ انھوں نے شاہ ابوسعید کے حال پر توجہ فرمائی اور کمال شفقت سے ان کی تربیت قبول کی۔ چنانچہ آپ نے ان کے پاس رہ کر معرفت الہی کی بعض منزلیں طے کیں پھر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی سے جو مرزا مظهر جان جاناں کے مرید تھے، استفادہ کیا۔ بعد ازاں حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں دہلی چلے آئے۔

شاہ صاحب نے ان کی بہت عزت کی اور پیار و محبت سے اپنے پاس رکھا؛ پھر اپنی مسند ان کے لیے خالی کر دی، فرمایا: ”یہ ہے آپ کی جگہ اور فقیر آپ کے خاندان کا ایک ادنیٰ فیض یافتہ ہے۔“ شاہ ابوسعید نے قدم بوسی کے بعد عرض کیا ”میں آپ کی

کفٹش برداری اور آپ سے استفادہ کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں:-

شاہ غلام علی نے عرض قبول فرمائی اور علم و عرفان کی کئی منزلیں طے کرانے کے بعد آپ کو طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں ماہر کر دیا۔ معرفت و سلوک کی راہ دکھائی۔ پھر شاہ ابوسعید اتنی ترقی کر گئے کہ سلوک اور طریقت پر ایک رسالہ تصنیف کر کے شاہ غلام علی کی خدمت میں پیش کیا۔ جسے شاہ صاحب نے بہت پسند فرمایا۔

شاہ صاحب حضرت ابوسعید کی لیاقت و قابلیت اور ان کے باطنی کمالات کے بہت معترف تھے اور اکثر ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔ فرماتے "ارادت ہو تو شاہ ابوسعید جیسی ہو، جنہوں نے پیری چھوڑ کر مریدی اختیار کر رکھی ہے اور یہاں پڑے ہیں" اگرچہ شاہ ابوسعید کی حیثیت شاہ غلام علی کے مرید کی سی تھی، تاہم جب شاہ ابوسعید کبھی سفر پر جانے لگتے تو شاہ غلام علی ان کی تعظیم کے لیے اٹھ کر ان سے ملنے اور دروازے تک چھوڑ کر آتے۔ جب ابوسعید سفر سے واپس آتے اور شاہ غلام علی کو ان کی آمد کی خبر پڑے تو خاصی دور تک ان کے استقبال کے لیے جاتے۔ آپ وہی سلوک کرتے جو خواجہ باقی باللہ اپنے مرید اور خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ پھر خواجہ باقی باللہ کی پیروی میں شاہ غلام علی بھی اپنے مریدوں کو شاہ ابوسعید کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔ مولانا خالد رومی اور مولانا اسمعیل مدنی جو اکابر خفا میں سے تھے۔ شاہ ابوسعید ہی سے رجوع فرمایا کرتے تھے۔

شاہ صاحب پندرہ سال تک شاہ غلام علی کی خدمت بابرکت میں رہے اور ہر طرح ان کی خدمت بجالاتے رہے۔ اپنے پیرومرشد کے محرم راز بھی تھے۔ شاہ غلام علی کو آپ سے اتنی محبت تھی اور تعظیم بھی اتنی زیادہ کیا کرتے تھے کہ ایک دفعہ بیماری کے دوران خبر ملی کہ شاہ ابوسعید سفر سے واپس دہلی آ رہے ہیں تو آپ نے مریدوں سے فرمایا میں بیماری کے باعث اٹھ کر پیدل نہیں چل سکتا، لہذا تم میری چار پائی اٹھا کر مجھے اسی جگہ لے چلو جہاں میں تندرستی کی حالت میں جا کر ابوسعید کا استقبال کیا کرتا تھا۔

ان باتوں سے مقصد یہ تھا کہ پیروں کو یہ غرور نہیں کرنا چاہیے کہ صرف وہی اپنے مریدوں کی نظروں میں قابل احترام ہیں بلکہ مرید بھی پیروں کے لیے قابل تعظیم ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت باقی باللہ اسی خیال کے تحت حضرت امام ربانی کے استقبال کو خود جایا کرتے تھے۔

جب شاہ صاحب وفات پا گئے تو ابوسعید خانقاہ مجددیہ میں ان کے جانشین مقرر ہوئے اور خدمتِ خلق میں لگ گئے۔ آپ کے متعلق بہت سی کرامات بیان کی جاتی ہیں، جن میں چند یہ ہیں کہ ایک دفعہ ایک خادم نے عرض کیا، تمہارے

وقت میری آنکھ نہیں کھلتی۔ آپ نے دوسرے روز سے تہجد کے وقت پھبندی سے مرید کو اٹھانا شروع کر دیا (باطنی وقت کے زور سے)

ایک مرتبہ ایک مرید پر استغراق کی کیفیت طاری ہوئی، اس نے کہا مجھے نماز کے وقت قبلہ کی سمت دکھائی نہیں دیتی۔ آپ نے فرمایا بوقت تحریم میری طرف متوجہ رہو، میں تمہیں قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا کروں گا۔ چنانچہ مرید نے ایسا ہی کیا۔ جونہی اس نے تحریم کے وقت مرشد کا تصور باندھا اسے قبلہ نظر آنے لگا۔

ایک مرتبہ خانقاہ میں لوگوں کے درمیان نزاع کی صورت پیدا ہو گئی۔ رات کے وقت ایک مرید نے خواب دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار لگا ہے اور حضرت ابوسعیدؓ کی خانقاہ کا جھگڑا رسول خدا کے سامنے پیش ہے۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ فلاں فلاں شخص کو خانقاہ سے نکال دیا جائے۔ مرید کو خوف ہوا کہ کہیں رسول اللہ ان لوگوں میں میرا نام بھی نہ لے دیتے اس خوف سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

تہجد کے وقت وہی مرید حضرت ابوسعیدؓ کو وضو کرا رہا تھا کہ انہوں نے مرید کی طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا گھبراتے کیوں ہو حضورؐ نے تمہارا نام تو نہیں لیا۔ پھر حضرت ابوسعیدؓ نے نماز سے فارغ ہونے پر ان تمام درویشوں کو خانقاہ سے نکل جانے کا حکم دیا جن کے نام رسول خداؐ نے گناہے تھے۔

آپ جو عین شریفین کی زیارت کے لیے گئے تو وہاں کئی بزرگان دین اور مشائخ عظام سے ملے۔ سب نے آپ کی بہت عزت و تکریم کی۔ واپسی پر ریاست ٹونک کے نواب کی درخواست ملی کہ میرے ہاں ضرور تشریف لائیں چنانچہ آپ وہاں چلے گئے اور بیمار ہو گئے۔ والی ٹونک نے علاج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، مگر آخر وقت اچکا تھا، دوا سے کچھ افادہ نہ ہوا۔ نواب روزانہ آپ کے دیکھنے کو آتا تھا۔ عید کا دن آیا تو آپ نے نواب کو اپنے پاس آنے سے منع کر دیا۔ فرمایا دنیا داروں کے آنے سے ظلمت آتی ہے۔ حکم دیا کہ سورہ یسین تلاوت کی جائے۔ تین مرتبہ تلاوت ہونے کے بعد آپ نے فرمایا "فرصت کم ہے بند کردو" اور اسی روز انتقال فرمایا۔

تابوت دہلی لایا گیا اور حضرت شاہ غلام علیؒ کی خانقاہ میں ان کے مزار کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ

ولادت _____ بستی چوٹھالہ (ہمار شریف) ۱۱۲۲ھ

وفات _____ ہمار شریف _____ ۱۲۰۵ھ

ہندوستان میں سلطنتِ مظہریہ کے عہد میں تصوف کو پھر فروغ ہوا اور دو تین صدیوں کے بعد چشتیہ سلسلے نے دو تین ایسے بزرگوں کے ذریعہ رونق پائی، جو یکے بعد دیگرے ظہور پذیر ہوئے۔ ان بزرگوں میں سے ایک شیخ کلیم اللہ شاہ آبادی تھے، جنہوں نے اپنے مولد شاہا آباد میں چشتیہ سلسلے کی اشاعت و تبلیغ کا کام کیا۔ ان کے جانشین شیخ نظام الدین ولی اورنگ آبادی نے اورنگ آباد کن (میں اپنے پیر و مرشد کے کام کو جاری رکھا۔ پھر ان کے فرزند مولانا فخر الدین فخر جاہاں شاہا آبادی نے وہاں میں بڑھ کر شمالی ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کی بڑے کامیاب طریقہ سے اشاعت کی۔ انہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اپنے خلفا بھیجے۔ خواجہ نور محمد مہاروی انہیں خلفاء میں سے ہیں، جنہوں نے خاتقاہ تونسہ (ضلع ڈیرہ غازی خان) کے بانی خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور گولڑہ (ضلع راولپنڈی) جلال پور اور چاچڑاں کے مشہور بزرگوں کو مرید کیا۔

پیدائش اور خواجہ صاحب کا اصل نام بابل یا بھیل تھا۔ وطن بستی چوٹھالہ (جوٹالہ) ہے، جو ہمار شریف سے چار کوس مشرق حسب نسب کی طرف ہے۔ یہیں ۱۲ رمضان ۱۱۲۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

والد کا نام: بہنوال یا ہندال تھا جو محمود کھل کے بڑ پوتے تھے۔ والدہ محترمہ کا نام عاقل خاتون تھا۔ سلسلہ نوشیرواں عادل سے اس طرح ملتا ہے۔

خواجہ نور محمد بن ہندال بن طاہر بن فتح بن محمود کھل بن مرہ بن عزیز بن قاتان بن دینا بن چتر بن نالار بن ادھر بن اسو بن لورابن جگت سین بن سید بن سیک بن راجت بن دیپا بن گڈن شہیر بن مڑا بن بدھ بن بھل بن بادہ بن کھل بن کھوہ بن رانوبن دیوہ بن بھل بن جیل بن فتح بن آہرا بن بہوٹا بن رائے دیون بن چالک بن سنگھی بن راجہ کرن بن سورج بن بولراج بن راجہ

۱۱۲۲ھ متوفی ۱۲۰۵ھ۔ لہ متوفی ۱۱۲۲ھ میں لائے جانے کا بہادر شاہ ظفر مرید تھا، مولانا ہی کے پوتے تھے۔

لہ روڈ کوڑھ مستقر شیخ محمد کرام ص ۲۱۹-۲۲۰

لہ یہ نام والدین نے لکھا تھا۔ بعد ازاں آپ کے مرشد بزرگوار فخر الدین فخر جاہاں نے نور محمد تجویز کیا۔

لہ ہمار شریف پاک پٹن سے ۲۵ کوس مغرب میں واقع ہے۔ لہ حدیقۃ الاخیار ترجمہ گلشن بار مولانا خواجہ امام بخش ص ۱۰۰

جگ وے بن مہوٹا بن رائے دیون بن چالک بن بنیسور بن قیسور بن ہرزمین نوشیروان عادل -
تعلیم و تربیت | خواجہ صاحب نے پہلے قرآن پاک حفظ کیا پھر ہمارے شریف ہی میں رہ کر عقلی اور نقلی علم سیکھتے رہے۔ بعد ازاں
 ڈیرہ غازی خاں جا کر درسی کتابیں پڑھیں۔ پاک پٹن کے نواح میں موضع بیلا کے ایک شخص شیخ احمد کو کھر سے بھی کچھ تعلیم پائی
 پھر خواجہ محکم دین کے ہمراہ لاہور آکر تحصیل علم میں مصروف رہے۔ لاہور میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد دہلی چلے گئے اور نواب
 غازی الدین کے مدرسہ العلوم میں پڑھتے رہے۔

مولانا فخر الدین فخر جہاں | ان دنوں دہلی میں اورنگ آباد کن کے مشہور بزرگ اور متبحر عالم مولانا فخر الدین فخر جہاں مقیم تھے
کی شاگردی اور بیعت | خواجہ صاحب نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے تلمذتہ کیا۔ سولہ سال تک ان کی خدمت
 کی اور علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا۔ ۶۵ھ میں جبکہ خواجہ صاحب کی عمر ۲۳ سال کی تھی، فخر جہاں نے خواجہ
 قطب الدین نختیار کاگی کے روضہ اقدس پر انھیں بیعت سے سرفراز کیا۔

خلافت | خواجہ صاحب کو اپنے بیرو مشد سے بہت محبت تھی۔ مولانا بھی خواجہ صاحب کو دل و جان سے چاہتے تھے۔
 اور ان کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خواجہ صاحب نے کابل سولہ سال تک آپ کی خدمت کی۔ چنانچہ مولانا
 نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ مولانا کے خلفائوں تو سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے، مگر خواجہ صاحب کو آپ سب
 خلفا سے زیادہ پسند کرتے تھے اور انھیں خلیفہ اعظم کا درجہ دے رکھا تھا۔ اپنی کتاب مناقب فخر میں مولانا نے ان کا ذکر بھی
 کیا ہے۔

وطن کو واپسی | عطائے خلافت کے بعد مولانا نے انھیں وطن لوٹ جانے کی اجازت دی۔ چنانچہ آپ عرفان باطنی سے
 مالا مال ہو کر ہمارے شریف واپس آگئے۔

حدیقہ الاخیار میں خواجہ نور محمد ہاروی کے حالات درج ہیں۔ اس کتاب سے چیدہ چیدہ ٹکڑے اخذ کر کے درج کیے
 جاتے ہیں۔ لکھا ہے کہ آپ ایک ہفتہ ہمارے شریف ٹھہرے۔ ان ایام میں آپ کا معمول تھا کہ دو وقت والدہ صاحبہ کی خدمت
 میں حاضر ہوتے اور باقی تمام وقت مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر مشغول عبادت رہتے۔ ایک ہفتہ گزرنے کے بعد آپ نے واپسی کا
 قصد کیا اور والدہ صاحبہ سے رخصت مانگی۔ انھوں نے فرمایا کہ بیٹا! بارہ تیرہ برس کی طویل مفارقت کے بعد واپس آیا، میرا دل
 نہیں چاہتا کہ اب تو ایک پل کے لیے بھی میری آنکھوں سے اوجھل ہو۔ اگر خواہ مخواہ تجھے واپس جانا ہے تو دس بارہ دن اور میرے
 پاس ٹھہر، مگر قبلہ عالم (خواجہ ہاروی) کو چونکہ شیخ کی جناب پاک سے ایک ہفتہ کی رخصت ملی تھی، اس لیے بہت کوشش کر کے
 والدہ صاحبہ سے رخصت لی۔ باقی بھائیوں، چچا و استاد سے مل کر پاک پٹن شریف روانہ ہوئے۔

قبلہ عالم پہلے حضرت گنج شکر کی جناب پاک میں حاضر ہوئے۔ بعد ازاں مولانا کی قدمیوسی سے مشرف ہوئے۔ حضرت مولانا
 نے قبلہ عالم سے معاف فرمایا، سفر کے حالات دریافت کیے، گھر کی خبریت پوچھی، بعد فرمایا کہ میاں صاحبہ سے رخصت میں نے

پہلے آپ کے سپرد کی تھی وہ آج سے موقوف ہوئی۔ اب تمہارے سپرد ایک دوسری خدمت کی جاتی ہے۔ اب آپ ہم سے علیحدہ ہو کر بروج نظامی میں ڈیرا لگائیں۔

قبلہ عالم نے حسب فرمایش ذیشان اسی طرح تعمیل کی۔ بعد ازیں جو شخص حضرت مولانا کی خدمت میں بیعت کی غرض سے یا حل مشکلات کی خاطر آتا آپ اسے قبلہ عالم کی خدمت میں بھیجتے۔

ایک بار جب حضرت گنج شکر کا عرس شریف ختم ہو گیا تو حضرت مولانا نے قبلہ عالم کو فرمایا کہ میرا ارادہ اور دو ماہ میں ٹھہرنے کا ہے، بہتر ہے کہ آپ دوبارہ گھر جا کر والدہ ماجدہ اور عزیز واقارب سے اچھی طرح ملاقات کر آویں اور تاریخ معین پر واپس میرے پاس آجائے۔ قبلہ عالم حسب حکم ہمارے شریف کو روانہ ہوئے۔

اس دفعہ آپ ہمارے شریف زیادہ مقیم ہوئے، کیونکہ مولانا کا فرمان تھا کہ میری دلیسی دہلی کے دن جب قریب آئیں تو آجائے۔ میعاد ختم ہوئی اور قبلہ عالم واپس پاک پٹن جانے لگے تو آپ کے ساتھ آپ کے بھائی، چچا اور استاد بھی پاک پٹن تشریف لے گئے۔ قبلہ عالم مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر زمین بوس ہوئے۔ مولانا ازراہ کم سرود کھڑے ہو گئے اور آپ سے محالقت فرمایا۔ قبلہ عالم کی درخواست پر مولانا نے آپ کے ہمراہیوں کو بیعت کر لیا۔ چند یوم کے بعد مولانا دہلی تشریف لے گئے، قبلہ عالم بھی ساتھ گئے اور قبلہ عالم کے چچا اور استاد صاحبان ہمارے شریف لوٹ آئے۔

خلاصۃ القوائد میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا صاحب دو جینے اور گیارہ دن پاک پٹن شریف ٹھہرے۔ قبلہ عالم حضرت مولانا کے ساتھ دہلی چلے گئے تھے۔ آپ دہلی میں حضرت کی خدمت میں آٹھ یا نو جینے رہتے اور چند جینے واپس گھرا کر ٹھہرتے اسی طرح کچھ عرصہ تک یہی معمول رہا۔ حضرت مولانا کی پاک پٹن تشریف آوری سے حضرت قبلہ عالم کا خاندان مولانا کے شرف بیعت سے مشرف ہونے لگا تھا۔

نقل ہے کہ ایک روز کئی مسجد میں تشریف فرماتے، علماء و فقرا اور تمام غلام آستانہ فیض کا شانہ پر حاضر تھے۔ فصص عشقیہ شروع ہوئے۔ لیلے مجنوں اور فرادہ شیریں کی حکایتیں گرم ہوئیں تو حضور نے زباں جو ہر نشاں سے یہ شعر بڑھا:

شمہ از دہستان عشق شور انگیز ما
وال حکایت ہا کہ از فرادہ شیریں می کند

یہ سن کر تمام خاموش ہو گئے۔ اس میں یہ لطیف نکتہ سمجھایا کہ طالب کو چاہیے شیخ کے حضور میں چپ ہو کر بیٹھے اور فضول کلام نہ کہے، کیوں کہ جتنی مشکلات صحبت شیخ میں حل ہوتی ہیں اس قدر بہت سے مجاہدوں اور ریاضتوں سے بھی نہیں ہوا کرتیں۔ خواجہ نور محمد ہاروی کا فیض ہر امیر و فقیر کے لیے یکساں تھا اور کلام خالی از حکمت نہ فرماتے۔ غرض آپ کا تمام طریقہ اتباع سنت نبویہ تھا۔ زہد و پرہیزگاری کو بہت پسند فرماتے۔ علم تصوف و اخلاق کا اکثر شغل رکھتے۔ چنانچہ کتاب لوائح و نفحات الانس و فقرات و شرح لمعات و سواد السبیل و عشرہ کاملہ اور قصص حکم کا مطالعہ اکثر اوقات کرتے تھے۔ ایک روز فرمایا کہ ایک دن حضرت مولانا صاحب کتاب فقرات ہاتھ میں لیے ہمارے شریف لائے اور مجھے کتاب دے کر فرمایا کہ یہ کتاب تمہارے

بہت کام آئے گی۔ اس کا بہت مطالعہ کرنا، کیونکہ اس میں بہت جذبہ ہے۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنے تئیں تعلیم اور مطالعہ کتب و دیگر امور پر مشغول نہ رکھوں تو خدا جانے کس حالت پر پہنچ جاؤں، لیکن خلق خدا کے فائدے کے واسطے جو کہ ایک اہم ترین کام ہے۔ ناچار آپ کو دوسری طرف بھی مائل کرنا ہوں۔

جب حضرت قبلہ عالم رونق افزائے ملک پنجاب ہو کر ہمارے شریف میں اقامت پذیر ہوئے اور عالم کو انوار رحمت آثار سے مشرف فرمایا تو حسب حکم حضرت مولانا کاشی سال نماز جمعہ پاک پٹن شریف حضرت گنج شکر کے حضور میں پڑھتے رہے جب آپ کے مزاج گرامی میں ضعف پیدا ہوا تو حضرت گنج شکر کے ایما سے اُٹندہ کے لیے یہ مجاہدہ ساقط کر کے حضرت تاج الدین سرورؒ (جو کہ حضرت گنج شکر کے پوتے ہیں) کے ہاں جمعہ کی نماز پڑھتے رہے۔ جہاں بابا صاحب کی اولاد مدفون تھی خواجہ صاحب کے مریدوں کا حلقہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اپنے مریدوں کو سلوک کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مولانا فخر جہاں برابر آپ کی طرف توجہ فرماتے رہے۔ وہ جانتے تھے کہ علم و عرفان کی جو شمع انھوں نے روشن کی ہے اس کی ضیا سے پنجاب اور بہاول پور کی سرزمین یقیناً جگمگا اٹھے گی۔ خواجہ نور محمد ہاروی ہی وہ شمع معرفت تھے جس کے گرد پروانے جمع ہو رہے تھے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ ہندوستان میں دوبارہ اپنی پوری شان سے جلوہ گر ہو گیا تھا۔

وفات | ۲ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ میں بعمر ۶۴ سال ہمارے شریف میں وفات پائی اور آپ کی خواہش کے بموجب نعش مبارک موضع تاج سرور (چشتیاں) لے جانی گئی۔ وہیں آپ کا روضہ ہے۔ یہ روضہ رنگین عمارت ایک وسیع خوش فضا میدان، حوض، کنواں، مسجد اور چند مکانات پر مشتمل ہے، ساتھ ایک بڑی سرائے ہے جو نواب بہاول پور نے تعمیر کرائی تھی۔

اولاد | خواجہ صاحب کے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ بڑے صاحبزادے کا نام نور احمد تھا جو والد کے وصال پر سند آرائے خلافت ہوئے اور یکم ربیع الاول ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار والد کے مزار کے متصل مشرق کی طرف ہے۔ دوسرے فرزند کا نام خواجہ نور احمد تھا جنھوں نے ۱۲۲۲ھ میں وفات پائی۔

تیسرے صاحبزادے کا نام خواجہ نور الحسن تھا، وہ ۱۲۸۰ھ میں فوت ہوئے۔

خلفاء | ۱۔ خواجہ صاحب کے خلفا میں خواجہ سلیمان تونسویؒ بہت شہرت کے مالک ہیں۔ آپ بڑے باکمال بزرگ گذشتہ ہیں۔ جب خواجہ صاحب مولانا فخر جہاں سے عرقہ خلافت حاصل کر کے رخصت ہونے لگے تو مولانا نے بعض نصیحتیں کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ تمھارے دامن سے ایک کوستانی شہہازہ وابستہ ہوگا۔ یہ خواجہ سلیمان تونسویؒ ہی کے متعلق تھا۔ خواجہ نور احمد

لے اس مقام پر بابا فرید شکر گنج کے پوتے اور شیخ بدر الدین سلیمان کے بیٹے تاج الدین سرور مدفون ہیں۔ چنانچہ انھیں کی نسبت سے اس جگہ کا نام "مجمع سرور" رکھا گیا۔ چونکہ فریدی خانوادہ کے لوگ یہاں کثرت سے آباد ہیں اس لیے اسے "بستہ چشتیاں" بھی کہا جاتا ہے۔

خواجہ ہاروی کو تاج سرور کے حصار سے بہت عقیدت تھی، آپ ہر جمعہ کو وہاں آیا کرتے تھے، چنانچہ یہیں اپنی خانقاہ بھی قائم کر لی تھی۔

کے مفصل حالات اس کتاب میں عمدہ بیان کیے گئے ہیں۔

۲۔ خواجہ صاحب کے دوسرے مشہور خلیفہ خواجہ نور محمد ثانی عرف نارو والہ ہیں۔ آپ مولانا نجر جہاں کی ہدایت پر خواجہ صاحب سے بیعت ہوئے تھے۔ بڑے باخدا ولی تھے۔ بڑے عابد اور شب بیدار تھے۔ اکثر مراقبے میں رہتے تھے۔ شرع کے بہت پابند تھے۔ ۶ جمادی الاول ۱۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ روضہ مبارک ڈیرہ غازی خاں کے قصبہ حاجی پورہ میں مرجع خلافت ہے۔

۳۔ خواجہ صاحب کے تیسرے خلیفہ حافظ محمد جمال طسانی ہیں جو خواجہ صاحب کے وضر کی خدمت پر مامور تھے۔ بڑے بڑے صوفی اور متقی آپ سے علوم ظاہری اور باطنی کا درس لیا کرتے تھے۔ آپ کا روضہ ملتان میں ہے۔ آپ کے مفصل حالات بھی اسی کتاب میں الگ درج ہیں۔

۴۔ خواجہ صاحب کے چوتھے خلیفہ قاضی محمد عاقل سکندر کوٹ مٹھن ہیں جن کے سلسلہ سے خواجہ غلام فرید تعلق رکھتے ہیں جن کی پنجابی کافیاں عام مقبول اور مشہور ہیں۔

قاضی صاحب بھی بڑے باکمال بزرگ تھے۔ کوٹ مٹھن میں سکونت تھی۔ آخر عمر میں کوٹ مٹھن چھوڑ کر موضع شدرانی چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ نواب محمد صادق والی بہاول پور آپ کو وہیں دفن کرنا چاہتا تھا مگر آپ کے صاحبزادے احمد علی کی خواہش پر جنازہ کوٹ مٹھن لے جایا گیا اور وہیں دفن ہوئے۔

ان مشہور خلفاء کے علاوہ خواجہ ہماروی کے اور بھی کئی خلفاء ہیں جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کیے

جاتے ہیں:

محمد بخش چشتی	محمد غوث بھیدانہ	غلام محمد سکندر میروالی
مولوی نور محمد سکندر نواح بہاول پور	نواب لطف اللہ خاں	اصالت خاں
مولوی محمد اکرم ڈیرہ غازی خاں	اختیار خاں	مولوی محمد حسین
مولوی محمد مسعود جہانگہ والا	مولوی محمد عیب	حافظ نبی
قاری صبغتہ اللہ	غلام محمد کسری	قاری عزیز اللہ
حافظ ناصر	میاں محمد فاضل نیکوکارہ	میاں صبغتہ اللہ
حافظ غلام حسین	نور الحق	نواب غازی الدین
مولوی تاج محمد ساکن گڑھی	میاں غلام حسین بھٹی	عبدالوہاب اوچی
شیخ جمال چشتی فیروز پوری	سید صالح محمد شاہ	مخدوم نوبہار اوچی
مخدوم عبدالکریم	مخدوم محبوب جہانیاں	حافظ عظمت میران شاہ

حضرت حافظ محمد جمال ملتانیؒ

وفات _____ ملتان ۱۲۲۶ھ

ملتان ایک مدت سے سلسلہ سہروردیہ کا مرکز تھا۔ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ نے یہاں اس سلسلے کی عظیم الشان خانقاہ قائم کی تھی اور یہ سلسلہ اپنے پورے عروج پر تھا۔ کسی اور سلسلے کو یہاں فروغ پانے کا موقع نہ ملا تھا۔ حافظ محمد جمال ملتانی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے یہاں چشتیہ سلسلے کی بنیاد رکھی۔ آپ خواجہ نور محمد ہاروی کے خلیفہ تھے۔ بہت بڑے ولی اللہ اور عالم فاضل بزرگ تھے۔ آپ کا مزار ملتان میں ایک قلعہ نامہ فیصل کے اندر ہے۔ نہایت خوبصورت روضہ ہے۔ جہاں جمادی الاول کے مہینے میں ان کا عرس منایا جاتا ہے۔

خاندان حافظ صاحب کے والد بزرگوار کا نام محمد یوسف اور دادا کا نام حافظ عبدالرشید تھا۔ قوم اعمان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے دادا اعمان کاری کے علاقہ سے ہجرت کر کے ملتان آگئے تھے۔ قلعہ ملتان کے شرق میں ان کی سکونت تھی۔ ان دنوں بادشاہ دہلی کی طرف سے ابوالقاسم اور ابوالہاشم ملتان کے حاکم تھے۔ یہ دونوں بڑے اہل علم اور علماء و فضلاء کے قدر دان تھے۔ مسجد جامع حجرہ اور کنواں جو شاہی کے نام سے مشہور ہے، انہیں کی تحویل میں تھے جنہوں نے حافظ صاحب کے والد بزرگوار محمد یوسف کو ان سب کا متولی بنا دیا تھا۔ محمد یوسف ان دونوں حاکموں کے معتمد وزیر تھے۔

ابتدائی حالات حافظ صاحب بچپن ہی سے بہت ذہین اور محنتی واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ چھوٹی عمر ہی میں علوم ظاہری سیکھ لیے تھے۔ پھر علوم ظاہری پر پورا عبور حاصل کیا۔ عبادت و ریاضت کا بھی بہت شوق تھا۔ بیشتر وقت مراقبہ اور استغراق میں گذرتا۔ ہر ماہ ملتان کے مشہور بزرگ شیخ رکن عالم کے مزار پر حاضری دیتے اور رات بھر اعتکاف میں رہتے۔ پھر ہمارے شریف کاٹخ کیا۔ خواجہ نور محمد ہاروی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے بیعت کی۔ ہر وقت خواجہ صاحب کے ساتھ رہتے۔ آفتاب بیداری اور وضو کرانے کی خدمت انجام دیتے رہے۔ لنگر کا انتظام بھی انہیں کے سپرد تھا۔

مقبولیت کمالات کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے علما آپ کی مجلس میں آکر زانوئے ادب فرماتے گئے۔ لوگ جوق درجوق حلیم الامت میں شامل ہونے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ حاکم ملتان ساونل کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔

۱۔ حدیقۃ الاخیر ترجمہ گلشن ابرار از خواجہ امام بخش ص ۱۶۱-۱۶۰

۲۔ آپ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کے پوتے ہیں۔ ۳۔ جمادی الاول ۱۲۲۶ھ میں وفات پائی۔ مزار حضرت بہاؤ الدین کے مزار سے فدا آگے ہے۔

عادات | آپ کو سماع سے بہت رغبت تھی اور اکثر اس کا شوق فرمایا کرتے تھے۔ مولانا جامی کی غزلیں بڑے شوق سے پڑھتے اور سنتے تھے۔ مولانا جامی اور شیخ ابن عربی کی کتابیں اکثر زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ مسئلہ وحدت الوجود میں اعلم العلماء تھے۔ نفاست کا یہ عالم تھا کہ اپنا لوٹا اور وضو کی جگہ صرف اپنے لیے مخصوص تھی، کسی اور کو استعمال نہ کرنے دیتے تھے۔

علمی کارنامہ | آپ نے ملتان میں اپنا ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ خواجہ گل محمد احمد پوری بھی اس مدرسہ میں درس دیا کرتے تھے۔ یہ مدرسہ علم و فضل کا اعلیٰ مرکز تھا جس سے ہزاروں طلبہ مستفید ہو کر نکلے۔

سکھوں سے لڑائی | حافظ صاحب کے زمانہ میں پنجاب سکھوں کے تصرف میں تھا اور مسلمانوں کو بہت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ سکھوں نے ملتان پر بھی کئی بار حملہ کیا مگر اس پر قبضہ نہ کر سکے۔ حافظ صاحب کو سکھوں کی سرگرمیاں کھٹک رہی تھیں چنانچہ آپ مسلمانوں میں شجاعت اور بہادری کی روح پھونکتے رہتے تھے۔ خود بھی مردانہ وار جنگ کرنے کے قائل تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سکھوں کے مقابلہ پر ڈٹ کر لڑے۔ قلعہ ملتان کے برج سے آپ سکھوں پر تیراندازی کرتے رہے۔

۱۲۲۶ھ میں دوسری مرتبہ سکھوں نے ملتان پر حملہ کیا۔ اس وقت آپ ملتان میں موجود نہ تھے۔ جب خبر ملی تو چناب کو عبور کر کے ملتان پہنچے۔

غرض کئی مرتبہ آپ سکھوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔

ملفوظات | خاصی تعداد میں آپ کے ملفوظات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض مرتب بھی کیے گئے ہیں۔ ذیل کے ملفوظات مشہور ہیں:

۱۔ فضائل رضیہ	از	مولوی عبدالعزیز
۲۔ اسرار الکلی	از	زاہد شاہ
۳۔ انوارِ جالیہ	از	منشی غلام حسن شہید ملتان

وفات | ۵ جمادی الاول ۱۲۲۶ھ کو بیمار تپ صفراوی وفات پائی۔

اولاد | آپ نے دو شادیاں کی تھیں، مگر اولاد کسی سے نہ ہوئی۔

خلفاء | آپ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے، چند کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ مولانا مولوی خدا بخش خیر پوری
- ۲۔ مولوی عبدالرزاق باجوہ حافظ صاحب کی زندگی ہی میں وفات پا گئے اور میٹھی میں مدفون ہیں۔
- ۳۔ مولوی حامد صاحب

۴۔ سید نواب شاہ صاحب

۵۔ سید بلند شاہ صاحب جن کا مزار جھکڑ ضلع میانوالی میں مرجع خلائق ہے۔

۶۔ مولوی غلام حسن

۷۔ صاحبزادہ غلام فرید

۸۔ قاضی عیسیٰ خان پوری

۹۔ مولوی عبید اللہ ملتانی

۱۰۔ مولوی عبدالعزیز بڑھاری

مولانا خدابخش ملتانی | حافظ صاحب کے خلیفہ مولانا خدابخش ملتانی ان کے جانشین بنے جنہوں نے حقیقتی نظامیہ سلسلہ کی ترویج کے لیے بہت کام کیا۔ خیبر پور میں آپ کا روضہ مرجع خلائق ہے۔ قصبہ تلمبا کے رہنے والے قوم ملہنا میں سے تھے۔ آپ کے بزرگوں میں مولوی محمود صاحب ولی کامل تھے۔ آپ کے والد بزرگوار مولوی جان محمد بھی بڑے عالم اور متقی شخص تھے۔ طلب علم کے لیے مولوی عبدالحکیم حقیقی کے ہاں گڑھی اختیار خاں جانے کا ارادہ کیا۔ جب شجاع آباد پہنچے تو لوگوں کے اصرار پر دو تین ماہ تک وہیں مقیم رہے۔ پھر ملتان کا قصد کیا تاکہ حافظ محمد جمال ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ ان کے آستانہ پر حاضری دی اور بیعت سے سرفراز ہوئے۔

حافظ صاحب کی ہدایت کے مطابق آپ تفسیر حدیث، فقہ، عقائد، علم ہیئت، صرف و نحو، منطق و معانی، بدیع و بیان وغیرہ جملہ علوم متعارفہ کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یہ مشغل بڑھاپے تک جاری رہا۔ تمام لوگوں میں آپ کے علمی کمالات کا چرچا پھیل گیا تھا۔ سینکڑوں طالب علم آپ سے فیض حاصل کر کے روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر پہنچے۔ آپ نے "توفیقیہ" کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی جس میں احکام شریعت کے آداب، حقیقت اور معرفت کے اسرار بیان کیے۔

طویل مدت ملتان اور اطراف و اکناف میں گزارنے کے بعد آپ خیبر پور چلے آئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بہاولپور کے نواب محمد صادق خاں نے آپ کے خدام کا روزینہ مقرر کر دیا اور لنگر کا سارا خرچ بھی اپنے ذمے لیا، چنانچہ وہاں ایک عمدہ سرائے اور فقراء کے لیے حجرے اور دیگر عمارتیں تعمیر کرائی گئیں۔

آپ کے کشف و کرامات کے کئی واقعات بیان کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ملتان کی کسی گلی میں سے گزر رہے تھے کہ کتیا آپ پر بھونکی۔ آپ نے مڑ کر اس پر نگاہ ڈالی اور چلے گئے۔ کچھ دیر بعد واپس اسی راستے سے گزرے تو دیکھا کہ کتیا مری پڑی ہے، آپ اس کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے کتیا، اس فقیر نے تجھے کچھ نہیں کہا، مگر خدا سے اپنے بند کے حق میں تیری یگستاخی گوارا نہ ہوئی۔

صفر ۱۲۵۰ھ میں خیبر پور میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔

یہ بزرگ حضرت گنجشکر کی اولاد میں سے تھے۔ کہ یہ شہر ملتان سے اٹھارہ کوس کے نام سے پہنچا ہے۔

حضرت خواجہ خواجگان شاہ علیسی ولیؒ

ولادت ————— گنڈاپور (مضافات ملتان)

وفات ————— ۱۲۲۰ھ

حضرت خواجہ شاہ علیسی ولی ان بزرگانِ دین اور اولیائے کرام میں سے ہیں جن کی صحبت کیمیا اثر سے سرحد کے ہزاروں بندگانِ خدا نے فیض حاصل کیا اور انوارِ باطنی سے اپنے دلوں کو منور کیا۔ آپ سید النسب تھے۔ آپ کے وطن کا نام بعض نے چوڑہ اور بعض نے گنڈاپور بتایا ہے، جو ملتان کے مضافات میں ایک مقام ہے۔ یہیں آپ نے ۷ ذی الحجہ ۱۲۲۰ھ میں وفات پائی اور اسی جگہ مدفون ہیں۔ حافظ جمال اللہ رامپوری کے مرید و خلیفہ تھے۔

آپ کمالاتِ ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ صاحب مقامات و کشف و کرامات بزرگ تھے۔ ابتدائے حال میں حافظ جمال اللہ کی صحبت کیمیا اثر میں رہے اور انوارِ باطنی سے مستفید ہوتے رہے۔ انھیں کے ہمراہ دہلی سے رام پور اور رام پور سے دہلی کا سفر کرتے رہے۔ پیرو مشد کے ساتھ بڑے مشفقانہ اور رازدارانہ تعلقات تھے۔ حافظ صاحب کے پاس جو لوگ فیضِ روحانی حاصل کرنے آتے تھے حافظ صاحب انھیں آپ کے سپرد کر دیا کرتے تھے اور آپ بڑی محبت اور محنت سے انھیں سلوک و عرفان کی منازل طے کراتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت بابا فیض محمدؒ نے حافظ صاحب سے بیعت کی تو حافظ صاحب نے انھیں رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کی غرض سے خواجہ علیسی ولیؒ کی خدمت میں بھیج دیا تھا جہاں انھوں نے کسبِ سلوک میں ادنیٰ درجہ حاصل کیا۔ آپ نے انھیں ظاہری و باطنی کمالات سے فیض یاب کرنے کے بعد اپنی اجازتِ خاص سے مشرف فرمایا اور تازنگی اپنے فیض و دیدار سے شاد کام کرتے رہے۔

جب حافظ صاحب وفات پا گئے تو شاہ علیسی ولیؒ اپنے وطن موضع گنڈاپور واپس آ گئے اور یہیں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی۔ دو ایک مرتبہ اپنے مرید خاص حضرت بابا فیض اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے تیراہ بھی تشریف لے گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ تیراہ گئے تو حضرت فیض اللہ کے تمام فرزندوں کو طلب فرمایا، ان کے ساتھ بڑی شفقت اور ہر بانی سے پیش آئے۔ ہر ایک کا مزاج پوچھا، پھر حضرت بابا نور محمدؒ کا حال دریافت فرمایا۔ اس موقع پر بابا فیض اللہ نے فرمایا کہ ان کے دوسرے بھائی پوری طرح تحصیلِ علم کر چکے ہیں مگر ان کا ذہن ابھی اچھی طرح رسائی نہیں کرتا اور ابھی تک انھوں نے ہر شکلِ نصف قرآن مجید ختم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بہت افسردہ خاطر رہتے ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب نے یہ سنا تو انھیں بہت دکھ ہوا اور حضرت نور محمد پر بڑا رحم آیا۔ بڑی محبت اور شفقت سے پاس بلایا، پیار کیا اور تسلی و تشفی فرمائی۔ پھر اپنے سینہ مبارک سے لگایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت نور محمد کا سینہ انوار باطنی سے مزین ہو گیا اور منزل علم و عمل آسان ہو گئی۔ سینہ ایسا کھلا کہ جس کتاب کو پڑھتے اس پر حاوی ہو جاتے۔ اور جو بھی مسئلہ دریافت کیا جاتا پوری شرح اور اسناد کے ساتھ بیان کر دیتے۔

کہتے ہیں ایک دن حضرت بابا فیض اللہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے ایک عزیز دوست کی محبت نے بہت پریشان کر رکھا ہے، وہ طالب علمی کے زمانہ میں کئی سال میرے ساتھ پڑھتے رہے۔ اب میرا جی چاہتا ہے کہ ان کی ملاقات کر لو۔ وہ پشاور شہر کے قریب کسی جگہ رہتے ہیں اور حضرت جی کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔

آپ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ میں آپ کی خواہش کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا، شاید کوئی ایسا موقع مل جائے کہ میں آپ کی ان سے ملاقات کرادوں۔

اس واقعہ کے تھوڑے دن بعد ایک موقع پر حضرت شاہ عیسیٰ ولی نے بابا فیض اللہ سے فرمایا کہ میرے ساتھ چلو۔ وہ ساتھ ہو لیے۔ جب آبادی سے باہر ویران جگہ میں آئے تو شاہ عیسیٰ نے فرمایا مراقب ہو کہ بیٹھ جاؤ اور خود بھی ان کے ساتھ مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ دور سے دو آدمی چلے آ رہے ہیں۔ نزدیک آ کر انھوں نے دونوں کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا اور بڑے ادب کے ساتھ ان سے مصافحہ کیا۔ جب حضرت فیض اللہ نے ان کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ ان میں سے ایک وہی حضرت جی ہیں جن سے ملنے کا انھیں اشتیاق تھا۔ حضرت شاہ عیسیٰ ولی نے حضرت فیض اللہ سے مخاطب ہو کر فرمایا او ویو انے! تو جانتا ہے کہ یہ دوسرا شخص کون ہے، انھوں نے عرض کیا انھیں میں نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا یہ دوسرے صاحب حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ کچھ مانگنا ہو تو ان سے مانگ لو۔ حضرت فیض اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا مجھے جو کچھ مانگا ہے وہ آپ ہی سے ملتا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام بھی ملے ہیں تو آپ ہی کی برکت و عنایت سے ورنہ میری کیا طاقت تھی؟

حضرت عیسیٰ ولی کو حضرت فیض اللہ کا یہ جواب بہت پسند آیا، اٹھ کر گلے لگایا اور مقصود اصلی کو پہنچا دیا۔

خواجہ عیسیٰ ولی کے دو فرزند صاحب و الامیت تھے۔ جب خواجہ صاحب کے وصال کا وقت آیا تو دونوں کو بلا کر وصیت فرمائی کہ میری وفات کے بعد تم دونوں حضرت فیض اللہ سے تجدید بیعت کرنا اور انھیں کی خدمت میں رہنا جب تک کہ منائل تصوف طے نہ کر لو۔ ان کو چھوڑ کر کہیں نہ جانا۔ چنانچہ ہر دو فرزندوں نے والد بزرگوار کی وصیت پر پوری طرح عمل کیا۔ والد کی وفات کے بعد دونوں حضرت فیض اللہ کی خدمت میں رہے اور ان کی صحبت کی میاثر سے فیضیاب ہو کر روحانیت کے اعلیٰ مدارج کو پہنچے۔ پیرو مرشد کی وفات کے بعد دونوں بھائی ان کے مزار مبارک پر حاضری دینے کے لیے تیزی بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ بابا محمد فیض اللہ تیراہیؒ

ولادت _____ تیرہنی (تیراہ)

وفات _____ تیرہنی ۱۲۳۵ھ

خواجہ خواجگان حضرت بابا محمد فیض اللہ علاقہ تیراہ کے بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔ کشف و کرامات میں بہت اونچا درجہ رکھتے تھے۔ حضرت سید حافظ جمال اللہ کے مرید و خلیفہ تھے، لیکن زیادہ تر حضرت شاہ عیسیٰ ولیؒ کی صحبت میں رہ کر سب فیض کیا۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام خان محمد تھا۔ وہ شادی خیل نام ایک مقام پر جو کوہاٹ شہر کے مضافات میں واقع ہے، درس علوم دیا کرتے تھے اور درس و تدریس کے سلسلہ میں بہت ماہر تھے۔

اپنے فرزند محمد فیض کو بھی انھوں نے خود پرٹھایا اور اکیس سال کی عمر میں انھیں علوم ظاہری کی تعلیم سے فارغ کر دیا۔
تذکرہ میں خلیفہ محمد سعید لکھتے ہیں:

آپ (بابا محمد فیضؒ) نہایت صاحب کمال متشرع اور کشف و کرامات میں نہایت بلند درجہ رکھتے تھے اکیس سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہو گئے اور علوم باطنی کی تحصیل میں مصروف ہوئے، لیکن چونکہ عالم و پابند شریعت تھے اس لیے اکثر جگہ تلاش پیر میں ناکام رہے۔ اوائل میں ایک بزرگ کی شہرت سن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ وہ بزرگ نماز میں مشغول ہیں، لیکن دونوں پاؤں کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ ہے۔ یہ دیکھتے ہی آپ لٹے پاؤں لوٹ آئے کہ جو خود غیر شرع ہے وہ مجھے کیا فیض پہنچائے گا۔

سید حافظ جمال اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے۔ وطن مالوہ ہجرت شاہ والا تھا۔ قطب الاقطاب سید شاہ قطب الدینؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ مصطفیٰ آباد رام پور میں رہ کر رشد و ہدایت کا کام انجام دیتے رہے۔ کچھ مدت صوبہ کٹھہ میں بھی رہے جو رام پور کا صوبہ ہے۔ پھر رام پور آ کر نواب کے سواروں میں ملازم ہو گئے۔ جب کیف وستی کی حالت طاری ہوئی تو اچھے رازدہ ہو سکا اور دنیا کو معلوم ہو گیا کہ حافظ جمال محض ایک عام شاہی ملازم ہی نہیں بلکہ بہت بڑے ولی اللہ ہیں۔ چنانچہ ایک دنیا آپ کی طرف اٹھائی اور آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہونے لگی۔ رام پور کے مشہور نواب کلب علی خاں کو آپ سے بہت زیادہ عقیدت تھی۔ اس نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد مجھے حافظ جمال کے قریب دفن کیا جائے، چنانچہ اس کی قبر بھی حافظ صاحب کے مزار کے قریب واقع ہے۔ حافظ صاحب نے ۳ صفر المنظر ۱۲۰۹ھ کو وفات پائی۔ مزار مبارک رام پور میں ہے۔

آپ عالم شباب میں سپاگری کرتے تھے اور ماہوار تنخواہ سے جو کچھ لیس انداز ہوتا اس سے فقرا و صلحا کی خدمت کرتے۔ اتفاقاً رام پور جا کر نوکر ہوئے اور آپ کا پیرہ ایک بُرج پر مقرر ہوا۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ حافظ جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ شکار کے واسطے تشریف لے جا رہے تھے۔ اس راستہ سے گزر رہا اور حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی نظر کیمیا اثر آپ پر پڑی۔ نظر کا پڑنا تھا کہ آپ از خود رفتہ ہو گئے اور اسی عالم مدہوشی میں برج سے نیچے گرے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے راستے ہی میں آپ کو دبورچ لیا اور اپنے گھر لے جا کر اپنی مسند پر بٹھایا اور شرف بیعت سے مشرف فرما کر آپ کی تربیت حضرت خواجہ عیسیٰ ولیؒ اپنے محبوب خلیفہ کے سپرد فرمائی۔ جب حضرت خواجہ محمد عیسیٰ ولیؒ عازم ملتان ہوئے تو آپ کو حافظ جمال اللہ کی خدمت پر مامور فرما گئے۔ آپ نے چار سال تک ان کی خدمت و ضرور لباس انجام دی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ حافظ جمال اللہ علیہ الرحمۃ کی اجازت سے عازم وطن ہوئے۔ آپ قریباً اٹھارہ سال تک وطن سے باہر رہے۔ جب آپ موضع تیزی علاقہ تیراہ میں پہنچے، آپ کے اہل خانہ نے بوجہ کثرت مفارقت کے نہ پہچانا۔ کچھ روز قیام کے بعد اپنے ایک ہم سبق دوست کے توسل سے پہچانے گئے اور گھر جانے کی اجازت ملی۔ آپ حج اپنی دوسری بیوی کے جو اثناٹے راہ میں قاضی ڈوڈہ شریف نے آپ کے نکاح میں دی تھی، اپنے گھر تشریف لے گئے اور وہاں قیام پذیر ہوئے۔

آپ حضرت خواجہ محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے ہر سال بمقام چوڑہ شریف علاقہ ملتان تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اثناٹے راہ میں سخت بیمار ہو گئے اور ایک مسجد کے حجرہ میں ٹھہرے۔ ایک روز اچانک حضرت محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر پہنچے اور شام کی نماز سے فراغت کے بعد وہاں کے باشندوں سے دریافت کیا کہ یہاں ایک مسافر بیمار وارو ہے، اس کی جائے قیام کا کسی کو پتا ہے؟ نمازیوں نے عرض کیا کہ وہ مسجد کے حجرے میں فروکش ہے۔ حضرت خواجہ صاحب حجرے میں تشریف لے گئے اور جو نبی حضرت خواجہ محمد فیض اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صاحب کو دیکھا، حالت جذبہ و وجد میں آگئے حضرت خواجہ محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور دیر تک تشفی فرماتے رہے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی ملاقات و صحبت کی برکت کا یہ اثر ہوا کہ آپ صبح تک بالکل صحت یاب ہو گئے۔ ایک دو روز ہر دو صاحبان اسی جگہ مقیم رہے۔

بعد ازاں حضرت حافظ جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے رام پور تشریف لے گئے آپ دوبارہ حضرت خواجہ جمال اللہ علیہ الرحمۃ کی خدمت پر مامور ہوئے اور سات سال تک ان کی خدمت کیمیا خاصیت میں حاضر رہ کر وطن کو واپس ہوئے۔ آپ کے اثناٹے قیام وطن مالوف میں حضرت خواجہ محمد عیسیٰ علیہ الرحمۃ دو مرتبہ

تیزی تشریف لے گئے۔

حضرت خواجہ محمد فیض اللہ کی کرامات کے بارے میں لکھتے ہیں:

تیزی میں مسجد کے قریب ایک بلند چبوترے پر زیتون کے دو درخت جن میں ایک اتنا موٹا تھا کہ اٹھ گز رستی پر شکل اس کے گرد آتی تھی، زمانہ دراز سے خشک کھڑے تھے۔ آپ درخت کے سہارے بیٹھ کر کتاب لکھا کرتے تھے۔ جس وقت پانی پیتے باقی ماندہ پانی درخت زیتون کے مخالفوں میں ڈال دیتے۔ ایک ماہ کا عرصہ نہ گزرا تھا کہ دونوں درخت سرسبز ہو گئے اور اب تک سرسبز موجود ہیں۔

پانی کی قلت کی وجہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیے، کہیں چشمہ نکل آئے۔ آپ نے ایک درخت کے نیچے کوئی جگہ پسند فرما کر حکم دیا کہ اسے کھودو۔ تھوڑا ہی کھود پائے تھے کہ خوشگوار پانی کا ایک چشمہ نکل آیا، جو ایک چھوٹی نہر کی طرح اب بھی جاری ہے۔

آپ کی زبان مبارک میں ایسی تاثیر تھی کہ جو کچھ ایک مرتبہ فرمادیتے، اسی طرح ظہور میں آجاتا، اور جو صاحب حاجت آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دعا کے لیے عرض کرتا، اللہ سبحانہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی حاجت اسی وقت پوری ہو جاتی۔

آپ نے ۱۲۳۵ھ میں اور بعض اقوال کے مطابق ۱۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ مزار پر انوار تیزی میں مرجع خلافت۔

حضرت خواجہ قبلہ عالم بابا نور محمد تیراہی

ولادت ————— تیزئی (علاقہ تیراہ) ۱۱۷۹ھ

وفات ————— چورہ شریف (انگ) ۱۲۶۸ھ

حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ خاندان نقشبندیہ کے وہ جلیل القدر اور عالی مرتبت بزرگ ہیں جنہوں نے شمالی ہند میں رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے بہت کام کیا۔ آپ کا اسم گرامی نور محمد اور قبلہ عالم و بابا صاحب القاب تھے۔ تیزئی علاقہ تیراہ آپ کا مولد و مسکن ہے وہیں ۱۱۷۹ھ میں تولد ہوئے۔ حضرت خواجہ بابا محمد فیض اللہ کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ وفات سے قریباً ڈیڑھ سال قبل چورہ شریف میں تشریف لائے جو مضافات انگ میں ایک مقام ہے اور ضلع کیمبل پور میں واقع ہے۔ یہیں ۱۲۶۸ھ میں وفات پائی۔ مزار پر انوار بھی اسی جگہ ہے۔

”تذکرہ“ میں آپ کے حالات درج ہیں، جن کا ملخص پیش کیا جاتا ہے:

آپ مادر زاد ولی تھے۔ جب آپ کے والد بزرگوار موضع تیزئی میں قیام پذیر ہوئے تو آپ کی پہلی بیوی نے درگاہ خداوندی میں یہ نذرمانی کہ اگر حضرت خواجہ فیض اللہ کو اللہ تعالیٰ فرزند عطا کرے تو میں روزانہ سو رکعت نفل تا زندگی ادا کرتی رہوں گی۔ دوسری بیوی نے یہ وعدہ فرمایا کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا کیا تو میں اُسے بڑی بیوی صاحبہ کی نذر کر دوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے چھوٹی بیوی صاحبہ کو اسی سال فرزند نرینہ عطا فرمایا تو اس کے پیدا ہوتے ہی بڑی بیوی صاحبہ نے اُسے اٹھا کر دودھ پلانا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی بیوی صاحبہ کو ایسے دودھ اُترنے لگا کہ گویا انھیں سے یہ فرزند تولد ہوا ہے۔

حضرت خواجہ محمد فیض اللہ نے لڑکے کا نام نور محمد رکھا اور پیش گوئی فرمائی کہ یہ لڑکا نہایت صاحب کمال اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا وارث و متبع ہوگا۔ اس کے ذریعہ سے خاندان نقشبندیہ کو وہ فروغ ہوگا کہ کل دنیا میں خلق اللہ اس کے نور سے منور و فیض یاب ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ نے تحصیل علوم ظاہر بہت کم فرمائی تھی، لیکن حضرت خواجہ محمد عیسیٰ کی نظر و توجہ کی برکت سے آپ کو علم لدنی سے حصہ وافر حاصل ہوا، اور ایسا شرح صدر ہوا کہ آپ دقیق سے دقیق مسئلہ کو مستند اسناد کے ساتھ حل فرما دیتے تھے اور جس طالب علم کو چاہتے، قلیل عرصہ میں درجہ کمال تک پہنچا دیتے۔ آپ اپنے مریدان خاص کی طرف اس قدر توجہ اور التفات رکھتے کہ باوجود صوری منارقت اور دوری کے آپ ہر وقت ان کے حال کے نگہبان اور اُڑے وقت میں ان کی معاونت کو موجود ہوتے تھے۔

آپ کی ذات بابرکت سے پاکستان، ہندوستان، افغانستان اور دیگر ممالک میں وہ نور پھیلا اور اس قدر خلقت آپ سے اور آپ کے خلفائے مستفیض و مستفید ہوئی کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے زمانے کے بعد ایسا سونے میں نہیں آیا۔ آپ کا فیض تمام اکناف عالم میں اب تک جاری و ساری ہے۔

آپ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد جب ان کے جانشین ہوئے تو سب سے پہلے فقیر اللہ نور و عجب نور دو بھائی کہ قوم افغان سے تھے، آپ کی شرف بیعت سے مشرف اور آپ کی نظر فیض اثر اور صحبت کیمیا خاصیت سے درجہ کمال کو پہنچ کر صاحب اجازت ہوئے۔ دونوں بھائی اتنے مشہور ہوئے اور افغانوں میں سے اتنے لوگ ان کی طریقت میں داخل ہوئے کہ انھیں بیعت کرنا محال ہو گیا، اور تمام افغانستان میں نور اسلام چمکنے لگا۔

اسی اثنا میں حضرت خواجہ نامدار شاہ عرف مولانا ہادی پاک صاحب کہ نیتال علاقہ گچی کے رہنے والے تھے اور موضع کلاڈ میں علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے، حضرت بابا جی صاحب کو خواب میں دیکھ کر حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے ان پر خاص توجہ فرمائی اور شرف بیعت سے مشرف فرما کر صحبت کیمیا اثر میں رہنے کی اجازت دی۔ حضرت مولانا ہادی پاک بارہ سال تک بابا صاحب کی خدمت انجام دیتے رہے اور ایسی ریاضت پائے شاقہ اختیار فرمائیں کہ اس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ آپ کی نظر التفات بھی ان پر خاص طور سے مبذول رہی، چنانچہ اپنی علو استعداد اور آپ کی نظر کیمیا اثر سے اس درجہ کمال کو پہنچے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت مولانا ہادی پاک جب اجازت خلافت و رشد و ارشاد سے مشرف ہو کر پنجاب کی ہدایت و تلقین پر مامور ہوئے تو ان کی ذات والا صفات سے اتنی خلق اللہ مستفید ہوئی اور اس قدر اسلام کو فروغ ہوا کہ حیطہ تحریر میں نہیں آسکتا۔ آپ تقریباً اسی سال تیزی میں مشیم رہے اور اس ملک میں ہر خاص و عام کو تلقین ہدایت اور اپنے فیض سے مستفید کرتے رہے۔ آپ کے آخر زمانہ قیام میں ایک ملا سمسوی ولی خاں آپ کا مخالف ہو گیا اور جگہ جگہ آپ کے خلاف بدگمانیاں پھیلانے لگا۔ جاہل لوگ ایسی خرافات سن کر مشتعل ہو گئے اور آپ کے عقیدت مندوں کو جو ملک اور ہندوستان سے آپ کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے راستے میں ٹوٹ لیتے۔

آپ چند سال تک تو اسی طرح تکلیف کو برداشت کرتے رہے، لیکن آخر کار آپ کو یاروں کی تکلیف گوارا نہ ہوئی اور آپ دل آزرہ ہو کر تیزی سے موضع ڈراڈرا میں تشریف لے گئے۔ چند سال اسی جگہ رہے۔ آخرتاً . . . میں موضع چورہ شریف مضافات ملک میں چلے گئے۔

نقل ہے کہ آپ کے چورہ شریف آنے سے گیارہ سال قبل جب کہ آپ موضع تیزی ہی میں قیام رکھتے تھے، ایک روز آپ کا مخلص خاص فقیر میاں محمد سکھ چورہ شریف اپنے احباب کو جمع کر کے کہنے لگا کہ آج رات مجھے جناب بابا جی صاحب اور مشائخ نقشبندیہ اس نالہ پر جمع ہوتے نظر آئے جو چورہ شریف سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب شمال واقع ہے اور مجھے حکم دیا کہ اس جگہ

مسجد بنائی جائے۔ اور حضور نے آبادی کے لیے بھی کسی قدر جگہ تجویز فرمائی۔ اور اپنے روضہ مبارک اور اپنی اولاد و امجاد کے مزارات کی جگہ علیحدہ علیحدہ کر کے دکھائی۔ اؤ ہم سب دوست وہاں جا کر نشان بنا دیں۔ چنانچہ آپ اس جگہ گیارہ سال کے بعد فروکش ہوئے۔

حضور قبلہ عالم کی عادت مبارک میں بغایت اتباع سنت اور اجتناب از نامشروعات و بدعات تھی۔ حقہ نوشی کو نہایت معیوب سمجھتے تھے۔ کسی حقہ نوش کو ختم خواجگان میں شرکت کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اور اپنے یارانِ طریقت کو اس بدعت سے اجتناب کی از حد تاکید فرمایا کرتے تھے۔ آپ نہایت سادہ طبیعت، فقرو فروتنی کو دوست رکھتے تھے۔ قریباً اسی سال تیزی میں سکونت پذیر رہے؛ لیکن اس تمام عرصہ میں اپنے یا اپنے اہل و عیال کی سکونت کے لیے اینٹ گارے یا پتھر کا مکان نہیں بنوایا۔ باوجودیکہ اس ملک میں بہت سردی تھی، مگر آپ نے صرف جھاڑیوں کی باڑیں کھڑی کر کے گھاس پھوس اور جھاڑیوں سے جھونپڑی سی بنا رکھی تھی۔ اسی میں اہل و عیال رہتے تھے۔ باہر ایک ایسی نشست گاہ مہانوں کے قیام کے لیے بنوائی تھی۔ یا مانِ طریقت کے بہت زیادہ اصرار سے اپنے آخری ایام قیام میں مہانوں کے ٹھہرنے کے لیے پتھروں کی دیواروں کا ایک مکان بنوایا تھا جس کی چھت اسی نمونہ کی تھی اور یہ بھی آپ نے اس لیے گوارا فرمایا کہ مہانوں کو سردی سے تکلیف نہ ہو۔ آپ کی سادگی طبیعت کا یہ حال تھا کہ کھانے پینے میں بالکل تکلف نہ فرماتے، جو کھانا میسر آتا، کھا لیتے اور جس قسم کا پینے کو میسر آتا پین لیتے۔ آپ کے ہاں سارے برتن مٹی کے ہوتے۔ بڑے بڑے پیالوں اور برتنوں میں کئی آدمی مل کر کھاتے۔ مہانوں کی خاطر داری میں ہمہ تن مصروف رہتے۔ اکثر مہانوں کے ساتھ خود بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ باوجود کبر سنی کے سردیوں میں وضو یا غسل کے لیے کبھی گرم پانی استعمال نہ کیا۔ کسی ندی یا نالے کے بیخ بستر پانی سے وضو کر لیتے۔ وضو کے لیے جاری پانی کو پسند فرماتے۔ آپ نہایت کثیر العبادت تھے۔ صبح کی نماز کے بعد اشراق کا وقت ہونے پر چار رکعت نماز نفل ادا فرماتے پھر دوستوں کی مجلس میں بیٹھتے اور جو شرف ملاقات یا بیعت کے لیے آتا اس سے ملاقات کرتے اور بیعت کر کے اُسے تلقین فرماتے۔ کھانے کا وقت آتا تو دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ کھاتے وقت کھانے کے جملہ آداب و شرائط ہمیشہ ملحوظ رکھتے۔ قدرے قیلو فرماتے اور زوال کے بعد وضو کر کے نفی اثبات کا ذکر کرتے۔ چار رکعت سنت عصر سے قبل آپ ضرور پڑھاتے تھے۔ نماز ظہر کے بعد توجہ فرماتے۔ سورہ نوح کی تلاوت فرماتے۔ عصر کی نماز کے بعد دوستوں ہی کے ساتھ کھانا کھاتے۔ بعد ازاں چھ رکعت نفل ادا بین پڑھتے، سورہ واقعہ تلاوت فرماتے۔ نماز عشا کے بعد سورہ ملک اور دوسری سورتیں پڑھ کر استراحت فرماتے۔ آخر شب میں تیسرا حصہ رات بیدار ہوتے۔ حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر وضو کرتے اور تہجد ادا کرتے۔ اکثر بارہ رکعت تہجد ادا کیا کرتے تھے۔ پھر استغفار کی ایک تسبیح پڑھ کر اور تھوڑی دیر مراقبہ کر کے نفی اثبات کا ذکر کرتے۔ ذکر اتنی تیزی اور تن دہی کے ساتھ کہ آپ کے وجود مبارک سے دور دور تک بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو پھیل جاتی۔ صبح کی سنت ادا کرنے کے بعد فرض سے پہلے دائیں پہلو پر ذرا لیٹ جاتے تھے۔ کتاب مقاصد السالکین اکثر مطالعہ کیا کرتے تھے۔ سنت کی پابندی اور

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مطابقت میں نہایت درجہ کوشش فرماتے، طالب علموں اور جوانوں کے ساتھ نہایت شفقت و ہرمانی سے پیش آتے، پہل سادات اور علموں کی بہت قدر کرتے اور ان کی تعظیم و تکریم بجالاتے۔

کامل نسبت مجددی سے فائز المرام اور ہر چار سلسلوں میں صاحب اجازت تھے، لیکن طریقہ نقشبندی مجددی کو زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ اپنے خلفا میں سے حضرت اادی پاک سے زیادہ محبت تھی۔ جب انھیں خلافت عطا کرنے کے بعد پنجاب کی طرف روانہ فرمایا تو فرمایا کرتے تھے، میں نے پنجاب کی طرف ایک باز چھوڑا ہے، اس باز کی بازیاں اور بلند پروازیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب کبھی مولانا اادی پاک تیراہ تشریف لے جاتے تو آپ نہایت خوش ہوتے اور بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتے۔ کبھی کبھار فرمایا کرتے کہ مجھے اللہ جل شانہ نے اتنی طاقت اور قدرت ودیعت کی ہے کہ مولانا اادی پاک جیسے سوال لکھ ادمی تیار کر دوں، لیکن میں کسی شخص میں ان کی سی بلندی استعداد نہیں دیکھتا۔ آپ کے صاحبزادوں میں بڑے صاحبزادہ حضرت فقیر محمد کالات باطن میں آپ کے وارث اور جانشین تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بخشا نام ایک شخص نے حضرت بابا جی صاحب سے بیعت کی، لیکن بد قسمتی سے بڑی صحبت میں پھنس کر ایک عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کر بیٹھا۔ آپ اپنے ایک خلیفہ مخلص کے خواب میں آئے اور اسے تنبیہ کر کے ارشاد فرمایا، وہ راتوں رات روانہ ہو کر رنگلی پہنچے جہاں بخشا رہتا تھا اور اسے بڑی صحبت سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اسے خواب کا ماجرا من و عن بیان کر دیا۔ بخشا نے توبہ کی مگر شومی قسمت سے پھر اسی بد عادت میں مبتلا ہو گیا۔ حتیٰ کہ ایک روز عورت کے عزیزوں نے اطلاع پا کر بخشا کو بہت زد و کوب کیا، پھر مرض جذام میں مبتلا ہو گیا۔ سال بھر اسی مرض میں مبتلا رہا اور بہت ذلیل ہوا۔ آخر تیراہ آیا اور حضرت بابا جی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلے تو آپ نے اس کی طرف توجہ ہی نہ دی بالآخر اس کے حال پر رحم آگیا۔ آپ کی نظر کرم اس پر پڑی تو وہ حالت جذبہ اور وجد میں آگیا۔ اسی حالت میں مرض کے آثار دور ہونے لگے، یہاں تک کہ حضور کی صرف چار روز کی صحبت سے وہ بالکل تندرست ہو گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بابا جی جب تیزی سے موضع ڈرا ڈرا میں آکر مقیم ہوئے تو میرا عظم نام ایک زمیندار نے اپنی بیوی کو اپنے عقد سے علیحدہ کر دیا۔ اس کے بطن سے اس کا ایک بیٹا تھا۔ ایک روز وہ لڑکا اپنی ماں سے ملنے کے لیے گیا۔ میرا عظم اس لڑکے کو مارنے لگا اور تلوار نکال کر اس کے درپے ہوا۔ لڑکا خوف کے مارے بھاگا اور حضرت بابا صاحب کے دامن میں پناہ لی۔ میرا عظم اس کے پیچھے پیچھے تلوار لیے آگیا اور بڑے تکبر کے ساتھ حضرت بابا جی سے مخاطب ہوا، کہنے لگا اس لڑکے کو میرے حوالے کر دیں۔ آپ نے فرمایا لڑکا بے چارہ روتا ہے اور میری پناہ میں بیٹھا ہے، اسے کچھ نہ کہو۔ میرا عظم سے نہ رہا گیا اور تلوار چلا دی جس سے حضرت بابا صاحب کی آستین مبارک مضروب ہو گئی۔ آپ نے فرمایا اچھا جا لڑکے کا خدا حافظ۔ یہ فرمایا اور لڑکے کو چلے جانے کی اجازت دے دی۔ لڑکا گھر کی طرف بھاگا۔ میرا عظم اسے مارنے کے لیے اس کے پیچھے گیا۔ بیس قدم سے زیادہ نہ گیا ہو گا کہ اس کے پیٹ میں سخت درد اٹھا جسے وہ برداشت نہ کر سکا اور اندھے منہ زمین پر گر کر مر گیا۔

چوہہ شریف میں حضرت بابا صاحب کا عرس بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ چوہہ شریف جانے کے لیے جتڑ لیوے سٹیشن ٹیڑھ دو میل پیدل راستہ ہے۔

حضرت سچل سرمستؒ

ولادت ————— درازن (علاقہ خیرپور میرا) ۱۱۴۰ھ

وفات ————— " " " " ۱۲۴۲ھ

حضرت سچل سرمست سندھ کے صوفی بزرگ اور شاعر تھے۔ کئی کتابیں بھی تصنیف کیں۔ سندھی کے علاوہ عربی، فارسی، ہندی اور پنجابی میں بھی آپ کے صوفیانہ ارشادات موجود ہیں۔

نام و نسب | آپ کا نام نامی عبدالوہاب تھا۔ خیرپور (سندھ) کی حد میں رانی پور سے ایک میل کے فاصلے پر شمال میں درازن نام ایک شہر ہے جہاں ۱۱۴۰ھ مطابق ۱۷۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میاں صلاح الدین اور دادا کا اسم مبارک میاں صاحبزادو تھا۔ میاں صلاح الدین اور میاں عبدالحق دو بھائی تھے۔ دادا کی وفات کے بعد میاں عبدالحق ان کی گدی پر بیٹھے۔ آپ کا شجرہ اڑتیسویں پشت میں حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ اس لیے آپ فاروقی بھی کہلاتے ہیں۔

ابتدائی حالات | حضرت سچل سرمستؒ کے مفصل حالات کسی کتاب میں ہماری نظر سے نہیں گزرے، البتہ عبدالملک آفندی کے ایک مضمون سے ان کے جو حالات سامنے آتے ہیں ان کا ملخص پیش کیا جاتا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سچل سرمستؒ کے جد امجد حضرت شہاب الدین بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن حضرت عمر فاروقؓ، محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ میں آئے تھے اور جب ۹۳ھ میں سیون کا قلعہ فتح ہوا تو محمد بن قاسم نے شیخ شہاب الدین کو سیون کا حاکم مقرر کیا۔ وہ ۹۵ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی قبر سیون میں ہے۔

شیخ شہاب الدین کی وفات کے بعد ان کا خاندان اسی جگہ مقیم رہا۔ سچل سرمست اپنے والد کی وفات کے وقت بہت چھوٹے تھے! چنانچہ ان کے چچا عبدالحق نے ان کی پرورش کی۔ بچپن ہی سے عشق الہی کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ اس زمانے میں شاہ عبداللطیف بھٹائی بھی درازن میں آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب سچل سرمست کے ہاں بھی آئے، سچل سرمست بچے تھے، پاؤں میں گھنگرو باندھ رکھے تھے۔ شاہ صاحب کی نظر ان پر پڑی تو پاس بلایا اور پیار کیا، پھر فرمایا ہم نے معرفت الہی کی لذت دل میں حاصل کی ہے اور جو ہنڈیا ہم نے پکائی ہے اس کا ڈھکن سچل اتاریں گے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کی وفات کے بعد آپ کی گدی پر میاں سخی قبول محمد بیٹھے تو سچل سرمست ان سے رجوع ہوئے اور غرقہ خلافت انھیں سے حاصل کیا۔ چودہ سال کی عمر میں عربی اور فارسی سیکھ لی، پھر دیوانوں اور جنگلوں میں پھرتے رہے اور نفس کو مارنے کے لیے سخت ریاضتیں کیں۔ اس قدر پرہیزگار اور باخدا تھے کہ لوگ آپ کو منصور آخر الزمان کے نام سے پکارتے

تھے۔ جب جوان ہوئے تو چچا عبدالرحمن نے اپنی لڑکی سے ان کی شادی کر دی۔ ایک بچہ ہوا مگر وفات پا گیا۔ آپ کا قد درمیانہ، رنگ گندمی، پیشانی کشادہ اور خوبصورت خدو خال تھے۔ سر کے بال بہت لمبے ہوتے تھے سر پر ہمیشہ سبز رنگ کی ٹوپی رکھتے تھے۔ سفید کرتہ اور سفید دھوتی پہنتے۔ عالم مستی میں اکثر ننگے پاؤں پھرا کرتے تھے۔ ہاتھیں ہمیشہ لمبی لکڑی رہتی تھی۔ چونکہ موسیقی سے دلچسپی تھی اس لیے اپنے ہاتھیں بیکتارہ بھی رکھتے تھے۔ بہت کم سوتے، کم کھاتے۔ زیادہ تر روزہ رکھتے، اکثر لکڑی کی چوکی پر مراقبہ کی حالت میں بیٹھے رہتے۔ بہت رحمدل اور سخی تھے۔ شریعت کے سختی سے پابند تھے۔ پانچ وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے تھے۔ بعض اوقات مستی کے عالم میں گانے اور بیکتارہ بجانے لگتے۔ جب ہوش میں آتے تو انھیں معلوم نہ ہوتا کہ میں نے کیا کیا۔ خود کہا کرتے تھے کہ مستی کے عالم میں میں جو کچھ کہتا ہوں اس کا مجھے خود علم نہیں ہوتا۔ اپنا بہت سا کلام دریا برد کر دیا تاکہ کہیں لوگ اس کے مطلب کو صحیح پاکر راہ حق سے بھٹک نہ جائیں۔ بہت زیادہ تعداد میں آپ کے مرید تھے۔ نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی آپ کے عقیدت مند تھے۔

آپ کے کئی خلیفہ تھے جنھیں بالاک کہتے ہیں۔ آپ کو مختلف زبانوں پر دسترس حاصل تھی، چنانچہ کئی زبانوں میں آپ کا کلام موجود ہے۔ مندرجہ ذیل کتابیں آپ کی تصانیف بتائی جاتی ہیں:

۱۔ دیوان اشکارہ (فارسی) ۲۔ رہبر نامہ (شثنوی) ۳۔ راز نامہ (شثنوی) ۴۔ قتل نامہ اور گداز نامہ ۵۔ تار نامہ ۶۔ مرغ نامہ اور ۷۔ وحدت نامہ۔ آپ "وحدۃ الوجود" کے قائل تھے۔ چنانچہ آپ کے کلام میں جگہ جگہ اس کے متعلق اشارے ملتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں (سندھی سے ترجمہ):

کوئی اور سمجھنا محض گناہ ہے

ہر کسی صورت میں رب کریم کا جلوہ ہے

کوئی مجھے کچھ کہتا ہے کوئی کچھ

لیکن مجھے پروا نہیں کیونکہ میں جو کچھ ہوں وہی ہو سکتا ہوں۔

آپ کے صوفیانہ کلام میں نورانی بجلی کی تڑپ پائی جاتی ہے۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ محبت کی بنیاد روحوں کے ملاپ پر ہے اور جب ایسا ہو جائے تو عاشق اور محبوب دونوں ایک دکھائی دیتے ہیں۔ اس منزل کو پا کر آپ اپنے عطار کو جس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور عطار کی دکان سے جو خوشبو اسے حاصل ہوتی ہے۔ اس نے آپ کو بے خودی کی منزل تک پہنچا رکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں

عطار نبود آنکہ خدا بود خدا بود
او پاک وجود آنکہ خدا بود خدا بود

در نام فرید آمد آن یار یگانہ
پس عشق فرود آنکہ خدا بود خدا بود

محکمہ اطلاعات (سندھ) کراچی نے سچل سرمست کے نام سے سلسلہ میں آپ کے حالات میں جو کتابچہ شائع کیا اس میں مندرجہ ذیل سزیدہ کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ ۱۱۔ درد نامہ (۲) دیوانِ خدائی (۳) عشق نامہ (۴) نکتہ نصر و نادرہ (۵) وحدت نامہ (۶) گھڑوی (۷) دمرائی (۸) دیوان (سندھی) ۹۔ م۔ ع۔

در کونے نشاپور کہ بری لہر عطار است
 کردیم سجدوں کہ خدا بود خدا بود

اشکار کند علم روزات نہسانی
 در عشق کشوداں کہ خدا بود خدا بود

آپ فرماتے ہیں کہ عشق الہی کی انتہا حاصل کرنے کے لیے عاشق کو بتدریج تین منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے، فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ۔ جب تک کوئی عاشق فنا فی الشیخ نہیں ہوتا، فنا فی الرسول کی منزل کو نہیں پاسکتا اور جب تک فنا فی الرسول نہ ہو معرفت الہی کی منزل تک اس کی رسائی ناممکن ہے۔

فنا فی الشیخ کی منزل سے گزرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ عاشق کے لیے فنا فی الرسول کی منزل سے گزرنا ضروری ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

اے بجز دروازہ احمد راہ نیست
 گرنے دانی دولت آگاہ نیست

اں کہ در احمد احد دانست فرق
 در جہ اور افنا فی اللہ نیست

جز محنت نیست در کون مکان
 جز علی دیگر کسے ہمراہ نیست

گر کسے را عشق اود امن گرفت
 بالیقین دانی کہ اں گمراہ نیست

اں خدا و اں رسول ای اشکار
 اندرین رہ شک و اشباہ نیست

مطلب یہ کہ خدا کے بندے اگر تم حقیقی خدا کا وصال کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اس کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اغوش میں اپنے آپ کو ڈال دو، ورنہ تم منزل نہ پاسکو گے۔

پھر عاشق الہی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ عشق کی وادی میں سفر کرنا اور شک و شبہ میں نہ پڑنا بہت مشکل بات ہے۔ اس راہ میں تو مرشد کامل کی رہبری اور مدد کے بغیر منزل کو نہیں پاسکتا۔ قدم قدم پر تمہیں نفس کے پھندے ملیں گے۔ اس راہ میں کئی لیلے کے وصال کے لیے مجنوں ہونگے اور کئی فریاد پہاڑ کھود کھود کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، مگر وصال یا کسی کو نصیب نہ ہوا۔ لہذا اگر تم چاہتے ہو کہ اس منزل کو بخیر و خوبی طے کرو تو سب سے پہلے کسی مرشد کامل کا دامن پکڑو تاکہ وہ تمہیں صحیح راہ پر لے جائے۔ فرماتے ہیں:

یک روز بودم من بخدمت مصطفیٰ
 سرور کو بین اں خیر الوری

ایں چہیں فرمود مارا از کرم
 جز برخصت پیر عبدالحق مینا

از گروہ خاص اورا کردہ ام
 جلوہ فیضش بود ہم جا بجا

شان و شوکت پیرا بالاتراست
 ہجو او کس نیست در عالم عسلا

اشکارا خاک پائے پیر یا شش
 تاشوری از دوستی اش بادشا

فرماتے ہیں اگر تم شریعت و طریقت اور معرفت کی منزلیں طے کر کے اللہ اور اس کے حبیب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے دیدار سے مشرف ہونا چاہتے ہو تو اپنے مرشد اور پیر طریقت کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھو۔ اس کے ہر حکم پر تسلیم خم کر دو۔ فرماتے ہیں:

ہادی درہنماست حق الحق!	عارف و اولیاست حق الحق
بادشاہ و گدا یکے ست یکے	نگد ابادشاہ ست حق الحق
عبد معبود اوست گردانی	در نظر خداست حق الحق
مارسول و خدا یکے دانم	ہر دو عالم گواہ ست حق الحق
یک دے دور نیست از ماہیں	آشکارا بباست حق الحق

”فنائی الشیخ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایک دن ایک فقیر ایک دریا کو پار کر کے دوسری طرف جانے کے لیے جسم سے کپڑے اتارنے کی تیاری کر رہا تھا کہ وہاں کے گاؤں سے ایک اور آدمی بھی آگیا۔ نووارو نے کہا کہ اے فقیر یہاں تو دریا پار کرنے کے لیے کوئی کشتی نہیں تو کیسے دریا پار کرے گا۔ وہ بولا میں اللہ اللہ کہتا ہوں اور دریا سے پار اتر جاؤں گا۔

نووارو نے کہا مجھے بھی ساتھ لے چلو، کیونکہ مجھے بھی دوسرے گاؤں جانا ہے۔ فقیر نے کہا اچھا تو مجھے کپڑے اتار کر تیاری کر لے اور دریا میں اتر آؤ، میں اللہ اللہ کا ورد کرتا ہوں اور دریا پار کر دوں گا اور تم میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر میرے نام کا ورد کرتا جا۔ تاکہ تو بھی دریا پار اتر جاؤ۔ اجنبی بھی فقیر کے ہمراہ دریا میں اتر گیا، جب دریا کے بیچ میں پہنچے تو اجنبی نے سوچا یہ خود تو اللہ اللہ کا ورد کرتا ہے اور میں اس کے نام کا ورد کرتا ہوں، یہ تو گناہ ہے، میں بھی اللہ کے نام کا ورد کروں گا۔ یہ سوچ کر اس نے بھی اللہ اللہ کہنا شروع کر دیا۔ خدا کی قدرت کہ وہ اس طرح کرنے سے ڈوبنے لگا۔ فقیر نے یہ دیکھا تو کہا دیکھا تم نے میری نصیحت پر عمل نہیں کیا اور ڈوبنے لگے ہو۔ اب بھی میرے نام کا ورد کرو پار اتر جاؤ گے۔ تم شک کے بھنور میں پھنس گئے ہو۔ تم نے پہلے ہی اللہ اللہ کا ورد کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب بھی تو تم میرے ہی نام کا ورد ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتے یہ تمہاری غلطی ہے۔ مطلب یہ کہ مرشد کی رہنمائی کے بغیر کوئی مقصود ہاتھ نہیں آتا۔

وفات | سچل برہمست نے ۱۴ رمضان ۱۲۲۲ھ کو وفات پائی۔ وفات سے کچھ دن قبل آپ نے اس حادثے کی طرف اشارہ کر دیا تھا، فرمایا تھا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیدار کی تیاریاں کر رہا ہوں۔

مزار مبارک درانہن شہر میں ہے۔ اس وقت کے والی خیر پور میر رستم خان نے مزار مبارک پر مقبرہ تعمیر کرایا۔ بعد ازاں دوسرے والیوں نے وقتاً فوقتاً مقبرے کی مرمت کرائی۔ آپ کے مزار پر دور دور سے لوگ زیارت کے لیے آتے ہیں۔

حضرت شاہ نیاز احمد بریلویؒ

ولادت ————— سرہند ۱۱۷۳ھ

وفات ————— بریلی ۱۲۵۰ھ

حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحبؒ شاہ فخر صاحبؒ کے مشہور ترین خلفاء میں تھے۔ علم و فضل میں یکتائے عصر تھے۔ زہد و تقویٰ کا دور دورہ شہرہ تھا۔ بریلی کے محلہ خواجہ قطب میں ان کی خانقاہ ہے جو خانقاہ نیازیر کے نام سے مشہور ہے۔ ہزاروں عقیدت مندوں کا وہاں ہجوم لگا رہتا تھا۔ تشنگانِ معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے دور دور سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ کابل، قندھار، شیراز اور بدخشاں لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض اٹھاتے اور فائدہ حاصل کرتے تھے۔

خود شاہ صاحبؒ کا عالم یہ تھا کہ عشقِ حقیقی کے نشے میں چور رہتے تھے۔ دردِ عشق ان کا سرمایہٴ حیات تھا۔ یہ آگ ہر وقت ان کے سینے میں سلگتی تھی۔ کبھی کبھی اس کے شرارے شعر کی صورت میں نمودار ہوتے تھے۔ وہ شعر بہت کم کہتے تھے، لیکن جب کبھی کہتے تھے اپنا دل نکال کر رکھ دیتے تھے۔ ان کے لفظ لفظ سے اثر ٹپکتا تھا۔ ان کا شعر عمیق روح سے نکلتا اور سننے والے کے دل کی گہرائی میں اتر جاتا، یہی وجہ تھی کہ ان کا کلام اس زمانہ کے صوفیوں میں بہت مقبول ہوا۔ صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے لکھا ہے "حضرت شاہ صاحب شعر کی جانب بڑی رغبت رکھتے تھے اور نہایت آبدار اشعار جن میں حقائق و معارف کا ذکر ہوتا تھا، کہتے تھے۔ چنانچہ دیوان نیاز جماعتِ اصفیاء میں بے حد مرغوب ہے۔"

ابتدائی حالات | شاہ نیاز احمد صاحبؒ ۱۱۷۳ھ میں برہم پور میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد حکیم شاہ رحمت صاحب کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ والدہ ماجدہ نے پرورش کی اور تعلیم و تربیت کا نہایت عمدہ انتظام کیا۔ جب سرہند کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو دہلی میں شاہ فخر الدین صاحب کی خدمت بابرکت میں علوم ظاہری کی تکمیل کے لیے حاضر ہوئے۔ چونکہ نہایت ذکی اور ذہین انسان تھے، ۱۷ سال کی عمر میں معقول و منقول، فروع و اصول، حدیث و تفسیر میں کمال حاصل کر لیا۔ علوم ظاہری سے فراغت ہوئی تو شاہ فخر الدین دہلوی کے دست مبارک پر بیعت کر لی اور علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۹ سال تھی۔ آپ کی لیاقت، استعداد اور سعی بہیم سے پیر بہت متاثر ہوئے اور اپنا خلیفہ راہنیں مقرر کیا اور بریلی میں اقامت کی ہدایت فرمائی۔ برویل پہنچ کر شاہ نیاز احمد صاحب نے اپنی خانقاہ قائم کی جو بہت جلد بہ قول مولانا غلام سرور

معدن فیوض ربانی اور مطلع انوار ربانی "بن گئی۔ جگہ جگہ سے لوگ فیض حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اٹھارویں صدی میں چشتیہ نظامیہ سلسلے کو ہندوستان میں جو کچھ فروغ ہوا، وہ مولانا شاہ فخر الدین صاحب دہلوی کے دو مریدوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ شاہ نور محمد صاحب نے پنجاب میں اور شاہ نیاز احمد صاحب نے یوپی میں اس سلسلے کو خوب پروان چڑھایا۔

دہلی میں درس و تدریس | اس زمانہ کے صوفیہ نے درس و تدریس کا کام اپنے پروگرام کا ایک لازمی جز بنا لیا تھا۔ چنانچہ شاہ نیاز احمد صاحب نے بھی کافی عرصہ تک دہلی میں درس و تدریس کا کام انجام دیا۔ مصحفی نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ان کی نشان علم "ادب و جاہت" دیکھی تھی۔ ریاض الفصحی کے ایک بیان سے دہلی میں ان کی تعلیمی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ مصحفی اور شاہ صاحب | مصحفی نے دہلی میں حضرت شاہ نیاز احمد صاحب سے تلمذ کیا تھا۔ ریاض الفصحی میں لکھتے ہیں:

"چند روز میزان ہم از ایشال در شاہ جہاں آباد خواندہ بود۔"

جب مصحفی لکھنؤ چلے گئے اور ان کے شاعرانہ کمالات کا شہرہ شاہ صاحب کے کانوں تک پہنچا تو اپنی ایک غزل مصحفی کو

لکھ کر بھیجی۔

کسے کہ سر نہاں است ہمراوست	عروس خلوت و ہم شمع انجمن ہمراوست
ز مصحف رخ خوباں ہمیں نمود قسم	کہ خط و خال رخ زلف پرنگن ہمراوست
نظر بہ غیب مکن در طیور باغ وجود	کہ طوطیان چین زارغ و ہم زغن ہمراوست
ز تر عشق چو واقف شوی یقین دانی	کہ قیس و لیلے و شیوس و کوہ کن ہمراوست
شنیدہ ام بہ صنم خانہ از زبان صنم	صنم پرست و صنم گر صنم شکن ہمراوست

نوساز مطرب پر سوز ایس رسیدہ بگوش

کہ چوب و تار صدائے تنن تنن ہمراوست

شاہ صاحب | شاہ نیاز احمد صاحب کو سوز و گداز سے بھری ہوئی طبیعت و دلچسپی کی گئی تھی۔ عشق ان کے خمیر میں تھا، بحیثیت شاعر اردو جناب عشق و محبت کبھی کبھی شعری صورت اختیار کر لیتے تھے۔ شعر بہت کم کہتے تھے، اسی وجہ سے ان

کے اردو اور فارسی دونوں دیوان بہت مختصر ہیں، لیکن جو کچھ بھی ہے وہ اپنی جامعیت اور اقاویت میں کم نہیں۔ ان کی فکر رسا نے تصوف کے نہایت باریک نکات کو انتہائی حسن اور دل کشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے کلام میں آورد نہیں۔ وہ قلبی واردات کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ سوز و گداز، درد، غلو معافی کے علاوہ نفاست، سلاست اور روانی ان کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ حضرت نیاز نے فکر رسا پائی تھی اور اس پر خود انھیں بھی ناز تھا۔ کہتے ہیں: ہ

کچھ میں تو تو یہ یہی دل تیرے شعر سے کا شہزاد
تیرے ایک سدا سوز اور کبھی جوتے قرار ہے

ایک بھری ہنس بھری ہنس اور اس عجز کرتے پر ہے

بھلا ایک شوق وہ بھی ایسی کبیر
تجربہ تو فیضیہ سے زکیمتوں

ملاست اللہ وہ دن حضرت آیت کے کلام کے نواں جو میر ہیں وہ نہایت بند خدایات کو نشانہ سازت لاند سے

اوردن کشتی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اس سادگی میں ادبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہ سوز سب سے بڑا ہے، اور دیکھ

ہاں نہیں۔ چند شعرا کا شعر ہے۔

روشن آنکھوں سے ہے سب بگوش
لو چشم ہے چشمہ خورش

ک تو بے نیس میں بھی ہوں تو بگوش کا ہر
سے ہیں نقشہ زس میں سے کسود

نرف کیا بیان میں چشمہ زس کے کھٹنگ
انہیت کا قید سے بگوش ایک دم میں چھوڑ دینا

نرف زمین سے خاک نشینوں کا بستر
بے خون دریاں عشق کا تکیہ ہے خشت دستک

مجھ سے مرثیہ کو حبیب ہاتھ تو اپناست لگا
اس کو خدا پر چھوڑا دہر خدا جو ہو سوز

غم جبرائی کو ہم چاہیں یا خدا جانے
بہ کشتوں پر جو گزری توی بنا جانے

بعض چھوٹی بھر کی غزلیں اپنی روانی، سادگی اور شگفتگی میں بے نظیر ہیں۔

ستارے نہیں یہ شب تار کے
شرارے ہیں آہ مشہر بار کے

مبارک رہے تجھ کو دعا عطر بہشت
میاں ہم تو طالب ہیں دیدار کے

جو دیکھے تجھے بلبل سے رشک گل
نہ پھلے کبھی گرد گلزار کے

صفائی ترے سلاک دندان کی دیکھ
ہوئے عنسوق دریا گہر بار کے

کہاں فصل گل ہے کہاں وہ بہد
چلو مل کے رو دیں گلے خار کے

غزل اور ایسی ہی کہیوں نیاز
کہ مشتاق ہیں تیرے اشعار کے

حضرت نیاز کو زبان پر بڑی قدرت تھی، وہ نہایت ہی سنگلاخ زمین میں بہت ہی بے تکلف شعر کہتے تھے اور

کمال یہ ہے کہ ان اشعار میں بھی اہد کا شہ نہیں ہوتا۔ ایک غزل کا مطلع ہے۔

شکر غم آ پڑا اقلیم دل پر ٹوٹ ٹوٹ
یاں ندائے الاماں تھی دلاں صدائے کوٹ کوٹ

اس زمین نہیں ۲۸ شعور کے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

چشم بد سے دور رہیو کیا ہی آب و تاب ہے
ہوں گی یہ آنکھیں بنائی تو نہیں سے کوٹ کوٹ

دیکھ میرا خون اشک اُس نے کہا شب مجھ کو دیکھ
تیری آنکھوں میں گئی میری جناں سب چھوٹ چھوٹ

شیفتہ نے گلشن بے خار میں ان کے یہ اشعار منتخب کیے ہیں:

وہ جو نقش پا کی طرح رہی تھی نمود اپنے وجود کی
سوکشش نے دامن ناز کی اُسے بھی نہیں سے مٹا دیا

مجھے چین خوابِ عدم میں تھانہ تھا زلفِ یار کا کچھ خیال
یہ جگہ کے شورِ ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

صبر و قرار و شکیبِ طاقت و تاب و توانا
اور تو سب چل بسے رہ گئی اک جہان تو با

اجسہ کی جو مصیبتیں عرض کیں اُس کے روبرو
ناز و ادا سے مسکرا کئے لگا جو ہو سو ہو

وحدت و وجود | شاہ نیازا احمد صاحب کے دیوان کا اصل موضوع وحدت و وجود ہے۔ انھوں نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں

نظرے کی اشاعت میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ ان کا سارا کلام اسی سے لبرز ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

وحدت کے ہیں یہ جلوئے نقش و نگار کثرت
گر تیر معرفت کو پاوے شعور تیرا

معمور ہو رہا ہے عالم میں نور تیرا
ازماہ تا رہا ہی سب ہے ظہور تیرا

عالم کہے جس کو جہان یعنی جہانِ جسم و جہاں
شائیں ہیں سب اس فہات کی جس کو کہے سنار ایک

بے امتیاز بیش و کم دانے میں ہیں یہ سب ہم
بیخ و درخت و شاخ و گل انہوہ برگ و بار ایک

طوطی ہو جب ستاں سرا سو سو طرح سے ڈے نوا
ہر دم تھی لولے صدا اور ہے وہاں منقار ایک

نیرنگیوں سے یار کی حیران نہ ہو جیو
ہر رنگ میں اسی کو نمودار دیکھتا

جسے فہات بے رنگ و بے چون کہیں ہیں
ہر رنگ جلود کناں دیکھتا ہوں

صورت گل میں کھلکھلا کے ہنسا
شکل بلبل میں چھپا دیکھا

شمع ہو کر کے اور پروانہ
آپ کو آپ میں جلا دیکھا

کہ کے دعویٰ کہیں انا الحق کا
برسر وار وہ کھنچا دیکھا

کائنات ان کے نزدیک ایک بحرِ رواں ہے، مسلسل اور متواتر

اگر کوئی جانے جہاں غیر حق ہے
سو میں اس کو دھوکا گمان دیکھتا ہوں

یہ جو کچھ کہ پیدا ہے سب نین حق ہے
کہ ایک بحرِ مستی رواں دیکھتا ہوں

انل سے لے کے اب تک ہی جو ہے سب
یہ رنگد بحرِ رواں جس میں نہ توڑ نہ جڑ

وحدتِ ادیان | شاہ نیازا احمد صاحب وحدتِ ادیان کے قائل تھے۔ ان کی حریت نگار و ضمیر کا یہ عالم ہے کہتے ہیں:

یہ سب ادیان و بلبل ہیں شاخہائے یک درخت
ایک جڑ سے ہیں یہ نکلی ڈالیاں سب بھوٹ بھوٹ

گر بادۂ توحید پیں اہل مشارب
ہفتاد و دولت کی ہو تکرار فراموش
جو رب المحرم ہے صنم بھی وہی ہے
حرم و ذریعہ میں ایکساں دیکھتا ہوں
اسے برہمن اور اسے شیخ مانے
یہ آپس کا جھگڑا یہاں دیکھتا ہوں

عشق حقیقی | شاہ نیاز احمد صاحب صوفی تھے۔ عشق الہی ان کے خمیر میں تھا، وہ عشق کے بندے تھے، عشق کی دنیا میں رہتے تھے، غارف روم کی طرح ان کے قلب کی دھڑکنوں میں یہ آواز پوشیدہ تھی۔

شاد باش اسے عشق خوش سودائے ما
اے طیب جملہ غلت ہائے ما
عشق کے ان بد اتنے احسان ہیں کہ کہتے ہیں:۔

کہاں تک کہوں لطف و احسان بخش
یہاں تک دیا مجھ کو حسن عروج
کہ جوں جوں گستا میں بڑھایا مجھے
کہ بندے سے مولا بتایا مجھے

عشق کی دنیا میں پہنچ کر وہ عقل و ہوش کو الوداع کہتے ہیں۔

جو ہیں امداد عشق کا مجھے دل نے مزد سنایا
جب بردرد دل حضرت عشق ان پکارے
خرد و حواس و شکیب نے وہیں کو بس کوچ بجانیا
گوشے ہوئی عقل اور ہونے اوسان کٹائے

جب شاہ فخر الدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو

جس جہی جا کے مکتب عشق میں سبق مقام فنایا
علوم ظاہری کو خیر یاد کہہ کر وہ اس شان سے میدان میں قدم رکھتے ہیں۔

عشق کے میدان میں صورت انساں بنا
عاشق مولا ہوا چاند کا جیسے چکر

جنبات عشق ان کے سینے میں متلاطم ہوتے ہیں بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔

جوش نمان ہے عشق کی بے اب خم دل میں نیاز
کیا جوش میں ہے اب مئے وحدت خم دل میں
گہراہل کردہ گہرے گہرے سے نکلے پھوٹ پھوٹ
ابلیسے پڑی رومی و عطار سے کہہ دو

آتش عشق ان کے سینے کو جلا دیتی ہے۔

کہیں عاشق نیساں کی صورت
سینہ بریاں و دل جلا دیکھا

طوفان اشک اُمنڈتا ہے۔ بے اختیار نیاز کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھتے ہیں۔

یا الہی زورق گم دروں سنہماں
بے طرح امداد ہے یہ طوفان اشک

ایک لمحہ رکنا ہے، سوچتا ہے کہ حقیقتہً یہ اس کی یادری کی ہے۔

چھک چکے تھے ہم تو لے بارو ابھی
گرنہ ہوتا اس گھڑی احسان اشک

عشق نے شاہ صاحب کی شاعری میں ایک درد، سوز اور گرمی پیدا کر دی ہے۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ محسوس بھی کرتے ہیں۔ اس لیے اس کی آتش انگیزی بھی بے پناہ ہوتی ہے۔ ہر لفظ جوان کی زبان سے نکلتا ہے، گرمی اور تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ تبحر علمی اور تصانیف | شاہ نیاز احمد صاحب بڑے جید عالم تھے، ان کی تصانیف ان کی علمیت کی شاہد ہیں، جن میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں۔

شمس العین شریف، رسالہ راز و نیاز، تحفہ نیاز حضرت بے نیاز، رسالہ التسمیۃ المراتب، مجموعہ قصائد عربیہ، اور حاشیہ شرح چینی۔

حضرت شاہ صاحب کے اشعار سے بھی تبحر علمی کا پتا چلتا ہے۔ فلسفہ و منطق وغیرہ کی اصطلاحات جگہ جگہ اپنے اشعار میں استعمال کرتے ہیں۔

خلفاء و مریدین | حضرت شاہ نیاز احمد صاحب کے خلفا کی تعداد کثیر تھی۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہران کے سلسلہ کی خانقاہیں قائم تھیں۔ چند خلفاء کے نام یہ ہیں:

- | | |
|------------------------------------|----------------------------------|
| ۱۔ تاج الاولیا شاہ نظام الدین صاحب | ۶۔ میر محمد سمیع صاحب بدخشان |
| ۲۔ مولوی عبداللطیف صاحب سمرقندی | ۷۔ مسکین شاہ صاحب ولایتی |
| ۳۔ مولوی نعمت اللہ خاں بخاری کابل | ۸۔ ملا عیوض محمد بدخشان |
| ۴۔ حافظ وزیر خواجہ کابل | ۹۔ مولوی یار محمد کابل |
| ۵۔ مولوی محمد حسین مکہ معظمہ | ۱۰۔ محمد عثمان خاں وزیر خلی کابل |

۱۱۔ ملا جان محمد خاں اخون کابل

سجادہ نشین | حضرت شاہ نیاز احمد صاحب نے ۱۰ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ کو بھام بریلی وصال فرمایا۔ ان کے بعد ان کے خلف اکبر حضرت تاج الاولیا شاہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی شاہ نصیر الدین بدایوں تشریف لے گئے تھے اور وہیں لا ولد وصال فرمایا۔ وہ مجرور زندگی بسر کرتے تھے۔ شاہ نظام الدین بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ہزاروں عقیدتمندان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان کے مریدوں میں دو بزرگ خاص طور سے قابل ذکر ہیں (۱) مولانا عبدالسلام صاحب نیازی دہلوی اور (۲) مولوی عبدالرحمن صاحب جوہم پھر ایوبی۔ مولانا عبدالسلام صاحب جید عالم ہیں۔ فلسفہ، ریاضی اور الہیات پر خاص عبور ہے۔ وحدت وجود پر ان کی گفتگو بڑی دلچسپ اور عالمانہ ہوتی ہے۔ مولوی عبدالرحمن صاحب بزرگوں کی دیرینہ روایات کے حامل تھے اور اپنے سلسلہ کے مشائخ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ شاہ نظام الدین کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ محی الدین صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ شاہ محی الدین کے کوئی بیٹا نہ تھا، چنانچہ ان کے بعد ان کے نواسے شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں سجادہ نشین ہوئے جو تادم تکریم بدلہ بقید حیات بتائے جاتے ہیں۔ شاعر بھی ہیں اور راز نگار۔ نام سے ان کے کلام کا مجموعہ دیکھنے میں آتا ہے جسے شہزاد لکھنوی نے مرتب کیا ہے۔

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

ولادت گڑو جی نزد تونسہ ۱۱۸۴ھ

وفات تونسہ ۱۲۶۷ھ

پنجاب میں حضرت شاہ نحر الدین صاحبؒ کا فیض اور چشتیہ نظامیہ سلسلہ کا نام شاہ نور محمد صاحب ہمارویؒ کے ذریعہ پہنچا اور شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ذریعہ اس کی تکمیل ہوئی۔ شاہ محمد سلیمانؒ بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ ان کے ارشاد و تلقین سے پنجاب اور افغانستان کے ہزاروں گمراہان بادیہ ضلالت نے ہدایت پائی۔ ان کے خلفا ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اور رشد و ہدایت کے وہ چراغ روشن کیے کہ ایک بار پھر صوفیہ متقدمین کی خانقاہوں کے نقشے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ وہ سلسلہ نظامیہ کے آخری عظیم الشان بزرگ تھے۔ ان کا تبحر تقدس، اسلامی سوسائٹی کی اصلاح کے لیے جدوجہد اپنی نظیر آپ تھی۔

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ نے جس وقت پنجاب میں مسند ارشاد بچھائی تھی، اس وقت سارا صوبہ سکھوں کے تسلط میں تھا، سلطنت مغلیہ کی تجہیز و تکفین کے آخری منازل طے ہو چکے تھے، انگریزوں کا اقتدار سرعت کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ کا یہ عبوری دور تھا، ایک حکومت ختم ہو رہی تھی، دوسری حکومت کی داغ بیل پڑ رہی تھی، مسلمانوں پر مغلوبیت اور افسردگی طاری تھی، قوائے عمل شل ہو رہے تھے۔

اسی زمانہ میں حضرت شاہ سید احمد شہید اپنی عظیم الشان تحریک کو چلانے میں مصروف تھے۔ سکھوں کے مظالم اور جبرہ دستیوں سے تنگ آکر وہ جہاد پر مجبور ہو گئے تھے اور مسلمانوں کی عسکری اصلاح و تنظیم کی کوشش میں منہمک تھے۔ شاہ محمد سلیمانؒ بھی اسی ماحول میں سانس لے رہے تھے۔ انہوں نے گو عملی جہاد میں حصہ نہیں لیا، لیکن شریعت و سنت کی تلقین میں برابر گرم رہے۔ وہ سلطنت کے واپس لے لینے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ان کی نظر میں اسلامی شعار کے احیاء کی ضرورت سب سے زیادہ مقدم تھی کہ اس کے بغیر حکومت اگر حاصل بھی کر لی جاتی تو قائم رکھنا ناممکن تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حج دین جڑ ہے یہ کٹی تو نخل دنیا پھل چکا

چنانچہ انہوں نے صاف صاف بتا دیا کہ جب تک اتباع سنت و شریعت کا التزام نہ ہوگا، حکومت کا خواب منت کش تعبیر نہ ہو سکے گا اور مسلمانوں کی پریشانیوں کم نہ ہوں گی۔ بار بار سمجھاتے ہیں چوں مسلماناں اعمال حسنہ را ترک کردہ اند..... حق تعالیٰ برایشاں کافراں را مسلط کردہ است

بھوں کہ مسلمانوں نے اچھے اعمال چھوڑ دیے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان پر مسلط کر دیا ہے)

وہ مسلمانوں کے تمام آلام و مصائب، ابتلا و پریشانی، دکھ اور درد کا علاج درستی اعمال میں پاتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی کوشش کا مرکز بھی اعمال کی درستی کو قرار دیا تھا، وہ مسلمانوں کو صحیح طور پر اخلاق محمدی کا نمونہ دیکھنا چاہتے تھے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں عادات و کردار کی درستی کو وہ سب چیزوں سے مقدم تصور کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس کوشش اور جدوجہد میں صرف کیا۔ جب حکومت و سلطنت جاتی ہے تو قوموں کے اخلاق و اطوار اور کردار بگڑ جاتے ہیں، ان کا اجتماعی شیرازہ منتشر ہونے لگتا ہے اور انتشار و ابتری جسمانی انتشار سے زیادہ ہلک ہوتی ہے۔ حضرت شاہ محمد سلیمان نے حالات کے گرد و پیش میں جس طرح سرمایہ ملت کی حفاظت کی وہ اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ انھوں نے حضرت شاہ سید احمد بریلوی کی تحریک کو ناکامیاب ہوتے ہوئے دیکھا تھا، اس لیے اب انھوں نے اس تحریک سے نفع نظر حوادث کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنا نیا پروگرام بنایا۔ ان کی کوششوں کا محور مختلف تھا۔ انھوں نے کسی موقع پر بھی جنگ و جہاد کی صراحتاً تلقین نہیں کی، کہ وقت کا تقاضا وہ نہ تھا، لیکن انھوں نے مسلمانوں کی قومی زندگی میں ان صلاحیتوں کو ابھارنے اور بیدار کرنے کی کوشش کی، جن میں مستقبل کی تشکیل و تجدید کا سامان موجود تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو شریعت و سنت پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت فرمائی کہ اسی میں ان کے درد کا درماں اور مصائب کا علاج تھا۔

شاہ صاحب کی جلائی ہوئی اس شرح و سنت کی شرح کے گرد و دور دور سے پروانے جمع ہوئے۔ ان کے خرمین کمال سے ہزاروں نے فیض حاصل کیا۔ سنگھڑ اور تونسہ کا غیر آباد اور غیر معروف علاقہ علم و عرفان کا مرکز بن گیا۔ جہاں سے ہزاروں عقیدت مند تربیت پا کر ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ سیال، گوردہ، جلال پور، حیدرآباد، شیخاواٹی، راجپوتانہ میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہو گئیں اور ایک بار پھر پرانی محفلوں کی یاد تازہ ہو گئی۔ خاتم سلیمان کا مصنف لکھتا ہے: اس نقارہ کی آواز پنجاب، ممالک متحدہ، راجپوتانہ سے لگن کر جزیرہ سراندیب اور عدن تک پہنچی اور افغانستان، بلوچستان، ترکستان سب اس نقارہ کی آواز سے چونک اٹھے۔ ہزاروں طالبان حق سیکڑوں کو سطرے کر کے تحصیل فیض کے واسطے سنگھڑ پہنچے۔ یہ نام ہی کچھ غیر موزون تھا مگر یہ

آہن کہ بپارس آشنا شد
فی النور بصورت طلا شد

پیدائش اور خاندان | حضرت شاہ محمد سلیمان کی ولادت باسعادت ۱۸۴۷ء میں بمقام گڑگوچی ہوئی۔ شاہ صاحب کے والد کا اسم گرامی زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خاں تھا۔ یہ خاندان افغان قوم کے جعفریہ قبیلہ سے متعلق تھا۔ آپ چونکہ افغان تھے،

۱۰۹۔ نافع الساکین ص ۹۰۔ خاتم سلیمان ص ۹۔ ۱۱۰۔ مقام تونسہ سے تیس کوس مغرب میں ہے۔ تونسہ کا شہر ڈیرہ غازی خان سے تیس

کوس کے فاصلہ پر دریا سے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ ۱۱۱۔ خاتم سلیمان ص ۱۵۔ جعفریہ قبیلہ، رحمانی (رحیم دانی) قبیلہ کی شاخ تھا۔

اس لیے اس علاقہ میں روہیلہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔
 شاہ صاحب کے والد کا وصال ان کے شیر خوارگی کے زمانہ میں ہو گیا تھا۔ والدہ نے بچے کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ ان کو اپنے بچے کی اقبال مندی کا یقین ایک خواب سے ہو گیا تھا۔ ولادت سے پہلے انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آفتاب آسمان سے اتر کر گود میں آگیا ہے اور تمام گھر منور ہو گیا ہے۔ سیکڑوں آدمی مبارک باد دے رہے ہیں۔
 شاہ سلیمان صاحب کے ایک بھائی خواجہ یوسف اور چار بہنیں تھیں۔ خواجہ یوسف جوانی میں انتقال کر گئے تھے بہنوں کی شادیاں ہوئیں اور ان سے کثیر اولاد ہوئی۔

تعلیم و تربیت | جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ نے ملا یوسف جعفر کے پاس قرآن پاک پڑھنے کے لیے بھیجا۔ ان سے پندرہ پارے پڑھنے کے بعد وہ اپنے ایک ہم قوم حاجی صاحب سے پڑھنے لگے۔ حاجی صاحب کی بیوی بہت تیز مزاج اور بد خو تھی، وہاں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکے اور حاجی صاحب کے ارشاد کے مطابق وہ تونسہ میں میاں حسن علی کے پاس چلے گئے۔ وہاں گی مسجد میں (جو تونسہ کے بازار کے پاس تھی) پڑھنا شروع کیا۔ میاں حسن علی کا اصول تھا کہ مدرسہ کے طلبہ کو گداہی یا مزدوری پر مجبور کرتے تھے۔ خواجہ سلیمان صاحب کو گداگری کر کے پیٹ پالنے کا حکم ہوا۔ خواجہ صاحب اس حکم سے بہت گھبرائے، لیکن بجز تعمیل چارہ نہ تھا۔ بھیک مانگنے کے لیے نکلے۔ ایک ہندو بقال کو روٹی پکاتے ہوئے دیکھا اور اس کے چوکے سے بغیر اجازت روٹی اٹھالائے۔ بقال نے اگر میاں حسن علی سے شکایت کی۔ میاں صاحب نے باز پرس کی اور بالآخر ان کو گداگری کے قابل نہ پا کر مزدوری کا حکم دیا تاکہ کپڑوں، روٹی اور کتابوں کا خرچ چل جائے۔ دوسرے دن دو آنے رو میہ پر ایک جگہ مزدوری پر لگ گئے۔ دن بھر آپ پتھر پر بیٹھے رہے۔ مزدوروں نے مالک سے شکایت کی، لیکن مالک نے آپ کو پوری مزدوری دے دی۔ میاں حسن علی کو یہ حال معلوم ہوا تو کہا کہ اب تم میرے گھر سے کھالیا کرو۔

شاہ صاحب میاں حسن علی کے پاس رہنے لگے اور علم حاصل کرتے رہے۔ ایک دن وہ تونسہ شریف سے دو کوس جنوب کی طرف ایک موضع سوکڑ میں ایک کتاب خریدنے کے لیے گئے۔ وہاں مولوی نور محمد نارووال صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مولوی صاحب نے ان کی بہت تعظیم کی اور باوجود پیرانہ سالی خود پیدل چلے اور شاہ صاحب کو گھوڑے پر سوار کرایا۔ میاں حسن علی سے خواجہ صاحب نے قرآن پاک پورا کیا۔ خود ایک مجلس میں فرمانے لگے:

..... "در تونسہ شریف پیش میاں حسن علی قرآن مجید می خواندیم۔"

ان کے علاوہ پندرہ حضرت خواجہ فرید الدین عطار، گلستان سعدی، بوستان سعدی وغیرہ کتابیں بھی ان ہی سے پڑھیں۔

۱۔ خاتم سلیمانی ص ۱۵۴
 ۲۔ خاتم سلیمانی ص ۱۵۳
 ۳۔ خاتم سلیمانی ص ۱۵۲
 ۴۔ خاتم سلیمانی ص ۱۵۱
 ۵۔ خاتم سلیمانی ص ۱۵۰
 ۶۔ خاتم سلیمانی ص ۱۴۹
 ۷۔ خاتم سلیمانی ص ۱۴۸
 ۸۔ خاتم سلیمانی ص ۱۴۷
 ۹۔ خاتم سلیمانی ص ۱۴۶
 ۱۰۔ خاتم سلیمانی ص ۱۴۵
 ۱۱۔ خاتم سلیمانی ص ۱۴۴
 ۱۲۔ خاتم سلیمانی ص ۱۴۳
 ۱۳۔ خاتم سلیمانی ص ۱۴۲
 ۱۴۔ خاتم سلیمانی ص ۱۴۱
 ۱۵۔ خاتم سلیمانی ص ۱۴۰
 ۱۶۔ خاتم سلیمانی ص ۱۳۹
 ۱۷۔ خاتم سلیمانی ص ۱۳۸
 ۱۸۔ خاتم سلیمانی ص ۱۳۷
 ۱۹۔ خاتم سلیمانی ص ۱۳۶
 ۲۰۔ خاتم سلیمانی ص ۱۳۵
 ۲۱۔ خاتم سلیمانی ص ۱۳۴
 ۲۲۔ خاتم سلیمانی ص ۱۳۳

میاں حسن علی سے پڑھ چکنے کے بعد آپ لاٹکھ پہنچے۔ یہاں ایک عمدہ گنبد دار مسجد تھی، جس میں مولوی ولی محمد درس دیتے تھے۔
خواجہ صاحب نے ان ہی سے فارسی و ریاضیات کی تکمیل کی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کوٹ مٹھن تشریف لے گئے اور وہاں قاضی محمد عاقل
کے مدرسہ میں عربی کی تحصیل شروع کی۔ خواجہ ابو بخش کے شجرہ میں جو ۱۸۸۲ء میں شائع ہوا ہے۔ خواجہ محمد سلیمان کے متعلق لکھا ہے

” درمبادی حال در کوٹ مٹھن بہ مدرسہ قاضی محمد عاقل صاحب تحصیل علم کتب درسیہ توجہ ملی فرمودند۔
یہاں آپ نے مملکت کی مشہور کتاب ”تطبی“ پڑھی اور فقہ پر پورا عبور حاصل کیا۔ کوٹ مٹھن ہی میں قیام کے زمانہ میں آپ کو
خواجہ نور محمد صاحب ہماروی کے اوج تشریف لانے کی خبر ملی۔ اس زمانہ میں آپ کو امر معروف کی تلقین کا بڑا خیال تھا۔ شاہ
نور محمد صاحب سے سماج پر بحث کرنے اور اس پر تنبیہ کرنے کے لیے روانہ ہونے، لیکن ان کی خدمت میں پہنچ کر دنیا ہی بدل
گئی، اس قدر مبہوت ہو گئے کہ فوراً ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔ اپنے پیر سے انھوں نے آداب الطالبین، فقرات
لوائح، عشرہ کا، اقصوں، الحکم وغیرہ کا درس لیا۔

بیعت | مشہور ہے کہ حضرت شاہ فخر صاحب نے حضرت خواجہ نور محمد ہماروی کو ایک شہباز کے مقید کرنے کی بشارت دی تھی
اور فرمایا تھا کہ اس سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تبلیغ و اشاعت میں چار چاند لگ جائیں گے، چنانچہ شاہ نور محمد صاحب ہر سال اوج
اور کوٹ مٹھن اس باز کی تلاش میں آتے تھے۔ آخری بار جب اوج آئے تو اپنے ایک عزیز محمد حسین سے فرمانے لگے۔ اے
محمد حسین آپ کو معلوم ہے کہ میں ہر سال اس ملک میں کیوں آتا ہوں؟ عرض کیا ”آپ خود ارشاد فرمائیں“ اس پر خواجہ نور محمد
نے فرمایا کہ میں ایک شہباز کے شکار کرنے کے لیے آتا ہوں اور یہ شاہ فخر صاحب کا حکم ہے۔

جب شاہ محمد سلیمان صاحب شاہ نور محمد کی خدمت میں پہنچے تو ان کا عالم ہی بدل گیا۔ فوراً مرید ہونے کی درخواست
کی۔ شاہ نور محمد صاحب نے ان کو حضرت سید جلال کے مزار کے سر ہانے لے جا کر مرید کر لیا۔ یہ شاہ محمد سلیمان کی نوعمری کا زمانہ تھا
لیکن وہ اپنے پیر سے عقیدت اور ان کے احکام کی بجا آوری میں کہنہ سال مریدوں سے بازی لے گئے۔

وہلی کا سفر | شاہ نور محمد صاحب نے اس نوعمر طالب علم کو مرید کرنے کے بعد شاہ فخر صاحب کی خدمت با برکت میں حاضر

۱۔ یہ مقام تونسہ سے پانچ کوس مشرق کی جانب دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا۔ ۲۔ یہ مسجد ۱۲۷۰ھ تک تھی، اس کے بعد دریائے طغیان سے برباد ہو گئی۔

خاتم سلیمانی ص ۱۲۱ ۳۔ شجرہ خواجہ ابو بخش ص ۹ ۴۔ خاتم سلیمانی ص ۱۲۱

۵۔ خود ایک مجلس میں فرمانے لگے۔ جب میں کوٹ مٹھن میں تحصیل علم کرتا تھا تو اس وقت مجھے تدریسی طور پر دینیات کی طرف زیادہ خیال تھا اور امر معروف کے لیے

گرد و نواح کے موانعات میں جلا جاتا تھا۔ مناقب سلیمانہ بحوالہ خاتم سلیمانی ص ۱۲۱

۶۔ خاتم سلیمانی ص ۱۲۱ حد تحقیق ہے کہ اس کے بعد شاہ نور محمد صاحب پھر کبھی منگھڑ نہیں گئے۔ خاتم سلیمانی ص ۳۳

۷۔ خاتم سلیمانی ص ۱۲۱ ۸۔ خاتم سلیمانی ص ۳۱ - ۳۳ - ۳۴

کا حکم دیا جس شہباز کو دام میں لانے کی بشارت انھوں نے دی تھی، وہ مقید ہو چکا تھا۔ شاہ محمد سلیمان نے تعمیل حکم میں دہلی کا ارادہ کر لیا۔ دلاور، جو دھپور، اجمیر، جے پور، ریواڑی ہوتے ہوئے ۱۱۹۹ھ میں وہ دہلی پہنچے۔ یہ گرمی کا زمانہ تھا۔ آفتاب کی وہ تمازت کہ پزندوں نے درختوں میں پناہ لے لی۔ ریگستان کا یہ عالم کہ میلوں تک پانی نہ وارد، نہ کوئی سواری، نہ کوئی دوست، لیکن یہ محبوب سبحانی، سلیمان ثانی کمال ذوق و شوق سے قبلہ عالم کا حکم بجالا رہا تھا۔ اور سفر کی صعوبتوں اور راستے کی تکلیفوں کی کچھ پروا نہیں کرتا تھا۔ عشق و محبت کا یہ متوالا، سفر کی صعوبتیں ذوق و شوق کے ساتھ طے کرتا ہوا دہلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ شاہ فخر صاحب وصال فرما چکے ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

والدہ کی تشویش | جب عرصہ تک شاہ محمد سلیمان کی کچھ خبر نہ ملی تو والدہ کو فکر لاحق ہوئی۔ بیٹے کا تلاش میں گڑگوجی سے سوکڑ شریف لائیں۔ جب یہاں بھی بیٹے کا پتہ نہ ملا تو اپنے داماد کو تلاش کرنے کے لیے آگے بھیجا۔ وہ تلاش کرتے کرتے آخر شاہ صاحب سے جا ملے اور والدہ کے اضطراب اور بے چینی کی داستان سنائی۔ شاہ محمد سلیمان صاحب پیر سے اجازت لے کر والدہ کے پاس گئے۔ پیر سے دور بہت کر عشق کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ مفارقت کی تاب نہ لاسکے۔ ماں کا یہ عالم تھا کہ بیٹے کی جدائی کے خیال سے بھی ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ محبت مادری اور عشق مرشد میں کشمکش شروع ہوئی۔ والدہ نے ان کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پیرے دار بٹھانے، کانٹوں کا حصار کیا، لیکن وہ عشق جو بے خطر آتش فرود میں کود پڑنے کے لیے تیار ہو، اس کی نظریں یہ تداویر سب بے معنی تھیں۔ جب عشق نے زور مارا تو یہ سب بندشیں چشم زدن میں ٹوٹ گئیں اور وہ دیوانہ وار پیر کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ ایک مہینہ ہمارے شریف قیام کرتے تھے پھر کچھ دنوں کے لیے گھر آجاتے تھے۔

مرشد سے عشق | حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب کو اپنے پیر و مرشد خواجہ ہاروی سے عشق تھا۔ ان سے جب جدا ہوتے پریشان اور بے چین رہتے۔ فرقت میں ذوق و شوق کا یہ عالم ہو جاتا تھا کہ اکثر پیدل ہی ہمارے شریف کو روانہ ہو جاتے تھے اور راستے کی تمام صعوبتیں نہایت خوشی سے برداشت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میاں غلام حیدر میاں عیسیٰ جعفر کو ساتھ لے کر ہمارے شریف کو روانہ ہو گئے۔ راستہ میں پیروں سے خون جاری ہو گیا اور پاؤں کے دسوں ناخن انگلیوں سے جدا ہو گئے۔ "لہٰذا لیکن اسی استقلال اور ہمت کے ساتھ ہم کوس کا سفر طے کیا۔ سفر میں دو دو تین تین دن کے فاقے بھی ہوئے، لیکن عقیدت و ارادت کا یہ متوالا والہانہ انداز میں یہ سب مصیبتیں جھیلتا ہوا اپنے مرشد کے قدموں میں پہنچ گیا۔

خلافت | پندرہ سولہ برس کی عمر میں خواجہ محمد سلیمان خواجہ ہاروی سے بیعت ہوئے تھے۔ شیخ کی صحبت کا فیض کل چھ سال تک اٹھایا۔ ۲۱-۲۲ سال کی عمر میں پیر و مرشد نے خلافت عطا فرمائی اور تونسہ میں قیام کی ہدایت کی۔ ۴۰ سال تک بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ وہ تونسہ شریف میں تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و تربیت میں مصروف رہے۔

تونس میں قیام خانقاہ | تونسہ ڈیرہ غازی خاں سے ۳۰ کوس کے فاصلہ پر ایک غیر معروف گاؤں تھا۔ پیر و مرثیہ نے حکم دیا کہ اپنا وطن چھوڑ کر وہاں آباد ہو جاؤ۔ شاہ محمد سلیمان نے فوراً لگا لگا کر جی کو الوداع کہا اور تونسہ پہنچ گئے۔ وہاں بقول پیر حیدر علی شاہ صاحب جلال پوری، آپ سرکنڈوں کی ایک جھونپڑی بنا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ جب اس علاقہ کا رئیس الف خاں حلقہ مریدیوں میں شامل ہوا تو اس نے شاہ صاحب کی اجازت سے ایک مکان بنا دیا۔ جب آپ کی شہرت بڑھی اور لوگ دور دور سے شرفیاب ہو کر حاضر ہونے لگے تو نواب بہاول خاں رائس ریاست بہاول پور بھی سلسلہ رخادام میں داخل ہو گئے اور تعمیر مسجد کے چند ہزار روپے شہادت اقدس میں پیش کیے۔ حضرت نے وہ روپے سب دستور منگوانے کے درویشوں میں تقسیم کر دیا، جو پچاؤہ مسکینوں اور درویشوں کو بانٹ دیا۔ نواب بہاول پور نے پھر روپے بھیجے وہ بھی ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ آخر الام نواب صاحب نے حضرت خواجہ الشہدائیس کو روپے بھیجے اور ان سے درخواست کی کہ وہ مسجد تعمیر کر دیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ تونسہ بارونق اور پرفضا مقام بن گیا اور دور دور سے لوگ وہاں آنے لگے۔

درس و تدریس | خواجہ صاحب نے تونسہ کو دارالعلوم بنا دیا تھا۔ ان کے دولت کردہ کے چاروں طرف متعدد مدرسے تھے۔ پچاس استاد وہاں رہتے تھے۔ تعلیم و تربیت کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر جاری تھا۔ علوم دینیہ کی ترقی و ترویج میں بے حد کوشش کی جا رہی تھی۔ مدرسوں کا اجراء شاہ صاحب کے مقصد کے حصول کا بہترین ذریعہ تھا۔ صرف اسی طرح سے اسلامی شعائر کی ترویج ممکن تھی۔ تونسہ جیسی بستی میں پچاس مدرسین کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ تونسہ اس علاقہ کا تعلیمی مرکز بن گیا تھا اور دور دور سے شاہین علم وہاں جمع ہونے لگے تھے۔

شاہ محمد سلیمان صاحب کو خود درس دینے کا بڑا شوق تھا۔ وہ اپنے خاص شاگردوں اور مریدوں کو سلوک و احسان کی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ ان کے ملفوظات میں بعض جگہ ان کتابوں کا ذکر آیا ہے، جن کو وہ اکثر پڑھایا کرتے تھے۔

شاہ صاحب کا علمی دستار | شاہ محمد سلیمان صاحب کا مطالعہ نہایت وسیع اور نظر بہت گہری تھی۔ قرآن، حدیث اور فقہ پیمان کو پورا عبور نہایت بالغ نظری سے کیا تھا، عوارف المعارف اور فتوحات لکیر نوک زبان پر تھیں اور شیخ سہروردی اور امام اکبر کے بنیادی خیالات پر کافی غور و فکر کیا تھا۔

حدیث و فقہ پر عبور کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مسئلہ آپ سے دریافت کیا جاتا تو برجستہ اسناد نقل کر دیتے۔ ایک مرتبہ قبلہ عالم کے عرس میں تشریف فرما تھے، ایک عالم نے کچھ مسائل دریافت کیے۔ آپ نے برجستہ ان کا شافی و کافی جواب عطا فرمایا۔ اس مجلس میں مولوی خدابخش صاحب (خلیفہ حافظ جمال ملتانی) بھی موجود تھے۔ انھوں نے اپنے برادر زادہ اور شاگرد مولوی سعید انخوار سے فوراً کہا کہ ان ارشادات کو ایک رسالہ کی شکل میں لکھ لو۔ چنانچہ وہ سوالات اور جوابات جمع کر لیے گئے۔ خاتم سلیمانی میں اس رسالہ کا کچھ حصہ نقل کیا گیا ہے۔ اس سے شاہ صاحب کی وقت نظر و وسعت معلومات اور شہر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

عسرت کی زندگی | شاہ محمد سلیمان صاحب نے اپنا ابتدائی زمانہ بڑی عسرت اور تنگی میں بسر کیا تھا۔ جب تو نسہ میں وہ ایک طالب علم کی حیثیت سے آئے تھے تو ان کے خور و نوش کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ ایک شخص رحم کھا کر ان کو کھانا دینے لگا۔ اس میں بھی یہ مصیبت تھی کہ اس کے دروازہ پر ایک کتا رہتا تھا۔ خواجہ صاحب کھانا لینے جاتے تو اس انتظار میں کھڑے رہتے کہ کتا بٹے تو اندر جائیں۔ اگر کتا وہیں رہتا تو دروازہ بھر بھوکے رہتے۔ جب خواجہ نور محمد ہمدانی کے خلیفہ کی حیثیت سے وہ تو نسہ شریف پہنچے تو عسرت کا یہ عالم تھا کہ سرکنڈوں کی جھونپڑی میں اپنا سر چھپاتے تھے اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ گڑگڑی میں ان کی کچھ زمین تھی، لیکن خواجہ نور محمد صاحب کے ارشاد کے بموجب اسے ویسے ہی چھوڑ آئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد فتوح کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دنیا کی ہر نعمت ان کے قدموں میں آگئی، لیکن استغنا کا وہی عالم رہا اور انھوں نے کبھی نارغ ابا کی زندگی بسر نہیں کی۔ جو کچھ ان کی خانقاہ میں پہنچتا تھا فوراً تقسیم کر دیتے تھے۔ اپنے لیے کچھ نہ رکھتے تھے۔

شاہ صاحب | شاہ صاحب کی خانقاہ میں جگہ جگہ سے لوگ آتے تھے۔ قریبی ریاستوں کے نواب اور جاگیردار ان کے کی مقبولیت | آستانہ پر اپنی حاضری کو باعثِ فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ افغانستان سے شاہ شجاع ان کی خانقاہ میں عقیدت و ارادت کے ساتھ حاضر ہوا تھا۔ جاگیرداروں اور والیان ریاست کا تو یہ معمول تھا کہ گدی پر بیٹھتے وقت ان ہی کے دست مبارک سے بگڑی بندھواتے تھے اور ان کی دعاؤں کو اپنے لیے سعادت و دارین تصور کرتے تھے۔ سرسید نے (جو ان کے ہم عصر تھے) لکھا ہے کہ ان کی شہرت قاف سے قاف تک ہے۔ دہلی سے جو اپنے انحطاط کے زمانہ میں بھی علم و فضل کا مرکز تھا۔ علماء اور صوفیہ فیض حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

تعلیم اخلاق | جب کسی قوم کا سیاسی زوال شروع ہوتا ہے تو اس کے افکار و اعمال، عادات و اطوار بھی انحطاط پذیر ہونے لگتے ہیں۔ یہ قومی زوال کی آخری منزل ہوتی ہے۔ اخلاقی زوال کے اثرات سیاسی زوال سے کہیں زیادہ ہلکے ہوتے ہیں اس کے بعد کچھ عرصہ کے لیے تجدید و احیاء کی سب راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ شاہ محمد سلیمان نے جس وقت ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا کیا تھا اس وقت مسلمانوں پر سیاسی اوبار کی گھنائیں چھا رہی تھیں۔ اس زوال کو سب دیکھ رہے تھے، لیکن بہت کم لوگ ایسے تھے جن کی حقیقت بین نگاہ میں سیاسی زوال کے پیچھے ایک خطرناک اخلاقی زوال کے اثرات کو بھی دیکھتی ہوں۔ ایسے لوگوں نے سلطنت کا ماتم کرنے میں اپنا وقت صرف نہیں کیا۔ انھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اسلامی اخلاق و شعائر کی نگہبانی کی۔ شاہ محمد سلیمان صاحب بھی ان ہی۔ چند بزرگوں میں سے تھے، جن کی کوششوں کا محور اخلاق و عادات کی درستی تھا۔

وہ اپنی نصیحت کو پُر زور اور زوداثر بنانے کے لیے آیات قرآنی، احادیث اور اشعار و بر محل استعمال کرتے تھے۔ جب اخلاقی درس دیتے ہیں تو ان کے لہجے میں اصولی سختی اور تبلیغی نرمی کا نہایت ہی حیرت انگیز امتزاج ہوتا ہے۔ نصیحت کرنے کا جو موقع ملتا ہے، اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جس قسم کے لوگ آتے، جس قسم کا مسئلہ زیر بحث ہوتا، وہ اخلاقی درس کو نہ بھولتے۔

وہ چاہتے تھے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اخلاقی اصول کار فرما ہوں۔ کسی قسم کی گفتگو ہوتی وہ اس کا اخلاقی پہلو ضرور نمایاں کر دیتے تھے۔
صوفیہ کی اصلاح | اس زیادہ کے صوفیہ مختلف قسم کی بد اعتقادیوں کا شکار تھے۔ روحانی ترقی اس لیے چاہتے تھے کہ
 دنیاوی دشواریاں حل ہو سکیں اور

۹ مقصود میں خستہ زکونین توئی از بہر تو میرم ز برائے تو ز بیم!

کی سدا اب کسی حجرہ سے سنانی نہ دیتی تھی۔ اعمال و وظائف میں حد سے زیادہ اعتقاد تھا۔ اور سارا وقت اسی میں صرف ہوتا تھا۔ شاہ صاحب نے اس گمراہی کو محسوس کر لیا اور فرمایا "سالک کو چاہیے کہ عملیات میں دقت کو ضائع نہ کرے، ایسے مشغلے ماہِ فقر کے ڈاکو اور رکاوٹیں ہیں، اصلی مقصود خدا کا یاد کرنا ہے۔"

ان وظائف کی جگہ جن کا مقصد کسی دنیاوی مشکل کا حل کرنا ہوتا تھا، شاہ صاحب نے ذکر چہرہ پر زور دیا اور فرمایا ذکر صبر پر کلمہ لا الہ الا اللہ سب اور ادو وظائف سے بہتر ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ سبب افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے۔ وہ صوفیہ کو دنیا داری سے دین داری کی طرف بلا تے تھے اور ان کو بتاتے تھے کہ کل تم کیا تھے، آج کیا ہو گئے، تمہاری کوششوں اور عبادتوں کے مرکز کیوں تبدیل ہو گئے۔ تم نے دین کے بجائے دنیا سے کیوں دل لگالیا۔ تم نے اپنے اعتقادات میں کیوں فساد پیدا کر لیے؟ صحیح مذہبی جذبہ پیدا کرو کہ وہی سعادت داریں کا باعث ہو گا۔

علماء کو تنبیہ | حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب قدس سرہ العزیز نے اسلامی سوسائٹی کے جس طبقہ کو بھی غلط راستے پر پایا۔ اس کی طرف فوراً توجہ کی۔ علماء کی بے راہ روی دیکھی تو وہ کانپ اٹھے، اور فرمایا "فساد العالم فساد العالم۔"

وہ علماء کی گمراہی کو ساری قوم کی گمراہی کے مترادف سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ علماء کی گمراہی خود ان ہی تک محدود نہیں رہتی۔ عوام بھی اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک عامی کی گمراہی خود اسی تک رہتی ہے۔ لیکن عالم کی بے راہ روی سے عوام بھی متاثر ہو جاتے ہیں، وہ نہ تو جنت میں تنہا جاتے ہیں نہ دوزخ میں دونوں جگہ کثیر جماعت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے نصاب تعلیم کے خلاف بھی آواز بلند کی، فرمایا کہ علماء کو فقہ اور تفسیر پر زور دینا چاہیے ان ہی کے مطالعہ سے مذہبی زندگی سنورتی ہے

اتباع شریعت | شاہ محمد سلیمان صاحب شریعت کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے۔
کی تلتین | فرمایا کرتے تھے:

جو شخص چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ کا محبوب ہو جائے
 اسے چاہیے کہ ظاہر اور باطن میں شریعت کی متابعت

"ہر کہ خواہد مقبول و محبوب حق سبحانہ تعالیٰ گردد
 باید کہ در متابعت شریعت ظاہر و باطناً کوشش

کرے۔ چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ
 "وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ" اور تم خواہاں ہو سکتے ہو تو تم کو تم کو میری اجازت سے
 خدا تم سے بہت کونسا کہیں گے

نمایا چنانچہ نفس میں بواب وارد است: **بِشَاءِ اللَّهِ**
 کس چیز کو چاہو، اللہ کا شہنشاہی ہے، یعنی **بِشَاءِ اللَّهِ**

یا بار بار شاد ہوتا ہے:

از امر غیر مشروع دور باشیہ ^{کے} غیر شرعی چیزوں سے دور رہو۔

ان کو سوائے قرآن وحدیث کے کوئی گفتگو پسند نہ تھی۔ فرمایا کرتے تھے:

بغیر ذکر حدیث اور رسول ہم سر دردی است ^{نہ} تے

شاہ صاحب کا خیال تھا کہ انسانیت کا کمال بغیر متابعت شریعت دشوار ہے۔

دھمک کمال انسانی بغیر متابعت شریعت ظاہری و باطنی از محال است ^{تے} گے

فرمایا کرتے تھے کہ صفائی قلب جو روحانی ترقی کے لیے از بس ضروری ہے بغیر اتباع شریعت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی دینی عمل خلاف شرع عمل کرتا ہے تو اس کی ولایت اور روحانیت کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔

ایک فعل غیر مشروع بندہ را از مرتبہ ولایت ایک غیر شرعی فعل بندے کو مرتبہ ولایت سے

بہینگت ^{کے} نیچے پھینک دیتا ہے۔

شاہ صاحب تصوف و سلوک کی مستند کتابوں کے حوالے دے کر یہ ثابت کیا کرتے تھے کہ صراطِ مستقیم سے مقصود

شہریت ہے۔ حضرت ابن عربی نے فتوحاتِ مکیہ میں اور شیخ شہاب الدین سروروی نے عوارف المعارف میں یہ ہی بتایا ہے کہ

شریعت کی بندگی کے بغیر روحانیت کی دشواری زیادہ ہے جسے نہیں کی جا سکتی۔

شاہ صاحب جب لوگوں کو شریعت سے بے اعتنائی برتتے ہوئے پاتے تھے تو ان سخت عذر دیتا تھا۔ ایک مرتبہ

فرمانے لگے کہ اگر اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالفرض اس وقت موجود ہوتے تو اس زمانہ کے لوگوں کو کافر کہتے۔ اس لیے کہ انھوں

نے شریعت کا اتباع چھوڑ دیا ہے اور مخلوق ان کو دیوانہ کہتی اس لیے کہ ان کے افعال و اخلاق شریعت کے مطابق ہوتے۔

متابعت رسول ^{کے} شاہ صاحب متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بے حد زور دیتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے تمام مصائب

کی ہدایت اور مشکلات کا سبب اتباع رسول نہ کرنے میں پاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے

حکومت بھی اس لیے نکلی ہے کہ انھوں نے متابعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"دریں زماں چوں مسلماناں متابعت نبی صاحب صلی اللہ علیہ وسلم گزارشتہ اند حق سبحانہ و تعالیٰ کفاراً"

۱۔ جامع السائلین ص ۵۴ ۲۔ ایضاً ص ۱۵۵ ۳۔ ایضاً ص ۱۰۹ ۴۔ ایضاً ص ۴۹ نیز ص ۱۲۸ ۵۔ ایضاً ص ۱۲۸

۶۔ ایضاً ص ۱۲۸ ۷۔ ایضاً ص ۱۲۸ ۸۔ ایضاً ص ۱۹

برائشان مسلط کردہ است۔

وہ اکثر ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ جب سکھوں نے ملتان کا محاصرہ کیا تو ایک بزرگ حضور رسول مقبول صلعم
کی خدمت میں امداد کے طالب ہوئے۔ خواب میں رسول خدا نے ارشاد فرمایا۔

"امت من متابعت من گزاشتم اند"۔

فرمایا کرتے تھے کہ دین اور دنیا دونوں میں کامیابی کا انحصار رسول اللہ کے اتباع پر ہے۔ بے متابعت حصول مقصد
ناممکن ہے۔ حکومت بھی اسی وقت مل سکتی ہے، جب زندگی کے ہر شعبہ میں اس اکمل ترین انسان کا اتباع ہو اور روح کی
کمالیت بھی اس وقت ممکن ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر گامزن ہو۔ سلوک و معرفت کی لاپس بغیر اتباع رسول
کے طے نہیں کی جاسکتیں۔

دریں راہ بجز مردِ داعیِ نرفت
گم کن شد کہ دنبالِ داعیِ نرفت
محال است سعدی کہ راہِ صفا
توان رفت جز در پئے مشطفے

مذہبی و روحانی | شاہ صاحب اپنے مریدوں میں صحیح مذہبی جذبات پیدا کرنے اور ان کی صلاحیتوں کو صحیح راستہ پر لگانے
تعلیم کے لیے بے چین رہتے تھے۔ ان کی نظر میں پیر کا کام مشاطہ کی طرح اپنے مرید کے روحانی خط و خال سنوارنا
تھا، جس وقت حضرت خواجہ ہاروی نے ان کو خلیفہ بنا چاہا تھا تو انھوں نے یہ عذر کیا تھا "قبلہ ازمانہ کی حالت دگرگوں ہے
لوگ بہت گمراہ ہو گئے ہیں، یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا، مجھ میں استطاعت نہیں کہ اس کام کی ذمہ داری قبول کروں، لیکن جب
پیرو مشد نے اصرار کیا تو انھوں نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی اور ساٹھ سال اسی ذمہ داری کو اس طرح پورا کیا کہ ان کی دُور رس نگاہ
زندگی کے ہر شعبہ تک پہنچی اور ان کے اصلاحی ہاتھ کا اثر دُور دُور محسوس کیا گیا۔ ان کے آخری زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ طغوزات
میں درج ہے۔ ایک عورت نے سوال کیا "غریب نواز! لکھو کھنا آدمی کیا مرد کیا عورتیں آپ کے دست پر بیعت ہوتے ہیں اور
یہ حال ہے کہ آپ کسی کو زیادہ دیر بیٹھنے نہیں دیتے، اور کیا دن ہو کیا رات، بیعت کرتے رہتے ہیں اور ہر ایک کا بھر و سہر ہے کہ
قیامت کے دن آپ کام آئیں گے اور امداد کریں گے، مگر حیرت ہے کہ کروڑوں مخلوق میں سے آپ اپنے مرید کس طرح پہچان
سکیں گے۔" جواب میں ارشاد فرمایا "رات کا وقت ہوتا ہے اور چہرہ سات چہرہ ہے اپنی اپنی بھیر میں ملادیتے ہیں اور چہرہ جب
چاہتے ہیں ہر ایک اپنے روتھ کو جدا کر لیتا ہے۔ حالانکہ سب بھیر میں ہم رنگ ہوتی ہیں اور حالانکہ سب چہرہ ہوں کو اجمعی اور
بے وقوف کہا کرتے ہیں تو کیا میں اپنے مریدوں کو شناخت نہ کر سکوں گا۔"

۵۔ نافع السالکین ص ۵۰ ایضاً ص ۱۰۶-۱۵۸ ۱۔ کمال روح موقوفہ است بر متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ نافع السالکین ص ۱۲۸ ۳۔ ایضاً ص ۱۵ ۴۔ خام سلیمانی ص ۶۸ ۵۔ ایضاً ص ۷۷

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کی مذہبی و روحانی تعلیم کے بعض اہم پہلو یہ ہیں:

عبادت | شاہ صاحبؒ اپنے مریدوں اور معتقدوں کو سمجھایا کرتے تھے کہ انسان کی زندگی کا مقصد خدا کی عبادت ہے۔ قرآن پاک کی یہ آیت اکثر پڑھتے تھے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَهُ کبھی یہ شعر پڑھتے تھے:

زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی

شاہ صاحبؒ کی حیثیت ایک روحانی طبیب کی سی تھی۔ وہ ہر شخص کو اس کی طاقت، استعداد اور صلاحیت کے مطابق عبادت کا حکم دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ریاضت بقدر استطاعت کرنی چاہیے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شروع میں اتنا سے زیادہ ریاضت کر لی جاتی ہے، بعد کو ناتوانی اور ضعف کے باعث فرائض کی ادائیگی میں بھی کوتاہی ہونے لگتی ہے۔ اللہ پر صحیح اعتقاد اور شاہ صاحبؒ اپنے مریدوں کو اللہ پر صحیح اعتماد اور کامل بھروسہ کا درس دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کی تعلیمات آیاتِ نَعْبُدُكَ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ التجا و تکیہ پر حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ باید کرد نہ بغیر او۔

۲۔ سالک را باید کہ سوائے جناب حق عزوجل تکیہ گاہ خود نہ بیند۔

غیر اللہ پر تکیہ کرنا حادث ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے خدا پر بھروسہ کیا اور آگ گلزار بن گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ پر بھروسہ کیا اور زنداں میں رہے۔

حُبِّ دُنْيَا سے پرہیز: شاہ محمد سلیمان صاحبؒ نے اپنے ملفوظات میں جگہ جگہ دنیا کی محبت اور دنیا داروں کی صحبت سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ اس سے ان کا مقصد گوشہ نشینی یا رہبانیت نہ تھی۔ خود اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

سالک کو دنیا کی چند چیزوں کے بغیر چارہ نہیں اور ان کو صوفیہ کرام دنیا میں شمار نہیں کرتے، بلکہ ان کو امور دینیہ میں گفتے ہیں۔ چنانچہ غذا جو عبادت کے لیے ضروری ہو اور کپڑا جو ستر کے چھپانے کے

• سالک پر چند چیزوں پر دنیا چارہ نیست و ان را صوفیہ کرام از دنیا نے شمار نہ بلکہ از امور دینیہ انگارند۔ چنانچہ قوتِ ضروری برائے عبادت و جامہ ضروری بنا بر ستر عورت، و آبِ ضروری

۱۲۴ ایضاً ص ۱۲ ۱۰۵ ایضاً ص ۱۰۵ ۷۴ ایضاً ص ۷۴ ۵۹ ایضاً ص ۵۹

۷۵ ایضاً ص ۷۵ ۱۱۹ ایضاً ص ۱۱۹ ۱۱ ایضاً ص ۱۱

۲۸ ایضاً ص ۲۸

برجست بقائے حیات و مسکن ضروری برائے
عبادت و علم ضروری برائے عمل
درکار ہوا اور پانی جو بقائے حیات کے لیے ہوا اور
مسکن ضروری برائے عبادت اور علم برائے عمل
حکومت کے متعلق | شاہ محمد سلیمان صاحب نے جب مسلمانوں کے سیاسی زوال کے اسباب کا تجزیہ کیا تو ان کو مسلمانوں
شاہ صاحب کا نظریہ کے سبب آلام و مصائب کا صرف ایک سبب نظر آیا اور وہ مذہب سے بیگانگی۔ ایک مرتبہ لوگوں نے
ان کی خدمت میں عرض کیا کہ ظالموں کے ظلم سے تنگ آگئے ہیں۔ جواب میں فرمانے لگے:
"اگر کسی بدی کند پر خود کردہ ہاں ہے"

شاہ عبدالعزیز صاحب کی طرح ان کا خیال تھا کہ حکومت کفر کے ساتھ چل سکتا ہے۔ لیکن ظلم و ناانصافی کے
ساتھ نہیں۔ شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ظالم حکمران کا مسلط ہونا لوگوں کی بد اعمالی کی دلیل ہے۔ "اعمالکم عمالکم" پر ان کا
اعتقاد تھا۔ اور اپنی مجلسوں میں اسی پر اصرار کیا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ جب خدائے تعالیٰ کسی ملک کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو
اس کو ظالم حاکموں کے قبضہ میں دے دیتا ہے۔ یہ شعر ان کے درد زبان رہتے تھے۔

چو خواہد کہ ویراں کند غافلے نہد ملک در تخبہ ظلم
بقومے کہ نیکی پسند و خدائے دہ خسرو عادل و نیک رکن
جب لاہور پر سکھوں کا قبضہ ہوا تو شاہ صاحب نے کہا:

اِنَّ اللّٰهَ سَيَتَجَلَّىٰ عَلٰى اسْتِعْلَادِ تَجَلَّىٰ لَهَا
یعنی کارما مسلماناں در نا شائستگی از حد گذشتہ کہ ایشان در ملک غلبہ کردہ اندہ

پھر یہ شعر پڑھا۔

چشم عبرت بر کشا و قدرت حق را بین
شامت اعمال ما این صورت اور گرفت
وہ حاکم کو بُرا کہنے اور غیر ضروری طور پر بدنامی اور ہنگامہ آرائی کے بجائے درستی اعمال کا مشورہ دیتے تھے کہ اسی میں فتح
و کامرانی کا راز تھا۔ فرماتے ہیں:

"سالک را باید کہ در حق حاکم وقت دغاے بد
نہ کند، خواہ مسلمان باشد، خواہ مشرک، خواہ ظالم
باشد خواہ عادل، بلکہ برائے او دغا کند تا در حکم آن
سالک کو چاہیے کہ حاکم وقت کے حق میں بد و غاناہ
کرے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا مشرک، ظالم ہو یا عادل
اس کے لیے دغا کرے تاکہ اس کے حکم میں سستی

سستی نباشد۔ زیر اور سستی حکم نقصان خلق اللہ
 نہ ہو، اس لیے کہ سستی میں خلق اللہ کا نقصان ہوتا
 ہے اور قوت میں عین مصلحت ہے۔
 است و در قوت آن عین مصلحت ہے
 ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیے کہ مسلمان کی حکومت ہو، ہم کفار کی حکومت سے تنگ آگئے ہیں
 جواب میں ارشاد فرمایا :

حاکم حق تعالیٰ است
 اَلَيْسَ اللّٰهُ بِحَكَمٍ اَلْحٰكِمِيْنَ

شاہ صاحب کی مستقل رائے یہ تھی کہ حکومت سے پہلے درستی اعمال از بس ضروری ہے فرماتے ہیں :

ہر بلا و مصیبت کہ بر مردمان منسزل
 ہر بلا اور مصیبت جو انسانوں پر نازل
 باشد ز جهت صدر اعمال ناشائستہ
 ہوتی ہے ان کے اعمال ناشائستہ کا نتیجہ
 باشد۔ چنانچہ در حدیث شریف وارد است
 ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا
 ہے۔ اعمالکم عمالکم، یعنی تمہارے کردار تمہارے
 اند۔ اگر اعمال شما نیک باشند پس حاکم
 شما اہل اسلام و عادل باشند و اگر بالعکس
 ہوں گے تو حاکم بھی اہل اسلام میں سے
 اور عادل ہوں گے۔ اگر اس کے برعکس
 ہوں گے تو حاکم بھی کافر اور جابر ہوں گے۔

غیر مسلموں سے | حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی نہایت وسیع الشرب، وسیع النجیال اور وسیع النظر بزرگ تھے۔ چشتیہ
 تعلقات! | سلسلہ کے دیگر اکابر کی طرح ان کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ ہندوؤں سے اچھے تعلقات رکھے جائیں۔ وہ اپنے
 مریدوں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مذہب، اپنے مآثرن، اپنی شریعت پر قائم رہو، لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے
 مذاہب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اپنے تعلقات میں کبھی بزرگی پیدا نہ ہونے دو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :

” سالک را باید کہ هیچ کس را رنج نہ دیدہ بلکه ہر
 سالک کو چاہیے کہ کسی کو رنج نہ پہنچائے، بلکہ
 مخلوق صلح کند۔
 ساری مخلوق سے صلح رکھے۔

شاہ صاحب ہمیشہ محبت امن اور صلح کا درس دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے سلسلہ کے بزرگوں کی ہدایت ہے
 کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح رکھی جائے۔ جامع ملفوظات نے لکھا ہے۔

حضرت قبلہ من قدس سرہ فرمودند کہ در طریق ما
ہست کہ با مسلمان و ہنود صلح باید داشت این
بیت شاہد اور سندہ

حضرت قبلہ من قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارے طریقے
میں ہے ہندو اور مسلمان سے صلح رکھی جائے اور
اس بیت کو شہادت کے طور پر پیش کرتے تھے۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

یہ واضح ہے کہ شاہ صاحب کا یہ بڑا ڈاؤر یہ سلوک صرف غیر مسلموں کے ساتھ تھا۔ بد مذہبوں کے معاملہ میں وہ نہایت
سخت گیر تھے۔ اپنے مریدوں اور معتقدوں کو ہمیشہ بد مذہبوں سے بچنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

”سالک را باید کہ از صحبت بد مذہبیان خود را
دور دارد، اگر چه در صحبت ایشان نعیم دنیاوی موجود
شوند، ہرگز اختیار نکند، بلکہ برگسنگی و برہنگی گزران
بہتر است۔“

سالک کو چاہیے کہ بد مذہبوں کی صحبت سے اپنے
آپ کو دور رکھے۔ چاہے ان کی صحبت میں دنیاوی
فوائد ہی موجود ہوں، ہرگز ان سے میل جول نہ رکھے،
بلکہ جھوکا اور ننگا رہتا ان کی صحبت سے بہتر ہے۔

وہ بد مذہبوں کی لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ حضرت مخدوم بہاؤ الدین نکر ایلتانی
رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو ایسی کتاب بھی نہ پڑھنے دی تھی، جس کا مصنف ایک معتزلی تھا۔

علیانی اور شاہ صاحب | حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب کے زمانہ میں برطانوی اقتدار نہایت سرعت کے ساتھ قائم ہوا
تھا۔ مختلف مقامات پر علیانی مبلغ اپنے مذہب کی تبلیغ و تلقین کرتے پھرتے تھے۔ بعض لوگوں کو وہ ملازمتوں کا لالچ دیتے
تھے۔ بعض کو خاموش تبلیغ کے ذریعہ اپنا ہم خیال بنا لیتے تھے۔ ایک طرف یہ کوششیں جاری تھیں کہ دوسری طرف لادھیگا
نے اس طریقہ تعلیم کا سنگ بنیاد رکھا تھا، جس کے ذریعہ مغربی اثرات کا پھیلنا یقینی امر تھا۔

حضرت شاہ صاحب کے پاس جب علیانی مشنریوں کے ہنگاموں کی خبریں پہنچتی تھیں تو ان کو سخت تکلیف ہوتی
تھی اور اپنی بساط اور اپنے مقدر کے مطابق مسلمانوں کو ان مغربی اثرات سے بچانے کی جدوجہد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ
مولوی محمد حیات صاحب دہلوی نے عرض کیا تھا کہ:

”بسیار مسلماناں واقف نگیاں از دین محمدی گردانید
بہت سے مسلمانوں کو فرنگیوں نے دین محمدی سے

لے نافع السالکین ص ۱۴۶ لے ایضاً ص ۱۶ لے ایضاً ص ۱۶۲ لے ایضاً

میں مولوی محمد حیات صاحب دہلوی بڑے جید عالم تھے وہ دہلی سے شاہ صاحب کی صحبت کا فیض حاصل کرنے کے لیے تو نسہ شریف گئے تھے ان کے مختصر
محل کے یہاں حضرت مولانا جلالی شہزادہ۔

ان ایمان خارج کردہ اندک ایشاں دین مسیحا از
جہت صحبت اختیار کردہ اندک
گمراہ کردیا ہے اور ایمان سے خارج کر دیا ہے اور
انہوں نے دین مسیحی صحبت کی غرض سے اختیار
کر لیا ہے۔

شاہ صاحب کو یہ خبر سن کر صدمہ ہوا اور فرمایا کہ ایسی نوکری سے جس میں ایمان کا خطرہ ہو بھوکا مر جانا بہتر ہے۔ جب ملتان
پر انگریزوں کا قبضہ ہوا اور شاہ صاحب کو معلوم ہوا کہ انہوں نے وہاں کے مقابر کی بے حرمتی کی ہے تو سخت پریشانی میں یہ
شعر پڑھا ہے

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس مرد
میلش اندر طعنہ پا کاں زندہ
ایک مرتبہ ایک شخص سے فرمانے لگے :
"فرنگیاں را تیر نمی زنی" لے

اس نے عرض کیا میں قدرت نہیں رکھتا، آپ مدد فرمائیے " آپ نے شیخ پڑھا اور خاموش ہو گئے۔
کمان نرم باید کماندار چست بوقت کشیدن در آید درست لے
سرکاری ملازمت | متقدمین صوفیہ، سلسلہ چشت اپنے خلفا اور مریدین کو "شغل" سے اجتناب کرنے کی ہدایت فرماتے
اور شاہ صاحب | تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سرکاری ملازم ہونے کے بعد انسان میں دینی کام انجام دینے کی صلاحیت
باقی نہیں رہتی۔ شاہ محمد سلیمان صاحب کا بھی یہی خیال تھا۔ وہ شغل کو روحانی ترقی میں ایک رکاوٹ تصور کرتے تھے ایک
شخص نے اطلاع دی۔ مولوی علی الدین بہاول پوری احمد پور کے قاضی ہو گئے ہیں، فرمانے لگے :

"مولوی مذکور پیش ازیں خوش بود اکتوں در بلا
افتاد کہ معاملہ قضا اختیار کردہ کہ معاملہ قضا نزد پیران
ممنوع است کہ بسیار مریداں را ازیں معاملہ ممنوع
کردہ اند" لے
مولوی مذکور اس سے پہلے خوش تھے اب بلا میں گرفتار
ہو گئے کہ قضا کا جھگڑا اپنے ذمہ لے لیا۔ قضا کا
معاملہ ہمارے پیروں کے نزدیک ممنوع ہے اور انہوں
نے بہت سے مریدوں کو اس سے منع کیا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کا واقعہ سنایا کہ ابتدائی زمانہ میں انہوں نے قاضی ہونا چاہا تھا،
لیکن شیخ نجیب الدین متوکل نے منع کر دیا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کے ایک مرید مولوی علی محمد جراح نے عرض کیا کہ غریب نواز مجھے ڈیرہ غازی خاں کی قضا مل رہی ہے، لیکن
میں بہت ڈرتا ہوں۔ فرمایا فریدی لا تخف، اللہ ہنایتی اور خاموش ہو گئے۔

شاہ صاحبؒ اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی نوکری کرنی چاہیے۔ سرکاری معاملہ سے دور رہنا بہتر ہے۔ اس میں پرکار فرشتہ بھی شیطان ہو جاتا ہے۔

”اگر فرشتہ باشد چوں در معاملہ سرکار افتد دیو شود“

ملفوظات میں متعدد جگہ انھوں نے اپنے اعلیٰ مریدوں کو سرکاری ملازمت سے منع کیا ہے۔ اس ضمن میں ایک جگہ تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

”نوکری و ملازمت نمودن بہ اہل دنیا بد است و داخل شدن در معاملہ اہل دنیا انراں بدتر کسیکہ حاکم شہ دواز جانب اہل دنیا بر مخلوقات چوں بر مخلوقات حکم کند و پاس خاطر اہل دنیا نماید و رعایت امر اللہ و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فراموش کردہ بر خلق اللہ ظلم و تعدی کند و حال خلق اللہ را بہ ظلم و جبر بگیرد“

امراء سے بے تعلقی | حضرت شاہ محمد سلیمان صاحبؒ قدس سرہ امراء اور دنیا دار لوگوں سے بہت اجتناب فرماتے تھے۔ ایسے لوگوں کے پاس آنا جاننا روحانی ترقی میں ایک رکاوٹ تصور فرماتے تھے۔ مریدوں کو بھی ہدایت تھی کہ ایسے لوگوں سے بچا جائے ان کی صحبت سے دل مروہ ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ ”ساک را باید کہ از صحبت اہل دنیا دور باشد“

۲۔ قرب ایشان ہلاکت جان است، قرب سلطان اٹش سوڑاں بود“

۳۔ صحبت الاغنیاء تمیت القلب و لو کانت ساعۃ“

شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اہل دنیا ”سفید چشم“ اور بے وفا ہوتے ہیں۔ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو بیرو فقیر کی تلاش میں پھرتے ہیں اور آہ و زاری کرتے ہیں، لیکن ویسے بلا مطلب وہ کبھی فقراء کی طرف متوجہ نہیں ہوتے یہ امراء سے علیحدہ رہنے کے سلسلہ میں وہ ایک بہت دلچسپ حکایت سنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ سعدیؒ حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ سے ملاقات کے لیے گئے۔ شیخ عطار نے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کر دیا:

”تو با تو نگران دوستی داری با تو ملاقات نکنم“

شیخ سعدیؒ کو سخت صدمہ ہوا۔ ۶ ماہ تک وہاں رہے، پھر حضرت شیخ فرید الدین عطار نے ان کو بلایا اور آستین خود را دراز کر دیا حضرت سعدیؒ برآں بوسہ داد و رفت“

شاہ صاحبؒ نے جاگیر کے معاملہ میں بھی اپنے بزرگوں کے مسلک پر عمل کیا۔ ایک مرتبہ عبد الجبار خاں نواب ڈیرہ غازیخان

۱۸۲ ص ۶ ۱۸۳ ص ۸۳ ۱۸۴ ص ۸۴ ۱۸۵ ص ۸۵ ۱۸۶ ص ۸۶

۱۸۷ ص ۸۷ ۱۸۸ ص ۸۸ ۱۸۹ ص ۸۹

نے درویشوں کے خرچ کے لیے جاگیر پیش کی، جواب میں فرمایا:

”ما این جاگیر نہ گیریم کہ خلاف سنت پیران و شیخان ما برگزیدہ خواہیم نمود کہ ایشان قبول نہ کردہ اند“

کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ صاحبزادہ گل محمد کے لیے جاگیر قبول فرمائیے۔ جواب دیا:

”گل محمد را نیز حاجت جاگیر نیست، اگر نعلین درویشاں راست کند برائے خدمت او مقربان خدمت گار شوند“

شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا ہمان ہو کہ زندگی بسر کرنی چاہیے تاکہ دینی کام پوری مرکزیت کے ساتھ انجام پاسکیں۔ شاہ شجاع اور جس زمانہ میں شاہ محمد سلیمان صاحب تونسہ میں رونق افروز تھے، اس وقت مشرق وسطیٰ کی سیاست خواجہ تونسویؒ بہت خطرناک صورت اختیار کر رہی تھی۔ نیپولین کی جنگوں کے بعد سے روس مسلسل مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ۱۸۲۶ء میں روسیوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر اس ملک پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ برطانیہ کو روس کے اس بڑھتے ہوئے اقتدار سے سخت خطرات پیدا ہو گئے تھے۔

چنانچہ اس نے افغانستان میں اپنی طاقت کا استحکام کرنا چاہا، تاکہ برطانوی ہند اور روس کے درمیان ایک طاقت ور ریاست مقابلہ کے لیے موجود رہے، لیکن افغانستان میں اس وقت اندرونی گڑبڑ پھول رہی تھی۔ درانی خاندان کو دوست محمد نے کابل اور غزنی سے نکال دیا تھا۔ درانی خاندان کے امیدوار تخت و تاج شاہ شجاع نے بالآخر ہندوستان میں پناہ لی تھی اور انگریز شاہ شجاع کی حمایت میں تھے۔

شاہ سلیمان تونسویؒ کی روحانی شہرت کو سن کر شاہ شجاع ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خاتم سلیمانی میں کئی ایسے واقعات درج ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع کو حضور خواجہ صاحب سے بڑی عقیدت اور ارادت پیدا ہو گئی تھی۔

جب شاہ شجاع دوسری بار انگریزی امداد لے کر افغانستان جا رہا تھا تو تونسہ شریف سے اس کا گزر ہوا۔ رات کو وہیں قیام کیا۔ صبح کو خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ صاحب نے اپنے مصلے پر اس کو بٹھالیا اور ساری سرگزشت سنی۔ اس کے بعد پوچھا ”افغانستان کی تسخیر کا ارادہ ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ کس کی پناہ میں جا رہے ہو؟“ فوراً جواب دیا ”کہن دل خاں اور پیر دل خاں کی حمایت میں جا رہا ہوں۔“ اس کے بعد شاہ شجاع چلا گیا۔ شاہ صاحب اپنی مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ”اس کا بخت برگشتہ معلوم ہوتا ہے، وہ اللہ کے بجائے کہن دل خاں اور پیر دل خاں پر اعتماد رکھتا ہے۔“ لیکن شاہ صاحب بڑے مردم شناس بزرگ تھے۔ اگر ایک طرف شاہ شجاع کی اس بات پر ان کو اعتراض تھا، تو دوسری طرف وہ اس کی بہت ہمدردی کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب شاہ شجاع کے قتل کی خبر سنی تو فرمانے لگے ”شاہ شجاع بڑی بہت والا جوان تھا۔“

حصولِ مطلب کی خاطر اپنی جان تک نذر کر دی۔

امیر دوست محمد خاں | حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب کی شہرت ہندوستان اور افغانستان میں دور دور تک پھیل گئی تھی۔ اور شاہ صاحب جس زمانہ میں شاہ شجاع اور دوست محمد خاں میں افغانستان کی حکومت کے لیے کشمکش ہو رہی تھی اور سکھوں اور انگریزوں نے شاہ شجاع کو امداد دینی شروع کر دی تھی۔ اس وقت دوست محمد خاں نے شاہ صاحب سے روحانی امداد کی درخواست کی اور لکھا کہ میں نے خالصاً اللہ جہاد پر کمر باندھی ہے تاکہ یہ اسلامی علاقہ کفار کے صدمات اور تصرفات سے محفوظ رہے۔ دعا فرمائیے کہ خدا مجھے فتح و نصرت عطا فرمائے۔ شاہ صاحب نے یہ خط سن کر منشی محمد واصل سے کہا کہ جواب میں یہ شعر لکھ دو۔

ہر آن کہ استعانت بدرویش بود اگر بر فریدوں زد پیش برد

وصال | ماہ صفر ۱۲۶۷ء کا چاند دیکھ کر خواجہ صاحب نے فرمایا۔ ہمارے سفر کا مہینہ ہے۔ خدا خیر کرے۔ کچھ دن بعد زکام کی شکایت ہوئی اور ۷ صفر کو جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ نواب بہاول پور نے ۷۰ ہزار روپیہ کے صرفہ سے سنگھار کا عالی شان روضہ تیار کرایا۔

اولاد | خواجہ محمد سلیمان کے دو فرزند تھے: (۱) خواجہ گل محمد (۲) خواجہ درویش محمد

دونوں شاہ صاحب کی حیات ہی میں وصال فرما گئے تھے۔ اس لیے شاہ صاحب کے بعد ان کے پوتے خواجہ انجمن صاحب مسند نشین ہوئے۔

خلفاء | شاہ محمد سلیمان ۲۲ سال کی عمر میں سجادہ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے تھے اور ۸ سال کی عمر تک تلقین و ارشاد میں مصروف رہے۔ اس مدت میں ہزاروں تشنگان معرفت ہندوستان اور دیگر بلاد اسلامیہ سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے جہاں جو ہر قابل پایا اس کی قدر کی اور خلافت سے سرفراز کیا۔ آپ نے کم و بیش ۷۰ بزرگوں کو خرقہ خلافت عنایت فرمایا تھا۔ بعض خلفاء کے نام یہ ہیں:

۷۔ مولوی نور جانیان صاحب بہاول پوری

۸۔ مولوی شہسوار صاحب سکندری نواحی ہار

۹۔ شمس الدین سیالوی

۱۰۔ میاں عبدالشکور خیر آبادی

۱۱۔ مولوی امام الدین مصنف نافع النساء لکین

۱۲۔ حاجی نجم الدین مصنف مناقب المحبوزین

۱۔ مولوی محمد باران کلاچی

۲۔ مولوی محمد علی مکھڑی

۳۔ مولوی محمد علی خیر آبادی

۴۔ مولانا احمد تونسوی

۵۔ صاحبزادہ نور بخش نبیرہ قبلہ عالم

۶۔ قطب الدین برادر حقیقی صاحبزادہ نور بخش

حضرت حافظ سید محمد علی خیر آبادی

ولادت ————— ۱۱۹۲ھ

وفات ————— ۱۲۶۶ھ

حافظ سید محمد علی صاحب خیر آبادی خواجہ تونسوی کے اولین خلفائے تھے۔ خیر آباد میں ان کی خانقاہ علم و فضل کا مرکز اور فیوض و برکات کا منبع تھی۔ اودھ اور دکن میں چشتیہ سلسلہ کی اشاعت کا کام اسی خانقاہ میں بیٹھ کر کیا گیا تھا وہ بے پناہ عزم و استقلال کے مالک تھے۔ نامساعد حالات سے بالکل متاثر نہ ہوتے تھے۔

ولادت اور نسب | حافظ صاحب کی ولادت باسعادت ۱۱۹۲ھ کو ہوئی تھی۔ ان کے والد ماجد مولوی شمس الدین ایک علمی خاندان کے فروختے۔ ان کے اجداد میں ایک بزرگ حضرت شیخ سعد خیر آبادی حضرت شاہ مینا لکھنوی کے خلیفہ تھے اور ان کی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی۔ حافظ صاحب کا خاندان بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ علم و فضل میں اس گھرانے کو ایک امتیازی رتبہ حاصل تھا۔

ایام طفلی | بچپن ہی سے حافظ صاحب کی طبیعت عبادت کی طرف راغب تھی۔ رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر وہ یاد حق میں مشغول ہو جاتے تھے۔ شریعت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ ایک دن وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی جگہ جا رہے تھے۔ راستہ میں بیر کے درخت ملے۔ سب لڑکوں نے ان درختوں سے پھل توڑ کر کھائے۔ حافظ صاحب سے کھانے کے لیے کہا گیا تو فرمایا یہ درخت غیر کی ملک ہیں، بغیر مالک کی اجازت کے کیوں کر کھاؤں گے

تعلیم | سب سے پہلے سید محمد علی صاحب نے قرآن پاک حفظ کیا۔ اس کے بعد خیر آباد میں مولانا عبدالوہابی صاحب سے جو اپنے زمانہ کے مشہور عالم تھے۔ شرح وقایہ تک علم حاصل کیا۔ پھر شاہ جہان پور تشریف لے گئے اور وہاں کچھ عرصہ تک تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ یہاں شہر کے باہر ایک مسجد میں ان کا قیام رہا۔ شاہ جہان پور کی علمی دنیا جب ان کی تشنگی علم کو نہ بچھا سکی تو دہلی کا رخ کیا کہ وہی ہندوستان میں علم و ادب، احسان و سلوک کا آخری مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت شاہ ولی اللہ کے گھرانے نے علم کی وہ شمع روشن کر رکھی تھی، جس کے گرد دور دور سے علمی پروانے جمع ہو رہے تھے۔ دہلی میں مشکوٰۃ کا سبق انھوں نے حضرت شاہ عبدالقادر سے لیا۔ پھر حرمین شریفین میں صحیح بخاری کی سماعت فرمائی۔ جب شاہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے

لے مذکورہ دیئے دکن جلد اول ص ۳۰۸ تک مناقب حافظیہ ص ۹۳-۹۴ تک ایضاً ایضاً تک ایضاً ایضاً

توجیح مسلم کی سماعت کی۔ دہلی میں شاہ عبدالقادر کی خدمت میں فصوص الحکم کا کچھ حصہ پڑھا۔

مجاہدات | حافظ صاحب نے ابتدائی زمانہ میں سخت مجاہدات کیے تھے۔ سب سے پہلے وہ حضرت سید محمد مشتاق عرف چھیدا میاں کے مزار پر چلے کش ہوئے۔ پھر شاہ مینار رحمۃ اللہ علیہ کے مزار متبرکہ پر ریاضت شاقہ میں مشغول ہو گئے۔ نمازیوں کے لیے پانی بھر کر لاتے۔ باقی وقت میں عبادت کرتے۔ اسی طرح کافی عرصہ گزر گیا۔ پھر حضرت قطب صاحب کے مزار پر دہلی میں حاضر ہوئے اور حسب معمول مجاہدوں میں مشغول ہو گئے۔ چند مکانوں میں اجرت پر پانی بھر کر اپنی گزراوقات کرتے تھے۔ اور اکثر روزہ رکھتے تھے۔ تمام رات قرآن پاک کی تلاوت میں گزارتا تھا۔ دہلی سے وہ اجیر شریف پہنچے اور وہاں بارہ سال تک ایک مسجد میں مقیم رہے۔ یہاں سے پاک پٹن کا ارادہ کر دیا۔ پاک پٹن میں خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و بزرگی شہرت سن کر دل اس طرف متوجہ ہو گیا۔ یہاں ان کو عقیدت و ارادت کا ایسا مرکز مل گیا، جس نے ان کے مجاہدوں اور ریاضتوں کو صحیح راستے پر لگا دیا۔ شاہ محمد سلیمان کی صحبت نے سب نے پر سہاگہ کا کام کیا۔ فطرت کی ودیعت کی ہوئی صلاحیتیں ابھرائیں اور ان کو چمکنے کا موقع مل گیا۔

بیعت | حافظ صاحب انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ پاک پٹن سے تونسر روانہ ہوئے۔ شاہ محمد سلیمان کی خدمت میں پہنچ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی خواہش کا بھی اظہار نہ کر سکے۔ اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ ایک دن حافظ صاحب کے دل میں خیال آیا کہ افسوس حضرت شاہ صاحب میرے حال کی جانب متوجہ نہیں ہوئے شاہ صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا "جس شخص سے مجھے تعلق ہوتا ہے بظاہر میں اس کی طرف توجہ نہیں کرتا ہوں۔ یہ سن کر حافظ صاحب کے بے چین قلب کو اطمینان ہوا۔ شاہ صاحب نے پہاڑ پر پاؤں دسی میں باندھ کر عبادت کرنے کی ہدایت کی۔ عرصہ تک حافظ صاحب اس طرح کے مجاہدے کرتے رہے۔ اس کے بعد شاہ محمد سلیمان صاحب نے اپنے سلسلہ میں داخل کر لیا اور خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حافظ صاحب نے کچھ عرصہ تک کسی شخص کو مرید نہیں کیا۔ شیخ کو علم ہوا تو وجہ پوچھی۔ عرض کیا "اہل بند نہایت درجہ معاصی میں مبتلا ہیں۔ اسی وجہ سے سلسلہ میں داخل نہیں کیا۔" شاہ صاحب نے فرمایا "تم کو اس سے کیا کام؟ میں نے اجازت دی ہے نیک خواہ بد جو کچھ ہوں گے مجھ سے ہوں گے۔" شیخ کا یہ حکم سننے کے بعد حافظ صاحب نے بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اودھ، پنجاب اور حیدرآباد کے ہزاروں باشندوں نے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ پھر حافظ صاحب جرہین شریف تشریف لے گئے۔ وہاں دس سال تک مقیم رہے اور کچھ لوگوں کو مرید بھی کیا۔

پیرو مرشد سے | حافظ صاحب کو اپنے پیرو مرشد سے بڑی عقیدت تھی۔ شیخ کے زکروں تک کی عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ **عقیدت!** | شاہ صاحب کا سائیس لکھنؤ میں مل گیا، اس کی بے حد تعظیم کی۔ حافظ صاحب جب اپنے شیخ کی خدمت میں جاتے تو کئی کوس پہنے سے پیادہ پا چلنے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مرید نے سوار ہونے کی درخواست کی تو فرمایا

وعدہ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد لہ

شاہ صاحب ان کی صحبت اور غلوں کی بے حد قدر کرتے تھے اور انتہائے تعلق میں ان کو شاہ ہودی کہتے تھے۔
برہم ریسوں کو دور | حافظ صاحب کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کی سوسائٹی کی نشوونما اسلامی اصول پر ہو وہ ہمیشہ اسلامی
کرنے کی کوشش | رسم و رواج اور طرز زندگی پر زور دیتے تھے کہ برہم ریسوں کو دور کرنے کی جدوجہد کرنا سب سے زیادہ
اہم کام ہے۔ خود ان کے متعلق مناقب کے مصنف کا بیان ہے ہمیشہ سنت نبویہ کے زندہ رکھنے اور اہل ہند کی باطل رسومات
کو مٹانے کے واسطے مستعد اور آمادہ رہتے تھے۔

حافظ صاحب کی اصلاحی کوششوں کی ابتدا خود ان کے گھر سے ہوئی۔ انھوں نے اپنے گھر میں ان تمام رسومات اور
توہمات کو ختم کیا جن کو وہ غیر شرعی سمجھتے تھے۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد ان کو قصبہ موہان کا سفر پیش آیا۔ سین نے کہا، کیا
حضرت بی بی صاحبہ کی رسومات نہیں کہیں گے؟ فرمایا: جہاں ہو گا وہاں فاتحہ کروں گا۔ کیوں کہ اس سے یہ حال ثواب
ہے اور وہ ہر جگہ ممکن ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ اسی جگہ سیوم کی فاتحہ کروں؟

شادی کے معاملے میں وہ غیر ضروری رسومات کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک دن اچانک صاحبزادے حافظ جمال الدین
کو دلہن کے مکان پر لے گئے اور نکاح کے لیے کہا۔ دلہن کے گھر والوں نے بے سرو سامانی کا عذر کیا تو فرمایا جو کچھ اللہ اور رسول کا
حکم ہے اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ چنانچہ قواعد شرعیہ کے مطابق نکاح ہو گیا اور کوئی غیر شرعی رسم ادا نہ کی گئی۔

حافظ صاحب کے برادر زادے حافظ تراب علی صاحب کی شادی میں کاغذ کے پھول تیار کیے گئے تھے۔ حافظ صاحب
کی نظر بڑی تو سخت رنج ہوا۔ فرمایا: یہ بزرگ زادے ہیں اور ایسے مراسم قبیحہ کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
وہ ایسی شادیوں میں جن میں اسلامی شعار کی پابندی نہیں ہوتی تھی، شرکت نہ کرتے تھے۔ ایک شخص وابد علی خاں نے شادی
میں شرکت کی درخواست کی۔ فرمایا: اس زمانہ میں اس قدر مقرر دیا جاتا ہے کہ اس کا ادا کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ یہ امر ناروا ہے۔
پس ایسی تقریب نکاح میں نہیں شریک نہیں ہوا کرتا، خاں صاحب کے اس یقین دلانے پر کہ جو مقرر پائے گا۔ وہ اسی وقت
ادا کیا جائے گا۔ آپ شادی میں تشریف لے گئے۔

تقاریب میں رنڈیوں کے ناچ سے سخت نفرت تھی۔

اگر کہیں رنڈیوں کا ناچ ہوتا تو ہرگز شریک نہ ہوتے۔ ایک مرتبہ حیدرآباد میں حضرت شاہ یوسف کے مزار پر حاضری کا
اتفاق ہو تو دیکھا وہاں طوائفوں کا ناچ ہو رہا ہے۔ آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ محفل میں پہنچ کر مشائخ کو لگا رہا۔

لعناتہ حافظیہ ص ۱۱۱ لہ ایضاً ص ۱۰۶ لہ ایضاً ص ۱۰۶ لہ ایضاً ص ۱۰۶

لہ ایضاً ص ۱۰۶ لہ ایضاً ص ۱۰۶ لہ ایضاً ص ۱۰۸

یہ بال تمھاری داڑھی کے نہیں ہیں بلکہ زنا کے تار ہیں۔ اولیاء اللہ کے مزاروں پر ایسا فسق و فجور ہوتا ہے اور تم دیکھتے ہو۔

حافظ صاحب مشرکانہ تہواروں میں شرکت پسند نہ فرماتے تھے۔ کہتے تھے:

”جس مسلمان نے رسم کفر و غیبت دل سے مشاہدہ کیا اس کے ایمان میں خلل پڑا۔“

جب کسی قوم کے قوانین عمل مضحک ہوتے ہیں تو ان علوم اور شعبوں میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے جو بغیر ہاتھ پاؤں کو جنبش دیے آسائش کی زندگی کا دلکش خواب دکھاتے ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں عام لوگوں کو کیمیا بنانے کی فکر رہتی تھی۔ ہر شخص اسی دھن میں وقت گزارتا تھا۔ حافظ صاحب نے اپنے ملفوظات میں جگہ جگہ ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے۔

اخلاق | حافظ محمد علی صاحب اخلاق محمدی کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ انسانی مساوات و اخوت پر ان کا ایمان تھا۔ اپنے عمل سے اس کی تائید کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دسترخوان پر بیٹھے تھے، نظر پڑی تو دیکھا ایک موچی میاں اسلم کے جوتے سی رہا ہے، فرمایا اپنے ہاتھ دھو کر آدرا کھانا کھا۔ اور اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا۔ جاڑے کے موسم میں ایک جولا بان کے پاس آکر ٹھہرا۔ اس کے پاس جاڑے کا لباس نہ تھا۔ حافظ صاحب نے اس کو اپنے بستر میں اپنے پاس سلایا۔

حافظ صاحب جب محفل میں مدعو کیے جاتے تو کبھی ممتاز جگہ پر نہ بیٹھے۔ یہ سفر و حضر میں خادموں کے ساتھ کام میں شریک رہتے تھے۔ بعض اوقات روٹیاں اپنے ہاتھ سے پکالیتے تھے۔ اظہار مشیخت سے نفرت تھی، بلکہ اس قسم کا تواضع جس سے ترک خرید کا اظہار ہو پسند کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ترک کو بھی ترک کرنا چاہیے۔

اتباع سنت | حافظ صاحب اتباع سنت پر بہت زور دیتے تھے۔ مناقب حافظیہ میں لکھا ہے:

”حضرت شیخ الاسلام کو چونکہ اتباع نبوی میں بہت کدو کوشش تھی۔ ہمیشہ سنت نبویہ کے زندہ رکھنے اور

اہل ہند کی باطل رسومات کو مٹانے کے واسطے مستعد اور آمادہ رہتے تھے۔“

ان کی مجلسوں میں مسائل شریعت اور سنت کے علاوہ کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔ اپنے مریدوں کو سنت نبوی پر عمل کرنے

کی برابر تاکید کرتے تھے۔ ایک شخص ہر روز صبح کو آکر قدم بوسہ کرتا تھا۔ ایک روز فرمایا ”آج یا یہ ڈنڈوت ہے کہ فجر کو اٹھ کر ہندوؤں

کی طرح ایسا کرتا ہے، اسلام علیکم کہہ کر بیٹھ جانا چاہیے۔“ حافظ صاحب اپنے مریدوں کو بتایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے اتباع کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی اور محبت الہی کا دعویٰ بغیر اتباع نبوی جھوٹا دعویٰ ہے۔

۱۳۱ مناقب حافظیہ ص ۱۴۴ مناقب حافظیہ ص ۲۰۲ مناقب حافظیہ ص ۱۰۹

۱۳۵ مناقب حافظیہ ص ۱۱۰ مناقب حافظیہ ص ۱۱۲ مناقب حافظیہ ص ۱۱۵

۱۳۹ مناقب حافظیہ ص ۱۳۶ مناقب حافظیہ ص ۱۳۸ مناقب حافظیہ ص ۱۴۴

حافظ صاحب اپنے مریدوں کو احسان و سلوک کی صرف ان کتابوں کے مطالعہ کی ہدایت فرماتے تھے، جن میں شریعت پر خاص زور دیا گیا ہو۔ عوارف المعارف ان کو بہت پسند تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں ہر مسئلہ حدیث شریف سے لکھا گیا ہے۔

مریدوں کی تربیت | حافظ صاحب اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے "مرشدوں کو مریدوں کا اس طرح خیال رہتا ہے، جس طرح ماں کو اپنے لڑکوں کا خیال رہتا ہے۔"

حافظ صاحب اظہارِ مشیخت سے ناواقف ہوتے تھے۔ ان کا حکم تھا کہ ہر چیز کا اٹھا لیا جائے۔ ایک دن ان کے ایک مرید میر محمد علی ان لکڑیوں پر جن سے کپڑا بنا جاتا ہے بیٹھے ہوئے تھے، اتفاقاً حافظ صاحب کی نظر ان پر پڑ گئی۔ فرمایا، ایسا فعل نہیں کرنا چاہیے، جس سے لوگ سمجھیں کہ یہ شخص نہایت متواضع اور منکسر ہے۔ ایک مرید نے اپنی رضائی ایک مسکین کو دے دی تو ناراض ہوئے۔ فرمایا اس فعل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص ایسا باخدا ہے کہ ایک رضائی اس کے پاس تھی وہ بھی خدا کی راہ میں دے دی۔ فرمایا کرتے تھے کہ ترک کو بھی ترک کرنا چاہیے۔ مریدوں کے بال رکھنے کو اس وجہ سے ناپسند کرتے تھے کہ اس سے اظہارِ مشیخت ہوتا ہے۔

حافظ صاحب اپنے مریدوں کی ظاہری و باطنی زندگی کی اصلاح میں بڑی جدوجہد کرتے تھے۔ مرید کرتے وقت یہ باتیں فرماتے تھے:

۱۔ شریعت پر قائم رہو۔

۲۔ اللہ کی محبت میں دل کو مضبوط رکھو۔

۳۔ جب تک تحصیلِ علم سے فارغ نہ ہو ذکر نہ کرو۔

۴۔ دنیا کی محبت میں مت بیٹھو، اس سے محبتِ الہی کی لذت سلب ہوتی ہے۔

تعویذ و عملیات | جب مذہبی ذہن پریشان ہوتا ہے تو عملیات میں غیر معمولی اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے قوائے عمل سے اجتناب! شل ہو جاتے ہیں اور اوہام کا تار و پود، زندگی کے سرچشموں کو خشک کر دیتا ہے۔ حافظ صاحب کو یہ چیز سخت ناپسند تھی۔ مناقب میں لکھا ہے:

"شیخ الاسلام عملیات سے نفرت رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سے منع فرماتے ہیں۔"

اپنے کسی کسی کو تعویذ نہیں دیا۔ ایک شخص بے حد صبر ہوا تو مولانا روم کا یہ شعر کاغذ پر لکھ دیا۔

۱۲۲ مناقب حافظیہ ص ۲۱۲ ۱۸۶ مناقب حافظیہ ص ۸۵ ۱۸۵ مناقب حافظیہ ص ۱۸۵

۱۴۳ مناقب حافظیہ ص ۱۴۳ ۱۸۹ مناقب حافظیہ ص ۱۸۹ ۱۸۵ مناقب حافظیہ ص ۱۸۵

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو
 ایمنے از تو ہایت ہم ز تو
 مثنوی مولانا روم | حافظ صاحب کو مثنوی مولانا روم پر بڑا عبور تھا۔ انھوں نے عارف روم کے معارف ربانیہ کا مطالعہ نہایت
 بالغ نظری سے کیا تھا اور ان کو نہایت ہی بلخ اور دل نشین انداز میں بیان کرتے تھے۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے:
 "گویند مثنوی را مثل ایشان کسے نمی خوانید"

اشراق کی نماز کے بعد وہ مثنوی کا درس دیتے تھے۔ مرتب مناقب حافظیہ کا بیان ہے:
 "اس کتاب شریف کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام کو کمال تعلق اور محبت تھی اور اس کے معانی اور مطالب
 اس زمانہ میں انحضرت کی مانند کوئی نہیں بیان کرتا تھا۔"

حافظ صاحب اپنے اعلیٰ مریدوں کو مثنوی کے مطالعہ کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ وہ مثنوی کو حقائق و معارف، اسرار و
 رموز کا ناپیدا کنار سمندر سمجھتے تھے۔ اس لیے اس کی شرح لکھنے کو کبھی اچھا نہ سمجھا۔ ایک روز مجلس میں فرمانے لگے کہ مولانا جامی نے
 مثنوی کی شرح لکھنی شروع کی۔ اس کے دو تین اشعار کی شرح لکھنے پائے تھے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ
 فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب تمہارے شرح لکھنے سے ناخوش ہوتے ہیں، انھوں نے اپنے اسرار کو درپردہ کہا ہے اور تم اس کو ظاہر
 کرنا چاہتے ہو۔ یہ سن کر مولانا جامی نے شرح لکھنی بند کر دی۔

حافظ صاحب کے درس مثنوی میں ہندو بھی شریک ہوتے تھے۔

درس و تدریس | حافظ صاحب کی خانقاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ مولانا روم حضرت ابن عربی اول
 مولانا جامی کی تصانیف کا درس وہ خود دیتے تھے اور اس انداز میں دیتے تھے کہ بڑے بڑے عالم ان سے استفادہ کے لیے حاضر
 ہوتے تھے۔ مولانا افضل حق خیر آبادی جو خود بڑے جید عالم تھے۔ فصوص کا درس لینے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

حافظ صاحب معاصرین | حافظ صاحب ان مخصوص بزرگوں میں تھے جن کی روحانی عظمت اور علمی تبحر کی تعریف کرنے
 کی نظر میں! پر خود ان کے معاصر علماء و مشائخ مجبور ہو گئے تھے۔ مولانا انوار الحق صاحب قدس سرہ لکھنؤ

کے اکابر اولیاء میں سے تھے۔ حافظ صاحب کو وہ ہمیشہ شبلی وقت کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حافظ صاحب ان کی مجلس میں
 تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص نے آکر مولانا سے مصافحہ کیا۔ مولانا نے حافظ صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ ان کے ہاتھ پر
 بوسہ دو۔ یہ تیسیر حق ہیں۔ ایک مرتبہ مولانا انوار الحق صاحب نے اپنی مجلس میں فرمایا۔ حافظ صاحب دو لہا ہیں اور ہم سب براتی۔

لکھنؤ کے ایک دوسرے عظیم المرتبت بزرگ مولانا عبدالرحمن صاحب

عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے

۱۰ مناقب حافظیہ ۱۱ مناقب المحبوبین ۱۲ مناقب حافظیہ ۱۳ مناقب حافظیہ ۱۴ مناقب حافظیہ ۱۵ مناقب حافظیہ ۱۶ مناقب حافظیہ ۱۷ مناقب حافظیہ ۱۸ مناقب حافظیہ ۱۹ مناقب حافظیہ ۲۰ مناقب حافظیہ

۲۱ مناقب حافظیہ ۲۲ مناقب حافظیہ ۲۳ مناقب حافظیہ ۲۴ مناقب حافظیہ ۲۵ مناقب حافظیہ ۲۶ مناقب حافظیہ ۲۷ مناقب حافظیہ ۲۸ مناقب حافظیہ ۲۹ مناقب حافظیہ ۳۰ مناقب حافظیہ

”حافظ صاحب اپنے عہد کے سلطان المشائخ ہیں“ حافظ صاحب جب دلی تشریف لائے تھے تو شاہ غلام علی صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب نے ان کی بڑی خاطر مدارت کی تھی۔ حاجی نجم الدین صاحب ان کے متعلق بیوی ملائی نہیں لکھتے ہیں:

اور مستند علی شاہ ساکن خیر آباد
کری جوانی خرچ جن بیچ خدا کی یاد

یہ ہیں صاحب سلسلہ صد ہا لوگ مرید
دن دن شہرا جگ اندر ان کا ہوا مرید

امراء سے اجتناب | حافظ صاحب کا ”صُحْبَةُ الْأَغْنِيَاءِ لِلْفُقَرَاءِ سَمَّ قَاتِلٌ“ پر راسخ اعتقاد تھا۔ وہ کسی امیر کے پاس جانا اچھا نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کی صحبت سے اجتناب کرتے تھے، لیکن اگر کوئی آجانا تو سنت نبوی کے مطابق اخلاق سے پیش آتے۔ حیدرآباد کے قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ محی الدولہ احمد یار خاں نے عرض کیا کہ حضور یہاں کے رئیس کو آپ سے ملنے کا بے حد شوق ہے۔ فرمایا تم اور وہ دونوں حجہ ٹے ہو۔ اگر اس کو ملاقات کا اشتیاق ہوتا تو میرے پاس نہ آتا، اجازت کی کیا ضرورت ہے؟ میرے دروازے پر نہ بواب ہیں نہ حجاب ہیں۔“

بہادر شاہ ظفر اور بہادر شاہ ظفر نے چند مرتبہ حافظ صاحب کی خدمت حاضر ہونے کی اجازت چاہی اور ملاقات کا شوق حافظ صاحب نے ظاہر کیا۔ لیکن حافظ صاحب نے ہمیشہ یہ فرمایا کہ ملاقات کی حاجت نہیں ہے، شوق کا دل ہی میں رہنا اچھا ہے۔ بہادر شاہ نے اصرار کیا، لیکن حافظ صاحب راضی نہ ہوئے۔ بالآخر بہادر شاہ نے کالے صاحب کی وساطت سے ملنے کی کوشش کی۔ کالے صاحب وقت کے منتظر رہے۔ قطب صاحب کے عرس کے دنوں میں حافظ صاحب آستانہ شریف کی مسجد میں رونق افروز تھے۔ کالے صاحب نے فرمایا، حافظ صاحب ایک ضرورت سے جاتا ہوں، جب تک میں حاضر نہ ہوں آپ یہیں تشریف رکھیں یہ کہہ کر بادشاہ کے پاس گئے اور اس کو لے آئے۔ حاضرین نے شہد کیا کہ بادشاہ مسجد کی طرف آتے ہیں جب آواز حافظ صاحب کے کانوں میں پہنچی فوراً دیوار چھاند کر چلے گئے۔

وہ کلمہ حق کے کہنے میں بے باک تھے اور کسی کی پروا نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قطب صاحب کے مزار پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ مزار شریف کے قریب چھتوں پر قناتیں لگی ہوئی ہیں اور ان کی رسیاں مزار مبارک کی طرف ہیں۔ پوچھا کہ یہ قناتیں کس کی ہیں۔ کہا گیا کہ بادشاہ دہلی کے محلات کے واسطے ہیں۔ حافظ صاحب نے غصہ ہو کر فرمایا، یہ انتہائی بے ادبی ہے۔ ان رسیوں کو کاٹ دو تاکہ یہ قناتیں گر پڑیں۔

نواب بہاول خاں | نواب بہاول خاں ثانی خواجہ تونسوی کا مرید تھا۔ حافظ صاحب سے ملاقات کی تمنا رکھتا تھا، مگر اور حافظ صاحب | کبھی اس کا موقع نہ ملتا تھا۔ ایک دن شاہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں اپنی اس تمنا کا اظہار

کیا شیخ نے حافظ صاحب کو طلب کیا۔ حافظ صاحب حاضر ہوئے تو سلام عرض کرنے کے بعد شیخ کے روبرو بیٹھ گئے۔ خان موصوف کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ تھوڑی دیر کے بعد میر و مرشد کی اجابت سے اپنے مقام پر واپس آ گئے۔ یہ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ حافظ صاحب ایک مرتبہ احمد پور تشریف لے گئے تھے۔ نواب بہاول خاں کو جب تشریف آوری کا علم ہوا تو ملاقات کا ارادہ کیا۔ آپ کو خبر ہوئی تو فوراً تو نسیم شریف کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ انگریزوں سے تنقیراً حافظ صاحب کے زمانہ میں انگریزوں کا اقتدار ہندوستان میں پوری طرح سے قائم ہو گیا تھا۔ انگریزی معاشرت کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ حافظ صاحب کو انگریزی طور و طریقہ اور طرز معاشرت سے سخت نفرت تھی۔ اگر کوئی انگریزی وضع اختیار کرتا تھا تو طبیعت پر گراں گزرتا تھا۔ بوٹ پہن کر کوئی شخص آتا تو ناخوش ہوتے اور فرماتے یہ نصاریٰ کی وضع ہے۔ مصنف مناقب حافظیہ کے چچا واجد علی خاں نے ایک کوٹھی بنائی اور حافظ صاحب کو برکت کے لیے مکان میں لئے۔ حافظ صاحب نے معائنہ کے بعد فرمایا کہ واجد علی خاں نے خوب مکان بنایا ہے مگر مجھ کو پسند نہیں آیا۔ کیونکہ اس میں دروازے انگریزی وضع کے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کے نام کے ساتھ انگریزی لفظ سن کر اس قدر ناراض ہوئے کہ اس کا خط تک نہ پڑھا۔

وحدت و جود | وحدت و جود پر وہ عوام میں گفتگو کرنے کو برا سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے پوچھا کہ عوام جو وحدت و جود پر گفتگو کرتے ہیں، اس کے متعلق کیا خیال ہے۔ فرمایا "یر الحاد و زندقم ہے"

سماع | سماع کے معاملہ میں بہت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ زمانہ امکان اخوان کی شرطیں جب تک پوری نہ ہوں مجلس منعقد نہیں کرنی چاہیے۔ قوال ہمیشہ باشرع ہونا چاہیے۔

ہندوؤں کو عقیدت | ہندوؤں کو بھی حضرت حافظ صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔ مثنوی رومی کے درس میں ہندو بھی شریک ہوتے تھے۔ حیدرآباد کے راجہ چند لال کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ دہلی کا ایک کالیستہ ہندو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس قدر متاثر ہوا تھا کہ مع اہل و عیال مسلمان ہو گیا۔ شاہ صاحب کا اخلاق بے حد اچھا تھا۔ ہر ملنے والا ان سے مل کر خوش ہوتا تھا اور ان کی محبت کا نہ ملنے والا نقش سے کران کی مجلس سے جاتا تھا۔

واجد علی شاہ اور حافظ صاحب | واجد علی شاہ کے ہنگامہ ہائے ناؤر نوش اور حکومت کے کاموں سے بے تعلقی کو دیکھ کر حافظ صاحب کو سخت صدمہ ہوا۔ انہوں نے متعدد بار واجد علی شاہ سے شکایت کی اور اس کے فرائض سے آگاہ

۱۳۵ مناقب حافظیہ ص ۵۵-۳۵۲ کے مناقب حافظیہ ص ۱۳۷ کے مناقب حافظیہ ص ۱۳۷

۱۵۵ " " " " ۱۵۵ " " " " ۱۵۸ " " " " ۱۵۸ " " " " ۱۵۸ " " " "

کیا۔ جب تمام نصیحتیں صدا پر صحت ثابت ہوئیں تو حافظ صاحب لکھنؤ تشریف لائے اور واجد علی شاہ سے کہلا بھیجا کہ ہم جنگ کے واسطے آئے ہیں۔ اگر تجھ کو زور اور بہادری کا دعویٰ ہو تو مقابلہ کر۔ اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ تلواریں ہمراہ لاؤ ہم جنگ کریں گے مصنف مناقب حافظیہ کو بھی تلوار لانے کا حکم ہوا۔ متفکر ہو کر کئی بار فرمایا:

”میرے دل میں آتا ہے کہ اس رئیس سے تخت خالی کرادوں“

ایک رات شاہ مینا صاحب کی درگاہ میں بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے ”یہ تختے کا تختہ اُلٹے“ ایک پیر مرد ان کے قریب بیٹھے تھے۔ بار بار عرض کرتے تھے ”ایسا نہ فرمائیے آخر مسلمان ہے“ حافظ صاحب اور زیادہ جوش میں آجاتے اور فرماتے:

”اگر نصاریٰ کی عمل داری ہو تو اس حکومت سے بہتر ہے“

حافظ صاحب | حضرت حافظ صاحب کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ غزلیں اور رباعیاں بہت اچھی کہتے تھے۔
پر حیثیت شاعر | مشتاق تخلص تھا۔ ایک غزل ملاحظہ ہو۔

دلہم بر بود جاتانے کہ آنی دلستاں دارد	شکر لب خندہ نمکینی خار میکشاں دارد
چو گل رخ ز گیس چشمے برویش سنبل زلفے	لب نازک تر از لاله قد سرو۔ رواں دارد
کہ از تمکین نمی پرسد ز حال زار من دلبر	خدایا مہرباں سازش کہ دل سنگد چناں دارد
ازیں نامہرباں شوخی چہ اسایش دہد دستم	کہ باکم التفاتے ہاز من خاطر گراں دارد
بکیش دلبری شاید روادار دول آزاری	کہ از مرگان زند پیکان ازابر و کماں دارد
متاع صبر از دلہا کند غارت بیک لمحہ	مگر در گوشہ چشمے چینی ہا مردمان دارد

بیا مشتاق زیں بگذر تو خاکپائے سلیمان شو

کہ ہر کس از جمال او کمال سیکراں دارد

وصال | حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آخر عمر میں فالج کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ مرض اس قدر بڑھ گیا کہ ہاتھ پاؤں بے کار ہو گئے، عبادت میں بھی بہت وقت ہونے لگی تو فرمایا ”جسم بھاڑے کا ٹٹو تھا آخر ساتھ نہ دیا“ ماہ ذی قعدہ ۱۲۶۶ھ کو وصال فرمایا۔ کھیری میں سپرد خاک کیے گئے۔

خلفاء | حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تین خلیفہ صاحب سلسلہ اور صاحب ارشاد ہوئے:

۱۔ مرزا سردار بیگ

۲ - شاہ حبیب شاہؒ

۳ - مولانا احسن الزماںؒ

یہ تینوں بزرگ حیدرآباد میں رہے اور وہیں سلسلہ کی اشاعت اور توسیع کا کام کیا۔ مولانا احسن الزماں صاحبؒ جید عالم اور بڑے پایہ کے محدث تھے۔ انھوں نے حضرت شاہ فخر الدین صاحبؒ کی مشہور کتاب فخر الحسن کی ضخیم شرح عربی زبان میں "القول المستحسن فی شرح فخر الحسن" کے نام سے لکھی ہے۔ علاوہ انہوں نے علوم اہل بیت کے نام سے ایک کتاب چوبیس جلدوں میں تصنیف فرمائی تھی جس میں انھوں نے اہل سنت کا اثبات، روایات اہل بیت سے کیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کا بیڑ و بست نواب محبوب علی خاں نے کیا تھا، لیکن صرف ایک جلد طبع ہونے پائی تھی کہ نظام کا انتقال ہو گیا اور وہ کام نامکمل رہ گیا۔

حضرت خواجہ احمد میرونیؒ

ولادت _____ علاقہ کوہستان (پنجاب) ۱۲۳۲ھ

وفات _____ میرا شریف _____ ۱۲۳۰ھ

خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کے خلفاء میں خواجہ احمد میرونیؒ ممتاز حیثیت کے بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ شاہ سلیمانؒ کی وفات کے بعد میرا شریف میں رہ کر رشد و ہدایت کا عام فیض جاری کیا اور ہزاروں بندگانِ خدا کو سیراب کیا۔
خاندان | آپ کے آباؤ اجداد کھوکھر قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ سکھوں کے دور حکومت میں اپنے وطن علاقہ دریائے چناب سے ہجرت کر کے علاقہ کوہستان میں مقیم ہو گئے۔ یہ معلوم نہیں کہ کس گاؤں یا مقام پر فرودکش ہوئے۔ خواجہ صاحب ۱۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا نام برخوردار صاحب تھا۔

ابتدائی حالات | بچپن ہی میں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر لی تھی۔ پھر اپنے ماموں کی وساطت سے خواجہ سید محمد سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا اور رشد کی وفات کے بعد کچھ مدت وہیں رہے، پھر میرا شریف چلے آئے۔ رسالہ "فیض الاسلام" راولپنڈی میں آپ کے حالات شائع ہوئے جو ملخصاً یہاں پیش کیے جاتے ہیں: (خواجہ صاحب خود فرماتے ہیں) "جب میں چار سال کا ہوا تو گھر سے چار کوس کے فاصلے پر ایک اہل علم کے پاس قرآن شریف کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے قیام کیا۔ والد مرحوم نے ایک سال میری خبر نہ لی، استاد صاحب مال مویشی کے مالک تھے۔ میں سبق پڑھ کر دن بھران کی بکریاں اور بھینسیں چراتا تھا۔ جب موسم سرما آیا تو استاد صاحب نے اونٹوں کی پشتوں کا ایک کبیل مجھے مرحمت فرمایا۔ میں رات کے وقت دامن کوہ میں وہی کبیل اوڑھ کر سو رہتا۔ حصول علم کے لیے میں نے یہ تکالیف برداشت کیں اور کلام اللہ ختم کیے والد مرحوم کے پاس واپس پہنچا۔"

خواجہ صاحب کے ماموں حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مند تھے۔ ان کی وساطت سے آپ اس سرکار میں پہنچے اور عالم طفلی میں پہلی ملاقات سے اتنے متاثر ہوئے کہ عشق و اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی، پھر بلوغ کے بعد دوبارہ حاضر خدمت ہوئے اور شرف بیعت حاصل کیا۔ چند دن شاہ صاحب کے پاس توقف کر کے وطن واپس ہو گئے۔ پوری زندگی میں بیعت کے بعد چار مرتبہ شرف حضور ہی حاصل کیا۔ پانچویں مرتبہ گھر سے تونسہ شریف کے ارادے سے روانہ ہوئے تو راستے میں ہی حضرت مرشد طریقت کی رحلت کی خبر سنی۔ سینتے ہی جو حالت ہوئی وہ آپ کی زبان سے سنیے:

جان و جہاں فراموش بر زمین اعتماد از غایت
 دنیا بھر کو اور اپنے آپ کو بھول گیا۔ زمین پر گر پڑا

اضطراب و بے قراری ہمہ عالم بیدیدہ میں غم رسیدہ
گر دو غبار بود دریں حالت پر پلاست گریاں بر تو
شریف رسیدم

انتہائی بے بسی اور بے قراری کی وجہ سے اس غم رسیدہ
کی نظر میں ساری دنیا گر دو غبار ہو رہی تھی۔ اسی پر
ملال حال میں رونا ہوا تو نسہ شریف پہنچا۔

آخر اسی اضطراب کی حالت میں وطن واپس پہنچے اور اپنے حصے کے تمام مال و مویشی رشتہ داروں کے حوالے کر کے
الوداع کی اور ماموں صاحب اور تمام قبیلے کو چھوڑ کر تو نسہ شریف کی طرف ہجرت کی۔
چودل باد لبرے آرام گیرو بوصل دیگرے کے کام گیرو
سات سال سے زیادہ عرصہ تک مزار مرشد کے جوار میں رہ کر طلب علم میں مشغول رہے، کیوں کہ علم کے بغیر درویشی کوئی چیز نہیں۔
چنانچہ آپ نے ایک ملفوظ میں فرمایا:

اے درویشو! علوم ظاہر و باطن اور دوسرے کسب کا مدار مادہ فطری کی استعداد و صلاحیت پر ہے، ورنہ استاد اور مرشد
کامل تو دل و جان سے چاہتا ہے کہ اس کے شاگرد و مرید تکمیل و امتیاز کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوں، لیکن حضرت صالح تعالیٰ نے جو
لیاقت طبیعت میں رکھی ہے۔ آثار و اطوار اسی پر مرتب ہوتے ہیں۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نسیت در باغ لاله روید و در شورہ بوم خس
بارش کے زندگی بخش ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن یہی بارش حسب استعداد باغ میں پھول اگاتی ہے اور زمین شور
میں خس و خاشاک!
خود داری و توکل: طالب علمی کے زمانے میں حضرت خواجہ احمد کی خود داری اور توکل علی اللہ کی پختگی اس روایت سے ظاہر ہے
جو آپ نے خود بیان فرمائی:

نواب بہاول خاں نے حضرت شاہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد درویشانِ تونسہ کے لیے کچھ وظیفہ مقرر کرنے کی
غرض سے تونسہ شریف سے فہرست اسماء طلب کی۔ علمائے تونسہ نے طالب علموں کے نام تفصیلاً لکھ کر فہرست روانہ کر دی۔
ایک دن استاد مرحوم نے مجھے فرمایا: "میاں خوش ہو جاؤ کہ میں نے تمہارا نام بھی درج فہرست کر دیا ہے۔ امید ہے کہ چند روپے
ماہوار تمہارے لیے مقرر ہو جائیں گے اور فقر و فاقہ کی تکلیف سے اسودہ ہو کر اطمینان سے حصول علم میں لگے رہو گے۔"
جب میں نے جناب استاد کی زبان سے یہ بات سنی تو بہت رویا اور عرض کیا:

"میں نے اپنے تمام رشتہ داروں کو اور گھر کے مال و اسباب کو ترک کر دیا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے
بزرگوں کے آستانے پر مقیم ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ کی رضا، بزرگوں کا منشا اور تنگی و خوش حالی دل و جان سے قبول کروں گا اور کسی
دوسرے سے کسی چیز کی توقع نہیں رکھوں گا۔ آپ نے مجھے احمد خان کی خیرات کا امیدوار کیوں بنا دیا؟"
"استاد مرحوم نے بہت کوشش کی کہ میں اس خیرات کو قبول کر لوں، لیکن میں اپنے انکار پر جا رہا۔" آخر انہوں نے

مجبور ہو کر کہا:

"میاں احمد! تیرے ہم نام دوسرے طلبہ بھی ہیں، اگر تو نہ لے گا تو تیرے نام کی رقم تقسیم کے وقت دوسرے احمد طالب علم کو دے دوں گا۔"

میں نے عرض کیا:

"میں جناب کی اس تجویز پر بہت خوش ہوں، غلام کی طرف سے اسی وقت دائمی اجازت قبول فرمائیں اور میرا ماہوار وظیفہ بغیر پوچھے جسے چاہیں دے دیا کریں۔"

"اس کے بعد جب تک احمد خاں کی طرف سے وظیفہ ملتا رہا، سب لوگ خوشی سے لیتے رہے اور کسی ایک نے بھی انکار نہ کیا اور میرا حصہ استاد صاحب جس کو چاہتے دے دیتے اور میں روکھی سوکھی روٹی اور پھٹے پرانے کپڑوں پر قناعت کی کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے ہوئے بالکل خوش و خرم تھا۔"

"تقدیر کی بات ہے کہ خواجگان تونسہ شریف کے تمام ازادت مندوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ فلاں درویش (خواجہ احمد) نے وظیفہ لینے سے انکار کر دیا ہے اور اللہ پر توکل کیا ہے اور اپنے پیروں کے دروازے پر فقر و فاقہ اختیار کر کے صابر ہو بیٹھا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام لوگ میری طرف متوجہ ہو گئے اور ہر شخص حسب توفیق نقد مال وغیرہ سے میری مدد کرنے لگا۔ یہاں تک کہ میں وظیفہ پانے والوں سے زیادہ خوش حال ہو گیا۔ بفضلہ تعالیٰ دل میں کسی قسم کی تشویش نہ رہی۔ آخر چند سال کے بعد وزیر احمد خان نے وفات پائی اور سب کا وظیفہ بند ہو گیا۔ بہت پریشان اور دکھی ہوئے۔ بعض یارانِ طریقت نے مجھے کہا کہ اے درویش! تو نے رب العالمین پر بھروسہ کیا تھا۔ احمد خاں کی موت سے تجھے کوئی غم و الم نہ ہوا اور جو لوگ اس کے وظیفے کے امیدوار رہتے تھے آج ان کا باپ مر گیا اور یتیم ہو گئے۔ بعض صاحبوں نے مجھ سے بغل گیر ہو کر کہا:

"جو کچھ تو نے سمجھا ہماری عقل و فہم سے باہر ہے۔"

اس کو کہتے ہیں "فقرِ غیور" جو اللہ کے سوا کسی کو خاطر میں نہ لائے، کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے، کسی کی امید نہ رکھے، کسی سے نونہ لگائے پھر کیوں نہ اللہ کریم اس کا وکیل و کفیل بن جائے؟

ع
خدا خود میرا سامان است ارباب توکل را

ہو نہ سدا بروا کے چکنے چکنے پات، حضرت خواجہ احمد کی نظرت میں بچپن ہی سے یرشان بے نیازی و خودداری نہاں تھی جو اپنے موقع پر کامل عزم و ارادہ کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔

ایک اور ملفوظ میں درویش حقیقی کی تعریف فرماتے ہیں: "اگر کوئی شخص درویش صورت لوگوں کے پاس آئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے اور دین متین کی رونق کا باعث بنے اور اس کے دیدار سے دلوں میں اللہ کے ذکر و فکر کی رغبت پیدا ہو تو سمجھ لو کہ وہ مردِ خدا ہے اور اگر اس کے دیدار سے ایسے آثارِ سرزد نہ ہوں تو وہ خالی دھول ہے۔ حقائق کی معرفت اور

روزِ عشق سے محروم؟

اے بسا ابلیس آدم روئے بہت پس بہر دستے نباید داد دست
بہت سے ابلیس آدم کی شکل بنائے پھر رہے ہیں۔ پس سوچتے سمجھتے اور پرکھتے بغیر کسی کے مرید نہ بنو۔
فرماتے ہیں کہ:

جس زمانے میں میں تونسہ شریف میں مقیم تھا۔ وہاں کی آب و ہوا میرے خلاف ہوئی تو تبدیل آب و ہوا کے خیال سے
تونسہ کی جنوبی جانب گڈریوں کی بستی میں چلا گیا۔ گاؤں کے لوگ ڈیرہ غازی خاں کے ایک سید صاحب کے مرید تھے۔ انھوں نے
میری خدمت و تواضع میں کوئی کمی نہ کی۔ ایک حاسد نے سید صاحب کو خفیہ اطلاع دی کہ آپ کے مرید آپ سے برگشتہ ہو کر ایک
نوادر درویش کے مرید ہو گئے ہیں، وہ درویش فی الحال یہیں مقیم ہے۔ سید صاحب اس وحشت اثر خبر سے غضب ناک ہو کر
گڈریوں کی بستی میں پہنچے۔ میری عادت تھی کہ نماز فجر کے بعد گاؤں سے نکل جاتا اور وظائف اور ثنوی شریف کے مطالعہ میں مشغول ہو
جاتا۔ اس دن بھی حسب عادت باہر نکل گیا اور نماز مغرب سے پہلے مسجد میں آیا۔ پیر صاحب خوش عقیدہ درویشوں کے حلقے میں
مسجد میں بیٹھے تھے۔ سب لوگ میری تعظیم و تکریم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے ثنوی ایک شخص کے سپرد کی اور لوٹانے کو ضرور
کا عزم کیا۔ سید صاحب کے غصے کی آگ بھڑک اٹھی۔ انھوں نے مریدوں سے پوچھا، "یہ شخص کون ہے؟" انھوں نے جواب
دیا "یہ درویش تونسہ شریف سے آیا ہے اور یہاں قیام رکھتا ہے۔" سید صاحب نے کمال غضب اور جوش و خروش کے لہجے میں
تبلغ شروع کی:

"اے درویش! تو نے اپنے کو لوگوں میں نیکو کار، زاہد اور اہل شرع مشہور کر رکھا ہے اور میں تجھ کو مخالفِ شریعت
دیکھ رہا ہوں۔ دن بھر تو صحرا میں رہتا ہے اور نماز باجماعت جو سنت مؤکدہ ہے، اس کا تارک ہے۔ یہ کیا درویشی
ہے، شریعت کے سراسر خلاف؟"

میں نے جواب میں کہا:

"اے شاہ صاحب! آپ فقہ اور اصول فقہ کے مسائل سے بے خبر معلوم ہوتے ہیں ورنہ ایسا بے معنی
اعتراض نہ کرتے۔ اصول فقہ یہ ہے کہ جہاں فرض اور سنت مؤکدہ آپس میں معارض ہوں فرض پر عمل کیا جائے
اور سنت کو چھوڑ دیا جائے۔ اس مسجد کے اندر کنواں ہے۔ بیگانہ عورتیں ہر روز پانی بھرنے آتی رہتی ہیں، ان
سے چشم پوشی کرنا فرض ہے، اس وجہ سے میں نے سنت کو ترک کیا ہے۔"

شاہ صاحب چپ رہے اور میں نمازِ شام کے وضو میں مشغول ہو گیا۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ
کر مجھے پیش امام بنایا۔ اس کے بعد جب تک میں اس گاؤں میں مقیم رہا۔ شاہ صاحب صدق و محبت اور خاطر داری سے پیش
آتے رہے۔

اس لفظ سے خواجہ صاحب کے مذاق سلیم، علم غامض اور کمال تقویٰ کا پتا چلتا ہے۔ مثنوی معنوی تک ہر کس و ناکس کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ مثنوی ایک طالب حق کے دل میں محبت الہی کا جوش اور روحانی انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ مثنوی تصوف کا بجز مروج ہے۔ اس کے غواصوں کو ایسے ایسے گہرائے آب دار حاصل ہوتے ہیں جن کے وصف سے نطق و بیان عاجز ہے۔ اس کے علاوہ خواجہ صاحب فقہ پر بھی محض مناظرانہ عبور نہیں رکھتے تھے، بلکہ اس کی روح افروز گہرائیوں تک پہنچتے تھے اور صحت اعمال و عبادات سے بہرہ مند ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی سید صاحب مذکور کی یہ خوبی بھی قابل تقلید ہے کہ شریعت سے جواب شافی پا کر کج بختی نہیں کی اور دل صاف کر لیا۔

مذکورہ نگار مولانا نور حسین رقم طراز ہیں کہ ایک صحبت درس میں حضرت خواجہ احمد نے فرمایا:

”طالب علم و ہدایت کو چاہیے کہ ہر وقت صدق و ارادت سے خدمت کے لیے آمادہ رہے تاکہ استاد کی توجہ اور شفقت سے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرے اور ممتاز مرتبے پر پہنچے۔ اسے درویشو! جب میں تونسہ شریف میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، مجھ سے زیادہ طاقت ور اور بڑی عمر کے بہت سے طلبہ حضرت استاد صاحب سے تعلیم حاصل کرتے تھے، لیکن اکثر ایسا ہوتا کہ استاد صاحب مسکرا کر مجھ سے فرماتے:

”اے میاں احمد! جب میری نظر تم پر پڑتی ہے تو تمھاری مسکینی کو دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوتا ہے“

میں عرض کرتا: ”الحمد للہ کہ جناب کی خوشنودی ہی مجھے مطلوب ہے اور میرے لیے دونوں جہان کی سعادت ہے۔“

اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ہر وقت حضرت استاد صاحب کے خانگی کاروبار میں مشغول رہتا تھا۔ جس سے استاد صاحب اور ان کے گھر کے لوگ بہت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے تھے۔

ایک سال تیرہ دن تک مسلسل بلینہ برستا رہا۔ اکثر لوگوں کے مکان گہرے پڑے۔ استاد صاحب کا گھر گرا تو نہیں لیکن چھت کے ٹپکنے سے گھر کا تمام اسباب بھیک کر خراب ہو گیا۔ سردی کا موسم تھا اس لیے تمام طلبہ چھت کی لپائی سے گھبراتے تھے۔ مگر میں نے تن تنہا بارش کے باوجود یہ خدمت اپنے ذمے لے لی۔ استاد صاحب اور اہل خانہ میری ہمت و مردانگی سے بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔ اسی دوران میں استاد صاحب بخار میں مبتلا ہو گئے۔ جب کئی دن اسی حال میں گزر گئے تو سب طالب علم دوسری جگہ پڑھنے لگے۔ میں استاد صاحب اور ان کے گھر والوں کی خدمت میں مشغول رہا۔ جب ان کو صحت ہو گئی اور میں ان کے کپڑے دھو کر لایا اور غسلِ صحت کرایا تو انھوں نے فرمایا:

”طبیعت صحت مند اور خوش حال ہے۔ تم اشراق کے نفل ادا کرنے کے لیے مسجد میں جاؤ اور دیکھو!“

جلد واپس آجاتا۔

میں خوش خوش مسجد میں پہنچا۔ میرے بعد استاد صاحب ملکِ آخرت کو روانہ ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ہریان و شہینہ استاد کی رحلت سے مجھے سخت صدمہ پہنچا۔ جب تک میں تونسہ شریف میں رہا، استاد صاحب کے اہل خانہ

کی خدمت میں دست بستہ حاضر رہا۔۔۔۔۔ ان کی وفات کے بعد ضرورتاً دوسری جگہ سے سبق پڑھنا شروع کیا۔
ایک دن اپنی تعلیم کا ذکر فرما رہے تھے اسی ضمن میں ارشاد فرمایا:

”جس زمانے میں یہ فقیر تونسہ شریف میں مقیم تھا، فارسی نظم و نثر اور فقہ کی اکثر کتابیں پڑھیں اور خوب یاد کر لیں۔ چنانچہ نو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد سیاحت کا شوق پیدا ہوا۔ ایک طالب علم کو ساتھ لیا اور ملتان پہنچے۔ ایک مسجد میں قیام کیا۔ اس محلے کے لوگ سمجھتے بی عروت تھے۔ ہم نے خدا پر بھروسہ کیا اور حجرے میں سامان رکھ کر ایک عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ”کنز الدقائق“ کی آخری جلد پڑھنی شروع کر دی۔ استاد صاحب نے بہت شفقت اور توجہ سے سبق پڑھایا۔ ہم سبق پڑھ کر اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔ دوسرے دن سبق کے لیے پھر حاضر ہوئے تو استاد صاحب نے ہماری وجہ معاش کے متعلق دریا نش فرمایا۔ عرض کی کہ:

”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی وسیلہ نہیں۔ چند دن سے ہم دونوں درویش صبر و فاقہ کشی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں پاتے۔“

استاد محترم نے ازراہ شفقت و عنایت فرمایا کہ فلاں محلے میں شیخ بہار الحق رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ایک صاحب ہیں جو طلبہ اور مساکین پر بہت مہربانی فرماتے ہیں، ان کے پاس جا کر عرض کرو تا کہ تمہاری روٹی مقرر ہو جائے اور تسکین و فراغت سے تحصیل علم میں لگ سکو۔

مجھے یہ مشورہ پسند نہ آیا، میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرے دن انھوں نے پوچھا کہ ”حضرت بہاؤ الحق کے پوتے کے پاس گئے تھے؟“
عرض کیا۔ ”نہیں۔“

انھوں نے غضب ناک ہو کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ ”اٹھ میں تجھ ان کی خدمت میں لے چلوں۔“
میں مجبوراً ساتھ ہو لیا۔ جب ان کے قریب پہنچے تو میں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ ”مجھے بھوکا مرنا منظور ہے، ارازی حقیقی کے سوا کسی اور کے دروازے پر جانے سے مجھے معاف فرمائیں۔“

استاد صاحب اور ہم دونوں واپس مسجد استاد میں پہنچے۔ پھر ہم اپنی قیام گاہ پر آ گئے۔ میرے رفیق طالب علم محمد یعقوب کا بھوک سے بڑا حال ہو رہا تھا۔ میں نے اسے بہت تسلی دی۔ چند دن کے بعد اسی محلے کے لوگوں نے بہار اکھانا مقرر کر دیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ بسا اوقات دوسرے طالب علم ہمارے پاس آ کر روٹی کھاتے تھے۔
ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت خواجه صاحب کی تربیت کر رہی تھی اور آگے چل کر ان سے کوئی بڑا کام لینا پیش نظر تھا۔

۵۔ محرم ۱۳۳۳ھ بروز چار شنبہ تیرہ دن کی جلالت کے بعد وفات پائی اور میرا شریف میں اپنے حجرہ کے اندر دفن

ہوئے۔

میرا شریف ایک چھوٹی سی بستی ہے جو کیمبل پور کی تحصیل پنڈی گھیب میں واقع ہے۔ میرا شریف جانے کے لیے چھب ریلوے سٹیشن پر اتر کر نو مبل فاصلہ پیدل یا سواری پر طے کرنا پڑتا ہے۔
 خواجہ صاحب کی وصیت کے مطابق خواجہ مولوی احمد خان ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ آپ اعوان حساندان کے چشم و چراغ تھے ۱۲۸۷ھ میں بہ مقام جکڑالہ ضلع میانوالی پیدا ہوئے اور ۲۱ صفر ۱۳۵۵ھ (۲۲ جولائی ۱۹۳۰ء) وفات پائی۔ حضرت خواجہ احمد میروٹی کے پہلو میں مدفون ہیں۔ آپ کا عرس ۱۹-۲۱ صفر کی منعقد ہوتا ہے۔

حضرت وارث علی شاہؒ

ولادت _____ نیشاپور ۱۲۳۲ھ

وفات _____ رسول پور ضلع بارہ بنکی

حاجی حافظ سید وارث علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز سید حسنی الحسینی ہیں۔ نیشاپور قدیم وطن تھا۔ حضرت کے مورث اعلیٰ جناب سید اشرف علی طالب صاحب نیشاپوری ہندوستان تشریف لائے اور قصبہ رسول پور ضلع بارہ بنکی میں قیام فرمایا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت کے جد امجد جناب سید عبدالاحد صاحب رسول پوری دیوہ چلے آئے اور یہاں کی زمینداری کا بڑا حصہ آپ ہی کا تھا۔ حضرت کے والد ماجد سید قربان علی شاہ صاحب ایک بڑے زمیندار کی حیثیت سے دیوہ میں رہتے تھے اور یہ سعادت قصبہ دیوہ کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی کہ حضرت امام الاولیا کا مولد و مستقط الراس وہ قرار پایا۔

ابھی حضرت منصفہ شہود پر جلوہ انگن نہیں ہوئے تھے کہ حضرت کے والد ماجد نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ جب اقدس عالم وجود میں آئے۔ اس وقت تک بارہ سو تیس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے گزر چکے تھے۔ ابھی حضور سن رشد کو نہ پہنچے تھے کہ جناب والدہ ماجدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ اور اس طرح حضرت نے اپنے نانا سرور دو جہان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سنت ادا فرمائی۔

جب حضور کا سن پانچ سال کا ہوا تو کتب نشینی کی رسم ادا کی گئی اور ایک مولوی صاحب اس وقت کے دستور کے موافق دروازے پر پڑھانے کے لیے مقرر کیے گئے، مگر حضرت نے قرآن پاک کے سوا کوئی دوسری کتاب نہ پڑھی۔ مولوی صاحب کو گھر سے زرو مال لا کر دے دیتے تھے اور مولوی صاحب اس کے لالچ کی وجہ سے نہ خود کچھ کہتے تھے نہ کسی مرتبی اور نگران سے تذکرہ کرتے تھے، حضور نے سات سال کی عمر میں قرآن پاک یاد فرمایا تھا۔

اپنی تعلیم کی نسبت حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب کو غلہ گھی روپیہ جو مل جاتا تھا لا کر دے دیا کرتے تھے کہ یہ ہم کو پڑھنے کی تکلیف نہ دیں اور مولوی صاحب ہم سے خوش رہا کرتے تھے۔

حضرت تعلیم اور رواج کی تربیت سے سخت متنفر تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ ہوش سنبھالتے ہی رگ و پے میں عشق و محبت کے جذبات نظر آتے تھے۔ کعبہ مکرمہ بالخصوص مدینہ منورہ کا نام سن کر از خود رفتہ ہو جاتے۔ راتوں کو میدانوں میں نکل جاتے اور صرف ہنسی سے کام رکھتے۔ اس بے قراری اور اضطراب کا حال جب حضرت مولانا مولوی سید خادم علی شاہ صاحب نے سنا تو حضرت کو لکھنوا اپنے پاس بلالیا۔ حضرت خادم علی شاہ صاحب حضرت کے رشتے میں بہنوئی ہوتے تھے اور سلسلہ قادریہ و چشتیہ

کے سر پر آوردہ صوفی اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ فرطِ محبت سے اپنے عزیز بھائی کو تمام وکمال مراحل سلوک طے کرائے اور جب وقت رحلت آگیا تو ۱۳ صفر ۱۲۵۲ھ کو اپنے خاص حلقہ بگوش مریدانِ اخلاص کو طلب فرما کر سب کے سامنے حضرت پیرو مرشد کو خاص خاص ہدایتیں فرما کر دنیا سے حجاب کر لیا۔ آخر کار تمام اصحاب کی رائے کے موافق حضرت پیرو مرشد کے دستارِ خلافت باندھی گئی۔

اب ذوق و شوق کے بادل اُمنڈا اُمنڈا کر برسنے لگے اور سرور و انبساط کی ہوا میں چلنے لگیں۔ دیارِ محبوب سے پیامِ اسلام آنے لگے ع قدم عشقِ پیشتر بہتر، کی صدائیں کانوں میں ترنم بیزی کرنے لگیں۔ انھیں جذباتِ روحانی اور کیفیاتِ گونا گوں میں حضرت نے ایک رات خواب دیکھا کہ مولانا سید خادم علی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تم سفر کرو۔ اب کیا تھا اجازت پاتے ہی رختِ سفر باندھا، یعنی متوکلاً علی اللہ گیارہ ربیع الآخر ۱۲۵۳ھ کو چل کھڑے ہوئے۔

حالاتِ سفر | پاپیادہ کوچ اور مقام فرماتے ہوئے جے پور پہنچے۔ اُس وقت کے حکمران جناب ہاراجہ صاحب نے حاضر ہو کر مع رانی صاحبہ کے شرفِ قدمبوسی حاصل کیا اور مرید ہو کر دارین کی غلامی حاصل کی۔ ریاست جے پور سے حضرت قطبِ قطن خواجہ اجیر می کے آستانہ مبارک پر حاضر ہو کر کسبِ سعادت فرمایا۔

لطیفہ حضرت پیرو مرشد جب آستانہ خواجہ غریب نواز پر حاضری کے قصد سے اندر چلے تو پہلے ہی پھاٹک پر ایک خادم نے روکا اور کہا صاحبزادے یہ مزار پاکِ مطہر و مقدس حضرت خواجہ صاحب کا ہے۔ آپ اس دلیری سے اندر جا رہے ہیں کہ جوتہ تک پاؤں سے نہیں اتارا ع بے ادب پامنہ این جا کہ عجب درگاہ است

حضور نے جو تانا تار کر پھینک دیا اور فرمایا کہ اگر یہ ایسی بڑی چیز ہے تو آج سے ہم اس کو ترک کرتے ہیں۔ اُس دن سے پھر حضور نے کبھی جوتہ نہیں پہنا۔

آستانہ شریف کی حاضری جب پوری ہو چکی تو حضرت اُگے بڑھے اور گجرات کے خطے کی سیر فرماتے ہوئے بمبئی تشریف لائے۔ بمبئی میں بھی بڑے بڑے ملک التجار مرید ہوئے اور چند روز میں ہر طبقے کے لوگ شیدا اور جاں نثار نظر آنے لگے۔

جہاز کا واقعہ | حضرت جس جہاز پر بیت اللہ شریف کو بمبئی سے روانہ ہوئے اُس کے ناخدا محمد تقی تھے۔ جناب اقدس کو تین شبانہ روز کھانا کھانے کی نوبت نہ آئی اور جہازِ دفعۃً رک گیا۔ ناخدا صاحب کو سخت پریشانی ہوئی۔ اسی رات کو محمد ضیاء الدین جانا ملک التجار نے خواب دیکھا کہ حضور پرنور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے ضیاء الدین تم آرام سے کھانا کھاتے ہو اور ہم سایہ کی خبر نہیں لیتے۔ بیدار ہو کر تمام مسافرانِ جہاز کی دعوت کر دی، مگر حضرت پیرو مرشد برحق اپنی جگہ سے نہ اٹھے۔ دوسری رات کو پھر ملک التجار نے خواب دیکھا کہ حضور انور صلعم فرماتے ہیں "تم تنہا خور ہو" ملک التجار صاحب نے بیدار ہو کر خیال کیا کہ کوئی ایسا غیر اور متوکل مسافر جہاز پر ہے جو دعوتِ عام میں شرکت سے عار رکھتا ہے۔ انھوں نے پھر دعوتِ عام کی اور جب مسافر دسترخوانِ دعوت پر آگئے تو رجسٹر سے نام ملائے۔ حضور کا نام نامی جب دیکھا تو آپ کو موجود نہ پایا۔ تلاش سے حضور

ایک گوشہ میں طے، دیکھتے ہی محو جمال ہو گیا۔ اور بہت منت و سماجت سے دو تین لقمے حضور نے تناول فرمائے۔ اُس وقت جہاز چلنے لگا۔ عدن اور جدے میں حضور نے تمام مزاروں پر تشریف لے جا کر فاتحہ پڑھی اور ۲۹ شعبان ۱۲۵۳ھ کو بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے اور ایام حج تک وہاں قیام فرمایا۔

روایت | حضور پرور مرشد کیم رمضان المبارک کو جب بیت اللہ شریف میں حاضر ہوئے تو در کعبہ پر ایک صاحب سلوک بزرگ تشریف رکھتے تھے، حضور کو دیکھ کر فرمایا کہ "بہت دیر آنے میں کی" یہ کہہ کر اُن بزرگ نے دنیا سے رخصت فرمائی۔ حضور نے ان کی تجویز و تکلیفیں فرمائی۔ بیت اللہ شریف میں ساڑھے تین مہینے سے زیادہ حضور حاضر رہے اور یہاں کسب و ریاضت سے بہت کچھ فائدہ خلق اللہ کو پہنچا پایا۔ جب مدینہ طیبہ میں در دولت سرور کا ثبات پر حاضر ہوئے تو مال مال ہو گئے۔ مدینہ طیبہ میں حضرت کی حالت جذب و سلوک میں جم کر رہی اس کا اعادہ دشوار ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک مدت تک قیام فرمانے کے بعد حضور اقدس بیت المقدس، شام، دمشق، بیروت، بغداد، کانپین، نجف اشرف، کربلائے معلیٰ کے سفر میں مدتوں رہے اور ایمان کے پلے تخت اور اس کے تمام بڑے شہروں میں مقیم رہ کر قسطنطنیہ تشریف لے گئے۔ ایک مدت تک یورپی ترکی اور روس کی سیاحت میں رہے اور زمانہ حج میں پھر بیت اللہ شریف تشریف لائے اور بعد فراغت حج جلس اور افریقہ کی سیاحت فرمائی۔

احرام | احرام باندھ کر اگر کسی نے پھر اپنا دنیاوی لباس نہیں پہنا تو وہ جناب حاجی صاحب قبلہ ہی ہیں۔ ایک زمانہ جانتا ہے کہ یہ خصوصیت بارگاہ ایزدی سے آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئی، ایک سچے عاشق خدا اور رسول کی شناخت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ جب احرام باندھ کر اپنی حالت عاشقانہ بنائی تو پھر اس کو ترک کرنا کیسا۔ اور دنیا میں احرام صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان دین کے سوا تانا اچھا اور بھلا بھی کسی پر نہ معلوم ہوا ہوگا۔ لاکھوں بناؤ ہزاروں سنگار تصدق اور نثار تھے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ بلند و بالا سر و قدس سے پاؤں تک تمام اعضا سڈول اور طللی رنگ۔ آنکھیں ایسی نہ دیکھیں نہ سنیں ع

اٹھ گئی، آنکھ تو کوسوں کوئی ہشیار نہ تھا!

نورانی پیشانی، خوبصورت بھویں، چہرہ ماہتاب سے زیادہ روشن اور بے داغ۔ اس حسین خدا اور پر شکر فی نرد، سیاہ، ماشی رنگ کا احرام لاکھوں بناؤ پیدا کرتا تھا۔ ہزاروں فقراب بھی احرام باندھتے ہیں مگر نہ کوئی ایسا حسین خدا اور کھتا ہے، نہ احرام کسی کے جسم پر بھلا معلوم ہوتا ہے۔

حاجی صاحب | اسی طرح حاجی صاحب کا معزز خطاب درگاہ احدیت سے کسی کو نہیں نصیب ہوا۔ کروڑوں مسلمان حج کرتے ہیں اور حاجی مشہور ہوتے ہیں، لیکن حاجی صاحب "کا معزز لقب ہمارے پیرو مرشد کے سوا کسی حاجی کو نہیں ملا۔ ہندوستان کے کسی حصے میں جہاں جہاں نظر آد کرے ہوگا تو حاجی صاحب سے صرف حضرت پرور مرشد ہی مراد ہوں گے۔ ہر طبقے میں یہاں تک کہ حضرات صوفیائے کرام کے حلقوں میں بھی حضور کا نام نہیں سنا جاتا۔ صرف حاجی صاحب سے سمجھ لیا جاتا ہے کہ حضور کا ذکر مقصود ہے۔ یہ بھی ایک تصدیق اس امر کی ہے کہ حضور نے جب راہ خدا میں قدم رکھا اور فوق و شوق سے تمام منزلیں طے فرماتے ہوئے منزل مقصود کے

قرب پہنچے اور احرام باندھا تو خدا تعالیٰ نے احرام کی طرح حاجی صاحب کا بھی معزز خطاب مخصوص کر دیا۔
فرش خاک | جناب حاجی صاحب جب کہ بلائے معلیٰ میں حاضر ہوئے اور دیکھا کہ یہاں کچھ اور ہی سامان ہے۔ سچے
 عشق و محبت کے بھری رخسار کے تلاطم عظیم کے امواج فلک الافلاک تک جاتے ہیں اور باہم عرش سے ہر وقت یہ صدا آتی ہے:

عج کشتگان عشق را از غیب جانے دگر است

یہاں سے زیادہ کسی جگہ عشق و عاشقی کے راز و نیاز نظر نہیں آتے اور ایک سچے عاشق اور سرفروش محبت کرنے والے کو اگر دیکھنا
 ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو دیکھو۔ اور اگر یہ دیکھنا ہو کہ عاشق صادق کس طرح جانچا جاتا ہے اور کس طرح
 مصائب و آلام میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دشتِ کربلا کے اُن مظالم اور مصائب کو یاد کرو، جو دس دن تک ایک عاشق جانناز
 پر نازل ہوتے رہے۔ دنیا کی تاریخ نہیں بتلا سکتی کہ ایسے مصائب اور اس نوعیت کے ظلم کسی پر ہوئے ہیں۔ رضوانِ تسلیم،
 صبر و شکر کی تاریخ دیکھتے ہو تو صرف اہل بیت اطہار علیہم السلام کی نورانی اور مقدس صورتیں دیکھو۔ اور ان میں بھی خاص طور پر حضرت
 امام حسین علیہ السلام کی فات، مقدس نمایاں نظر آئے گی۔ یہ صبر و شکر، یہ رضا و تسلیم کس نصیب ہوتے ہیں۔ حضورِ حاجی صاحب
 نے مرقدا نوار میں جب اپنے جدِ امجد کو آرام و راحت سے دیکھا تو اس وقت دنیا نظر میں بالکل بیچ ہو گئی اور عہد فرمایا کہ آج سے
 پننگ یا تخت پر سونا حرام ہے اور ترک لذت کی دل میں ٹھکان لی۔ دنیا سے نفرت خلقی تھی مگر مزارِ پاک پر انوار کی حاضری سے استقلال
 و استحکام عزم میں آگیا اور خیال فرمایا کہ ایسے عاشق جانناز اور محبت صادق الوداد کی تقلید فرض ہے۔

سرود و نداد دست در دست یزید حتا کہ بنائے لاله است حسین

روزہ | حضورِ اقدس نے جس طرح کربلائے معلیٰ میں فرشِ خاک اختیار کیا، اسی طرح شہدائے کربلا کی سنت میں روزہ رکھنا اختیار
 فرمایا۔ شام کو صرف پانی یا کسی چیز سے افطار فرماتے اگر کوئی افطاری غذا کی قسم سے نہ ہوتی۔ روزہ شکنی غرض تھی۔ ہاں ساتویں دن
 گولڑ کی اُلی ہوئی ترکاری کسی قدر زیادہ استعمال فرماتے تھے۔ یہ سنت حضرت مولانا وسیدنا حضرت مخدوم صابر قدس سرہ العزیز کی
 تھی۔ سلسلہ صابر سے بہت بڑا تعلق حضرت اقدس کا تھا، اس لیے بہت سے صفاتِ ظاہری اور معاشرت حضرت مخدوم صاحب
 کے حضور میں پائے جاتے تھے اور اکثر جذبات اور ولولے ہم لوگوں نے جو دیکھے اور حضرت مخدوم صاحب کے حالات سے مطابقت کی
 تو معلوم ہوا کہ سلسلہ صابر میں حضرت مخدوم صاحب کے بعد اگر کوئی بزرگ اور مقدس ذات ہے تو حضرت اقدس ہی کی ذاتِ بابر کا
 ہے۔ گولڑ کی ترکاری کا سلسلہ ہندوستان کی واپسی پر شروع ہوا اور سالہا سال تک جاری رہا۔

سفر کی نوعیت | یہ بات بھی بہت حیرت انگیز ہے کہ ہندوستان اور اس کے باہر ممالک عرب و عجم اور یورپ اور بہت بڑے
 ایشیا کے حصے کا سفر حضورِ اقدس نے پا پیادہ طے کیا۔

حضورِ اقدس نے جب ہندوستان سے کوچ فرمایا تو بمبئی تک پا پیادہ تشریف لے گئے۔ یہ ایک بہت معمولی بات ہے
 لیکن اگر غور کیا جائے اور اس اہمیت پر نظر ڈالی جائے تو ایسے التزام اور اہتمام کے ساتھ کہ ساٹھ ستر برس تک کبھی کسی سواری پر

حضور سوار نہیں ہوئے اور جس جذبے کے ساتھ گھر سے نکلے تھے اسی جذبے کی پوری تکمیل ان مبارک اور مقدس مقامات پر کی، جن کی برکت اور فیضانِ دوام کا وعدہ خدا نے کیا ہے تو واپسی پر ہندوستان میں بھی حضور اقدس نے اس وعدے کو پورا کر دیا کہ کسی جاندار کو بھی صریح تکلیف نہ دی جائے گی۔ اس لیے کہ احرام باندھنے کے بعد خانہ کعبہ میں ہمیشہ کے لیے خدا کا یہ حکم ہے کہ کسی جانور کو ایذا نہ دی جائے۔

ترک لذات | بچپن سے حضور اقدس دنیا کی لذتوں سے نفرت کرتے تھے۔ کوئی چیز حضور کو مرغوب و پسند نہ تھی۔ ترک لذات کی سند اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ جب لکھنؤ تشریف لے جانے لگے تو اپنی زمینداری کے تمام کاغذات سیرا ہی تالاب میں ڈال دیے اور دادی صاحبہ کے ماتھے سوم میں بہت کچھ فقیروں اور غریبوں کو تقسیم کر دیا۔ زیور اور نقد روپیہ جو تھا وہ سب خدا کی راہ میں بانٹ دیا۔ غلامی دنیا سے کوئی واسطہ کبھی نہ رکھا۔ شیریں اور نمکین یا خوش کیف غذاؤں سے کبھی رغبت نہ رکھی۔ ہم لوگوں کا تجربہ اس معاملے میں زیادہ ہے، اس لیے ہمارا بیان ایک مستند بیان ہوگا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے لوگ پکوانے لگتے تھے اور دسترخوان پر چرچن دیا کرتے تھے۔ اکثر سب کے کھانوں سے تھوڑا تھوڑا ملا کر ایک دو لقمے تزاو ل فرماتے تھے۔ یہ ایک طریقہ سنت نبویؐ کا تھا، مگر یہ تمیز نہ ہوتی تھی کہ یہ کیا چیز ہے۔ اور کون کھاتا ہے۔

تمام عمر حاجی صاحب نے شادی نہیں کی۔ آپ کے بارے میں کسی ایک آدمی نے بھی کسی قسم کا شک و شبہ عفت و عصمت کی نسبت نہیں کیا۔ یہ ترک لذت کی ایک بڑی ہم ہے کہ تمام عمر حضور اقدس کی صحبت میں ہر شخص اور ہر علاقے کی مستورات آتی جاتی تھیں مگر کبھی کسی عورت یا مرد کی نیت میں یہ بات نہیں آئی کہ وہ حضور اقدس کی نسبت بدگمانی ہی کرتا۔

سیاحت | اس سفر میں قسطنطنیہ کا سفر قابل ذکر ہے اس لیے ہے کہ سلطان عبدالحمید خاں صاحب نے حضرت اقدس سے بیعت کی اور کئی پہلے حضرت اقدس قسطنطنیہ میں مقیم رہے۔ حضور اقدس عبداللہ افسندی صاحب کے گھر مقیم تھے۔ وہ حضرت اقدس کے مرید تھے۔ ایک دن سیریاغ سلطان کے لیے حضرت اقدس تشریف لے گئے، وہاں حضرت سلطان عبدالحمید خاں آئے اور حضرت اقدس کو دیکھ کر حیرت و حیرت ہو گئے۔ ایوان شاہی میں حضرت کو آئے اور خود مرید ہوئے، اور اعیان دولت کو مرید کرایا۔ جرمنی کا سفر اس لیے قابل ذکر ہے کہ حضرت اقدس جرمنی میں پرنس بسمارک کے ہمان رہے اور مسٹر سید شرف الدین صاحب جج ہائی کورٹ کلکتہ سے فرماتے تھے کہ ہم جرمن گئے تھے اس وقت پرنس بسمارک اتنے بڑے آدمی نہ تھے جتنے اب بڑے ہو گئے ہیں۔ ہم انھیں کے گھر ہمان رہے تھے۔ آنریبل موصوف سے حضرت اقدس شہزادہ سرویا کی بھی تعریف کرتے تھے اور اندازہ کلام سے معلوم ہوتا تھا کہ شہزادہ موصوف نے بیعت بھی کی تھی۔ مالک غیر کی سیاحت کے بہت دلچسپ واقعات اکثر جذب کی حالت میں حضرت اقدس بیان فرمایا کرتے تھے۔ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۱ء تک سفر مالک غیر کے کیے۔

وطن کی واپسی | حضرت اقدس جب وطن آئے اور دیوے میں قدم رکھا تو ملاحظہ فرمایا کہ گھر کھنڈر ہو گیا ہے۔ علاقے پر

عزیز واقارب قابض ہو چکے ہیں۔ جدھر حضور جاتے ہیں کوئی پہچانتا بھی نہیں۔ حضرت اقدس مسکرائے اور منہ سے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم علاقہ اور جانداد کی غرض سے آئے ہیں اور تالاب سوامہی کے پل پر جا کر بیٹھ گئے۔ اس لیے کہ... اسی تالاب میں تمام کاغذات علاقے کے ڈبو کر تشریف لے گئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد منہ شاہ حضرت کے برادر رضائی آئے اور انہوں نے حضرت کو چاہنا۔ گھر چلنے پر اصرار کیا، مگر حضرت راضی نہ ہوئے۔ تب وہ چنے کی روٹی اور جولاٹی کا ساگ لائے۔ دو چار لقمے حضرت نے ان کی خاطر سے تناول فرمائے اور دیوے سے چل کھڑے ہوئے۔ ابناٹے وطن کی یہ حالت دیکھ کر حضرت اقدس کو افسوس اور ملال ضرور ہوا محض اس وجہ سے کہ دنیا پر لوگ اس طرح جان دیتے ہیں کہ اپنے عزیز کو پہچانتے تک نہیں۔ اب حضرت اقدس نے قریب و جوار کی سیر شروع کی۔ ۱۸۵۷ء تک حضرت نے تمام ہندوستان اور ریاستوں اور جنگلوں اور پہاڑوں کو چھان ڈالا۔ کوئی بڑے سے بڑا پہاڑ اور جنگل بیابان اور شہر حضرت کی سیاحت سے محفوظ نہیں رہا۔

واقعات سفر جو جو عجائبات و غرائب حضور اقدس پر ان ایام سفر میں پیش آئے وہ اس کتاب میں بصراحت نہیں لکھے جاسکتے۔ مگر اس موقع پر مختصر اچند حالات سفر پیش کیے جاتے ہیں۔

ایک دن حضور فتحپور میں رونق افروز تھے فرمایا کہ حال سفر کا کہیں۔ عرض کیا گیا کہ ضرور ارشاد ہو۔ فرمایا کہ ہم کعبہ شریف کے سفر میں ایک مقام پر پہنچے۔ ایک قوال کے مکان پر گئے۔ دروازے پر وہ قوال بیٹھا تھا۔ اُس نے کہا ائیے استاد زادے۔ اُس وقت ہم کچھ گنگانے تھے، وہ سمجھا کہ قوال ہیں۔ اُس نے کہا آپ ٹھہریے میں ابھی آتا ہوں۔ کسی رئیس کی لڑکی کی نسبت کے لیے لوگ آنے والے تھے، وہ وہاں گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک چوہدار آیا، اُس نے کہا کہ آپ کو رئیس نے یاد کیا ہے، چلیے۔ ہم گئے۔ صاحب سلامت کے بعد ہم کنارے فرش پر بیٹھ گئے۔ اُس قوال نے کہا کہ کچھ سناؤ۔ رئیس نے بھی کہا کہ کچھ کہو۔ ہم نے کہا کہیں کہا ہاں سناؤ۔ تب ہم نے کہا کہ سنائیں۔ تم جانو۔ کہا ہاں۔ پھر ہم نے کہا سنا تے ہیں۔ پس ہم نے ایک چیز اٹھائی، کوٹھے پر لڑکی تھی اور مستورات تھیں، وہ لڑکی غش ہو کر گر پڑی اور کرتہ چاک کر ڈالا۔ غل ہوا کہ تم نے جادو کیا۔ ہم نے کہا کہ یہ تو معلوم ہوا کہ جادو ہے جب تم نے کہا کچھ کہو تو ہم نے کہا۔ غرض کہ اس لڑکی نے کہا کہ میں بیاد نہ کروں گی، جس شکل کو میں نے دیکھا ہے اسی صورت پر میرا خاتمہ ہو۔ میں نے سب دنیا پر لعنت کر دی۔ اگر خدا بھی مجھ کو ملے تو اس صورت میں ملے۔ پھر وہ فقیر ہو گئی۔ ہم وہاں سے چل دیے۔

ایک روز حضور نے فرمایا کہ ہم سیر کو روہی کی جانب چلے۔ راستہ میں مولوی عارف علی ایک جہاز پر جو ہمارے ہمراہ آئے تھے، ملے، ساتھ ہوئے۔ صہرا میں کہ جہاں کو سوں پانی کا نام نہ تھا گذر ہوا تو مارے پیاس کے مولوی صاحب کی زبان سوکھ کر کانٹا ہو گئی اور دم لبوں پر آ گیا۔ مولوی صاحب نے کہا حضرت مارے پیاس کے اب دم نکلتا ہے اس وقت تو بہ بھولی ہے۔ بس ہم نے ایک مقام پر اونچی زمین بالو کی پٹی ہوئی دیکھی۔ تو مولوی صاحب سے کہا کہ اس کو کھودو۔ مولوی صاحب نے کھودا تو اس میں سے ایک تر بوڑ نکلا۔ بیج سے کاٹ کر ہم نے کبھی پانی پیا اور مولوی صاحب کو بھی پلایا۔ سوکوس گرد میں وہاں پانی نہیں ہوتا۔ یہی تر بوڑ زمین میں قدرتی پیدا ہوتے ہیں۔ جب ہم دوس میں پہنچے تو لوگ آئے۔ اکثر لوگوں نے شکایت کی کہ بادشاہ کی لڑکی

ایک کو ٹھٹری میں برہنہ باغ میں مرتبی ہے۔ نہیں معلوم کیا آسیب ہے۔ ہم نے کہا ہم اس جھگڑے کو کیا جائیں۔ سر پر کو ہم تفریحاً باغ کو گئے۔ مولوی صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے۔ باغ کے پھاٹک پر بنشی اور سپاہی پرے پر تھے۔ باغ کے اندر جانے کو منع کیا آخر کو منظوری اجازت دی۔ ہم نے قدم پھاٹک میں رکھا تو اس لڑکی نے ہوش میں آکر کپڑے پہنے۔ ہم گئے تو اس نے اپنے طریق سے سلام کیا۔ ہم فرش قالین پر لیٹ گئے۔ اس نے مسہری پر لیٹنے کو اصرار کیا۔ ہم نے کہا یہ فقیروں کو زیبا نہیں ہے۔ اس نے پوچھا آپ کسی کے عشق میں فقیر ہوئے ہیں۔ ہم نے کہا ہاں۔ پوچھا کہ کیا وہ بہت حسین ہے۔ ہم نے کہا ہاں۔ اس نے کہا نام اس کا کیا ہے۔ ہم نے کہا کیا کر وگی پوچھ کے۔ اس نے کہا اگر بہت حسین ہے ہم بھی اس سے عشق کریں گے۔ ہم نے کہا مشکل ہے۔ اس نے کہا بتلائیے آپ کا طریقہ کیا ہے اور وہ کون ہے۔ ہم نے کہا ہمارا طریقہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور اس کا نام خدائے عزوجل ہے۔ غرض کہ کٹیڑھا اور کہا ہم سے اب کسی سے واسطہ نہیں ہے۔ بجز اس صورت کے کہ ہم نے سب پر لعنت کر دی۔ اس نے اپنے مال پاب سے کہا کہ ہمیں تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہم خدا کے ہو گئے۔ وہاں سے کچھ تنخواہ اس کے نام اور کچھ ہمارے نام لکھ کر آئی۔ ہم نے کہا کہ ہم روپیہ پیسہ لے کر کیا کریں گے، ہم سعادت کر چکے، واپس کر دی۔ اس کی کچھ تنخواہ تھی، اس سے کہا کہ خدا کی راہ میں خرچ کرو اور غریبوں، محتاجوں کو دو اور غریبوں کے لٹکوں کی شادی کر دیا کرو کہ خدا خوش ہوگا۔ چنانچہ وہ ایک قریب موسومہ محمدیہ میں بیٹھری نام اس کا زوفہ تھا۔ چھ سات سال تک زندہ رہی، خدا خدا کیا کی۔ بعد اس کے انتقال ہو گیا، پہاڑ پر اس کی قبر بنی ہے۔

ایک مرتبہ حضور نے فرمایا کہ روس کے آگے ایک پہاڑ ہے، وہاں گئے ایک شخص ہمارے ساتھ تھے، پہاڑ میں راستہ تھا۔ ہم تیز جا رہے تھے۔ ہمارے ساتھ جو تھے انھوں نے منع کیا کہ اس جنگل میں جنگلی آدمی رہتے ہیں تیز چلنے سے وہ جانتے ہیں کہ ہم کو مارنے آئے ہیں تو وہ کاٹ کھاتے ہیں ان کے دانتوں میں زہر ہے۔ آدمی مر جاتا ہے۔ لہذا آہستہ آہستہ چلیے غرض کہ اس جنگل میں ایک مقام پر مکمل بچھا کر ہم بیٹھے تو تمام زنان و مرد، بے حیاں نہایت حسین مگر برہنہ بالوں سے تمام بدن بترک ڈھنکا ہوا ہاتھوں بہت بڑے بڑے سب جمع ہوئے اور کہا تم اگر بھوکے ہو تو یہ لٹا اس درخت میں لگاؤ اور درخت کو مروڑو۔ چنانچہ ہمارے ساتھی نے لٹا لگایا اور درخت کو مروڑا، دودھ سے لٹا بھر گیا۔ کہا پیو۔ ہم نے دو گھونٹ پیا۔ شہد سے زیادہ شیرینی تھا۔ ہمارے ساتھی نے دو تین گھونٹ پیا۔ بعد اس کے ہم نے پوچھا کہ کیا کریں۔ انھوں نے کہا باقی بچا ہاں اسی درخت کی جڑ میں ڈال دو۔ ساتھی نے ڈال دیا۔ اس سفر پھر میں جہاں کہیں خواہش بھوک پیاس کی ہوتی ویسا ہی درخت پہچان کر عرق نکال لیتے۔ بولی ان کی بخوبی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم مدینہ سے شام کو جلتے تھے۔ راستہ میں ایک شخص نے کہا کہ حضرت اس راستہ سے آپ نہ جائیں اور ہر ایک اونٹ لاگو ہے جب کسی مسافر راہ گیر کو آتے دیکھتا ہے تو دوڑ کر اس کے سر کا ڈتہ اتار لیتا ہے جب آدمی مر جاتا ہے تو قزاق لوگ جن کا اونٹ ہے، مال و اسباب اگر لے لیتے ہیں، مگر ہم نے نہ مانا اسی طرف چلے۔ جب ہم ایک میدان میں پہنچے تو فی الواقع دیکھا کہ ایک اونٹ بلبلا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ ہمارے قریب منہ پھیلا کر دوڑا، ہم نے کمر سے چاقو نکال کر سر سے اس کی زبان

لے لاکر، وہ جانر جس کو خون کا چسکا پڑ گیا ہو (جسم اللغات) ام-ع

لاٹ لی۔ پس وہ فوراً زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ قزاق لوگ دوڑے آئے کہنے لگے کہ ہمارا اونٹ کیوں مار ڈالا۔ اب کیا کھائیں گے ہم نے کہا خدا رازق ہے۔ سب نے توبہ کر لی اور کہا کہ حضرت ہم سب اس پیشہ پر لعنت کرتے ہیں۔ پھر وہ سب خرید ہو گئے اور ہم کو کئی دن مہمان رکھا۔

استغنا جاننا چاہیے کہ آپ کے اجداد کرام قصبہ دیوہ شریف کے بہت بڑے رئیس ابوالعظیم اور امیر کبیر تھے۔ وہ جو بہر مال خزانہ دیہات مزرعہ جات صدرا زیر حکومت تھے۔ سامان امارت ہر ایک قسم و عمارات پختہ و اسباب ظاہری ضروریات و نیاداری ہر ایک قسم بے شمار تھا۔ کتب ہائے عربیہ و فارسی کے کتب خانے تھے۔ سپاہی، پیادے، نوکر چاکر، دائی ماما، اندر باہر صدرا مالزم اور نمک خوار تھے۔ غرض اس جو رو دیار میں مثل آپ کے اجداد کے کوئی رئیس ہم پلہ نہ تھا۔ باوجود اس سامان امارت اور ریاست کے جس وقت آپ نے منزل فقر میں قدم رکھا، سب سامان و اسباب پر لعنت کر دی اور جو کچھ نقد و جنس ریاست امارت تھی سب راہ خدا میں لٹا دی۔ کچھ سرکار نہ رکھا۔ توکل علی اللہ پر قانع و شاکر ہو گئے۔ چنانچہ یہ حالت استغنا و نفرت اسباب دنیا تمام عمر آپ کی رہی۔ کبھی اس طرف توجہ اور خیال نہ کیا۔ اگر کوئی ہفت اقلیم کی دولت اور اسباب سامنے لاکر پیش کرتا تو ان واحد میں سب بانٹ کر بیٹھ جاتے اور تقسیم کر دینے سے اس درجہ خوش ہوتے کہ بیان سے باہر ہے۔ کیسی ہی قیمتی کوئی چیز ہوتی، ایک منٹ اس کا رکھنا بار ہوتا۔ تمام عالم کے تھے تحائف بیش قیمت بڑے بڑے رئیس راجہ تعلق دار حکام حضور میں لاکر پیش کرتے، چند ساعت میں آپ تقسیم کر ڈالتے۔ اکثر تحائف کے پیش کرنے والے کو اس کا معاوضہ فوراً اس سے بڑھ کر قیمتی عنایت فرماتے۔ بارہا احسان کسی کا کبھی آپ نہ رکھتے۔ روپیہ، اشرفی پیسہ کبھی ہاتھ سے اپنے نہیں چھوا۔ حتیٰ کہ سونے چاندی کی اشیا کو کبھی ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اگر کسی ناواقف نے کبھی بطور نذر روپیہ سامنے پیش کیا تو اظہار نفرت فرمایا۔ کبھی کسی بیش بہا نادر چیز پر نظر ڈالی اور نہ حقیر ذلیل اشیا سے نفرت فرمائی۔ دونوں کو ایک ہی نظر سے ملاحظہ فرمایا۔ اکثر عشاق جاں نثار و رؤسائے جوار و دیار مثل بادشاہ حسین رئیس کبرہ و فدا حسین خان صاحب رئیس کبرہ و چودھری لطافت حسین خاں صاحب رئیس راملانہ و حاجی عباس حسین خان صاحب رئیس بابو پور و شیخ عنایت اللہ صاحب رئیس سیدان پور و حاجی بشیر احمد خان صاحب رئیس غازی پور و راجہ دوست محمد خاں صاحب رئیس رائے پور و ٹھاکر پنجم سنگھ صاحب رئیس زبینا و مولوی شرف الدین صاحب جج پٹنہ و بیگم صاحبہ روہلی شریف و عائشہ بی بی صاحبہ گیا۔ و منشی غنی حیدر صاحب وکیل گیا و حافظ حسن صاحب و کندھیا لال صاحب و حافظ پارک صاحب و میاں شیدا صاحب لکھنوی و عبد الصمد صاحب نور بان ساکن مسولی۔ و تراب بز قصاب ساکن پیتھ پور و بنو بھٹیاری امین آباد لکھنؤ۔ غرض کہ نام بنام کہاں تک لکھوں تمام رؤسا و امراء و حکام، امیر غریب، جولاہے کچھڑے، قصائی بنیے ہاجن، جو مثل پروانہ شیفتہ و جاں نثار اس شمع ہدایت کے تھے۔ آیام ہر ماہ میں حسب حوصلہ اپنے جڑاویں مثل رضائی، لحازن، اگڑے کے ایک سے ایک اعلیٰ اور بیش قیمت کھاب، اطلس، زرینت، نیمزری، اصلی جامہ دار محلی، اصلی پھلور، اوننی پھلور، جاپانی ایک سے ایک بڑھ کر لاکر پیش کرتے ان کو بھی حضور اور ڈھ لیتے اور اگر کوئی غریب عقیدت مند اپنے حوصلہ کے موافق چھینٹ

مثل لوٹا تسلمہ رکابی وغیرہ بجز مٹی کے کبھی تانبہ وغیرہ کا استعمال میں رکھنا پسند نہ فرماتے تھے۔ دروازے پر پیر غلام کسکر آباد تھا۔ اس کے ہاتھ کا بنا ہوا ٹامٹی کا اور کونڈا اور رکابی پیالے ہمیشہ حضور کے استعمال میں رہے۔ دور دور لوگ لٹے مٹی کے ترے اس کے یہاں سے آج تک تبرکائے جاتے ہیں۔

(۴)

دیوہ شریف کے میلہ میں لاکھوں مخلوق دور دور سے اکٹھے ہوتی تھی اور جو عقیدت مند رئیس راجہ تعلقدار حکام غریب جہان سے چلتا تھا وہاں کے تحفہ تحائف علاوہ تہبند و چادر کے اپنے حوصلہ موافق مولانا کے حضور میں پیش کرنا اپنا فخر سمجھتا تھا۔ غرض کہ لاکھوں تہبند چادر اونی سوئی دھسلا، لونی، کمل، بانامتا ددیگر تحائف بے شمار صد ہزار من مٹھائی و میوہ جات تر و خشک وغیرہ خمینا اسی نوے ہزار روپیہ کا سامان نقد جنس ایام میلہ میں جمع ہو جاتا تھا، مگر حضور سب لٹوا دیتے تھے، چنانچہ میلہ میں یہ قواعد مقررہ تھے کہ جب سترہ تاریخ شب کو بعد قیل کے درگاہ سے حضور واپس ہوتے تو اسی وقت سے لوگوں کو رخصت کرنا آپ شروع فرماتے اور وہ سامان جمع شدہ تقسیم ہو جاتا۔ جس کو رخصت فرماتے اُس کو کچھ نہ کچھ تہبند چادر، مٹھائی، دھسلا، کمل وغیرہ جو جس کی قسمت کا ہوتا ضرور دلوانے۔ آخر کو یہاں تک نوبت پہنچتی تھی کہ اٹھارہ تاریخ سہ پہر تک کل اسباب نقد و جنس آپ بانٹ دیتے تھے اور تمام مکان میں اندر سے باہر تک جھاڑو دے دی جاتی تھی۔ حضور اقدس سہ پہر کو وہی ایک تہبند نین سگھ کا بدن مبارک پر باندھے ہوئے موضع پینڈ کو جو متصل دیوہ شریف کے ہے روانہ ہو جاتے تھے۔ ایک ریوڑی اور ایک ہاگاتک اٹھارہ تاریخ مکان میں باقی نہ رہتا تھا۔ کوٹھری کی کوڑیوں ہی کھلے پڑے رہتے تھے۔

(۵)

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ موسم سرما میں شب کو جب زنانہ ہوا اور مستورات حضور میں حاضر ہوئیں، اس روز اتفاق سے مسماۃ راجی جو قریب ہی رہتی تھی، چوری کا موقح پاکر وہ رضائی جو بیگم صاحبہ ردولی شریف کے یہاں سے آئی تھی اور نہایت پیش قیمت تھی۔ کھونٹی سے اتار کر چلتی ہوئی۔ جب مروانہ ہوا تو نور محمد شاد نے رضائی تلاش کی، جب نہ ملی تو زانی ڈیوڑھی پر آکر رقم کو آواز دی اور پوچھا کہ حضرت کی رضائی تو کوئی نہیں لے آیا ہے۔ میں نے بعد دریافت کہا کہ یہاں کون لاتا آخر کو پتالکایا تو معلوم ہوا کہ راجی آج چوری سے چھپ کر وہاں گئی تھی اور فوراً چلی آئی تھی۔ اسی وقت نور محمد شاہ اس کے مکان میں گئے تو دیکھا کہ وہ مزے سے اڑھے پیال پر لیٹی ہے۔ یہ بہت خفا ہوئے اور رضائی چھین لائے اور حضور سے یہ قصہ بیان کیا کہ حضور کے یہاں آج چوری اس طرح ہو گئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ راجی کو بلا لاؤ۔ جب وہ آئی تو آپ نے اُس کو وہ رضائی اور اپنا لحاف جو اڑھے تھے اتار کر دے دیا اور دس روپیہ نقد دلوانے اور فرمایا کہ ہمیشہ ایک رضائی اور لحاف اس کو دیا جاتا رہے۔ اب ملاحظہ ہو کہ لحاف تو راجی کو دے دیا اور نور محمد تہبند باندھے ماگھ پوس کے جاڑے میں بیٹھے رہے۔ جب نور محمد شاہ نے زانی ڈیوڑھی پر آکر یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت کے اڑھنے کے واسطے اس وقت کچھ نہیں ہے کوئی لحاف موجود ہو تو دے دو۔ اس وقت عزیز می حکیم عبدالرحمان خاں صاحب

لہ کسکر بمعنی کہنا

کی نہیں نے اپنا لحاف بھیجا۔

(۶)

ایک روز کا ذکر ہے کہ جب حضور اگرسے کی طرف تشریف لے گئے تو حضور کے یہاں مستی دین علی سپاہی نے بغرض طبع چوری کرنا چاہی۔ جب وہ کوٹھڑی میں داخل ہوا تو بجز اس کے کہ چند قرآن شریف وہاں تھے اور کچھ نہ پایا۔ قرآن شریف لے کر باہر سے مکان میں آیا اور اندھا ہو گیا۔ کسی طرف سے راستہ نہ سوچا۔ پکڑا گیا۔ جب حضور سے بعد واپس آنے سفر کے یہ واقعہ عرض کیا گیا تو حضور سن کر بہت ہنسے اور جس قدر فریش فریش اگالداں وغیرہ حتیٰ کہ چھت گیری تک سب بانٹ دیا اور دین علی کو بلا کر بہت سا اسباب دے دیا۔ اس روز سے معمول تھا کہ مٹی کا برتن تک نہیں رہتا تھا۔

رضاء تسلیم واضح ہو کہ حضرت فخرالاولیا ہمیشہ کار بند رضا و تسلیم رہے۔ حرص و طمع و کبر و حسد و رشک و غضب و محبت نیا و کذب و غیبت و عیب بینی سے کام نہیں رکھا۔ دنیاوی ذکر و افکار کبھی حضور نہ سنتے۔ اگر کوئی اپنی پریشانی و بیکاری یا تکلیف بیماری و تردد و غیال داری کو حضور میں عرض کرتا تو فرماتے خدا مالک ہے خدا مالک ہے۔

جناب امام الاولیا فرماتے کہ ہم دنیا کے جھگڑوں بھگڑوں کو کیا جانیں۔ دنیا مردار پر ہم نے پہلے ہی لعنت کر دی ہمارا منزل عشق کی ہے۔ جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے۔ چاہے کوئی ہو۔ عاشقانہ قصے اور حکایات شبانہ روز حضور میں ہوا کرتے تھے۔ مخصوص یہ خدمت قصہ گوئی تراب علی شاہ صاحب ساکن بھٹولی و قاضی بخشش علی صاحب ساکن گدیہ کو عطا ہوئی تھی۔ بعض اور خدام آئندہ روزند اگر کوئی قصہ کہانی کہتا تو بھی سنتے اور مخطوط ہوتے۔ گفتگو سے نہایت متنفر ہوتے۔ نہ گنڈا لکھنے سے مطلب نہ آموذ سے نہ وظیفہ سے غرض۔ نہ عمل پڑھنے سے مطلب۔ عمل اس کلیہ پر تھا کہ خدا کے سامنے بھی ہاتھ نہ پھیلا نا چاہیے۔ خدا سے بھی محبت کہے تو بلا مطلب کی۔ اکثر فرماتے تھے کہ عاشق کے دین و دنیا دونوں خراب، مگر محبت اچھی چیز ہے۔ دنیا اسی سے قائم ہے۔ محبت میں کسب نہیں، جس قدر کسب ہو گا وہی تصنع ہے۔ محبت بلا مطلب کی ہونا چاہیے۔ خواہ کسی سے کیوں نہ ہو۔ سچی ہونا چاہیے۔ خدا محبت ہی سے ملتا ہے۔ محبت سے دودل بھی اسی طرح مل جاتے ہیں، جس طرح کسی زنجیر کی کڑیاں اس کا پھندا اُس ہیں۔ اُس کا پھندا اس میں اور دونوں مستقل اور مضبوط ہیں تو نباہ ضروری ہے۔ اگر ایک میں بھی کمزوری ہوئی تو محبت ہی کے زور میں الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ محبت کے زور کے پاسنگ بھی دنیا کی کسی شے میں زور نہیں ہے۔ محبت میں جس قدر تکلیف پہنچے جو ہو مگر اس سے پھرے نہیں و نالازمی ہے۔ خدا نے محبت انسان کے لیے بنائی ہے۔ فرشتوں کا فخر ہے اطاعت انسان کا فخر ہے محبت!

ہر وقت ہر لحظہ حضور اقدس رضا و تسلیم میں رہتے۔ قصہ کہانیاں بھی اس غرض سے سنتے کہ کسی کو فضول بات کرنے اور خیال کے پٹانے کا موقع نہ ملے۔ حضور تہ بند میں منہ چھپانے یا د خدا میں مخرہتے اور لوگ سمجھتے کہ حضور قصہ سن رہے ہیں، ایک سچے عاشق اور صابر و شاکر کا حضور پورا نمونہ تھے۔

- آپ کی چند تعلیمات مختصراً بیان کی جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں:
- فقیر کو چاہیے ہر حال میں خوش رہے اور زندگی کے دن کاٹ دے۔ تکلیف ہو تو شکایت نہ کرے اور آرام ہو تو شکر بجالائے۔
- فقیر کو چاہیے نہ تکلیف سے گھبرائے اور نہ شکایت کرے کیونکہ محبوب کی دی ہوئی چیز سے گھبرانا محبت کے منافی ہے اور محبوب کی شکایت مشرب عشق میں کفر ہے۔
- بڑی فقیری یہ ہے کہ مر جانے لگے مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے۔
- فقیر کو چاہیے کسی کی چیز کو خیانت کی نظر سے نہ دیکھے۔
- فقیر وہ ہے جو متوکل رہے۔
- فقیر وہ ہے جو اپنی بستی میں رہ کر خویش و اقربا کا ممنون نہ ہو۔
- فقیر کو لازم ہے کہ بجز خدا کے کسی پر بھروسہ نہ کرے۔
- فقیر جہاں رہے لا طمع رہے۔
- بڑی بات یہ ہے کہ فقیر اپنی بستی میں نیک نام ہو۔
- مقام فقر بہت بڑا مقام ہے۔
- سلسلہ فقر اہل بیت کرام علیہم السلام سے ہے۔
- فقیری بی بی فاطمہؑ سے ہے اور امام حسین علیہ السلام کے ذریعہ سے یہ فیض جاری ہوا۔
- فقیر وہ ہے جو انتظام سے علیحدہ ہو۔
- فقیر وہ ہے جس کے پاس بجز خدا کے کچھ نہ ہو۔
- فقیر وہ ہے جو کسی چیز کا نہ مالک ہو اور نہ خود کسی ملک میں ہو۔
- فقیر کو چاہیے نہ کسی کے لیے دعا کرے نہ گناہ توہید کرے۔
- فقیر وہ ہے جس کی کوئی مائتہ خالی نہ جائے (عوض کیا گیا کس سے سانس خالی نہ جائے) فرمایا کہ اللہ سے۔
- فقیر کو لازم ہے کہ دنیا کے واسطے کوئی کام نہ کرے اور خدا کے واسطے جان نہ دے۔
- جو شخص اپنا کام آپ کرنا چاہتا ہے تو اللہ میاں بھی علیحدہ ہو جاتے ہیں اور جو اللہ کے بھروسے پر چھوڑتا ہے تو اللہ اس کے کام کو پورا کرتا ہے۔ لازم ہے کہ جو کام کرے اللہ کے بھروسے پر کرے۔
- یقین کے ساتھ خدا کو اپنا مددگار جانو و کفی باللہ وکیلا۔
- خدا ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے۔ خیر و شر اسی کی جانب سے ہے۔ مگر تصدیق اس کی مشکل ہے۔

— خداتم میں ہے مگر دیکھ نہیں سکتے۔

— ایمان خدا کی محبت کا نام ہے۔

— من و تو کا جھگڑا جائے تو خدائی نظر آئے۔

— اپنی ہستی کو مٹانا عین فقیری ہے۔

— موحد ہونا مشکل ہے۔

— آج کل توحید نگے سیر ہے، بھیک مانگتے ہیں۔ بڑی چیز ہے کہ مر جائے اور ہاتھ نہ پھیلائے۔ توحید کی قدر آج کل نہیں ہے۔

— عشق وہی ہے جو کسب سے نہیں حاصل ہوتا۔

— محبت کو کسب سے کچھ نہیں ہوتا۔ محبت ہے تو سب کچھ ہے، محبت نہیں تو ریاضت بیکار ہے۔

— ایک صورت کو پکڑ لو، وہی تمہارے ساتھ یہاں بھی رہے گی اور وہی قبر میں اور وہی حشر میں ساتھ ہوگی۔

— محبت میں شاہ و گدا کا فرق نہیں رہتا، جیسے محمود و یاز کا واقعہ ہے۔

— یار کا تصور عاشق کی زندگی ہے۔

— رضائے یار عاشق کا ایمان ہے۔

— جس کو اپنی خواہشات کی خبر ہے وہ عشق سے بے خبر ہے (اور اسطرح نے بھی فرمایا) عاشق یار سے خبردار اور موجودات

سے بے خبر رہتا ہے۔

— معشوق کی جفا کو عاشق عطا سمجھتا ہے۔

— محبت میں انسان اندھا ہو جاتا ہے۔

— ایمان محبت کا نام ہے۔

— عاشق وہ ہے جو معشوق پر جان قربان کرے۔

— عشق میں سردے تو یہ مہم سہ ہے۔

— جب تک خود بینی ہے حقیقت سے حجاب رہے گا۔ خود پرستی حجاب کو بڑھاتی اور مقصود سے دور رکھتی ہے اور

بے خودی حجاب کو اٹھاتی ہے۔

— مرید اس طرح پیر سے ملے جس طرح قطرہ دریا سے مل جاتا ہے۔ جب تک قطرہ نہیں ملتا قطرہ رہتا ہے اور جب مل جاتا ہے تو

وہی قطرہ دریا ہو جاتا ہے۔ پھر اسے کوئی قطرہ نہیں کہتا۔

— انسان اسی کے ساتھ رہتا ہے، جس سے محبت ہوتی ہے۔

— پیر کی صورت میں خدا ملتا ہے، جو پیر کی شکل ہے بس یہی سب کچھ ہے۔ پیر کی ذات میں فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کا مرتبہ

مل جاتا ہے اور تمثیل میں مولانا علیہ الرحمۃ کا پشعر پڑھا ہے

چونکہ ذات پیرا کر دی قبول ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

جو شخص جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے۔

جس کے تصور میں مرو گے اسی کے ساتھ حشر ہوگا۔

جس کو تصدیق نہیں اس کا ایمان نہیں۔

جس صورت کا خیال پختہ ہو جائے گا وہی صورت بعد مرگ بھی قائم رہے گی۔

جو مرید پیر کو دور سمجھے وہ مرید ناقص ہے اور جو پیر مرید سے دور رہے وہ پیر ناقص ہے۔

کسی کو بڑا نہ کہو نہ بُرا سمجھو۔

کسی کی عداوت کو دل میں جگ نہ دو۔

دشمن سے بدلہ نہ لو۔ دشمن کے ساتھ سلوک کرو پھر حضرت شیر خدا کی سنت ہے۔

جس دل کو محبت سے سروکار ہوتا ہے اس میں عداوت کو گنجائش نہیں ہوتی۔

ہماری منزل عشق میں خلافت و جانشینی نہیں جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا خلیفہ ہے (پھر یوں بھی فرمایا ہے) کہ ہماری

منزل عشق ہے جو کوئی دعویٰ جانشینی کا کرے وہ باطل ہے۔ ہمارے یہاں کوئی ہو چار ہو یا خاکروب، جو ہم سے

محبت کرے وہ ہمارا ہے۔

جس کی قسمت کا جو ہے وہ اس کو ملے گا اور اگر زندگی میں نہیں ملا تو مرتے وقت ضرور ملے گا، اور مرتے وقت نہ ملا تو

اس کی قبر میں ضرور ٹھونس دیا جائے گا۔

جہانی بھائی میں باہمی محبت ہونا اس کی دلیل ہے کہ ان کو باپ سے محبت ہے۔

خدا محض آسمان پر نہیں ہے ہم تم میں چھپ کر سب کو دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ بس ایک صورت پکڑ لے خدا مل جائیگا۔

دنیا داری دکانداری ہے۔

ہمارے یہاں مجوسی، عیسائی سب مذہب والے برابر ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔

جو کچھ ہے لگاؤ ہے، باقی جھگڑا سب دکھلانے کی چیز ہے، اگر لگاؤ نہیں تو خاک ہے۔

عاشق کے مرید صادق کا انجام خراب نہیں ہوتا۔

عاشق کے خیال پر دین و دنیا کا انتظام ہے۔ اگر عاشق کی زبان سے کوئی بات غلط بھی نکل جائے تو اس کو بھی سچ

کہ دیتا ہے۔

عاشق کا گوشت درندوں پر حرام ہے۔ اس پر نہ سانپ کا زہر اثر کر سکتا ہے اور نہ شیر کھا سکتا ہے۔

_____ عاشق وہ ہے جس کی ایک سانس بھی یادِ مطلوب سے خالی نہ ہو۔

_____ عاشق کبھی بے ایمان نہیں مرتا۔

_____ عشق میں انتظام نہیں۔

_____ عاشق دین و دنیا دونوں سے بے خبر و بے نیاز ہے۔

_____ عاشق کی سانس بلا کسب و ذکرِ عبادت ہے۔

_____ عاشق غافل نہیں سمجھا جاسکتا، اس کی یہی نماز اور یہی روزہ ہے۔

_____ جب کوئی کسی کا عاشق ہوتا ہے تو اس کی کوئی سانس معشوق کی یاد سے خالی نہیں ہوتی۔

_____ عاشق کو خدا معشوق کی صورت میں ملتا ہے۔

_____ محبت میں ادب اور بے ادبی کا فرق نہیں۔

_____ فرمایا محبت وہ چیز ہے جس کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

_____ محبت ہے تو ہم ہزار کوس پر بھی تمہارے ساتھ ہیں۔

_____ محبت میں بے ادبی عین ادب ہے۔

_____ محبت عین ایمان ہے۔

_____ فقیر کلمہ مشائخ زیادہ ہوتے ہیں۔ چونکہ منزلِ عشق سخت دشوار گزار ہے۔ اس لیے طالب اس راستے کو مشکل سے پسند کرتے ہیں۔

_____ جس کو سب شیطان کہتے ہیں، اس راہ میں وہ دوست بن جاتا ہے، دشمنی نہیں کرتا۔

_____ لَدَالِئِ الْاَدْلَاءِ زبانی کہنا اور ضرب لگانا اور بات ہے۔ بے دیکھے کسی چیز کا خیال محال ہے۔ دیکھ کے عاشق ہونا ممکن ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس جہو سے کو اپنی شریعت کی رو سے منع کیا۔ سو وہ ناپسندیدہ ہوا اور اس کا وہی خلاف شرع کرنا پسند ہوا، اس کو دل سے تعلق ہے۔

_____ عاشق جو کچھ معشوق کی نسبت کہے بجا و درست ہے اور جو کچھ تعظیم کرے وہ لہذا وار ہے اور معشوق جو کچھ عاشق کی نسبت کہے وہ مقامِ رضا و تسلیم ہے۔ عاشق کو چارہ نہیں اور عاشق اپنے معشوق کی تعریف ہر پہلو سے کر سکتا ہے نہ وہ گنہگار ہے نہ اس پر عذاب و ثواب ہے۔ یہی راہِ پیشم مجنوں با دیدید۔ پس دوسرا وہ آنکھ نہیں پاسکتا۔

_____ مذہبِ عشق میں کفر و اسلام سے غرض نہیں، جو کچھ ہے معشوق ہے۔

_____ زبانی پڑھنا لکھنا اور بے اور دل سے محبت اور ہے۔ زبانی پڑھنے لکھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ محبت عجب چیز ہے۔

_____ عشق کی اُلٹی چال ہے جس کو پیار کرتا ہے اسی کو جلاتا ہے، جس کو پیار نہیں کرتا اس کی باگ ڈھیلی کر دیتا ہے۔

تمام صفات عشق ذات میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اس میں گم ہو جانے ہی کو وصال کہتے ہیں اور خودی میں نہ رہنا ہی کمال ہے۔ عشاق جب اس درجہ پہنچتے ہیں تو اپنی ہستی کو نیست کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب آفتاب فلک پر نور افشاں ہوتا ہے تو ستارے مخلوق کی نگاہ سے کالعدم ہو جاتے ہیں جس طرح کواکب کا وجود آسمان پر ہے۔ اسی طرح عشاق کا وجود معشوق میں ہے بقول عائشہ صَوْنٌ كَانَتْ يَلْبَسُهَا كَانَتْ اَللّٰهُ لَنْ رَجُوْا اَللّٰهَ كَا هُوَ اَللّٰهُ اس کا ہوا عاشق و معشوق ایک ذات ہو جاتے ہیں۔ بس اس میں تجتیب کی کیا بات ہے کہ وہ آفتاب حقیقی تمام انوار و اوصاف عشاق کو اپنے میں جذب کر لے۔

باوجود اقتدار خدا کے واسطے ایک عضو خاص کو بیکار کر دو اور کام نہ لو۔ شیطان کو بخل میں رکھ کر یاد خدا کا بڑا کام ہے۔ از نفس خود سفر کر دن بڑی منزل ہے۔

عشاق کو اللہ کی طرف سے ہر حال میں ایک حال ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز سے ہر مخلوق سے جو چاہیں کرادیں۔ فلگوٹ بند وہ ہے جو تمام عورتوں کو اپنی ماں بہن کے مثل جس طرح جانتا ہے اسی طرح خراب میں بھی وہ کسی عورت کو نفسانی خواہش کے ساتھ نہ دیکھے۔

جو طمع میں گھر جائے وہ ہمارا نہیں ہے۔

بڑی فقیری یہ ہے کہ ہاتھ نہ پھیلے۔ بلا مانگے دے تو لے لے۔

فقیر کا کوئی گھر نہیں اور سب گھر فقیر کے ہیں۔

معشوق کا ترسانا اور حجاب و عتاب ہی تو رحم و فضل ہے۔

تسلیم و رضا جب ہے کہ شر کو بھی خیر سمجھے اور خیر تو خیر ہی ہے اور تکلیف بھی عاشق و معشوق کا راز و نیاز ہے۔

جو تم سے محبت کرے اس سے محبت کرو۔ نہ کسی کے حق میں دعا کرو نہ بد دعا۔ تم رضاد تسلیم کے بندے ہو۔

تسلیم و رضائی بی فاطمہؑ اور دونوں صاحبزادوں کا حصہ ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک رضائے معشوق کے لیے تمام خاندان کو میدانِ کربلا میں شہید کرادیا کوئی کیا سمجھ سکتا ہے، رز عاشقی و معشوقی نازک ہے۔

انسان جس چیز کو مضبوط پکڑے اور اس پر رُک جائے اوہیں خدا ہے۔

نفس کو ذائقہ موت ہے اور روح کو ذائقہ موت نہیں۔ قرآن پاک میں حق تعالیٰ فرماتا ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

نہیں فرمایا کُلُّ سُرُوْجٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔

عشق تین حرفوں سے مرکب ہے، عشاق، تین سے عبادت الہی مقصود ہے۔ تین سے پابندی شرع شریف۔ تین

سے قرآنی نفس۔

عاشق کی ابتدا میں عین ہے اور شرع کی آخر میں عین ہے۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو کوئی شرع شریف کے درجات کو آخر تک طے نہ کرے وہ عشق میں کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ کمال عشق یہ ہے کہ عاشق سے معشوق ہو جانے عاشق وہی ہے جو ذات معشوق میں محو ہو جائے۔

عشق ایک بے نظیر معشوق ہے اور محبوب کی محبت کے اثرات اس میں کیمیا کی خاصیت رکھتے ہیں۔

جس کو معشوق چاہتا ہے عشق کی زنجیر میں جکڑ دیتا ہے۔

کمال عشق یہ ہے کہ عاشق سے معشوق ہو جائے۔

علم وہی حاصل کرنا چاہیے جو مرنے کے وقت کام آئے اور وقت موت زبان سے نکلے۔ اگر زبان سے کلمہ ادا نہ ہو سکا، علم کس کام آیا۔

موجدین شیعہ ان ورحمان میں فرق نہیں کرتے اور عشاق شیطان کو بڑا نہیں کہتے بلکہ واقعہ ابلیس خاص قسم کا ایک سبق ہے

لیکن شریعت نے ابلیس نے یہ غلطی ضرور کی کہ آدم کو غیر سچا خلق آدم علی صومۃ قہر کا خیال نہ کیا۔

ہر شخص پر پابندی شریعت اور اتباع سنت لازم ہے۔

شجرہ وغیرہ ایک رسمی چیز ہے، یہاں دل کے شجرہ سے کام ہے۔

محبت کرو، محبت ہی سے سب کچھ ہے۔ بے محبت نماز روزہ بھی سب بیکار۔ دیکھو واقعہ کہ بلا کو لوگ نماز پڑھتے تھے

روزہ بھی رکھتے تھے، اگر دل میں محبت الہی کی نہیں تھی۔ تب ظلم و ستم پر کربانہدہ کر ستیا ناس ہوئے۔

جس پر ستر توحید منکشف ہو جاتا ہے، وہ جانتا ہے زبان سے اس کا راز ادا ہونا مشکل ہے۔

اگر شوق کامل اور طلب صادق ہے تو ہر ذرہ میں حبیب کی دید نصیب ہو سکتی ہے۔

مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ الْعَالَمِ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى جُوہاں اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا ہے۔

علمائے ظاہر کی الٹی چال ہے جو دیکھ کے سجدہ کرے اُسے کافر کہتے ہیں اور جو بے دیکھے سجدہ کرے اُسے مومن۔

عاشق وہی ہے جو ذات معشوق میں محو ہو جائے۔

عاشقی ایک ملامت ہے انسان دین و دنیا سے گزر جاتا ہے اور فراق میں مر جاتا ہے۔ اسی فراق میں تو مزا آتا ہے اور نہ کچھ

بھی نہیں۔

عشق میں ترک ہی ترک ہے، ترک دنیا، ترک عقیبی، ترک مولیٰ، ترک ترک اور اپنا فراق ہے۔

خیال میں صورت معشوق نقش کرنا چاہیے۔ جو صورت نقش ہو گئی، وہی بعد مرگ بھی قائم رہتی ہے بلکہ اسی کے ساتھ اس کا

حشر ہوگا۔

عاشق جس خیال میں مرتا ہے وہی خیال اس کا حشر و نشر قیامت ووزخ و ہمیشہ بلکہ کثرت جذب میں وہ خود ہی ہو جاتا

ہے جس کو عشق و محبت نہیں وہ اس کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ اس راہ میں چل سکتا ہے۔

_____ منزل عشق میں ذات صفت ہو جاتی ہے اور صفت ذات۔

_____ جس نے جان قربان نہیں کی وہ عاشق نہیں۔ میلے کے ہزاروں اور یوسف کے لاکھوں چاہنے والے تھے، مگر یحییٰ اور

_____ زلیخا ہی کا حصہ تھا۔ جس جس کا حصہ ہوتا ہے وہی پاتا ہے۔

_____ علم اور چیز ہے عشق اور چیز ہے، جہاں حضرت عشق آئے وہاں علم اور عقل کا کام نہیں رہتا۔

_____ معرفت کسی چیز نہیں ہے محض وہی ہے۔ جس کو چاہے خدا اپنی معرفت بخشے اس کی کسی کا اجارہ نہیں۔

_____ سُنی سنائی اُنکے بند کرنے سے اور سانس روکنے سے اور حق حق کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کو چاہے خدا

_____ پاک اپنی دولت معرفت دے دے، یہاں کسب کا کام نہیں۔

_____ شریعت ایک انتظامی بات ہے، اگر انتظام نہ ہوتا تو سب کام بگڑ جاتے۔ اُن بولتے کو تو سمجھوں نے پوجا، مگر اس بولتے

_____ کو کوئی نہیں پوجتا ہے۔

_____ بولتا تھا نار میں اور نور میں تھا انا الحق بولتا منصور میں

_____ بولتا ہی احمد مختار تھا بولتا ہی حیدر کرار تھا

_____ بولتے کو بولتے کی چاہ ہے بولتے میں دیکھو تو اللہ ہے

_____ بولتا گر جسم سے جاتا رہا پھر کسی سے بول کیا ناتا رہا

_____ انا الحق سب پکارتے ہیں اور فنا فی اللہ بھی ہونے کو موجود ہیں، مگر لا الشیطان یا انا یرید کوئی نہیں بولتا۔ یہ بات مشکل ہے۔

_____ نقل کو دیکھنے سے کیا ہوتا ہے اصل کو دیکھنا چاہیے۔

_____ جو خدا پر بھروسہ رکھتا ہے، اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔

_____ مسجد، مندر، گر جا میں جہاں جائے سوائے ایک شان کے اور کچھ نہ دیکھے۔

_____ اپنے میں جو سانس چلتی ہے یہی ذات ہے، بس اس کی تصدیق مشکل ہے۔

_____ تصدیق ہزاروں میں ایک کو ہوتی ہے ہر شخص کا حصہ نہیں۔ پھر اس کی بھی کئی صورتیں ہیں۔ زبانی جمع خرچ کام نہیں چلتا

_____ صاحب توحید ہونا آسان ہے مگر صاحب تصدیق ہونا مشکل ہے۔

_____ جس کو یہاں تصدیق نہیں وہ کعبہ جا کر کیا کرے گا۔ وہاں جا کر سوائے پتھر کے اور کیا دیکھے گا۔ خدا تو ہر جگہ ہے کعبہ تو چیت ہے

_____ محبت سے کچھ نہیں جب تک دلی تصدیق نہ ہو۔

_____ نماز روزہ اور ہے، تصدیق اور ہے، اگرچہ تصدیق مانع صلوٰۃ نہیں، مگر حالت ضرورتاً قابل لحاظ ہے۔

_____ کتابیں پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا، تصدیق اور چیز ہے۔

یقین اعتقاد کی روح ہے، جس میں یقین کی کمی ہے، اس میں اعتقاد کی کمی ہے۔

جس کے دل میں یہ ہے کہ دیکھیے یہ کام ہو کہ نہ ہو وہ کام نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ذہن ہائیں پڑا ہے، نہیں بلکہ ضرور ہو گا۔

خدا پر بھروسہ ہے تو وہ خود تمہارا سامان کر دے گا۔

جس کی نظر دوست پر ہے، اس کا کوئی دشمن نہیں۔

شرط انصاف یہی ہے کہ سونے چاندی کے ہم وزن شیرینی خریدی جائے۔

نوٹ: جن جناب اپنی دادی صاحبہ کے پاس سے اکثر اشرفیاں لاتے اور مسمیٰ لوکی حلوائی کو دیتے اور اس کے وزن کے برابر بتاشے لے کر بچوں کو تقسیم فرماتے تھے۔

مال و زرقیر کو نہیں چاہیے۔

مشائخ عظام کے طریقوں کے متعلق، وہ طریقہ انتظامی ہیں، اگر انتظام نہ ہو تو سب کھیل بگڑ جائے سب ایک سے

ہو جائیں۔

جو خدا کی امراض دور کر سکتا ہے وہ بھوک اور پیاس کی زحمت کو بھی مٹا سکتا ہے۔

اہل و عیال والے کی نسبت اکثر فرمایا ہے کہ میری وجہ سے دنیا کو نہ چھوڑا تیری دنیا داری عبادت ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب دہلی

ولادت _____ ناٹوہ ر ضلع سہارن پور ۱۲۳۳ھ تاؤتہ

ولادت باسعادت حضرت والا بتاریخ ۲۲ ماہ صفر المظفر بروز دوشنبہ ۱۲۳۳ھ بمقام ناٹوہ ضلع سہارن پور ہوئی۔
 قصبہ مذکور وطن اجداد مادری حضرت کا ہے۔ اسم مبارک والد ماجد نے امداد حسین اور تاریخی نام ظفر احمد رکھا اور حضرت مولانا شاہ
 محمد اسحاق محدث دہلوی نواسہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہما نے بلقب امداد اللہ لقب فرمایا آپ
 کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت حافظ محمد امین تھا اور حضرت صاحب کے دو برادر کلاں و یک برادر و ہمشیرہ خورد بھی تھیں۔ بڑے
 بھائی ذوالفقار علی و منجھلے فدا حسین نام تھے اور تیسرے خود حضرت اور چھوٹے بھائی بہادر علی و ہمشیرہ بی بی وزیر النساء نام تھیں
 ابھی زمانہ سن حضرت کا صرف سات سال کا تھا کہ حضور کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی حسینی بنت حضرت شیخ علی محمد صدیقی ناٹوہی
 نے انتقال فرمایا۔ وقت وفات انھوں نے حضرت کے لیے ان الفاظ میں وصیت فرمائی کہ بعد میری وفات کے میرے اس تیسرے
 بچے کو کسی وقت اور کسی وجہ سے کبھی کوئی شخص ہاتھ نہ لگاوے اور نہ جبر و غصب نہ کرے چنانچہ ان کی اس وصیت کی تعمیل میں
 یہاں تک مبالغہ کیا گیا کہ کسی کو آپ کی تعظیم کی طرف کچھ توجہ و التفات نہ ہوا، لیکن چونکہ تائید ربانی ابتداء نے خلقت سے مرئی
 حضرت کی تھی۔ اس زمانہ صغر سنی میں بھی باوجود عدم توجہی و مطلق العنانی کبھی ابو و لعب نام شروع میں مشغول نہ ہوتے تھے اور
 اپنے باطنی شوق سے قرآن مجید حفظ کرنا شروع فرمایا۔ اپنے شوق سے اکثر حفاظ کو اُستاد بنایا۔ مگر تقدیرات سے کچھ ایسے مواعین
 پیش آتے گئے کہ ذہن تکمیل حفظ کی نہ پہنچی یہاں تک کہ بتوفیق الہی ۱۲۵۸ھ چند دن میں مکہ معظمہ میں اس کی تکمیل ہو گئی اور سولہ سال
 کے سن میں وطن شریف سے بہراہی حضرت مولانا مملوک علی صاحب ناٹوہی نور اللہ مرقدہ دہلی کے سفر کا اتفاق ہوا۔ اسی زمانہ میں
 چند مختصرات فارسی تحصیل فرمائے اور کچھ صرف و نحو اساتذہ عصر کی خدمت میں حاصل کی اور مولانا رحمت علی صاحب ناٹوہی
 نور اللہ مرقدہ سے تکمیل الایمان شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہ کی قرأت اخذ فرمائی۔

ہنوز تکمیل علوم ظاہرہ پتیسرے ہوئی تھی کہ ولولہ خدا طلبی جوش زان ہوا اور نو عمری میں حضرت مولانا نصیر الدین حنفی نقشبندی مجددی
 کے ہاتھ پر طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی اور اذکار طریقہ نقشبندیہ مجددیہ اخذ فرمائے اور چند دن تک اپنے پیرو مشد کی خدمت
 میں حاضر رہ کر اجازت و غرتہ سے مشرف ہوئے بعد ازاں بہالہام مشکوٰۃ شریف کا ایک ربع قرآن حضرت مولانا محمد قلندر مستدث
 جلال آبادی بے گزرا نا اور حسن حصین و فقیر اکبر حضرت مولانا عبدالرحیم مرحوم ناٹوہی سے اخذ کیا اور یہ ہر دو بزرگوار ارشد تلامذہ عارف مستغرق

حضرت مولانا مفتی الہی بخش صاحب کا ندھلوی کے تھے۔

زیارت رسول | ایک دن آپ نے خواب دیکھا کہ مجلس اعلیٰ واقعہ میں حضرت سرور عالم مُرشد اتم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحابہ و ازواجہ و اتباعہ وسلم میں حاضر ہوں، غایت رعب سے قدم اُگے نہیں بڑھتا ہے کہ ناگاہ میرے جدا مجد حضرت حافظ بلاقی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر حضور حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ لے کر حوالہ حضرت میا نجیو صاحب چشتی قدس سرہ کے کر دیا اور اس وقت تک بعالم ظاہر میا نجیو صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے کسی طرح کا تعارف نہ تھا، بیان فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا عجب انتشار و حیرت میں مبتلا ہوا کہ یارب یہ کون بزرگ وار ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دیا اور خود مجھ کو اُن کے سپرد فرمایا۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے کہ ایک دن حضرت استاذی مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میرے اضطراب کو دیکھ کر یکمال شفقت و عنایت فرمایا کہ تم کیوں پریشان ہوتے ہو، موضع لوہاری یہاں سے قریب ہے، وہاں جاؤ اور حضرت میا نجیو صاحب سے ملاقات کرو، شاید مقصود دلی کو پہنچو اور اس حبیبِ حبیب سے نجات پاؤ۔ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت مولانا سے میں نے یہ سنا متفکر ہوا اور دل سے سوچنے لگا کہ کیا کروں، آخر بلا لحاظ سواری وغیرہ میں نے فوراً واہ لوہاری کی لی اور شدت سفر سے حیران و پریشان چلا جاتا تھا، یہاں تک کہ پیروں میں ابلے پڑ گئے، مبارکے کپشش و کوشش آستانہ شریف پر حاضر ہوا اور جیسے ہی دُور سے جمال باکمال ملاحظہ کیا۔ صورت انور کو کہ خواب میں دیکھا تھا، بخوبی پہچانا اور محو خود رفتگی ہو گیا اور آپ سے گزر گیا۔ افتال و خینوں اُن کے حضور میں پہنچ کر قدموں پر گر پڑا۔ حضرت میا نجیو صاحب قدس سرہ العزیز نے میرے سر کو اٹھایا اور اپنے سینہ نور گنجینہ سے لگایا اور یکمال رحمت و عنایت فرمایا کہ تم کو اپنے خواب پر کامل وثوق و یقین ہے۔ یہ پہلی کرامت منجملہ کرامات حضرت میا نجیو صاحب کی ظاہر ہوئی اور دل کو یکمال استحکام مائل بخود کیا۔ الحاصل ایک مدت خدمت بابرکت جناب موصوف میں حلقہ نشین رہے اور تکمیل سلوک سلاسل اربعہ عمراً و طریق چشتیہ صابر خصوصاً کیا خرقہ و خلافت تامہ و اجازت خاصہ و نامہ سے مشرف ہوئے بعد عطاء خلافت حضرت میا نجیو صاحب نے فرمایا کہ کیا چاہتے ہو تخییر یا کمیہ جس کی رغبت ہو وہ تم کو بخشوں، آپ یہ سن کر رونے لگے اور عرض کیا کہ دنیا کے واسطے آپ کا دامن نہیں پکڑتا، خدا کو چاہتا ہوں، وہی مجھ کو بس ہے۔ حضرت میا نجیو صاحب قدس سرہ یہ جواب سن کر بہت مسرور و خوش مزہ ہوئے اور آپ کو بغل گیر فرما کر غلیمت پر آفریں کی اور دعا ہائے حزلیہ و جمیلیہ دین اور خود حضرت میا نجیو صاحب انار اللہ ضریح نے ۱۲۵۹ھ میں رحلت فرمائی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

یا و الہی | بعد ازاں قلب مبارک میں جذبہ الہیہ پیدا ہوا اور آپ آبادی سے ویرانہ کو چلے گئے۔ مخلوق سے نفرت فرماتے تھے اور اکثر دولتِ فاترہ سے کہ سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، مشرف ہوتے تھے، یہاں تک کہ اٹھ اٹھ روز اور کبھی زیادہ گزر جاتے اور ذرا سی چیز حلق مبارک میں نہ جاتی اور حالت شدت بھوک میں اسرار و عجائب فائقہ مکشوف ہوتے تھے۔ بیان فرماتے تھے کہ ایک دن بہت بھوک کی تکلیف میں ایک دوست سے کہ نہایت خلوص دلی رکھتا تھا۔ چند روپے میں نے بطور قرض مانگے باوجود

موجود ہونے کے انکار صاف کر دیا۔ اس کی اس ناالتفاتی سے تکدر و ملال دل میں پیدا ہوا، چند منٹ کے بعد تجلی دیدارِ فعالی نے استعلا فرمایا اور معلوم ہوا کہ یہ فعل فاعل حقیقی سے متکون ہوا ہے، اس وقت سے خلوص اُس دولت کا زائد ہوا اور وہ تکدر تبدیل بر لطف ہو گیا۔ اس واقعہ کو چند ماہ گزرے تھے کہ میں مراقبہ میں تھا سیدنا جبرئیل و سیدنا میکائیل علیہما السلام کو دیکھا جو خود رفتہ ہو گیا جولت کہ حاصل ہوتی احاطہ بیان میں نہیں آسکتی اور وہ دونوں تسبیح کنال دزدیدہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے اسی طرح چلے گئے اور کچھ نہ کہا۔

سفر حجاز مقدس | سید کائنات اشرف مخلوقات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ تم ہمارے پاس آؤ۔ یہ خواب دیکھ کر خوابش زيارت مدینہ طیبہ دل میں متکون ہوئی۔ یہاں تک کہ بلا فکر زاد و اولہ کے آپ نے عزم مدینہ منورہ کر دیا اور چل کھڑے ہوئے۔ جب ایک گاؤں میں پہنچے آپ کے بھائیوں نے کچھ زاد راہ روانہ کیا۔ حضور نے اُس کو بخوشی خاطر قبول کیا اور روانہ ہوئے، یہاں تک کہ پنجم ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ کو بمقام بندر لیس کہ متصل بندر جدہ کے ہے، جہاز سے اترے اور براہ راست عرفات کو تشریف لے گئے اور جملہ ارکان حج بجالائے اور مکہ معظمہ میں حضرت مولانا محمد اسحاق دہلوی قدس سرہ و حضرت عارف باللہ سید قدرت اللہ حنفی بنارسی ثم الملکی سے کہ کرامات و خرق عادات میں مشہور تھے فیض و فوائد حاصل کیے اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے چند وصایا فرمائے۔

شاہ اسحاق کے وصایا | ازاں جملہ یہ کہ اپنے کو کمترین مخلوقات سمجھنا چاہیے اور یہ کہ تا امکان خود قوتِ حرام و مشتتبہ سے پرہیز واجب جانے، کیوں کہ لقمہ مشتتبہ و حرام سے برابر نقصان ہے اور مراقبہ اَلَمْ يَعْلَم بِآثَ اللّٰهِ بِيْرِيْہُ تعلیم فرمایا تاکہ ملاحظہ معنی صورت رویت حق تعالیٰ خود کو ملاحظہ کرے اور اس پر مراقبت رکھے تاکہ وجدان صورت ملکہ کا ہووے اور دوسری باتیں تعلیم فرمائیں اور اپنے خاندان کے معمولات کی اجازت دی اور فرمایا کہ فی الحال بعد زیارت مدینہ طیبہ تمہارا ہند کو جانا قرین مصلحت ہے، پھر انشاء اللہ تعالیٰ تمام تعلقات منقطع کر کے اور بہت تمام یہاں آؤ گے۔ البتہ چندے صبر ضروری ہے۔ اس وقت مدینہ منورہ کا راستہ مامون تھا اور کوئی شورش بدوؤں وغیرہ کی نہ تھی اور آپ کے دل کو سخت اضطراب و قلق مدینہ طیبہ کی حاضری کا تھا کہ علت غائی اس سفر کی یہی تھی خیال تھا کہ اگر وہاں جانا نہ ہوا تو گویا تمام محنت مفت رائگان ہوئی، بالآخر آپ نے یہ انتشار بخشو جناب سید قدرت اللہ عرض کیا۔ حضرت سید صاحب نے تسکین فرمائی اور چند بدوی میدانِ خود کو آپ کے سپرد کیا اور حکم دیا، کہ بحفاظت تمام ان کو مدینہ طیبہ لے جاؤ اور ان کے قلب کو کوئی رنج نہ پہنچنے پاوے، کیونکہ ان کے ملال سے تمہاری عاقبت کی خرابی متصور ہے، مولانا فرماتے ہیں ۔

ایچ تو سے را خدا او سوانہ کرد تا دیو صاحب لے نامہ بدرد

بالجملہ آپ مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے اور دل میں خیال آیا کہ اگر کوئی عامل کامل و عارف و اصل بلا میری طلب کے اجازت پڑھنے درود تنجینا کی دیتا تو بہت اچھا ہوتا بارے بفضلہ تعالیٰ اس جوہر پاک شاہ لولاک میں پہنچے اور شرف جواب صلوة و سلام حضرت

خیر الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام سے مشرف ہوئے اور عارف خدا حضرت شاہ غلام مرتضیٰ جتھانوی ثم المدنی سے ملاقات فرمائی اور اپنے شوق دلی کا نسبت قیام مدینہ منورہ کے اظہار فرمایا حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ابھی جاؤ چندے صبر کرو پھر افتاد اللہ یہاں بہت جلد آؤ گے اور صاحب جذب و احسان حضرت مولانا شاہ گل محمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہ متوطن قدیم رام پور تھے اور عرصہ تیس سال سے مجاور روضہ شریف تھے، ملاقات کی اور ان کی خدمت سے بہت فوائد حاصل کیے۔ حضرت خان صاحب موصوف نے بلا ذکر و طلب اجازت درود تہنیت کی دی کہ ہر روز اگر ممکن ہو ایک ہزار بار درود نہ تین سو ساٹھ بار پڑھا کرو اور اگر اس قدر میں بھی وقت ہو تو اکتالیس بار تو ضرور پڑھا کرو اور ہرگز ناغہ نہ ہونے پاوے کہ اس میں بہت سے فوائد ہیں۔

آپ کو ظاہری علم شریعت میں علامہ دوران اور مشہور زمان مولوی نہ تھے، مگر علم لدنی کے جامہ سے آراستہ اور نوران ایقان کے زیورات سے سزتا پیراستہ تھے۔ تصبہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر کو مہبط انوار و برکات اور فیوض و تجلیات بنائے ہوئے تھے۔ خلقت ضعیف و نحیف خفیف اللحم اس پر مجاہدات و ریاضات اور تغلیل طعام و منام اور سب سے بڑھ کر عشق حسن انہی جو استخوان تک کو گھلا دیتا ہے، جس کے باعث آخر میں کروٹ تک بدلنا دشوار تھا۔

ہجرت ندر کے بعد | ایام ندر میں فساد و الزام بغاوت کے زمانہ میں مکہ معظمہ ہجرت فرما ہوئے اور کل چوراسی سال تین مہینہ بیس روز گوشہ ہائے عالم دنیا کو منظور فرما کر بارہ یا تیرہ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۵ھ بروز چار شنبہ بر وقت اذان صبح اپنے محبوب حقیقی سے واصل ہوئے اور حنت المعلى (مقبرہ مکہ معظمہ) میں مولوی رحمت اللہ کی قبر کے متصل مدفون ہوئے۔ اطلاب اللہ شراہ و جبل الجنۃ مشواہ۔ استغنا اور فتاعت | اعلیٰ حضرت گھر سے خوشحال اور موروٹی جائداد کا معقول حصہ پائے ہوئے تھے جو بظاہر الحال گزران معیشت کے لیے کافی و وافی سامان تھا، مگر آپ کا قلب سلیم چونکہ بالطبع زہد و توکل کا شیدا تھا اس لیے آپ نے اپنی ساری جائداد سکنی و زرعی اپنے بھائی کے نام منتقل کر دی اور مسجد کے حجرہ کو مسکن بنایا تھا۔ اعلیٰ حضرت زاویر خمول کی زیست اور گناہی کے ساتھ ایام گزارہ کی جانب بہت راغب تھے۔ اس لیے ہمیشہ اپنے کو چھپایا اور علیحدگی و یکسوئی کو ارتقا و کتمان حال کا سبب بنایا مگر نقل سے مشک آنست کہ خود ہوید نہ کہ عطار بگوید!

اپنے چھپائے کب چھپ سکتے تھے، خدائی مخلوق نے جبہ سانی کو فخر سمجھا اور جیسا کہ دین کا اپنے زمانہ ولادت سے حال رہا ہے۔ غربا و مساکین اور عوام الناس طالب دین نیک بندوں کی آمد شروع ہوئی۔ مجبوراً افتخاراً للامراپ طالبین کو بیعت فرماتے اور اللہ کا نام سیکھنے کے لیے آنے والی خلقت کی دستگیری فرماتے تھے۔ آخرین طالبین کا ہجوم دن بدن بڑھتا گیا اور آپ اسی توکل کے وسیع خوان پر ہمانوں کی بخوشی ضیافت فرماتے رہے، یہاں تک کہ آپ کی بھاوج نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ موروٹی جائداد آپ منتقل فرما چکے خود توکل پر عسرت و فقر گزران ہے، پھر اس پر ہمانوں کی کثرت اور نووارد مسافروں کی زیادتی گو آپ کو بارہ معلوم ہو مگر میری غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ اس خدمت سے چشم پوشی کروں۔ اس لیے آج سے جتنے ہمان آئیں ان کی اطلاع غریب خانہ پر فرمادیں، ان کا کھانا روزوں وقت یہاں سے آنے گا۔ اول تو اعلیٰ حضرت نے انکار فرمایا کہ نہیں میرے ہمان ہیں ان کی خدمت کا

مجھ ہی پر حق ہے مگر آخر بھابی صاحبہ کے اصرار کے سبب جو محض اخلاص کے ساتھ تھا۔ آپ نے قبول فرمایا اور اس سے مہانوں کا کھانا دونوں وقت وہاں سے آنے لگا۔ اعلیٰ حضرت کی بھارج کا حسن اعتقاد اور مخلصانہ برتاؤ تھا کہ مہانوں کا کھانا خود پکانی تھیں اور کسی مہمان کے ناوقت آنے سے بھی کبھی تنگ دل نہ ہوتی تھیں۔

حضرت گنگوہی کی بیعت | حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ تھانہ بھون میں داخل ہوتے ہی اول پیر محمد والی مسجد میں پہنچے، دیکھا کہ ظہر کی نماز ہو چکی ہے اور اعلیٰ حضرت اپنی سردری میں بیٹھے ہوئے تلاوت

قرآن مجید میں مشغول ہیں۔ حضرت مولانا حاضر خدمت ہوئے اور ختم تلاوت پر سلام مسنون عرض کر کے بیٹھ گئے، اس سے قبل غالباً ایک مرتبہ دہلی اور دو مرتبہ گنگوہ اور ایک مرتبہ تھوڑی دیر کے لیے تھانہ بھون میں اعلیٰ حضرت کی زیارت ہوئی تھی۔ پانچویں ملاقات تھی مگر یوں کہتا چاہیے، وطن میں اعلیٰ حضرت کے مہمان بننے کا عمر بھر میں آپ کو پہلا اتفاق تھا۔ اعلیٰ حضرت نہایت ہی کریمانہ اخلاق سے پیش آئے اور غایت درجہ خاطر و مدارات فرمائی اور دریافت فرمایا کہ کیسے آئے، حضرت امام ربانیؒ کے عالم کے ساتھ مناظرہ کا قصد ظاہر کیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہا ہا ایسا مادہ نہ کرنا، میاں وہ ہمارے بزرگ ہیں، بڑے ہیں۔ بس مباحثہ کا تو اسی جگہ فیصلہ ہو گیا اور حضرت یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ حضرت آپ کے بڑے ہیں تو میرے بھی بڑے ہیں۔ اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اور آپ نے موقع پا کر بالفاظ مناسب بیعت ہونے کی درخواست کی۔ اعلیٰ حضرت اطاب اللہ ثراہ نے عادت شریفہ کے موافق بیعت میں تامل ہی نہیں فرمایا بلکہ طالب صادق کو امتحان کی کسوٹی پر رکھنے اور اعتقاد و شوق بڑھانے کے لیے صورت انکار کے لفظ زبان پر لائے۔ یہاں سوائے اخلاص و شوق کے کیا تھا، قطبیت کا جامہ پہننے والا ایک جسم تھا جو سر تا پا غلب بنا ہوا تھا۔ نحویت علم و کتابت مولیت نام کو بھی نہ تھی اور جو کچھ تھی وہ پہلی ہی گفتگو پر نکل چکی تھی۔ پس نتیجہ امتحان یہ تھا کہ جتنا ادھر سے انکار تھا اسی قدر ادھر سے اصرار اور جس قدر اس جانب سے استغنا کا برتاؤ تھا اتنا ہی اس طرف سے احتیاج و افتقار کا اظہار۔ چونکہ پیران عظام ہمیشہ طالب صادق اور ہونہار کی تلاش میں رہتے ہیں، اس لیے انھیں امتحان والے دو تین دن میں ایک دوسرے بزرگ نے بھی جن سے مناظرہ کرنے تشریف لائے تھے، طرح طرح سے آپ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا، مَا جَعَلَ اللَّهُ لِي خَلٍّ مِّنْ قَلْبِيْنَ فِيْ جِهْتِهِ صاحب دل کا ایک دل چونکہ ایک کا ہو لیا تھا اس لیے نہ پھرتا تھا نہ پھرا، چنانچہ اسی اثنا میں حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ سے آنے کا سبب اور حال دل پوچھنے لگے تو آپ نے بے اختیار فرمایا جدھر دل کا میلان ہے وہ قبول نہیں کرتے دوسرے اپنی طرف کھینچتے ہیں عجب قصہ ہے، جناب حافظ صاحب نے دلاسا دیا اور فرمایا کہ ابھی جلدی کیا ہے چند روز ٹھہرو یہاں کے حالات دیکھو۔ آخر جب آپ کی پیشگی ہر طرح ظاہر ہو گئی تو جناب حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں سفارش کا اجر حاصل فرمایا اور تھانہ کی حاضری سے دو تین روز کے بعد آپ کو سلاسل اربعہ میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا قدس سرہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب اعلیٰ حضرت کے دست مبارک پر بیعت ہونے کا وقت آیا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت ذکر و شغل اور محنت و مجاہدہ کچھ نہیں ہو سکتا اور نہ رات کو اٹھا جائے گا، اعلیٰ حضرت نے تبسم کے ساتھ

فرمایا اچھا کیا مضائقہ ہے۔ حضرت مولانا قدس سرہ منظری شرط کے بعد بیعت ہوئے اور اعلیٰ حضرت نے آپ کو بارہ تسبیح تلقین فرمادیں۔ شب کے وقت اعلیٰ حضرت نے وہ چار پانی جس پر آپ استراحت فرماتے تھے اپنے پلنگ کے پاس بچھوالی اور آرام فرمایا۔ آخر شب میں جب اعلیٰ حضرت حسب معمول اٹھے تو حضرت مولانا کی بھی آنکھ کھل گئی، مگر چونکہ بیعت کے وقت شرط ہو چکی تھی، اس لیے اعلیٰ حضرت نے کچھ نہیں فرمایا کہ اٹھو بیٹھو یا بتلائی ہوئی دوازدہ تسبیح کا ذکر کرو، لیکن شیخ کا فیضان پہلے ہی اپنا اثر کر چکا تھا بھلا کس طرح ممکن تھا کہ حضرت مخدوم قدس سرہ بستر پر لیٹے رہتے یا نیند آجاتی۔ دو چار کروٹیں آپ نے ضرور بدلیں اور کسی درجہ میں چاہا بھی کہ نیند آجائے، مگر حق تعالیٰ کو آپ سے جو کام چند ہی روز بعد لینا منظور تھا اس کے اسباب قریبہ اسی پہلی رات سے پیدا ہوئے۔ مقدّر تھے، پس نہ آپ کی آنکھ لگی اور نہ آپ اس ناگوار و مضطرب حالت کے متحمل ہو سکے آخر خود ہی اٹھے وضو کیا اور مسجد میں تشریف لائے ایک گوشہ میں اعلیٰ حضرت اپنے کام میں مشغول تھے، دوسرے گوشہ میں آپ جا کھڑے ہوئے بنیت تہجد نوافل ادا کیے اور ذکر نفی و اثبات بالبحر شروع کر دیا۔ حضرت قدس سرہ نے جس وقت اس قصہ کا خود تذکرہ فرمایا تو یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آخر کار میں نے ذکر بالبحر شروع کیا گھلا اچھا تھا بدن میں قوت تھی صبح کو جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت فرمانے لگے کہ تم نے ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق کرنے والا ہو۔ اس دن سے ذکر جہر کے ساتھ مجھے محبت ہو گئی، پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور نہ کوئی وجہ شرعی اس کی ممانعت کی معلوم ہوئی۔

ہندوستان کا غدر اور مولانا قاسم العلوم کو (زمانہ غدر میں) املیا، گتھلہ، لاڈوہ، پنچلا سہ اور جٹنا پار کئی دفعہ آنے جانے ہجرت کی تفصیل کا اتفاق ہوا اور امام ربانی (مولانا گنگوہی) قدس سرہ نے قیام زیادہ تر گنگوہہ پارام پور میں کیا مگر اپنے مرشد برحق کی ہندوستان میں آخری زیارت کے شوق سے بے تاب ہو کر انبالہ، تگری اور پنچلا سہ کے سفر کو اٹھے اور مخفی طور پر اس حق کو ادا فرما کر واپس وطن ہوئے اس زمانہ کی کیفیات ایسی عجیب و غریب گزری ہیں کہ اگر کھلی کر امتوں کے ذکر پر اکتفا کیا جائے تو کئی ورق چاہئیں، اس لیے ان کو تفصیلاً چھوڑتا ہوں اور ضروری مضمون پر اکتفا کرتا ہوں۔ تینوں حضرات کے نام چونکہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے اور گرفتار کنندہ کے لیے صلہ تجویز ہو چکا تھا اس لیے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کی تلگ و دو میں پھرتے تھے اعلیٰ حضرت نے وطن کو خیر باد کہا اور بنیت حرمین گھر سے باہر نکلے، چونکہ مولانا گنگوہی سے زیادہ تعلق تھا اس لیے آخری ملاقات ہند کے لیے گنگوہہ تشریف لائے۔ اس وقت حضرت مولانا قدس سرہ کی صاحبزادی یعنی حافظہ محمد یعقوب صاحب کی والدہ ماجدہ کی عمر دو سال کی تھی۔ جس وقت پنچلا سہ ضلع انبالہ میں پہنچے ہیں تو راؤ عبداللہ خاں رئیس کے اصطلیل اسپاں کی ویران و تاریک کوٹھری میں مقیم تھے۔ ایک روز اسی کوٹھری میں وضو فرما کر چاشت کی نماز کے ارادہ سے مصطلے بچھایا اور جاں نثار حضار جلسہ سے فرمایا کہ آپ نوگ جاہل میں نظلیں پڑھ لوں۔ راؤ عبداللہ خاں اعلیٰ حضرت کے بڑے جاں نثار خادم اور مشہور مرید تھے۔ گھر کے خوشحال زمیندار اور سرکار کے نزدیک باوجاہت شخص سمجھے جاتے، سمجھتے تھے کہ اعلیٰ حضرت پر جو الزام لگایا گیا ہے اس کے قائم ہوتے اپنا مکان کھول دینا دنیاوی حیثیت سے کس درجہ خطرناک ہے، کیونکہ باغی کی اعانت بھی سرکاری بغاوت میں شمار ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی غلبہ

حُب دین اور فرطِ عشق میں اس درجہ مغلوب تھے کہ نہ مال کی پروا تھی نہ جان کی۔ خدا کی شان کہ جس وقت راؤ عبداللہ خاں اعلیٰ حضرت کو تخریر باندھے نوافل میں مشغول چھوڑ کر کوٹھڑی سے باہر نکلے اور پٹ بند کر کے اصطلیل کے دروازہ کے قریب پہنچے ہیں تو سامنے سے دو شخصوں کی آتے دیکھا اور ہنگاماً بگا ششدر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ خدا جانے مخبر کون تھا اور کس بلا کا پتلا تھا۔ جس نے عین وقت پر روپوشی کی کوٹھڑی تک معین کر دی تھی، چنانچہ دوش اصطلیل کے پاس پہنچی اور افسر نے مسکرا کر راؤ صاحب سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں، گویا اپنے نا وقت آنے کی وجہ کو چھپایا۔ جہاں دیدہ و تجربہ کار راؤ صاحب دور ہی سے تازگئے تھے کہ ایں گل دیگر شگفت مگر نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن۔ اپنی جان یا عزت کے جانے، ریاست و زمینداری کے ملیا میٹ ہونے اور ہنگامیاں بڑھ کر جیل خانہ پہنچنے یا پھانسی پر چڑھ کر عالمِ آخرت کا سفر کرنے کی تو مطلق پروا نہ تھی، اگر فکر و رنج یا حزن و افسوس تھا تو یہ کہ ہائے غلام کے گھر سے اور آقا گرفتار ہوا اور عبداللہ خاں کی نظر کے سامنے اس کا جان سے زیادہ عزیز شیخ پابہ زنجیر کیا جائے، مگر اس کے ساتھ ہی راؤ صاحب اک جو امر مستقل مزاج نہایت دلیر اور قوی القلب راجپوت تھے۔ تشویش کو دل میں دبا اور چہرہ یا اعضا پر کوئی بھی اثر اضطراب کا محسوس نہ ہونے دیا۔ مسکرا کر جواب دیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ دوش کا افسر گھوڑے سے اترا اور یہ کہہ کر کہ میں نے آپ کے یہاں ایک گھوڑے کی تعریف سنی ہے اس لیے بلا اطلاع یکا یک آنے کا اتفاق ہوا، اصطلیل کی جانب توجہ اٹھائے راؤ صاحب بہت اچھا کہہ کر ساتھ ساتھ ہو لیے اور نہایت ہی اطمینان کے ساتھ گھوڑوں کی سیر کرانی شروع کی۔ افسر بار بار راؤ صاحب کے چہرہ پر نگاہ جاتا اور اس درجہ مطمئن پا کر کبھی مخبر کی دروغ گوئی کا غصہ اور گلے سے اپنی ناکامی و تکلیف سفر کا افسوس لاتا تھا، یہاں تک کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہوا حاکم اس حجرہ کی طرف بڑھا، جس میں اعلیٰ حضرت کی سکونت کا مخبر نے پورا پتا دیا تھا اور یہ کہہ کر کہ اس کوٹھڑی میں کیا گھاس بھری جاتی ہے اس کے پٹ کھول دیے۔ راؤ عبداللہ کی جو اس وقت حالت ہوئی ہوگی وہ انھیں کے دل سے پوچھا چاہیے۔ سمجھتے تھے کہ تقدیر کے آخری فیصلہ کا وقت آگیا اور اپنا پیمانہ حیات لبریز ہو کر اچھلا چاہتا ہے اسی لیے لاشی برضا ہو کر حکم گرفتاری کے منتظر کھڑے ہو گئے۔

حضرت کی کرامت | خداوندی حفاظت کا کرشمہ دیکھیے کہ جس وقت کوٹھڑی کا دروازہ کھلا ہے تحت پرصلے ضرور بچھا ہوا، لوٹا رکھا ہوا اور نیچے وضو کا پانی البتہ بکھرا ہوا پڑا تھا مگر اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کا پتا بھی نہ تھا۔ افسر تخریر و حیران اور راؤ عبداللہ خاں دل ہی دل میں شیخ کی عجیب کرامت پر فرحان و شاداں۔ کچھ عجیب سماں تھا کہ حاکم نہ کچھ اور دریافت کرتا ہے نہ استفسار کبھی اتر دیکھتا ہے کبھی ادھر۔ آخر مخبر کی دھوکہ دہی سمجھ کر بات کو ٹالا اور کہا کہ خانصاحب یہ لوٹا کیسا اور پانی کیوں پڑا ہے۔ راؤ صاحب بڑے جناب اس جگہ ہم مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور وضو میں منہ ہاتھ دھویا کرتے ہیں۔ چنانچہ ابھی آپ کے آنے سے دس منٹ قبل اسی کی طیابی تھی۔ افسر نے سنس کر کہا: آپ لوگوں کی نماز کے لیے تو مسجد ہے یا اصطلیل کی کوٹھڑی۔ راؤ صاحب نے فوراً جواب دیا کہ جناب مسجد فرض نماز کے لیے ہے اور نفل نماز ایسی ہی جگہ پڑھی جاتی ہے، جہاں کسی کو پتا بھی نہ چلے۔ لاجواب جواب سن کر افسر نے پٹ بند کر دیے اور اصطلیل کے چاروں طرف غائر نظر دوڑانے کے بعد باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر یہ کلمات کہہ کر خست ہوا،

راؤ صاحب معاف کیجیے، آپ کو اس وقت ہماری وجہ سے بہت تکلیف اٹھانا پڑی اور پھر بھی ہمیں کوئی گھوڑا پسند نہ آیا۔ راؤ
عبداللہ صاحب کی نظر سے فوج کے سوار جب اوجھل ہو گئے تو واپس ہوئے اور کوٹھڑی کھول دی، دیکھا اعلیٰ حضرت نماز سے سلام
پھیر چکے اور نعلین پر مٹھے ہوئے ہیں۔

مولانا گنگوہی کی سب سے زیادہ مولانا گنگوہی کا اعلیٰ حضرت کی مفارقت کا غم تھا جو آپ کو کسی کروٹ چین نہ لینے دیتا
بیقراری تھا۔ راتوں آپ کو اس رنج میں نیند نہ آتی اور دنوں آپ اس دُھن میں رہتے کہ کسی طرح اعلیٰ حضرت کی

ایک دفعہ اور زیارت کریں، مگر جائیں تو کہاں جائیں اور میں تو کس طرح طہیں نہ اعلیٰ حضرت کی کوئی جائے قیام
معین نہ بحالت روپوشی کسی جگہ کا تعین۔ آخر شدہ شدہ آپ کو بیچلا سر کا پتا چلا اور آپ بسم اللہ کہہ کر گنگوہ سے نکل کھڑے ہوئے

راتوں چلتے دنوں چھپتے خاردار جنگل پیدل قطع کرتے تگمیری پہنچے اور حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب راے پوری کے مقام پر مقیم
ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مولانا عبدالرحیم صاحب کو طفولیت میں حضرت امام ربانی کی زیارت ہوئی اور آفتاب عالم کو اپنے گھر کا

نہان بنا دیکھا۔ حضرت مولانا نے نہایت شفقت کے ساتھ آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا پڑھ کر دم فرمائی۔ حضرت مولانا عبدالرحیم
صاحب مدظلہ کے والد ماجد راؤ اشرف علی خاں تگمیری کے خوشحال زمیندار اور نہایت نیک خیال دیندار شخص تھے۔ راؤ صاحب کا

حضرت مولانا سے کوئی تعارف نہ تھا، مگر حسن اتفاق تھا کہ راؤ صاحب کو یہ انمول جواہرات گھر بیٹھے بلا طلب حاصل ہوئے اس وقت
مولانا عبدالرحیم صاحب کی عمر تین یا چار سال کی تھی۔ راؤ صاحب نے کچھ عجیب اخلاص کے ساتھ مسافر نہان کی عمارت کی اور شب

کو بیعت کی درخواست کرنے لگے۔ حضرت مولانا نے انکار فرمایا اور کہا کہ اعلیٰ حضرت ابھی تشریف فرما ہیں، اگر یہ قصد ہے تو وقت
کو غنیمت سمجھیے۔ غرض راؤ صاحب نے آپ کا ارشاد سرا نکھوں پر رکھا اور ساتھ ہی چلنے کے متمنی و عازم ہوئے۔ حضرت مولانا نے

اپنی بے سرو سامانی اور اندیشہ ناک حالت ظاہر فرما کر سمجھایا کہ معیت قرین مصلحت نہیں، البتہ اگلے دن آپ آئیں اعلیٰ حضرت سے
سفارش کا میں ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ ایک شب قیام فرما کر مولانا چل دیے اور اعلیٰ حضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اگلے

دن راؤ صاحب بھی حاضر آستانہ ہوئے اور حضرت مولانا کی تقریب سے ایسی حالت میں بیعت ہوئے جس کو سرا سیمگی اور چل چلاؤ
کی حالت کہا جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی نے ہر چیز اصرار کیا کہ بندہ کو ہر کا بے چلیں، مگر اعلیٰ حضرت نے نہ مانا اور یہ فرمایا کہ اسی طرح

خدا کا حکم ہے، جاؤ تمہیں خدا کے سپرد کیا، آپ کو وہاں سے رخصت فرما دیا۔ حضرت مولانا بادل نحو استہ انفران الفراق کہتے روانہ ہوئے
اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اعلیٰ حضرت نے تسلی و تشفی دی اور فرمایا میاں رشید احمد تم سے توحیٰ تعالیٰ کو ابھی بہتیرے کام لینے ہیں

گھبراؤ مت، ہندوستان سے نکلنے وقت تم سے ضرور مل کر جاؤں گا۔ خدا تمہاری عمر دراز کرے اور مراتب میں ترقی دے۔ اس کے
بعد دیر تک چھاتی سے لگائے رکھا اور آخر کار پدرانہ شفقت اور ربیانہ محبت کے انداز پر خود بھی چشم نم ہوئے اور مولانا کو بھی رُلا یا۔

ہجرت مکہ معظمہ و نکاح | ایام غدر ہندوستان میں بوجہ بے نظمی دین و تغلب معاندان دین قیام ہند گراں خاطر ہوا اور ارادہ ہجرت
واشتیاق زیارت روضہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم جوش و خروش میں آیا اور سال ۱۲۶۶ھ میں براہ پنجاب روانہ ہوئے اور

اشناے راہ میں پاک پٹن و حیدرآباد سندھ وغیرہ مواضع میں زیارات بزرگان مقامات مذکور سے مشرف اور فیوض و برکات سے مالا مال ہوتے ہوئے کراچی بندر پہنچے۔ وہاں سے جہاز پر سوار ہوئے اور انوار و برکات ہجرت ابتدائے سفر سے مشاہدہ فرمانے لگے، اور بعد طے منازل خیر البلاد مکہ معظمہ پہنچے اور انوار و برکات اس مقام متبرک سے فیض یاب ہوئے اور اس مقام مقدس کو مسکن و ماویٰ اپنا بنایا۔ اولاً چند سال تک جبل صفا پر اسمعیل سیٹھ کے رباط کے ایک خلوة میں معتکف رہے اور مشغولی حضرت حق جل و علاہ ملت نہ دیتی تھی کہ جو دوسرے سے مخاطب ہوں ناچار مخلوق سے کم ملتے تھے، لیکن مشاہیر علماء و شیوخ کے ساتھ کبھی کبھی خلوت و خلوت میں اکٹھا ہوتے تھے اور کلمات رمز و السرار و لطف و اخلاق درمیان میں اُتے تھے اور باہم رسم دوستی مستحکم رکھتے تھے اور یہ حضرات کمال تعظیم و احترام حضرت فرماتے تھے۔

آپ کے ارشادات پُر از حکمت ہیں :

— ایک شخص نے تصوف کے معنی پوچھے فرمایا کہ تصوف کے معنی میں بسبب احوال مشائخ مختلف اقوال ہیں ہر کوئی اپنے مقام یا حال کے موافق مسائل کا جواب دیتا ہے۔ یعنی بتدی مسائل کو اندرونی معاملات مذہب ظاہر اور متوسط کو اندرونی احوال منتهی کو اندرونی حقیقت البتہ تمام اقوال میں اظہر قول یہ ہے کہ اول ابتدائے تصوف علم ہے اور واسطہ عمل و آخر عطا، بخشش و جذبہ الہی ہے اور علم مراد مرید کی کشائش کرتا ہے اور عمل اُس کی توفیق و طلب پر مدد کرتا ہے اور بخشش مرتبہ فائیت برجا کو کہ احاطہ بیان سے باہر ہے، پہنچاتی ہے اور حق سبحانہ کے ساتھ واصل کرتی ہے اور اہل تصوف تین قسم کے ہیں یعنی تین مراتب رکھتے ہیں: اول مرید کہ اپنی مراد طلب کرتا ہے، دوم متوسط کہ طلب کار آخرت ہے، سوم منتهی کہ اصل مطلوب تک پہنچ گئے ہیں اور انتقالات احوال سے محفوظ ہیں۔

— پھر ارشاد ہوا کہ طالب طریقی تصوف کو چاہیے کہ ادب ظاہر و باطنی کو نگاہ میں رکھے۔ ادب ظاہر یہ ہے کہ خلق کے ساتھ بحسن ادب و کمال تواضع و اخلاق پیش اُٹے اور ادب باطنی یہ ہے کہ تمام اوقات و احوال و مقامات میں با حق سبحانہ رہے۔ حسن ادب ظاہر سرنامہ ادب باطن کا ہے اور حسن ادب تر جہان عقل ہے بلکہ التصوف کلاماً ادب، دیکھو حق تعالیٰ اہل ادب کی بزرگی کی مدح فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ یُعْضُوْنَ اَصْوَابَهُمْ عِنْدَ سُلُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اَتَمَّحْنَ اَدْلٰہُ قُلُوْبِهِمْ لِلتَّقْوٰی لَہُمْ مَغْفِرَةٌ کَبِیْرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ جو کوئی کہ ادب سے محروم ہے وہ تمام خیرات و مبرات سے محروم ہے اور جو کہ محروم از ادب ہے وہ قریب حق سے بھی محروم ہے۔

از ادب پُر نور گشت است این فلک ہاز ادب معصوم پاک آمد ملک

— ایک شخص نے حاضرین سے عرض کیا کہ صوفی کون ہے اور ملامتی کون؟ فرمایا صوفی وہ ہے کہ سوائے اللہ کے دنیا و خلق سے مشغول نہ ہو اور درددل و قبول مخلوق کی پروا نہ رکھے، مدح و ذم اس کے نزدیک برابر ہو اور ملامتی وہ ہے کہ نیکی کو چھپائے اور بدی کو ظاہر کرے۔

— ایک آدمی نے فقیر کے معنی دریافت کیے۔ فرمایا فقر دو طرح پر ہے، اختیاری و اضطراری۔ فقر اختیاری تو واسطے رضائے حق کے ہو، دولت مندی سے بدرجہا افضل ہے۔ کہ حدیث الفقہ نجدی میں اسی فقر کی طرف اشارہ ہے اور فقر اضطراری عوام کو ہلاکت کفر تک پہنچاتا ہے کہ حدیث کا دال فقرا ان کیوں کفر سے یہی مراد ہے اور معنی فقر کے محتاجی ہیں اور فقیر حقیقی وہ ہے کہ اپنے نفس سے بھی محتاج ہو یعنی مالک اپنے نفس کا بھی نہ رہے کیوں کہ جس قدر فقیر کا ہاتھ ہر چیز سے خالی ہوگا، اسی قدر اس کا دل ماسوا سے خالی ہوگا اور فانی فی اللہ باقی بائند ہو جائے گا۔

— ایک دن بطور نصیحت کے بیان فرمایا کہ ہرگز ہرگز گرد دنیا کے نہ جاؤ اور دل کو اس کا گرویدہ نہ بناؤ کیونکہ دنیا کی مثال آدمی کے سایہ کے ہے، اگر کوئی سایہ کی طرف متوجہ ہو تو وہ اس کے آگے آگے بھاگتا نظر آئے اور اگر سایہ کو پس پشت کرنے وہ خود چھوٹتا نہ چھوڑے۔ یہی حال دنیا کا ہے کہ جو کوئی دنیا کو ترک کرتا ہے دنیا اس کا پیچھا کرتی ہے اور جو کوئی طلب دنیا میں کوشش کرتا ہے اس سے کو سول دور رہتی ہے اور ترک کرنے والے کو تلاش کرتی ہے۔

— ایک دن ایک شخص نے سوال کیا کہ طالب راہ حق کو کیا کیا ضرور ہے، فرمایا اول طالب شے کو لازم ہے کہ حقیقت و ماہیت شے مطلوبہ کی دریافت کرے تاکہ رغبت اس کے حاصل کرنے کی دل میں پیدا ہو۔ پس جو شخص کہ ارادہ کرے کہ موضوعوں کے طریق در راہ حق پر چلے، اولاً ماہیت و حقیقت و غایت تصوف کہ راہ حق ہے معلوم کرے۔ بعد ازاں ان کے اعتقادات و آداب ظاہری و باطنی کو سمجھے۔ خصوصاً اطلاقات کو کہ ان کے حال و حال و تصنیفات میں آتے ہیں اور خاص خاص اصطلاحات کہ ان کے کلمات میں پائی جاتی ہیں ان سے واقف ہو تاکہ بالبعداری ان کے افعال و اقوال و احوال کی کر سکے۔

— ایک دن ایک شخص نے مسئلہ وحدت وجود کا سوال کیا فرمایا کہ یہ مسئلہ حق و صحیح مطابق الواقع ہے۔ اس مسئلہ میں کچھ شک و شبہ نہیں۔ معتقد علیہ تمامی مشائخ کا ہے، مگر قال و قرار نہیں ہے، البتہ حال و تصدیق ہے یعنی اس مسئلہ میں تہیق اور تصدیق عقلی کافی ہے اور استتار اس کا لازم اور افشانا ناجائز ہے کیوں کہ اسباب ثبوت اس مسئلہ کے کچھ نازک ہیں بلکہ محدثے و قیق کہ فہم عوام بلکہ فہم علمائے ظاہر ہیں کہ اصطلاح عرفا سے عاری ہیں، انہیں آتے تو الفاظ میں کہنا اور دوسرے کو سمجھانا کب ممکن ہے بلکہ جن صوفیوں کا سلوک نا تمام ہے اور مقام نفس سے ترقی کر کے مرتبہ قلب تک نہیں پہنچتے ہیں، اس مسئلہ سے ضرر شدید پاتے ہیں اور مگر نفس سے چاہا اتحاد و تعرض ضلالت میں پڑ جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہا اس جگہ پر زبان کھروکتا واجب ہے۔

— فرمایا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ طریقت شریعت سے جدا ہے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اقرار باللسان اشارہ طرف شریعت کے ہے اور تصدیق بالجنان سے طلب طریقت ہے۔ پس ایک بغیر دوسرے کے کام کا نہیں۔ اقرار بدوین تصدیق نفاق ہے اور تصدیق بلا اقرار بے کار۔

فرمایا کہ ایک روز دو آدمی آپس میں بحث کرتے تھے ایک کہتا تھا کہ حضرت شیخ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث اعظم قدس سرہ سے افضل ہیں اور دوسرا حضرت غوث پاک کو شیخ پر فضیلت دیتا تھا۔ میں نے کہا کہ ہم کو نہ چاہیے کہ بزرگوں کی ایک دوسرے پر فضیلت بیان کریں اگرچہ اللہ فرماتا ہے فظلمنا بعضهم علی بعض جس سے معلوم ہوا کہ واقع میں تو تفاضل ہے لیکن ہم دیدہ بصرات نہیں رکھتے۔ اس واسطے مناسب شان ہمارے نہیں ہے کہ محض رائے سے ایسی جہڑت کریں البتہ مرشد کو تاملی اس کے معاصرین پر فضیلت بہ اعتبار محبت کے دینا مضائقہ نہیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ باپ کی محبت چچا سے زیادہ ہوتی ہے اور اس میں آدمی معذور ہے۔ اُس نے یعنی قادری نے دلیل پیش کی کہ جس وقت حضرت غوث پاک نے قدیمی علی سراقاب اولیاء اللہ فرمایا تو حضرت معین الدین نے فرمایا بل علی عینی یہ ثبوتِ فضیلت حضرت غوث اعظم کا ہے۔ میں نے کہا کہ اس سے تو فضیلت حضرت معین الدین صاحب کی حضرت غوث پر ثابت ہو سکتی ہے نہ برخلاف اس کے کیوں کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت غوث اُس وقت مرتبہ الوہیت یعنی عروج میں تھے اور حضرت شیخ مرتبہ عبدیت یعنی نزول میں اور نزول کا افضل ہونا عروج سے مسلم ہے۔

فرمایا کہ کلمۃ لا الہ الا اللہ کے بہ اعتبار مراتب مردمان کے تین معنی ہیں لا معبود لا مطلوب لا موجود الا اللہ اور یہ سب مراتب سے اعلیٰ ہے۔

فرمایا سیرتین طرح پر ہے سیرالی اللہ: و فی اللہ ومن اللہ۔

فرمایا کہ ایمان رجا اور خوف میں ہے ہم لوگ رجا پر بھروسہ اور غرور کر رہے ہیں اور خوف کو بھول بیٹھے ہیں۔ فرمایا عاشق و مطرح پر ہے عاشق ذاتی و عاشق صفاتی اور مرتبہ عاشق ذاتی کا عاشق صفاتی سے زیادہ ہے۔ کیونکہ عاشق ذاتی پر جو کچھ وارد ہوتا ہے اس کو ذات الہی سے جانتا ہے۔ پس اس وجہ سے رضا و تسلیم میں مرتبہ عالی پاتا ہے۔ ایک دن حضرت غوث الاعظم سات اولیاء اللہ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے ناگاہ نظر بصیرت سے ملاحظہ فرمایا کہ ایک جہاز قریب غرق ہونے کے ہے آپ نے ہمت تو جبر باطنی سے اُس کو غرق ہونے سے بچا لیا وہ ساتوں آدمی کہ عاشق ذات اور مرتبہ رضا و تسلیم میں ثابت قدم تھے، اس امر حضرت غوث کو خلاف خیال کر کے آپ سے ناخوش ہوئے اور اپنی مجلس سے علیحدہ کر دیا۔ ایک دن آپ نے دیکھا کہ سات ڈھانچے ہڈیوں کے مستم رکھے ہیں دریافت ہوا کہ ایک درندے نے خدا سے دعا مانگی کہ مجھ کو اپنے دوستوں کا گوشت کھلا وہ ساتوں آدمی پیش کیے گئے اور اس درندے نے گوشت ان مردانِ خراک کھا کر شروع کیا۔ جس وقت درندہ دانت مارتا تھا وہ لوگ ہرگز دم نہ مارتے تھے یہاں تک کہ تمام گوشت اپنا راہ مولیٰ میں نثار کر دیا اور صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں۔

فرمایا اتھا لا اعمال بالنیات تصوف کی جڑ ہے۔

فرمایا ایک آدمی نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی غیبت کی، آپ نے ایک طبق دینار کا اُس کو ہدیہ دیا لوگوں نے پوچھا

کہ یہ کیسا اکتا معاملہ ہے، امام صاحب نے فرمایا اهل جزاء الاحسان الا الاحسان اس شخص نے مجھ کو نعمت انجروی دی تو کیا میں اُس کو دنیا کی نعمت بھی نہ دوں۔

فرمایا کہ تواضع لفاق کے ساتھ ممنوع ہے۔

فرمایا کہ مولانا شریف تمامی اہل حرم میں کرتے ہیں، اسی قدر ہمارے واسطے حجت کافی ہے اور حضرت رسالت پناہ کا ذکر کیسے مذموم ہو سکتا ہے، بلکہ جہنمیاد تیاں لوگوں نے اختراع کی ہیں نہ پناہیں۔ اور قیام کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ ہاں مجھ کو ایک کیفیت قیام میں حاصل ہوتی ہے۔

فرمایا واسطے تقویٰ، حافظہ کے یا علیم علمنی عالم اکبر یا علیم اکتالیس بار بعد نماز عصر پڑھنا چاہیے اور سورہ فاتحہ بعد نماز فجر گیارہ بار پڑھنا چاہیے یا روٹی پر لکھ کر کھائیں۔

فرمایا ۵

بیک زمانہ صحیح با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے زیا

فرمایا کہ وظائف میں عدد طاق عمدہ ہیں نہ ہوں یا گیارہ۔

فرمایا اصل ذوق شوق محبت ہے، کشف و کرامات ثمرات زائدہ ہیں، ہونے ہونے نہ ہونے نہ ہونے۔ عارف اس کو ایک جگہ برابر نہیں سمجھتے بلکہ اکثر حجاب ہوتا ہے۔

فرمایا صورت نیکوں کی اختیار کرنا چاہیے، سیرت اللہ تعالیٰ درست کر دے گا کیونکہ وہ عا رب و فیاض ہے۔ دریافت کیا گیا کہ ساحران موسیٰ علیہ السلام مشرف بہ ایمان ہوئے اور فرعونیاں کافر رہے اس کی کیا وجہ تھی؟ فرمایا کہ ساحروں نے صورت موسوی اختیار کی تھی اس کے طفیل وہ نیک ہوئے۔

فرمایا کہ مراتب (عزاف) چار ہیں: مجذوب، ساکت، مجذوب ساکت، ساکت مجذوب، اور یہ سب کسے بڑا مرتبہ ہے ایک آدمی قوم ہندو، تاتھو نامی حالت جذب میں تھا، ایک دن مجھ سے کہا کہ اولے گریں گے، ایسا ہی ہوا اگر کافر سے ایسا ظاہر ہو تو اسے استدراج کہتے ہیں اور ایسے آدمی حالت کفر میں مرتے ہیں۔

فرمایا کہ عذاب و ثواب اس جسم پر نہیں ہے بلکہ جسم مثالی پر کہ خواب میں نظر آتا ہے ہو گا و نیز روح اعظم انسانی پر کہ ایک تجلی حق ہے، عذاب نہ ہو گا وہ مثل آفتاب کے ہے اور روح حیوانی مانند چراغ۔

فرمایا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب نے مجھ کو چار چیزیں تلقین فرمائیں: (۱) طلب رزق حلال (۲) تمام عالم سے اپنے کو بدتر سمجھنا (۳) مراقبہ احسان (۴) ترک اختلاط غیر جنس۔

فرمایا کہ مولانا فخر الدین و شاہ ولی اللہ و خواجہ میر درد و مرزا منظر جانجاناں رحمہم اللہ تعالیٰ کی کسی شخص نے ضیافت کی اور اپنے گھر بٹھا کر خود فائز ہو گیا اور بہت دیر کے بعد یہاں تک کہ نماز کا وقت آ گیا، اگر دود و پیسے سب کے ہاتھ پر رکھ دیے

مولانا صاحب پر چونکہ اخلاق رحمت و انکسار غالب تھا آپ نے اس کی تعظیم اور بیسیوں کو ہمسو چشم سے لگا کر قبول کیا، اور مرزا صاحب چونکہ بہت نازک طبیعت و لطیف مزاج تھے (یہاں تک کہ زماؤں بچپن میں بد صورت و ایہ کی گود میں نہ جاتے تھے) کہنے لگے کہ میاں اگر یہی ارادہ تھا تو خواہ مخواہ اتنی دیر کی اور دوسرے حضرات نے کچھ نہیں کہا۔

فرمایا کہ شیر خاں صاحب خلیفہ حضرت میاں شیخ شاہ نور محمد صاحب قدس سرہ میرے برادر ارشاد می جب قریب رحلت ہوئے وقت نزع لوگوں نے تلقین کلمہ شروع کیا اور وہ منہ پھیر لیتے تھے سب کو تعجب تھا کہ ایسے بزرگ کی یہ حالت ہے کہ جس سے سوئے خاتمہ کا خیال ہوتا ہے۔ جب حضرت مرشد تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا حال ہے فرمایا الحمد للہ، لیکن یہ لوگ مجھ کو پریشان کرتے ہیں اور مسمیٰ سے طرف اہم کے لاتے ہیں۔ پس مراتب لوگوں کے مختلف ہیں۔ اعراض کلمہ سے سوئے خاتمہ پر استدلال نہ کرنا چاہیے۔ ممکن ہے اس میں کوئی وجہ خاص ہو جیسے ذکر۔

ہوا۔ اقول پس وہ شخص معذور ہو گا، لیکن اس سے زیادہ کمال جامعیت ہے کہ باوجود مشاہدہ مسمیٰ کے انعم کا حق بھی ادا کئے۔ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور ایک کتاب پڑھی جاتی ہے جس کو حضور کمال توجہ سے سن رہے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ یہ کون سا کتاب ہے۔ کہا گیا احیاء العلوم حجتہ الاسلام امام غزالی کی ہے فرمایا یہ لقب عطیہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

فرمایا کہ کوئی انعم پیش آئے سورہ یٰسین پڑھیں اور ہر دفعہ مبین پر پہنچ کر سات بار سورہ فاتحہ مع تسمیہ پڑھیں اور اول و آخر سورہ کے درود تشریف پڑھیں۔ درود مثل صندوق کے ہے کہ اپنے اندر لپیٹ کر (وظیفہ و دعا کو) لے جاتا ہے۔ یا سورہ مثل سات بار پڑھیں کہ معمولات مشائخ سے اور مجرب ہے اور سورہ فاتحہ اکتالیس بار جو میں نے اپنے آدمیوں (مریدوں) پر لازم کیا ہے، اس سے بہتر امور دینی و دنیاوی کے لیے کچھ نہیں ہے۔

فقیر کو چاہیے کہ نہ طمع کرے نہ منع کرے۔

مومن خاں دہلوی، مجھ سے بہت اعتقاد رکھتے تھے، میں نے پوچھا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مثنوی کی نظم سست ہے جواب دیا کہ کوئی جاہل کہتا ہو گا، اساتذہ کے نزدیک مثنوی سند ہے۔ بعد انتقال خاں صاحب کے لوگ حسب وصیت ان کی قبر پر گئے، ان کا حال عمدہ پایا۔

فرمایا کہ مولوی محمد قاسم صاحب نے پوچھا کہ میں نوکری چھوڑ دوں، میں نے (حضرت نے) جواب دیا کہ جب ایسی حالت ہو کہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے تب چھوڑو۔
وغا میں درود مثل صندوق کے ہے۔

فرمایا کہ جو مزہ میں نے فقرو فاتحہ میں دیکھا اور اس میں میرے مراتب کی ترقی ہوئی اور انبیا علیہم السلام و ملائک مقربین کی زیارت ہوئی اور انوار و تجلیات مجھ پر نازل ہوئے، وہ امور پھر فراغت میں بیستر نہ ہوئے، فرمایا فقر و فاتحہ بڑی نعمت ہے

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (الفقد فقہی)۔

فرمایا کہ مومن خاں صاحب دہلوی فرماتے تھے کہ ایک بار چند حضرات شاہ عبدالعزیز صاحب سے حدیث شریف پڑھ رہے تھے۔ شاہ صاحب نے تذکرہ اکابرین دین کا کیا ہم لوگوں نے عرض کیا کہ اب بھی کوئی ایسا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ پرسوں ہمارے پاس فلاں حلیہ کا ایک شخص مسئلہ دریافت کرنے آئے گا وہ مرد کامل ہے اور سمت و وقت بھی معین کر دیا۔ ہم لوگ روز موعود میں زینت المساجد میں کہ کنارے جنا کے واقع ہے، ان کے اشتیاق میں بیٹھے تھے۔ وقت مقررہ پر دریا کے کنارے سے اسی حلیہ کے ایک بزرگ صاحب نمودار ہوئے۔ ہم لوگ دوڑے اور زیارت سے مشرف ہوئے، وہ شاہ عبدالرحیم صاحب تھے۔ مومن خاں صاحب اس واقعہ کی وجہ سے مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ فرمایا کہ وہاں میں چند مشائخ کامل بمعصرتھے۔ چشتیہ نظامیہ میں حضرت فخر الدین صاحب اور قادیانیہ میں حضرت میر درد صاحب نقشبندیہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور صابریہ میں حضرت غلام سادات صاحب۔ فرمایا کہ حضرت غلام سادات صاحب کے تھانہ بھون میں اکثر لوگ مرید تھے، اس وجہ سے وہ اکثر یہاں تشریف لاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ آئے تو تمام لوگ ملاقات کو گئے، مگر حافظ ضامن صاحب کے دادا میر عبدالغنی حاضر نہ ہوئے۔ آپ نے دریافت کیا کہ میر عبدالغنی کیوں نہیں آئے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ان کا ایک حسین و جمیل جوان لڑکا انتقال کر گیا ہے، اس وجہ سے مجبوظ الحواس ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک بار انھیں میرے پاس لاؤ، مگر وہ نہ گئے۔ اتفاقاً راستہ میں حضرت غلام سادات کو مل گئے۔ آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "عشق بر مردہ نباشد چاندگار" اسی وقت ان کا خبط جاتا رہا اور عشق حق غالب ہو گیا۔ مسجد میں بیٹھ رہے اور خدا کی یاد میں راہی ملک بقا ہوئے۔

فرمایا کہ عذاب اخروی اس عالم میں بھی بعض اشخاص کو معلوم ہو جاتا ہے۔ جلال آباد میں رجب ہمارے قصبہ کے قریب ایک بستی ہے، ایک رئیس نے بے طمع ذنیوی مہنود کو اپنی زمین بت خانہ بنانے کو دے دی۔ جب ان کا وقت اخیر آیا حکیم غلام حسن بان کے معالج نبض دیکھ رہے تھے، مریض نے پکار کے کہا کہ حکیم جیو مجھے اس پنجرہ آہنی آتشیں سے بچاؤ مجھ کو اس پنجرے میں ڈال دیتے ہیں۔ لوگ متعجب تھے اور کچھ تدارک نہیں کر سکتے تھے۔ آخر اسی فریاد و زاری میں اس کی روح پرواز کر گئی۔

فرمایا کہ مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری جب حافظ عبدالکریم تاجر میرٹھ کے ملازم تھے، یہاں مع حافظ عبدالکریم کے زیارت حرمین شریفین کو گئے۔ میں نے کہا کہ مولانا مملوک علی صاحب نے میرا سبق گلستاں آپ کے سپرد کیا تھا۔ اس وجہ سے آپ میرے آستین لگا کر میں ایک بات عرض کروں گا۔ اگر ناگوار نہ ہو۔ انھوں نے فرمایا کہ میں آپ کو اپنا بزرگ جانتا ہوں جو فرمائیے بسر و چشم منظور ہے۔ میں نے کہا آپ کا یہ منصب نہیں ہے کہ حافظ عبدالکریم وغیرہ آپ کو کام کا حکم دیں، بلکہ ان کو آپ کا محکوم ہونا چاہیے، لیکن نوکری میں بجز محکومی چارہ نہیں۔ اب آپ اپنے مکان پر درس احادیث نبوی صلی اللہ

علی صاحبہا کا فرمایا کریں تاکہ خلق کو فیض ہو۔ مولانا صاحب نے قبول کر کے فرمایا کہ آپ حرم محترم میں میرے لیے دعا کریں چنانچہ یہاں سے جا کر ترک تعلق کر کے درس حدیث کا مشغل اختیار کیا اور صد ہا طلبہ کو محدث بنا دیا اور حافظ عبدالکریم نے میرے سامنے بہت کچھ معذرت کی کہ مولانا کو ہم لوگ اپنا مخدوم جانتے ہیں۔ میں نے کہا سچ ہے، مگر نوکر درحقیقت خادم ہی ہوتا ہے چاہے اس کا آقا سے اپنا مخدوم بھی تصور فرمائے اور لفظ خادمی کا زبان پر نہ لائے۔

حضرت حاجی صاحب سے کسی نے پوچھا کہ حضرت میں اللہ کا نام لیتا ہوں، مگر کچھ نفع نہیں ہوتا حضرت نے فرمایا کہ یہ تھوڑا نفع ہے کہ نام لیتے ہو یہ تمہارا نام لینا ہی نفع ہے اور کیا چاہتے ہو۔

گفت اَللّٰهُ تَوَلّٰی بَیْکَ مَاسْت دین نیاز و سوز و دردت پیک ماست

حضرت مولانا فتح محمد صاحب حضرت حاجی صاحب کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ میں حضرت کے پاس بیٹھا ہوا تھا، بہت دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ آخر جب بہت دیر ہوئی تو میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آج میں نے آپ کی عبادت میں بہت حرج کیا، حضرت فرماتے لگے کہ مولانا آپ نے یہ کیا فرمایا، کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے اور دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں۔

حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلان شخص آپ کو یوں کہتا تھا، حضرت نے فرمایا کہ اس نے تو پس پشت ہی کہا، لیکن تم اس سے زیادہ بے جیا ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔

حضرت کی کرامتیں | مولانا گنگوہی سے ایک مرتبہ کسی شخص نے دریافت کیا تھا کہ اعلیٰ حضرت نے تو آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ اطمینان رکھو میں عرب روانہ ہوتے وقت تم سے مل کر جاؤں گا، مگر آپ گرفتاری و حوالات میں رہے، آپ کی رہائی سے قبل ہی اعلیٰ حضرت نے بیت اللہ کی جانب ہجرت فرمائی، گویا سائل کا مطلب یہ تھا کہ ملاقات کے خوش کن الفاظ محض تسلی کے لیے تھے جس کا وقوع نہیں ہوا۔ حضرت نے بہت ہی ہلکی آواز سے فرمایا: اعلیٰ حضرت وعدہ خلاف نہ تھے، چنانچہ دوسرے طریق سے معلوم ہوا کہ باوجود سببوں پرہ کے اعلیٰ حضرت نے جیل خانہ کے اندر قدم رکھا اور کئی گھنٹہ باتیں کر کے شب ہی میں واپس ہوئے اور عرب کو روانہ ہوئے۔

مولوی ولایت حسین صاحب کی روایت ہے کہ حکیم صاحب جو اعلیٰ حضرت کے مرید انبالہ کے رہنے والے بندہ کے ساتھ سفر حج میں شریک تھے کہ جس زمانہ میں مولانا گنگوہی جیل خانہ میں تھے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب ایک دن فرمانے لگے کہ میاں کچھ سنا، کیا مولانا رشید احمد کو پھانسی کا حکم ہو گیا۔ خدام نے عرض کیا کہ حضرت کچھ بتا نہیں، ابھی تک تو کوئی خبر آئی نہیں۔ فرمایا ہاں حکم ہو گیا، جلد فرما کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ حکیم صاحب کا بیان تھا کہ برسات کا زمانہ تھا۔ مغرب کے بعد اعلیٰ حضرت اور میں اور غالباً مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی، غرض تین آدمی چلے، شہر سے نکل کر تھوڑی دور جا کر اعلیٰ حضرت زمین کی گھاس کے قدرتی سبز نخلی فرش پر بیٹھ گئے۔ اور کچھ دیر سکوت فرما کر دن اوپر اٹھائی اور فرمایا پھر چلو مولوی رشید احمد کو کوئی شخص پھانسی نہیں دے سکتا۔ خدائے تعالیٰ کو ان سے ابھی بہت کچھ کام لینا ہے۔ چنانچہ چند روز بعد اس کا ظہور ہو گیا واللہ اللہ علی ذلک۔

ہنگام قیام رباط اسمعیل سیٹھا اس کے لڑکے سے بعض باتیں خلاف طبع مبارک ہوئیں اس وجہ سے آپ نے وہاں کا قیام ترک کر کے رنج تو جبر بھنور باری تعالیٰ کیا، اسی بارے میں بلا کسی تحریک کے ایک حکم نامہ بتا کید ریاست حیدرآباد سے وہاں کے وکلا کے نام پہنچا کہ منجملہ دو مکانات ریاست کے جو مکان وجگہ آپ پسند فرمائیں، اس کی کنجی خدام حضرت کے سپرد کر دی جائے۔ چنانچہ وکلا ریاست نے بڑی التجا سے یہ کیفیت حضوری میں عرض کی اور ایک مکان کی کنجی حوالہ ملا زمان عالی کر دی۔

— اسی زمانہ میں ایک ہندس نے آپ کے قرب میں ایک مکان تعمیر کیا اور اس میں ایک راستہ نکھا جس سے حضرت کے دولت خانہ کی بے پردگی ہوتی تھی وہ انوع واقسام کے ظلم و جبر خدمت شریف میں کرتا تھا اور آپ کی طرف سے اپنے دل میں عناد رکھتا تھا۔ حضرت نے ایک شخص کے ذریعہ سے کلمۃ النحر تبلیغ فرمایا، لیکن اس نے کچھ خیال نہ کیا بلکہ کلمات بیودہ زبان پر لایا۔ لوگوں نے یہ واقعہ حضرت سے عرض کیا اور اکثر احباب کی رائے ہوئی کہ حاکم وقت کے یہاں استغاثہ کیا جائے جو اب اس کے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرا استغاثہ حاکم حقیقی کے یہاں ہے۔ حکام مجازی کے آگے درخواست کرنا درست نہیں ہے، ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ تیغ بڑھ اہل چشت نے اس پر گزر کیا اور باوجود اعزاز بلیغ و اعتبار عظیم بلا وجہ ظاہری اپنے منصب و عہدے سے علیحدہ کر دیا گیا اور ایسی قلت و خواری میں مبتلا ہوا کہ اللہ کسی کو نہ دکھاوے۔

— میاں امیر احمد رام پوری کا واقعہ میرے سامنے کا ہے، امیر احمد بار بار حضرت سے دریافت کرتے تھے کہ یا حضرت میں ہندوستان جاؤں اور حضرت فرماتے تھے کہ ہاں جاؤ، مگر امیر احمد کو اپنے اور مقدمات کا قوی خطرہ تھا، اس واسطے شبہ ہوتا تھا کہ ضرور گرفتار اور نزیاب ہوں گا۔ اس واسطے باوجود حضرت کے ان کو اطمینان نہیں ہوتا تھا اور بار بار دریافت کرتے تھے۔

— ایک روز حضرت نے چسپ بے جیس ہو کر فرمایا کہ تمھارا جی گرفتار ہونے کو چاہتا ہے میاں جاؤ تب میں نے ان سے کہا کہ اب تم شک و شبہ چھوڑو اور حضرت نے خود ارشاد فرمایا ہے خدا کا نام لے کر چلو اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا۔ چنانچہ وہ میرے ساتھ ہندوستان آئے اور چند روز دہلی ایک مسجد میں رہ کر حاضر عدالت ہو گئے۔ چنانچہ گرفتار کر کے جیل بھیج دیے گئے اور بالآخر تمام مقدمات سے بری ہو کر اپنے گھر بخیریت تمام پہنچ گئے۔

— ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں مہمان بہت سے آ گئے، کھانا کم تھا، حضرت نے اپنا رومال بھیج دیا کہ اس کو دکھا دو۔ کھانے میں ایسی برکت ہوئی کہ سب نے کھا لیا اور کھانا بچ گیا۔ حضرت حافظ ضامن صاحب کو خبر ہوئی تو عرض کیا کہ حضرت آپ کا رومال سلامت چاہیے، اب تو قحط کیوں پڑے گا۔ حضرت شرمندہ ہو گئے اور فرمایا کہ واقعی خطا ہو گئی تو بہ کرتا ہوں پھر ایسا نہ ہوگا۔

— ایک دن مولوی امیر شاہ خاں صاحب نے حضرت (گنگوہی) قدس سرہ سے ایک قصہ بیان کیا کہ میں ایک روز مسجد حرام میں ایک بزرگ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک نو عمر درویش آئے اور بیٹھ گئے۔ وہ بزرگ جن کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا، اس درویش کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ بھائی تمھارے قلب میں بڑی اچھی چیز ہے۔ ان بیچاروں نے اپنا حال چھپانا چاہا، مگر انھوں نے بیودہ ہی ناش کر دیا، کہنے لگے کہ تمھارے قلب میں ایک عورت کی شبیہ ہے، اس کی ناک ایسی ہے اور آنکھیں ایسی ہیں اور بال ایسے

ہیں۔ غرض تمام حلیہ بیان کر دیا۔ اُس وقت وہ درویش بہت نادم ہوئے اور اقرار کیا کہ بے شک آپ سچ فرماتے ہیں۔ ابتداء جوانی میں مجھے ایک عورت سے عشق ہو گیا، ہر وقت اُس کے دھیان میں رہنے سے اُس کی شبیہ میرے قلب میں اُگنی۔ اب جب کبھی طبیعت بے قرار ہوتی ہے تو آنکھ بند کر کے اُس کو دیکھ لیتا ہوں کچھ سکون ہو جاتا ہے اور طبیعت ٹھہر جاتی ہے۔ مولوی امیر شاہ خان صاحب یہ قصہ بیان کر کے منتظر رہے کہ حضرت کچھ ارشاد فرمائیں گے، مگر امام ربانی قدس سرہ نے کچھ بھی جواب نہ دیا اسن کر خاموش ہو گئے۔ جب کئی مرتبہ مولوی صاحب نے بات اٹھائی، تب حضرت نے ارشاد فرمایا، بھائی یہ کچھ زیادہ غلبہ نہیں ہے کیونکہ ان کی آنکھیں بند کرنے اور قلب کی طرف متوجہ ہونے کی نوبت پہنچتی تھی۔ میرا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ برسوں یہ تعلق رہا ہے کہ بغیر آپ کے مشورہ کے میری نشست و برخاست نہیں ہوئی، حالانکہ حاجی صاحب مکہ میں تھے اور اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تعلق برسوں رہا ہے اس کے بعد اتنا فرما کر آپ خاموش ہو گئے کچھ نہ فرمایا اور دیر تک ساکت سرنگوں رہے۔

صورت و سیرت | سر مقدس کلال و بزرگ ہے اور پیشانی کشادہ و بلند ہے اور انوار حقانی پیشانی مبارک سے واضح و لائق ہیں ابو و سلیم و خمدار۔ چشمان مبارک کلال ہیں اور ہمیشہ خمار و وقیر رہا نہیں میں سرشار رہتی ہیں۔ رنگ شریف گندم گوں ہے، نحیف اجسم معتدل القامت گونہ مائل بطوالت، لیکن نہ اتنا کہ طویل کہنے کے قابل بلکہ جیسا کہ قامت شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میں آیا ہے نحیف العارضین طویل اصابع الیدین گویا حجازی ہیں، فصیح البیان عذب الکلام، کثیر المرآت عظیم الاخلاق، جس کسی سے بات کرتے ہیں کمال بشاشت و خوشی و تبسم فرماتے ہیں اور افضل ترین اخلاق حضرت ایشاں تھلق بہ اخلاق قرآن ہے کہا و رد عن عائشہ رضی اللہ عنہا فی وصف خلقہ صلی اللہ علیہ وسلم جمیع اخلاق حسنہ کہ قرآن شریف میں ان کی مدح ہے فات مبارک میں جمع ہیں اور جتنے اخلاق مذکورہ قرآن شریف میں ان کی برائی ہے بالطبع ان سے متنفر۔ اتباع سنت سینہ و اجتناب بدعات و تہمیر عادات جلیب سے ہے اور استقامت بر شریعت عز و طریقت بیضا اخلاق لازمہ رضیہ سے ہے کہ الاستقامت فوق الکرامت و الکرامتہ یتحصل بعد الاستقامت خمیر شریف آپ کا ہے، فات پاک صاحب اشارات علمیہ و حقائق قدسیہ جامع انوار محمدیہ و مناہل عربیہ ہے۔ **قال علی بن ابی طالب** کل سبیل الجن و النعمانی الی اللہ العزیز ہے اور حامل لوار عارفان و ضیاء قلوب ناقصان و مبین اسرار و کاشف وظہر عوارف و معارف ربی علم و حال صاحب جنت و مقال ہے۔ طریقہ شریفہ آپ کا منضمن جذب و مجاہدہ و عنایت ہے۔ سکر آپ کا ادب کو پہنچاتا ہے اور صحو مقامات حجاب سے ترقی کو پہنچاتا ہے۔ حقائق و حیدر سامی با شریعت و مسانہ ہیں و اسرار مجاہدات گرامی معرفت سے ہزار۔ اولیائے عصر آپ کی ولایت پر اجماع رکھتے ہیں اور علمائے زمانہ آپ کے علوم منزل کا اعتراف کرتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے علوم اسما و صفات سے مخصوص فرمایا ہے اور معارف خاص و خصوصیات علوم اعلیٰ سے مقامات مرحمت فرمائے ہیں اور مقام اکبر و مدوا کثر و عطا سے نفع و نوال اوسیح پر ممتاز فرمایا ہے۔ (شائم ادویہ ص ۲۵)

حضرت مہر علی شاہ گولڑویؒ

ولادت ————— ۱۲۷۴ھ

وفات ————— گولڑہ ۱۳۵۶ھ

حضرت خواجہ مہر علی شاہ خطہ پنجاب کے ان مشہور بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے علم دین اور شریعت کی ترویج کے لیے بہت کام کیا۔ آپ بڑے پاپے کے عالم تھے۔ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے بھی بہت واقفیت تھی۔ آپ خود بھی شریعت کے سخت پابند تھے اور دوسرے لوگوں کو پابندی شرع کی خاص طور سے تلقین فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے ملفوظات میں جگہ جگہ اتباع سنت نبویہ کی تلقین پائی جاتی ہے۔

پیدائش و حسب نسب | خواجہ صاحب کی تاریخ ولادت یکم رمضان ۱۲۷۴ھ بتائی جاتی ہے۔ سلسلہ نسب حضرت سید عبدالقادرؒ سے اس طرح ملتا ہے:

مہر علی شاہ بن سید نذر الدین بن سید پیر غلام شاہ بن سید پیر روشن دین بن سید عبدالرحمان بن سید عنایت اللہ بن سید عنایت علی بن سید فتح اللہ بن سید اسد اللہ بن سید فخر الدین بن سید احسان بن سید درگاہی بن سید جمال علی بن سید محمد جمال بن سید ابی محمد بن میراں سید محمد کلان بن میراں شاہ قادر قیص سادہ صورا بن سید ابی الحیات بن السید تاج الدین بن سید بہاء الدین بن سید جلال الدین بن سید داؤد بن سید علی بن سید ابی صالح نصر بن سید تاج الدین بن الشیخ السید عبدالقادر محی الدین الجیلانی بغدادی الحسینی ابا و الحسینی انا رحمہ۔

ہندوستان میں آمد | خواجہ صاحب کی نانی سید جلال الدین بخاریؒ، مخدوم جانیانؒ کی اولاد سے تھیں۔ آپ کے اجداد میں سے حضرت شاہ تمبھڑ (یا تمبھڑ) ہندوستان تشریف لائے اور حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ سے ملاقات کی۔ کہا جاتا ہے کہ گنگوہیؒ نے جب شاہ تمبھڑ کی آمد کی خبر سنی تو پیشوا کی لیے خود ہندوستان اور ایران کی سرحد پر پہنچے اور ان کا استقبال کیا۔ حضرت شاہ تمبھڑ نے تمام ہندوستان میں سادہ صورا یا ساندھورا کے مقام پر گزاری، وہیں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے، وہ گولڑہ تشریف لے آئے۔ ان صاحبزادوں میں سے ایک نے عمر بھر شادی نہ کی، دوسرے صاحبزادے کا سلسلہ اب تک چلا آ رہا ہے، خواجہ مہر علی شاہؒ اسی سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔

تعلیم | آپ کی ابتدائی تربیت والد محترم کے زیر نگرانی ہوئی۔ انہوں نے بڑی محنت سے ابتدائی تعلیم دلانی۔ چونکہ بہت

ذہن تھے اس لیے چھوٹی عمر میں ہی علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ حجاز بھی گئے ، جہاں حاجی امداد اللہ ہاجر کی سے بھی صحبت رہی۔ کہا جاتا ہے کہ حاجی صاحب ہی نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ ہندوستان واپس جائیں۔ اس لیے کہ وہاں ایک فتنہ ظہور میں آ رہا ہے، جس کے قلع قمع کرنے کے لیے مسلمانان ہند کو آپ کی خدمات کی ضرورت ہے۔

عملی کام | خواجہ صاحب حجاز سے لوٹے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ خواجہ شمس الدین سیالوی سے بیعت تھے۔ اور انھیں کے خلفاء میں سے ہیں۔

آپ عالمان دین کی بہت قدر کرتے تھے۔ مذہبی اختلافات کی صورت میں بڑے عالمانہ طریقہ سے اپنے نظریات پیش کرتے ہیں۔ شیخ اکبر کے نظریہ وحدت وجود پر انھیں بڑا عبور حاصل تھا۔ فصوص الحکم سے امراد و امراد کو خوب سمجھتے تھے اور اس کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے۔

شیخ اکبر کے نظریہ وحدت الوجود سے اسلام کے بہترین دماغ متاثر ہو رہے تھے، چنانچہ اس سلسلے میں مشائخ بہت محتاط رہتے تھے، وہ اپنے مریدوں کو شیخ اکبر کی کتابیں پڑھنے یا اس نظریہ کے بارے میں کسی سے گفتگو کرنے سے روکتے تھے۔ خواجہ ہر علی شاہ کو شیخ اکبر کے نظریات پر بڑا عبور حاصل تھا۔ وہ شیخ کی کتاب فصوص الحکم کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں ان کی تابلیت اور مہارت کے پیش نظر علامہ اقبال نے ان سے خط و کتابت بھی کی۔ جس میں شیخ اکبر اور ان کے نظریات کے متعلق خواجہ صاحب سے بعض امور دریافت کیے۔ علامہ کا یہ خط نقل کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہونا ہے کہ شیخ اکبر اور ان کے نظریات کے متعلق ایک مختصر سا خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ اس خط کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں آجائے اور خواجہ صاحب کے فکر و نظر کا بھی اندازہ ہو جائے۔

شیخ اکبر | شیخ اکبر ۱۱۶۵ھ میں سپین کے ایک شہر بیسیر میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ قرآن اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایشیلیا گئے۔ وہاں کئی مشاہیر سے ملاقاتیں ہوئیں اور ان کی صحبت میں وقت گزارا۔ سارے سپین کی سیاحت کی۔ قرطبہ میں ابن رشد سے بھی ملے۔ پھر مصر، بغداد، حجاز، ایشیا نے کوچ کیا اور کئی دوسرے علاقوں میں پھرے۔ شیخ اکبر کا آپ جس نظریے کی تبلیغ میں عمر بھر سرگرم رہے، اس کا مرکزی نقطہ وحدت الوجود تھا، یعنی کائنات میں جو کچھ موجود ہے، وہ سب خدا کے لیے ہے یا خدا کے سوا کائنات میں کوئی شے موجود نہیں۔

آپ نے سینکڑوں کتابیں لکھیں، جن میں سے (بعض کے قول کے مطابق) ان کی ڈیڑھ سو کتابیں اب بھی ملتی ہیں۔ ان کتابوں میں فتوحات، بکیر اور فصوص الحکم کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ وحدت الوجودی فلسفہ پر یہ بڑی دقیق کتابیں ہیں۔ چونکہ شیخ اکبر کا نظریہ بہت دقیق اور سخت تھا اور وہ جاہل جاہل کی تبلیغ کرتے تھے، جسے عام لوگ پوری طرح نہ سمجھ سکتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی اپنی ناتجہی کے باعث الحاد اور زندہ کے دروازے کھل جاتے۔ چنانچہ بعض مشائخ نے شیخ اکبر

کی مخالفت کی اور انھیں چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا۔

علامہ اقبال کا خط | شیخ اکبر کا یہی نظریہ تھا جس میں علامہ اقبال نے بھی اپنی دلچسپی کا اظہار کیا اور خواجہ مہر علی شاہ گورکھ پوری سے اس بارے میں بعض معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ ذیل میں ہم علامہ کا وہ خط جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، نقل کرتے ہیں یہ خط علامہ نے ۱۹۳۳ء میں لکھا اور خواجہ صاحب کی زیارت کے شوق کا اظہار کرنے کے بعد کہا:

”ہندوستان بھر میں اور کوئی دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے، لہذا آپ سے چند امور دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ علامہ نے لکھا کہ میں انگلستان میں محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ رکھتا ہوں، لہذا آپ مجھے چند سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمائیں:

(۱) اول یہ کہ حضرت شیخ اکبر نے تعلیم حقیقت زماں کے متعلق کیا کہا ہے اور ائمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔
(۲) یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اول کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کر سکوں۔

(۳) حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقت زماں پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ مولوی سید انور شاہ مرحوم و منفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا۔ اس کا نام تھا ”ذریعہ الزمان“ جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا۔ میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے، مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے، اس لیے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔

میں نے سنا ہے کہ جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرما دیا ہے، اس لیے مجھے یہ عرضہ لکھنے میں تامل تھا، لیکن مقصود چونکہ خدمت اسلام ہے، مجھے یقین ہے کہ اس تصدیح کے لیے جناب معاف فرمائیں گے اور جواب با صواب سے ممنون فرمائیں گے۔ باقی التماس دعا۔

مخلص محمد اقبال لہ

غیر شرعی رسومات سے خواجہ صاحب کو بڑی نفرت تھی۔ ان کے ملفوظات میں جگہ جگہ اتباع سنت نبوی کی تلقین ہے اور بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے شریعت نبوی کے اتباع سے بڑھ کر کوئی فخر نہیں ہو سکتا۔
خواجہ صاحب کو شعر و سخن سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی لیکن پھر بھی خوب شعر کہہ لیتے تھے۔ ان کی ایک فارسی عنایت

ملاحظہ ہو۔

صبا زطرہ مشربنگ ہوش طنناز
کیم گدائے در مفلسی کوتاہ دست
کشور نافر مشکیں بروئے اہل نیاز
کجا این عالیہ عطری قصہ ہائے دراز

توئی کہ ذرہ صفت را با آسماں بردی
 عرض ادائے نیاز است ز تہ حاجت نیست
 چگونہ مشکہ تو گوید کمینہ بندہ نواز
 کمال حشمت محمود را بعجز ایاز
 ز جام چہرہ ترکان ہوشاں حجاز
 متاع زاہد طماع چہ حج و صوم و نماز
 مرا نہ پیرمغاں راز ہائے سر بستہ است
 فغاں زوا عطا خود ہیں کجا است محرم راز

اگرچہ حسن تو از تہر غیر مستغنی است

من ازل نیم کہ از ایمان خویش ایم باد

غرض خواجہ صاحب ان بزرگ ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے نہ صرف احیاء تصوف کی کوشش کی، بلکہ اپنے دور کے بہت سے عقائد باطلہ کی بھی تردید فرمائی۔

وفات | ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کو وفات پائی اور اپنے والد بزرگوار کے مزار کے پاس ہی دفن کیے گئے۔

روضہ | خواجہ مر علی شاہ کا مزار مبارک گولڑہ میں ریلوے سٹیشن سے قریباً دو میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ کی قبر کے پاس ہی آپ کی پوتی کا مزار ہے۔ مسجد عالیہ میں ان کے والد بزرگوار کا مزار ہے۔ یہیں ان کے دو بھائی پیر محمود شاہ اور پیر ولایت شاہ کے علاوہ ان کے استاد مولوی غازی صاحب کے مزارات ہیں۔ خواجہ صاحب کا مزار سنگ مرمر کی سفید سلوں سے بنا ہے جو ہرے بھرے درختوں کی اوٹ میں رات کے وقت بجلی کی روشنی میں عجب نظارہ پیش کرتا ہے۔ مسجد کے صحن میں تالاب ہے۔ پشت پر بزرگوں کا قبرستان ہے اور مسجد کے بالمقابل کتب خانہ ہے۔ ۲۹ صفر کو آپ کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔ ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ربیع الاول کو خواجہ صاحب اپنی زندگی میں شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی گیارہویں کا بھی اہتمام کیا کرتے تھے۔ یہ اہتمام اب بھی انہیں تاریخوں پر کیا جاتا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں زائرین حاضر ہوتے ہیں۔

تصانیف | مندرجہ ذیل کتابیں خواجہ مر علی شاہ صاحب کی تصانیف بتائی جاتی ہیں :

تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، الاصلاح الفصحی لا عجزاً لمسیح معروف برسیف چشتیانی، شمس الہدایہ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان دماہل برتغیر اللہ عجائب (ہر دور سالہ)۔

ان تصانیف کے علاوہ آپ کے مکتوبات، طبیبات اور ملفوظات بھی شائع ہوئے۔

۱۔ یہ تقریب مغربی پاکستان میں اور جگہوں پر بھی ہوتی ہے مگر گولڑہ شریف میں خاص اہتمام سے بڑے پیمانے پر منائی جاتی ہے اور گولڑہ شریف کی سب سے بڑی اور پرانی تقریب ہے۔ ۲۵ ٹوس اور میلے مرتبہ ارمان سرمدی نے ان کے علاوہ آپ کی یہ تصانیف بھی ہیں۔ ۱۔ الفتوحات الصمدیہ

۲۔ تصنیف ماہین سنی و شیعہ (غیر مطبوع) ۳۔ فتاویٰ مہربہ (۲-۳)

حضرت میاں شیر محمد شرق پوری

ولادت _____ قصور ۱۲۸۴ھ

وفات _____ شرق پور ۱۳۴۷ھ

حضرت شیر محمد شرق پوری نقشبندیہ سلسلہ کے وہ مشہور صوفی بزرگ ہیں جنہوں نے خطہ پنجاب میں شریعت و طریقت کا نام زندہ کیا اور پنجاب کے گوشے گوشے کو اپنے انوار باطن سے روشن کیا۔

حالات | حضرت میاں صاحب کے مورث اعلیٰ کابل سے ہجرت کر کے پنجاب آئے اور قصور میں مقیم ہوئے۔ پھر حجرہ شاہ مقیم میں سکونت اختیار کی۔ میاں صاحب اسی جگہ ۱۲۶۵ھ میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم کے علاوہ عربی اور فارسی میں بھی تسلیم حاصل کی۔ خوش نویسی آسانی پیشہ تھا، چنانچہ یہی پیشہ اختیار کیا۔ مگر طبیعت بچپن ہی سے زہد و ریاضت اور معرفت و حکمت کی طرف مائل تھی۔ اس لیے جلد ہی منزل عرفان پر گامزن ہو گئے۔

بیعت | علوم ظاہری و باطنی سے فارغ التحصیل ہو کر بابا امیر الدین کے دستِ حق پر بیعت کی اور ان کی ہدایت کے مطابق اشغال نقشبندیہ میں سلوک کے منازل طے کرنے لگے۔

طریقت | جب آپ کے کمالات کی شہرت ہوئی تو لوگ جرق درجوق زیارت کے لیے آنے لگے۔ ہزاروں بندگانِ خدا آپ سے فیض حاصل کرتے۔ خلاف شریعت کاموں سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ چنانچہ مریدوں کو بھی شریعت پر سختی سے کاربند رہنے کی تلقین فرماتے۔ مرد و بچہ تصوف کے بھی سخت خلاف تھے۔ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ اپنا بندہ بنانے لگے کسی کو سجادہ نشین نہ بنائے۔ مجاہدات اور عبادت و ریاضت کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی صحت تک کا خیال نہ کرتے تھے۔ چنانچہ بہت کمزور ہوتے گئے۔

حکمت و نصیحت | میاں صاحب بڑے صاحبِ فہم اور دانا بزرگ تھے، ان کی باتیں حکمت و معرفت سے لبریز اور کی باتیں! عبرت آموز ہوتی تھیں۔ مسجدوں کے اموال پر بسبب اوقات کرنے والے مولویوں کو آپ ناپسند کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک امام مسجد نے کہا کہ میں امام مسجد ہوں مگر دوسرے مولویوں کی طرح نہیں۔ میاں صاحب نے پوچھا وہ کس طرح! امام مسجد نے کہا وہ لوگ مسجد کا مال کھاتے ہیں۔ میاں صاحب نے پوچھا پھر آپ کیا کھاتے ہیں۔ اُس نے کہا مجھے ایک حاجی صاحب خرچ دیتے ہیں۔ یہ سن کر میاں صاحب بولے: ایک ہی بات ہے یہ بھی مسجد کا مال ہوا۔

چلہ کشی آپ کو ناپسند تھی، چنانچہ ایک شخص نے آپ سے چلہ کشی کی اجازت چاہی تو فرمایا مجھے چلہ کشی پسند نہیں

ایک مرتبہ کسی شخص نے شکایت کی کہ مسجد میں بہت ہیں مگر نمازی کم ہیں اور زمانے کی ناقدری کا شکوہ کرنے لگے۔
میاں صاحب نے سن کر فرمایا، اصلاح ہی کرنی چاہیے، اگلے شکووں سے کیا فائدہ۔

ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر پوچھا کہ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیے کہ خدا مل جائے۔ فرمایا مجھے کوئی ایسا طریقہ تو نہیں آتا کہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر خدا کے ہاتھ میں دے دوں۔ ہاں اللہ اللہ کرنا آتا ہے تم بھی کر سکو تو یہی کرو۔ خدا سے ملنے کا یہی طریقہ ہے۔
حسب و نسب پر فخر یا رواجی درویشی اور فقیری کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے آپ کا شجرہ نسب طلب کیا۔ کہنے لگے میرے لیے تو ایک ہی شجرہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کافی ہے اور کسی شجرہ کی مجھے ضرورت نہیں پھر فرمایا ہم فقیر تو بنتے ہیں، مگر مسلمان نہیں بنتے۔

تواضع اور انکساری میں اپنی مثال آپ تھے۔ امیر و غریب دونوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے اور رواداری قائم رکھتے۔ ایک مرتبہ ایک دولت مند شخص مہمان بنا۔ کھانا سامنے آیا تو مہمان سے پوچھا آپ کے ساتھ کوئی اور شخص بھی ہے۔ اس نے کہا ہاں میرا ملازم ہے جو نیچے کھڑا ہے، آپ نے ملازم کو بلوایا اور اسے بھی ساتھ کھانے پر بٹھا لیا۔

ایک دفعہ کسی مزار پر تشریف لے گئے۔ جب نماز پڑھنے لگے تو دیکھا کہ امام کے سر پر سرکاری ٹوپی ہے۔ آپ نے امام سے پوچھا، آپ کی پگڑی کہاں ہے؟ اس نے کہا سرکار انگریزی نے مجھے یہی ٹوپی دی ہے۔ میاں صاحب نے اسی وقت اپنی پگڑی اتار کر اسے دو حصوں میں بچھا کر ایک حصہ امام کو دے دیا کہ اسے سر پر باندھ لو۔

بڑھاپے میں آپ بہت زیادہ کمزور ہو گئے، چنانچہ تپ محرقہ میں مبتلا ہو کر ۳ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ (اگست ۱۹۲۵ء) میں وفات پائی اور شرق پور میں دفن ہوئے۔ یہ قصبہ لاہور سے قریباً بیس میل کے فاصلہ پر ضلع شیخوپورہ میں واقع ہے۔
میاں صاحب | ہاں آپ کے پیر و مرشد حضرت بابا امیر الدینؒ کے حالات بھی مختصراً پیش کیے جاتے ہیں۔ حضرت بابا صاحب کے پیر و مرشد

۱۲۰۷ھ میں ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) دھرم کوٹ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ لگے زنی خاندان سے تھے ان دنوں رتھ چھتر میں جو دھرم کوٹ کے قریب ہی ایک قصبہ ہے، ایک نقشبندی بزرگ سید امام علی شاہ ساکن مکان شریف کی ولایت کی بڑی دھوم مچی۔ بابا صاحب بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مہیروں میں شامل ہو گئے۔

سید صاحب کی ہدایت کے مطابق بابا صاحب نے پولیس میں ملازمت کر لی۔ لاہور میں ملہ نام گاؤں کی پولیس چوکی میں تھانیدار کی حیثیت سے تعینات رہے، مگر طبعاً درویش منش انسان تھے، اس لیے زیادہ وقت ذکر و فکر میں گزارتا۔ سرکاری کام کی طرف زیادہ توجہ نہ دیتے۔ پولیس چوکی کے قریب ایک ٹیلے پر آپ نے مسجد بنوائی اور اُس میں عبادت کرتے رہتے تھے۔ چونکہ ملازمت کے باعث عبادت میں خلل پڑتا تھا، اس لیے جلد ہی مستعفی ہو گئے اور اطمینان سے اللہ اللہ کرنے لگے۔

آپ کے مرشد سید امام علی کو کوٹلہ پنجوبگ میں کچھ لڑائی بطور جاگیر ملی تھی۔ سید صاحب نے اس کے انتظام کے لیے بابا صاحب

کو وہاں بھیج دیا۔

بابا صاحب وہاں اٹھ اٹھے۔ اس وقت تک آپ جادہ طریقت کے شہسوار بن چکے تھے، چنانچہ آپ کی عظمت چھپی نہ رہی اور جلد ہی بستی اور اس کے قریب و چارہ کے لوگوں کو آپ کی باطنی کیفیت کا اندازہ ہو گیا اور دور دور سے لوگ اظہار عقیدت کے لیے آنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ غیر آباد جگہ رفتہ رفتہ آباد ہوتی گئی اور بابا صاحب کے احترام کے طور پر اسے کوٹلہ شریف کہا جانے لگا۔

بابا صاحب نے سوا سو سال کی عمر پائی۔ ۱۹۱۲ء میں انتقال فرمایا اور کوٹلہ میں دفن ہوئے۔ آپ کے ایک خادم کا نام میاں محمد دین تھا، وہی آپ کے خلیفہ بتائے جاتے ہیں۔ انہیں مصلیٰ کا لقب دیا گیا تھا۔ میاں محمد دین بھی ضلع گورداسپور کے باشندے تھے۔ ۱۲۸۳ھ میں اسی ضلع کے ایک قصبہ مسانیاں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام الہی بخش تھا جو قصبہ کے ایک معزز تاجر تھے۔

آپ نے بابا صاحب کی وفات تک ان کی خدمت کی۔ بابا صاحب سے بے انتہا محبت تھی۔ وہ دل و جان سے انہیں چاہتے تھے، مگر بابا صاحب اپنے آخری ایام میں ان سے ناراض ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود میاں محمد دین نے بابا صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا اور ہمیشہ ان کی دلجوئی کی کوشش کرتے رہے۔ بابا صاحب کی وفات کے بعد آپ نے اپنی قبر بابا صاحب کی قبر کے ساتھ بنوائی تھی۔ وفات کے بعد وہیں دفن ہوئے۔

میاں صاحب | میاں شیر محمد کے ایک مجازی خلیفہ کا نام حاجی عبدالرحمان تھا، جن کا مزار قصور میں ہے۔
 کے خلیفہ | حاجی صاحب میاں صاحب کے مجازی خلیفہ اور بعض روایتوں کے مطابق آپ کے محرم راز تھے۔
 میاں صاحب کی وفات کے بعد حاجی صاحب قصور چھوڑ کر شرق پور چلے گئے اور کئی سال تک وہیں رہے حتیٰ کہ جب بیمار پڑے تو ان کے خادم جن کا نام محمد دین تھا انہیں قصور لے آئے۔ حاجی صاحب وفات کے بعد قصور میں دفن ہوئے۔

- ۱ - اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کی حکایتیں -
- ۲ - صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کے چیدہ چیدہ اقوال -
- ۳ - شجرہ طریقت مشائخ سلسلہ چشتیہ
- ۴ - شجرہ طریقت مشائخ سلسلہ قادریہ
- ۵ - شجرہ طریقت مشائخ سلسلہ نقشبندیہ
- ۶ - مشائخ سلسلہ نقشبندیہ (جامعین ہر سہ سلاسل)
- ۷ - عرسائے بزرگانِ پاکستان (مقام عرس)
- ۸ - عرسائے بزرگانِ بھارت (مقام عرس)

اولیائے کرام اور بزرگان دین کی

حکایتیں

حاتم اصم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا کہ میں اپنے مال میں سے کچھ رقم آپ کو اور آپ کے مریدوں کو دینا چاہتا ہوں۔ فرمایا مجھے خوف اسی بات کا ہے کہ تیرے مرنے پر مجھے کہنا پڑے گا کہ اے آسمان کے روزی دینے والے زمین کا روزی دینے والا مر گیا۔

ایک دفعہ ایک سید حج کرنے جا رہا تھا، وہ بغداد میں حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا تم کون ہو، کس کی اولاد ہو اور کہاں رہتے ہو؟ اس نے کہا سید ہوں، گیلان میرا وطن ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے دادا حضرت علی کرم اللہ وجہہ دو تلواریں چلایا کرتے تھے، ایک کافروں پر دوسری اپنے نفس پر۔ تم کون سی تلوار چلاتے ہو؟ وہ شخص قدموں پر گر پڑا اور کہا میرا حج یہیں ہو گیا۔

بایزید بسطامی ایک رات مصروف عبادت تھے، مگر عبادت میں وہ ذوق اور کیفیت پیدا نہ ہوتی تھی جو ہر ہنی چاہیے تھی، بہت پریشان ہوئے۔ آخر خادم سے پوچھا دیکھو گھر میں کیا شے ہے؟ خادم نے تلاش کے بعد انگور کا ایک خوشہ پیش کیا کہ یہ رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا لے جاؤ اور کسی کو دے دو، ہمارا گھرمیوہ فروش کی دکان نہیں۔ اس کے بعد دوبارہ ذکر و فکر میں لگ گئے اور گم شدہ اطمینان اور سکون نصیب ہو گیا۔

ایک دفعہ حج کا قصد کیا تو تمام راستہ اس طرح طے کیا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دو دو رکعت نماز پڑھتے جاتے۔ بالآخر بارہ سال کے بعد مکہ پہنچے۔ فرمایا یہ دنیا کے بادشاہوں کا دربار نہیں، جہاں آدمی ایک دم جا پہنچے۔ پھر حج سے فارغ ہونے کے بعد روضہ رسول کی زیارت کرنے کے لیے مدینہ منورہ نہ گئے، پوچھا گیا آپ نے ایسا کیوں کیا۔ فرمایا روضہ رسول کی زیارت کوچ کا تالیع بنانا میرے نزدیک ادب کے خلاف ہے۔ لہذا میں زیارت کے لیے دوبارہ جاؤں گا۔ چنانچہ اگلے سال آپ نے

روضہ رسول کی زیارت کے لیے علیحدہ احرام باندھا۔

کسی نے ایک آتش پرست سے کہا کہ مسلمان ہو جاؤ، اس نے جواب دیا اگر مسلمان ہی ہے جیسی بایزید کی تو مجھ میں اس کی ہمت نہیں، اگر ایسی ہے جیسی تمھاری مسلمان تو یہ کوئی چیز نہیں۔

آپ سے پوچھا گیا، راہِ طریقت میں انسان کے لیے بہتر چیز کیا ہے فرمایا مادر زاد دوست پوچھا گیا اگر یہ نہ ملے تو؟ فرمایا چشم بینا پوچھا گیا، اگر یہ بھی میسر نہ ہو، فرمایا پھر سننے والے کان۔ لوگوں نے کہا اگر یہ بھی میسر نہ ہوں تو؟ فرمایا پھر مرگ مفاہات۔

ایک دفعہ آپ نے ایک امام کے پیچھے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد امام نے پوچھا، آپ کوئی کام کاج تو کرتے نہیں کھاتے کہاں سے ہیں؟ آپ نے فرمایا پہلے مجھے نماز کی قضا ادا کر لینے دو۔ کیونکہ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں جو اپنے روزی دینے والے کو نہیں جانتا۔

داؤد ظاہری مدینہ کے عالم فاضل تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ کے قاضی نے عید کے روز انھیں دیکھا کہ چوکر بھگو کر کھا رہے ہیں۔ قاضی نے ان کے ایک پڑوسی سے جو بہت دولت مند اور سخی تھا۔ شکایت کی کہ آپ اپنے پڑوسی کا خیال نہیں رکھتے پڑوسی کہنے لگا، میں نے ایک ہزار درہم انھیں بھیجے تھے مگر انھوں نے درہم لے جانے والے ملازم کو تھیلی سمیت واپس کر دیا اور کہلا بھیجا کہ تم مجھے کس آنکھ سے دیکھتے ہو اور میری کون سی حاجت کا تمہیں خیال آیا کہ یہ رقم تم نے میرے پاس بھیجی۔ ہم سب نے قاضی سے کہا کہ اب آپ ہی بتائیے میں کیا کروں؟

قاضی نے کہا تم رقم مجھے دو میں انھیں دے آتا ہوں۔ چنانچہ اس نے قاضی کو ایک ہزار کی بجائے دو ہزار درہم دیے۔ جب قاضی نے داؤد ظاہری کی خدمت میں جا کر تھیلی پیش کی تو انھوں نے فرمایا میں نے تمہیں عالم سمجھ کر اندر آنے دیا، تم نے میری اندرونی کیفیت کا حال دوسرے شخص پر ظاہر کر کے امانت میں خیانت کی ہے۔ قاضی یہ جواب پا کر تھیلی اٹھا کر چپ چاپ واپس لگے۔

یونس بن علیٰ خواجہ حسن بصری کے فیض یافتہ تھے۔ ریشمی کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ریشم کا نرخ بڑھ گیا، مگر جس تاجر سے آپ نے ریشم خریدا، اس نے انھیں پہلے نرخ پر ہی دے دیا۔ آپ نے متعجب ہو کر پوچھا کیا تمہیں نرخ کے بڑھ جانے کا علم نہیں؟ اس نے جواب دیا اگر علم ہوتا تو میں اپنا مال اس نرخ پر آپ کو کیوں دیتا۔ یونس نے سارے کا سارا

رشیم جو آپ نے اُس سے خرید لیا تھا اور جس کی مالیت تیس ہزار تھی۔ یہ کہتے ہوئے اُسے واپس کر دیا کہ میں تمہاری بے خبری سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا۔

شقیق بلخیؒ ایک قبرستان کے قریب سے گزرے تو ساتھیوں سے فرمانے لگے: یہاں سب جھوٹے لوگ سوئے پڑے ہیں۔ ساتھی بہت حیران ہوئے اور پوچھا: حضرت کیا مطلب؟ فرمایا: یہ لوگ زندگی میں کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس مال ہے اور ہمارے بال بچے ہیں، اگر یہ سب چیزیں حقیقتاً انہیں کی ملکیت ہوتیں تو یہ لوگ ان میں سے کسی ایک شے کو ہی اپنے ساتھ لاتے۔

ایک مرتبہ آپ نے ابراہیم ادھمؒ سے پوچھا کہ آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ انہوں نے کہا روزی مل جائے تو شکر کرتا ہوں، نہ ملے تو صبر کر لیتا ہوں۔ فرمایا یہ حالت تو ہمارے ہاں کے کتوں کی بھی ہے۔ ابراہیم ادھم نے پوچھا: آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا مل جائے تو خیرات کر دیتا ہوں، نہ ملے تو شکر ادا کرتا ہوں۔ ابراہیم ادھم بولے: پھر آپ میرے استاد ہیں۔

ایک بوڑھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میں نے بہت گناہ کیے ہیں، توبہ کرنے آیا ہوں۔ فرمایا تم بہت دیر سے آئے۔ بوڑھے نے کہا میں جلدی آیا ہوں، کیونکہ جو شخص موت سے پہلے آجائے اُسے جلدی آنا ہی سمجھنا چاہیے۔ آپ نے پرسن کر فرمایا تم نے خوب کہا اور خوب آئے۔

خلیفہ ہارون الرشید نے آپ سے نصیحت چاہی تو فرمایا اگر تو جنگل میں اتنا پیاسا ہو جائے کہ مرنے لگے اور کوئی شخص ایک گھونٹ پانی کے بدلے میں تجھ سے ادھی سلطنت مانگے تو کیا تو دے دے گا؟ خلیفہ نے کہا ضرور دوں گا۔ پھر پوچھا اگر تیرا پیشاب بند ہو جائے اور کوئی شخص ادھی سلطنت کے عوض تیرا علاج کر سکے۔ خلیفہ نے کہا میں ادھی سلطنت دے دوں گا۔

فرمایا پھر ایسی حکومت پر کیا فخر کرتے ہو جس کی قیمت پانی کا ایک گھونٹ ہو؟ خلیفہ پرسن کر رو دیا۔

مالک بن دینار جب آیت **نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ** (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) پڑھتے تو زار و قطار رونے لگتے۔ پوچھا گیا آپ کیوں روتے ہیں۔ فرمایا اگر یہ قرآن کی آیت نہ ہوتی تو میں اسے

ہرگز نہ پڑھتا۔ دریافت کیا گیا، کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ ہم منہ سے تو اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر ہم دوسروں پر امید رکھتے ہیں اور دوسروں کا سہارا تلاش کرتے ہیں۔

احمد حرب نے اپنے ایک پڑوسی سے جو آتش پرست تھا، پوچھا تم آگ کو کیوں پوجتے ہو؟ اس نے کہا اس لیے کہ مجھے عذاب سے بچانے۔ آپ نے فرمایا جو چیز اتنی کمزور ہو کہ ایک بچہ اس پر پانی ڈال دے اور وہ بچھ جائے، وہ تمہیں عذاب کے عذاب سے کیسے بچا سکتی ہے۔ پھر فرمایا تم نے ستر سال تک اس کی پوجا کی ہے اور میں نے نہیں کی، اڈھم دونوں اپنا اپنا ہاتھ اس میں ڈالنے ہیں، دیکھیں یہ تمہارا کتنا خیال کرتی ہے۔

آتش پرست کے دل پر اس بات کا بڑا اثر ہوا اور وہ مسلمان ہو گیا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک روز وعظ فرما رہے تھے بہت سے لوگ جمع تھے، اتنے میں بارش ہونے لگی۔ آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا، میں تیرے لیے لوگوں کو جمع کرتا ہوں اور تو انہیں منتشر کرتا ہے۔ یہ فرمانا تھا کہ بارش کی گئی

ایک شخص کا بیان ہے کہ میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دل میں خیال آیا کہ آپ کی کوئی کرامت دیکھوں اس خیال کا آنا تھا کہ حضرت نے میرے چہرے پر نظر کی اور مسکرائے پھر اپنا عصا جو ہاتھ میں تھا زمین میں گاڑ دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس سے ایسی روشنی نکلی جس نے اس پاس کی تمام چیزوں کو منور کر دیا۔

ایک دفعہ عباسی خلیفہ روپوں کی ایک تھیلی حضرت غوث اعظم کی خدمت میں لایا۔ حضرت نے تھیلی لینے سے انکار کر دیا۔ جب خلیفہ نے بہت اصرار کیا تو آپ نے تھیلی کو اٹھایا اور اپنے ہاتھوں سے اسے بچوڑا تو اس میں سے خون بہنے لگا۔ پھر خلیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا "تمہیں شرم آنی چاہیے کہ تم لوگوں کا خون میرے پاس لائے ہو، اگر تمہارا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل نہ ہوتا تو میں یہ خون تمہارے محلات تک بہا دیتا۔"

ذوالنون مصریؒ کشتی میں سوار کہیں جا رہے تھے کہ مسافروں میں سے ایک سوداگر کاموتی گم ہو گیا۔ چونکہ تمام مسافروں میں سب سے شکستہ حال آپ تھے اور بہت بوسیدہ لباس پہن رکھا تھا۔ سوداگر نے آپ ہی پر شبہ کیا اور شور مچا دیا کہ میرا موتی اس نے لیا ہے۔ چنانچہ لوگ آپ پر سختی کرنے لگے۔ آپ نے دریا کی طرف دیکھ کر فرمایا "اے دریا کے رہنے والو، یہ لوگ تو مجھے نہیں جانتے، تم تو پچھتے ہو، یہ کہنا تھا کہ تمام پھلیاں منہ میں موتی لیے کشتی کے پاس آگئیں۔ تمام مسافر یہ

منظر دیکھ کر حیران ہو گئے۔

ایک مرتبہ پہاڑوں میں پھر رہے تھے کہ بہت سے لوگوں کو جمع دیکھا، پوچھنے پر آپ کو بتایا گیا کہ یہاں ایک عابد رہتے ہیں، جو سال میں ایک مرتبہ باہر آتے ہیں اور بیماروں پر دم کرتے ہیں۔ جس سے انھیں شفا نصیب ہو جاتی ہے۔ پھر واپس اپنی عبادت گاہ میں چلے جاتے ہیں۔ آپ وہاں رگ گئے تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ ایک نہایت کمزور اور ضعیف شخص باہر آیا۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور چہرہ زرد تھا، مگر ان سے بلا کی ہیبت ظاہر ہوتی تھی۔ عابد نے باہر آتے ہی آسمان کی طرف نظر اٹھائی پھر تمام بیماروں پر شفقت کی نظر کی اور دم کیا۔ جب وہ عبادت گاہ میں واپس جانے لگے تو ذوالنون مصری نے ان کا دامن تھام لیا اور فرمایا آپ نے علت ظاہری کا علاج تو کر دیا، اب علت باطنی کا بھی علاج کریں۔ عابد نے ان کی طرف دیکھ کر کہا: میرا دامن چھوڑ دے اس لیے کہ دوست اپنی شانِ جلالی کے ساتھ دیکھ رہا ہے اور جب وہ یہ دیکھ لے گا کہ تم اسے چھوڑ کر غیر کا دامن تھام رہے ہو تو وہ تجھے غیر سی کے حوالے کر دے گا۔ یہ کہہ کر عابد اپنی عبادت گاہ میں چلا گیا۔

آپ کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ سجدہ میں میری آنکھ لگ گئی، میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے سنا کہ: اے ابوالفیض! میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور وہ دس حصوں میں تقسیم ہوئی۔ جب میں نے دنیا ان کے سامنے پیش کی تو انہوں نے اس کی طرف توجہ دی اور ایک حصے نے اسے قبول نہ کیا، پھر ایک حصے نے اس کو قبول نہ کیا اور جب میں نے جنت ان کے سامنے پیش کی تو ان میں سے انہوں نے اس کی طرف توجہ دی اور ایک حصے نے جنت کو قبول نہ کیا۔ پھر اس ایک حصے کے مزید دس حصے ہو گئے۔ جب میں نے دوزخ ان کے سامنے پیش کی تو انہوں نے دوزخ کے خوف سے پریشان ہو گئے اور صرف ایک حصہ رہ گیا جس نے دوزخ کی طرف مطلق توجہ نہ دی اور وہ نہ گھبرائے۔ یہ حصہ جنت کی طرف بھی مائل نہ ہوا۔ پس میں ان سے مخاطب ہوا کہ اے میرے بندو! میں نے تمہارے سامنے دنیا پیش کی تو تم نے اسے قبول نہ کیا جنت لانی گئی تو تم نے اس کی طرف بھی توجہ نہ دی اور جب دوزخ سامنے کی تو تم اس سے بھی نہ ڈرے۔ آخر تم ہی بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟ چنانچہ انہوں نے سر جھکا کر عرض کیا کہ اے اللہ! جو کچھ ہم چاہتے ہیں وہ تو جانتا ہی ہے۔

آپ کے پاس ایک لڑکا آیا اور کہا مجھے ایک لاکھ دینار میراث میں ملے ہیں، میں انھیں آپ کی نذر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو بالغ نہیں، اس لیے صبر کر جب تک تو بالغ نہ ہو جائے انھیں صرف نہیں کر سکتا۔ جب لڑکا بالغ ہو گیا تو پھر آپ کی خدمت میں آیا اور ساری رقم محتاجوں میں تقسیم کر دی۔ پھر ایک موقع پر اس نے کہا، کاش یہ رقم میرے پاس ہوتی۔

ذوالنون نے سوچا کہ ابھی یہ لڑکا حقیقت سے دور ہے۔ چنانچہ آپ نے اُس سے کہا کہ فلاں دو اور فلاں سے فلاں دو والاؤ۔ وہ لڑکے لے آیا۔ آپ نے اُس کی گولیاں بنا کر ان پر کچھ پڑھا تو وہ باقوت کے ٹکڑے بن گئیں۔ پھر لڑکے کو دے کر فرمایا کہ بازار میں جا کر ان کی صرف قیمت پوچھ آؤ بیچنا نہیں۔ لڑکا انھیں جوہری کے پاس لے گیا۔ جوہری نے کہا کہ ہر ٹکڑا لاکھ دینار کی مالیت کا ہے اگر تم بیچنا چاہو تو ہم خرید لیتے ہیں، مگر لڑکے نے حکم کے بموجب انھیں فروخت نہ کیا اور واپس آکر ذوالنون کو ان کی قیمت بتائی۔ آپ نے وہ ٹکڑے لڑکے کے ہاتھ سے لے لیے اور انھیں باریک پیس کر پانی میں گھول دیا۔ پھر لڑکے سے مخاطب ہو کر فرمایا یہ درویش روٹی کے بھوکے نہیں بلکہ ان کی یہ حالت اختیار ہی ہے۔ لڑکے نے یہ بات سن کر توبہ کی۔

خواجہ فضیل بن عیاض خراسان کے رہنے والے تھے۔ ابتدا ڈاکو تھے۔ تسبیح لگنے میں ڈال کر چروں کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ لوٹ کے مال کی تقسیم ان کے سپرد تھی۔ نماز باجماعت کے بھی سختی سے پابند تھے۔ ایک عورت سے عشق تھا۔ تقسیم کے مال سے جو حصہ ملتا وہ سب اُسی کو دے دیتے۔ ایک دن کسی قافلے کے لوٹنے کے لیے نکلے، راستہ میں قرآن مجید کی ایک آیت کان میں پڑھی، ایسا اثر ہوا کہ لوٹ مار سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی، کوثر میں آکر امام ابو حنیفہ کی شاگردی اختیار کی اور عزت اختیار کر کے یاد اللہ میں مشغول ہو گئے۔

ایک دفعہ تلاوت قرآن میں مصروف تھے کہ خلیفہ ہارون الرشید ملاقات کے لیے ان کے مکان پر آیا۔ دروازہ پر دستک دی۔ آپ نے پوچھا کون ہے۔ فضل برکی خلیفہ کے ساتھ تھا، وہ بولا امیر المؤمنین آئے ہیں۔ فضیل بولے اُسے مجھ سے اور مجھے اُس سے کیا کام؟ فضل نے کہا امیر کی اطاعت واجب ہے۔ چنانچہ بادل ناخواستہ اُٹھے، چراغ گل کر دیا اور دروازہ کھولا۔ ہارون نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا، آپ نے اس کے زرم ہاتھ کو محسوس کر کے فرمایا کتنا اچھا ہاتھ ہے، کاش یہ اُتس دوزخ کے خلاصی پائے۔ ہارون یہ سن کر رونے لگا، اور عرض کیا مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ نے کہا تمھارے باپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے چچا تھے، جب انھوں نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے بھی کسی قوم پر امیر بنا کر بھیجیں تو رسول اللہ نے فرمایا آپ کے لیے طاعت حق بہتر ہے۔

ہارون نے کہا مزید نصیحت فرمائیں۔ بولے جب عمر بن عبدالعزیز کو خلافت سپرد کی گئی تو آپ نے سالم بن عبداللہ اور محمد بن کعب کو بلا کر کہا کہ میں اس مصیبت میں ڈالا گیا ہوں، مجھے کیا ناچا ہے۔ انھوں نے کہا اگر تم قیامت میں نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو بڑھوں کو باپ کی طرح، جوانوں کو بھائی کی طرح، بچوں کو اپنی اولاد کی طرح اور عورتوں کو اپنی بہنوں کی طرح سمجھو۔ جب یہ نصیحتیں سن کر ہارون جانے لگا تو ہزار دینار کی تھیلی آپ کو پیش کی۔ آپ نے تھیلی دیکھ کر فرمایا، ہارون میری نصیحتیں تیرے کام نہ آئیں اور تو نے اسی جگہ سے ظلم شروع کر دیا۔ میں تمھاری نجات چاہ رہا ہوں اور تم مجھے بلا میں پھنسا رہے ہو۔ یہ فرمایا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہارون چلا گیا، باہر نکل کر دُور سے کہا درحقیقت مرد خدا خواجہ فضیل ہی ہیں۔

واووطانی کی طرف ایک شخص بہت دیر تک دیکھتا رہا۔ آپ نے اس سے فرمایا تم نہیں جانتے جس طرح بہت باتیں کرنا مکروہ ہے اسی طرح بہت دیکھنا بھی مکروہ ہے۔

ابراہیم ادھمؒ ایک مرتبہ کسی جنگل میں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کوتوال مل گیا۔ اُس نے آپ سے پوچھا آبادی کس طرف ہے۔ آپ نے ناصیے پر ایک قبرستان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا وہ ہے۔ کوتوال کے ہاتھ میں بید تھا اُس نے غصتہ میں آپ کے سر پر دے مارا اور کہا تو ہم سے مذاق کرتا ہے۔ پھر اپنے ساتھ شہر کی طرف لے گیا۔ شہر پہنچتے ہی لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ کوتوال نے لوگوں سے کہا تم کیوں جمع ہو گئے ہو۔ وہ کہنے لگے آپ شاید نہیں جانتے یہ ابراہیم ادھمؒ ہیں۔ کوتوال آپ کا نام سنتے ہی قدموں پر گر پڑا اور معافی چاہی۔ پھر پوچھا کہ آپ نے مجھے آبادی کا پتا پوچھنے پر قبرستان کا پتہ کیوں بتایا۔ فرمایا اس لیے کہ قبرستان دوزخ بڑھ رہے اور شہر ویران ہو رہے ہیں۔ اس لیے حقیقی آبادی تو قبرستان ہی ہے۔

ابوالحسن خرقانیؒ اپنے مریدوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کئی دنوں سے سب فاتحوں سے تھے۔ ایک شخص اُٹنے کی بوری اور بکری لے کر حاضر ہوا اور کہا میں یہ چیزیں صوفیوں کے لیے لایا ہوں۔ شیخ نے مریدوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تم میں جو صوفی ہو وہ لے لے، میں صوفی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مریدوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا مگر کسی نے وہ چیزیں لینے کی جرات نہ کی۔

عبداللہ بن مبارکؒ ہارون الرشید کے زمانہ میں بہت بڑے فقیہ اور حدیث میں ثقہ مانے جاتے تھے۔ زہد و ریاضت اور علم و فضل میں بیگانہ تھے۔ عام و خاص میں وہ قبولیت حاصل کی کہ کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ ایک دفعہ آپ رتہ گئے۔ اہل رتہ کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو جوق در جوق زیارت کے لیے حاضر ہونے لگے۔ دیکھتے دیکھتے چاروں طرف ہزاروں افراد کا ہجوم ہو گیا۔

ان دنوں ہارون الرشید بھی رتہ میں آیا ہوا تھا اور اس کی اہلیہ بھی ساتھ ہی۔ ہارون کی اہلیہ نے عبداللہ بن مبارک کا ایسا شاندار استقبال اور اتنی مقبولیت دیکھ کر پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ خراسان کے مشہور عالم ہدین عبداللہ بن مبارکؒ ہیں۔ وہ بولی و حقیقت سلطنت اس کا نام ہے کہ لوگ خود بخود زیارت کو ٹوٹے پڑتے ہیں ہارون کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ ساہمیوں کے بغیر ایک شخص بھی حاضر نہیں ہو سکتا۔

ایک مرتبہ آپ حج سے فارغ ہو کر حرم میں سو گئے۔ خواب میں دو فرشتوں کی باتیں سنیں۔ ایک نے پوچھا اس سال کتنے لوگ حج کو آئے؟ دوسرے فرشتے نے کہا چھ لاکھ۔ پہلے فرشتے نے پوچھا کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا۔ دوسرے نے کہا کسی کا حج

قبول نہیں ہوا، البتہ دمشق میں علی بن موفیٰ ایک موچی رہتا ہے اگرچہ وہ حج کرنے نہیں آیا مگر اس کا حج قبول ہو گیا اور اسی کے طفیل ان تمام لوگوں کا حج قبول ہوا۔

عبداللہ بن مبارک پیدا ہوتے ہی اس موچی کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ اس کے مکان پر پہنچ کر دستک دی۔ علی بن موفیٰ باہر آیا تو آپ نے خواب اس سے بیان کیا اور پوچھا تمہارا حج کیسے قبول ہوا؟ موچی نے کہا، میں نے حج تو نہیں کیا مگر ساری عمر چڑا سنی ہے حج کے لیے کچھ رقم جمع کی اور حج پر جانے کے لیے تیار تھا، اس دوران میں ایک دن میری بیوی نے پڑوسی کے ہاں سے تھوڑا سا لہن طلب کیا، اُس نے کہا یہ گوشت تم پر حلال نہیں، اس لیے کہ سات دن کے فاقوں کے بعد بچوں کی بھوک سے بے تاب ہو کر تم نے مردار پکایا ہے۔

یہ سن کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ میں نے جتنا روپیہ حج کے لیے جمع کیا تھا وہ سارے کا سارا اٹھا کر ان کے گھر لے آیا تاکہ وہ اپنے بال بچوں پر خرچ کریں۔

عبداللہ بن مبارک نے یہ سن کر فرمایا، واقعی فرشتوں نے سچ کہا تھا۔

ایک مرتبہ ایک غلام کو دیکھا جو سخت سردی میں صرف ایک کرتا پہنے تھا اور سردی سے کانپ رہا تھا۔ آپ نے اُس سے کہا تو اپنے اُقا سے کپڑا کیوں نہیں مانگتا۔ غلام نے کہا جب اُقا دیکھتا ہے تو میں اُس سے کیوں کہوں؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا، طریقت اس غلام سے سیکھنی چاہیے۔

داتا گنج بخش فرماتے ہیں، میں ایک دفعہ کرمان گیا اور وہاں شیخ ابوالحسن مظفر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پریشان حال تھا، انھوں نے فرمایا، ابوالحسن، کوئی خواہش ہے؟ میں نے کہا سماع کی خواہش ہے۔ انھوں نے ایک قوال کو بلایا اور کچھ درویش بھی آگئے۔ مجھے سماع کے الفاظ نے مضطرب کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب میرا اضطراب اور جوش کم ہوا تو شیخ ابوالحسن مظفر نے پوچھا، سماع کا کیسا اثر ہوا؟ میں نے کہا اُسے شیخ بہت خوشی ہوئی۔ وہ بولے، ابوالحسن ایک وقت اُسے گا جب سماع اور کوئے کی آواز میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ کیونکہ تو تہ سماع اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ حاصل نہ ہو۔ مشاہدہ حاصل ہو جائے تو سماع کی خواہش نہیں رہتی۔

میں عثمان جلالی کا بیٹا علی ہی پسند کرتا ہوں کہ سماع میں بڑا طبیعت کو پریشان نہ کیا جائے۔

ذوالنون مصری نے بایزید بسطامی کو کہلا بھیجا کہ تم رات کو آرام سے جنگل میں سوتے ہو، قافلہ تو چلا گیا۔ بایزید نے جواب میں کہلا بھیجا کہ مرد کامل توفہ ہے جو رات کو آرام سے سوئے اور پھر صبح کے وقت قافلہ کے پہنچنے سے پہلے منزل پر جا پہنچے

ذوالنونؒ یہ جواب پا کر رو دیے اور کہلا بھیجا کہ بایزید مبارک ہو، ہم اس مرتبے کو نہ پہنچے۔

ابوبکر شبلیؒ کی مجلس میں ایک روز عبداللہ رازیؒ ایک قیمتی جُعبہ پہن کر اُٹے جو انھیں کسی امیر نے عطا کیا تھا۔ ابوبکرؒ اس وقت کلاہ اوڑھے ہوئے تھے۔ عبداللہ رازیؒ نے شبلیؒ کی کلاہ دیکھ کر دل میں کہا کاش یہ کلاہ میرے پاس ہوتی اور میں جُعبے کے ساتھ اوڑھتا۔ دونوں کا جوڑ بہت اچھا رہتا۔

رازیؒ ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ شبلیؒ نے ان کی طرف گھور کر دیکھا، پھر اُٹھے اور رازیؒ کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے مکان پر لے گئے۔ کہا کہ اپنا جُعبہ اتار دو۔ رازیؒ نے ارشاد کی تعمیل کی اور جُعبہ اتار دیا۔ شبلیؒ نے جُعبے کو تہ کیا، پھر اپنی کلاہ اتار کر جُعبے پر رکھ دی اور دونوں کو اٹھا کر تنور میں پھینک دیا، چنانچہ دونوں جل کر راکھ ہو گئیں۔ شبلیؒ نے فرمایا میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ اُتدہ بھی جب کبھی تو دوسروں کا لباس دیکھے تو تیرا نفس ان کے حصول کے لیے تجھے نہ بہکائے۔

خواجہ جمال موصیؒ کو ساہا سال کی ریاضت و مجاہدہ کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں قبر کے لائق جگہ ملی۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ میری قبر پر یہ کتبہ لکھا جائے "وہ کتا جو کسی سعادت مند کے پیچھے ہو لیتا ہے، وہ بہتر ہے"۔

مولانا ظہیر الدین دہلوی ایک مرتبہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کی خدمت میں آئے تو خواجہ صاحب کے کمرے سے انھیں عود کی خوشبو آئی۔ سمجھے کہ شاید عود جلا یا جا رہا ہے۔ جب کمرہ کھلا تو دیکھا اندر کچھ بھی نہ تھا۔ بہت حیران ہوئے۔ خواجہ صاحب نے نور باطن سے ان کے دل کی بات جان لی۔ فرمایا یہ عود کی خوشبو نہیں بلکہ خدائی عطیہ ہے۔

خواجہ باقی باللہؒ ابھی عمر کے چالیسویں سال میں قدم رکھتے ہی والے تھے کہ ایک دن اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا جب میں چالیس سال کا ہو جاؤں گا تو ایک بڑا واقعہ پیش آئے گا۔ پھر ایک دن اٹلیٹہ میں اپنا چہرہ دیکھ کر اہلیہ سے کہا کہ اس کے اندر جھانکو۔ اہلیہ نے دیکھا تو ایک نہایت ضعیف مرد نظر آیا۔ بولیں یہ تو آپ کی صورت نہیں۔ خواجہ صاحب مسکرا دیے اور اپنی اصلی صورت اٹلیٹہ میں دکھادی۔

ابوبکر وراقؒ کا لڑکا کاتب میں پڑھتا تھا۔ ایک دن جب وہ پڑھ کر گھر لوٹا تو ابوبکرؒ نے دیکھا کہ اس کے چہرے کا رنگ فق ہے اور دریا ہے۔ آپ نے ماجرا پوچھا، بیٹے نے کہا آج میرے استاد نے ایک ایسی آیت سنائی جسے سنتے ہی میں بے حال ہو گیا۔ ڈر کے مارے میرے آنسو نکل اُٹے اور ابھی تک جاری ہیں۔ باپ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے۔ بیٹے

نے کہا وہ آیت یہ ہے **يَوْمًا يُجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا** (اس دن کہ جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا)۔ اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد بچے کا انتقال ہو گیا۔ ابو بکر وراق بیٹے کی قبر پر جایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے "اے ابو بکر! تیرا بیٹا تو ایک ہی آیت سن کر اُس کی تاب نہ لاتے ہوئے راہِ حق میں قربان ہو گیا، مگر تجھے قرآن پڑھتے ایک عمر گزرنی ہے اور تجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔"

ابو عبد اللہ جلالؒ نے ایک نوجوان اور نہایت خوبصورت شخص کو دیکھا جو آتش پرست تھا۔ آپ اُس کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد جنید بغدادیؒ بھی وہاں پہنچے۔ ابو عبد اللہ نے جنید سے مخاطب ہو کر فرمایا کتنا حسین چہرہ ہے جو آگ کی نذر ہو گا! یہ سن کر جنید بولے یہ صرف نفس کا دھوکہ ہے کیوں کہ کائنات میں اس سے بھی بڑھ کر ہزاروں خوبصورت چیزیں ہیں اور مجھے افسوس ہے کہ تم نے انھیں عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

سفیان ثوریؒ ایک دن مسجد میں داخل ہوئے تو پہلے بائیں پاؤں اندر رکھا۔ مسجد کے ایک کونے سے آواز آئی "سفیان! تم اللہ کے گھر میں بے سوچے سمجھے قدم رکھتے ہو" یہ سن کر آپ رو دیے اور اپنے آپ سے کہا "سفیان! اگر تم انسانوں کی طرح مسجد میں داخل ہوتے تو آج تمہارا شمار حیوانوں میں نہ ہوتا۔"

شاہ کلیم اللہؒ کی خدمت میں ایک طالب علم آیا اور کہا میں ہر نماز کی نیت میں کہتا ہوں کہ میرا منہ کبے کی طرف ہے مگر کعبہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ شاہ صاحب مسکرا دیے اور فرمایا آنکھیں بند کرو۔ طالب علم نے آنکھیں بند کر لیں۔ شاہ صاحب نے پوچھا کچھ نظر آتا ہے۔ طالب علم کہنے لگا "ہاں حضرت! بیت اللہ شریف کو دیکھ رہا ہوں۔" آپ نے فرمایا تقویٰ اختیار کرو اور خدا کی اطاعت کرو اور وقت ایسا ہو سکتا ہے۔

معروف کرخیؒ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ کسی کام سے باہر جانا پڑا۔ آپ نے اپنا مصلے اور قرآن مجید ایک کونے میں رکھ دیا اور چلے گئے۔ ایک بڑھیا مسجد میں آئی اور دونوں چیزوں پر نگاہ پڑی، جب دیکھا کہ کوئی شخص موجود نہیں تو انھیں اپنی چادر میں چھپا کر لے گئی۔ راستے میں معروف کرخی مل گئے جو واپس مسجد کی طرف آ رہے تھے۔ نور باطن سے معلوم کر لیا کہ بڑھیا مصلے اور قرآن مجید لیے جا رہی ہے۔ آپ نے بڑھیا سے پوچھا تیرا لڑکا قرآن پڑھتا ہے، بڑھیا نے کہا نہیں۔ فرمایا مصلے تو تمہارے کام آسکتا ہے مگر قرآن تمہارے کس کام۔ بڑھیا گھبرا گئی اور دونوں چیزیں وہیں چھوڑ کر فرار ہو گئی۔

جنید بغدادیؒ کے پاس ایک شخص دینار کی ایک تھیلی لایا اور ان کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا

تمہارے پاس اور مال بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں بہت ہے۔ فرمایا تو اور مال بھی چاہتا ہے، اس نے کہا کیوں نہیں؟ فرمایا پھر یہ بھی واپس لے جا، کیونکہ تو ہی اس کا مستحق ہے۔ میں کچھ نہ رکھنے کے باوجود اس کی خواہش نہیں رکھتا۔

ایک چور کو پھانسی پر چڑھایا گیا۔ جنید بغدادی اس کے قریب گئے اور اس کے قدموں کو چوما۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا؟ فرمایا اس پر ہزاروں رحمتیں ہوں کہ اس نے جس کام کو شروع کیا اسے انجام تک پہنچایا، یہاں تک کہ اس کے لیے جان دیدی۔

ایک دفعہ خلیفہ وقت نے آپ کے ایمان کی آزمائش کے لیے ایک خوبصورت نوجوان عورت بھیجی تاکہ وہ آپ کو گمراہ کرے۔ جونہی وہ آپ کے سامنے آئی، آپ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا ہی تھا کہ وہ لڑکھڑا کر گری اور گرتے ہی دم توڑ دیا۔ خلیفہ کو پتا چلا تو آپ کو بلا کر پوچھا، یہ آپ نے کیا کیا؟ ایسی صورت کو خاک میں ملا دیا؛ آپ نے خلیفہ کو جواب دیا کہ آپ نے کیا کیا جو میری چالیس سال کی عبادت کو خاک میں ملانے کے درپے ہو گئے!

آپ اپنے مریدوں میں ایک مرید کو بہت چاہتے تھے اور دوسروں کی نسبت اس سے زیادہ اچھا سلوک کرتے تھے۔ مریدوں نے شکایت کی، تو آپ نے فرمایا اس میں فراست تم سے زیادہ ہے۔ پھر امتحان کے لیے سب مریدوں کو ایک ایک جانور اور ایک ایک چھری دے کر فرمایا اسے وہاں جا کر ذبح کرو، جہاں کوئی نہ دیکھے۔ مرید چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد جانور ذبح کر کے لے آئے۔ مگر وہ مرید زندہ جانور واپس لے آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا تم نے اسے ذبح کیوں نہ کیا۔ اس نے کہا آپ نے فرمایا تھا کہ اسے ایسی جگہ ذبح کرو جہاں کوئی نہ دیکھے، مگر خدا ہر جگہ حاضر نظر ہے میں اسے کہاں لے جا کر ذبح کروں۔

آپ نے مریدوں کو مخاطب کر کے فرمایا تم نے دیکھ لیا میں اسے تم سب سے زیادہ کیوں چاہتا ہوں۔

آپ کے ایک مرید کا چہرہ کسی گناہ کے سبب سیاہ ہو گیا۔ تین دن تک سیاہ رہنے کے بعد سیاہی جاتی رہی۔ آپ نے مرید کو لکھ بھیجا کہ میں آج تین دن سے تمہارے لیے دھوبی کا کام کر رہا ہوں۔

ایک شخص نے پانچ سو دینار آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے پاس باور دینار بھی ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے اس کے دینار واپس کرتے ہوئے فرمایا مجھ سے زیادہ تمہیں ان کی ضرورت ہے، لہذا لے جاؤ۔ میرے پاس اگرچہ کچھ نہیں، پھر بھی مجھے ان کی خواہش نہیں۔

اور جب غور کرتا ہوں تو مجھے یہ سوچا سستا معلوم ہوتا ہے۔

سفیان ثوریؒ اور خلیفہ ہارون الرشید بچپن کے دوست تھے۔ جب ہارون خلیفہ ہوا تو سفیان نے اس سے ملاقات ترک کر دی، ہارون کو اس سے ملنے کا اشتیاق ہوا اور اُسے خط لکھا کہ خدا نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا ہے، چنانچہ میرے اور تمہارے تعلقات اسی طرح قائم ہیں جس طرح تھے۔ میرے تمام دوست مجھے مبارک باد دینے آتے ہیں اور میں انہیں اس کا صلہ دیتا ہوں، مگر تم ابھی تک میرے پاس نہیں آئے، یہ شانِ خلافت کے خلاف ہے۔ تم ضرور آؤ۔

سفیان ثوری نے جواباً لکھا کہ میں نے تمہیں پہلے اطلاع دے دی ہے کہ میرا اور تمہارا اب کوئی تعلق نہیں رہا۔ پھر اپنے خط میں تم نے تسلیم کیا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال سے بے جا طور پر خرچ کیا ہے۔ اس کے باوجود تمہاری تسلی نہیں ہوئی اور تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن میں بھی تمہارے اسراف کی گواہی دوں۔ تجھے خدا کے سامنے جواب دہی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ تو شان و شوکت سے زندگی بسر کرتا ہے۔ تیرے عامل خود شراب نوشی کرتے ہیں، مگر دوسروں کو شراب پینے پر سزا دیتے ہیں۔ خود چوری کرتے ہیں مگر دوسروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں۔ ان جرائم کی پہلے تجھے اور تیرے عاملوں کو سزا ملنی چاہیے، پھر دوسروں کو۔ قیامت کے دن تیری مشکلیں بندھی ہوں گی، تو آگے آگے ہو گا اور تیرے عمال تیرے پیچھے پیچھے۔ اس حال میں تجھے دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔ میں نے تیری خیر خواہی کے لیے یہ باتیں لکھ دیں۔ آئندہ مجھے خط نہ لکھنا۔

ہارون نے یہ خط پڑھا تو بے اختیار رونے لگا۔ سفیان ثوری کی نصیحت نے اس کے دل پر ایسا اثر کیا کہ اپنی اصلاح پر مجبور ہو گیا۔

صوفیائے کرام اور بزرگان دین

کے چیدہ چیدہ

اقوال

_____ افضل ترین رونا وہ ہے جو ایسے اوقات کے ضائع ہونے پر رویا جائے جن میں کوئی نیکی نہ کی گئی ہو۔ احمد خوارزمی

_____ دنیا میں سب سے طاقت ور وہ ہے جو اپنے غصے پر قابو پالے۔

عبداللہ جنین

_____ عمل میں اخلاص، عمل سے زیادہ سخت ہے۔

ابو اسحاق شامی

_____ بھوک فقراء کی معراج ہے

_____ عارف سورج کی طرح ہے کہ سب کو روشنی پہنچاتا ہے، وہ زمین کی طرح ہے کہ سب چیزوں کا بوجھ اٹھاتا ہے اور پانی کی

ابو اسحاق شامی

_____ طرح ہے کہ اس سے دلوں کو زندگی ملتی ہے۔

_____ تین آدمیوں سے پرہیز کرو: غافل علماء، دینی معاملات میں رور عایت کرنے والوں سے اور جاہل صوفیوں سے۔ یحییٰ معاذ

احمد خضرویہ

_____ صبر مضطر لوگوں کا زادِ راہ ہے اور رضا عارفوں کا درجہ ہے۔

_____ اپنے نفس کو ہلاک کرنا کہ تو زندہ ہو جائے۔

_____ خدا کی رضامندی چار چیزوں سے حاصل ہوتی ہے: وزی میں امن رکھنے سے، کام میں خلوص کے طفیل، موت کی

شقیق بلخی

_____ تیاری اور شیطان کی دشمنی سے۔

عبداللہ جنین

_____ ان چار چیزوں کے سوا دنیا میں اور کچھ نہیں: آنکھ، زبان، دل اور خواہش۔

علی سہل اصفہانی

_____ جسے گمان ہو کہ وہ حقیقت سے قریب ہے وہ اصل حقیقت سے دور ہے۔

_____ آدم سے لے کر آج تک لوگوں میں دل کے متعلق باتیں ہوتی رہی ہیں، لیکن مجھے ایسا کوئی نہیں ملا جو دل کے متعلق یہ

علی سہل اصفہانی

_____ بتا سکے کہ یہ کیسا ہے اور کیا چیز ہے۔

_____ جس کی ابتدا میں ارادت درست نہ ہوگی وہ بالآخر عافیت اور سلامتی سے محروم رہے گا۔

_____ عقلمند شخص خدا کے حکم پر، ذاکر خدا کی رحمت پر اور عارف خدا کے قرب پر زندگی بسر کرتے ہیں

سہل بن عبداللہ قسری

_____ جب تک نفس ہلاک نہ ہو، دل زندہ نہیں ہو سکتا۔

جو اپنے نفس کا مالک بن گیا وہ دوسروں کا بھی مالک بن گیا۔
 سہل بن عبداللہ تستریؒ
 محبت کا دعویٰ کرنے والا محبوب کی محبت کے علاوہ کسی اور شے کی طرف میلان رکھے تو وہ محبوب کا مذاق اڑاتا
 بشرحانی

جو کوئی جتنا عقلمند ہوگا، اتنا ہی زیادہ عارف ہوگا اور منزل پر بھی جلد پہنچ جائے گا۔
 (احمد خوارزمی)
 فقر کی انتہا تصوف کی ابتدا ہے اور تصوف اپنی حالت مخفی رکھنے کو کہتے ہیں۔
 ابراہیم العباسی
 جس کی تو نگری اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ ہمیشہ تو نگری ہے اور جس کی تو نگری کسب کے ساتھ ہے وہ ہمیشہ فقیر ہے گا
 یحییٰ معاذؒ

جب امر تباہ ہوتے ہیں تو لوگوں کی معیشت برباد ہوتی ہے۔ جب عالم تباہ ہوتے ہیں تو لوگوں کا دین بگڑتا اور برباد
 ہوتا ہے اور جب فقر تباہ ہوتے ہیں تو لوگوں کے دل تباہ ہو جاتے ہیں۔
 ابو بکر وراقؒ
 بشرحانی

نام و نمود اور شہرت کا خواہاں کبھی فلاح نہیں پاتا۔
 معرفت کے درخت کو تفکر کا پانی ملتا ہے اور غفلت کے درخت کو جہالت کا اور توبہ کے درخت کو ندامت کا۔ احمد سمرقانی
 آنکھوں سے دنیا کی طرف نہ دیکھنا اور دل سے اس کے متعلق فکر نہ کرنا تقویٰ ہے۔
 بشرحانی

دنیا والوں کو سلام کرو، مگر ان سے سلام کی توقع نہ رکھو۔
 نجات چار باتوں میں ہے: کم خوری، اتہائی، شب بیداری، اور خاموشی
 سفیان ثوری
 حدیث کی زکوٰۃ دینی چاہیے اور حدیث کی زکوٰۃ عمل ہے۔

انسان اپنی حقیقت کے اعتبار سے خدا ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ خدا نے اسے اپنی شکل پر پیدا کیا۔ منصور حلاج
 کفر کی سخت قسموں میں ایک ریا کاری ہے۔
 شاہ عبدالعزیز
 دنیا میں روؤ تاکہ آخرت میں شاد کام بنو۔
 یحییٰ معاذؒ

لوگوں سے اپنی حاجت طلب کرنا اپنی عزت اور حیا کو کھونا ہے، بلکہ عزت اس میں ہے کہ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے
 اس سے بے نیازی اختیار کر جائے۔
 امام باقرؑ

آدمی سے مراد دو چیزیں ہیں، صورت اور صفت۔ ان دونوں میں صفت ہی قابل اعتنا ہے۔
 تزکیہ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک بندہ خدا کے حضور گڑگڑائے نہیں۔
 شیخ رکن الدین

کابل، بخیل اور طول کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔
 خدا کا دوست دنیا کا دوست نہیں ہو سکتا اور دنیا کا دوست خدا کا دوست نہیں بن سکتا۔
 ابی اسحاق گازدنی

ریاضت یہ ہے کہ تمام جسمانی تعلقات کی نفی ہو اور عالم ارواح اور حقیقت کی طرف پوری توجہ ہو۔
 علاء الدین عطار

_____ عاقل وہ ہے جو اپنے نفس سے حساب لیتا ہے۔

محمد علی حکیم الترمذی

_____ جو شخص حرام کا ایک درہم بھی اس کے مالک کو واپس دے دیتا ہے اُسے نبوت کا ایک درجہ مل جاتا ہے۔

_____ جس میں ایک بھی نفسانی خواہش باقی ہے وہ آزاد نہیں۔ اس کی مثال اس مکاتب غلام کی ہے جس پر ایک درہم بھی

محمد علی حکیم الترمذی

باقی ہو تو وہ اس وقت تک غلام ہی ہوتا ہے۔

امام باقرؑ

_____ جو اپنی پریشانی لوگوں پر ظاہر کرتا ہے وہ رسوا ہوتا ہے۔

ابو عبد اللہ جلا

_____ انسان فقر کا حقدار اس وقت بنتا ہے جب اس کے پاس کوئی شے باقی نہ رہے۔

ابو بکر وراقؓ

_____ یقین ایک نور ہے جس سے بندہ اپنے حالات میں نورانی ہو جاتا ہے۔

_____ اس درویش کا دل بہت اچھا ہے جس سے نہ تو دنیا میں بادشاہ خراج مانگتا ہے اور نہ آخرت میں خدا اس سے حساب

ابو بکر وراقؓ

طلب کرتا ہے۔

ایضاً

_____ اپنے اور اپنے نفس کے درمیان صبر اختیار کرو۔

ابو حفص حداد

_____ خود عقلمند بننے کا دعویٰ نہ کرو، بلکہ دوسرے کی عقلمندی سے ڈرو۔

عبداللہ منازل

_____ جس شخص کی لوگ عزت و تکریم کریں اُسے چاہیے کہ اپنے آپ کو کمتر اور حقیر خیال کرے۔

"

_____ جس نے بندگی، سوال اور اس کے رد کا مزہ نہیں چکھا، اس میں کچھ بھی نہیں۔

"

_____ مجھے اس شخص پر بڑا غصہ آتا ہے جو حیا کے متعلق بات کرتا ہے، مگر خود خدا سے شرم نہیں کرتا۔

ابو تراب بخشبی

_____ انسان تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے، مگر تینوں اس کی نہیں۔ روح، نفس اور مال۔

ابو حمزہ خراسانیؓ

_____ توکل یہ ہے کہ انسان صبح بیدار ہو تو شام کا خیال نہ آئے اور شام ہو تو صبح کا خیال نہ آئے۔

"

_____ جو سفر تجھے درپیش ہے اس کے لیے تو شہ مہیا کر لے۔

احمد خضرویہؓ

_____ درویشوں کی خدمت سے تین خصلتیں ملتی ہیں: تواضع، حسن ادب اور سخاوت۔

احمد مسروقؓ

_____ زہد یہ ہے کہ زاہد پر خدا کے سوا اور کوئی حاکم نہ ہو۔

احمد خضرویہؓ

_____ نفس کو قتل کر دو تا کہ وہ زندہ ہو جائے۔

عبداللہ احمدؓ

_____ سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو لوگوں کی خدمت کرے۔

ابو حفص حدادؓ

_____ جس نے اپنے آپ کو رضا کی نظروں سے دیکھا وہ ہلاک ہو گیا۔

"

_____ خوف ایک ایسا چراغ ہے جس کی روشنی میں نیکی اور بدی دیکھی جاسکتی ہے۔

"

_____ اپنی فراست کے دعویدار نہ بنو، مگر دوسروں کی فراست کے ہمیشہ قائل رہو۔

_____ عورت کی خوبی دو باتوں سے ہے۔ اول یہ کہ اُسے کوئی نامحرم نہ دیکھے، دوسری یہ کہ وہ کسی نامحرم کو نہ دیکھے۔ حضرت طلحہؓ

_____ اگر موت بازاروں میں بکتی تو اہل آخرت موت کے سوا کوئی چیز دنیا میں نہ خریدتے۔

یحییٰ معاذ رازی

_____ جو شخص مال پر تکبر کرتا ہے اس کے ساتھ تکبر سے پیش آنا عین تواضع ہے۔

عمدون قصار

_____ جو بات اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھنی واجب ہے وہ دوسروں سے بھی پوشیدہ رکھو۔

_____ دنیا انسان کے سایے کی طرح ہے کہ اس کی طرف توجہ کرو تو وہ آگے آگے بھاگتا ہے اور پس پشت ہو تو آدمی کا پیچھا

حاجی امداد اللہ کی

نہ چھوڑے۔

ابو حفص حداد

_____ ولی وہ ہے جو اپنے نفس سے اخلاص کا آرزو مند ہو۔

_____ جو دنیا کو چھوڑتا ہے دنیا اس کا پیچھا کرتی ہے اور جو دنیا کا پیچھا کرتا ہے دنیا اس سے دور بھاگتی ہے اور دنیا

ابو حفص حداد

چھوڑنے والے کو ڈھونڈتی ہے۔

شاہ شجاع کرمانی

_____ تقویٰ کی علامت نازیدہ ہے اور زہد کی علامت شہادت سے بچنا ہے۔

_____ صوفی وہ نہیں جو خلوت نشینی یا چلہ کشی اختیار کرے، بلکہ صوفی وہ ہے جو اپنے آپ کو فنا کر دے۔

ابوالعلا

_____ جو کوئی خدا سے جتنی زیادہ محبت کرتا ہے اتنی ہی زیادہ ذلت اُسے اٹھانی پڑتی ہے۔

یوسف بن الحسن

_____ غنا یہ ہے کہ تو اپنے ہم جنسوں سے بے نیاز ہو اور فقیر یہ ہے کہ تو اپنے جلیسوں کا محتاج ہو۔

ابو تراب نخشی

_____ جب خداوند تعالیٰ کسی سے مواخذہ کرتا ہے تو اُسے اپنے کاموں سے الگ کر کے نفس کے کاموں میں مصروف کر

معروف کرخی

دیتا ہے۔

_____ دنیا کی محبت دل سے دور کر دو ورنہ اس حالت میں تم جو سجدہ کرو گے دنیا ہی کو کرو گے۔

"

_____ جو انہری تین باتوں سے ہے ۱۔ بغیر جود کے تعریف ۲۔ بغیر خلاف کے وفاق اور ۳۔ بغیر سوال کے عطا

"

_____ اے نفس مجھے رہا کر دے تاکہ تو بھی رہا ہو جائے۔

سری سقطی

_____ جو گناہ شہوت کی وجہ سے ہو اس کی بخشش کی امید کی جاسکتی ہے، لیکن جو گناہ غرور اور تکبر کی وجہ سے کیا جائے

سری سقطی

_____ اس کی بخشش کی امید نہ رکھو۔

_____ عارف وہ ہے جس کا کھانا رضیوں کا سا ہو، جس کا سونا مارگزیدہ کی طرح ہو اور جس کا عیش و آرام پانی میں غرق

سری سقطی

_____ ہونے والے کی طرح ہو۔

"

_____ جو لوگوں میں اپنے متعلق ایسی باتیں بیان کرتا ہے جو اس میں نہ ہوں وہ خدا کی نظروں سے گر جاتا ہے۔

"

_____ انسان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی خواہشات پر دین کو مقدم نہ کرے۔

یحییٰ معاذ

_____ جو پوشیدہ طور پر خدا کی خیانت کرتا ہے، خدا اس کی ظاہر میں پردہ درہی کرتا ہے۔

"

_____ خدا کے ساتھ باتیں زیادہ کرو اور لوگوں کے ساتھ کم۔

_____ مومن کے ساتھ تین باتیں کرنی چاہئیں۔ اگر اسے نفع نہ پہنچا سکو تو نقصان بھی نہ پہنچاؤ۔ اگر اسے خوش نہ کر سکو تو خفا بھی نہ کرو۔ اگر اس کی تعریف نہ کر سکو تو مذمت بھی نہ کرو۔
یہی معاذ

_____ عقلمند کی دنیا طلبی بے عقل کی ترک دنیا سے بہتر ہے۔

_____ دولت مند کے ساتھ تکبر سے پیش آنا عاجزوں کے ساتھ عجز و انکسار کے ساتھ پیش آنے کے برابر ہے۔

_____ توکل انسان کو غلامی سے آزاد کرتا ہے۔

_____ محبت وہ ہے جو وفا دیکھ کر زیادہ نہ ہو اور جفا دیکھ کر کم نہ ہو۔

_____ بہترین خوف یہ ہے کہ حقوق الہی کے بارے میں تم اپنے آپ کو سب سے زیادہ قصور وار سمجھو۔ شاہ شجاع کرمانی

_____ شکر نعمت یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہمیشہ طفیلی خیال کرو۔
حدودن قصار

_____ کسی کو اپنا محتاج نہ سمجھنا تو واضح ہے۔

_____ جہاں تک ممکن ہو دنیا کے لیے کبھی غصہ نہ کرو۔

_____ مصیبت کے وقت بے صبر ہو جانا خدا پر الزام تراشی اور تہمت لگانے کے برابر ہے۔

_____ بندوں کے دل روحانی صفت ہیں جب ان میں دنیا داخل ہوتی ہے تو روح پردہ کے پیچھے چلی جاتی ہے۔ منصور عمار

_____ بندہ کے لیے بہترین لباس عاجزی ہے۔ عارفوں کے لیے بہترین لباس تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

_____ جو مخلوق کے ذکر میں لگ جاتا ہے وہ خالق کے ذکر سے محروم ہو جاتا ہے۔

_____ نفس کی مخالفت ہی میں نفس کی سلامتی ہے اور اس کی متابعت میں ہلاکت۔

_____ زبان کی احتیاط رکھو تاکہ عذر خواہی کی ندامت سے بچ سکو۔

_____ اہل صدق کے پاس صدق سے بیٹھو، کیوں کہ یہ لوگ دل کے جاسوس ہوتے ہیں۔
احمد بن عاصم

_____ جو اپنے نفس پر مطمئن ہے اسے ہلاکت کا خوف سب سے زیادہ ہے۔

_____ تھوڑے اور معمولی گناہ کو تھوڑا اور معمولی سمجھنا ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔

_____ دل کو زندہ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دل کو ہمیشہ شکستہ رکھا جائے اور حرص سے بچا جائے۔
عبداللہ بھتیق

_____ انسان کسی حال میں صدق سے مستغنی نہیں اور صدق ہر حالت میں مستغنی ہے۔

_____ سکون کے بغیر توکل ایک اضطراب ہے۔

_____ خدا کی دوستی اور خلق خدا کی دشمنی کا نام تصوف ہے۔

_____ تصوف نہ علوم کا نام ہے نہ رسومات کا بلکہ نام ہے اخلاق کا۔

_____ صابر وہی ہوتا ہے جو مصائب و آلام کا خوگر ہو اور قانع وہ ہوتا ہے جسے اُتدہ کی فکر دامنگیر نہ ہو۔ عثمان الجسیری

خدا کے ساتھ خلوص نیت کا نام ہی اخلاص ہے۔

عثمان المہجری

خدا کی قدرت ظاہر ہے اور ہماری آنکھیں بند نہیں مگر اس کے باوجود ہماری نظر کمزور ہے۔

ابراہیم بن داؤد

دنیا میں سب سے قوی وہ ہے جو شہوت کو ترک کر دے اور سب سے ضعیف وہ ہے جو اپنی شہوت پر غالب نہ آسکے۔

ابراہیم بن داؤد

فقیر وہ ہے جو اپنے نفس اور دل کی حفاظت کرے اور حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔

ابو محمد زویم

عارف کا دل شیشے کی طرح ہوتا ہے کہ اس میں نظر ڈالے تو حق تعالیٰ کا جلوہ دیکھ لیتا ہے۔

اہل محبت اور حق کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

حضرت محبوب الہی

کامل وہ ہے جو عشق کے آغاز اور انجام میں قائم رہے اور ہلّ منّ سینئید پکارتا رہے۔

"

محبت بڑھ مصیبت اس لیے ہوتی ہے کہ ہر کمینہ اس کا دعویٰ نہ کرے۔

"

طریقت میر عارف وہ ہے جو ہر وقت تفکر کے عالم میں رہے۔

"

صادق وہ ہے جو دل سے خدا کے ساتھ ہے اگرچہ بظاہر بھائیوں کے ساتھ مصروف ہو۔

ابوبکر واسطی

خلق عظیم یہ ہے کہ نہ تیری کسی سے دشمنی ہو اور نہ کوئی تیرا دشمن ہو۔

"

جو چیز تمہاری طلب میں ہو اُسے مت طلب کرو اور جو شے خود تم سے ڈرتی ہے اُس سے تم خوف مت کھاؤ۔

"

تواضع یہ ہے کہ تو اپنے گھر سے باہر نکل کر جسے بھی دیکھے اُسے اپنے سے بہتر جانے۔

یوسف اسباط

لوگوں پر باجماعت نماز فرض نہیں مگر حلال کی طلب فرض ہے۔

"

گناہ کرنے والے سے میل جول رکھنا گناہ پر راضی ہونے کے برابر ہے اور گناہ پر راضی ہونا گناہ کرنے کے برابر ہے۔

"

صبر وہ تلخی ہے جس کا آخر شیرینی ہے اور شہوت وہ شیرینی ہے جس کا آخر تلخی ہے۔

معروف کرخانی

عقل مند وہ ہے کہ مصیبت نازل ہونے پر پہلے دن ہی کام کرے جو اُسے تیسرے دن کرنا پڑے۔

"

کسی کا بڑا چاہنے والا ہمیشہ خود مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔

"

جو شخص مال حرام میں سے صدقہ دیتا ہے وہ گویا پلید کپڑے کو خون سے دھو کر پاک کرتا ہے۔

سفیان ثوری

یقین کامل یہ ہے کہ تو مصیبت اور بلا کے وقت خدا پر الزام نہ دھرے اور صبر و شکر کے ساتھ اسے برداشت کرے۔

"

درویش کا کبوتر دولت مندوں کے تکبر سے بھی زیادہ ہے۔

حدرون قصار

حقیقی راحت نفسانی خواہشات سے چھٹکارا حاصل کرنے میں ہے۔

یوسف اسباط

انسانوں میں سب سے ذلیل وہ درویش ہے جو دولت مندوں کی خوشامد کرے۔

عبد اللہ محمد مغربی

بادشاہ کی مثال بازار جیسی ہے جس میں وہی چیزیں لائی جاتی ہیں جن کی مانگ ہو۔ اگر بادشاہ خود ٹھیک ہو گا تو

اس کی رعایا بھی اسی کی طرح نیک ہوگی اور اگر بادشاہ نیک نہیں تو رعایا بھی نیک نہیں ہو سکتی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ
اگر گناہ میں بڑھتی تو کوئی شخص میرے قریب نہ بیٹھتا۔

دنیا میں زندگی کی سائنسیس بہت کم اور قبر کی زندگی بہت لمبی ہے۔
محمد بن سیرینؒ

نیک اس کے نصیب میں ہے جس نے اپنی خواہشات کو ترک کیا اور محروم وہی ہے جس نے دنیا کے مقابلہ میں آخرت
ابن جوزیؒ سے منہ موڑا۔

اصل کمال یہ ہے کہ ظلم اور عمل دونوں جمع ہوں۔ مرتبہ اسی کا بلند ہے، جسے ان دونوں کی توفیق ہوئی
گزشتہ زندگی پر شرمندہ ہو اور ان گھڑیوں پر افسوس کرو جو مفت ضائع ہو گئیں۔

جو درویش نفسانی خواہش کے لیے امیروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کے لیے نجات نہیں۔ ابو عثمان سعیدؒ
دعویٰ کی نسبت گنہگار بہتر ہے، کیونکہ گنہگار گناہ کا معترف ہوتا ہے اور مدعی اپنے دعوے میں گرفتار۔

کسی چیز کو جاننے کے لیے اس کی ضد کا جاننا ضروری ہے۔ جب تک دیا کو نہ سمجھو، مخلص کا خلوص کمال نہیں۔
دنیا میں عزیز ہونے کی خواہش ہو تو تین چیزوں سے پرہیز کرو ۱۔ مخلوق سے حاجت مت چاہو۔ ۲۔ کسی کو برا نہ کہو۔

کسی کے ساتھ مہمان بن کر نہ جاؤ۔
جو شخص یہ خواہش رکھے کہ لوگ اُسے جانیں اُسے آخرت کی حلاوت نصیب نہ ہوگی۔

قناعت میں زندگی کی عزت کے بغیر کچھ نہ ہو تو یہ بھی کافی ہے۔
جب تک انسان اپنے اور نفس کے درمیان ایک دیوار نہ کھڑی کر دے، وہ نیاز اور نماز کی لذت سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔

بخیل کو دیکھنے سے انسان کا دل سخت ہوتا ہے۔
کامل وہ ہے جس کا بدخواہ اُس سے امن میں ہو۔

اگر خدا کی عبادت کرنے کی طاقت نہ ہو تو کم از کم گناہ ہی ترک کر دو۔
پرہیزگاری یہ ہے کہ تو ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے۔

جو حق بات کہنے سے باز رہتا ہے وہ گونگا شیطان ہے۔
امیروں کی تواضع فقیروں کے ساتھ دیانت ہے اور فقیروں کی تواضع امیروں کے ساتھ خیانت ہے۔

صاحب سخاوت وہ ہے جو اپنے نفس پر خدا کو مقدم رکھے۔
جب دل دنیا کی محبت سے خالی ہو جاتا ہے تو اس میں حکمت پیدا ہو جاتی ہے۔

نفس سے خدمت اور روح سے مکاشفہ ظاہر ہوتا ہے۔
برشے کا کوئی واعظ ہوتا ہے اور دل کا واعظ جیسا ہے۔

محمد الرواد بادی

جو امر وہ ہے جو دونوں جہانوں میں خدا ہی کی تمنا رکھے۔

”

خوف کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔

مولانا روم

ایمان کو دل کے صدق سے تازہ کرو نہ کہ صرف زبانی اقرار سے۔

”

جب تک ہوائے نفسانی تازہ ہے ایمان تازہ نہیں ہو سکتا۔

”

چونکہ بہت سے ابلیس انسان کی صورت رکھتے ہیں، اس لیے ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دو۔

”

مردانِ حق آفتاب کی مثل ہوتے ہیں جن کا کام روشنی اور گرمی پہنچانا ہے اور کمینوں کا کام بے حیائی اور فریب۔

نظام الدین اولیا

محض غرقہ در روشنی قابل اعتبار نہیں، اگر ایسا ہوتا تو تمام دنیا غرقہ بہن لیتی۔

”

دانا وہ ہے جو پیش آنے والے سفرِ آخرت کے لیے تیاری کرے اور توشہ ساتھ رکھ لے

”

توحید کے معنی خدا کو ایک کہنا ہے اور معرفت کے معنی خدا کو پہچاننا ہے۔

”

عارف کے ستر مقام ہیں، ان میں سے ایک اس جہان کی مرادوں کا نہ ملنا ہے۔

”

تکلیف کے موقع پر بددعا نہ دو تاکہ خدا اس کا بدلہ لے۔

اہل سماع اور صاحب ورد کو قوال کے ایک ہی شعر پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور دوسروں کو کئی ہنسیاں بھی حناڑ

نظام الدین اولیا

نہیں کر سکتیں۔

”

مومن وہ ہے کہ اگر وہ مشرق میں ہو اور مغرب میں کسی مسلمان کو کانٹا چھبے تو اُسے محسوس کرے۔

”

مرد میں چار باتوں کے باعث کمال پیدا ہوتا ہے۔ کم کھانا، کم بولنا، خلق سے کم راہ و رسم رکھنا اور کم سونا۔

”

جب بندہ محض خدا کے لیے کسی اور فیائے کو چھوڑ دیتا ہے تو اُسے اُس سے بہتر شے ضرور ملتی ہے۔

”

صبر یہ ہے کہ بندہ کو خلاف طبع کوئی امر لاحق ہو تو اس کی شکایت نہ کرے۔

”

ایمان اس وقت تک کامل نہیں جب تک نگاہ میں ساری خلقت کی حقیقت پھر سے بھی کم نہ ہو

فصل سعادت کی کئی کنجیاں ہیں، لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ نقل کس کنجی سے کھلے گا۔ اگر ایک سے نہ کھلے تو دوسری کنجی سے

”

کھولنا چاہیے۔ غرض تمام کنجیوں سے کھولنا چاہیے۔

انسان اس وقت تک تائب ہوتا ہے جب دوسری طرف کا فرشتہ پورے بیس روز تک اس کا کوئی گناہ نہ لکھے

ابو عبد اللہ جلا

پہلے وقت میں فرائض کو ادا کرنے والا عابد ہوتا ہے۔

”

موجودہ ہے جو جملہ افعال کو رضائے الہی سمجھے۔

”

تصوف ایک ایسا فقر ہے جو اسباب سے تعلق نہیں رکھتا

”

تو قمع معرفت کا شکر ہے، تواضع عزت کا شکر ہے اور صبر بصیبت کا شکر ہے۔

— جو شخص بات چیت کرتے وقت شرم و حیا کو محفوظ نہ رکھے، اسے خدا کی طرف سے مہلت دی جاتی ہے۔ — عثمان الجبر

— قانع وہ ہے جسے اُٹندہ کی فکر نہ ہو۔ —

— اطاعت سعادت مندی کی علامت ہے۔ —

— اخلاص کی علامت یہ ہے کہ نفس کا کسی حالت میں بھی دخل نہ ہو۔ اور خدا کے ساتھ خلوص نیت ہی اخلاص ہے۔ —

— جو شخص سنت رسول کی پیروی کرتا ہے وہ حکمت بیان کرتا ہے اور جو حرص و ہوس کا اسیر ہے وہ بدعت کے گڑھے میں

گر جاتا ہے۔ —

— انسان چار اوصاف کے بغیر کامل نہیں ہوتا، اور وہ اوصاف یہ ہیں: عزت، ذلت، منع اور عطا۔ —

— خدا کی اتیانج، غیر خدا سے فرار، مراقبہ اور تواضع یہ چار باتیں ہیں جن پر دل کی صلاحیت کا دار و مدار ہے۔ —

— جسے کوئی غم نہ ہو وہ ہی غم زدہ ہے، مومن کے لیے ہر شے کا غم ہی اس کی فضیلت ہے۔ مگر گناہ کے سبب سے نہ ہو۔ —

— خوف خدا تک پہنچاتا ہے اور تکبر خدا سے دور کر دیتا ہے۔ —

— اپنے عیوب اور کسی کو نظر نہیں آتے، سوائے اس شخص کے جو ہر وقت اپنے آپ کو ملامت کرتا رہے۔ —

— تین اوصاف کا حامل عزیز ترین ہوتا ہے: اول وہ جو عالم ہو اور علم بیان کرے۔ دوسرا وہ جو لالچ سے دور ہو، تیسرا وہ

عارف جو حق کی صفات کیفیت کے بغیر بیان کرے۔ —

— زاہدوں میں سب سے اچھا وہ ہے جو موت کو یاد رکھے۔ — عثمان ہرونی

— مومن وہ ہے جو تین چیزوں کو دوست رکھے: موت، ادریشی اور بھوک۔ —

— لڑکیاں خدا کا ہدیہ ہیں، جو انھیں خوش رکھے، اس سے خدا اور رسول خوش ہوتے ہیں۔ —

— مرد وہ ہے جو خدا کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے اور دنیا و آخرت میں مبتلا نہ ہو۔ —

— علم کی دو قسمیں ہیں، ایک خاص خدا کے لیے علم سیکھنا اور ایک عوام کے طریقہ پر۔ اسی طرح عمل کی بھی دو قسمیں ہیں ایک

وہ جو خاص خدا کے لیے کیا جائے، یہ خواص کا عمل ہے اور دوسرا عمل وہ ہے جو لوگوں کے لیے کیا جائے۔ —

— بہت سی ایسی مصیبتیں ہیں جو امیروں کو اٹھانی پڑتی ہیں اور غریب ان سے بچے رہتے ہیں۔ — احمد کبیر

— دولت کسی کو شریف نہیں بنا سکتی۔ اور نہ ہی افلاس کے باعث کوئی کینہ بن جاتا ہے۔ —

— اہل قلوب کی صحبت اور ان کی دوستی جب ہی فائدہ دیتی ہے کہ ان کی صحبت کے آداب سے آگاہی ہو اور ان کی پوری

رعایت کی جائے، ورنہ خطرے کا باعث ہے۔ —

— ارباب شہود کی صحبت دل کو گرفتاری سے جلد نجات دیتی ہے لہذا ایسی صحبت کو صحبت کی نگہداشت کے ساتھ اپنے

ادب پر لازم رکھو۔ — ناصر الدین عبید اللہ

عمل کو محبوب رکھنا چاہیے نہ کہ حضور و جمعیت کو۔ اس لیے کہ حضور و جمعیت اختیاری نہیں۔ اس میں فتور کو بہت کچھ دخل ہے، بخلاف عمل کے کہ یہ کسب کی چیز اور اختیاری معاملہ ہے۔
ناصر الدین عبید اللہؒ

زیادہ بھوک اور زیادہ بیداری دماغ کو ضائع کرتی ہے اور اسے حقائق کے ادراک سے عاری کر دیتی ہے۔ اس لیے بعض اہل ریاضت سے کشف میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ البتہ زیادہ بیداری اسے نقصان نہیں دیتی، جس کے لیے اس میں فرحت و اطمینان منتج ہو چکا ہو، کیوں کہ یہ فرحت و سرور ہی خواب کا کام دیتا ہے اور دماغ کو نقصان سے بچاتا ہے۔
عمل کرو اور اپنے عمل کو ناقص اور اپنے آپ کو قاصر سمجھ کر اس کی اصلاح میں لگے رہو۔
عزیزان علی را مینتیؒ

بات کرتے وقت اور کھاتے وقت اپنے آپ کو خوب نگاہ میں رکھو۔
منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے سالک کو بہت محنت و ریاضت کی ضرورت ہے، مگر آسان ترین راستہ یہ ہے کہ اہل دل کے دل میں جگہ حاصل کرے۔ چونکہ اہل دل کا دل خدا کی نظر کا مقام ہوتا ہے، اس لیے وہ بھی اس نظر سے ضرور حصہ پائے گا۔
عزیزان علی را مینتیؒ

توڑنا اور جوڑنا ایمان ہے۔
جو سالک فتنائے نفس کی حد تک نہیں پہنچتا، جب وہ غصہ میں آتا ہے تو شیطان اس پر غلبہ پالیتا ہے، لیکن جس نے اپنے نفس کو فنا کر دیا اسے غصہ نہیں آتا، غیرت آتی ہے اور غیرت سے شیطان بھاگتا ہے۔
عبدالحق مجدوانیؒ
جو سانس اندر سے نکلے وہ حضوری و آگاہی سے ہوتا چاہیے اور اس میں غفلت کو راہ نہیں ہونی چاہیے۔
سالک کی نظر ہمیشہ پشت پا پر رہنی چاہیے تاکہ پرگندہ نہ ہو اور ایسی شے پر نہ پڑے جسے دیکھنا ناروا ہو۔
سالک سے جس قدر ملیں ہو اپنی خاطر کو نگاہ میں رکھے تاکہ غیبا اس میں نہ گزرے اور قوت متخیلہ اپنے عمل سے نیم ساعت کے لیے بھی معزول ہو جائے تو اہل تحقیق کے لیے عظیم امر ہے۔

خدا طلبی بلا طلبی ہے، جیسا کہ حدیث قدسی ہے کہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے میں اسے بتلا کر تا اور آزماتا ہوں۔ بہاؤ الدین محمد نقشبندیؒ
جو عمدہ غذا سے بھرا ہوا اس میں حکمت نہیں آسکتی۔
داؤد طانیؒ

علماء کا علم دو حرفوں میں ہے، اصلاح ملت اور تجربہ خدمت!
بدخو عالم کی نسبت نیک خوفاستق کی صحبت اچھی ہے۔
عالم وہ ہے جو بجائے علم کے اپنا عالم ہو۔
ابوالحسن خرقانیؒ

نفع دینے والا علم وہ ہے جس کا تو پابند ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور بہترین عمل وہ ہے جو تجھ پر فرض ہے۔
اگر تم اپنے علم پر عمل کرتے تو یقیناً دنیا سے دور بھاگتے، اس لیے کہ علم میں کوئی شے ایسی نہیں جو دنیا سے محبت کرنا سکھائے۔
عزت اعظمؒ

خوش اعظم

_____ کتنا بھی زیادہ علم حاصل کرو مگر اسے تھوڑا ہی جانو۔

_____ افضل شے کو افضل علم کے ذریعہ جاننا حکمت کہلاتا ہے۔

_____ بے علم نیک چلن ان عالموں فاضلوں سے اچھا ہے جو اخلاق سے گرے ہوئے ہوں۔

_____ حکمت عارفوں کے دل میں تصدیق کی زبان سے ہم کلام ہوتی ہے، زاہدوں کے دل میں تفضیل کی زبان سے،

عابدوں کے دل میں توفیق کی زبان سے، مریدوں کے دل میں تفکر کی زبان سے اور عالموں کے دل میں تذکر کی زبان

منصور عمار

_____ سے۔

_____ علم کے سمندر میں تیرنے والے بچوں کو ان کی اپنی قوت سے تیرنا سکھاؤ۔

_____ لوگوں نے مردوں سے علم سیکھا ہے، مگر میں نے ایسے زندہ سے علم سیکھا ہے جسے کبھی موت نہیں آسکتی۔ بائبل بیبٹائی

_____ عالم شخص کے اندر ایک لاکھ جاہلوں کے برابر طاقت ہوتی ہے۔

_____ میرے لیے علم ظاہری کی متابعت سے زیادہ دشوار اور کوئی نہیں۔

_____ علم وہ ہے جس سے دنیا حقیر دکھائی دے اور عقبی کی رغبت بڑھے۔ دنیا کی بُرائی کا علم ہو جائے اور بُرے اخلاق

امام غزالی

_____ دور ہو سکیں۔

_____ علم آزاد ہے اور طالب علم اس کا غلام۔ غلام خدمت کرے گا تو اتنا اس سے خوش ہوگا اور اگر ناز کرے گا تو علم کا حق

امام شافعی

_____ ناز برداری پر زیادہ ہوگا۔

_____ جس طرح عالموں کے نزدیک جہل جہالت ہے، اسی طرح جاہلوں کے نزدیک علم جہالت ہے۔

_____ علم کی فصیلت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ جاہل اس کے مدعی ہیں اور جہل کی بُرائی یہ کیا کم ہے کہ جاہل اپنے جہل سے

_____ منکر ہے۔ اگر جاہل کو جاہل کہیں تو اسے غصہ آجاتا ہے۔

_____ علم حاصل کرنا نفل پڑھنے سے افضل ہے۔

_____ علم دو ہیں، علم روح اور علم جسم۔ علم روح علم دین ہے اور علم جسم طب ہے۔

_____ جس نے جاہلوں کو علم سکھایا، اس نے علم کو ضائع کیا اور جس نے مستحق کو علم سکھانے سے گریز کیا اس نے ظلم کیا

_____ علم بہت شریف چیز ہے، لیکن جب اسے حاصل کر کے درد کا چکر لگایا جائے تو ذلیل ہو جاتا ہے۔ نظام الدین اولیاء

شجرہ ہائے طریقت

مشائخ سلسلہ چشتیہ !

سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
 حضرت خواجه شمس الدین ترک
 حضرت خواجه محمد جلال الدین
 حضرت شیخ احمد عبدالحق اردوئی
 حضرت شیخ احمد عارف
 حضرت شیخ محمد
 حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی
 حضرت خواجه رکن الدین گنگوہی
 حضرت خواجه عبدالواحد سرہندی
 حضرت شیخ احمد سرہندی
 مجدد الف ثانی
 خواجه محمد معصوم
 حضرت خواجه حجیت اللہ مجدد نقشبند
 حضرت خواجه محمد زبیر
 حضرت خواجه ابویوسف چشتی
 حضرت خواجه مودود چشتی
 حضرت خواجه شریف زندی
 حضرت خواجه عثمان ہرودی
 حضرت خواجه معین الدین چشتی
 حضرت خواجه قطب الدین بختیار کاکلی
 حضرت خواجه فرید الدین گنج شکر

مشائخ سلسلہ قادریہ

سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
 حضرت امیر المؤمنین حضرت علی
 ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ
 حضرت امام حسن علیہ السلام
 حضرت خواجه حسن بصری
 حضرت خواجه حبیب عجمی
 حضرت خواجه داؤد طائی
 حضرت خواجه معروف کرخی
 حضرت خواجه سقظی
 حضرت خواجه جنید بغدادی
 حضرت خواجه ابوبکر شبلی
 حضرت خواجه عبدالعزیز نیمی
 حضرت خواجه عبدالواحد قسیمی
 حضرت خواجه محمد طوسی
 حضرت خواجه ابوالحسن سنکاری
 حضرت خواجه مبارک خرمی
 حضرت سید محی الدین عبدالقادر جیلانی
 حضرت تاج الدین سید عبدالرزاق
 حضرت شاہ شرف الدین قتال
 حضرت خواجه شاہ عبدالوہاب

مشائخ سلسله نقشبندیہ

سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت سلمان فارسیؓ

حضرت امام قاسمؓ

حضرت امام جعفر صادقؓ

حضرت بایزید بسطامیؓ

حضرت ابو الحسن خرقانیؓ

حضرت ابو علی فارمدیؓ

حضرت ابو یعقوب یوسف ہمدانیؓ

حضرت عبدالخالق بغدادیؓ

حضرت عارف ریگریؓ

حضرت محمود ابی نعیمؓ

حضرت علی رامیتنیؓ

حضرت محمد بابا سہاسیؓ

حضرت سید امیر کلالؓ

حضرت بہاؤ الدین محمد نقشبندؓ

حضرت علاؤ الدین عطارؓ

حضرت یعقوب چرخيؓ

حضرت ناصر الدین عید اللہ احرارؓ

حضرت محمد زاہد بدخشیؓ

حضرت درویش محمدؓ

حضرت خواجہ محمد اکنگلیؓ

حضرت خواجہ محمد باقی باللہؓ

حضرت مجدد الف ثانیؓ

خواجہ محمد معصومؓ

حضرت محمد نقشبند ثانیؓ

حضرت محمد زبیرؓ

حضرت شاہ قطب الدینؓ

حضرت حافظ جمال اللہؓ

حضرت شاہ عیسیٰ ولیؓ

حضرت بابا محمد فیض اللہؓ

حضرت بابا نور محمدؓ

حضرت خواجہ نامدار شاہؓ

حضرت سید چمن شاہؓ

حضرت خواجہ محمد صدیقؓ

حضرت خواجہ محمد رفیقؓ

مشائخ سلسله نقشبندیہ

(جامعین ہر سہ سلاسل)

حضرت خواجہ خواجگان شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؓ

حضرت خواجہ محمد معصومؓ

حضرت خواجہ حجنتہ اللہ محمد نقشبند ثانیؓ

حضرت خواجہ محمد زبیرؓ

حضرت خواجہ شاہ قطب الدینؓ

حضرت حافظ جمال اللہؓ

حضرت شاہ عیسیٰ ولیؓ

حضرت بابا فیض اللہؓ

حضرت بابا نور محمد تیراہیؓ

عُرسہائے بزرگانِ پاکستان

مقام عرس	نام بزرگ	مقام عرس	نام بزرگ
لاہور	مولوی غلام قادر	لاہور	داتا گنج بخش
"	شمس الدین قاری	"	میاں میر
"	بی بی پاک دامن	"	صدر دیوان لاہوری
"	حامد قادری	"	شاہ شرف
"	شیخ موسیٰ اننگر	"	مادھو لال حسین
"	عبد الجلیل لاہوری	"	شاہ بلاول
"	شاہ سید دیوان	"	پیر کی
"	ہر اباد شاہ	"	گھوٹے شاہ
"	ابوالخیر زکھ ہزاری	"	شاہ محمد غوث
"	سید صوفی	"	شاہ جمال
کورہ کی	بابا گلوشاہ	"	حشو تیلی
ضلع سیالکوٹ		"	موج دریا بخاری
سیالکوٹ	امام علی لاجپور	"	شاہ چراغ
"	خواجہ شمس الدین	"	شاہ سروانی
کوٹلہ شریف	امیر الدین عرف بابا صاحب	"	عبداللہ شاہ قادری
علی پور سیدیاں	جماعت علی شاہ (حافظ)	"	شاہ ابوالسحاق قادری
"	جماعت علی شاہ ثانی	"	فقیر تاجے شاہ
گجرات	بابا سلیم	"	سید یعقوب زنجانی
دادوالی شریف	خواجہ فیض الرسول	"	شاہ اسماعیل محدث
راولپنڈی	بری شاہ لطیف	"	میاں وڈا
بونیر	پیر بابا	"	چوکی سخی سرد

الآن أولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ۝

انوار اصفا

دنیاے اسلام کے نوے صوفیائے کرام، اولیائے عظام اور
عارفان عالی مقام کے مکمل حالات و کوائف، انہیں کے ملفوظات
و تصنیفات اور مستند کتب تواریح کی عروشی میں!

مرتبہ

ادارہ تصنیف و تالیف

شیخ الاسلام علی الہدیٰ سنٹر (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پشاور
لاہور ۰ حیدرآباد ۰ کراچی